۷۸۶

وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

مجموعہ

فتاویٰ مولانا عبدالحی اردو

کامل مبوب

مُصنّف

حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ

مُترجم

مولانا خورشید عالم صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند

ناشر: ملک پبلشرز دیوبند یوپی (انڈیا)

تزئین ——— مولانا خورشید عالم صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند

اشاعتِ اول: ——— مارچ ۱۹۶۹ء

تعداد: ——— ایک ہزار

صفحات: ——— پانچ سو ساٹھ (۵۶۰)

قیمت مجلد: ——— تیس ۳۰/ روپے

مطبوعہ: ——— پرنٹنگ پریس دیوبند

باہتمام: ——— عمر فارق عثمانی منیجنگ ڈائرکٹر ملک پبلشرز دیوبند

ناشر: ——— ملک پبلشرز دیوبند

عرضِ ناشر

کفر والحاد کے موجودہ دور میں مسلمانوں کو جس قدر اپنے دین اور اسلام کی طرف توجہ کرنی چاہیئے تھی اس کے بالکل برعکس مذہب سے بے توجہی اور تعلیم اسلامی سے بے رغبتی بڑھتی جارہی ہے۔ جائز و ناجائز۔ حلال و حرام کا امتیاز اور باہمی فرق اور اس کی اہمیت لوگوں کے دلوں سے تقریباً ختم ہو چکی جو مسلمانوں کی پستی کا سبب بنی۔

مسلم اکیڈمی دیوبند کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عوام کو مذہبی تعلیمات اور حقائق اسلامی سے روشناس کرنے کے لیئے ہر مؤثر طریقہ اختیار کیا جائے۔ بحمد اللہ اس ارادہ میں کامیابی ہوئی۔ اور اکیڈمی نے مختلف کتابیں اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیئے پیش کیں۔

مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی کا مجموعۂ فتاویٰ جو فقہی اور اعتقادی مسائل کا ایک نادر ذخیرہ ہے اور بارہا طبع بھی ہو چکا مگر غیر مبوب اور تین حصوں میں منقسم ہونے اور تین زبانوں میں مخلوط ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ اس سے استفادہ نہ ہو سکا۔ اس لیئے مولانا موصوف کی محنت و کاوش کی افادیت کو اجاگر کرنے اور عوام و خواص کے لیئے قابلِ استفادہ بنانے کے لیئے یہ مبوب جدید ایڈیشن نہایت محنت و جانفشانی سے شائع کیا۔ مرتب فتاویٰ مولانا خورشید عالم صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے مسائل کی جدید ترتیب و تبویب کے بعد ، دو فتاویٰ کو بجنسہ باقی رکھتے ہوئے فارسی و عربی فتاویٰ کا ترجمہ نہایت سہل اور عام فہم زبان میں کیا۔ اور قرآن و حدیث سے جس قدر دلائل پیش کیے گئے ان کا ترجمہ بھی تحریر فرمایا۔ نیز بعض ضروری مواقع میں کتب فقہ کے حوالوں کا بھی ترجمہ کر دیا۔ اور ہر ایک مسئلہ کا عنوان قائم کر کے اصل مسئلہ سے پہلے لکھدیا۔ تاکہ مسائل کے نکالنے میں کوئی دقت اور دشواری نہ ہو۔ خدا تعالیٰ طالبین کو مستفید فرمائے اور اکیڈمی کی حقیر خدمت کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور منتظمین اکیڈمی کے لیئے باعثِ نجات۔ آمین۔

مختار علی
ڈائریکٹر ملک پبلشرز دیوبند

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حق سبحانہ وتعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے ہر دور میں مصلحین بصورت انبیاء و اولیاء و علماء بھیجتے رہے لیکن خاتم النبیین کے بعد یہ خدمت صرف علماء صالحین کے سپرد کردی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہر زمانے میں اس خدمت کو انجام دینے والے ہر جگہ موجود رہے۔ اور آج اس گئے گذرے دور میں بھی اللہ کے بے شمار نیک بندے اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں۔ اس میدان کے شہسواروں میں حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب مرحوم کا نام نامی بھی قابلِ یادگار ہے۔ سہ شنبہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ کا دن بھی امتِ مسلمہ کے لئے قابلِ یاد ہے کہ باری تعالیٰ نے مشہورِ دوراں استاذ الاساتذہ عالمِ زماں مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم لکھنوی کو باندہ شہر کے قیام کے زمانہ میں جس وقت کہ وہ ایک مدرسہ میں مدرس تھے ایک صحیح جانشین عطا فرمایا جو الولد سر لابیہ کا مصداق ثابت ہوا۔ ولادت سے ساتویں روز والد بزرگوار نے اپنے فرزند ارجمند کا نام عبدالحیٔ رکھا اور بالغ ہوجانے کے بعد خود والد نے آپ کی کنیت ابوالحسنات تجویز کی۔ علم اور کنیت کا اثر مولانا موصوف کی زندگی کے ہر گوشہ سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ لڑکا ہونہار تھا، پانچ سال کی عمر میں حفظِ قرآن شروع کیا اور دسویں سال حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ اردو فارسی علوم سے فراغت ہوگئی۔ اس کے بعد علوم عربیہ کی تعلیم شروع کی۔ علم حدیث وتفسیر فقہ واصول اور دیگر علوم کی تکمیل والد بزرگوار سے کی۔ البتہ علوم ریاضی کی تکمیل کے لیۓ اپنے والد کے ماموں اور استاذ حضرت مولانا محمد نعمۃ اللہ صاحب ماہر ریاضیات کی طرف رجوع کیا اور نفیسی، بیضاوی، الاسطرلاب للطوسی وغیرہ کتب پڑھیں۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ میں ان کا آخری شاگرد ہوں، اور میں نے اسی زمانہ میں محقق نصیر الدین طوسی کو خواب میں دیکھا اور ان سے کچھ سوالات کیے جس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور میری ہمت افزائی کی۔

مولانا نے سترہ سال کی عمر میں جملہ علوم حدیث وتفسیر فقہ واصول۔ ریاضی وفلسفہ وغیرہ سے فراغت حاصل کی۔ اور والد بزرگوار نے اجازت دے دیدی۔ والد کے علاوہ دیگر حضرات مثلاً الشیخ الجمال الحنفی المکی السید احمد دحلاق الشافعی المکی، السید محمد بن عبداللہ المدنی حنبلی نے بھی اجازت دی ہے۔

مولانا کو دورانِ تعلیم سے ہی تصنیف وتالیف کا ذوق وشوق تھا اور یہی وجہ ہے کہ قلیل عرصہ میں مولانا نے درسی کتابوں پر شروح وحواشی اور تعلیقات بے شمار تحریر فرمائے جس کا اندازہ بخوبی وہی شخص کرسکتا ہے جو اس میدان کا مرد ہو اور ذوق علمی رکھتا ہو اور مشغلہ درس وتدریس ہو کہ حضرت موصوف نے کس قدر جانفشانی اور محنت وکاوش سے یہ گرانقدر سرمایہ اوراق میں جمع کیا ہے اور طالبین کس قدر مستفید ہو رہے ہیں اور مولانا کی یہ خدمت کسی ایک علم کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ نحو صرف، منطق، حکمت وفلسفہ، مناظرہ، تاریخ سے آگے بڑھ کر حدیث وفقہ کی جو خدمت کی ہے اہل علم اس کو بھلا نہ سکیں گے حدیث میں موطا امام محمد پر مشہور و معروف حاشیۃ التعلیق الممجد کے نام سے ہمیشہ باقی رہنے والی یادگار ہے۔ فقہ میں ج

مولانا کا خصوصی فن تھا اور اسی میں زندگی کے بیش بہا اکثر ایام صرف کر دیئے۔ ایسے نادر و نایاب ذخائر جمع کر دیئے جن کو کسی زمانہ میں فراموش اور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ دور کے تمام مدارس میں مقبول اور مروجہ کتاب شرح الوقایہ کی بڑی خدمت کی۔ سب سے پہلے ایک مختصر حاشیہ لکھا۔ جو حاشیۂ قدیم کے نام سے موسوم ہے اس کے بعد مستقل طور پر مفصل و مدلل شرح تحریر فرمائی جس کو سعایۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور پھر ایک حاشیہ عمدۃ الرعایۃ کے نام سے تحریر فرمایا جو آج تک مقبول بین الناس ہے۔ فقہ حنفی کی مسلمہ کتاب ہدایہ کی بھی خدمت کی اور اس پر حاشیہ لکھا۔ اس کے علاوہ بے شمار رسائل حسب ضرورت مختلف موضوعات اور متفرق مسائل پر تحریر فرمائے جن کے حوالے شرح وقایہ کے حواشی میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ نحو میں خیر الکلام، صرف میں التبیان، مناظرہ میں الھدیۃ المختاریۃ، منطق میں رسالۂ قطبیہ کے حواشی الزاہد پر تعلیقات قدیمہ و جدیدہ۔ تاریخ ابناء الخلان با بناء علماء ہندوستان وغیرہ۔ قابل یاد اور قابل استفادہ ہیں اور بہت سی ایسی تالیفات بھی ہیں جو آج تک طبع ہی نہیں ہو سکیں۔

مولانا کی تصنیفات و تالیفات نوّے کے قریب بتائی جاتی ہیں۔

مولانا موصوف کو فقہ سے خصوصی تعلق اور ذوق و شوق کے ساتھ ایک حد تک مناسبت بھی تھی جس کا اندازہ آپ کے مجموعہ فتاویٰ مسمیٰ فتاوی عبدالحی سے بخوبی ہوتا ہے جس میں جملہ احکام فقہیہ کو بہت اچھے اور مناسب انداز میں اختصار کے ساتھ مگر مدلل بیان کیا گیا ہے اور بعض مسائل ضروریہ میں تفصیل بھی ہے۔ تمام مسائل کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی کی اولین کوشش یہ رہی ہے کہ ہر مسئلہ کو کتاب اللہ سے ثابت کیا جائے اور اس کے بعد سنت رسول اللہ اور پھر فقہاء امت کے اقوال و افعال اور ان کی کتابوں کے حوالوں سے۔ یہی وجہ مجموعہ کی خصوصیت اور مقبولیت کی بنی کہ مولانا موصوف نے کسی مسئلہ کو تشنہ نہیں چھوڑا، بلکہ حتی الوسع مکمل و مدلل بحث فرمائی اور نہایت دل چسپ اور سہل انداز میں۔ مسائل فقہیہ کے علاوہ ایمان و اعتقادات سے متعلق بھی بہت اچھا اور عجیب ذخیرہ عوام کے لیئے پیش کیا۔ مطالعہ کرنے کے بعد ہی اس کی حقیقت اور افادیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ نیز مشرکانہ رسوم اور بدعات کا بہت عجیب و غریب انداز میں رد فرمایا۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ مولانا موصوف نے جس قدر محنت و کاوش افتاء میں فرمائی اس سے خاطر خواہ استفادہ نہ ہو سکا جس کی وجہ یہ ہے کہ جوابات میں مستفتی اور سائل کے سوال کا لحاظ رکھا گیا اور اردو فارسی عربی تینوں زبانوں کے فتاوی کو یکجا کر دیا گیا۔ اس لیئے عوام الناس کے لیئے استفادہ ناممکن ہو گیا۔ اور اس سے بڑی وجہ دوسری یہ ہے کہ مجموعہ کو تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور ہر ایک جلد میں بعینہ وہی باب قائم کیئے گئے جو دوسری اور تیسری جلد میں موجود ہیں۔ اس لحاظ سے ہر ایک باب کے مسائل تین جلدوں میں منتشر ہو گئے جس کی وجہ سے کسی مسئلہ کو نکالنا اور اس کا حکم بآسانی معلوم کر لینا دشوار تھا۔ عوام و خواص سب ہی اس میں مبتلا تھے۔ خدا تعالیٰ مختار علی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس مشکل کو حل کرنے کی طرف توجہ دی اور مجھ سے فرمایا کہ مجموعۂ فتاویٰ کی جدید ترتیب و تبویب کی جائے۔ اور فارسی و عربی زبان میں جس قدر بھی فتاویٰ ہیں ان کا سہل اور عام فہم زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ میں نے پہلو تہی کی کیونکہ من آنم کہ من دانم، پیش نظر تھا اور مشاغل بھی اجازت نہ دیتے تھے۔ مگر موصوف کا اصرار بڑھتا رہا اس لیئے بنام خدا خدمت عظیمہ کو اپنے ذمہ لے لیا (خدا تعالیٰ قبول فرمالیں) اور سب سے پہلے

پورے مجموعہ کو اسّی ابواب پر تقسیم کیا۔ چونکہ مجموعہ میں مسائل فقہیہ کے علاوہ عقائد کا بھی معتد بہ حصہ موجود ہے اس لیے تقاضائے عقلی و شرعی کی وجہ سے عقائد کے ابواب کو مقدم اور مسائل فقہیہ کے ابواب کو مروجہ کتب فقہ کی ترتیب کے مطابق مؤخر رکھا۔ اور ابواب کے تحت مذکورہ تقریباً نو سو مسائل ذکر کیے گئے اور ہر ایک مسئلہ کا مستقل عنوان قائم کر کے اس کو اصل مسئلہ سے پہلے لکھ دیا تاکہ استفادہ کرنے میں آسانی ہو اور عوام الناس کی رعایت کی خاطر صرف عربی و فارسی کے فتاوی کا ترجمہ عام فہم زبان اور سہل انداز میں کیا اور اردو کے مسائل کو بحالہ باقی رکھا اور جوابات میں اس بات کا خاص طور سے اہتمام کیا گیا کہ ہر ایک مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کا حکم ابتداءً اثبات یا نفی کی صورت میں دے دیا گیا۔ اب اگر کسی مسئلہ میں استدلال آیاتِ قرآنیہ سے ہے تو آیت کریمہ کا ترجمہ حضرت شیخ الہند رح کے ترجمہ کے مطابق درج کیا گیا۔ اور اگر استدلال حدیث سے ہے تو حسب ضرورت اس کا بھی ترجمہ مذکور ہے اور بعض جگہ صرف خلاصہ پر اکتفا کیا گیا۔ چونکہ اکثر و بیشتر مسائل میں کتب فقہ کے حوالے بھی بکثرت موجود ہیں۔ اگرچہ مسئلہ کا اجمالی حکم پہلے ہی ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مگر بعض ضروری مواقع میں ان حوالوں کا بھی ترجمہ کر دیا گیا۔

ترجمہ کرتے وقت بعض فتاوی ایسے بھی نظر سے گذرے جن میں مولانا موصوف جمہور فقہاء سے منفرد اور علیحدہ نظر آتے ہیں اور ان کا فتوی جمہور کے فتوی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ایسے مواقع میں اصل فتوی لکھنے کے بعد نوٹ لکھ دیا گیا ہے تاکہ جمہور فقہاء کا فتوی بھی عوام کو معلوم ہو جائے۔

نوٹ :۔ ترجمہ کرتے وقت میرے پاس مجموعہ فتاوی کا جو نسخہ تھا وہ اس قابل نہ تھا کہ صرف اسی پر اعتماد کر لیا جائے کیونکہ اس میں غلطیاں بہت زائد تھیں۔ اس لیے حوالے نقل کرنے کے لیے اصل کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ مگر بہت سی ایسی کتابوں کے حوالے بھی ملے جو آج کل نایاب ہیں، ایسے مواقع میں تصحیح کا بہت اہتمام کیا گیا۔ اگر کسی جگہ کوئی غلطی رہ گئی ہو یا ترجمہ میں کوئی سہو ہو گیا ہو تو اپنے بھائیوں سے امید ہے کہ معاف فرمائیں گے اور اس غلطی سے آگاہ فرمائیں گے۔

خدا تعالی اس سعی حقیر کو قبول فرمائے۔ آمین۔

حافظ مولوی خورشید عالم
مدرس دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین فتاویٰ مولانا عبدالحی مبوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الایمان والکفر

منکر شفاعت رسولؐ

سوال (۱) اگر کوئی نالائق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیۓ اذن شفاعت کا منکر ہو کر مسلمانوں کی جماعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیع المذنبین ہونے میں شک ڈالے اور اس آیۃ کریمہ سے استدلال کرے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ، ایسے شخص کا کیا حکم ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیۓ اذنِ شفاعت دنیا و آخرت میں اپنی امت کے لیۓ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہ، بینوا توجروا

جواب:- جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیع ہونے میں شک ڈالتا ہے وہ معاند و ملحد اور زندیق اور آیات قرآنیہ کا منکر ہے، قرآنِ مجید میں فرمایا:-

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ — اور معافی مانگ اپنے گناہ کی اور ایماندار مردوں اور عورتوں کیلئے

اور عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا — قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقامِ محمود میں

اور وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی — اور آگے دیگا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہو گا۔

وغیر ذلک، نیز احادیث مشہورہ صحاح ستہ وغیرہا میں شفاعت محمدیہ کے ثبوت میں موجود ہیں اور اذن شفاعت پر بھی روایاتِ صحیحہ وارد ہیں، ابن حجر مکی نے زواجر میں نقل کیا:-

اخرج البیہقی وصححہ رایت ما تلقی من بعدی امتی واسفك بعضہم دم بعض فسالتہ ان یولینی فیہم شفاعۃ ففعل ملخصا

فرمایا میں نے دیکھا ان احوال کو جو میرے بعد میری امت سے سرزد ہوں گے، بعض بعض کا خون بہائیں گے تو میں نے اللہ سے ان کے لیۓ شفاعت کا اذن طلب کیا، چنانچہ اذن مل گیا۔

واحمد بسند صحیح عنہ صلے اللہ علیہ وسلم لقد اعطیت اللیلۃ خمسًا ما اعطیہن احدٌ قبلی اِلی ان قال والخامسۃ ہی ما قیل لی سل فان کل نبی قد سئل فاخرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات مجھے پانچ چیزیں عنایت فرمائی گئیں جو مجھ سے قبل کسی کو نہیں دی گئیں، آخر میں فرمایا کہ پانچویں چیز یہ ہے کہ مجھ سے کہا گیا آپ سوال کریں، ہر نبی نے کوئی چیز مانگی تو میں نے اپنا سوال

مسئلتی الی یوم القیامۃ فھی لکم و لمن شھد ان لا الہ الا اللہ والطبرانی باسانید احدھا جید الا اخبرکم بما اخبرنی ربی آنفا قلنا بلی یا رسول اللہ قال خیرنی بین ان ید خل ثلثی امتی فی الجنۃ بغیر حساب ولا عذاب و بین الشفاعۃ قلنا یا رسول اللہ ما اخترت قال الشفاعۃ انتھی ملخصا

قیامت تک کے لیئے مؤخر کردیا۔ وہ سوال تمہارے لیئے اور ہر اس شخص کے لیئے ہوگا جو وحدانیت رب کا قائل ہو۔ طبرانی نے سند جید سے نقل کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم کو وہ بات نہ بتاؤں جو میرے رب نے مجھے ابھی بتائی۔ ہم نے عرض کیا فرمایئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باتوں کا اختیار دیا شفاعت کا، یا اس کا کہ میری امت کے دو ثلث بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں۔ ہم نے عرض کیا حضور آپ نے کس چیز کو اختیار فرمایا۔ فرمایا شفاعت کو۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن دیا اور مقام محمود کا وعدہ فرمایا اور وعدۂ الٰہی و اذنِ آلٰہی میں تخلف اور کذب محال ہے اور مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یہ آیت مندرجہ بالا احادیث کے ساتھ موافق ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بدون اذنِ الٰہی کسی کو کسی صورت شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس سے یہ تو معلوم نہیں ہوتا کہ صرف اسی روز اذن ہوگا اس سے قبل نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

تکفیر خوارج

سوال (۲) بکر کہتا ہے کفرِ خوارج کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے پس منکر اس کا گمراہ و مردود ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سورۂ احزاب میں فرماتا ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا۔

یعنی جو لوگ ایذاء دیتے ہیں اللہ و رسول کو تو اللہ ان پر لعنت بھیجتا ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لیئے تیار کر رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

تفسیر کشاف میں ہے یہ آیت نازل ہوئی ہے ان لوگوں کے بارے میں جو ایذا دیتے تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کو اور نیز بکر دعوی کرتا ہے کہ مذہب اہلِ حق یہی ہے کہ یزید کافر ہے اور لعنت کرنا اس پر بالخصوص جائز ہے جو اس کا مخالف ہے وہ اہلِ حق سے خارج ہے اور بعضے علماء حنفیہ کا جو خلاف منقول ہے وہ بغرض عدم جواز لعن نہیں ہے بلکہ بایں غرض ہے کہ ان کے نزدیک یزید کا نام زبان پر لانے کے قابل نہیں ہے نہ یہ کہ فی نفسہ اس پر لعن کرنے میں کچھ قباحت ہے۔ شرح عقائد اور حاشیہ جندیہ میں اس کی تصریح ہے۔ یہی مذہب صحیح ہے۔ یہ خلاصہ ہے بکر کے رسالہ اردو کا جس میں اس نے اس بحث کو طولِ فضول دیا ہے۔ فقط حامد اس کی رد میں کہتا ہے کہ غیر مکفرین خوارج کو منکرِ قرآن اور اہلِ حق سے خارج ٹھہرانا محض جہالت اور ضلالت اور نیز آیت مذکورہ کو شان دشمنان حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں نازل ٹھہرا کر حوالہ کشاف دینا محض

کذب وافترا ہے۔ بالجملہ خوارج کے کفر کے مذکور ہونے کا اس آیت میں دعویٰ کرنا جہل صریح وکذب قبیح ہے۔ ہاں البتہ اگر آیت اَلَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا کا مصداق خوارج کو ٹھہرایا جاوے تو احتمال صحیح ہے اور کس طرح خوارج کا مسلمان جاننے والا اہل حق سے خارج ہو سکتا ہے کہ خود حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ نے خوارج کو باوجود بیان ان کی گمراہی کے اور حکم قتل کے ان کو مسلمان بتلایا ہے۔ اسی سبب سے محققین فقہا ومحدثین ومتکلمین نے خوارج کو بدمذہب جانا مگر کافر نہیں ٹھہرایا۔ چنانچہ مرقاۃ اور مجمع البحار اور رد المحتار اور شرح فقہ اکبر اور فتح القدیر وغیرہ سے بخوبی ثابت ہے اور نیز حامد کہتا ہے کہ اہل حق یزید پلید کے حکم کفر میں اور پھر جواز لعن میں خود مختلف ہیں۔ اگرچہ بعض اکابر نے اس پر حکم کفر وجواز لعن کا اطلاق فرمایا ہے لیکن حجۃ الاسلام امام غزالی اور صاحب قصیدۂ امالی اور سوا ان کے بہت ائمہ دین حکم عدم کفر وعدم لعن کو حق جانتے ہیں اور جمہور محققین اس کے اطلاق حکم کفر واسلام وجواز وعدم جواز لعن میں توقف کو مذہب اپنا گردانتے ہیں پس دعویٰ بکر کا بکلمۂ حصر کہ یہی ہے مذہب اہل حق اس کی جہالت وضلالت وپر دلیل ہے اور تاویل جو علماء حنفیہ کی طرف سے کی ہے وہ بھی نہایت پوچ وعلیل ہے۔ کاش یہ سخن تراش شرح عقائد نسفی کی عبارت کو سمجھتے جس کا خود حوالہ دیتے ہیں تو جانتے، کہ انحصار مذہب اہل حق کا قول جواز لعن وکفر میں جو اس کا مدعا ہے باطل ہے اور قول حنفیہ میں جو خلاصہ وغیرہ کتب فقہ سے ثابت ہے وہ تاویل پوچ کرنا حیلۂ عقل سے باطل ہے۔ عبارت شرح عقائد نسفی کی شروع بحث سے جس کو بکر نے چھوڑ دیا ہے یہ ہے:۔

وبالجملۃ لم ینقل عن السلف الصالحین جواز اللعن علی معاویۃؓ واحزابہ وانما اختلفوا فی یزید بن معاویۃ حتی ذکر فی الخلاصۃ وغیرھا انہ لا ینبغی اللعن علیہ ولا علی الحجاج لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن لعن المصلین ومن کان من اھل القبلۃ وما نقل عن لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اھل القبلۃ فلما انہ یعلم من احوال الناس ما لا یعلمہ غیرہ وبعضھم اطلق اللعن علیہ لما انہ کفر حین امر بقتل الحسینؓ۔

عبارت مذکورہ سے حضرت امیر معاویہؓ پر لعن طعن کی نفی ملتی ہے۔ زائد سے زائد یزید کے لیے صرف لعن وطعن کا ثبوت ہے وہ بھی مختلف فیہ، باقی رہی بحث ترجیح کی پس اگرچہ صاحب شرح عقائد نے باوجود اقرار اختلاف اہل حق وبیان مذہب حنفیہ کے اپنے زعم میں ترجیح کفر کی ثابت فرمائی ہے لیکن دوسرے اکابر محققین نے وہ ترجیح مسلم نہیں ٹھہرائی سائرہ اور مسامرہ ورد المحتار وشامی وغیرہ کتب معتمدۂ فقہ وعقائد علماء حنفیہ میں دوسری جانب سے معتمد ہونے کی ترجیح ہے بلکہ بہت کتب مشہورہ محققین میں شرح عقائد پر اعتراض کی بھی تصریح ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر اور ضوء المعالی اور حاشیۂ عصام اور حاشیۂ ابوالیسیر برشرح عقائد اور دوسرے حواشی سے ثابت ہے پس بکر کا ہوا تصحیح لکھدینا اور جھوٹا حوالہ دینا جرأت وتفوہ قبیح ہے

علاوہ ان سب امور کے بر تقدیر ترجیح مذہب جزم کفر یزید کی حالتِ حیات میں پھر بھی دعویٰ انحصار مذہب اہلِ حق کا جوازِ لعن میں باطل و افتراء ہے کہ ان کافروں پر جن کا مرنا کفر پر خدا و رسول کی خبر متواتر سے ثابت نہ ہو بالاتفاق و اجماع جمہور ائمہ محققین کے لعن شخصی کرنا ناجائز و ناروا ہے جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اور امام عینی نے شرح بخاری میں اور امام نابلسی نے شرح طریقہ محمدیہ میں اور دوسرے اکابر دین نے اور کتابوں میں تصریح فرمائی ہے پس قولِ ترجیح جواز لعن بر یزید بر تقدیر ثبوت کفر بھی بے ثبوت علم یقینی موت علی الکفر کس طرح اہلِ حق کے نزدیک جزماً صحیح ہو سکتا ہے تاکہ جو اس کا قائل نہ ہو خوارج میں داخل سمجھا جاوے اور اہلِ سنت میں شامل نہ ہو۔ فقط

اب سائل سوال کرتا ہے کہ آیا دعویٰ بکر کا درست و بجا اور واجب الاعتقاد ہے یا حامد نے جو اس کا رد کیا قابلِ قبولیت و اعتقاد ہے اور نیز قول اہلِ حق منحصر کفر یزید و جواز لعن میں ہے یا اس میں اختلاف ہے اور در صورت اختلاف قول کفر لعن معتمد و قوی و اولیٰ ہے یا قول توقف و عدم جزم کفر و لعن قوی و معتمد اور احوط و اقرب الی الانصاف ہے اور حوالہ کشاف وغیرہ کا جو بکر نے دیا صحیح ہے یا باطل اور حوالہ مجمع البحار و ردالمحتار و مرقاۃ و شرح فقہ اکبر و ضوء المعالی و شرح امام نوویؒ و امام عینیؒ وغیرہ کا جو حامد نے دیا ہے رد کے لائق ہے یا اعتماد کے قابل۔ فقط

جواب:۔ قول بکر کا اس بحث میں صحیح نہیں ہے بلکہ مخالف کتب معتبرہ ہے مسایرہ لابن الہمام اور اس کی شرح مسامرہ لابن الشریف میں موجود ہے

وظاہر قول الشافعیؒ و ابی حنیفہؒ انہ لا یکفر احد منہم ای لا یحکم بکفر احد من المخالفین فیما لیس من الاصول المعلومۃ من الدین ضرورۃ وھذا ھو المنقول عن جمہور المتکلمین والفقہاء انتہی	امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی تکفیر جائز نہیں ہے یعنی اصول دین کے علاوہ کسی امر کے مخالف کی تکفیر کا حکم نہیں کرنا چاہئے یہی جمہور فقہاء و متکلمین کا مسلک ہے۔ اور بھی اس میں ہے

قد اختلف فی اکفار یزید قیل نعم لما وقع منہ الاجتراء علی الذریۃ الطاہرۃ کالامر بقتل الحسینؓ وما جری منہ وما ینبوعن سماعتہ الطبع و یصم لذکرہ السمع وقیل لا اذ لم یثبت لنا عنہ تلک الاسباب الواجبۃ للکفر و حقیقۃ الامر ای الطریقۃ الثابتۃ المقویۃ فی شانہ التوقف فی شانہ و رجع امرہ الی اللہ تعالیٰ انتہٰی

اور اسی طرح اور کتب عقائد میں موجود ہے، واللہ اعلم

ابو الحسنات محمد عبدالحی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں

سوال (۳) شہر بیکانیر میں ایک فرقہ ہے اس کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین نہیں

تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان سے بھیجا ہے، اور میلاد شریف کے بیان سے اس لیے احتراز کرتے ہیں کہ اس میں حضور کی ہتک ہوتی ہے۔ استدلال میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں ان پر اعتماد نہیں کرتے اور کہتے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كُفُوًا اَحَد۔ اس آیت کے اوصاف میں اللہ اور رسول دونوں برابر ہیں جس کا مقصد یہ ہے آپ کہدیجئے اللہ ایک ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ خور و نوش سے پاک ہے اسی طرح حضور کھانے پینے سے پاک ہیں، نہ اللہ نے کسی کو جنا اور نہ اللہ کو جنا گیا۔ اسی طرح حضور نے نہ کسی کو پیدا کیا اور نہ آپ کسی سے پیدا ہوئے۔ علاوہ ازیں یہ فرقہ حسنین رض اور حضرت فاطمہ رض اور اہل بیت کا منکر ہے۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنے والا فرقہ کافر ہے یا نہ، جواب باصواب مع دستخط و مہر کے ارسال فرمائیں، بینوا توجروا۔

جواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت قرآن و حدیث سے ثابت ہے حدیث میں ہے انا سید ولد آدم میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، قرآن مجید میں ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ الآیۃ کہدیجئے کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں، حضور کا کھانا پینا اور بازاروں میں چلنا پھرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین اور فصل ثانی میں ترمذی سے ایک حدیث بعینہ یہاں لکھی جاتی ہے:۔

وعن العباس انه جاء الى النبى صلے الله عليه وسلم فكانه سمع شيئًا فقام النبى صلے الله عليه وسلم على المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله صلے الله عليه وسلم قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنى فى خيرهم ثم جعلهم فريقين فجعلنى فى خيرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنى فى خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتا فجعلنى فى خيرهم بيتا فانا خيرهم نفسًا وخيرهم بيتًا۔

حضرت عباس رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے گویا انھوں نے کوئی چیز سنی اسی وقت حضور منبر پر کھڑے ہوگئے فرمایا میں کون ہوں، لوگوں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں، فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں رکھا۔ اس کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردیا تو مجھے سب سے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف قبائل میں تقسیم کردیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ میں رکھا پھر لوگوں کو گھروں کے لحاظ سے تقسیم کردیا تو مجھے سب سے بہتر گھرانہ دیا لہذا ذات اور گھرانہ کے لحاظ سے میں سب سے بہتر ہوں۔

دوسری اور کئی حدیثیں اس باب میں ثبوت بشریت و ولادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جابجا کتب احادیث و تفسیر میں موجود ہیں اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار فرمانا کہ میں پیدا ہوا ہوں زمانہ ملک عادل میں اور حدیث کتاب مشکوٰۃ باب الصیام میں موجود ہے فيه ولدت وفيه بعثت یعنی میں پیر کے روز پیدا کیا گیا ہوں اور اسی روز مبعوث کیا گیا اور اکل و شرب حضرت ؐ کا آیات و اخبار و آثار سے اظہر من الشمس ہے اس میں کچھ حاجت دلیل کی نہیں اور سورۂ اخلاص محض وحدانیت میں ذات پاک مقدس عز اسمہ کے نازل ہے۔ بلاشبہ احدیت و صمدیت اور لم یلدیت و لم یولدیت کی صفت ذات باری کے علاوہ کسی اور پر صادق نہیں آتی اور نہ کسی مفسر نے یہ تاویل اس کی کہیں لکھی اور کفویت آں حضرت ؐ کی قبیلہ بلکہ قبائل قریشیہ سے حسبًا و نسبًا ظاہر و باہر ہے اور سوائے

اس کے ہزارہا دلائل حضور کے تولد شریف کے باب میں موجود ہیں۔ چنانچہ جواب وسوال عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یعنی حضرت عباسؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا اور آپ ان دنوں میں چہل روزہ تھے آپ نے فرمایا کہ مادر شفقہ نے ہاتھ میرا مضبوط باندھ دیا تھا اور اس کی اذیت سے مجھے رونا آتا تھا اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا آپ ان دنوں میں چہل روزہ تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا، فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے پروردگار کی تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ پس آں حضرتؐ کا شکم مادر میں رہنا اور تولد ہونا مسلم الثبوت ہے پس آں حضرتؐ بلاشبہ فرزند حضرت عبداللہ کے ہیں بی بی آمنہ خاتون کے شکم مبارک سے تولد ہوئے اور بی بی آمنہ کا حاملہ ہونا اور نکاح حضرت عبداللہ سے ہونا اور نوح و ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام کا مبشر ہونا بی بی آمنہ کو اور خود حضورؐ کا فرمانا کہ میرے اجداد میں کوئی بے نکاح نہیں ہوا۔ اور میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ میں نقل کرتا ہوا عبداللہ اور آمنہ تک آیا ہوں اور بعد منتقل ہونے عبداللہ کے یتیم ابوطالب قریشیوں میں کہلانا اور جناب باری کا ارشاد الم یجدک یتیماً فاوی فرمانا اور حدیث رضاعت وغیرہ سے ثبوت پر ثبوت ہے۔ بے شک ان دلائل اور براہین بینہ اور نصوص متواترہ قطعیہ کا منکر اور محرف مضمون آیات قرآنی کا کافر مطلق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے من فسر القرآن برایہ فقد کفر یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ کافر ہے

المجیب مصیب والسائل مثیب والمسئول لہ الحبیب	جواب صحیح ہے ، عبداللہ عفی عنہ	جواب صحیح ہے
کتبہ حاجی محمد صدیق اللہ	لاریب فیہ ، سید علی شاہ	محمد حسین عفی عنہ

دستخط خادم شریعت متین ان کے لئے قول قرآنی غضب اللہ علیہم وختم اللہ علیہم ہے۔ حاجی حقیر سید احمد شاہ عرف مولوی سید پیر علی شاہ پیرزادہ اولاد محمد بہاء الدین سید فخر الدین بن پیران ہند خواجہ خواجگان خواجہ معین قدس سرہٗ — جواب صحیح ہے

العبدان کا قول قرآن وحدیث کے مخالف ہے بلکہ ان کے کلام سے کفر ثابت ہوتا ہے۔ محمد جلال الدین — العبد عبدالشکور

دستخط سید احمد غزنوی فتویٰ اثبات تولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابویہ جواب باصواب ہے عبدالعلی — جواب صحیح ہے

عرف علی اصغر عفی عنہ فی الواقع وہ کافر ہیں واللہ اعلم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔ — العبد سید عنایت اللہ شاہ

جو فرقہ ولادتِ نبویہ کا منکر اور سورۂ اخلاص حضورؐ کی شان میں تسلیم کرنے والا ہو اس کی تکفیر میں کوئی شبہ نہیں، واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

کفر روافض

سوال (۴) — (۱) شیعہ کو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں (۲) حضرتؐ کو دافع البلاء کہنا چاہیئے یا نہیں (۳) جو شخص کہ خلاف لاتقربوا الزنا اور لا تاکلوا الربا کرے اس کو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: — جو شیعہ کہ منکر ضروریات دین ہیں وہ کافر ہیں صرف تبرائی شیعہ کافر نہیں ہیں اور جو شخص لاتقربوا الزنا وغیرہ کے خلاف کرے وہ کافر نہیں فاسق ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلا بایں معنی کہنا کہ آپؐ کے ذریعہ سے بلا دفع ہوتی

ہے درست ہے اور بایں معنی کہ آپ خود استقلالاً وضع کرتے ہیں نہیں درست ہے ایسے الفاظ سے جو موہم بمعنی غیر مشروع کے ہوویں اجتناب اولیٰ ہے۔ الفاظ تعریفات صحیحہ شرعیہ کچھ کم نہیں واللہ اعلم۔
ابوالحسنات محمد عبدالحی

کالی دیبی کی پرستش کرنا

سوال (۵) چند ایسے مسلمان جن کے والدین بھی مسلمان ہیں جمع ہوئے اور کچھ روپیہ باہم چندہ سے جمع کرکے خوراک اور شراب خرید کی اور بھوانی کا پوجا کیا اور سور مارکے اور شراب بھوانی کو چڑھایا اس غرض سے کہ بھوانی مذکور جس کو کالی دیبی بھی کہتے ہیں۔ مرض ہیضہ سے نجات دے اور محفوظ رکھے۔ جب یہ کیفیت دیندار مسلمانوں کو معلوم ہوئی اور ایسے فعل کے وقوع کا کماحقہٗ یقین ہوا تو شرکار پوجا کا حقہ پانی پینا ترک کیا۔ تاکہ پھر کوئی مسلمان پوجا نہ کرے اور ایسی گمراہی میں نہ پڑے ایسے فعل سے سب باز رہیں لیکن ایک شخص نے بخلاف دیندار مسلمانوں کے عمداً دیدہ ودانستہ اپنا حقہ پانی پوجنے والوں کو دیا اور دیندار مسلمانوں کو حقہ ترک کرنے کی وجہ سے کلمات سخت کہے اور جوتیاں مارنے کو کہا۔ انتظام اہل اسلام خراب کیا۔ اس صورت میں پوجا کا چندہ دینے والے اور پوجا کرنے والے مرتد اور کافر ہوئے یا نہیں اور جس شخص نے بخلاف دیندار مسلمانوں کے حقہ دیا ہے اس کا کیا حال ہے وہ کیسا ہے اور اگر یہ مرتد اور کافر ہیں تو توبہ کریں تو عندالشرع مقبول ہے یا نہیں اور کیونکر کس طرح سے توبہ کریں ان کی عورتیں نکاح سے باہر ہوگئیں یا نکاح قائم رہا۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ اس صورت میں پوجا کرنے والے کافر ہوگئے اور عورتیں ان کی نکاح سے باہر ہوگئیں اہل اسلام کو چاہیئے کہ ان کی شرکت نہ کریں تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کریں اور جو ان کا شریک ہو، اس کو بھی برادری سے باہر کردیں۔ جب تک وہ شرکت سے توبہ کرے اور پوجا کرنے والوں پر لازم ہے کہ پھر اسلام لادیں اور کلمۂ شہادت ادا کریں اور توبہ واستغفار کریں۔ بعد اسلام کے اپنی عورتوں سے نکاح کریں جب وہ اسلام لادیں اور توبہ کریں اس وقت وہ شریک برادری کرلیئے جاویں۔ واللہ اعلم
ابوالحسنات محمد عبدالحی

ضروریاتِ دین کا انکار کرنا

سوال (۶) اہلِ تشیع کے ہاتھ کا ذبیحہ یا مطاعمت ومناکحت ان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں اور ان امور کی حلت وحرمت باسنادِ متصل ومرفوع ومتواتر بحوالہ کتب مستند صحیح کے ثابت کرنا ضروری ہے جس میں جائے قیل وقال نہ رہے اور امرِ حق بھی ہاتھ سے نہ جاوے۔ تعصب ونفسانیت کی بو نہ پائی جاوے آجکل یہاں اس امر پر مباحثہ ومناظرہ ہو رہا ہے سنی تو بحوالہ غنیۃ الطالبین وغیرہ کے کہتے ہیں کہ مطاعمت ومناکحت وذبیحہ وغیرہ مطلق جائز نہیں ہے بلکہ جن سنیوں نے شیعوں کے ہاں کھایا پیا ہے ان کو دائرہ سنیت سے خارج کردیا ہے اور ان کو اپنی مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے بلکہ اطلاق کفر وارتداد کا کرتے ہیں اور باہم مشاربت ومطاعمت

میں اجتناب کلی اور احتراز قطعی ہے۔ یہ جو لوگ دائرۂ سنیت سے خارج ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ اہل تشیع اہل قبلہ نہیں ہیں یا توحید و نبوت کے قائل نہیں ہیں یا ان کے یہاں سوا تکبیر معلومہ و مروجہ کوئی اور تکبیر سوا نام اللہ کے ہے پس اہل تشیع کے ساتھ مطاعمت کرنے سے ہم کو دائرۂ سنیت سے کیوں خارج تصور کرتے ہو ہندوستان میں امور مذکورہ پر کبھی ایسی بحث نہیں ہوئی ہے بلکہ وہاں برابر مطاعمت و مناکحت ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے اہل کتاب کا ذبیحہ وصید اور ان کے ساتھ مطاعمت و مناکحت تک درست ہو اور یہ امور شیعہ کے ساتھ درست نہ ہوں اس کے کیا معنی۔ پس حضرات سے التماس یہ ہے کہ جو ہو اور حق امر کتب صحیحہ مروجہ و متداولہ سے لکھیں۔ اصلاً نفسانیت و تعصب کا لگاؤ نہ ہو۔ زیادہ والسلام فقط

جواب:۔ ہر چند کہ ایک جماعت فقہائے مطلقاً شیعہ کو بوجہ سب شیخین کے کافر لکھدیا اور بر بنا کفر ان کے ساتھ مناکحت کی حرمت کا اور عدم حلت ذبیحۂ روافض کا فتوی دیا مگر منقح اور قول مفتی بہ و مرجح یہ ہے کہ جو شیعہ منکر ضروریات دین ہوں وہ کافر ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں مناکحت ان کے ساتھ درست نہیں۔ شرکت ان کے ساتھ مثل شرکت اہل اسلام کے جائز نہیں اور جو ایسے نہ ہوں گو سب صحابہ کرتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں۔ ذبیحہ ان کے ہاتھ کا حلال ہے حرام نہیں، مناکحت بھی ان کی درست ہے ابوالشکور سلمی کتاب التمہید فی التوحید میں لکھتے ہیں:۔

كلام الرافض مختلف فبعضه يكون كفرا وبعضه لا فلو قال ان عليا كان الها نزل من السماء كفر ولو قال النبوة كانت لعلي وجبريل اخطأ كفر ومنهم من قال ان عليا افضل من رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذا كله كفر واما الذي يكون بدعة ولا يكون كفرا فهو قولهم ان عليا افضل من الشيخين رض ومنهم من قال يجب اللعن على من خالف عليا كعائشة رض ومعاوية وهذا كله وما اشبهه يكون بدعة وليس بكفر لانه صادر عن تاويل انتهى

اور بحر العلوم مولانا عبد العلی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:۔

الصحيح عند الحنفية ان الروافض ليسوا بكفار والوجه فيه تدينهم ووقعهم فيما وقعوا زعما منهم انهم على الدين المهدي وان كان زعمهم هذا باطلا وما كذبوا محمدا صلى الله عليه وسلم فهم غير ملتزمين للكفر والتزام الكفر كفر دون لزومه انتهى۔

اور در مختار میں ہے في النهر تجوز مناكحة المعتزلة لانا لا نكفر احدا من اهل القبلة وان وقع الزاما في المباحث انتهى

اور فتح القدیر میں ہے فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لان الحق عدم تكفير اهل القبلة وان وقع الزاما في المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومة بالضرورة من الدين مثل القائل بقدم العالم ونفي العلم الا لعلي بالجزئيات انتهى

اور رد المحتار میں ہے بهذا ظهر ان الروافض ان كان ممن يعتقد الالوهية في علي وان جبريل غلط في الوحي كان كافرا وان كان ينكر صحبة الصديق او يقذف عائشة فهو كافر انتهى

محمد عبدالحی، ابوالحسنات

شراب وگوبر کا پرستار کافر ہے

سوال (۷) اگر کوئی شخص مثل کافروں کے پرستش شراب وگوبر کی کرے، اور اعتقاد رکھے کہ جو کچھ فلاح وبہبود ہم کو ہے وہ بوجہ اس کی پرستش کے ہے اور نماز فرض عمر بھر نہ پڑھی ہو اگرچہ عیدین کی نماز پڑھتا ہو یا نہیں اور جنازہ میں میت کے شامل رہتا ہو پس اس کے یہاں کھانا اور اس نے قربانی دی ہو یا بکری کو کسی نمازی سے قربانی کرایا ہو اس کا گوشت کھانا اور نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- ایسا شخص کافر ہے اس کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔

محمد عبدالحی ابوالحسنات

اہل قبلہ کی عدم تکفیر اور فساق کے ساتھ کراہیتِ نکاح کا بیان

سوال (۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مندرجہ ذیل احادیث صحیح ہیں یا نہیں اگر درجہ صحت میں ہیں تو قابل استفسار دو امر ہیں۔ اولاً یہ کہ یہ احادیث کون سی کتاب میں موجود ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اس قوم ملعون (روافض) کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے یا نہیں اگر مکروہ تحریمی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔ اس لیے کہ کتابیہ کے ساتھ مومن کا نکاح اور اہلِ کتاب کے ساتھ کھانا پینا بجز خمر و خنزیر کے جائز ہے تو روافض اہل کتاب سے بدرجہا بہتر ہیں بایں وجہ کہ وہ کلمہ گو ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر مذہب اہل سنت میں جائز نہیں اسی لیے یزید پلید پر لعنت کرنا جائز نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں روافض اور اہلِ کتاب و دشمنانِ اہل بیت جن کے حکم سے اولادِ رسول کو قتل کیا گیا۔ ان کے درمیان کچھ فرق ہے یا نہیں اور ان کو باوجود کلمہ گو ہونے کے کافر کہنا کون سی دلیل سے ہے۔ احادیث یہ ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا اے علی آخر زمان میں ایک قوم رافضیہ کے نام سے پیدا ہوگی جو اسلام کو ترک کردے گی۔ نیز ارشاد فرمایا جس نے ابوبکرؓ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا اور ارشاد فرمایا ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت ایمان کی علامت اور ان کی عداوت کفر ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے جس نے عمرؓ کے ساتھ محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے عمرؓ کو مبغوض سمجھا اس نے مجھے مبغوض سمجھا، اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک جنازہ لایا گیا۔ آپ نے نمازِ جنازہ نہ پڑھی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس سے قبل کبھی آپ نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار نہیں فرمایا۔ حضورؐ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص عثمانؓ کے ساتھ بغض رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مبغوض سمجھا اور ارشاد فرمایا جس نے میرے صحابہ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا اور اسی طرح مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اصحاب کا انتخاب فرمایا پس ان کو میرا ساتھی اور صہر بنا دیا۔ عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی۔ جو ان کے ساتھ بغض رکھے گی اور ان کی شان میں گستاخیاں کرے گی اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ان کے ساتھ نہ نکاح کرنا اور نہ ان کے ساتھ خورد و نوش رکھنا اور نہ ان کے ساتھ نماز

پڑھنا اور نہ ان کا جنازہ پڑھنا۔ بحوالۂ قرآن وحدیث ان سطور کا جواب تحریر فرمائیں۔ اجر کم علی اللہ سبحانہ

جواب:۔ بعض ان احادیث کی مثل عن جابرؓ انہ اتی بجنازۃ الخ جامع ترمذی میں موجود ہے اور بعض جامع صغیر میں سیوطیؒ نے نقل کیں لیکن اس قسم کی سب حدیثیں تہدیداً اور زجراً وارد ہیں اور صحیح مذہب یہی ہے کہ تکفیر اہل قبلہ کی نہ چاہیئے لیکن نکاح فرق مخالفہ کے ساتھ بسبب ان کے فسق کے مکروہ ہے۔ محمد عبدالحی ابوالحسنات

کلمۂ کفر زبان پر لانا

سوال (۹۰) عیسائی مذہب کے پادریوں نے سہارنپور میں آکر نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو اپنے مدرسوں میں داخل کر کے بہکانا اور بے دین کرنا اور مرتد بنانا شروع کر دیا تھا۔ اب ایک اور فریب اور جال کی راہ نکالی وہ یہ کہ مسلمانوں کی چھ چھ، آٹھ آٹھ، دس دس، بیس بیس برس کی لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے مذہب کی کتابیں پڑھانا شروع کیا ہے اور لڑکیاں اور عورتیں مطلق اپنے مذہب سے واقف نہیں، ان کو ہر اتوار پیسے اور تصویریں اور شیرینی کے لالچ دیئے جاتے ہیں اور ان سے غزلوں اور بھجنوں میں عیسیٰ خدا اور خدا کا بیٹا گوایا جاتا ہے اور لڑکیاں اور عورتیں خصوصاً مسلمانوں کی، تنخواہ کے لالچ میں کفر والحاد کے جملے اور الفاظ بولتے ہوئے بھی نہیں ڈرتیں، اسی مکروفریب سے پادری لوگ ملک پنجاب میں گذشتہ سالوں میں سات سو لڑکیاں عیسائی کر چکے ہیں۔ سہارنپور میں یہ بلائے جانگداز اور ایمان ربا اسی سال آئی ہے۔ نو مدرسے خاص سہارنپور میں مسلمانوں میں جاری ہیں۔ اور مسلمانوں کی عورتیں اس وجہ سے کہ روپیہ کے لالچ میں آکر خود انتظام کر لیں گی اور لڑکیوں کو جمع کر کے بے دین و بے ایمان کرنے کا ڈھنگ ہم کو بتا دیں گی معلمہ مقرر کی گئیں، ان مدرسوں میں پڑھنا اور پڑھانا اور پڑھائی کے واسطے مکان دینا اور پڑھنے والیاں اور پڑھانے والیاں اور جو اس فعلِ بد سے راضی ہوں اور جو عورتیں شوہروں کے اس حکم خاص کو نہیں مانتیں اور جو شخص اپنے مکان اور اپنے اہل وعیال کو اس کام سے باز نہیں رکھتا اور اپنی لڑکیوں کا لیے مدرسوں میں جانے سے مانع نہیں ہوتا۔ عندالشرع کیا حکم رکھتے ہیں۔ مفصل بحوالۂ آیات واحادیث تحریر فرمایئے۔ اجر عظیم اللہ سے پایئے۔

جواب:۔ کلمۂ کفر بولنا عمداً اگرچہ اعتقاد اس پر نہ ہو کفر ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں لکھا ہے:۔

قال فی البحر والحاصل ان من تکلم بکلمۃ الکفر ھازلا ولاعبا کفر عند الکل ولا اعتبار لاعتقادہ کما صرح بہ فی الخانیۃ ومن تکلم مخطئًا او مکرھا لا یکفر عند الکل ومن تکلم عامدًا کفر عند الکل ومن تکلم بھا اختیارًا جاھلًا بانھا کفر ففیہ اختلاف الخ وفی الفتح ومن ھزل بلفظ

جو شخص استہزاء یا لہو ولعب کے طور پر کلمۂ کفر کا تلفظ کرے اگرچہ اعتقاد میں نہ ہو بالاتفاق کافر ہے اور جو شخص خطاء یا اکراہ کی حالت میں کفر کا کلمہ کہے بالاتفاق کافر نہیں ہوگا لیکن جو شخص اپنے اختیار سے کلمۂ کفر کہے جبکہ اس کو اس کے کفر کا علم نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے جس شخص نے مزاح کے طو

كفرا رد وان لم يعتقد به للاستخفاف فهو ككفر العناد
ورد المحتار وقال في تكلم باختياره غير قاصد معناه
وهذا لا ينافي ما مر من ان الايمان هو التصديق فقط
او الاقرار لان التصديق وان كان موجودا حقيقة لكنه
زائل حكما لان الشارع جعل بعض المعاصي امارة عدم
وجوده كالهزل المذكور وكما يسجد لصنم او وضع مصحفا
في قاذورة فانه يكفر وان كان مصدقا لان ذلك في حكم
التكذيب كما افاده في شرح العقائد انتهى رجل كفر
بلسانه طائعا وقلبه مطمئن على الايمان يكون كافرا و
لا يكون عند الله مؤمنا كذا في قاضي خان

کلمۂ کفر کہا اگرچہ اس کا اعتقاد نہ ہو تو وہ مرتد ہو جائیگا رد المحتار
میں ہے یعنی بجز ارادہ معنی کے جس نے کفر کا کلمہ کہا، قول سابق
سے یہ قول مخالف نہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے یا اقرار
کا اس صورت میں اگرچہ تصدیق حقیقۃً موجود ہے لیکن حکماً
زائل ہو چکی اس لیئے شارع علیہ السلام نے بعض معاصی کو
عدم وجود تصدیق کے لیئے علامت مقرر کر دیا جیسا کہ ہزل کو
یا بت کو سجدہ کرنا یا قرآن مجید کو نجاست میں ڈالنا یہ سب کفر
ہے۔ اگرچہ قلب میں تصدیق موجود ہو بایں وجہ کہ یہ علامات
حکم تکذیب میں ہیں اگر کوئی شخص برضا و رغبت زبان سے
کلمۂ کفر نکالے جبکہ اس کا دل مطمئن بالایمان ہو تو وہ کافر ہو گا

پس ان روایات سے صاف واضح ہے کہ جو کوئی حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ راگ میں گاوے یا کوئی کلمۂ کفریہ پادریوں کے کہلانے سے جو صاحب مدارس کے لڑکے لڑکیاں کہتی ہیں لکھے مرتد کافر ہوگا اور اس امر پر رضا دینا بھی کفر ہے۔ قال فی شرح العقائد وشرح القاری علی الفقہ الاکبر الرضا بالکفر کفر انتہی یعنی کفر پر رضا بھی کفر ہے اور ان سخت کلمات پر کچھ پروا نہ کرنا اور سہل جاننا بھی کفر ہے الاستهانة بالمعصية بان يعدها هينة ويرتكبها من غير مبالاة بها ويجريها مجرى المباحات في ارتكابها كفر كذا في شرح علي علی الفقہ الاکبر یعنی معصیت کو خفیف اور معمولی سمجھ کر امر مباح کی طرح اختیار کرنا کفر ہے۔ الحاصل اس مدرسہ کے لڑکے لڑکیاں جو ایسے کلمات بولتے ہیں سب مرتد ہیں اور جو ان کو بخوشی ایسے کام کے واسطے وہاں بھیجتے ہیں۔ دیدہ و دانستہ وہ بھی مرتد کافر ہیں اور ان مدارس کے پڑھانے والیاں اور اس کے معین مکان وچندہ کے اگر اس فعل سے راضی ہیں سب کافر اور مرتد ہیں اور جو اس امر کو برا جان کر دنیا کی طرح سے یہ کام کرتے ہیں سب فاسق فاجر ہیں۔ سب اہل اسلام کو لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو اور اپنے بچوں کو روکیں اور منع کریں لقولہ علیہ السلام من رای منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وليس وراء ذلك حبة خردل من ايمان الحدیث یعنی جو شخص کوئی برا کام کرتے ہوئے کسی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے منع کرے اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اس کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں الحاصل جو شخص استطاعت کسی قسم کی منع کی رکھتا ہے اور پھر منع نہ کرے تو اگر اس فعل کو مستحسن جانتا ہے یا سہل جانتا ہے تو کافر مرتد ہوا اور جو برا جان کر منع نہ کرے گا وہ فاسق ہوا۔ فقط واللہ اعلم

كتبه الراجي رحمة ربه رشيد احمد گنگوہی عفی عنہ — جواب صحیح ہے محمد مظہر مدرس مدرسہ سہارنپور — محمد مظہر لطف الہی
الجواب حق والحق یتبع عنایت الہی عفی عنہ سہارنپوری — الجواب حسن، ابو الحسن — جواب صحیح ہے، عزیز حسن عفا اللہ عنہ
جواب صحیح ہے، مشتاق احمد عفا اللہ عنہ، الجواب صحیح حبیب الرحمن عفی عنہ، الجواب صحیح محمد حسن مدرس مدرسہ دیوبند

الجواب حق عبدالرحمن عفی عنہ۔ جواب صحیح ہے محمد امیر یار خاں۔ اصاب المجیب، ذوالفقار علی عفی عنہ
الجواب صحیح وشکرہ فصیح احمد عفی عنہ۔ الجواب صحیح حق محمد محمود عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند
الجواب صحیح عزیز الرحمن دیوبندی مدرس مدرسہ عربیہ میرٹھ عفی عنہ۔ ہذا الجواب صحیح واللہ اعلم وعلمہ اتم محمد ابراہیم سنبھلی
الجواب صحیح عبدالرحمن دیوبندی۔ الجواب صحیح محمد منفعت علی عفی عنہ دیوبندی۔ جواب صحیح ہے محمد محمود حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند۔ الحق اجراء کلمۃ الکفر کفر ہے اور آیت کریمہ سے بھی یہ مضمون صراحۃً ثابت ہوتا ہے، ارشاد ہے:۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهٖٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لانے کے بعد مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی ہو اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر، اور لیکن جو کوئی دل کھول منکر ہوا سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

اس واسطے کہ آیت کریمہ میں صرف حالتِ اکراہ کا استثناء کیا گیا ہے اور سوائے اس کے اجراء کلمۃ الکفر علی سبیل الاختیار کفر میں داخل تھا ہی اور ظاہر ہے کہ اشخاصِ مذکورہ کا راگ وغیرہ میں کلماتِ کفر کے زبان سے نکالنا قبیل اکراہ سے نہیں ہے بلکہ باختیار خود ہے تو ضرور کفر میں داخل ہوگا اور اعانتِ کفر و تعلیم اس کی اسی قبیل سے ہے، واللہ اعلم بالصواب

الراقم محمد محمود مدرس مدرسہ عربی سہارنپور

صح الجواب، قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ و ظلم میں تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

غیر خدا کو حاضر و ناظر سمجھنا

سوال (۱۰) اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ارواحِ مشائخ حاضر و ناظر ہیں اور ہر چیز کو جانتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ وہ کافر ہے فی البزازیۃ من قال ارواح المشائخ حاضرون یعلمون کفر انتہی یعنی جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ارواحِ مشائخ ہر وقت حاضر ہیں اور ہر چیز جانتے ہیں وہ کافر ہے

مسلمان کو کافر کہنا

سوال (۱۱) اگر کوئی شخص مرتکب گناہِ کبیرہ کو کافر سمجھ کر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیا ایسا شخص دائرۂ سنیت سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ دائرۂ سنیت سے خارج ہے اس لیے کہ ہمارے نزدیک گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے عبدِ مومن ایمان

سے خارج نہیں ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صلوا خلف کل بر و فاجر ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو

روافض کا کفر و اسلام

سوال:۔ (۱۲) روافض کو مسلمان سمجھنا چاہیئے یا کافر؟

جواب:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے، قول تحقیقی یہ ہے کہ جو رافضی حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر صرف فضیلت دیتا ہو وہ مبتدع ہے کافر نہیں لیکن جو صدیق اکبرؓ کی خلافت کا منکر ہو یا ان کو خلافت کا اہل نہ سمجھے یا شیخینؓ کو برا کہنا جائز سمجھتا ہو تو اکثر کتب فقہ میں اس کو کافر کہا گیا فی الخلاصۃ والرافضی ان فضل علیاً علی غیرہ فھو مبتدع ولو انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر یعنی حضرت علیؓ کی افضلیت کا قائل مبتدع اور خلافت صدیق کا منکر کافر ہے۔ بعض کتب فقہ میں لکھا ہے کہ روافض اعتقاد تقیہ پر عدم اعتماد کی وجہ سے مرتد ہیں اور ان کی توبہ قبول نہیں اور بعض کے نزدیک روافض مسلمان ہیں۔ اس لیئے کہ التزام کفر اور لزوم کفر میں فرق ہے یعنی اگر مدلول نص پر اعتقاد رکھتے ہوئے بلا تاویل اس کا انکار کردے اور یوں کہے کہ اگرچہ نص وارد ہے لیکن میں اس کو قبول نہیں کرتا تو یہ التزام کفر ہے اور اگر مدلول نص میں کوئی تاویل کرے اگرچہ تاویل بعید از عقل ہو اس صورت میں نص کے مدلول ظاہری کا انکار کرے تو یہ لزوم کفر ہے۔ التزام کفر کفر ہے، لزوم کفر کفر نہیں اور روافض التزام کفر نہیں کرتے اس لیئے کہ شیخینؓ کو محبوب رسولؐ اور خلیفۂ رسولؐ سمجھ کر سب وشتم نہیں کرتے بلکہ شیخین کو معاند وحی رسول اور دشمن اہل بیت سمجھ کر نصوص میں تاویل کرکے سب و شتم کرتے ہیں تو اس سے التزام کفر نہیں بلکہ لزوم کفر لازم آتا ہے۔

ایمان و کفر کی تقسیم

سوال (۱۳) ایمان و کفر کی تعریف کیا ہے اور کفر کے کتنے اقسام ہیں؟

جواب:۔ ایمان کی تعریف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کرنا اور اس دین پر ایمان نہ لانا کفر ہے۔ کفر کے چار اقسام ہیں۔ اول یہ کہ جہالت کی وجہ سے کفر کرے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوے نبوت میں کاذب سمجھ کر آپ کی تکذیب کرے جیسے کفر ابی جہل، دوسرا کفر جحود و عناد یعنی حضورؐ کو دعوے نبوت میں صادق سمجھتے ہوئے پھر تکذیب کرے جیسے کفر اہل کتاب قال اللہ تعالیٰ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ یعنی ظاہراً منکر ہیں اور باطن میں اس پر یقین رکھتے ہیں تیسرا کفر شک جیسا کہ اکثر منافقین کا کفر تھا چوتھا کفر تاویلی یعنی ارشاد رسولؐ کی غلط تاویل کرکے یا ازروئے تقیہ یا بنا بر مصالح محمول کرکے کافر ہوگئے

تکفیر کا معنیٰ

سوال (۱۴) جو شخص خلق قرآن یا سب شیخین کا قائل ہو تو فقہا اس کو کافر کہتے ہیں اور بعض فقہا کے نزدیک

معتزلہ کافر ہیں۔ حالانکہ اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے لا یکفر احد من اھل القبلۃ یعنی اہل قبلہ کافر نہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ شمس الدین خیالی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی لیکن جو شخص ضروریاتِ دین کا منکر ہو اس کی تکفیر میں کوئی نزاع نہیں اور بعض نے کہا اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اس لیے کہ جو شخص ضروریات دین کا منکر ہو وہ اہل قبلہ سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی تکفیر کی جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیریہ کی ایک عبارت پر شبہ کا جواب

سوال (۱۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین فتاویٰ عالمگیریہ کی اس عبارت میں:۔

من انکر امامۃ الصدیق رضی اللہ عنہ فھو کافر والرافضی اذا کان یسب الشیخین فھو کافر والمعتزل اذا قال باستحالۃ الرؤیۃ فھو کافر ولو قال رجل لولم یأکل آدم الحنطۃ لما صرنا اشقیاء کفر ولو قال رجل لآخر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب القرع مثلہ وقال ذلک الآخر انا لا احبہ فھذا کفر ولو رجل قال لغیرہ ان آدم نسج الکرباس پس ما ھمہ جولاہہ بچگان باشیم فھذا کفر واگر کسے گوید کہ بخدا بہ سر تو سوگندی است فھذا کفر ولو قال ان الانبیاء لم یعصموا قبل حال النبوۃ ولا قبلھا کفر واگر گوید کہ از آسمان بانگ آید کہ مزن ھم بزنم یلزمہ الکفر واگر گوید کہ حضرت یوسف علیہ السلام عزم زنا کردہ بود کافر شد۔

جو شخص ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر ہو وہ کافر ہے اور رافضی اگر شیخین کو برا کہے وہ کافر ہے اور معتزلی جو دیدار الٰہی کو محال سمجھتا ہو وہ کافر ہے اور اگر کوئی کہے کہ اگر آدم علیہ السلام گندم نہ کھاتے تو ہم بدبخت نہ ہوتے تو یہ کفر ہے اور کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ حضورؐ قرع پسند فرماتے تھے وہ دوسرا کہے لیکن مجھے پسند نہیں تو یہ بھی کفر ہے۔ اگر کوئی کہے کہ آدم علیہ السلام نے کپڑا بنا، لہٰذا ہم سب جولاہہ کے بچے ہیں تو یہ بھی کفر ہے۔ اور اگر کہے کہ تیرا سر کہ خدا سے بہتر ہے اس کی قسم تو یہ بھی کفر ہے اور اگر کوئی کہے کہ انبیاء علیہم السلام نہ دورانِ نبوت اور نہ قبل از نبوت معصوم ہوتے ہیں یہ بھی کفر ہے اور اگر کوئی کہے کہ اگر آسمان سے یہ آواز آئے مت مارو، تب بھی میں ماروں گا کافر ہو جائے گا اور اگر کہے کہ یوسف علیہ السلام نے زنا کا عزم کر لیا تھا تو بھی کافر ہو جائے گا۔

اور بھی اس قسم کی عبارتیں پائی جاتی ہیں، مندرجہ بالا کلمات کہنے والے پر جو کفر کا حکم لگایا گیا اس سے کیا مطلب ہے کیا ان کلمات کا کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے میراث سے محروم ہے اور اس کے ساتھ نکاح ممنوع ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ ان کلمات کے قائل پر کفر کا فتویٰ تہدیداً دیا جاتا ہے اس سے کفر حقیقی لازم نہیں آتا، صاحب بحرالرائق نے اس

کی تصریح کردی۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح :۔ محمد عبدالحی ابوالحسنات۔ محمد نورالحسین

قرآن وحدیث کو فحش الفاظ سے یاد کرنا

سوال (۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی مرد مسلم معمولی ہوش وحواس والا علانیہ کہتا ہو کہ قرآن میرے لوڑے میں ہے اور حدیث میرے لوڑے میں ہے اور مسجد کو خالی ٹکریں مارنے کے لیئے جاتے ہیں، مسجد میں کیا میرا لوڑا ہے اور جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو ایک وقت دیکھا میں اس چشم سے پل پل اللہ تعالیٰ کو ظاہر دیکھتا ہوں جو شخص اس سر کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو اعیاناً نہ دیکھے وہ مؤمن نہیں اور اس کی نماز بھی درست نہیں علاوہ اس کے خدائی کا دعویٰ بھی کرتا ہوا ایسا کہ میں اللہ ہوں، میں اللہ ہوں۔ پس شخص مذکور داخل اسلام ہے یا خارج اسلام، دوسرے مسلمان برادران کو اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ بیان فرما کر ماجور ہوویں دیر نہ فرمادیں۔

جواب :۔ یہ الفاظ صریح کفر ہیں ایسے کلمات سے مسلم مرتد ہو جاتا ہے ایسے شخص کے ساتھ جو ایسے ہفوات بکتا ہو مثل اہل اسلام کے برتاؤ کرنا درست نہیں ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے:۔

اذا وصف اللہ بما لایلیق بہ او سخر باسم من اسمائہ اوبامر من اوامرہ او انکر وعدا او وعیدا کفر ولو قال من خدا یم یکفر انتہی	جب اللہ تعالیٰ کی تعریف ایسے اوصاف سے کی جائے جو اس کی شایانِ شان نہیں یا اسمارِ الٰہی میں سے کسی اسم کے ساتھ استہزار کیا جائے یا اوامرِ الٰہی میں سے کسی امر

کا مذاق اڑایا جائے یا اللہ کے وعدہ وعید کا انکار کیا جاوے تو یہ سب کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کہے میں خدا ہوں کافر ہو جائیگا اور بھی اسی میں ہے او انکر اٰیۃ من القرآن او سخر منہ بآیۃ منہ کفر انتہی یعنی کسی آیت کا انکار یا اس کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے اور بھی اسی میں ہے من عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شئ یکفر انتہی

اور ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام میں لکھتے ہیں من زعم ان اللہ سبحانہ یحل فی شئ من آحاد الناس فھو کافر یعنی جو شخص یہ کہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان میں حلول کر گیا وہ کافر ہے اور بھی اعلام میں ہے لو قال المصحف آلۃ الغناء او اللھو او قال القرآن کلمات جبریل کفر انتہی یعنی اگر کہے کہ قرآن مجید آلۂ فساد یا آلۂ لہو ہے یا کہے قرآن مجید جبریل کا کلام ہے وہ کافر ہے اور بھی اسی میں ہے ویکفر من کذب بشئ مما صرح بہ القرآن من حکم او خبر او جملۃ التوراۃ والانجیل وکتب اللہ المنزلۃ اوکفر بھا ولعنھا اوسبھا او استخف بھا انتہی یعنی قرآن یا توراۃ وانجیل اور دوسری کتب منزلہ کے کسی صریح حکم یا خبر کی تکذیب کرے یا کتب منزلہ پر لعنت بھیجے یا ان کو برا کہے یا ان کو خفیف سمجھے تو یہ کفر ہے۔

اور فتاویٰ انوار میں ہے من استخف بالمصحف او التوراۃ او الانجیل او الزبور کفر او قال انہ یری اللہ عیاناً فی الدنیا او یکلمہ شفاھاً او ان اللہ یحل فی الصور الحسان او قال انا اللہ او ھو انا انتہی یعنی جو شخص قرآن یا توریت و انجیل یا زبور کو خفت کی نگاہ سے دیکھتا ہو یا کہے کہ میں دنیا میں اللہ کو عیاناً دیکھتا ہوں یا کلام کرتا ہوں یا کہے اللہ تعالیٰ ان صور میں حلول کر گیا یا کہے میں خدا ہوں یا خدا میں ہوں تو وہ کافر ہے اور فصول عمادیہ میں ہے اذا انکر آیۃ من القران او سخر بآیۃ منہ کفر رجل یقرء القران فقال الآخر این چہ بانگ و طوفان است کفر رجل قیل بیا یک درہم بدہ تا بعمارت مسجد صرف کنم یا مسجد حاضر شو فقال مرا مسجد چہ کار یعزر انتہی یعنی اگر کوئی آیت قرآنی کا انکار یا استہزاء کرے وہ کافر ہے اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہو، دوسرا شخص اس سے کہے یہ کیا سمع خراشی کر رہا ہے کافر ہو جائے گا اور اگر کسی سے کہا گیا ہو ایک درہم تعمیر مسجد کے لیئے دو یا مسجد میں چلو، جواب میں کہے مجھے مسجد سے کیا کام اس کو سزا دی جائے گی اور بھی بہت سے کتب فقہ و کلام وغیرہ میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اہانت رسول کفر ہے

سوال (۱۷) اگر کوئی شخص کسی رسول کی رسالت پر ایمان رکھتا ہو یعنی تصدیق قلبی و اقرار لسانی دونوں ہوں لیکن بایں ہمہ بوجہ کسی معاملۂ دنیوی کے خاص اس حیثیت سے اس رسول کا عدو ہو جائے اور کوئی موقع پا کر ایذا رسانی کرے یا بوجہ شدت عداوت اور کثرت غصہ کے اس رسول کو قتل کر دے تو اس صورت میں وہ شخص مؤمن رہے گا یا کافر ہو جاوے گا جواب اس کا بحجت کتاب و سنت مرقوم ہو۔

جواب: عداوت رسول کی اور قتل اس کا اور ایذا رسانی اور اہانت اس کی جس حیثیت سے بھی ہو موجب کفر ہے۔

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔

جو لوگ اللہ و رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیئے دردناک عذاب تیار ہے

وَقَالَ تعالیٰ فی تقبیح شان بنی اسرائیل و ذکر طغیانہم وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ای بغیر حق شرعی۔

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی سرکشی اور برائی کا بیان فرمایا یعنی وہ لوگ بلا حق شرعی انبیاء علیہم السلام کو قتل کرتے تھے۔

واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی
ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتابُ العقائد

اللہ تعالیٰ اپنے شریک پر قادر نہیں

سوال:۔ (۱۸) کیا اللہ تعالیٰ اپنے شریک پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ واجب تعالیٰ اپنا شریک پیدا کرنے پر قادر نہیں اس لیے کہ تمام متکلمین کے نزدیک مقدوریت کی علت امکان ہے اور شریک الباری ممتنع ہونے کی وجہ سے قدرت سے خارج ہے۔ علاوہ ازیں شریک باری بالاجماع ممتنع ہے اور قدرت الٰہی ممتنع پر نہیں، امام فخرالدین رازی اور علامہ سعدالدین تفتازانی سے منقول ہے

لاشئ من الواجب والممتنع بمقدور له تعالیٰ لزوال امکان الترک فی الاول والفعل فی الثانی انتہی

اور ملا علی قاری فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:۔

قد قیل کل عام یخص کما خص قوله تعالیٰ والله علیٰ کل شئ قدیر بما شاءه لیخرج ذاته وصفاته وما لم یشأ من مخلوقاته وما یکون من المحال وقوعه فی کائنات الحاصل ان کل شئ تعلقت به مشیئته تعلقت به قدرته والا فلا یقال هو قادر علی المحال لعدم وقوعه ولزوم کذبه انتہی

کہا جاتا ہے کہ ہر عام مخصوص منہ البعض ہوتا ہے جیسا کہ اس قول باری میں کل شئ کو مشیت کے ساتھ مختص کیا جاتا ہے تاکہ اس سے اللہ کی ذات وصفات اور وہ مخلوق جس کے ساتھ مشیت متعلق نہیں اور امر محال خارج ہو جائے خلاصہ یہ کہ جس چیز کے ساتھ مشیت کا تعلق ہوگا اس کے ساتھ قدرت بھی متعلق ہوگی ورنہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ محال پر قادر ہے اس لیے کہ امر محال کا وقوع نہیں ہوتا نیز اس سے کذب لازم آتا ہے۔

اور علامہ کمال الدین بن ابی شریف صاحب فتح القدیر کے تلمیذ اپنے استاد کے تصنیف کردہ رسالہ مسایرہ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں

متعلق العلم اعم من متعلق القدرة فان العلم یتعلق بالواجب والممکن والممتنع والقدرة انما تتعلق بالممکن دون الواجب والممتنع۔

علم کا متعلق قدرت کے متعلق سے اعم ہے اس لیے کہ علم کا تعلق واجب وممکن وممتنع سب کے ساتھ ہوتا ہے اور قدرت کا تعلق صرف ممکن کے ساتھ ہوتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ شبہ پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا شریک باری پر قادر نہ ہونا مستلزم عجز ہے اور عجز نقص کو مستلزم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو امر تعلق قدرت کے لائق نہیں اس پر عدم قدرت نقص نہیں بلکہ عین کمال ہے علم کلام اور کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی مطالب وفیہ میں فرماتے ہیں:۔

قال المحققون المراد بالممکن ما لا یجب وجوده ولا عدمه لذاته فدخل ما لا یتصور من الممکنات لا لذاته

محققین نے کہا ممکن سے مراد وہ ہے کہ جس کا وجود وعدم فی ذاتہ ضروری نہ ہو اس صورت میں وہ ممکنات داخل ہو جائینگے جو ممکن

بل لغيره كممكن تعلق علم الله تعالى بعدم وقوعه
كايمان ابي جهل ووقع لابن حزم ما هو بين البطلان
حيث قال انه تعالى قادر على ان يتخذ ولداً اذ لو لم
يقدر عليه لكان عجزاً وقد ذكره بعض الاغبياء من
المبتدعة فانظر الى اختلال هذا المبتدع كيف فان
العجز انما يكون لو كان القصور جاء من ناحية القدرة اما اذا
كان العدم قبول المستحيل تعلق القدرة فلا يتوهم متوهم
ان هذا عجز وقد سئل الامام عبدالله بن اسعد اليمني عن
كون الله قادرا على جميع الممكنات هل يخرج بذلك شئ
من المستحيلات فاجاب بان جميع المستحيلات العقلية
لا تعلق للقدرة بها سواء كانت استحالته شرعاً كقوله تعالى
ولا الليل سابق النهار وعقلاً كولوج الجمل في سم الخياط
وقوله تعالى حتى يلج الجمل في سم الخياط يدل على انقطاع
طمع الكفار لدخول الجنة۔

فان قيل لو لم يوصف الحق بالاقتدار على ذلك و
عدم القول به يؤدي الى قصر القدرة قلت ذلك لا يؤدي
اليه فان الله قادر على ان يصغر الجمل الى ان يصير
بحيث يلج في سم الخياط وعلى توسيع سم الخياط الى ان يسع
الجمل واما الولوج فيه وكل منهما على صورته فذلك من
المستحيل العقلي الذي نص العلماء على ان لا تعلق بقدرة
الله وكذلك لا يدخل النهار الا بعد ذهاب الليل والليل
الا بعد ذهاب النهار ذهاب كل منهما شرط لمجيئ الاخر
واجتماع النهار مع الليل مستحيل عقلي فلا يتعلق القدرة
به وقوله تعالى خالق كل شئ معناه وجد ويوجد
المستحيل العقلي غير موجود ولا يمكنه ان يوجد فلا
يدخل تحت ذلك ولا يجد العقل الى ذلك سبيل
انتهى كلام النابلسي ملخصاً۔

بالغیر ہیں جیسا کہ عدم وقوع کے ساتھ علم الٰہی کا تعلق ممکن ہے
مثلاً ایمان ابی جہل؛ اور ابن حزم کا قول اس میں بدیہی البطلان ہے
وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا بیٹا بنانے پر قادر ہے اس لیے کہ عدم قدرت
کی صورت میں عجز لازم آتا ہے اسی قول کو بعض اغبیاء مبتدعین
نے ذکر کیا جو سراسر باطل ہے اس لیے کہ عجز تب ہوتا جب جانب
قدرت سے قصور ہوتا لیکن جبکہ امر محال کے ساتھ قدرت کا
تعلق ہی نہیں تو اس سے عجز کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ امام عبداللہ
بن اسعد الیمنی سے سوال کیا گیا کہ جمیع ممکنات پر قدرت باری
تعالیٰ کی صورت میں امور مستحیلہ بھی داخل ہوں گے یا نہیں تو انہوں
نے جواب دیا کہ تمام مستحیلات عقلیہ کے ساتھ قدرت کا تعلق
نہیں چاہے شرعاً استحالہ ہو جیسا کہ فرمایا رات دن سے سبقت
نہیں کرتی یا عقلاً جیسا کہ سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا
اور حتی یلج الجمل فی سم الخیاط کی آیت اس پر دلالت کر رہی ہے
کہ کفار کے لیے جنت میں داخل ہونے کی کوئی امید نہیں اگر کوئی
اعتراض کرے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کو قدرت کے ساتھ
کیوں متصف نہیں کیا گیا حالانکہ اس میں قصر قدرت لازم آتا ہے
جواب یہ ہے کہ قصر قدرت لازم نہیں آتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ
اس پر قادر ہے کہ اونٹ کو اتنا چھوٹا کر دے کہ سوئی کے ناکہ
میں داخل ہو جائے نیز یہ اس کی قدرت میں ہے کہ سوئی کا ناکہ
اتنا کشادہ ہو جائے کہ اونٹ اس میں داخل ہو سکے لیکن جبکہ
دونوں اپنی اصلی حالت پر ہوں تو اس صورت میں دخول عقلاً
محال ہے جس کے ساتھ قدرت کا کوئی تعلق نہیں اسی طرح دن
اور رات کا گذرنا ہر ایک دوسرے پر موقوف ہے لیل و نہار کا اجتماع
عقلاً محال ہے قدرت کا تعلق اس کے ساتھ نہیں اور خالق کل شئ کا
مفہوم یہ ہے کہ جو چیز موجود ہے یا موجود ہوگی اس کا خالق ہے اور محال عقلی
غیر موجود ہے اسکے وجود کا کوئی امکان نہیں اس لیے وہ قدرت کے تحت
داخل نہیں اور نہ عقلاً اس کے حصول کا کوئی ذریعہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عبارت مندرجہ بالا سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ امورِ مستحیلہ کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں۔ مثلاً اجتماع نقیضین سم الخیاط میں اونٹ کا داخل ہونا اور وجود شریک باری اور اتخاذ ولد وغیرہا۔ ان امور پر قادر نہ ہونا موجب نقص نہیں بلکہ عین کمال ہے اسی پر متکلمین وارباب شریعت کا اتفاق ہے اور یہی عقل ونقل کے موافق ہے اور جو اس کا منکر ہو اس کی بات محل حیرت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

محمد عبدالحیٔ ابوالحسنات

الجواب صحیح محمد نور الحسین

تہتّر فرقوں میں سے کون سے فرقے جہنمی ہیں؟

سوال (۱۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری امت کے تہتر فرقے ہوجائیں گے ایک ناجی اور سب ناری ہونگے ناری سے مراد کیا کفار ہیں یا فاسق مسلمان جو خطا وعصیان کے سبب دوزخی ہوجائیں گے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ رافضی شیخین کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں کافر ہوگئے بعض کہتے ہیں کہ سب اہلِ ہوا کافر ہیں ایک فرقہ مسلمان ہے جس کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں اور بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ رافضی کی توبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ جو شرع شریف میں لکھا ہو رقام فرمائیں، بینوا توجروا۔

جواب:۔ کتبِ عقائد اور فقہ میں اس طرح لکھا ہے کہ بہتر فرقے جو اہلِ ہوا ہیں ایک بھی کافر نہیں ہے چنانچہ عبارت ان کتابوں کی جو یہاں موجود ہیں بعینہٖ ذیل میں لکھی جاتی ہیں اور عبارت فتاویٰ کی کہ سب شیخین کفر ہے اس کا بھی جواب لکھا جاتا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں بلکہ اعتقاد کفر اہل ہوا جو بدعتی ہیں ان کی طرف رکھنا بھی کفر ہے اول تو یہ ہے کہ تمہید ابو الشکور سلمی میں لکھا ہے کہ جو حدیث شریف تفرقۂ امت میں وارد ہوئی ہے اس میں اختلاف ہے چنانچہ ایک روایت میں لکھا ہے ستفرق امتی من بعدی ثلثة وسبعون فرقة کلهم فی النار الا واحدة (ترجمہ) میرے بعد میری امّت تہتر فرقوں میں منقسم ہوجائے گی سوائے ایک فرقہ کے باقی سب جہنمی ہیں۔ اور دوسری روایت میں کلهم فی الجنة الا واحدة قیل ما تلك الواحدة فقال صلی اللہ علیہ وسلم القدریة (ترجمہ) تمام فرقے جنت میں جائیں گے سوا ایک کے، پوچھا گیا وہ ایک فرقہ کون سا ہے فرمایا قدریہ۔ بغور ملاحظہ فرمائیں کہ کفر دونوں حدیثوں سے ثابت نہیں ہو بلکہ دوسری حدیث سے جنتی ہونا ثابت کیا گیا ہے کفار کے واسطے کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے اور یا کسی عالم نے ان پر حکم جزیہ یا استرقاق بسبب کفر کے لکھا ہے اور دوسرے ایک مقام پر لکھا ہے۔

اعلم ان الدین مع الجماعة والجماعة هم اهل السواد الاعظم والسواد الاعظم بین الجبر والقدر وبین التشبه والتعطیل وبین النصب والرفض وسئل ابو حنیفة عن السنة والجماعة فقال لا نصب ولا رفض ولا جبر ولا قدر ولا تشبه ولا تعطیل وروی عن ابی حنیفةؒ انه قال شهادة اهل الهواء مقبولة فاذا قبل شهادة دل انه مسلم وروی عن محمد بن الحسنؒ انه قال الصلوٰة خلف المبتدع جائز الا انه یکره ولانه اعتقد البدعة علی زعم انه حق وهو

حلال والثانی انہ اول فی ذلک واستحل بالتاویل فلا یکفر۔ (تمہید)

اور جاننا چاہیے کہ بہتر فرقے جو کتابوں میں ہیں جن کا احوال مرقوم ہے اس میں بھی کئی فرقے مثل تناسخوں کے ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ فرقہ تناسخیہ چار قسم ہو کر پھر چار اسی قسم کے ہو گئے چنانچہ تفصیل اس کی بھی تمہید میں موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی ہر فرقے میں اقسام ہو گئے جو شخص جس فرقہ کا کام کرے گا اسی میں شمار کیا جاوے گا چنانچہ فرقہ وہابیین کو معتزلہ کہتے ہیں اب تفصیل فرقوں اور بیان ہر ایک کی بدعت کا موجب طول ہے غرض مسائل جو ہے سب الشیخین کفر ہے یا نہیں اور توبہ ان کی قبول ہے یا قتل ان کی توبہ ہے اس کا جواب لکھنا مقصود ہے شرح فقہ اکبر میں ابو الشکور سلمی کے حوالہ سے منقول ہے کہ شیخین کو گالیاں دینے سے کفر لازم نہیں آتا جیسا کہ عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

سب الشیخین لیس بکفر کما صححہ ابو الشکور السلمی فی تمہیدہ وذلک لعدم ثبوت مبناہ وعدم تحقیق معناہ فان سب المسلم فسق کما فی حدیث ثابت یستوی الشیخان وغیرہما فی ہذا الحکم ولانہ لو فرض ان احدا قتل الشیخین بل والختنین بوصف الجمع لا یخرج عن کونہ مسلماً عند اہل السنۃ والجماعۃ ومن المعلوم ان السب دون القتل نعم لو استحل السب او القتل فہو کافر لا محالۃ وعلی تقدیر ثبوت الحدیث فیجب ان یؤول کما اول حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر ای مستحلا للترک

اور دوسری جگہ فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ جمع کرنا دونوں کا مشکل ہے ایک تو یہ اہل قبلہ کافر نہیں ہیں چنانچہ سب فقہاء اور متکلمین کا بھی یہی قول ہے اور دوسری عبارت فتاوی کی سب شیخین کفر ہے وجہ اشکال کی بیان کرکے پھر جواب لکھا ہے۔

یدفع الاشکال بان نقل کتب فتاوی مع جہالۃ قائلہ وعدم اظہار دلائلہ لیس بحجۃ من ناقلہ اذ مدار الاعتقاد فی المسائل الدینیۃ علی الادلۃ القطعیۃ علی ان فی تکفیر المسلم قد یترتب مفاسد جلیۃ وخفیۃ وقال الامام ابن الہمام فی شرح الہدایۃ للجواب عن ہذہ الحکایۃ قال اعلم ان الحکم بکفر من ذکرنا من اہل الہواء مع ما ثبت عن ابی حنیفۃؒ والشافعیؒ من عدم تکفیر اہل القبلۃ من المبتدعۃ کلہم بمحمل یۃ ان ذلک المعتقد فی نفسہ کفر۔

جواب یہ ہے کہ کتب فتاوی کا حکم جب کہ اس کا قائل مجہول ہو اور دلائل بھی معلوم نہ ہوں کسی پر حجت نہیں اس لیے کہ مسائل دینیہ میں اعتقاد کا مدار ادلۂ قطعیہ پر ہوتا ہے علاوہ ازیں تکفیر مسلم کی صورت بعض اوقات ظاہراً و باطناً بہت مفاسد مترتب ہوتے ہیں شیخ ابن الہمام شرح ہدایہ میں اس حکایت کے جواب میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ و شافعیؒ سے اہل قبلہ کی عدم تکفیر منقول ہے اس کے باوجود اہل ہواء کے کفر کے متعلق جو ہم نے ذکر کیا اس سے مراد یہ ہے کہ امور مذکورہ کا اعتقاد فی نفسہ کفر ہے

اور صاحب درمختار نے باب امامۃ میں لکھا ہے کہ نماز صاحب بدعت کے پیچھے مکروہ تنزیہی ہے۔

مبتدع ای صاحب بدعۃ وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبہۃ وکل من کان من قبلتنا لا یکفر بہا حتی الخوارج الذین یستحلون دمائنا واموالنا وسب اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وینکرون صفاتہ تعالیٰ وجواز رویتہ لکونہ عن تاویل وشبہۃ بدلیل قبول شہادتہم۔

اور باب شہادت میں تحریر فرمایا کہ اگلی شہادت مقبول ہوئی

اور باب شہادت میں لکھا ہے تقبل من اھل الاھواء ای اصحاب بدع لا تکفر کجبر وقدر ورفض وخروج وتشبیہ وتعطیل وکل منھم اثنا عشر فرقۃ فصارت اثنین وسبعین الا الخطابیۃ صنف من الروافض یرون الشھادۃ لشیعتھم ولکل من حلف انہ محق فردھم لا لبدعتھم بل لتھمۃ الکذب

دیکھیے اس عبارت میں کہیں کفر ثابت نہیں کیا بعضے صاحب فرماتے ہیں کہ مرتد کے باب میں صاحب درمختار نے واسطے بے ادبی کرنے انبیاء کے اور بے ادبی کرنے شیخین کے جناب میں حکم قتل فرمایا ہے اور عبارت اس مقام کی یہ ہے والکافر بسب الشیخین او بسب احدھما فی البحر عن الجوھرۃ معزیا للشھید من سب الشیخین او طعن فیھما کفر ولا تقبل توبتہ وبہ اخذ الدبوسی وابو اللیث وھو المختار للفتوی انتھی وجزم بہ فی الاشباہ

درمختار کے مصنف نے آپ ہی اس مسئلہ کو رد کیا ہے اس قول سے لکن فی النھر وھذا لا وجود لہ فی اصل الجوھرۃ وانما وجد علی ھامش بعض النسخ فالحق بالاصل مع انہ لا ارتباط بما قبلہ انتھی۔ (ترجمہ) نہرالفائق میں لکھا ہے کہ جوہرہ کے اصل نسخہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں البتہ بعض نسخوں کے حاشیہ پر یہ مسئلہ مذکور ہے لہذا اس صورت میں اصل کا اعتبار ہوگا جب کہ ماقبل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اصل حال مسئلہ کا یہ ہے کہ جس زمانہ میں بحر اور اشباہ تصنیف ہوئی تھی تو مصنف بحر واشباہ نے لکھا تھا سب الشیخین کفر ولا تقبل توبتہ شیخین کو گالیاں دینا کفر ہے اور اس کی توبہ غیر مقبول ہے۔ اس زمانہ میں بھائی جس نے نہرالفائق شرح کنزالدقائق تصنیف کی ہے جس کا نام عمر بن نجیم ہے اور چند علمائے شہر مثل شیخ امین الدین عبدالعال وغیرہ جمع ہوکر آئے اور دریافت کیا کہ یہ مسئلہ سب الشیخین کفر ہے کہاں سے لکھا ہے کہا جوہرہ سے لکھا ہے جو قدوری کی شرح ہے۔ علماء نے جوہرہ طلب کیا تو جواب دیا کہ میرا جوہرہ آگ میں جل گیا اور شہر میں سے جوہرہ منگوا کر ہر چند دیکھا یہ مسئلہ نہ پایا، کہا کون سی جگہ سے نقل کیا تھا مقام بتلایا تو عبارت جو بحر میں تھی اس سے ملا کر دیکھا تو ہر چند اول وآخر سے ربط نہ پایا مسئلہ کی وہیں خطا ظاہر ہوگئی۔

وقال السید الحموی فی شرح الاشباہ حکی عن عمر بن نجیم ان اخاہ افتی بذلک فطلب منہ النقل فلم یوجد علی طریق الجوھرۃ۔

اور پھر حموی نے اسی عبارت کے آگے لکھا ہے اگر بالفرض یہ قول جوہرہ کے نسخوں میں پایا بھی جاتا تب بھی غیر مقبول ہے کیونکہ جب انبیاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی توبہ مقبول ہو جاتی ہے تو شیخین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی کیوں نہ مقبول ہوگی۔ عبارت ملاحظہ ہو:-

واقول علی فرض ثبوت ذلک فی عامۃ نسخ الجوھرۃ لا وجہ لہ یظھر لما قدمناہ من قبول توبۃ من سب الانبیاء عندنا خلافا للمالکیۃ والحنابلۃ واذا کان کذلک فلا وجہ للقول بعدم قبول توبۃ من سب الشیخین بل لا یثبت ذلک عن احد من الائمۃ فیما اعلم۔

بالفرض اگر ہم کفر مان لیں جب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی توبہ قبول نہیں اور حکم کرنا ساتھ کفر کے بہت مشکل ہے۔ اختیار میں

لکھا ہے اتفق الائمۃ علی تضلیل اهل البدع اجمع وتخطئتہم وسب احد من الصحابۃ وبغضہ لایکون کفر لکن یضلل وذکر فی فتح القدیر ان الخوارج الذین یستحلون دماء المسلمین واموالہم ویکفرون الصحابۃ حکمہم عند جمہور الفقہاء واهل الحدیث حکم البغاۃ۔

اس عبارت سے کفر ثابت نہیں ہوتا البتہ تضلیل وتخطیہ ضرور ثابت ہوتا ہے۔

خیال کیجیے کہ خوارج جو سب سے زیادہ بدعتی ہیں چنانچہ درمختار سے مذکور ہوا ان کے واسطے بھی حکم کفر کا نہ فرمایا قال ابن المنذر وهو اعرف بکلام المجتہدین لم یقع فی کلام اهل المذهب تکفیر کثیر ولکن لیس من کلام الفقہاء الذین هم المجتہدون بل من غیرهم ولا عبرۃ بغیر الفقہاء۔

بہت تفصیل کے ساتھ ردالمحتار حاشیہ درمختار میں مسلمانی ثابت کی ہے جس صاحب کو زیادہ تحقیق منظور ہو دیکھ لیوے طول کے سبب سے یہاں نہ لکھا بلکہ چند باتیں ضروری نقل کردیں اور ردالمحتار میں لکھا ہے:۔

ولم یعلل احد لعدم قبول شہادتہم بالکفر کما تری نعم استثنوا الخطابیۃ لانہم یرون شہادۃ الزور لاشیاعہم او للحالف وکذا نص المحدثون علی قبول روایۃ اهل الاهواء فہذا فی من یسب عامۃ الصحابۃ ویکفرهم بناء علی تاویل لہ فاسد فعلم ان ما ذکرہ فی الخلاصۃ من انہ کافر قال ضعیف مخالف للمتون والشروح بل هو مخالف لاجماع الفقہاء کما سمعتہ وقد الف العلامۃ ملا علی قاری رسالۃ فی الرد علی الخلاصۃ ولہذا تعلم قطعا ان ما عزی الی الجوهرۃ من الکفر مع عدم قبول التوبۃ علی فرض وجودہ فی الجوهرۃ باطل لا اصل لہ ولا یجوز العمل بہ وقد مر انہ اذا کان فی المسئلۃ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ فعلی المفتی ان یمیل الی عدم التکفیر فکیف یمیل ههنا الی التکفیر المخالف للاجماع فضلا عن میلہ الی قتلہ وان تاب وقد مر ایضاً ان المذهب قبول توبۃ ساب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فکیف سباب الشیخین والعجب من صاحب البحر حیث تساهل غایۃ التساهل فی الافتاء بقتلہ۔

مؤلف ردالمحتار حاشیہ درمختار ومصنف درمختار نے کہیں اہل ہوا کو کافر نہیں لکھا بلکہ باب الحیض میں لکھا ہے:۔

لا یفتی بتکفیر مسلم کان فی کفرہ خلاف ولو روایۃ ضعیفۃ کسی مسلمان کی تکفیر کا فتویٰ نہ دیا جائے جس کے کفر میں اختلاف ہو۔ اگرچہ روایت ضعیف ہو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے اذا کان فی المسئلۃ وجوہ یوجب الکفر واحد یمنعہ فعلی المفتی المیل الی ما یمنعہ۔ جب کسی میں متعدد وجوہ کفر ہوں اور ایک وجہ مانع عن الکفر ہو تو مفتی کے لیے لازم ہے کہ مانع عن الکفر پر فتویٰ دے۔ تعجب ہے صاحب علم سے کہ باوجود ان دلائل قویہ مائل باسلام دلیل ضعیف کو ترجیح دے کر کفر ثابت کرے اور یہاں تک حکم دیوے کہ توبہ بھی اس کی قبول نہیں بلکہ قتل اس کی توبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ گویا سب علماء کے قول کا انکار ہے۔ درمختار میں لکھا ہے منکر الاجماع کافر، اجماع کا منکر کافر ہے اور تمہید ابوالشکور سلمی میں لکھا ہے من قال للمومن یا کافر وشہد بالکفر علی مومن فانہ یصیر کافرا وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من شہد علی امتی بالکفر فہو اولی بہ جس شخص نے مومن سے کہا اے کافر، یا مومن پر کفر کی

شہادت دی وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے میری امت پر کفر کی شہادت دی وہ خود اس کا مستحق ہوگا۔ اہل ہوا جو بہتر فرقے میں داخل ہیں۔ اس واسطے جو حدیث شریف تفریق امت میں وارد ہوتی ہے اس میں لفظ امتی ہے امت حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا شمار اس میں داخل کر کے نہیں فرمایا تھا ان کے واسطے اور حدیث ہے۔

انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل تفرقت بعد موسیٰ علی احدی وسبعین فرقۃ و بعد عیسیٰ علی اثنین وسبعین فرقۃ وستفرق امتی من بعدی ثلثۃ وسبعون فرقۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں منقسم ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بہتر فرقوں میں اور میری امت میرے بعد تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

اگر سب فرقے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مع اصناف کفار کے شمار کریں گے تو تہتر فرقے کیونکر ہوں گے پس اگرچہ کفار بھی امت دعوت ہیں پس معلوم ہوا کہ مراد امت سے امت اجابت ہے جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا

المراد بالامۃ من یجمعہم دائرۃ الدعوۃ من اہل القبلۃ لانہ اضاف فیہم الی نفسہ واکثر ما ورد فی الحدیث علی ہذا الاسلوب فالمراد بہ اہل القبلۃ ولو یرد بہ امۃ الدعوۃ فتناول بہ اصناف الکفر فکیف یکون تفریق الامۃ الی ثلث و سبعین۔

خداوند تعالیٰ غفور رحیم ہے اور تواب ہے اس کی رحمت کا منکر نہ ہونا چاہئے تو بہ سب کی قبول ہے۔ اگرچہ پیغمبروں کی جناب میں بے ادبی کی ہو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔ چنانچہ رد المحتار حاشیہ درمختار سے معلوم ہوا صفۃ الرحمۃ لاتتغیر وان تغیر احوال الامۃ یعنی صفت رحمت میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ اگرچہ احوال امت میں تغیر ہو جائے اور نیک کام بھی برائی کو دور کرتے ہیں کقولہ تعالیٰ ان الحسنات یذہبن السیئات نیکیوں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں واللہ اعلم بالصواب المجیب عبداللہ ابن افضل العلماء والفضلاء مولانا محمد عبدالرب افاض اللہ علینا من برکاتہ۔ ہو المصوب۔

واقعی حدیث ستفرق امتی ثلث وسبعون فرقۃ میں مراد امت اجابت ہے کہ عبارت اہل اسلام سے ہے نہ امت دعوت علامہ دوانی شرح عقائد عضدیہ میں لکھتے ہیں ای الامۃ الاجابۃ وہم الذین امنوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وہو الظاہر فان اکثر ما ورد فی الحدیث علی ہذا الاسلوب ارید بہ اہل القبلۃ انتہی۔ یعنی امت اجابت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتی ہو اکثر احادیث میں اس سے مراد اہل قبلہ ہیں اور سب شیخین موجب کفر نہیں ہے ابوالشکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں:۔

کلام الروافض مختلف فبعضہ یکون کفر وبعضہ لا فلو قال ان علیا کان الٰہا نزل من السماء کفر ولو قال النبوۃ کانت لعلی وجبریل اخطاء کفر ومنہم من قال ان علیا افضل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہذا کلمۃ کفر واما الذی یکون بدعۃ ولا یکون کفرا فہو قولہم ان علیا

یعنی اقوال روافض مختلف ہیں بعض کفر ہیں اور بعض نہیں مثلاً اگر کوئی حضرت علی رضؓ کی الوہیت کا قائل ہو یا یہ کہے کہ نبوت اصل میں علیؓ کے لئے تھی لیکن وحی لانے میں جبریل سے غلطی ہو گئی یا یہ کہے کہ علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں تو یہ سب کفر ہے اور اگر علیؓ کو شیخین پر فضیلت دے یا مخالفین علیؓ پر

افضل من الشیخین ومنہم من قال یجب اللعن علی من خالف علیاً کعائشۃ ومعاویۃ وھذا کلہ وما شبہہ بدعۃ لیس بکفر لانہ صادر عن تاویل انتہی۔

لعنت کو جائز سمجھتا ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ وامیر معاویہؓ پر تو یہ سب بدعت ہے کفر نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مدار صرف تاویل پر ہے۔

اور مولانا عبدالعلی شرح سلم الثبوت میں لکھتے ہیں الصحیح عند الحنفیۃ بان الروافض لیسوا بکفار والوجہ فیہ ان مذہبہم او تعنتہم فیما وقعوا زعما منہم ومنہم علی الدین المحمدی وان کان زعمہم ھذا باطلا وما کذبوا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فی زعمہم فہم غیر ملتزمین بالکفر والتزام الکفر کفر دون لزومہ انتہی ملخصاً۔

روافض کا کافر نہ ہونا ثابت ہوا۔ ان کی توبہ قبول ہونے میں شک نہیں رہا اور اگر بالفرض والتقدیر روافض کافر ہوں اس صورت میں بھی ان کی توبہ قبول نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مقام غور ہے کہ جو شخص مشرک ہو اور اللہ جل شانہ کا شریک بناتا ہو اگر وہ توبہ کرے قبول ہو جاوے کیا روافض مشرک سے بدتر ہو گئے کہ توبہ ان کی قبول نہ ہو گی اور صاحب بحر نے جوہرہ سے جو مسئلہ عدم قبول توبۂ روافض کا نقل کیا ہے وہ غلط ہے قابل التفات نہیں کیونکہ مخالف ہے نصوص قرآنیہ کے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہ غفور الرحیم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب

محمد عبدالحی ابوالحسنات

فی الواقع حدیث افتراق امت میں ناری سے مراد مسلمین فاسقین ہیں کہ شامت عصیان سے دوزخ میں جاویں گے اور روافض حضرات شیخین کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اور اسی طرح سب اہل ہوا کافر نہیں ہیں اور توبہ ان کی قبول ہے

فی المسائرۃ ان قول ابی حنیفۃ رح انہ لا یکفر احد منہم وفی شرحہا ان عدم التکفیر ھو المنقول عن جمہور المتکلمین والفقہاء وان الشیخ الاشعری قال ان الاسلام یعمہم یعنی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی کافر نہیں اور جمہور متکلمین وفقہا سے یہی منقول ہے شیخ اشعری نے کہا اسلام سب کو محیط ہے۔ واللہ اعلم بالصواب و بہ الہدایۃ وحسن الثواب۔ حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفر اللہ العلی الرب الحکیم

مثیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ

سوال (۲۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع مبین اس میں کہ ایک شخص دعوی کرتا ہے اس بات کا کہ چھ مثل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود اور متحقق ہیں اور مثل سے یہ غرض رکھتا ہے کہ شریک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کے جمیع صفات اور ماہیت میں ہیں، اور پیش کرتا ہے قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کتاب در منثور سے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم وموسیٰ کموسٰکم وعیسیٰ کعیسٰکم ونبی کنبیکم یعنی اللہ نے سات زمینیں پیدا کیں۔ ہر زمین میں تمہارے آدم جیسا آدم ہے نوح جیسا نوح، ابراہیم جیسا ابراہیم اور موسیٰ جیسا موسیٰ، عیسیٰ کی طرح عیسیٰ اور تمہارے نبی جیسا نبی آیا۔ یہ قول اس کا یعنی موجود و متحقق ہونا امثال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

عالم میں بمعنی مذکور کے حق ہے یا باطل اور یہ عقیدہ صحیح ہے یا خلاف اہل سنت والجماعت کے اور دلیل میں جو حدیث پیش کرتا ہے اس کا کیا حال ہے۔ اس سے یہ عقیدہ ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب: ۔ اولاً جاننا چاہیئے کہ حدیثِ مذکور صحیح السند اور معتبر ہے ارباب تحقیق نے اس کی توثیق کی ہے حافظ جلال الدین تخریج احادیث شرح مواقف میں لکھتے ہیں:۔

روی الحاکم فی مستدرکہ عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰتٍ ومن الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ وقال صحیح انتھی

حضرت ابن عباسؓ سے اللہ الذی خلق الآیۃ کی تفسیر میں منقول ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی جیسا نبی ہے، آدم جیسا آدم، نوح جیسا نوح اور ابراہیم جیسا ابراہیم اور عیسیٰ جیسا عیسیٰ یہ روایت صحیح ہے۔

اور علامہ بدرالدین شبلی حنفی امام المرجان فی احکام الجان میں لکھتے ہیں:۔

قال الحاکم حدثنا احمد بن یعقوب الثقفی حدثنا عبیدؒ حدثنا علی بن حکیم حدثنا شریک عن عطاء عن ابی الضحی عن ابن عباسؓ قال ومن الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ قال شیخنا الذھبی اسنادہ حسن قلت اولہ شاھد قال الحاکم حدثنا عبداللہ بن الحسن حدثنا ابراھیم بن الحسین حدثنا آدم حدثنا شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحی عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ خلق سبع سمٰوٰتٍ ومن الارض مثلھن قال فی کل ارض نحو ابراھیم قال شیخنا الذھبی ھذا حدیث علی شرط البخاری والمسلم انتھی

حضرت ابن عباسؓ سے ومن الارض مثلھن کی تفسیر میں منقول ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی جیسا نبی اور آدم جیسا آدم نوح جیسا نوح ابراہیم جیسا ابراہیم عیسیٰ جیسا عیسیٰ ہے شیخ ذہبی نے کہا اس روایت کی سند حسن ہے۔ حاکم نے کہا استشہاد اول روایت میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے خلق سبع سمٰوٰت الآیۃ کی تفسیر میں منقول ہے کہ ہر زمین میں ابراہیم جیسا ابراہیم ہے۔ امام ذہبی نے کہا یہ روایت علیٰ شرط الشیخین ہے۔

وثانیاً سمجھنا چاہیئے کہ زمین کے سات طبقات کا جداگانہ ہونا اور اس میں مخلوقات الٰہی کا موجود ہونا چند احادیث سے ثابت ہے اور مذہب محققین کا بھی یہی ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں:۔

قال الداؤدی فی قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن دلالۃ علیٰ ان الارضین بعضھا فوق بعض ونقل عن بعض المتکلمین ان المثلیۃ فی العدد خاصۃ وان السبع متجاورۃ وحکی ابن التین عن بعضھم ان الارض واحدۃ قال ھو مردود بالقرآن والسنۃ قلت لعلہ القول بالتجاور والا فصر یحا فی المخالفۃ ویدل للقول الظاھر ما رواہ

داؤدی نے کہا ومن الارض مثلھن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمینیں آپس میں متصل ہیں اور بعض متکلمین کا قول ہے کہ مثلھن سے مثلیت فی العدد مراد ہے اور سات زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ مجاور ہیں بواسطہ ابن التین بعض متکلمین سے منقول ہے کہ زمین ایک ہے لیکن یہ قول قرآن وحدیث سے مردود ہے میں کہتا ہوں شاید

ابن جریر من طریق شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن قال فی کل ارض مثل ابراھیم ونحو ما علی الارض من الخلق ھکذا اخرجہ مختصرا واسنادہ صحیح واخرجہ الحاکم والبیھقی من طریق عطاء عن ابی الضحیٰ مطولا واول سبعین ارضا فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ ونبی کنبیکم قال البیھقی اسنادہ صحیح الا انہ شاذ وظاھر قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن یرد علی اھل الھیئۃ فی قولھم ان لا مسافۃ بین کل ارض وارض وقد روی احمد والترمذی من حدیث ابی ھریرۃ مرفوعاً ان بین کل سماء خمس مائۃ عام وان بین کل ارض وارض خمسمائۃ عام واخرجہ اسحاق بن راھویہ والبزاری حدیث ابی ذر نحوہ انتھیٰ ملخصاً۔

تجاوز عن الحد کی وجہ سے ایسا کہا ہو ورنہ تو یہ صریح مخالف ہے اور اس قول ظاہر میں ابن عباس کی اس آیت کی تفسیر دلالت کر رہا ہے کہ ہر زمین میں مثل ابراہیم ہے اور اسی طرح ہر زمین پر مخلوق ہے نیز حاکم و بیہقی سے روایت ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے آدم جیسا آدم نوح جیسا نوح ابراہیم جیسا ابراہیم عیسیٰ جیسا عیسیٰ، تمہارے نبی جیسا نبی ہے۔ اس روایت کا اسناد صحیح ہے لیکن شاذ ہے اور من الارض مثلھن سے اہل ہیئت پر اعتراض وارد ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ زمینوں کے درمیان کوئی مسافت نہیں حالانکہ مرفوع روایت میں ہے کہ ہر آسمان کے درمیان پانچ سو سال اسی طرح ہر زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔

اور علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی حاشیہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں الذی تعتقدہ ان الارض سبع کالسمٰوٰت ولھا مکان من خلقہ یعلمھم اللہ انتھی یعنی زمینوں کا سات ہونا اور ان پر مخلوق کا ہونا اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے اور سلیمان جمل حاشیہ جلالین میں لکھتے ہیں:۔

ذکر اللہ تعالیٰ ان السمٰوٰت سبع طبقات ولم یأت الارض فی التنزیل عدد صریح لا یحتمل التاویل الا قولہ تعالیٰ ومن الارض مثلھن وقد اختلف فیہ ای فی العدد لان الکیفیۃ والصفۃ مختلفۃ بالمشاھدۃ والاخبار فتعین العدد فیحتمل مثلھن ای فی الغلظ وما بینھن وقیل ھی سبع الا انہ لم یفتق بعضھا عن بعض قال الماوردی والصحیح ھو الاول وانھا سبع کالسمٰوٰت انتھی

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تعداد قرآن میں صراحتاً بیان فرمائی لیکن زمین کی تعداد کے لئے کوئی عدد ذکر نہیں فرمایا بجز من الارض مثلھن کے اسی لئے اختلاف ہوا بعض کے نزدیک مثل فی العدد مراد ہے۔ اس لئے کیفیت وصفت مشاہدہ اور خبر سے مختلف ہے لہٰذا عدد ہی متعین ہوا اور بعض کے نزدیک حجم میں مماثلت مراد ہے اور بعض نے کہا سات ہیں لیکن ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ علامہ ماوردی نے کہا صحیح قول اول یعنی سات زمینیں ہیں۔

اور ثعلبی عرائس میں تحریر کرتے ہیں:۔

روی عن عبداللہ بن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال بین کل ارض الی التی تلیھا مسیرۃ خمسمائۃ

عبداللہ بن عمر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول منقول ہے کہ ایک زمین سے دوسری تک پانچسو سال کی مسافت ہے

عام وهي سبع طبقات الارض الثانية سجن الريح ومنها مخرج الرياح المختلفة وفي الارض الثالثة خلق وجوههم كوجوه بني آدم وافواههم كافواه الكلاب وايديهم كايدي الانس وارجلهم كارجل البقر وآذانهم كآذان البقر واشعارهم كصوف الضان لا يعصون الله طرفة عين نهارهم ليلنا ونهارنا ليلهم والارض الرابعة فيها حجارة الكبريت التي وعدها الله لاهل النار تسعر بها جهنم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذي نفسي بيده ان فيها اودية من كبريت لو ارسل الله فيها الجبال الرواسي لذابت والارض الخامسة فيها عقارب اهل النار والسادسة فيها دواوين اهل النار واعمالهم واسمها سجين والسابعة مسكن ابليس وجنوده انتهى مختصرا۔

اور زمین کے سات طبقات ہیں۔ دوسرا طبقہ زمین کا ہوا کا مخزن ہے اسی سے مختلف ہوائیں نکلتی ہیں اور تیسری زمین پر ایک مخلوق ہے جن کے چہرے آدمیوں جیسے اور منہ کتوں کی طرح اور ہاتھ انسانوں کی طرح اور پاؤں اور کان بیلوں کی طرح اور بال بھیڑ و لب جیسے ہیں وہ کسی وقت اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے ہماری رات ان کے لئے دن اور ان کا دن ہمارے لیے رات ہوتا ہے اور چوتھی زمین میں آگ کے پتھر ہیں جن کا وعدہ جہنمیوں سے کیا گیا ہے اسی سے جہنم کی آگ تیز کی جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں کبریت کی وادیاں ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں سخت پہاڑوں کو ڈال دیں تو نیست و نابود ہو جائیں اور پانچویں زمین میں جہنمیوں کے لیے بچھو ہیں اور چھٹی زمین میں اہل نار کے رجسٹر اور ان کے اعمال ہیں جس کا نام سجین ہے اور ساتویں زمین میں شیطان اور اس کے متبعین کا ٹھکانہ ہے۔

اور فاضل محمد بن احمد ایاس حنفی بدائع الدہور فی وقائع الدہور میں لکھتے ہیں:۔

قال وهب بن منبه لما خلق الله الارض كانت طبقة واحدة ففتقها فصيرها سبعا كما فعل في السموات وجعل بين الطبقة والطبقة مسيرة خمس مائة عام وهو قوله تعالى ففتقناهما وجعلها سبعا فكان اسم الطبقة العليا اديما والثانية بسيطا والثالثة ثقيلا والرابعة بطيحا والخامسة جنبا والسادسة ماسكة والسابعة الثرى وسكان الارض الثانية امم يقال لهم الطمس وطعامهم من لحومهم وشرابهم من دمهم والطبقة الثالثة سكانها امم وجوههم كوجوه بني آدم وافواههم كافواه الكلاب وايديهم كايدي بني آدم وارجلهم كارجل البقر وعلى ابدانهم شعر كصوف الغنم وهو لهم ثياب ...

وہب بن منبہ نے کہا اولاً اللہ تعالیٰ نے زمین کو صرف ایک طبقہ بنایا تھا لیکن بعد میں اس کو سات میں تقسیم کر دیا جیسا کہ آسمانوں میں کیا اور ہر دو طبقہ کے درمیان پانچسو سال کی مسافت مقرر کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ففتقناہما سے یہی مراد ہے۔ طبقہ علیا کا نام ادیم دوسرے طبقہ کا نام بسیط تیسرے کا نام ثقیل چوتھے کا نام بطیح پانچویں کا نام جنبا اور چھٹے کا نام ماسکہ ساتویں کا نام الثریٰ ہے طبقہ ثانیہ میں ایک مخلوق ہے جس کو طمس کہا جاتا ہے ان کے جسم کے گوشت و خون ہی ان کا کھانا پینا ہے، تیسرے طبقہ کے لوگ ان کے چہرے انسانوں جیسے اور ان کے منہ کتوں کی طرح، ان کے ہاتھ آدمیوں کی طرح اور ان کے پاؤں بیلوں کی طرح ان کے جسموں پر بکریوں کی طرح بال ہیں۔ وہی ان کے لیے لباس ہے۔

والطبقة الرابعة سكانها يقال لهم الحلهام ليس لهم اعين ولا اقدام بل لهم اجنحة كاجنحة القطا والخامسة سكانها الذي يقال لهم التتوم وهم سود الابدان ولهم مخاليب كمخاليب السباع ويقال ان الله تعالى يسلطهم على ياجوج وماجوج حين يخرجون فيهلكهم والطبقة السابعة فيها مسكن ابليس وجنوده من مردة الجن والشياطين

اور چوتھے طبقہ کے لوگ ان کو حلہام کہا جاتا ہے نہ ان کی آنکھیں ہیں اور نہ قدم ہیں بلکہ قطا پرندہ کی طرح پر ہیں اور پانچویں طبقہ کے لوگ ان کو تتوم کہا جاتا ہے ان کے جسم سیاہ ہیں اور درندوں کی طرح ان کے پنجے ہیں مشہور یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کی ہلاکت کے لیے اللہ تعالیٰ ان کو مسلط کرے گا اور ساتواں طبقہ اس میں ابلیس اور اس کے متبعین سرکش شیاطین رہتے ہیں۔

ثالثاً معلوم کرنا چاہیے کہ جملہ طبقاتِ باقیہ میں انبیاء کا ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث مذکور کہ صحیح ہے دلالت کرتی ہے اور قرآن پاک میں ہے ولکل قوم هاد یعنی ہر قوم کے واسطے ہادی مبعوث ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قوم کے واسطے ایک رہنما مقرر ہوا ہے پس ہرگاہ طبقات باقیہ میں وجود مخلوقات الٰہی کا ثابت ہے اور کوئی مخلوق حق تعالیٰ کی مہمل نہیں چھوڑی گئی لابد ہے وہاں بھی کوئی رہنما ہوں گے اور علامہ جلال الدین محلی کی تفسیر سے یہ بھی بات ثابت ہے کہ حضرت جبریل طبقاتِ باقیہ میں وحی لے جاتے تھے۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں الله الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یعنی سبع ارضین یتنزل الامر الوحی بینهن بین السموات والارض ینزل به جبریل من السماء السابعة الی الارض السابعة یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور اسی طرح سات زمینیں بنائیں۔ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان وحی نازل ہوتی ہے۔ یعنی جبریل امین ساتویں آسمان سے ساتویں زمین کی طرف وحی لاتے ہیں۔ ہرگاہ یہ تین امر ذہن نشین ہو گئے۔ اب سمجھنا چاہیے لفظ نبی کنبیکم سے اگرچہ ایک ایک نبی کا خاتم النبیین ہونا طبقاتِ باقیہ میں ثابت لیکن اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ کلام عرب میں کاف تشبیہ کے واسطے مستعمل ہے اور تشبیہ میں لازم نہیں ہے کہ مشبہ بہ مثل یا اقوی ہو مشبہ سے بلکہ کبھی تشبیہ ناقص کے ساتھ مجرد تفہیم کے واسطے ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتا ہے الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے نور کو تشبیہ دی ہے ساتھ نور مشکوٰۃ کے اور یہ ظاہر ہے کہ نور الٰہی بدرجہا اس نور سے اعلیٰ و احسن ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک، پس لفظ نبی کنبیکم سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہے کہ خاتم الانبیاء طبقاتِ باقیہ کا مثل خاتم الانبیاء اس طبقہ کے ہے بلکہ تشبیہ فقط تعلیم و تفہیم کے واسطے ہے اس غرض سے جس طرح ایک خاتم الرسل اس طبقہ میں ہے۔ اسی طرح سے ایک ایک خاتم ہر طبقہ میں ہے نہ یہ کہ وہ خاتم مثل اس خاتم کے ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو اسی حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ خاتم مثل ہمارے خاتم الانبیاء کے نہیں ہے۔ کیونکہ اسی حدیث میں لفظ آدم کا کآدمکم بھی وارد ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات طبقات باقیہ کی اولاد ہمارے آدم کی نہیں ہے بلکہ دوسرے آدم کی ہے اور تمام کتب عقائد میں یہ امر مصرح ہوتا ہے کہ اولادِ آدم اس عالم تمام مخلوقات سے حتی کہ ملائکہ سے بھی افضل ہے اور آیۃ ولقد کرمنا بنی آدم سے یہ امر مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام مفسرین اور علماء کا اتفاق ہے اس امر پر کہ مراد آدم سے اس آیت میں ہمارے آدم ہیں نہ آدم طبقات باقیہ بلکہ تمام انبیاء کہ قرآن و حدیث صحیح میں وارد ہے انا سید ولد آدم ولا فخر یعنی میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور

اس پر کوئی فخر نہیں اور دوسری حدیث میں وارد ہے انا اکرم الاولین والآخرین یعنی میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ اب یہاں سے دو مقدمے ممہد ہوئے اول یہ کہ ہمارے خاتم الانبیاء تمام اولاد آدم سے افضل ہیں۔ دوسرا یہ کہ اولاد آدم اس عالم کی تمام مخلوقات سے افضل ہیں بعد ترکیب ان دونوں مقدموں کے نتیجہ یہ نکلا ہمارے خاتم الانبیاء افضل ہیں تمام مخلوقات سے پس مماثلت خاتم الانبیاء طبقات بقیہ کے ساتھ ہمارے خاتم الانبیاء کے کیسی ثابت ہوگی علاوہ یہ ہے کہ مماثلت میں اتحاد ماہیت و اتحاد قسم ضرور ہے اسی واسطے انسان انسان کے مماثل کہلاتا ہے اور انسان جن یا فرشتہ کے مماثل نہیں کہلاتا اور عبارت بدائع الدہور وغیرہ سے جو سابقہ منقول ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات طبقات باقیہ مخلوقات کی صنف سے نہیں ہیں اور یہ امر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ نبی ہر قوم کا اسی قوم کی صنف سے ہوتا ہے تا امت اس کے ساتھ ارتباط پیدا کرے اور اس کی متابعت کرے۔ اسی واسطے بنی آدم پر کوئی نبی از قسم جن یا از قسم ملائک مبعوث نہیں پس ضروری ہے کہ انبیاء مخلوقات طبقات باقیہ انہی کی صنف سے اور انہی کی جنس سے ہوں گے اور ہمارے خاتم الانبیاء ہماری جنس سے ہیں پس دونوں خاتم میں مماثلت کہ عبارت ہے اتحاد صنف و صفات سے کیونکر ہوگی اس قدر میں دونوں شریک ہیں کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء اس طبقہ کے ہوئے اور طبقات بقیہ کے خاتم اپنے اپنے طبقات کے خاتم ہوئے لیکن محض اس شرکت سے مماثلت کا اطلاق درست نہیں ہے۔ الحاصل حدیث مذکور صحیح ہے اور موجود ہونا امثال خاتم الانبیاء کا اور افضل مخلوقات از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطل ہے اور اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ عدم مماثلت اس سے ثابت ہے مقام افسوس و تعجب ہے کہ از زمان وجود نبوی تا ایں جزو زمان مدت قریب تیرہ سو کے گذری مگر کسی کے خیال مبارک میں موجود ہونا امثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ آیا، آیا تو اس صاحب عقیدہ کی خاطر عاطر میں آیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لقد صدق رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم بدأ الدین غریبا وسیعود غریبا یعنی ہمارے پیغمبر نے سچ فرمایا دین اسلام کی ابتداء غربت سے ہوئی اور پھر اسی غربت کی طرف لوٹ جائے گا تا زم بریں عقل و دانش اگر شیوع جہل کی یہی کیفیت رہی تو دیکھنا چاہیے کہ کیسے کیسے عقائد فاسدہ احادیث صحیحہ سے افہام ناقصہ مستنبط کریں گے اور کیا کیا فساد اس عالم میں برپا کریں گے والی اللہ المشتکی والیہ المبدء والیہ المرجع هذا ما خطر بالبال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

خلق کی ابتداء کیسے ہوئی؟

سوال (۲۱) کیا فرماتے ہیں علماء محققین اس مسئلہ میں کہ بموجب ارشاد باری تعالیٰ فالق الحب والنوی اللہ تعالیٰ نے نباتات کو بواسطہ تخم پیدا کیا یا بموجب آیۂ کریمہ وھو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا به نبات کل شیٔ فاخرجنا منه خضرا نخرج منه حبا متراکبا۔ اشجار و نباتات کو بلا واسطہ تخم پیدا کیا اس کے بعد بقاء نوع نباتات کے لیے تخم پیدا فرمایا۔ جیسا کہ اولاً آدم علیہ السلام کو بغیر نطفہ کے پیدا فرمایا اس کے بعد بقاء نوع انسانی کے لیے نطفہ پیدا فرمایا، خلق کے لحاظ سے مقدم و مؤخر کیا چیز ہے براہ کرم دلائل عقلیہ و نقلیہ سے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:- ظاہر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً اشجار و نباتات کو پیدا فرمایا۔

اخرج احمد والبخاری فی التاریخ ومسلم والنسائی والبیہقی وغیرہم عن ابی ہریرۃ قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فقال خلق اللہ التراب یوم السبت وخلق فیہا الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلاثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیہا الدواب یوم الخمیس وخلق آدم یوم الجمعۃ بعد العصر واخرج البزار والطبرانی وابن مردویہ والبیہقی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ احاط حائط الجنۃ لبنۃ من ذہب ولبنۃ من فضۃ ثم شقق فیہا الانہار ثم غرس فیہا الاشجار قد نظرت الیہا الملائکۃ قال طوبیٰ لمنازل الملوک۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز مٹی کو پیدا فرمایا اور اتوار کے دن پہاڑ پیدا فرمائے اور پیر کو درخت اور منگل کو مکروہ اشیاء اور بدھ کو نور پیدا کیا اور جمعرات کو حیوانات اور جمعہ کو عصر کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سونے اور چاندی کی اینٹوں سے جنت کا احاطہ کیا، پھر اس میں نہریں نکالیں پھر درخت لگائے جب ملائکہ نے یہ منظر دیکھا تو کہا ساکنین کے لیے کیا عمدہ منزلیں ہیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم
محمد عبد الحی ابو الحسنات

صح الجواب، واللہ علیم، ابو الاحیاء محمد نعیم عفی عنہ

مستوی علی العرش کا عقیدہ

سوال (۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ذاتِ باری تعالیٰ کو فقط عرش ہی پر سمجھے یعنی موجود سمجھے یا مستقر سمجھے یا جو کچھ جانیں اور ماسوی فوق العرش کوئی چیز کو مخلوقاتِ الٰہی سے بذات باری تعالیٰ محیط نہ جاننا بلکہ یہ کہنا کہ فقط علم الٰہی ساری اشیاء کو محیط ہے اور ذات اس کی فقط عرش ہی پر ہے اور دوسری جگہ نہیں یہ عقیدہ اہل سنت کا ہے یا نہیں اور جو معتقد اس عقیدہ کا ہو نماز پیچھے اس کے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، نیز یہ عقیدہ حنابلہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیا حنابلہ کا یہ عقیدہ ہے یا نہیں؟

جواب:- ذات پروردگار کو عرش پر سمجھنا بدون بیان کیفیت استواء اور اس کے علم کو محیط تمام عالم سمجھنا اور آیات معیت قرب وغیرہ کو قرب ومعیت علمی پر حمل کرنا مذہب اہلِ سنت کا ہے اور معتقد اس مذہب کے پیچھے نماز درست ہے بلا کراہت۔ شرح حکمت نبویہ میں ہے:-

نعتقد بانہ علی العرش مستو علیہ استواء منزہا عن التمکن والاستقرار وانہ فوق العرش ومع ذلک ہو قریب من کل موجود وہو اقرب من حبل الورید لا یماثل قربہ قرب الاجسام انتہی

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، لیکن عرش پر استقرار اور بیٹھنے سے پاک ہے۔ اس کے باوجود شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور اس کا قرب اجسام کے قرب کی طرح نہیں

اور سیر النبلاء میں ہے قال اسحٰق بن راہویہ اجمع اہل العلم علی انہ تعالیٰ علی العرش استوی وہو یعلم کل شئی فی اسفل

الارض السابعة انتہی۔

اور جامع ترمذی میں بعد ذکر حدیث

لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لهبط علی الله ثم قرء رسول الله صلی الله علیہ وسلم هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بکل شئ علیم مرقوم ہے قرآۃ الآیۃ تدل علی انہ اراد لهبط علی الله علی علم الله وقدرته وسلطانه وعلم الله فی کل مکان وهو علی العرش کما وصف نفسه فی کتابہ انتہی۔

اگر تم کو رسی کے ساتھ سب سے نیچے والی زمین کی طرف لٹکایا جائے تو یقیناً اللہ پر جا کر گروگے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اس آیت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر واقع ہونے سے مراد اللہ کے علم و قدرت پر واقع ہونا مراد ہے۔ باوجود عرش پر ہونے کے اللہ کا علم ہر مکان کو محیط ہے۔

اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ مذہب حنابلہ کا ہے غلط ہے بلکہ یہ مذہب جمہور محققین حنفیہ و شافعیہ و حنابلہ و مالکیہ و محدثین وغیرہم کا ہے۔ البتہ بعض حنابلہ استواء مع بیان الکیفیۃ کے قائل ہو گئے ہیں اور استقرار پروردگار کو مثل استقرار مخلوقات کے سمجھتے ہیں۔ یہ مذہب مردود ہے والتفصیل یستدعی بسطا بسیطا وفیما ذکرنا کفایۃ۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

استواء علی العرش کا عقیدہ

سوال (۲۳۰) ساکنان بیام پٹنہ از اہل سنت والجماعت از جناب فیض مآب حضرت مولوی عبدالقادر صاحب دام فیضہم، خدا تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اس کا اعتقاد رکھنا اس کے تنزیہ کے ساتھ یعنی اس کا عرش کے اوپر رہنا ایک جسم کا ایک جسم کے اوپر رہنے کے مانند نہیں اور عرش اس کا مکان و حامل نہیں اور وہ اللہ اس پر متمکن و متصل نہیں بلکہ جو کچھ کیفیت ہمارے ذہن و تصور میں آوے اس سے بھی منزہ ہے پس اس طرح اعتقاد رکھنا صحیح و حق ہے یا نہیں اور یہ بات عقائد کی کتابوں میں اہل سنت والجماعت کے ہے یا نہیں اور یہی اعتقاد سلف کا یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین وغیرہم کا ہے یا نہیں اور دلائل اس اعتقاد کے محکمات سے ہیں یا متشابہات سے اور اس اعتقاد سے جہت جس سے متکلمین نے تنزیہ ذات کی ہے ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور قرب اور معیت اس کی ہمارے ساتھ ذاتی ہے یا علمی وغیرہ بینوا توجروا۔

جواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، مجیب باحسن الجواب بعون اللہ الملہم الحق والصواب، اعتقاد رکھنا اس طرح پر کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات سے عرش کے اوپر ہے تنزیہ مذکور کے ساتھ صحیح و حق ہے کیونکہ یہ بات قرآن و حدیث و اجماع سلف سے ثابت ہے اور عقائد کی کتابوں میں اہل سنت والجماعت کی موجود اور سلف صالحین یعنی تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ اب چند دلائل اس کے بطور مشتے نمونہ از خروارے مذکور ہوتے ہیں:۔

روی ابو داؤد فی سننہ عن جبیر بن مطعم قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی فقال یا رسول اللہ جهدت الانفس و

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ہماری جانیں اور ہمارے عیال نہایت تکلیف

ضاعت العیال وهلکت الاموال وهلکت الانعام فاستسق اللہ لنا فانا نستشفع بک علی اللہ ونستشفع باللہ علیک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویحک اتدری ما تقول وسبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما زال یسبح حتی عرف ذلک فی وجوہ اصحابہ ثم قال ویحک انہ لا یستشفع باللہ علی احد من خلقہ شان اللہ اعظم من ذلک ویحک اتدری باللہ ان عرشہ علی سمواتہ هکذا وقال باصابعہ مثل القبة علیہ وانہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب

قال ابن بشار فی حدیثہ ان اللہ فوق عرشہ وعرشہ فوق سمواتہ وساق الحدیث انتهی وحدیث ابن بشار حدیث حسن کما قال الامام الذهبی فی کتاب العرش والعلو رواہ ابوداؤد فی الرد علی الجهمیة باسناد حسن عندہ من حدیث محمد بن بشار نقلہ صاحب الاتحاف وقال وقد اخرجہ البخاری فی رسالة خلق افعال العباد ولفظہ ان اللہ علی عرشہ فوق سمواتہ وسمواتہ فوق ارضہ مثل القبة انتهی وعن عباس بن عبد المطلب قال کنت فی البطحاء فی عصابة فیهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمرت بهم سحابة فنظر الیها فقال ما تسمون هذہ قالوا السحاب قال والمزن قالوا والمزن قال والعنان قالوا والعنان الحدیث وفی اخر الحدیث بعد ذکر العرش ثم اللہ فوق ذلک رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن غریب انتهی

وقال الذهبی فی کتاب العرش والعلو رواہ ابوداؤد باسناد حسن وفوق الحسن انتهی وروی الامام البغوی هذا الحدیث فی تفسیر سورة الحاقة باسنادہ عن عباس بن

میں مبتلا ہیں اور ہمارے اموال ختم اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں آپ اللہ سے ہمارے لیے بارش کی درخواست کریں، ہم آپ کو اللہ کے سامنے شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کے سامنے، حضور نے فرمایا ارے کیا کہہ رہے ہو، ہوش سنبھالو اس کے بعد حضور کافی دیر تک تسبیح میں مشغول رہے یہاں تک کہ صحابہ کرام کے چہروں پر اس کا اثر ظاہر ہوا، پھر فرمایا اللہ کو کسی مخلوق کے سامنے شفیع بنانا جائز نہیں، اس کی ذات اس سے وراء الورا ہے کیا تو جانتا ہے کہ عرش الٰہی تمام آسمانوں کے اوپر ایسا ہے جیسا کہ قبہ ہوتا ہے آپ نے انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور عرش الٰہی سے ایسی آواز آتی ہے جیسے سواری کی سوار کے چڑھنے سے۔

ابن بشار نے کہا اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر اور اس کا عرش تمام آسمانوں کے اوپر ہے۔ امام ذہبی نے کہا ابن بشار کی روایت حسن ہے اور اسی روایت کو جہمیہ کے رد میں سند حسن کے ساتھ ابن بشار سے ابوداؤد نے روایت کیا اور امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ خلق افعال العباد میں یہ جملہ نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے اور تمام آسمان زمین کے اوپر ہیں قبہ کی طرح۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ میں وادی بطحا میں ایک جماعت کے ساتھ تھا جس میں حضورؐ بھی موجود تھے ایک بادل دکھائی دیا تو حضورؐ نے فرمایا اس کو کیا کہتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا "سحاب" فرمایا مزن، پھر فرمایا عنان اس کا نام ہے لوگوں نے بھی اس کا اعادہ کیا۔ اسی روایت کے آخر میں ہے اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔

امام ذہبی نے کتاب العرش والعلو میں ذکر کیا ابوداؤد نے اس روایت کو حسن بلکہ حسن سے بھی ترجیح دی اور امام بغوی نے سورۃ الحاقہ کی تفسیر میں اس روایت کو نقل کر کے اتنا اضافہ

المطلب وزاد بعد قوله والله تعالیٰ فوق ذلك وليس يخفى عليه من اعمال بنی آدم شیٔ انتہی۔ ویؤیده ماجاء عن ابن مسعود رضی الله عنه انه قال ما بين السماء القصوی والکرسی خمس مأته عام وما بين الکرسی الماء کذلك والعرش فوق الماء والله فوق العرش لا یخفی علیه شیٔ من اعمالکم انتہی رواه البیہقی باسناد صحیح وکذا رواه ابن المنذر وعبد الله بن احمد بن حنبل وابوالقاسم الطبرانی وغیرهما کما قال الذهبی فی کتاب العرش وهذه الزیادة تؤکد کونه موجوده تعالیٰ فوق العرش کما لا یخفی

کہا کہ اولادِ آدم کے اعمال میں سے کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں اور ابنِ مسعودؓ کی روایت اس کی مؤید ہے جس میں فرمایا سب سے اوپر والے آسمان اور کرسی کے درمیان پانچسو سال کی مسافت ہے اور کرسی اور پانی کے درمیان بھی اتنی ہی مسافت ہے اور عرش پانی پر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر ہے کوئی عمل اس سے مخفی نہیں۔ بیہقی نے سندِ صحیح کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا اس سے زیادہ یہ بات مؤکد ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔

وعن جابر بن سلیمؓ قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان رجلاً ممن کان قبلکم لیس له دین فتنصر فنظر الله الیه من فوق عرشه فمقته فامر الارض فاخذته فهو یتجلجل فیها قال الامام الذهبی فی کتاب العرش رواه سهیل بن بکار شیخ البخاری عن عبد السلام بن عجلان عن عبید التیمی قال قال ابو احری قال جابر بن سلیم فذکره انتہی

جابر بن سلیمؓ نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا تم سے قبل ایک شخص بے دین تھا جو بعد میں نصرانی ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے اس کی طرف غضب ناک نگاہ کی اور زمین کو اس کے پکڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ زمین کے اندر حرکت کر رہا ہے۔

اب تھوڑے سے اقوال کتب عقائد سے لکھتے ہیں۔ امام ابو محمد بن ابی زید مالکی نے اپنے رسالہ میں جو مشتمل عقائد اور فقہ کے مسائل پر ہے لکھا ہے:۔

انه تعالیٰ فوق عرشه المجید بذاته وانه فی مکان بعلمه انتہی قال الامام الذهبی فی کتاب العرش وابن ابی زید من کبار الائمة بالمغرب وشہیر یغنی عن ذکر فضله اجتمع فیه العقل والدین والورع والعلم وکان نهایته فی علم الاصول توفی سنة ثلثمائة وثلث وثمانون عن الهجرة فی قیروان

اللہ تعالیٰ بذاتہ عرش مجید پر موجود ہے اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ امام ذہبی نے کتاب العرش میں ذکر کیا کہ ابن ابی زید مغرب کے کبار ائمہ سے ہے اس کی شہرت کی وجہ سے اس کا فضل محتاج ذکر نہیں، عقل و دین اور تقویٰ کا حامل علم اصول کا ماہر ہے۔ تین سو تراسی ہجری میں مقام قیروان میں اس کا انتقال ہوا۔

وایضاً قال الذهبی قال الامام عبد الله ابو اسماعیل الانصاری شیخ الاسلام فی رسالته مثل قول ابن ابی زید وقال وقد جاء فی اخبار شتی ان الله فوق السماء السابعة علی العرش بنفسه وهو ینظر کیف تعملون وعلمه

امام ذہبی نے کہا کہ امام عبداللہ ابو اسمٰعیل نے اپنے رسالہ میں ابن ابی زید کی طرح یہی قول نقل کیا اور کہا کہ متعدد اخبار میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر قائم ہے اور دیکھ رہا ہے تم کیسے عمل کرتے ہو اس کا علم

وقدرته واسماعه ونظره ورحمته في كل مكان
انتهى ثم قال الذهبي ابو اسماعيل هذا معروف عند
مشائخ الطريقة وكان عالما بالحديث صحيحه وسقيمه
وبآثار السلف وبلغات العرب واختلافها و
تفسير الكتاب ومعانيها واقوال المفسرين وباحوال
القلوب وكان له كرامات معروفة توفى سنة
احدى وثمانين واربعمائة وله خمس وثمانون سنة انتهى

وايضا قال الامام الاوحد ابو زكريا يحيى بن عمار
السجستاني في رسالة لا نقول كما قال الجهمية انه
مداخل الامكنة وممازج بكل شئ ولا نعلم اين هو
بل هو بذاته على عرشه وعلمه محيط بكل شئ وسمعه وبصره
وقدرته مدركة لكل شئ وهو معنى قوله وهو معكم
اينما كنتم والله بما تعملون بصير وهو بذاته على عرشه
كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انتهى قال
الذهبي يحيى بن عمار من كبار ائمة الهدى جمع بين العلم
والرواية والزهد توفى سنة ثلاثين واربعمائة وهو احد
شيوخ ابي اسماعيل الانصاري شيخ الاسلام صاحب منازل السائرين
والامام ابي نصر السجزي انتهى. وقال صاحب نصائح الامامية
ورب العرش فوق العرش لكن ... بلا وصف التمكن واتصال

قال الامام الغزالي في كيمياء السعادة في بيان اعتقاد
اهل سنت وهرچه در عالم است همه زير عرش است
وعرش زير قدرت او مسخر است ووے فوق عرش است
نه چنانكه جسمے فوق جسمے باشد كه وے جسم نيست
وعرش حامل وبردارندهٔ او نيست بلكه عرش و
حملهٔ عرش همه برداشته ومحمول لطف وقدرت ويند
وامروز همچنان بر آن صفت است كه در ازل بود پيش از
آنكه عرش را آفريد انتهى۔

اور اس کی قدرت و رحمت اس کی نگاہ و سماعت ہر جگہ موجود
ہے حافظ ذہبی نے کہا کہ یہی ابو اسماعیل مشائخ طریقت کے
نزدیک معروف ہیں اور حدیث قوی و ضعیف اور آثار اسلاف
اور لغت عربیہ کے اختلافات اور کتاب اللہ کے معانی
اور اس کی تفسیر نیز اقوال مفسرین ان سب امور کے عالم ہیں
ان کی کرامات مشہور ہیں۔ سن چار سو اکیاسی میں پچاسی سال کی
عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

امام ابو زکریا بجستانی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا کہ ہم
جہمیہ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ متعدد مقامات میں داخل
ہونے والا اور ہر چیز میں حلول کرنے والا ہے یا ہمیں معلوم نہیں
کہ وہ کہاں ہے بلکہ وہ بذاتہ عرش پر ہے اس کا علم ہر چیز کو
محیط ہے اس کی قوت سامعہ و باصرہ اور اس کی قدرت ہر
چیز کی مدرک ہے اس آیت (وھو معکم اینما کنتم الآیۃ)
کا یہی مفہوم ہے اور اللہ عرش پر قائم ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا حافظ ذہبی نے کہا یحییٰ بن عمار کبار ائمہ میں
سے ہیں علم و روایۃ اور زہد کے جامع ہیں شیخ الاسلام ابو اسماعیل
اور امام ابی نصر سجزی کے شیخ ہیں چار سو تیس میں ان کا انتقال ہوا
نصائح امامیہ کے مصنف نے ذکر کیا اللہ تعالیٰ عرش کے
اوپر ہے لیکن صفت اتصال اور بیٹھنے سے پاک ہے۔

امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں اہل سنت کے
اعتقاد کے بیان میں ذکر کیا کہ جو کچھ اس عالم میں موجود ہے
سب عرش کے نیچے ہے اور عرش قدرت الہٰی کے تابع ہے
اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اس طرح نہیں جیسے ایک جسم دوسرے
پر ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کے لیے جسم نہیں ہے اور عرش اس
کا متحمل نہیں بلکہ عرش اور اس کے حاملین صرف اللہ کی
قدرت سے اٹھائے ہوئے ہیں آفرینش عرش سے قبل
جس حالت پر تھا اسی حالت پر اللہ تعالیٰ آج بھی موجود ہے

اب چند اقوال کہ جن سے اجماع ہونا سلف صالحین کا اس اعتقاد پر ثابت ہوتا ہے مذکور ہوتے ہیں۔

قال الامام ابن حجر العسقلانی فی شرح البخاری واخرجہ البیہقی بسند جید عن الامام الاوزاعی قال کنا والتابعون متوافرون نقول ان اللہ علی عرشہ ونومن بما ورد بہ السنۃ من صفاتہ تعالی انتہی

اقول انما قید کلامہ بالجملۃ الحالیۃ ای والتابعون متوافرون لئلا یتوھوا ان ھذا العقیدۃ حدثت فیھم فاذا ثبت بھذا نقول ان ھذہ العقیدۃ عقیدۃ التابعین وتبع التابعین ولم یثبت اختلافھم فیھا ثبت انھا عقیدۃ الصحابۃ ایضا لانھم کانوا آخذین من الصحابۃ دینھم من العقائد والاعمال فحصل الاجماع واصرح من ذلک ما قالہ عثمان بن سعید الدارمی فی کتاب النقض علی بشر المریسی قد اتفقت الکلمۃ من المسلمین ان اللہ تعالی فوق عرشہ وعرشہ فوق سمواتہ انتہی نقلہ الامام الذھبی فی کتاب العرش وقال عثمان بن سعید الدارمی احد الائمۃ والحفاظ من اھل المشرق وقال فیہ البخاری ما رایت مثل عثمان بن سعید الدارمی انتہی وقال الامام ابو عبد اللہ بن بطۃ العبد کما فی کتاب الابانۃ لراجم المسلمون من الصحابۃ والتابعین ان اللہ علی عرشہ فوق سمواتہ بائن من خلقہ انتہی قال الذھبی بعد نقلہ ابن بطۃ ھذا من کبار الائمۃ والزھاد والحفاظ الف کتاب الابانۃ المذکور اربع مجلدات اتی فیہ بمذھب اھل السنۃ التی یخالف فیھا المبتدعۃ من الجھمیۃ والحروریۃ والقدریۃ والرافضۃ والمرجئۃ والمعتزلۃ دل ذلک علی علم واسع وکثرۃ من الحدیث توفی بعد ثمانین وثلث مائۃ سمع منہ البغوی وزودہ انتہی

وقال الامام ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمن الصابونی

حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ امام اوزاعی سے نقل کیا کہ ہم اور سب تابعین کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی عرش پر ہے اور حدیث میں جو بھی صفات الہی وارد ہیں سب پر ہم یقین رکھتے تھے

امام اوزاعی نے اپنے کلام کو والتابعون متوافرون کے جملہ حالیہ سے اس لئے مقید کیا تاکہ یہ وہم پیدا ہو کہ یہ عقیدہ صرف انہی کا ایجاد کردہ ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ عقیدہ تابعین اور تبع تابعین کا ہے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ صحابہ کرام کا بھی یہی عقیدہ تھا اس لئے کہ تابعین نے عقائد واعمال کی تعلیم صحابہ سے حاصل کی لہذا اس پر اجماع ہو گیا اور اس سے زیادہ واضح قول امام دارمی کا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی عرش کے اوپر ہے اور عرش الہی تمام آسمانوں کے اوپر ہے کتاب العرش میں اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام ذہبی رح نے کہا کہ امام دارمی اہل مشرق کے حفاظ اور ائمہ میں سے ہیں۔ امام بخاری نے کہا کہ میں نے امام دارمی کی نظیر نہیں دیکھی امام ابو عبد اللہ نے کتاب الابانۃ میں ذکر کیا کہ تمام صحابہ و تابعین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالی تمام آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر ہے اور تمام مخلوق سے الگ ہے امام ذہبی نے کہا کہ ابن بطہ بہت بڑے امام اور زاہد ہیں انہوں نے چار جلدوں میں کتاب الابانۃ لکھی جس میں اہل سنت کا مذہب نقل کیا جو کہ تمام فرق مبتدعہ کے مخالف ہے۔ یہ چیز ان کے وسیع علم اور کثرت حدیث پر دلالت کرتی ہے۔ امام بغوی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ تین سو اسی میں ان کا انتقال ہوا۔

امام ابو عثمان الصابونی نے کتاب السنۃ میں نقل کیا کہ

فی کتاب السنة لاصحاب الحدیث یشهدون ان
الله فوق سبع سمواته کما نطق به کتابه وعلماء الامة
واعیان الائمة من السلف لم یختلفوا فی ان الله عزو
جل علی عرشه فوق سمواته انتهی قال الامام الذهبی
ابو عثمان الصابونی هذا من کبار الائمة کان فقیها محدثا
حافظا صوفیا واعظا شیخ نیشا بور فی وقته
مات سنة تسع واربعین واربعمائة روی عنه کثیرون
منهم الحافظ ابو بکر البیهقی انتهی وقال الامام الذهبی فی کتاب
العرش والعلو الدلیل علی ان الله فوق العرش فوق المخلوقات
مباین لها لیس بداخل فی شئ منها وعلی ان علمه فی کل مکان
ودلیله الکتاب والسنة واجماع الصحابة والتابعین والائمة المجتهدین
وقال الحافظ ابن تیمیة الحرانی فی العقیدة الواسطیة
وقد دخل فیما ذکرناه من الایمان بالله وبما اخبر به الله
فی کتابه وتواتر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم و
اجمع علیه السلف الائمة ان الله سبحانه فوق سمواته علی
عرشه واعلی خلقه انتهی فاذا ثبت الاجماع وجب
علینا اتباعه ولا یجوز مخالفته قال الله تعالی وَمَن يُشَاقِقِ
الرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَ
يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ
وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا قال صاحب
تفسیر المدارک تحت هذه الایة ای سبیل الذی
هو علیه من الدین الحنفی وهو دلیل علی ان الاجماع
حجة لا یجوز مخالفته کما لا یجوز مخالفة الکتاب والسنة

تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر
ہے جیسا کہ قرآن ناطق ہے۔ علماء سلف میں سے کسی کا اس
میں اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کے اوپر عرش
پر ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا ابو عثمان الصابونی بڑے امام،
فقیہ، محدث، اور حافظ وصوفی ہیں اور اپنے وقت میں
نیشاپور کے بڑے شیخ تھے تقریباً چار سو چالیس میں وصال ہوا
امام بیہقیؒ وغیرہ نے ان سے روایت نقل کی۔
امام ذہبی نے کتاب العرش والعلو میں ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ
تمام مخلوقات سے اوپر عرش پر ہے اور اس کا علم ہر مکان کو
محیط ہے اس کی دلیل کتاب وسنت اور اجماع صحابہ وتابعین
اور ائمہ مجتہدین ہے
امام ابن تیمیہ نے عقیدہ واسطیہ میں نقل کیا کہ ایمان باللہ
کا جزو یہ عقیدہ ہے اور کتاب وسنت اور اجماع امت سے
یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کے اوپر عرش
پر قائم ہے چونکہ یہ اجماعی عقیدہ ہے اس لیے اس کی اتباع
لازم اور اس کی مخالفت ناجائز ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی کہ جب کہ کھل چکی اس پر
سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف
تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالینگے
ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا، اور صاحب
مدارک نے اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس آیت
سے مراد دین حنفی کا راستہ ہے اور اجماع کی حجیت پر یہ دلیل
ہے جس کی مخالفت کتاب وسنت کی مخالفت کی طرح جائز نہیں

اب چند اقوال ائمہ مجتہدین کے ذکر کرتا ہوں تا یہ عقیدہ کما حقہ درجہ یقین کو پہنچے اور دلوں کو تسکین بخشے، ملا اسلام اللہ
نے کمالین میں کہا ہے، امام بیہقیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا، انھوں نے فرمایا۔

ان الله فی السماء دون الارض انتهی
وقال الامام الذهبی فی کتاب العرش

اللہ تعالیٰ زمین میں نہیں بلکہ آسمان میں ہے، اور امام
ذہبی نے کئی وسائط سے مالک بن انس کا قول نقل کیا کہ

واخرج عبداللّٰہ بن احمد بن حنبل فی کتاب الرد علی الجھمیۃ عن ابیہ عن شریح بن النعمان بن عبداللّٰہ بن نافع تلمیذ مالک وخصیصہ قال سمعت مالک بن انس یقول اللّٰہ فی السماء وعلمہ فی کل مکان انتھی قال الذھبی ھذا حدیث ثابت عن مالک انتھی اقول لم یرد مالک من السماء السماء الدنیا لانھا مکان بل اراد العلو الاعلی یدل علیہ قولہ وعلمہ فی کل مکان ای لاذاتہ بل ھو فی العلو الذی لیس بمکان وھو ما وراء العرش وکذا ینبغی ان یفھم من قول امامنا ابی حنیفۃؒ والدلیل علی ھذا قول ابی معاذ البلخی انہ قال ان اللّٰہ فی السماء علی العرش کما وصف نفسہ انتھی ای فی العلو علی العرش لانہ لیس فی ھذہ السماء ولا فی غیرھا فعلم انہ اراد من السماء العلو قال الذھبی فی کتاب العرش والعلو ھذا الحدیث ثابت عن ابی معاذ وھو احد الائمۃ انتھی وقال ایضاً فیہ قصۃ ابی یوسف صاحب ابی حنیفۃؒ مشھورۃ فی استتابۃ بشر المریسی لانہ انکر ان یکون اللّٰہ فوق العرش رواھا عبدالرحمٰن بن ابی حاتم وغیرہ فی کتبھم انتھی وفی الحمویۃ للحافظ ابن تیمیۃ روی عبداللّٰہ بن احمد بن حنبل وغیرہ باسانید صحیحۃ عن ابن المبارک انہ قیل لہ بماذا نعرف ربنا قال بانہ تعالیٰ فوق سمواتہ علی عرشہ بائن من خلقہ ولا نقول کما تقول الجھمیۃ انہ تعالیٰ ھھنا فی الارض انتھی وفیھا ایضاً وروی ابن ابی حاتم ان ھشام بن عبیداللّٰہ الرازی صاحب محمد بن الحسن القاضی حبس رجلاً فی التجھم فتاب فجیئ بہ لیطلقہ فقال الحمد للّٰہ علی التوبۃ وامتحنہ ھشام فقال اتشھد بان اللّٰہ تعالیٰ علی عرشہ بائن من خلقہ فقال اشھد ان اللّٰہ علی عرشہ ولکن لا ادری ما بائن من خلقہ فقال ردوہ الی الحبس فانہ لم یتب انتھی وقال

اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور اس کا علم ہر جگہ کو محیط ہے، یہ روایت مالکؒ سے ثابت ہے، امام مالک کے قول میں فی السماء سے آسمانِ دنیا مراد نہیں اس لیے کہ وہ مکان ہے، بلکہ اس سے مراد علو ہے جس پر دوسرا جملہ شاہد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ماوراء العرش علو میں ہے جو از قسم مکان نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کا بھی یہی مفہوم تھا اس کی دلیل ابو معاذ البلخی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں عرش کے اوپر ہے، اس سے واضح ہوا کہ سماء سے مراد بلندی ہے، حافظ ذہبی نے کہا کہ روایت امام ابو معاذ سے ثابت ہے، نیز یہ کہا کہ امام ابو یوسفؒ کا قصہ مشہور ہے جب بشر المریسی نے اللہ کے فوق العرش ہونے کا انکار کر دیا تو اس سے توبہ کرائی گئی۔

عبداللہ بن المبارک سے سوال کیا گیا ہم اپنے رب کو کیسے پہچانیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کے اوپر عرش پر تمام مخلوق سے الگ ہے، اور جہمیہ کی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ یہاں زمین میں متمکن ہے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا کہ ہشام بن عبیداللہ نے ایک شخص کو جہمیہ کا عقیدہ قبول کرنے پر گرفتار کر لیا، اس کے بعد جب وہ تائب ہوا تو رہائی کے لیے ہشام کے پاس لایا گیا، ہشام نے اس کی توبہ پر شکر ادا کیا، لیکن اس کا امتحان لیا اور سوال کیا کہ کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر تمام مخلوق سے الگ ہے، اس نے جواب دیا اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ عرش پر ہے لیکن مخلوق سے الگ ہونا مجھے معلوم نہیں، ہشام نے حکم دیا دوبارہ اس کو جیل میں بھیج دو، ابھی تائب نہیں ہوا۔ حافظ ذہبی نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کو بالمشافہہ مومنین قیامت کے روز دیکھیں گے اور اس کا

الامام الذهبی فی کتاب العرش قال الامام الشافعی فی وصیۃ التی رواھا الہکاری والحافظ عبد الغنی المقدسی ان اللہ یری فی الآخرۃ عیانا ینظر الیہ المؤمنون ویسمعون کلامہ وانہ تعالیٰ فوق العرش انتہی وقال الذھبی ایضا واخرج الخلال عن یوسف بن موسی القطان قیل لابی عبد اللہ احمد بن حنبل اللہ فوق السماء السابعۃ علی عرشہ بائن من خلقہ وعلمہ وقدرتہ بکل مکان قال نعم انتہی

کلام سنیں گے۔ بے شک وہ عرش پر ہے۔ احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر تمام مخلوق سے الگ ہے اور اس کا علم اور اس کی قدرت ہر جگہ کو محیط ہے یا نہیں، تو انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔

اور دلائل اس اعتقاد کے محکمات سے ہیں، کیونکہ اثبات اعتقاد و عمل کا محکمات ہی سے ہوا کرتا ہے نہ متشابہات سے اور ان محکمات میں نص اور ظاہر اور مفسر اور محکم اصطلاحی اہل اصول بھی داخل ہیں جو عقائد و احکام کے مدار ہیں، صاحب کمالین ملا سلام اللہ نے سورۂ آل عمران کی تفسیر میں جلالین کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

فاحکمت عباراتہا بان حفظت عن الاحتمال والاشتباہ فید خل فیہا النص والظاہر والمفسر والمحکم علی مصطلح اھل الاصول من علمائنا انتہی

اس کی عبارات محکم ہیں اور احتمال و اشتباہ سے محفوظ ہیں، لہٰذا نص و ظاہر و مفسر اور محکم سب ہی اہل اصول کی اصطلاح کے موافق اس میں داخل ہیں۔

پس جب اس اعتقاد کو اہل سنت کے بزرگوں نے عقائد کی کتب میں داخل کیا اور اس پر اجماع سلف بھی ثابت کر چکے، اب ان دلائل کے محکمات سے ہونے میں کیا تردد باقی رہا، اور اس اعتقاد سے یعنی خدا تعالیٰ عرش کے اوپر ہے جدا اپنی مخلوقات سے کہنے میں جہت کہ جس سے علماء متکلمین نے تنزیہ ذات خدا کی کی ہے، ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جہات مکانات کے حدود اور اطراف کو کہتے ہیں اور جہات عرش تک ثابت نہیں نہ اس کے پرے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح عقائد نسفیہ میں فرمایا واذ لم یکن فی مکان لم یکن فی جھۃ لا فی علو ولا فی اسفل ولا فی غیرھما لانھا حدود واطراف للامکنۃ باعتبار عروض الاضافۃ الی شئ آخر انتہی۔

اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے تحفہ اثنا عشریہ کے عقیدہ سیزدہم میں فرمایا و نیز آنچہ در مکان مذکور شد نفی جہت ہم می کند لان الجہات اطراف الامکنۃ وحدودہا انتہی یعنی جن دلائل سے نفی مکان ہوتی ہے انہی سے نفی جہت بھی ہوتی ہے اس لیے کہ جہت مکانات کے حدود و اطراف ہوتے ہیں، اور شاہ عنایت اللہ نے شرح سکندر نامہ میں قول نظامی علیہ الرحمۃ سے

جہت را ولایت بپایاں رسید ۔۔۔ طبیعت بہر کار دوراں رسید

کے بعد لکھا ہے:۔

یعنی جہاتِ اربعہ یا ستہ ہر چہ گویند بآخر رسید چہ ثبوتِ جہات در عالم اجسام است و فوق عرش اجسام نیست و جہت ہم نیست۔

یعنی چار جہات یا چھ بنا بر اختلاف سب ختم ہو گئیں، اس لیے کہ جہات عالم اجسام میں ہیں، اور عرش کے اوپر اجسام نہیں تو جہت بھی نہیں۔

اور صاحب انتہاء نے امام رازی کی تفسیر سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا:۔

اذا ثبت ان اجسام العالم متناهية فخارج العالم الجسمانی لاخلاء ولاملاء ولامکان ولاجهة فيمتنع ان يحصل الاله فی مکان خارج العالم انتهى اقول اذا ثبت بهذا ان خارج العالم الجسمانی ليس بمکان ولاجهة ففوق العرش الذی هو خارج العالم الجسمانی لايکون مکانا ولاجهة فحصول الاله فيه من غير تمکن بمکان ليس بممتنع بل حصوله فی لامکان ولاجهة ضروری کما لايخفى

قال المجدد الالف الثانی فی المکتوب الحادی والثلاثين من المجلد الاول چوں رابيرون دائره چوں بايد جست لامکانی را ماوراء مکان بايد طلبيد۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اجسام عالم متناہی ہیں اور عالم جسمانی سے جو خارج ہے اس میں نہ خلاء ہے نہ ملاء، اور نہ مکان نہ جہت ہے تو جو مکان عالم سے خارج ہو اس میں اللہ کا ثبوت ممتنع ہے۔ جب یہ چیز واضح ہوگئی کہ عالم جسمانی سے خارج میں نہ مکان ہے نہ جہت تو عرش کے اوپر نہ مکان ہے اور نہ جہت، لہٰذا وجود باری تعالیٰ بغیر مکان کے ممتنع نہیں، بلکہ اس کا وجود غیر مکان اور غیر جہت میں ضروری ہے۔

مجدد الف ثانی رحؒ نے مکتوب اکتیس جلد اول میں لکھا ہے "بے مثل ذات کو دائرہ سے باہر جب تلاش کرنا چاہیئے تو لامکان کو ماسوائے مکان کے طلب کرنا چاہیئے"۔

اور قرب ومعیت اس پروردگار کی ہمارے ساتھ ذاتی نہیں ہے، یعنی ذات سے ہمارے قریب اور ساتھ نہیں، بلکہ علم وقدرت وغیرہ ہمارے قریب اور ساتھ ہی ہے، یہ بات یعنی قرب ومعیت اس کی ذات سے نہ ہونا تحریر ماسبق سے بھی ثابت ہوتی ہے، باوجود اس کے پھر خوب تصریح کرتا ہوں، تا دلوں کو اطمینان کامل حاصل ہوجائے۔

قال الحافظ ابن تيمية فی الحموية قال ابن عبد البر علماء الصحابة والتابعين الذين حمل عنهم التاويل قالوا فی تاويل قوله تعالى ما يكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم هو على العرش وعلمه فی كل مكان وما خالفهم فی ذلك من يحتج بقوله انتهى ای كونه تعالى رابعهم بالعلم لا بالذات وقال الامام الذهبی فی كتاب العرش قال الامام الحافظ ابو نصر السجزی فی كتاب الابانة لائمتنا كسفيان الثوری ومالك وحماد بن سلمة وحماد بن زيد وعبد الله بن المبارك والفضيل بن عياض واحمد بن حنبل واسحق بن راهويه متفقون على ان الله سبحانه وتعالى بذاته فوق عرشه وان علمه بكل مكان انتهى كذا فی الانهاء

وقال الامام الغزالی فی كتاب العقائد من احياء العلوم واضطر اهل الظاهر الى تاويل قوله تعالى وهو معكم اينما كنتم اذ حمل ذلك بالاتفاق على الاحاطة والعلم انتهى فی الاحاطة

حافظ ابن تیمیہ رحؒ نے علامہ ابن عبد البر رحؒ کا قول نقل کیا کہ علماء صحابہ رضؓ وتابعین رحؒ سے مایکون من نجوی الخ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ کو محیط ہے اور جس نے کہا اللہ تعالیٰ ان میں سے چوتھا ہے، علم کے لحاظ سے نہ ذات کے لحاظ سے اس کا قول ماقبل کے مخالف نہیں، امام ذہبی رحؒ نے ابو نصر السنجری کی کتاب الابانۃ سے نقل کیا کہ سفیان ثوری ومالک وحماد بن سلمہ اور حماد بن زید وعبد اللہ بن المبارک اور فضیل بن عیاض واحمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہ، ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ کو محیط ہے۔

امام غزالی رحؒ نے احیاء العلوم میں ذکر کیا وھو معکم اینما کنتم کی تاویل کے لیے اصحاب ظواہر مجبور ہوگئے اس لیے کہ بالاتفاق معیت سے مراد احاطہ اور علم ہے اور احاطہ کے

فی قوله بمعنی العلم والادراک کما فی تعریفات الجرجانی الاحاطة ادراک الشیٔ بکماله ظاهراً و باطناً انتهی وقال الامام فخر الدین الرازی فی التفسیر الکبیر فی قوله تعالیٰ وهو معکم اینما کنتم قال المتکلمون هذه المعیة اما بالعلم واما بالحفظ والحراسة وعلی التقدیرین فقد انعقد الاجماع علی انه سبحانه لیس معنا بالمکان والجهة والتحیز فاذن قوله تعالیٰ وهو معکم لابد فیه من التاویل انتهی

وقال العلامة سعد الدین التفتازانی فی رسالته فاحتج الملحدون فی رد قول الوجودیة ان المعیة ذاتیة واما استدلالهم بالسمع فبقوله تعالیٰ وهو معکم اینما کنتم وقوله تعالیٰ ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا هو معهم وجوابه ان المراد بالمعیة ههنا علی ما اجمع علیه المفسرون بالعلم ونحوه لا بنفس الذات انتهی۔

وقال الامام مجدد الالف ثانی فی المکتوب الثلاثین من المجلد الاول علوم سابق که مبنی بر اتحاد و وحدت وجود بودند و بزوال آوردند احاطه و سریان از قرب و معیت ذاتیه که دراں مقام منکشف شده بود منتشر گشتند و به یقین معلوم گشت که صانع جل شانه را با عالم ازیں نسبتہائے مذکوره هیچ ثابت نیست احاطه و قرب او تعالیٰ علمی است چنانچه مقرر اهل حق است شکر الله سعیهم الیٰ ان قال عجب است که شیخ محی الدین بن عربی و تابعان او ذات واجب تعالیٰ را مجهول مطلق گویند و محکوم هیچ حکمے ندانند مع ذلک احاطه ذاتی و قرب و معیت ذاتیه اثبات نمایند و ما هو الا الحکم علی الذات تعالیٰ و تقدس فالصواب ما قاله العلماء من اهل السنة من القرب العلمی والاحاطة العلمیة۔

یعنی علامہ جرجانی کے نزدیک کسی شے کا ظاہر و باطن کے لحاظ سے پورا ادراک کرنا، امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ متکلمین کے نزدیک معیت سے مراد علم یا حفاظت ہے بہر صورت اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت میں ہمارے ساتھ نہیں، اسی لئے لامحالہ هو معکم میں تاویل کرنا ہوگی،

علامہ تفتازانی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ ملحدین نے وجودیہ کے رد میں وَهُوَ مَعَكُمْ اور وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذٰلِكَ الخ سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ معیت ذاتیہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین کے نزدیک بالاتفاق معیت سے مراد علم وغیرہ ہے نہ کہ نفس ذات۔

مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکتوب تیسؔ میں لکھتے ہیں کہ علوم سابق جن کا مدار اتحاد اور وحدت وجود پر تھا اب زوال پذیر ہو چکے ہیں اور قرب و معیت ذاتیہ کے احاطہ کا قول ختم ہو رہا ہے اور اب یقین ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت نہیں، قرب سے مراد علم ہے اور یہی اہل حق کا مسلک ہے۔

شیخ ابن عربی اور ان کے متبعین پر تعجب ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مجہولِ مطلق سمجھا اور اللہ کو کسی حکم کے لائق نہیں سمجھا لیکن اس کے باوجود قرب ذاتی و معیت ذاتیہ ثابت کرتے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر حکم کرنا ہوا، وہو تعالیٰ و تقدس عن ذلک، صحیح قول وہی ہے جو علمائے اہل سنت نے اختیار کیا یعنی قرب علمی اور احاطۂ علمیہ۔

ان اقوالِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے سلف و خلف کا اجماع ہے کہ خدائے تعالیٰ کے قرب اور اس کی معیت کے ذاتی نہ ہونے پر، لا فرقۂ متحد وجودیہ کہ ان کے خلاف کا کچھ اعتبار نہیں، کیونکہ ان کا اہل سنت میں شمار نہیں پس یہ اعتقاد مذکو

کیونکر صحیح وحق نہ ہو کہ اس سے حلول واتحاد اور جہت ومکان سے تنزیہ باری تعالیٰ کی کامل ہوتی ہے اور باطل فرقوں کے عقائد سے مفارقت اور سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے ساتھ پوری موافقت حاصل ہوتی ہے، الحمد للہ علیٰ ذالک

کتبہ الفقیر الی اللہ الصمد عبد القادر بن القاضی احمد غفر اللہ لہما، مرقومہ ماہ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ

ہو المصوب:- اعتقاد اس امر کا کہ ذات پروردگار کی تجلی خاص عرش پر ہے ساتھ تنزیہ کے اوہام وطرق تشبیہ وتجسیم سے اور معیت وقرب اس کا علمی ہے موافق اعتقاد جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے، ابن ہمام مؤلف فتح القدیر، مسائرۃ فی العقائد المنجیہ فی الآخرۃ میں لکھتے ہیں:-

نؤمن انہ تعالیٰ مستو علی العرش مع الحکم بان استواءہ لیس کاستواء الاجسام من التمکن والمماسۃ والمحاذاۃ بل بمعنی یلیق بہ وھو اعلم بہ انتھی

ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے لیکن یہ استواء اجسام کی طرح استقرار اور محاذات سے پاک ہے بلکہ جیسے اس کی ذات کی ساتھ استواء مناسب ہے اور وہی اس کی کیفیت کو جانتا ہے۔

اور ابو الشکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں:-

قال بعضھم ان اللہ موجود فی کل مکان وھم صنف من الجہمیۃ واحتجوا بقولہ تعالیٰ ھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ وقولہ وھو اللہ فی السموات وفی الارض وقولہ ان اللہ مع الذین اتقوا وقولہ ما یکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم والجواب ان معنی الآیۃ الاولی انہ الہ اھل السماء واھل الارض ومعنی الآیۃ الثانیۃ تدبیرہ فی السموات والارض ومعنی الآیۃ الثالثۃ انہ سمیع بمقالتھم بصیر بما فعالھم ومعنی الآیۃ الرابعۃ انہ معھم بالنصرۃ انتہی

جہمیہ کا ایک گروہ قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے استدلال میں مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین میں موجود ہے اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے اور سرگوشی کرنے والے تین کے ساتھ چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، سب کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ وہ اہل آسمان اور اہل زمین کا خدا ہے اور دوسری کا معنی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اسی کا انتظام ہے اور تیسری آیت کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سنتا ہے ان کے افعال کو دیکھتا ہے اور چوتھی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نصرت کے لحاظ سے اُن کے ساتھ ہے۔

اور زیادہ تفصیل اس کی کتاب العرش میں موجود ہے، واللہ اعلم، ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

گاؤکشی واجب نہیں

سوال (۲۴۳) کیا فرماتے ہیں علماء حنفیہ اس بارے میں کہ گاؤکشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا اگر کوئی شخص معتقد اباحت ذبح ہو مگر کوئی گاؤ اس نے ذبح نہ کی ہو یا گاؤ کا گوشت نہ کھایا ہو ہر چند کہ اکل اس کا جائز جانتا ہے تو اس کے اسلام میں کچھ فرق نہ آئیگا تو وہ

کامل مسلمان رہے گا؟ گاؤکشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہگار ہوتا ہے یا اگر کوئی گاؤکشی نہ کرے صرف اباحتِ ذبح کا دل سے معتقد ہو تو وہ گنہگار نہ ہوگا، جہاں بلا وجہ اس فعل کے ارتکاب سے لوگوں میں فتنہ وفساد ہو اور صورتِ ضررِ اہلِ اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداری اہلِ اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بلا وجہ اگر اس فعل سے باز رہے تو جائز ہے یا کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد اثارہ فتنہ وفساد ارتکاب اس فعل کا واجب ہے؟

جواب:- گاؤکشی واجب نہیں تارک اس کا گنہگار نہ ہوگا اور جو شخص معتقد اباحت ہو اور گوشت اس کا نہ کھاتا ہو اور نہ ذبح کرتا ہو اس کے اسلام میں فرق نہ آئے گا ہاں جو گاؤ کو معظم سمجھ کر ذبح نہ کرتا ہو یا اس کے ذبح کو برا سمجھتا ہو، اس کے اسلام میں فتور ہوگا اور بقصد اثارہ فتنہ گاؤکشی نہیں چاہیئے، بلکہ ایسے مقام پر جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو باوجود سلامتِ اعتقاد کے احتراز اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

پیغمبرؐ کے چھ مثیل کا عقیدہ

سوال (۲۵) کیا حکم ہے اس صورت میں کہ ایک شخص چھ مثیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متحقق وموجود عالم میں کہتا ہے، یہ صحیح العقیدہ ہے یا فاسد العقیدہ ہے اور شخص مذکورہ بالا کافر ہے یا فاسق وگنہگار؟

جواب:- اگر مراد اثبات مماثلت نبویؐ سے مماثلت جمیع صفات نبویہ میں حتی کہ صفت رسالت میں بھی ہے تو یہ قول کفر ہے کیونکہ قرآن مجید میں خاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت موجود ہے پس دعویٰ کرنا دوسرے نبی کا مخالف نص قطعی کے ہے، علامہ ابو الشکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں:- اعلم ان الواجب علی کل عاقل ان یعتقد ان محمداً کان رسول اللہ والآن ھو رسول اللہ وکان خاتم الانبیاء ولا یجوز بعدہ ان لا یکون احد نبیاً ومن ادعی النبوۃ فی زماننا یکون کافراً انتھی یعنی ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے اور ہیں، نیز آپؐ خاتم الانبیاء ہیں، حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور جو شخص اس زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہے، اور اگر مماثلت جمیع صفاتِ کمالیہ محمدیہ میں سوائے نبوت کے ہے تو یہ قول فسق اور مخالف جملہ اہل سنت کے ہے، جمہور علماء شرقاً وغرباً اعتقاد اس امر کا رکھتے ہیں کہ جس طرح ذاتِ محمدی جمیع الکمالات الظاہرۃ والباطنۃ ہے کوئی مخلوق نہیں ہے تمہید میں ہے یجب الاعتقاد بان محمداً اعلم الخلائق وافضلھم خلافاً للروافض انتھی یعنی یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے اعلم اور افضل ہیں، بخلاف روافض کے اور حدیث صحیح میں وارد ہے انا سید ولد آدم ولا فخر، یعنی بغیر کسی فخر کے میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور دوسری میں وارد ہے انا اکرم الاولین والآخرین میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ معزز ہوں، اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کی ہے ان آمنۃ اتاھا آت بعد ستۃ اشھر من حملھا وقال یا آمنۃ قد حملت بخیر العالمین فاذا وضعتہ فسمیہ محمداً یعنی حمل کے چھ مہینہ بعد حضرت آمنہؓ کے پاس کوئی آیا اور اس نے کہا اے آمنہ افضل العالمین تمہارے بطن میں ہیں، جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا، اور علامہ ابن حجر مکی نعمۃ کبریٰ میں لکھتے ہیں:-

روی الحافظ ابوبکر بن عابد فی کتاب المولد عن ابن عباسؓ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قال لما ولد صلی اللہ علیہ وسلم قال فی اذنہ رضوان خازن الجنان ابشر یا محمد فما بقی لنبی علم الا قد اعطیتہ فانت اکثرھم علما واشجعھم قلبًا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو جنت کے خازن رضوان نے آپؐ کے کان میں کہا یا محمدؐ آپ کو بشارت ہو اس لیئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم آپ کو عطا فرمائے گئے ہیں، آپ کا علم سب سے زیادہ ہے اور آپ سب سے زیادہ شجاع ہیں

اور مثل اس کے بہت احادیث واخبار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ذات محمدی افضل المخلوقات ہے ایک بھی مخلوق مثل ذات محمدیؐ کے صفاتِ کمالیہ میں نہیں ہے چہ جائیکہ چہ تشبیل اور اگر مثل صورت ظاہری میں ہے پس یہ امر شرعاً مستبعد نہیں ہے ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ صورت میں اشبہ تھے ساتھ صورت محمدیہ کے مگر اثبات طلب ہے بغیر تنقیح کے دعویٰ مماثلت کا صورت محمدیہ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ محمد عبدالحی ابوالحسنات

جنت ایک ہے یا دو؟

سوال (۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت آدم علیہ السلام جس جنت سے نکالے گئے حساب وکتاب کے بعد اسی جنت میں مؤمنین داخل کیئے جاویں گے یا اس کے علاوہ کسی اور میں، اور قبر میں جو جنت ونار کی دریچی ہوتی ہے اسی جنت کی ہے یا کوئی اس کے علاوہ ہے، دفعات مندرجہ ذیل کا اعتقاد رکھنے والا کیسا شخص ہے اور اس کے اعتقاد کو کتاب وسنت کے ساتھ مطابقت ہے یا نہیں؟

(۱) جنت دو قسم کی ہے ایک صغریٰ، دوسری کبریٰ، صغریٰ جبل یاقوت پر ہے، اسی کو جنت برزخ بھی کہتے ہیں، کبریٰ میں قیامت کے بعد مستحقین داخل ہوں گے اور وہ بالفعل اللہ کے علم میں ہے،

(۲) حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جس جنت سے نکالے گئے وہی جنت البرزخ ہے، قیامت کے بعد لوگ اس کے علاوہ ایک اور جنت میں جس کا نام کبریٰ ہے داخل کیئے جاویں گے۔

(۳) قبر میں جنت ونار کا دریچہ جو کھولا جاتا ہے یہ بھی جنت ونار صغریٰ سے ہے، کبریٰ تو قیامت سے پہلے کسی کو نصیب ہی نہیں ہے۔

جواب:۔ صدہا احادیث وآثار سے جو کہ بدور سافرہ فی احوال الآخرۃ للسیوطی اور شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للسیوطی اور تفسیر سیوطی مسمی بدر المنثور اور تفسیر ابن جریر طبری وغیرہ میں مبسوط ہیں، اور کتب صحاح ستہ ومسانید وسنن ومعاجم محدثین ان کی تخریج سے مملو ہیں، بلکہ آیات قرآنیہ سے بھی یہ امر بلا شبہ ثابت ہے کہ وہ جنت جس میں اہل اسلام بعد حساب وکتاب کے داخل ہوں گے وہی جنت ہے جس میں حضرت آدمؑ وحواؑ رہے تھے، اور بسبب صادر ہونے گناہ کے زمین پر بھیجے گئے اور اسی جنت کا دریچہ قبر میں کھولا جاتا ہے اور مقام اس کا ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور اسی کے پاس جنت ہے، اور جہنم بھی ایک ہے جس کا مقر فی الحال ساتویں زمین

کے نیچے ہے، اس میں کفار بطور خلود کے اور اہل اسلام فساق بعارضہ داخل ہوں گے۔ اور اسی کا دریچہ قبر میں کفار کے واسطے کھلتا ہے اور سوائے اس کے دوسری جنت وجہنم کا قرآن واحادیث وآثار صحابہ وکتب علماء شریعت سے نشان نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ اعتقاد کہ جنت ونار دو قسم کے ہیں اور مسکن آدمؑ وحواءؑ کا وہ جنت البرزخ تھی اور دریچہ قبر میں اس جنت ونار سے جو مقر جن وانس بعد حساب کے ہوں گے نہیں کھولا جاتا ہے بلکہ صغریٰ سے کھولا جاتا ہے جہالت ہے بلکہ بعد وضوح دلائل ضلالت ہے، ہاں یہ قول بعض اہل کشف سے منقول ہے مگر چونکہ قرآن وحدیث کے بالکلیہ مخالف ہے بالضرورت خطا کشفی پر محمول ہوگیا اور بمقابلہ آیات واحادیث وآثار کہ جن میں جبل یاقوت کا پتہ نہیں ہے اور نہ نار وجنت صغریٰ کا صراحۃً یا اشارۃً تذکرہ ہے ہرگز ممنوع نہ ہوگا اور شاید اگر ایسے اعتقاد رکھنے والے کو اشتباہ عبدالوہاب شعرانی کے خاتمہ میزان کبریٰ سے واقع ہوا ہو کہ اس میں یہ مرقوم ہے ثم اعلم یا اخی ان الجنۃ التی کان فیہا ادم لیست بالجنۃ الکبریٰ المؤخرۃ فی علم اللہ کما قد یتبادر الی الاذہان وانما ہی جنۃ البرزخ التی فوق جبل الیاقوت کما قال اہل الکشف۔ اذ جس جنت میں حضرت آدم تھے وہ جنت کبریٰ نہیں بلکہ وہ جنت برزخ تھی جو جبل یاقوت کے اوپر ہے تو اس کا دفع یوں سمجھنا چاہیے کہ خود شعرانی کے نزدیک یہ قول معتبر نہیں ہے اور نہ یہ قول جملہ ارباب کشف کا ہے بلکہ بعض کا، خود شعرانی اپنی تالیف "کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر" میں لکھتے ہیں:-

المبحث الاولیٰ والسبعون فی بیان ان الجنۃ والنار حق وانہما مخلوقتان قبل خلق ادم علیہ السلام کما تقدم بسطاً فی المبحث الثانی من الکتاب فی حدوث العالم وذکرنا ہناک ان خلق الجنۃ والنار متأخر عن خلق الدنیا بتسعۃ آلاف سنۃ ولذلک سمیت الجنۃ بالاخرۃ لتاخر خلقہا عن خلق الدنیا وہما مخلوقتان ہیئتان لاصحابہم قبل خلقہم وزعم اکثر المعتزلۃ انہما یخلقان یوم الجزاء ودلیلنا علیہم النصوص الصریحۃ الصحیحۃ الدالۃ علی انہما مخلوقتان قبل یوم الجزاء نحو قولہ اعدت للمتقین، اعدت للکافرین وقصۃ ادم وحواء اسکانہما الجنۃ واخراجہما منہما ونحو ذلک کحدیث یفتح للمؤمن فی قبرہ کوۃ فینظر منہا الی الجنۃ ویدخل علیہ من روحہا ونعیمہا ویفتح للکافر کوۃ الی النار فیدخل علیہ من حرہا وسمومہا کحدیث لما خلق اللہ جنۃ عدن بیدہ ودلی فیہا ثمارہا وشق فیہا انہارہا قال لہا تکلمی

یعنی جنت وجہنم برحق ہیں آدم علیہ السلام کی آفرینش سے قبل ان کو پیدا کیا گیا، نیز یہ کہ جنت وجہنم کو دنیا سے نو ہزار سال بعد پیدا کیا گیا اسی لیے جنت کو آخرت کہتے ہیں۔ بایں وجہ کہ وہ خلق دنیا سے متاخر ہے اور جنت وجہنم دونوں اس وقت اپنے اصحاب کے لیے تیار ہیں اور اکثر معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کو پیدا کیا جائے گا، لیکن ہمارے پاس صحیح وصریح دلائل موجود ہیں کہ روز جزا سے قبل ان کو پیدا کیا گیا ہے مثلاً فرمایا جنت متقین کیلئے اور جہنم کافرین کے لیے تیار کی گئی ہے، اور حدیث میں فرمایا مومن کے لیے قبر میں جنت کی طرف سے دریچہ کھول دیا جاتا ہے جس سے وہ جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھتا ہے، اور کافر کے لیے جہنم کی طرف سے دریچہ کھولا جاتا ہے جس سے آگ کی حرارت اور تپش آتی ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس کے ساتھ پھل اور نہروں کو پیدا کیا تو جنت سے فرمایا بول،

لت قد افلح المؤمنون رواهما البخاری۔
وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت الجنۃ والنار
عدۃ احادیث وکان الشیخ محی الدین بن عربی یقول
ۃ والنار مخلوقتان لکنہما لا یکمل بناؤہما الا بانتہاء
نیا وانقضاء زمن التکلیف فہما بمثابۃ سور الدار
ی بناہ الملک ثم بعد ذلک یشق الجدران ویبنی
ن ینتہی البناء لانہما بنیان من اعمال المکلفین من
او شر فمن نظر الی السور من خارج قال من
من بنائہما ومن دخل السور وجدہما ناقصین
رما بقی من اعمال المکلفین فی ہذہ الدار ویدل
ذلک حدیث ان الجنۃ عذبۃ الماء طیبۃ التربۃ
ا قیعان وغراسہا سبحان اللہ والحمد للہ ولا
الا اللہ واللہ اکبر الحدیث فان القیعان ہی التی
اء فیہا ولا شجر وفی الحدیث ایضا من صلی کل یوم
عشر رکعۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ ومن قال سبحان
غرس لہ شجرۃ فی الجنۃ انتہی ای کلام ابن عربی وقال
یوطی لیست الجنۃ التی خرج منہا آدم ہی الجنۃ
ی المؤخر فی علم اللہ تعالی فان تلک لا یصح فیہا
صیۃ لآدم لکونہا حضرۃ اللہ الخاصۃ التی لا یعاب
انما ہی جنۃ البرزخ التی ہی فوق جبل الیاقوت
ۃ الکبری لا یدخلہا الناس الا بعد انتہاء الحساب
ور علی الصراط قال وجنۃ البرزخ ہی التی تری فی
نیا وکذلک نار البرزخ فانہ
لی اللہ علیہ وسلم قال
ت الجنۃ والنار فی مقامی ہذا
کرا منہ رأی عمرو بن یحیی
ذی بید والسوائب

اُس نے جواب دیا بے شک مؤمنین کامیاب ہیں۔
متعدد روایات میں یہ موجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا اور شیخ ابن عربی نے کہا کہ جنت و جہنم اس وقت موجود ہیں لیکن نا مکمل، ان کی تکمیل زمانۂ تکلیف اور اختتام دنیا کے بعد ہوگی وہ دونوں اس درجہ میں ہیں جیسے کسی گھر کی چار دیواری تیار ہو جائے اس کے بعد اس کی دیواریں پھٹ جائیں، اور پھر اُن کی تعمیر تک پورے گھر کی تعمیر ہو جائے، جنت و جہنم کی تکمیل مکلفین کے نیک و بد اعمال سے ہوگی تو جس نے باہر سے دیوار کو دیکھا اس نے سمجھا تعمیر پوری ہو گئی لیکن جس نے اندر سے جا کر دیکھا تو ان کو نا مکمل پایا، اعمال مکلفین کے لحاظ سے دوسری روایت اس پر شاہد ہے کہ جنت کا پانی شیریں اور مٹی پاکیزہ ہے اور وہ خالی میدان ہے وہاں کے درخت یہ ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ دوسری حدیث میں فرمایا جو شخص ہر روز بارہ رکعت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مکان بنائے گا اور جو کوئی ایک مرتبہ سبحان اللہ کہے جنت میں اس کے لیے ایک درخت لگا دیا جاتا ہے، محقق سیوطی نے کہا جس جنت سے حضرت آدمؑ کو نکالا گیا وہ جنت کبریٰ نہیں ہے جو اللہ کے علم میں محفوظ ہے، اس لیے کہ اس جنت میں تو معصیت نہیں ہو سکتی، بایں وجہ کہ وہ خصوصیت سے اللہ کے حضور میں ہے بلکہ وہ جنت برزخ تھی جو جبل یاقوت پر ہے جنت کبریٰ میں تو پل صراط سے گذر کر اور حساب کتاب کے بعد لوگ داخل ہوں گے، نیز یہ کہ جنت برزخ اور نار برزخ دونوں دنیا میں دیکھی جا سکتی ہیں، اسی لیے حضور نے فرمایا کہ میں نے اسی مقام پر جنت و نار کا مشاہدہ کیا اور اسی طرح آپ نے عمرو بن یحییٰ کو جہنم میں دیکھا جس نے سوائب

فی النار ورأی المرأة التی حبست الهرة حتی ماتت جوعاً ومعلوم ان هؤلاء لم یدخلوا النار الکبری الی الآن وانما هم محبوسون فی البرزخ کذا قالا فلیتامل ویحرر انتہی۔

بنایا تھا، نیز حضورؐ نے اس عورت کو نار میں دیکھا جس نے بلی کو باندھ دیا تھا، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی، اور یہ تو بدیہی امر ہے کہ یہ لوگ جہنم کبریٰ میں ابھی داخل نہیں کیے گئے بلکہ ابھی تک برزخ میں مقید ہیں۔

اس عبارت سے صاف واضح ہوا کہ معتقد شعرانی کا وہی ہے جو معتقد اہل حق کا ہے، اور حضرت محی الدین بن عربی اور محرالطی کا کلام اس کے نزدیک مخدوش ہے، کیونکہ یواقیت کے دیباچہ میں شعرانی نے لکھا ہے:-

اعلم یا اخی اننی طالعت من کلام اهل الکشف مالا یحصی من الرسائل وما رأیت فی عبارتهم اوسع من عبارة الشیخ محی الدین بن عربی فلذلک شیدت هذا الکتاب بکلامه من الفتوحات وغیرها لکنی رأیت الفتوحات مواضع لم افهمها فذکرتها لینظر فیها علماء الاسلام ویحقق الحق ویبطل الباطل ان وجدوه فلا تظنن یا اخی انی ذکرتها لکونی اعتقد صحتها وارضاها فی عقیدتی کما یقع فیه المتهورون فی اعراض الناس فیقولون لولا انه ارتضی ذلک الکلام ماذکره فی مؤلفه معاذ الله ان اخالف الجمهور المتکلمین واعتقد صحة کلام من خالفهم من بعض اهل الکشف الغیر المعصوم فان فی الحدیث ید الله مع الجماعة ولذلک اقول غالباً عقب کلام اهل الکشف انتہی فلیتامل ویحرر ونحو ذلک اظهاراً للتوقف فی فهمه علی مصطلح اهل الکلام وکان شیخنا شیخ الاسلام زکریا الانصاری یقول لایخلو کلام ائمة الصوفیة عن ثلاثة احوال لانه اما ان یوافق صریح الکتاب والسنة فهذا یجب اعتقاده جزماً وان یخالف صریح الکتاب والسنة فهذا یحرم اعتقاده جزماً واما ان لا تظهر لنا موافقته ولا مخالفته واحسن احواله الوقف انتہی۔ پھر جبکہ یہ کلام محرالطی وابن عربی کا انھوں نے نقل کر کے فلیتامل ویحرر لکھدیا تو معلوم ہوا کہ یہ قول ان کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہے، الحاصل تعدد جنت ونار کسی دلیل سے ثابت نہیں، بلکہ ادلۂ شرعیہ صحیحہ توحّد پر دلالت کرتے ہیں پس اعتقاد تعدد کا لغو وباطل ہے، واللہ اعلم،

محمد عبدالحی ابوالحسنات۔

عبادت بدنی ومالی کا ثواب میت کو پہنچانا

سوال (٢٧) اگر کوئی شخص کپڑا یا کھانا فی سبیل اللہ دے کر یا نماز نفل وحج ادا کر کے اس کا ثواب کسی میت کی روح کو پہنچائے تو یہ ثواب میت کو پہنچے گا یا نہیں؟

جواب: عبادت مالی ہو یا بدنی یا مرکب از ہردو، ہر ایک کا ثواب میت کو پہنچایا جا سکتا ہے۔

فاتحہ کے لیے طعام متعین کرنا

سوال (٢٨) حضرت بوعلی قلندر کے فاتحہ کے لیے بعض لوگوں نے ایک خاص کھانا متعین کرلیا ہے، کیا بدون تعیین طعام ثواب نہیں پہنچ سکتا؟۔

جواب: ایصالِ ثواب کے لیے کوئی طعام متعین نہیں، جو چیز بھی میسر ہو فی سبیل اللہ دے کر اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچائے۔

محمد عبدالحی ابوالحسنات۔

شفاعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سوال (۲۹) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گنہگاروں کے لیئے شفاعت کریں گے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت برحق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی شفاعت کو قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمادیا، شفاعت کا انکار بدعت و گمراہی ہے، جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مسلک ہے، شفاعت کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حمد و ثنا کرتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے، یہاں تک کہ ارشاد ربانی ہوگا ارفع رأسك سل تعطه اشفع تشفع یعنی اپنا سر اٹھایئے جو مانگیں گے دیا جائے گا، آپ شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، تو اس وقت حضورؐ شفاعت فرمائیں گے، کتب احادیث اور کتب کلام میں یہی مضمون موجود ہے حدیث میں فرمایا جس وقت ولسوف یعطیك ربك فترضی کی آیت نازل ہوئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں ہرگز راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ہر ہر فرد جنت میں نہ پہونچ جائے۔ اور فتح العزیز میں ارد ہے شفاعتی لاهل الکبائر من امتی، رواہ احمد وغیرہ وفی کتاب الوصیۃ للامام الاعظم ابی حنیفۃ وشفاعۃ نبی حق لکل من اهل الجنۃ وان کان صاحب کبیرۃ انتہی۔ یعنی ہر جنتی کے لیۓ شفاعت ثابت ہے اگرچہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہو

شفاعتِ علماء وصلحاء

سوال (۳۰) کیا علماء وشہداء کو بھی شفاعت کی اجازت دی جائے گی؟

جواب: اہل خیر کی شفاعت بھی ثابت ہے، قصیدۂ امالیہ میں ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیۓ شفاعت اہل خیر کی امید ہے۔

امید وبیم از خدا تعالیٰ

سوال (۳۱) اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ پر اعتماد کرکے بے خوف ہوجانا یا اس کے قہر وغضب کو دیکھکر ناامید ہوجانا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ناامید ہونا کفر ہے، ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے، حدیث شریف میں ہے لو وزن خوف المؤمن ورجاؤہ لاعتدلا یعنی اگر مؤمن کے خوف اور امید دونوں کو وزن کیا جائے تو دونوں برابر ہوں گے، اور کتب عقائد میں ہے الیاس من اللہ کفر والامن من اللہ کفر اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کے عذاب سے بےخوف ہوجانا کفر ہے

مؤمن عاصی

سوال (۳۲) اگر کوئی شخص ایمان قلبی رکھتا ہو اور نماز عمر بھر ادا نہ کی ہو اور منافی ایمان بھی کوئی عمل اس سے صادر نہ ہوا ہو اسی حالت پر اس کا انتقال ہوجائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: وہ مؤمن ہے، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے چاہے تو معاف فرمادے، قرآن مجید میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ شرک کی مغفرت نہیں کرتا، اس کے علاوہ جس کے لیۓ چاہے بخش دیتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اعمال کی سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل کرے تو کر سکتا ہے اس لیۓ کہ اس پر اجماع ہے کہ مؤمن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

موت کے وقت توبہ کرنا یا اسلام قبول کرنا۔

سوال (۳۴): غرغرہ کے وقت جب کہ خوف غالب ہوتا ہے اور ملائکہ موت کے سامنے ہوتے ہیں اگر کوئی کافر مسلمان ہوجائے یا کوئی گناہگار گناہوں سے تائب ہوجائے تو یہ اسلام اور توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ اس حالت میں ایمان غیر مقبول ہے، اور ترمذی و ابن ماجہ کی احادیث سے ظاہر آیہ معلوم ہوتا ہے کہ غرغ وقت معاصی سے توبہ بھی غیر مقبول ہے، لیکن ابن جریر و بخاری اور حاکم نے جو روایات نقل کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا بقاء روح تک توبہ مقبول ہے، اسی لیے اس حالت کی توبہ قبول ہونے میں اختلاف واقع ہوا، امام زاہد نے کہا غرغرہ کے وقت ایمان بالاجماع غیر مقبول ہے اور توبہ اس وقت کی اللہ کی مشیت میں ہے چاہے قبول کرے چا نہ کرے، ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:۔

فی الخلاصۃ ایمان الیاس غیر مقبول۔ توبۃ الیاس المختار انہا مقبولۃ انتہی ولایخفی ان ہذ الروایۃ مخالفۃ بظاہر الدرایۃ حیث ورد قولہ علیہ السلام اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر بل لنص فی قولہ سبحانہ وتعالیٰ ولیست التوبۃ للذین الآیۃ۔

مشکوٰۃ میں ہے:۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر الترمذی وابن ماجۃ انتہی۔

شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں، روح کا حلق میں آجانا اور اس کی وجہ سے گلے میں آواز کا پیدا ہو غرغرہ کہتے ہیں، ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ موت کے وقت کفر یا معاصی سے توبہ کرنا دونوں غیر مقبو اور انما التوبۃ الآیۃ کی آیت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے، لیکن بعض علماء کے نزدیک موت کے وقت معاصی توبہ کرنا صحیح ہے نہ کفر سے تو ان کے نزدیک غرغرہ کے وقت ایمان لانا غیر مقبول اور توبہ گناہ سے مقبول ہے، درمنثو

اخرج ابن جریر عن الحسن قال بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ابلیس لما رأی ادم قال وعزتک لا اخرج من جوفہ مادام فیہ الروح فقال اللہ تبارک وتعالیٰ وعزتی لا احول بینہ وبین التوبۃ مادام الروح فیہ واخرج ابن المنذر عن ابن عمرو قال من ذنب مما یعمل بین السماء والارض یتوب منہ العبد قبل ان یموت الا تاب اللہ علیہ واخرج احمد والبخاری فی التاریخ والحاکم وابن مردویہ عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ

حسنؓ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان نے جب حضرت آدمؑ کو دیکھا تو کہا تیری عز قسم جب تک اس میں روح موجود ہوگی میں اس سے نہیں نکلوں گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی کی قسم جب تک اس میں روح ہوگی میں اس کی توبہ اور اس کے درمیان میں حائل نہ ہوں گا، ابن عمرو سے منقول ہے آسمان کے درمیان جو گناہ بندہ کرتا ہے اس کے بعد م قبل تائب ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ کی مغف

یقبل توبۃ عبدہٖ او یغفر لعبدہٖ مالم یقع الحجاب قیل وما وقوع الحجاب قال تخرج النفس وھی مشرکۃ انتھی
ہے جب تک حجاب واقع نہ ہو، عرض کیا گیا حجاب کیا ہے؟ فرمایا کہ روح نکلنے کے وقت بندہ مشرک ہو،

اور تفسیر احمدی میں ہے:۔

وقد اختلف فی قبول ایمان الیاس عن الکافر وتوبۃ الیاس عن المعاصی ولم یفصل احکامھما احد مثل ما فصلہ الامام الزاھد حیث اورد ھھنا کلاما حاصلہ ان ایمان الیاس یکون غیر مقبول بالاجماع وتوبۃ الیاس فی مشیۃ اللہ تعالی ان شاء قبل لشرف ایمانہ وکان فضلا منہ وان شاء لم یقبل لتقصیرہ وتاخیرہ وکان عدلا وما من مؤمن الا ویتوب عند الیاس من المعاصی کما انہ ما من کافر الا ویتوب عن الکفر وقت الیاس لقولہ تعالی وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ وایمان الیاس ھو الذی لا یکون مسموعا لاحد حتی لو تم منہ فی تلک الحالۃ لا یکون ایمان یاس بل یکون ایمان اختیار ولکن مع ھذا لا یثبت کونہ من اھل الجنۃ لانہ تعالی یعلم باطنہ وظاھرہ فان وافق بالباطن ظاھرہ یقبل والا لا وان رأی الملک عیانا وارتفع عنہ خطاب اللہ تعالی لا یقبل ایمانہ لانہ حینئذ ایمان الیاس عنہ فلا یقبل لقولہ تعالی فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا باسنا وما اشتھر من العبرۃ فی الایمان بالکفر بالخاتمۃ فلیس ذلک باعتبار الیاس بل باعتبار حالۃ الاختیار وتوبۃ الیاس ان قلنا لم تقبل کما ذھب الیہ اھل خراسان ابطلنا حرمۃ الایمان وان قلنا تقبل سوینا بین الاختیار والاضطرار واثبتنا الامان لکل فاسق من العذاب فیؤل الی مذھب المرجئۃ فالاولی ھو التعلیق بمشیۃ اللہ تعالی کما قلنا ھذا حاصل کلامہ انتھی ۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کیا جائے، محمد عبدالحی ابوالحسنات۔

اعتقاد افضلیت مکہ و مدینہ

سوال (۴۴) مکہ افضل ہے یا مدینہ؟

جواب:۔ مکہ کی افضلیت مدینہ پر یا اس کے عکس میں اختلاف ہے، جو لوگ افضلیت مدینہ کے قائل ہیں ان کے دلائل ہیں احادیث ہیں، ان میں سے ایک روایت یہ ہے جس کو بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے نقل کیا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم اجعل المدینۃ ضعفی ما جعلت بمکۃ من البرکۃ اے اللہ مدینہ میں مکہ سے دوگنی برکت عطا فرما، اور شیخین رضؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد انتھی اے اللہ مکہ کی طرح مدینہ کی محبت ہمارے قلوب میں پیدا فرما، بلکہ اس سے بھی زیادہ؟ اور جو لوگ مکہ کو مدینہ پہ فضیلت دیتے ہیں ان کے استدلالات میں سے ایک دلیل وہ ہے جس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عدی سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو مخاطب بنا کر فرمایا واللہ انک لخیر ارض اللہ الی اللہ ولولا انی اخرجت منک ما خرجت انتھی. یعنی خدا کی قسم تو اللہ کے نزدیک اللہ کی تمام زمین سے بہتر اور محبوب ہے اور اگر مجھے نکالا نہ جاتا تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔"

اور فتح العزیز میں لکھا ہے شہروں میں مختلف انواع انسان رہتے ہیں، مثلاً سپاہی، تاجر، اہل حرفت، غنی

فقیر، مرد و عورت، نیز ان میں بادشاہ، حکام اور مقامات متبرکہ جیسے قبور اولیاء و انبیاء اور مساجد پائے جاتے ہیں، اور طرح طرح کے نباتات وحیوانات اور پرندے ان میں پرورش پاتے ہیں، لیکن ایسا کوئی شہر نہیں جس میں ایسا خانہ خدا ہو جو کہ تجلی دائمی کا مرکز اور عبادت گاہ خلائق ہو، یہ فضیلت صرف مکہ معظمہ ہی کو حاصل ہے، اور یہ جامعیت اسی شہر کو میسر ہے، بایں ہمہ مکہ معظمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت وبعثت کا مقام ہے، اسی لیے وحی محمدی کے اسرار کا جامع ہے۔

یزید کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

سوال (۳۵) یزید کے حق میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے، بینوا توجروا؟۔

جواب:- بعض لوگوں نے افراط سے کام لیا اور کہا جب کہ یزید باتفاق تمام مسلماناں امیر بن گیا تو اس کی طاعت امام حسینؓ پر واجب تھی، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کا اتفاق اس کی امارت پر کب ہوا صحابہؓ اور اولاد صحابہؓ کی ایک جماعت اس کی اطاعت سے خارج تھی، اور جنھوں نے اس کی اطاعت قبول کی تھی جب ان کو یزید کی شراب خوری اور ترک صلوٰۃ اور زنا اور محارم کے ساتھ حرام کاری کی حالت معلوم ہوئی تو مدینہ منورہ میں واپس آکر انھوں نے بیعت کو فسخ کر دیا، اور بعض کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، اور نہ اس امر پر وہ راضی تھا اور نہ قتل امام حسینؓ اور اہل بیت کے بعد وہ خوش ہوا، حالانکہ یہ قول بھی باطل ہے۔ علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفیہ میں لکھتے ہیں والحق ان رضی یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا انتہی، حق بات یہ ہے کہ یزید امام حسینؓ کی شہادت پر راضی تھا اور اس امر پر اس کا مسرور ہونا اور اہل بیت کی توہین کرنا معناً متواتر ہے اگرچہ اس کی تفصیلات درجۂ احاد میں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قتل امام حسینؓ گناہ کبیرہ ہے نہ کفر، اور لعنت کفار کے ساتھ مخصوص ہے، قربان جاؤں ان کی ذہانت پر ان کو یہ معلوم نہیں کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے کا کیا ثمرہ ہوتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لھم عذابا مھینا بے شک جو لوگ اللہ ورسولؐ کو اذیت پہنچاتے ہیں دنیا وآخرت میں ان پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یزید کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کفر ومعصیت کے ارتکاب کے بعد اس نے توبہ کر لی ہو اور اسی توبہ پر اس کا انتقال ہوا ہو، امام غزالیؒ کا رجحان احیاء العلوم میں اسی قول کی طرف ہے اس میں شک نہیں کہ معاصی سے تائب ہونے کا محض احتمال ہے ورنہ اس بدنصیب نے جو کارنامے کیے امت میں سے کسی نے ایسے نہیں کیے، قتل امام حسینؓ اور اہانت اہل بیت کے بعد مدینہ منورہ کی تخریب اور اس کے باشندوں کو قتل کرنے کے لیے لشکر بھیجا اور یہ واقعہ حرہ جس میں مسجد نبوی میں تین روز تک نماز واذان نہیں ہوئی اور اس کے بعد حرم اور مکہ معظمہ کی طرف لشکر روانہ کیا اور عبد اللہ بن زبیرؓ کی شہادت اسی معرکہ میں عین حرم میں ہوئی اور ایسے بہت سے مشاغل رکھتا تھا، یزید مر گیا اور جہان کو پاک کر گیا، اس کے بعد یزید کا بیٹا معاویہ برسر منبر اپنے باپ (یزید) کی مذمت بیان کیا کرتا تھا، واللہ اعلم بما فی الضمائر اور بعض لوگ

نہایت بے باکی سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھتے تھے، امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دیگر اسلاف نے یزید پر لعنت بھیجی ہے اور ابن جوزیؒ جو کہ سنت و شریعت کی حفاظت میں متعصب سمجھے جاتے ہیں، اپنی کتاب میں اسلاف سے یزید پر لعن کا قول نقل کیا ہے، اور علامہ تفتازانی نہایت جوش وخروش سے یزید اور اس کے انصار پر لعنت بھیجتے ہیں، اور بعض لوگ اس میں توقف اور سکوت اختیار کرتے ہیں، صحیح مسلک یہ ہے کہ اس شقی کو مغفرت اور رحمت سے تو ہرگز یاد نہیں کرنا چاہیے اور لعنت جو کہ عرف میں کفار کے ساتھ مخصوص ہے اس سے بھی زبان کو آلودہ نہیں کرنا چاہیے، ابلیس لعین جس کے کفر میں کوئی شک نہیں اس پر لعنت کرنے سے زبان کو روکنے میں کوئی ممانعت نہیں، چہ جائیکہ یزید پلید پر لعنت کی جائے، صاحب قصیدہ امالیہ فرماتے ہیں ولم یلعن یزید ابعد موتہ سوی المکثار فی الاغراء غال یعنی موت کے بعد یزید پر لعنت کرنے والا متکبر ہی ہو سکتا ہے۔

شب قدر و شب میلاد کی فضیلت

سوال (۳۶) شب قدر کی فضیلت قرآن سے ثابت ہے، مگر بعض محدثین شب میلاد کو افضل بتلاتے ہیں، عوام کو کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

جواب:۔ شب قدر کی فضیلت تمام راتوں پر نص قرآن سے ثابت ہے اور اس کی چند وجوہ ہیں:۔

(۱) اس رات میں زمین پر ملائکہ اور ارواح کا نزول ہوتا ہے۔

(۲) شام سے لے کر صبح تک پہلے آسمان پر باری تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے

(۳) لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر قرآن کا نزول اسی رات میں ہوا،

اور اسی فضیلت کی وجہ سے امت محمدیہ کی تسلی وتشفی کے لئے اس ایک رات کی عبادت کو ایک ہزار ماہ کی عبادت سے زائد باعث ثواب قرار دیا گیا، ارشاد باری ہے:۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ الآية

اور احادیث میں شب قدر میں جاگنے کی تاکید آئی ہے۔

اور جن حضرات نے شب میلاد کو افضل کہا ہے اس کی مراد یہ ہرگز نہیں ہو سکتی کہ شب میلاد کی عبادت ایک ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ باعث ثواب ہے، کیونکہ ثواب وعقاب کا معاملہ توقیفی ہے، جب تک کہ خود شارع کی طرف سے کوئی صریح حکم معلوم نہ ہو جائے تو کسی امر کو باعث ثواب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے البتہ شب میلاد کی فضیلت شب قدر پر اس کی ذاتی شرافت ہے، اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت کی رات بلاشبہ افضل ہے شب قدر سے کیونکہ شب ولادت وہ ذات محمدؐ کے ظہور کی رات ہے اور شب قدر آپ پر انعامات اور نزول رحمت کی اور اس وجہ سے بھی کہ شب قدر کی شرافت نزول ملائکہ کی وجہ سے ہے اور شب میلاد کی افضلیت خود آپ کی ذات کے ظاہر ہونے کی وجہ سے۔ نیز شب قدر کی فضیلت کا تعلق امت محمدیہ سے ہے اور شب میلاد کی فضیلت تمام موجودات سے متعلق ہے۔ انتہی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ زمانہ اور مکان کی شرافت ان میں پائی جانے والی مخصوص شخصیتوں اور کمالات کی وجہ سے ہوا کرتی ہے اور اسی

بنا پر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شبِ میلاد افضل ہے شبِ قدر سے۔ انتہی۔

نزولِ قرآن مجید

سوال (۳۷) کلام کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے اور اس کو کلام نفسی کہا جاتا ہے اس کا نزول کیسے ہوا؟

جواب:۔ کلام نفسی آواز اور حروف کے قبیل سے نہیں اور اس صفت کا نزول محال ہے یعقوب بنانی شرحِ تہذیب الکلام میں فرماتے ہیں ذهب اهل الحق الی ان کلامه تعالیٰ لیس من جنس الاصوات والحروف بل هی صفة ازلیة قائمة بذات الله تعالیٰ منافیة للسکوت والآفة اہل سنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ کلام باری آواز در حروف کے قبیل سے نہیں۔ بلکہ یہ باری تعالیٰ کی ایک ایسی ازلی صفت ہے جو ذات باری کے ساتھ قائم اور سکوت وآفت کے منافی ہے اور کلام لفظی جس کی تلاوت اور کتابت کی جاتی ہے اور حفاظ اس کو یاد کرتے ہیں۔ اصولِ فقہ اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو قرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے درحقیقت یہ کلام مغائر ہے کلام نفسی کے البتہ دلالت کرتا ہے باری تعالیٰ کی صفت کلام نفسی پر اور جبرئیل امین اسی کو لے کر تشریف لائے اور پڑھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کانوں تک پہنچایا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا، سمجھا اور دوسروں کو سنایا اور پڑھایا۔ تفسیر کبیر میں ہے اذا قلنا لهذه الحروف المتوالیة والاصوات المتعاقبة انها کلام الله کان المراد انها الفاظ دالة علی الصفة القدیمة القائمة بذات الله تعالیٰ واذا قلنا کلام الله تعالیٰ قدیم لم نرد به الا تلك الصفة القدیمة انتہی۔ اگر ہم ان مسلسل اور یکے بعد دیگرے آنے والے حروف واصوات کے بارہ میں یہ کہیں کہ یہ حروف کلام اللہ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیم پر جو ذاتِ باری کے ساتھ قائم ہے اور اگر یہ کہیں کہ کلام اللہ قدیم۔ اس وقت محض اسی صفت قدیم کا ارادہ ہوتا ہے)

نزولِ قرآن کے متعدد طریقے بیان کیے جاتے ہیں:۔

(۱) باری تعالیٰ نے جبرئیل امین کو خود اپنا کلام سنایا اور ایسی عبارت پر قادر بنا دیا کہ اس کے ذریعہ کلام نفسی کو بیان کر دیں۔

(۲) حق سبحانہ نے لوح محفوظ میں کتابت فرمادی اور جبرئیل نے پڑھنے کے بعد یاد کر کے پہنچا دیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص حروف واصوات کو پیدا فرمایا اور جبرئیل امین نے ان کو اخذ کر لیا اور ساتھ ہی علم ضروری حاصل ہوگیا کہ یہ عبارت دلالت کرتی ہے کلام نفسی پر۔

امام رازی فرماتے ہیں جبرئیل سمع فی السماء کلام الله تعالیٰ فنزل علی الرسول فان قیل کیف یسمع کلام الله وکلامه لیس من الحروف والاصوات عندکم قلنا یحتمل ان یخلق الله تعالیٰ سماعا لکلامه ثم اقدره علی عبارة یعبر بها عن ذلك الکلام القدیم ویجوز ان یکون الله تعالیٰ خلق فی اللوح المحفوظ کتابته بهذا النظم فقرأه جبرئیل فحفظ ویجوز ان یخلق اصواتا مقطعة لهذا النظم المخصوص فتلقفه جبرئیل ویخلق له علما ضروریا بانه هو العبارة المؤدیة لمعنی ذلك الکلام القدیم انتہی۔

وقال القاضی البیضاوی والانزال نقل الشی من اعلی الی اسفل وھو انما یلحق المعانی بتوسط لحوق الذوات الحاملة لھا ولعل نزول الکتب الالٰھیة، علی الرسل بان یتلقفه الملك من الله تلقفا روحانیا او یحفظه من اللوح المحفوظ وینزل به فیلقیه علی الرسول انتھی۔

(قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔ انزال کے معنی ہیں اوپر سے نیچے اتارنا۔ اور انزال کا تعلق معانی کے ساتھ ان کے الفاظ کے واسطے سے ہوا کرتا ہے۔ کتاب اللہ کے رسول پر نازل ہونے کے معنی غالبًا یہ ہوسکتے ہیں کہ فرشتہ روحانی طور پر اس کو حاصل کرتا ہے یا لوح محفوظ سے یاد کرتا ہے اور رسول تک پہنچا دیتا ہے)۔

کفار و مؤمنین کی روح کا مقام

سوال ۳۸) کفار و مؤمنین کے بدن سے نکلنے کے بعد روح کا مقام کہاں ہے؟

جواب:۔ فتح العزیز میں تفصیل بیان کی گئی۔ مقام علیین جو ساتوں آسمان سے اوپر عرش اور سدرۃ المنتہیٰ کے درمیان ہے مقربین یعنی انبیاء، اور اولیا کی ارواح جاکر اس میں مقیم ہوجاتی ہیں اور عام نیک بندوں کی روحیں ان کے حسب حال نامۂ اعمال لکھنے کے بعد آسمان اول پر یا آسمان اور زمین کے درمیان یا چاہ زمزم میں جگہ پاتی ہیں اور ان ارواح کو قبر سے بھی کچھ نہ کچھ تعلق رہتا ہے اور کفار و فجار کی روحوں کو اولاً آسمان کی طرف لے جاتے ہیں مگر وہاں کے دربان دروازہ نہیں کھولتے دھتکار دیتے ہیں۔ پھر ان کو زمین پر لاتے ہیں مگر زمین بھی ان کو قبول نہیں کرتی۔ بالآخر ساتویں زمین کے نیچے ایک پتھر کے نیچے لے جاتے ہیں جو انتہائی بدبودار ہے اور یہ روحیں وہاں پڑی رہتی ہیں اور ان کے ساتھ ابلیس و شیاطین کی روحیں بھی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کی جاتی ہیں انتہی۔

خزانۃ الروایات میں عقیدۃ العینیۃ النسفیۃ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:۔

اما ارواح الانبیاء علیھم السلام فتخرج من جسدھم وتصیر مثل صورتھا من المسك والکافور وتکون فی الجنة وتاکل وتتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل معلقة بالعرش واما ارواح الشھداء فتخرج من جسدھم وتدخل فی اجواف طیر خضر فی الجنة تاکل وتتنعم وتاوی باللیل الی قنادیل معلقة بالعرش واما ارواح المطیعین من المؤمنین فی ربض الجنة لا تاکل وتتمتع ولکن متنظر فی الجنة واما ارواح العصاة من المومنین فھی ما بین السماء والارض فی الھواء۔ واما ارواح الکفار فھی فی جوف طیر سود فی السجین تحت الارض السابعة انتھی

انبیاء علیہم السلام کی روحیں بدن سے نکلنے کے بعد مشک و کافور کی طرح ہوکر جنت میں داخل ہوجاتی ہیں اور ہر قسم کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرتی رہتی ہیں اور رات کو عرش کے ساتھ معلق قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ اسی طرح شہدا کی روحیں بدن سے نکلنے کے بعد جنت کے سبز پرندوں کی شکل میں متمثل ہوکر ہر جگہ کھاتی پھرتی ہیں اور رات کو عرش کے ساتھ معلق قندیلوں میں آرام کرتی ہیں اور فرمانبردار مسلمانوں کی روحیں جنت کے قرب وجوار میں رہیں گی مگر کچھ کھا پی نہ سکیں گی۔ ہاں البتہ جنت کا دیدار کرتی رہیں گی اور نافرمان مسلمانوں کی روحیں آسمان و زمین کے درمیان فضا میں ہوں گی اور کافروں کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں ہوں گی۔ انتہی۔ اور منہاج العمال میں ہے۔

ان ارواح المؤمنین فی السماء السابعة ینظرون الی منازلھم فی الجنۃ انتہی مسلمانوں کی روحیں ساتوں آسمان پر رہ کر جنت میں اپنے اپنے مکانوں کو دیکھتی رہیں گی۔

جنتی اور دوزخی ہونا۔

سوال (۳۹) کسی کو مرنے کے بعد جنتی یا دوزخی کہنا چاہیے یا نہیں؟

جواب:۔ باری تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو کسی شخص کے باطن اور خاتمہ کا حال معلوم نہیں لہٰذا کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے۔ البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ فلاں آدمی جنتیوں کا سا کام کرتا تھا اور فلاں دوزخیوں جیسا۔

عدالتِ صحابہ کرام

سوال (۴۰) اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق الصحابۃ کلھم عدول میں عدالت سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ یہ عقیدہ کسی عقیدہ اور علم کلام کی کتاب میں مذکور نہیں البتہ حضرات محدثین اصول حدیث میں راویوں کی تحقیق و تعدیل کے بیان کرنے وقت ذکر کیا کرتے ہیں جس کسی نے عقائد میں درج کیا ہے اسی جگہ سے لیا ہوگا اور عدالت کے معنی ہیں روایت کے اندر کذب کے ارادہ سے پرہیز کرنا اور درحقیقت تمام صحابہ اس عدالت کے ساتھ موصوف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔

اصحاب کہف کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

سوال (۴۱) اصحاب کہف کے متعلق اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے۔

جواب:۔ مشہور اور متفق علیہ عقیدہ یہی ہے کہ وہ حضرات زندہ ہیں اور امام مہدی کے ہمراہ اٹھیں گے اور بعض ضعیف روایتوں میں مذکور ہے کہ شب اسرا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے گذرتے ہوئے ان کو دعوت دی اور وہ لوگ قبول کر کے پھر سو گئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا واجب القبول ہے یا نہیں؟

سوال (۴۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا واجب القبول ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ جو دعا باری تعالیٰ کے حکم یا الہام سے ہو یا نبوت کے لوازم اور متعلقات سے وہ واجب القبول ہے ورنہ نہیں۔

اہلِ ہوا کی نجات

سوال (۴۳) گمراہ فرقوں کی نجات ہوگی یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر ان لوگوں کی بدعت و گمراہی کفر اور ضروریاتِ دین سے انکار کی حد تک نہ پہنچے تو نجات کی توقع رکھی جائے۔

حدوث عالم

سوال (۴۴) ذات و صفات باری کے علاوہ یعنی دنیا قدیم ہے یا حادث۔ اور اگر حادث مان لیا جائے تو اس صورت میں شیخ اکبر کے اس قول (ولا اعلم للعالم مدۃ) کے کیا معنی ہوں گے۔

جواب:۔ عالم حادث ہے یعنی عدم سے وجود میں لایا گیا اور شیخ اکبر کا قول حادث ہونے کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اس

عالم کے یوم وجود سے لے کر آج تک کی صحیح مدت کسی کو بھی معلوم نہیں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ عالم وجود سے پہلے باری تعالیٰ کے علم میں تھا تو علم باری کے اعتبار سے یہ قدیم ہو گیا اگرچہ وجودِ خارجی کی حیثیت سے حادث ہو پس وجودِ علمی کے اعتبار سے اس کی مدت معلوم نہیں اور شیخ اکبرؒ کا قول بھی اسی پر مبنی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے متعلق عقیدہ

سوال (۴۵) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارہ میں اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟

جواب: بعض لوگوں نے ان کو ناری بتایا اور بعض نجات کے قائل ہیں۔ درحقیقت اس میں تین مسالک ہیں:-

(۱) موت کفر کی حالت میں ہوئی۔ مگر نابالغ بچوں اور مجنونوں کی طرح ان کو بھی عذاب نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی آخرالزماںؐ کی بعثت سے پہلے گذر گئے۔ ارشادِ باری ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور ہم نہیں دیتے عذاب جب تک نہ بھیجیں رسول کو۔

(۲) موت تو کفر کی حالت میں ہوئی مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے زندہ کیے گئے اور ان پر ایمان لائے۔

(۳) دونوں اپنی عقل سے یا ملتِ ابراہیمی سے شرک کی برائی سن کر توحید کے معتقد ہو گئے اور بت پرستی سے کنارہ کش اور نبی آخرالزماں کی بعثت کو سن کر ان کے تشریف لانے اور تولد ہونے کے انتظام کرتے ہوئے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر پیغمبر کا زمانہ پالیں گے تو ضرور اطاعت کریں گے

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ایمان اجمالی متحقق تھا۔ اور امام اعظم کوفیؒ کا قول فقہ اکبر میں ووالدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں مرے انتہی۔ اس کے منافی نہیں ہے اس لیے احتمال ہے کہ امام اعظمؒ نے ایمان تفصیلی کے معدوم ہونے کو کفر سے تعبیر کر دیا ہو۔

تصرفِ شیاطین

سوال (۴۶) شیطان کا بدن انسانی میں تصرف کرنا جس کو آسیب کہتے ہیں صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:- اکثر مسلمان فرقوں کے نزدیک مسلم ہے البتہ معتزلہ اس کے مخالف ہیں تفسیر نیشاپوری میں آیت کریمہ یتخبطہ الشیطان من المس کے تحت مذکور ہے واکثر المسلمین علی ان الشیطان قادر علی الفزع والقتل والایذاء بتقدیر اللہ تعالیٰ۔ اکثر مسلمانوں کا مسلک ہے کہ شیطان اللہ کے حکم سے قتل وایذاء اور ڈرانے پر قادر ہے۔ انتہی

تصرفِ میت

سوال (۴۷) انسان مرجانے کے بعد دوسرے آدمی میں کوئی تصرف قتل وایذاء کا کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- علماء اہل سنت والجماعت کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے انکار کیا کیونکہ مرنے والا اگر نیک ہے تو دوسرے کو تکلیف دینا اس کی نیکی کے منافی ہے اور اگر وہ فاسق یا کافر ہے تو عذاب دینے والے فرشتوں سے چھٹکارا پا کر دوسروں کو تکلیف دینے کا موقع کہاں ملے گا۔ اور جائز کہنے والوں کے دو گروہ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ انسان کافر یا مومن ظالم وزانی اور اسی طرح مرتد غیر تائب مرنے کے بعد عالم برزخ میں حکم الٰہی سے مسخ ہو کر جن بن جاتے ہیں خصوصاً جب کہ موت جنابت کی حالت میں ہو پس جن ہو کر آدمیوں کے بدن میں تصرف کرتے ہیں باوجودیکہ مسخ کرنا دنیا کے

اندر امت محمدیہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے مفقود ہوگیا۔ مگر عالم برزخ میں تعذیباً ہونا ممکن ہے لازم نہیں کہ ہر کافر اور مومن بدکار کو مسخ کیا جائے بلکہ جس کسی کے بارہ میں چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ مسخ کر دیتے ہیں اور عابد و متقی مسلمان جنابت کی حالت میں مرنے کے باوجود مسخ نہیں کیے جائیں گے۔ ملا معین نے برزخ کی شرح کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ کوئی انقلاب و مسخ وغیرہ نہیں ہوتا بلکہ اوقات مختلفہ میں مختلف افعال و حرکات اس سے صادر ہوتی ہیں اور من تشبہ بقوم فھو منہم کے قاعدہ سے ایسے آدمی کو جو جنوں جیسا کام کرتا ہے بھوت کہتے ہیں

روزِ قیامت میں میزانِ عدل کا قیام

سوال (۴۸) قیامت میں میزانِ عدل کا قیام پلصراط عبور کرنے سے پہلے ہوگا یا بعد میں؟

جواب:- پل صراط پر گذرنے سے پہلے ہوگا۔ کیونکہ میزان کا قیام دخولِ جنت اور دخولِ نار کے مستحق لوگوں کی معرفت کے لیے ہوگا اور پل صراط پر گذرنا اس دخول کا سبب ہے جو دخول کے حکم میں ہے۔ وہ حدیث جس میں حضرت عائشہ رضؓ سے خطاب ہے ان لم تجدینی عند الصراط فاطلبنی عند المیزان۔ اگر تو مجھ کو پلصراط کے قریب نہ پائے تو میزان کے پاس تلاش کر انتہی اس کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض یہ ہے کہ مجھ کو ان مواقع میں سے کسی جگہ بھی تلاش کر لینا۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پلصراط اور میزان پر بار بار آمد و رفت امت کو رہائی دلانے کے واسطے ہوگی جس کی صورت یہ ہوگی کہ آپ میزان پر تشریف لائیں گے تاکہ وہ جماعت جو اپنے وزن اعمال سے فارغ ہو کر بہشت میں داخل ہونے کے لیے پلصراط سے گذرتے ہوئے لغزش کھائے گی اس کو رہائی دلا کر سلامتی کے ساتھ گذارنے کے لیے آپ ان کے ہمراہ تشریف لائیں گے اور یہاں سے فراغت کے بعد پھر دوسری مرتبہ میزان پر تشریف لے جائیں گے اور بقیہ امت کو وزن اعمال سے چھٹکارا دلا کر پلصراط پر ان کے ہمراہ تشریف لائیں گے اسی طرح چند بار آمد و رفت ہوگی جیسا کہ دنیا کے ہنگاموں مثلاً شادی اور جنگ وغیرہ میں ایک ذمہ دار و منتظم کو بھی یہی صورت پیش آتی ہے اور یہ سب امارت و سرداری کی علامت ہے۔

اللہ کی ذات قدیم اور نبی کی ذات حادث ہے

سوال (۴۹) حضرات علماء کا کیا مسلک ہے اس بارہ میں کہ ذات باری ذات محمدی کے لیے اصل و مادہ ہے یا نہیں۔ اور اس قول ان لہ شاناً لہ مناسبۃ الی الحضرۃ الربوبیۃ کے کیا معنی ہوں گے نیز ذاتِ نبی کے بارہ میں کیا رائے ہے آیا وہ حادث ہے یا غیر حادث؟

جواب:- ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہے اور قدیم یعنی ازلی ہونا اور کسی زمانہ میں عدم کا طاری نہ ہونا یہ تو محض حق کی شان ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک۔ مگر فلاسفہ عقولِ عشرہ کو زمانہ کے اعتبار سے قدیم مانتے ہیں۔ اسی طرح قدیم ہونا یعنی کسی غیر کا محتاج نہ ہونا بھی خاص ہے حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ متفقہ طور پر۔ اور احادیث صحیحہ بکثرت دلالت کرتی ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ وجود باری کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ ذات الٰہی اصل اور مادہ نہیں بن سکتی ذات نبی کے لیے کیونکہ قدیم کا مادہ بننا ایک حادث کے لیے ناممکن ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے اللہ سے پیدا کیے جانے کا یہ مطلب

...ہیں کہ اللہ کا نور ذات نبی کا مادہ ہے بلکہ بتلانا ہے کہ آپ کا نور منجانب اللہ ہے جیساکہ کعبہ کو بیت اللہ اور ... علیہ السلام کو روح اللہ کہا جاتا ہے اور چونکہ نور محمدی تمام انبیاء کے انوار سے پہلے پیدا کیا گیا اور اتنے ... عرصے تک باری تعالیٰ کی عنایات اور مہربانیوں کا مرکز رہا اس لیے اس کو نور اللہ کہدیا گیا۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

...یقہ نزولِ وحی

سوال (۵۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جبریل علیہ السلام اللہ کے کلام کو اللہ تعالیٰ سے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے یا لوحِ محفوظ سے دیکھ کر اگر سن کر پہنچاتے تھے تو حادث کی قوت سماعت نے کلام قدیم کا احاطہ کیسے کرلیا اور اگر لوح محفوظ سے دیکھ کر پہنچاتے تھے تو پہنچانے کا امر کیونکر سنا اور اس صورت میں مکتوب لوح محفوظ پہنچا نہ کلام باری اور بعینہٖ کلام اللہ کو پہنچانا ممکن نہیں۔ اس واسطے کہ حلول کلام ایک کا دوسرے میں ایسا کہ وہ دوسرا پہنچا دے محال ہے پس اس قرآن کی کیا حقیقت ہے اور قول باری تعالیٰ إنّہ لقول رسول کریم کے کیا معنی ہیں؟

...ب:۔ وحی نازل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے کلام کو جبرئیل علیہ السلام سن کر وہاں سے احکام پہنچاتے ہیں اور کلام ...کو سننا کچھ محال نہیں۔ حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام نے اور ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کلام الٰہی کو سنا اور مقربین ملائکہ پروردگار کی آواز سنتے ہیں سنن ابی داؤد اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات ...حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تکلم اللہ بالوحی سمع اھل ...الدنیا صوتا صلصلۃ کجر السلسلۃ علی الصفا فیصعقون ولا یزالون کذالک حتی یاتیہم جبرئیل فاذا ...ھم جبرئیل فزع عن قلوبھم قالوا یا جبرئیل ماذا قال ربنا فیقول الحق فینادون الحق الحق۔ ارشاد نبی ...جب کہ باری تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام کرتے ہیں تو سماء دنیا کے رہنے والے فرشتے پتھر پر زنجیر کھینچنے کی سی آواز سنتے ہیں ...ے سب کے سب خوف زدہ ہوکر بے ہوش ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ جبرائیلؑ ان کے پاس آتے ہیں ان کے آنے ...ان کا خوف دور ہوجاتا ہے اور پوچھتے ہیں اے جبرئیل ہمارے رب نے کیا کہا۔ وہ جواب دیتے ہیں حق۔ اس ...پکارنے لگتے ہیں حق حق، انتہی۔

ابن مردویہ کی روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما نزل جبرئیل بالوحی علی رسول اللہ فزع ...السموات لانحطاطہ وسمعوا صوت الوحی کاشد مایکون من صوت الحدید علی الصفا فکلما مر باھل سماء فزع ...قلوبھم یقولون یا جبرئیل بما امرت فیقول کلام بلسان عربی۔

آپؐ کا ارشاد ہے کہ جس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے اوپر وحی لے کر تشریف لاتے تو آسمان والے ان کے اترنے کی وجہ ...خوفزدہ ہوجاتے اور وحی کی آواز کو ایسا محسوس کرتے جیسے پتھر پر لوہا کھینچنے کی آواز۔ پس جب جبرئیل سننے والوں ...پاس سے گذرتے تو ان کا خوف ختم ہوجاتا اور وہ پوچھتے کہ اے جبرئیل تجھ کو کیا حکم دیا گیا تو وہ جواب دیتے ایک عربی کلام کا ...۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جس قدر نازل کرنا منظور ہوتا باری تعالیٰ جبرئیل امین کو سنا دیتے اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تک پہنچا دیتے تھے۔ اور اسی لحاظ سے انہ لقول رسول کو یدوار د ہوا ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

باب الشرک و البدعات

اولیاء اللہ سے مدد مانگنا

سوال (۵۱) عوام کی عادت ہے کہ مصیبت کے وقت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو مدد کے لیے پکارا کرتے ہیں اور اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ یہ حضرات ہر وقت لوگوں کی آواز پر مطلع ہو کر ان کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں علماء کی کیا رائے ہے۔ بینوا توجروا؟

جواب:۔ یہ صورت مذکورہ حرام بلکہ صریح شرک ہے۔ کیونکہ یہ صورت غیر اللہ کے لیے علم غیب کے ثبوت کو متضمن ہے اور اعتقاد مذکورہ صریح شرک ہے۔ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات یا اس کی مخصوص صفات اور عبادات میں کسی غیر کو شریک کرنا اور صورتِ مذکورہ میں باری تعالیٰ کی صفت مخصوصہ علم غیب میں دوسرے کو شریک کیا گیا اس لیے اعتقاد مذکورہ شرک ہے۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں کہا ہے:۔

العلم بالغیب تفرد به سبحانه تعالیٰ ولا سبیل الیه للعباد الا باعلام منه وابهام بطریق المعجزة والکرامة وارشاد الی الاستدلال بالامارات فیما یمکن فیه ذالک ولهذا ذکری الفتاوی ان قول القائل عند رؤیته حال القمر دائرة یکون مطراً مدعیا علم الغیب لا بعلامة کفر و ذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیه وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کذا فی المسایرة انتهی۔ یعلم غیب صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی مخصوص صفت ہے جس کی بندوں کو ہوا تک بھی نہیں لگتی۔ مگر یہ کہ خود باری تعالیٰ علم کرا دیں یا بطریقہ معجزہ وکرامت الہام فرما دیں اور یا اس کی علامتوں سے استدلال کی طرف رہنمائی فرما دیں بشرطیکہ اس جگہ ممکن بھی ہو اور اسی وجہ سے فتاوی میں ملے گا۔ جو شخص چاند کے دائرے کو دیکھ کر بارش کی علامات ذکر کرنے کے بجائے دعوی کرے بارش کے یقینی طور پر ہونے کا تو وہ کافر ہے اور حنفیہ نے صراحۃً تکفیر کی اس شخص کی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم غیب ہونے کا معتقد ہو، کیونکہ اس کا یہ اعتقاد قول باری تعالیٰ کے مخالف ہے جس کی تفسیر یہ ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اس زمین و آسمان میں اللہ کے ماسوا کوئی بھی غیب کی باتوں کو نہیں جانتا انتہی۔ کتبہ محمد بشیر عفا اللہ عنہ المصدق عبدالصمد پشاوری۔ المصدق ذوالفقار علی المصدق سید محمد سیوانی

اسی طرح انبیاء و اولیاء کے بارہ میں ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے اور پکارنے والوں کی دعاؤں کے سننے کا اعتقاد رکھنا شرک ہے کیونکہ یہ صفت بھی بلا شرکت غیرے مخصوص ہے حق سبحانہ کے لیے۔ فتاوی بزازیہ میں ہے:۔

تزوج بلا شهود وقال خدائے و رسول خدائے و فرشتگان را گواہ کردم یکفر لانه اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والملک یعلمان الغیب انتهی۔

فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے وھٰذا قال علمائنا من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر انتھی یعنی اسی وجہ سے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص مشائخ کی روحوں کے حاضر و ناظر ہونے کا قائل ہو اس کو کافر کہا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

کیا اولیاء کرام پکار سنتے ہیں؟

سوال (۵۲) ایسے آدمی کے بارہ میں کیا حکم ہے جو اعتقاد رکھتا ہے کہ اولیاء کرام تمام چیزوں کو جانتے اور پکارنے والے کی آواز نزدیک و دور سے سن لیتے ہیں۔ اور آپس میں بولے جانے والے الفاظ سے ان سے مدد مانگتے ہیں اور ان کے نام پر جانوروں کی نذر مانتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ یہ شخص بدعقیدہ ہے بلکہ اس کے اعتقاد سے کفر کا خوف ہوتا ہے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کا دور سے آواز کا سننا ثابت نہیں ہے اور تمام جزئیات کا ہر وقت علم کلی حاصل ہونا خاص ہے باری تعالیٰ کے ساتھ۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر انتھی یعنی جو شخص مشائخ کی ارواح کے حاضر اور عالم ہونے کا قائل ہو اس کو کافر کہا جائے گا۔ فتاویٰ بزازیہ میں دوسری جگہ ہے ان من تزوج بشھادۃ اللہ و رسولہ یکفر لانہ ظن ان الرسول یعلم الغیب انتھی اور غیر اللہ کے لیے نذر ماننا حرام ہے اور منذور لغیر اللہ بھی حرام ہے تفصیل بحر الرائق اور الدر المختار میں ملاحظہ فرمائیے۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

دنیا میں خدا کا دیدار

سوال (۵۳) کیا اولیاء اللہ بحالتِ بیداری اپنی ظاہری بینائی سے بغیر کسی تاویل کے اس دنیا میں خدا کا دیدار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق مذکورہ بالا صورت سے دیدار نہیں ہوتا، اگر کوئی اس کا مدعی ہو تو کاذب ہے، رویۃ باری کی پوری تحقیق بیان کی جاتی ہے۔ منح الازہر میں ہے:۔

فھل یجوز رویۃ اللہ تعالیٰ فی الدنیا بعین البصر للاولیاء فقد جاءنی سوال واقعۃ الحال فی من ادعیٰ ذالک فی بعض الاشخاص فکتبت الجواب بحسب ما ظھرلی وجہ الصواب۔

فھو اجماع الائمۃ من اھل السنۃ والجماعۃ علی ان رویۃ اللہ تعالیٰ بعین البصر جائزۃ فی الدنیا والاخری عقلا وثابتۃ فی العقبیٰ سمعا ونقلا و اختلفوا فی جوازھا فی الدنیا شرعا فاثبتھا الاکثرون ونفاھا آخرون ثم الذین اثبتوھا خصوا وقوعھا لہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ للاسراء علی خلاف فی ذالک

علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا دیدار دنیا و آخرت میں ظاہری آنکھوں سے عقلاً ممکن ہے اور آخرت میں ثابت بھی ہے۔ دلائل سمعیہ نقلیہ سے اختلاف دنیا میں واقع ہونے پر شرعی حیثیت سے ہے اکثر لوگوں نے ثابت کیا ہے اور بعض لوگوں نے نفی بھی کی اور ثابت کرنے والوں نے خاص کر دیا دیدار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لیلۃ المعراج میں جیسا کہ اس مسئلہ میں

بین السلف والخلف من العلماء والاولیاء والصحیح انہ انما رای ربہ تعالی بفوادہ لابعینہ. کذا فی شرح العقائد وغیرہ

اختلاف ہے متقدمین اور متاخرین علماء واولیاء کا اور صحیح مسلک یہ ہے کہ حضورؐ نے اللہ کا دیدار آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے کیا۔ (شرح عقائد)

فان قال بانی اری اللہ تعالی فی الدنیا ان اراد بہ رویتہ فی المنام ففی جوازہ خلاف مشہور بین الانام مع ان رویۃ المنامیۃ لا تکون بالحاسۃ البصریۃ بل التصورات المثالیۃ والتمثیلات الخیالیۃ وان اراد بہا حال الیقظۃ فان قصد بہا حذف المضاف واراد بہا انہ یری انوار صفاتہ ویشاہد آثار مصنوعاتہ فہذا جائز بلا مریۃ واما من ادعی بعض المعنی لنفسہ من غیر تاویل فی المبنی فہو فی اعتقاد فاسد وزعم کاسد وفی حضیض ضلال وتضلیل وفی مطعن وبیل وبعید عن سواء السبیل.

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں دنیا میں خدا کا دیدار کرتا ہوں اگر اس کی مراد خواب کی حالت کو بیان کرنا ہے تو اس کے جائز ہونے میں امت کا اختلاف مشہور ہے۔ باوجودیکہ خواب کا دیدار ان آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ وہ محض ایک تصور اور خیالی صورتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر بیداری کی حالت میں دیدار کرنا مراد ہو اور وہ یہ کہے کہ میرا مطلب یہ ہے کہ صفات باری کے انوار اور مخلوقات کے آثار کا مشاہدہ ہوتا ہے تو یہ بلا شک وشبہ جائز ہے اور اگر وہ بغیر کسی تاویل خود ذات باری کے دیدار کا مدعی ہے تو یہ اعتقاد فاسد اور گمان باطل ہے اور ایسا شخص یقیناً ضال ومضل قابل طعن وملامت اور راہ حق سے بہت بعید ہے۔

تصرف کی عدیم المثال کتاب التعرف کے مصنف فرماتے ہیں:-

اطبق المشائخ کلہم علی تضلیل من قال ذلک وتکذیب من ادعی ذلک

یعنی تمام علماء کا ایسے شخص کو گمراہ اور کاذب کہنے میں اتفاق ہے جو دنیا میں اس کا مدعی ہو۔

وصنفوا فی ذلک کتب ورسائل منہم ابوسعید الخراز والجنید وصرحوا بان من قال ذلک المقال لم یعرف اللہ الملک المتعال واقرہ الشیخ علاؤ الدین القونوی فی شرحہ وقال ان صح من احد دعوی نحوہ فیمکن تاویلہ بان غلبۃ الاحوال تجعل الغائب کالمشاہد اذا کثر اشتغال الشئ بشئ واستحضارہ لہ یصیر کانہ حضر بین یدیہ انتہی

دوسرے حضرات نے اس مسئلہ پر متعدد کتابیں لکھیں انہیں تابعین ذکر ابوسعید الخراز اور جنید ہیں اور تصریح کی کہ اس بات کا مدعی درحقیقت شان کبریائی سے واقف ہی نہیں اور شیخ علاؤالدین قونوی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ اگر کسی شخص کا اس جیسا دعویٰ ہو تو اس کی تاویل اس طرح کر دی کہ غلبہ حال غائب کو موجود کے مانند کر دیتا ہے ممکن ہے جبکہ کسی شے کے ساتھ اشتغال اور اس کا استحضار زائد ہوتا ہے تو وہ ہر وقت اسے نظر آتی ہے۔ انتہی۔

ویوئیدہ حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ وکنا فی حدیث عبداللہ بن عمر حال الطواف وتری اللہ وقال صاحب عوارف المعارف فی کتابہ اعلام المہتدی وعقیدۃ ارباب

اور ایک حدیث اس کی موید ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت کے وقت یہ تصور ہونا چاہیے کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کہ طواف کی حالت میں دیکھ رہے ہیں ہم اللہ کو اس کی موید ہے اور عوارف المعارف کے مصنف نے اپنی کتاب

التقی ان رویۃ العیان متعذرۃ فی هذا الدار

اعلام الہدیٰ وعقیدہ ارباب التقی میں فرماتے ہیں کہ آنکھوں سے دیدار باری کرنا اس دنیا میں محال ہے۔

لانها دار الفناء والآخرة هی دار القرار فلقوم من العلماء نصیب من علم الیقین فی الدنیا والآخرین من اعلیٰ منهم رتبته نصیب من عین الیقین کما قال قائل رأی قلبی ربی انتهی

کیونکہ یہ دنیا فانی اور آخرت غیر فانی ہے بعض علماء کو دنیا میں علم الیقین کی دولت ملی ہے اور بعض علماء جو ان سے بھی اعلیٰ و برتر ہیں ان کو عین الیقین کی دولت نصیب ہوئی جب کہ کوئی شخص کہے میرے قلب نے دیدار رب کیا۔ انتہی۔

والحاصل ان الامۃ قد اتفقت علیٰ انه تعالیٰ لا یراہ احد فی الدنیا بعینه ولا یتنازعوا فی ذلک الانبیاء صلی اللہ علیه وآله وسلم حال عروجه علیٰ ما صرح به فی شرح عقیدۃ الطحاوی ثم هذا ان قبل التاویل السابق فیها والا فان کان مصما علی مقولته ولم یرجع بالمنقول عن مقولته یجب تعزیرہ وتشهیرہ بما یراہ الحاکم الشرعی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ کو کوئی شخص اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور انبیاء علیہم السلام نے بھی اس دیدار کے بارہ میں بوقت عروج الی السماء کوئی اختلاف نہیں کیا، جیسا کہ شرح عقیدہ طحاوی میں صراحۃً موجود ہے۔ اس کے قول کی تصحیح اسی وقت ہوگی جب کہ وہ اس تاویل کو قبول کرے ورنہ اگر وہ اپنے قول پر مصر ہو اور رجوع نہ کرے تو ایسے شخص کو سزا دینا اور اس کی تشہیر کرنا واجب ہے۔ حاکم وقت جو سزا مناسب سمجھے دے۔

وقال بعض ارباب العقائد المنظومة من قال فی الدنیا یراہ بعینه فذلک زندیق طغی وتمرد وخالف اللہ والرسول وزاغ عن شرع شریف

اور بعض عقائد منظومہ کے مصنفین نے کہا جو شخص اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے رویت باری کا مدعی ہو تو وہ زندیق نافرمان اور سرکش ہے اللہ اور رسول کا مخالف اور شریعت کی راہ حق سے منحرف ہے۔

قد قال ابن الصلاح وابو شامة انه لا یصدق مدعی الرویۃ فی الدنیا حال الیقظة ومنع عنه کلیم اللہ موسیٰ علی نبینا وعلیه السلام واختلف بهذا المرام لنبینا صلی اللہ علیه وسلم فی ذلک المقام کیف تسمع لمن لم یصل الی مقامه انتهی کلامهما۔

ابن الصلاح اور ابو شامہ نے کہا کہ دنیا میں رہتے ہوئے بحالت بیداری رویت باری کے مدعی کی تصدیق نہیں کی جائیگی اور کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس حالت میں دیدار نہیں ہوا اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس مقام کے حاصل ہونے میں اختلاف ہوا ہے پس ایسے آدمی کے بارہ میں کیسے چشم پوشی کی جاسکتی ہے جو اس مقام کو نہ پہنچا ہو۔ انتہی کلامہما۔

وقال الکواشی فی سورۃ النجم ومعتقد رویۃ اللہ تعالیٰ ههنا بالعین لغیر محمد صلی اللہ علیه وسلم وقال الاردبیلی فی کتاب الانوار

اور کواشی نے سورۂ نجم کی تفسیر میں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کسی کے لیے اس دنیا میں آنکھوں سے دیدار باری کا اعتقاد رکھنا بالکل غلط ہے اردبیلی نے کتاب الانوار میں کہا:۔

ولو قال انی اری اللہ فی الدنیا کفر انتہی لکن
الاقدام علی التکفیر بمجرد دعوی الرؤیۃ من اصعب
الخطر فان الخطاء فی افتاء الف کافر اھون من الخطاء فی
افتاء مسلم فالصواب ما قلنا انہ ان انضم الی
دعواہ ما یخرج عن عقیدۃ اھل الحق فحکم علیہ بانہ
من اہل الضلالۃ والردی والسلام علی من اتبع الہدی
انتہی ما فی منح الازہر شرح فقہ اکبر لملا علی قاری۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے دنیا میں اللہ کا دیدار کیا
وہ کافر ہے لیکن محض دعویٰ رویت پر جلدی سے کافر کہہ دینا
بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ کیونکہ ہزاروں کافروں کے افتا میں
غلطی کا ہو جانا بہت آسان ہے بہ نسبت ایک مسلمان کے افتا
میں غلطی کرنے سے۔ صحیح مسئلہ وہی ہے جو مقدم ذکر کیا گیا کہ اگر وہ
شخص اپنے دعویٰ میں ایسی چیزیں ملا دے جس سے متقیوں کے
عقیدہ سے نکل جائے تو اس کے حق میں فیصلہ یہی ہے کہ وہ گمراہ
ہے۔ والسلام علی من اتبع الہدی، یہاں تک کہ ملا علی قاری کی کتاب فقہ اکبر کی شرح منح الازہر کا کلام پورا کیا۔

یہ چیز روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی (ہرگز نہیں دیکھ سکتے) کا خطاب ہو سکتا ہے تو امت کے افراد اس خطاب سے کیوں موصوف نہ ہوں گے۔

اور آیت باری وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ الآیہ۔ مسلمانوں کے چہرے قیامت کے دن تر و تازہ ہیں اپنے رب کی طرف دیکھنے والے الآیہ، دار عقبیٰ یعنی جنت میں دیدار باری کو بتلا رہا ہے نہ کہ دنیا میں۔ کیونکہ دنیا کی تمام قوتیں بے انتہا ضعیف و کمزور اور فانی ہیں جن سے دیدار الٰہی کرنا دشوار ہے۔ بخلاف دار عقبیٰ کی قوتوں کے جن کو باری تعالیٰ نے اکمل ترین اور غیر فانی بنایا ہے۔ جل جلالہ کے تقویت دینے سے دیدار باری حاصل ہوگا اور اسی رویت باری تعالیٰ کے بارہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام کو ان کلمات طیبات سے خطاب فرمایا ستروں ربکم یوم القیامۃ۔ تم اپنے رب کو قیامت کے دن دیکھو گے۔ اور یہ نہیں فرمایا ستروں ربکم یوم القیامۃ کما ترونہ فی الدنیا۔ تم اپنے رب کو قیامت میں دیکھو گے جیسا کہ دنیا میں دیکھتے ہو او کما قال۔ اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ یہ دنیائے فانی دیدار باری کا مقام نہیں ہے۔ اور تمام علماء اہل سنت کا اتفاق ہے کہ امت کا کوئی فرد واحد اس دنیا میں بحالت بیداری آنکھوں سے دیدار باری نہیں کر سکتا اور اس کا دعویٰ کرنے والا کاذب ہے۔ حدیث مذکورہ میں رویت کا حکم مقید تھا۔ قیامت کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ رویت آخرت میں ہوگی دنیا میں نہیں۔ بخاری کی شروح، فتح الباری، کرمانی، عینی میں یہی ہے۔ اور ابو موسیٰ اشعری سے بخاری میں حدیث کا جزء مروی ہے وما بین القوم وبین ان ینظروا الی ربہم الا رداء الکبریاء علی وجہہ فی جنۃ عدن او کما قال۔ جنت عدن میں لوگوں کو دیدار باری سے روکنے والی صرف شان کبریائی کی چادر رہ جائے گی چہرہ پر۔ انتہی۔

شیخ تورپشتی رح فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جب مؤمن جنت میں اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائے گا اور پردے اٹھنے لگیں گے تو دیدار باری سے روکنے والی تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی صرف حق سبحانہ و تعالیٰ کے جلال کی ہیبت اور جمال کے آثار اور شان کبریائی کا رعب باقی رہ جائے گا۔ اور یہ باری تعالیٰ کی مخصوص رحمت و شفقت اور فضل کے بغیر (جو بندوں پر ہوگا) مرتفع نہ ہوں گی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کبریائی کا پردہ رویت سے مانع ہوگا

اور باری تعالیٰ اس کو بھی اٹھا کر بندوں پر احسان فرمائیں گے۔ اور رویت ہو جائے گی۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہو گیا مومنین کے جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جانے کے بعد جلال باری کی ہیبت کے علاوہ کوئی دوسری چیز رویت میں حائل نہ ہوگی اور باری تعالیٰ اعزاز خصوصی کے بہ نیت عنظر اپنی مخصوص رحمت و شفقت اور فضل سے مومنین کو اپنی رویت کی قوت عطا فرمائیں گے۔ (ارشاد الساری)

اور امام نووی فرماتے ہیں تمام علماء اہل سنت کے نزدیک رویت باری ممکن ہے اور آخرت میں واقع ہوگی اور یہی رویت دنیا میں ممکن ہے مگر تمام متقدمین و متاخرین علماء کے نزدیک وقوع دنیا میں نہیں ہوگا (المرقات) واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ منصور علی حنفی دہلوی۔ سید مولوی نذیر حسین۔ سید شریف حسین

دنیا میں موجودہ آنکھوں سے بحالت بیداری رویت باری ناممکن ہے شرعاً۔ جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے قول باری ہے۔

لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار — اس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی۔ — موسیٰ نے فرمایا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا میں تجھ کو دیکھوں۔ باری تعالیٰ نے فرمایا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔

واللہ اعلم وعلمہ احکم۔ سید احمد حسین۔ محمد عبدالحمید۔ محمد حبیب

ھوالمصوب:۔ دنیا میں بحالت بیداری ظاہری آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار کرنا بغیر کسی تاویل کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کسی کو حاصل نہیں اور جو شخص بھی دعویٰ کرے وہ کاذب ہوگا۔ عبدالوہاب شعرانی کتاب الیواقیت و الجواہر میں عقائد اکابر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فان قیل ھل وقعت رویۃ اللہ یقظۃ فی الدنیا لاحد غیر الرسول ﷺ فالجواب کما قال لہ الشیخ عبدالقادر الجیلی لم یبلغنا وقوع ذالک فی الدنیا لاحد غیر رسول اللہ فقیل لہ ان فلانا یزعم انہ یری اللہ بعینی راسہ فارسل الشیخ خلفہ وقال احق ما یقول ھو؟ لا وانہ فقال نعم فانتھرہ الشیخ وزجرہ واخذ علیہ العھدان لا یعود

اگر سوال کیا جائے کیا دنیا میں بحالت بیداری غیر رسول اللہ ﷺ کے لیے خدا کا دیدار ہو سکتا ہے تو اس کا جواب شیخ عبدالقادر جیلی نے دیا ہے۔ دنیا میں اس کے وقوع کی ہم کو کوئی اطلاع نہیں ہے سوائے رسول اللہ کے۔ پھر ان سے کہا گیا کہ فلاں تو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ کو اپنے چہرہ میں لگی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ایک شخص کے ذریعہ اس کو بلایا اور پوچھا یہ لوگ تیری طرف سے جو بات کہتے ہیں کیا سچ ہے۔ اس نے اقرار کیا۔ اس پر شیخ نے اس کو جھڑکا اور دھمکایا اور آئندہ کے لیے منع فرمایا۔ انتہیٰ۔

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

اما رؤیۃ الحق لغیر نبینا فمنعھا جمہور العلماء واستدلوا لھذا الامر بقولہ لا تدرکہ الابصار۔

حق کا دیدار غیر نبی کریم ﷺ کے لیے جمہور علماء کے مسلک کے مطابق منع ہے اور علماء نے استدلال کیا اس قول باری کو آنکھیں اسکو نہیں پا سکتیں۔

وبقوله لموسیٰ (لن ترانی) و بقوله صلی اللہ علیہ وسلم لن یریٰ احدکم ربہ حتی یموت رواہ مسلم فی کتاب الفتن۔

اور قول باری سے جس میں موسیٰ کو خطاب ہے (تو ہرگز مجھ کو نہیں دیکھ سکتا) اور نبی کریم کے اس قول سے مرنے سے پہلے تم میں سے کوئی شخص اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الفتن میں بیان فرمایا

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لیلۃ المعراج میں دیدار باری واقع ہونے میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ مگر صحیح مسلک کا واقع ہونا ہے۔ واللہ اعلم۔
ابوالحسنات محمد عبدالحی)

موت کے بعد کسی نبی یا ولی کی اعانت شرعاً ثابت نہیں

سوال (۴۵) علمائے محققین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کسی نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا صالح کا بعد موت یا قبل موت کے کسی شخص کے سر پر آنا اور ان کی زبان پر کلام کرنا اور اس کی اعانت کرنا اسی طرح کسی بلکہ یا جن صالح کا کسی کے سر پر آنا اور اس کی زبان پہ کلام کرنا اور ذکر کسی دلیل شرعی سے ثابت ہے یا نہیں اور درصورت ثانیہ اگر یہ امر تجربہ سے ثابت ہو تو عقیدہ اس کا رکھنا مضر ہے یا نہیں اور اس کے تجربے کا کوئی طریقہ صحیح ہے یا نہیں ہر ایک امر کا جواب بحوالہ کتاب معتبر بتفصیل و توضیح تحریر فرمائیے۔

جواب:۔ مذکورہ بالا صورت کسی دلیل شرعیہ سے ثابت نہیں۔ یہ بات بالکل لغو ہے اور ایسے امور کا قائل واہی ہے جس کا قول سننے کے قابل نہیں۔ البتہ شیاطین ایسے کام کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے۔ قولہ تعالیٰ الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس الآیۃ۔ سود خوار نہیں اٹھیں گے۔ مگر جس طرح اٹھتا ہو وہ شخص جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپیٹ کر انتہی۔ واللہ اعلم

حررہ سید شریف حسین ۔ سید محمد نذیر حسین۔

ھوالمصوب:۔ سر پر جن کا آنا شرعاً اچھی طرح سے ثابت ہے اور یہ مخصوص شیطان جن ہی کے ساتھ نہیں بلکہ صالح جن سے بھی کسی خاص وجہ سے ایسے امور ہوا کرتے ہیں جیسا کہ کتاب آکام المرجان فی احکام الجان اور لقط المرجان فی اخبار الجان کے دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اگر کسی نبی یا صدیق اور شہید یا ولی کا سر پر آنا اگر یہ فی نفسہٖ ممکن تو ہے مگر اس کے وقوع کی تصدیق سخبہ سے خالی نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر اس مسئلہ میں کافی دوافی ہے جس کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا تصرف مخلوقات میں سے ملائکہ اور جنات کو حاصل ہونا کثیر ہے اور بنی آدم کی ارواح کے لئے خلاف عادت۔ اولیاء اللہ کے بارہ میں اس قسم کے قصے منقول ہیں۔ خود حضرت شیخ اکبر نے اس سلسلہ میں کافی واقعات نقل کئے ہیں اور بنی آدم کی روحوں کا ملائکہ اور جنات کی روحوں کے ساتھ اس مسئلہ میں مشترک ہو جانا عیب اور نقصان کا سبب نہیں ہو سکتا کیونکہ اشکال مختلفہ کے ساتھ متمثل ہونے میں خود ملائکہ اور جنات کا باہم مشترک ہونا ثابت ہے اور اولیاء اللہ سے بھی بہت زائد منقول ہے۔ سید علی ہمدانی وغیرہ کا جاہل غزل دان قصہ بھی اسی قبیل سے ہے جو ملائکہ اور اولیاء کے واسطے باعث عیب نہیں ہو سکتا۔ اگر شیاطین کو بھی کسی وقت

نشاط طبعی کی وجہ سے ملائکہ اور اولیاء کے ساتھ مشابہت ہو جائے تو کوئی استحالہ نہیں کیونکہ ہر ایک جنس کے نیک و بد آپس میں بہت سی باتوں میں شریک ہوتے ہیں البتہ فرق ضرور رہتا ہے کہ شیاطین جیسے شیخ سدو وغیرہ اس تصرف کو بنی آدم کو اغوا کرنے اور خود اپنی عبادت کرانے کے واسطے کرتے ہیں اور مقدس ارواح کسی علم کے القاء اور اچھی کیفیت پیدا کرنے کے لیئے یہ تصرف کرتی ہیں اور اکثر نیک و بد کا فرق ان کی اچھی اور بری نیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے اور ارواح مقدسہ کے اس عمل کی مشابہت شیاطین میں سے شیخ سدو وغیرہ کے اعمال کے ساتھ صوفیاء کرام کے نزدیک کوئی مستبعد نہیں مگر علماء حضرات شیاطین کے اس قسم کے تصرف کو تلبیسات پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ تصرف اجماع سے ثابت ہے اور یہ وحی میں بھی تصرف کرتے ہیں اور کبھی کبھی کسی بزرگ کا نام بھی رکھ دیتے ہیں تاکہ کوئی انکار نہ کرے بلکہ تعظیم سے پیش آئے اور ان کے کلام کو توجہ سے سنیں اور تصوف وغیرہ کے مسائل و مضامین کو سمجھنا شیاطین و جنات کے لیئے بہت سہل ہے۔ البتہ بعض شیاطین ایسی تصرف سے کھلم کھلا اغوا کا ارادہ کرتے ہیں اور ان کی تلبیس خواص کے سامنے نہیں چلتی اور بعض جن تعلیم و ہدایت کے پردہ میں اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس تلبیس میں خواص بھی عوام کی طرح مشتبہ کرنے لگتے ہیں۔ اور ایام جاہلیت میں بعض لوگوں پر اس قسم کا تصرف ہوا ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اور علماء ظاہریہ کی اس دعویٰ پر دلیل یہ ہے کہ باوجودیکہ یہ تصرفات جنات اور شیاطین کرتے ہیں۔ اگر بفرض محال ہم یہ کہیں کہ انبیاء، اولیاء، صلحاء کی پاک روحیں بھی یہ تصرف کرتی ہیں تو تلبیس عظیم لازم آئے گی۔ اور فرقۂ باطنیہ کے لیئے ممکن ہوگا کہ ہر شخص اپنے بارہ میں روح مقدسہ کے ظہور کا دعویٰ کرنے لگے اب ان کے افعال و اقوال کا انکار مشکل ہوگا بلکہ اہل حق کو ساکت ہونا پڑے گا اور جو قصے اولیاء اللہ کے مثلاً اوحدالدین کرمانی کے نفحات میں اور دوسرے لوگوں کے فتوحات میں منقول ہیں وہ تمام زندہ حضرات ہیں کہ ان حضرات نے دوسرے زندہ لوگوں کے قلوب میں تصرف کرکے ان کو بالکل معطل کر دیا اور ان کی جگہ خود کلام کیا لیکن یہ محل اشتباہ نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص بحالت حیات روح کے ظہور کا دعویٰ کرتا ہے اور کوئی قول و فعل اس سے صادر ہوتا ہے تو اس کی طرف رجوع کرکے اپنے شبہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف ان ارواح کے جو برزخ میں ہیں یا ملائکہ و اہل تصرف کے۔ بس صحیح طریقہ یہ ہے کہ تصوف کے قاعدہ کے مطابق کسی ممکن کا انکار نہ کرنا چاہیئے اور وجودکہ محل اشتباہ ہے اس کو مسلم نہ رکھنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔

غوث اعظم کا ہر مقام سے ندا سننا۔

سوال (۵۵) اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہر مقام سے ندا دینے والے کی آواز کو سن لیتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ یہ عقیدہ اہل اسلام کے خلاف بلکہ شرک کے مترادف اور برابر ہے۔ ہر شخص کی ندا کو ہر جگہ سے اور ہر وقت سننا یہ صرف پروردگار عالم کے ساتھ خاص ہے اور کسی مخلوق میں یہ صفت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

محرم میں ذکر شہادت

سوال (۵۶) ماہ محرم میں خصوصاً یوم عاشوراء کو شہادت حسنین علیہما السلام کا ذکر، فضائل صبر، محاسن شہداء

کا بیان کرنا، سینہ کوبی، نوحہ اور دیگر مروجہ بدعات سے روکنا اور فضائل استرجاع احادیث صحیحہ اور سر الشہادتین کی روایات کے مطابق بیان کرنا کیسا ہے۔ بعض لوگ ذکر شہادت کو حرام کہتے ہیں اور اپنی دلیل میں امام غزالیؒ اور مولوی محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی عبارتوں کو پیش کرتے ہیں، امام غزالیؒ کی عبارت یہ ہے:۔

یحرم علی الواعظ روایۃ قتل الحسنؓ و الحسینؓ وحکایۃ ما جری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج الی بغض الصحابۃ والطعن فیھم

واعظ کے لیے حرام ہے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے قتل کے واقعات کو بیان کرنا اور صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف اور مخاصمہ کا ذکر کرنا کیونکہ اس کی وجہ سے صحابہ کرام کے متعلق بغض پیدا ہوگا اور لوگ طعن کریں گے۔

صراط مستقیم میں ہے:۔

ذکر قصہ شہادت بشرح وبسط وعقد مجلس کردن بایں قصہ کہ مردم بشنوند وتاسفہا نمایند وحسرتہا فراہم آرند وگریہ وزاری کنند ہر چند در نظر ظاہری خللے دراں ظاہر نمی شود۔

اما فی الحقیقت مذموم ومکروہ ست تا آخر ایں قول کہ ہمہ بالکل مطرودان ومردودان آنجناب اند انتہی

قصہ شہادت بالتفصیل بیان کرنا اور اس ارادہ سے مجلس منعقد کرنا تاکہ لوگ سن کر اظہار حسرت وافسوس کریں اور خوب روئیں دھوئیں اگرچہ ظاہری اعتبار کر اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوتی۔

لیکن حقیقت میں بہت ہی برا اور مکروہ ہے اور آخر میں جا کر یہ کہا ہے ایسے اشخاص باری تعالیٰ کی درگاہ سے راندہ اور مردود ہیں۔ انتہی۔

اس سوال کا جواب اور دونوں عبارتوں کا مطلب بالتفصیل بیان فرمائیں۔ توجروا بالثواب الجمیل۔

جواب:۔ امام حسینؓ کے ذکر شہادت کی چند صورتیں ہیں:۔

(۱) واعظ اور تمام شرکاء مستقل مجلس ماتم منائیں اور شیعوں کی طرح کپڑے پھاڑلیں اور دوسرے برے کام کریں ایسی صورت میں وعظ کرنے اور مجلس منعقد کرنے کے حرام ہونے میں شک وشبہ نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:۔ ان یشتغل فی یوم عاشوراء ببدع الرفضۃ من الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذلک واحری

اور ابو المرجاء مختار بن محمود زاہدی برہان الدین بخاری سے نقل کرتے ہیں:۔

قتل حسینؓ کے ذکر کے وقت یوم عاشوراء میں مصیبت پر افسوس کرنے کے لیے واعظ کا کپڑے پھاڑنا، لوگوں کے خیمے خیام کا حکم دینا اور قائلین کا طعن تشنیع کرنا کیسا ہے۔ کیا حاکموں پر ایسے لوگوں کو تنبیہ کرنا واجب ہے یا نہیں۔ اس پر برہان الدین بخاری نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو اس کام سے روکا جائے گا۔

(۲) واعظ ذکر امام کو احادیث موضوعہ اور جھوٹے واقعات سے بیان کرے اور اپنے وعظ میں اہل اسلام کی توہین اور اسلاف پر اتہام لگائے اس صورت میں بھی حرمت میں کوئی شک نہیں اور امام غزالیؒ نے اسی ذکر کو حرام کہا ہے جیسا کہ ابن حجر کے کلام

سے جو صواعق میں ہے ظاہر ہوتا ہے۔

ویحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ قتل الحسن والحسین وحکایۃ ما جری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یہیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیہم والطاعن فیہم مطعون طاعن فی نفسہ ودینہ

امام غزالیؒ نے حسنینؓ کے قتل اور دوسری چیزوں کی حرمت کے بارہ میں جو کچھ لکھا وہ بالکل صحیح ہے اور یہ امر بجانبِ حق کے مخالف نہیں ہو سکتا جس کا اعتقاد رکھنا واجب ہے مثلاً صحابہؓ کی جلالت اور ان کا تمام نقائص سے بری ہونا مگر آجکل کے واعظین جھوٹی اور موضوعہ حدیثوں کو بیان کرتے ہیں اور صحیح مجمل اور حق بات کو بیان نہیں کرتے جن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور ان کے اس عمل سے لوگ صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرنے لگتے ہیں اور برے خیالات قائم کر لیتے ہیں۔ ملا احمد رومی رح مجالس الابرار میں ذکر کرتے ہیں۔

القاص الذی یذکر الناس قصۃ القتل یوم عاشوراء یخرق ثیابہ ویکشف رأسہ ویامرھم بالقیام والتشنیع تاسفا علی المصیبۃ۔

قاص وہ شخص ہے جو لوگوں سے عاشوراء کے دن قتل کا قصہ بیان کرتا ہے اور مصیبت پر اظہار افسوس کرنے کے لیے کپڑے پھاڑتا اور سر کھول دیتا ہے۔ لوگوں کو قیام کا اور قاتلین پر طعن و تشنیع کا حکم کرتا ہے۔

یجب علی ولاۃ الدین ان یمنعوھم والمستمعون لا یعذرون فی الاستماع۔

دین کے حاکموں پر واجب ہے کہ ان کو منع کریں اور سننے والوں کو معذور نہ سمجھا جائے گا سننے میں۔

امام غزالیؒ نے دوسری جگہ فرمایا کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلاف بیان کرنے سے لوگ ان پر طعن کرتے ہیں اس لیے یہ حرام ہے۔ فرماتے ہیں:-

وتلقی ائمۃ الدین عنہم وتلقینا عنہم فالطاعن فیہم طاعن فی نفسہ ودینہ

ہمارے دین کے ائمہ نے ان سے علوم حاصل کیے اور ہم نے ان ائمہ سے پس ان کو طعن کرنے والا حقیقت میں خود اپنی ذات کو اور دین کو طعن کرنے والا ہے۔

وقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی ومن احبہم فبحبی احبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم ومن اذاھم فقد اذی اللہ تعالی او کما قال

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے اصحاب کے بارہ میں خدا سے ڈرو میرے چلے جانے کے بعد میرے اصحاب کو نشانہ مت بناؤ اور جو شخص ان سے محبت کرے سو میری محبت کی وجہ سے، اور جو ان سے بغض رکھے سو میرے بغض کی وجہ سے اور جس شخص نے ان کو تکلیف پہنچائی درحقیقت اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی۔

پس اس وجہ سے صحابہ کرام کی تعظیم اور ان کا ذکر خیر کرنا اور طعن و تشنیع سے زبان کو روکنا ہر مسلمان پر واجب ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کی شہادت سے بہت سے فتنے پھیل گئے اور جھوٹے واقعات مشہور ہو گئے۔ نفسانی خواہشات اور بدعات کا زور ہو گیا۔ انتہی کلام الغزالی۔

امام غزالیؒ کی یہ عبارت صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ مطلق ذکرِ قتل حرام نہیں ہے بلکہ وہ ذکر حرام ہے جو جھوٹے واقعات پر مبنی ہو۔ کیونکہ حرمت کی جو دلیل یعنی صحابہ کرامؓ کے بارہ میں بغض وطعن کا پیدا ہونا امام غزالیؒ نے پیش کی وہ اسی صورت میں ثابت ہو سکتی ہے جبکہ اس ذکر میں جھوٹے واقعات ہوں اور اگر روایاتِ صحیحہ کی روشنی میں ذکر کیا جائے تو پھر صحابہ کرامؓ کے بارہ میں اس قسم کے شبہات وخیالات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور اگر اس عبارت سے مطلق ذکر کو حرام قرار دیا جائے تو پھر دلیل و دعویٰ میں مطابقت نہ رہے گی۔ اور یہ ناجائز ہے۔

(۳) واعظ محض ذکرِ شہادت کے لیے کوئی ایک دن مخصوص کرکے رافضیوں کی طرح مجلس منعقد کرے یہ صورت بھی رافضیوں کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں۔ اسی وجہ سے جامع الرموز میں ہے:۔

ان اراد ذکر قتل الحسین ینبغی ان یذکروا ولا قتل سائر الصحابة لئلا یتشابه الروافض۔

اگر قتلِ حسینؓ کے تذکرہ کا ارادہ ہو تو اس سے پہلے تمام صحابہؓ کی شہادت کا ذکر ہونا چاہیے تاکہ روافض کیساتھ مشابہت نہ ہو۔

اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی عبارت جو سوال میں منقول ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

(۴) ذکرِ شہادت احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں کیا جائے اور اس میں ایسی افراط وتفریط نہ ہو جو اہلِ اسلام کی اہانت یا بعض صحابہؓ سے بغض کا سبب بنے اور روافض کی طرح کوئی دن معین نہ ہو دیگر رسومات سے بھی پاک ہو جس کی غرض مصائب کا ذکر اور استرجاع ہو اور یہ جائز ہے۔ مجالس الابرار میں ہے۔ فاطمہ بنت حسین اپنے والد سے روایت کرتی ہیں:۔

ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مسلم یصاب بمصیبة فیذکرها وان قدم عهدها فیحدث لها الاسترجاع الا کتب اللہ له اجرہ مثلها یوم اصیب وهذا الحدیث رواہ الحسین وعنه بنته فاطمة۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بھی کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آتی ہے اور باوجود زمانہ دراز گذر جانے کے وہ اس کو یاد کرکے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتا ہے تو باری تعالیٰ اس کو اجر دیتے ہیں جیسا کہ اجر دیتے ہیں خاص مصیبت کے دن پڑھنے والے کو۔ اس حدیث کو حسینؓ نے روایت کیا اور ان سے ان کی صاحبزادی فاطمہؓ نے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کے علم میں تھا کہ حسینؓ پر نازل ہونے والی مصیبت کو زمانہ دراز تک یاد کیا جائے گا تو اس مصیبت کے ذکر کے وقت استرجاع کی سنت کو جاری کرنا محاسنِ اسلام میں سے ہوگا اور ہر ایک آدمی کو استرجاع پر وہی اجر ملے گا جو خاص اسی دن پڑھنے والوں کو ملے گا۔ انتہیٰ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

طعام چہلم وششماہی وبرسی وغیرہ۔

سوال (۷۵) چہلم، برسی اور ششماہی کھانا جو برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جامع البرکات میں فرماتے ہیں:۔

ہمارے اطراف میں چہلم کا کھانا اسی طرح ہر سال یا چھ مہینے کے بعد جو کھانا پکا کر برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے جس کو بھاجی بھیجو کہتے ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اس کا نہ کھانا بہتر ہے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

فاتحہ مروجہ

سوال (۵۸) موجودہ زمانہ میں جو فاتحہ مروج ہے کہ کھانے کو سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر کچھ پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ موجودہ طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا اور نہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں بلکہ جن تین قرون کے بارہ میں آپ نے خیر ہونے کی شہادت دی ان تینوں میں اس کا ثبوت نہیں ملتا اور اس زمانہ میں بھی حرمین شریفین میں خواص کی عادت یہ نہیں ہے اور اگر کوئی اس خاص طریقہ سے کرتا ہے تو اس کا یہ فعل حرام نہ ہوگا مگر اس کو ضروری سمجھنا برا ہے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھنا چاہیں اس کا ثواب میت کو پہنچا دیں اور کھانے کو صدقہ کی نیت سے فقراء کو دیدیں اور پھر اس کا ثواب بھی میت کو پہنچا دیں

احکام سوئم

سوال (۵۹) تیسرے یا پانچویں دن بلانے سے یا بغیر بلائے چند آدمی جمع ہو کر ختم قرآن مجید آہستہ یا بلند آواز سے کرتے ہیں اور پیالہ میں خوشبو ڈال لیتے ہیں اور سوم کی دوسری خصوصیات کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔

جواب: تیسرے یا پانچویں دن کو خاص کر لینا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں ثابت نہیں ہے۔ نصاب الاحتساب کے مصنف نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تخصیص و تعیین نہ کریں جس دن بھی چاہیں میت کو ایصالِ ثواب کر دیں۔ کیونکہ مردہ ابتدائی تمام ایام میں ثواب کا زیادہ محتاج ہوتا ہے تو جس دن بھی ایصالِ ثواب ہوگا مفید ہوگا جیسا کہ فتح العزیز میں ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سفر السعادت کی شرح میں فرماتے ہیں۔ یہ عادت نہ ہونی چاہیئے کہ نماز کے اوقات کے علاوہ کسی دوسرے وقت میت کے ایصالِ ثواب کے لیئے نہایت اہتمام کے ساتھ جمع ہو کر ختم قرآن کریں، قبر پر اور نہ کسی دوسری جگہ کیونکہ یہ بدعت ہے اور مکروہ۔ البتہ میت کے عزیز و اقارب کو تسلی دینا، صبر کی تلقین کرنا سنت ہے اور مستحب۔ مگر یہ اجتماع خاص تیسرے دن کرنا اور دوسرے تکلفات و اضاعت مال وغیرہ یتیموں کے حق میں ہے، بدعت ہے اور حرام

عرس کرنا

سوال (۶۰) ایک سال کے بعد عرس کے لیئے دن متعین کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ تفسیر مظہری میں ناجائز کہا گیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے شیخ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ عرس سلف صالحین کے زمانہ میں نہ تھا۔ بلکہ متاخرین کی ایجاد ہے، اثبت بالسنۃ میں بھی یہی ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنے بعض مکاتیب میں تحریر فرماتے ہیں۔ عرس کا دن اس لیئے ہوتا ہے تاکہ دارالعمل سے دارالثواب کی طرف منتقل ہونے کا دن یاد رہے ورنہ ہر روز کہ یہ عمل اس میں واقع ہو فلاح و نجات کا سبب ہے۔ علامہ ابن جریر محمد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں:۔

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور شھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔

محمد ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء کی قبور پر تشریف لاتے اور فرماتے سلامتی ہو تم پر بدلہ میں اس کے کہ تم نے صبر کیا، سو آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔

عرس کا کھانا

سوال (۶۱) عرس میں جو کھانا پکا کر مسلمانوں کی دعوت کی جاتی ہے اس کا کھانا کیسا ہے؟

جواب:۔ جو کھانا مہمانی کی نیت سے ہو اس کا کھانا ہر ایک غریب و امیر کے لیے جائز ہے اور جو کھانا صدقہ کی نیت کر ہوتا کہ اس کا ثواب میت کو پہنچے فقیر کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ صدقہ فقیروں کے لیے ہوتا ہے۔ اور ہدیہ غنی کے واسطے۔ جامع البرکات میں بھی یہی ہے۔

ذبیحہ بنام پیر

سوال (۶۲) سید احمد کبیر کے نام پر گائے اور شیخ سدو کے نام پر بکرا ذبح کرنا حلال ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اس ذبیحہ کا مقصد قرب الٰہی کا حصول یا کسی کو ایصالِ ثواب ہو تو حلال ہے اور اگر غیر اللہ کا قرب اور محض مذبوح کی جان لینا منظور ہو گوشت کھانا مقصد نہ ہو یا ایصالِ ثواب مقصود ہو مگر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہ لیا جائے تو اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ وما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو حلال قرار دیا۔ تفسیر احمدی میں ہے:۔

ومن ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا لہ۔

اسی آیت سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جس گائے کی نذر کسی ولی کے نام پر مانی گئی ہو جیسا کہ موجودہ زمانے کی رسم ہے وہ حلال ہے۔ کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اگرچہ نذر مانی تھی غیر اللہ کے لیے انتہی

اور ایک جماعت اس کو حرام کہتی ہے۔ نیشا پوری کی تفسیر میں ہے:۔

قال العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد۔

علماء کا مسلک ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کوئی جانور ذبح کرے تو وہ شخص مرتد ہو اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور مرتد کے ذبیحہ کے مانند ہے۔ انتہی۔

امام رازیؒ نے اپنی تفاسیر میں اس کو صراحتاً بیان فرمایا۔ اور تمام فقہاء بھی اس کی حرمت کو بیان کرتے ہیں۔ درمختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوہ لواحد من العظام یحرم لانہ اُھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ ولو ذبح للضیف لایحرم لانہ سنۃ الخلیل واکرام الضیف اکرام اللہ تعالی والفارق بینہما ان قدمہا لیاکل منہا کان الذبح للہ والمنفعۃ للضیف او للولیمۃ۔ وان لم یقدمہا لیاکل منہا بل یدفعہا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم۔ وھل یکفر قولان۔ انتہی الاشباہ والنظائر۔ فتاوی عالمگیریہ میں بھی ایسے ہی ہے۔

سانڈ کا حکم

سوال (۶۳) ہندو بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑتے ہیں وہ حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ جانوروں کو آزاد چھوڑنے سے مالک کی ملکیت باطل نہیں ہوتی ایس اگر مسلمان اس کے مالک سے اجازت

لے کر جائز طریقہ پر ذبح کرے تو حلال ہوگا ورنہ حرام ہوگا حق غیر کے تعلق اور غصب کی وجہ سے بتوں کے نام کا کوئی اثر نہیں۔

بت کے نام پر جانور ذبح کرنا۔

سوال (۶۴) ہندو لوگ ضحی بکرا بتوں کے نام نذر مان کر ان کے پجاریوں کو ہبہ کر دیتے ہیں۔ ایسے جانور کو خدا کے نام پر ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ طریقہ اسلام سے پہلے بھی مروج تھا، ایسے تمام باطل طریقوں کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی جانور کو بحیرہ (جس جانور کا دودھ بت کے نام کر دیا جائے) اور نہ کسی کو سائبہ (وہ جانور جو بت کے نام پر چھوڑ دیا جائے) مقرر نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی نذر اپنی ایجاد ہے اس کا مقصد محض ان بتوں کے نام کی نذر ماننا ہے۔ جانور کا ذبح وغیرہ مقصود نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان اس کے اصل مالک سے اجازت لے کر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو کوئی حرج نہیں البتہ بغیر اجازت کے حق غیر کی وجہ سے حرام ہوگا۔

چراغ جلانے کے وقت دعا کرنا

سوال (۶۵) چراغ روشن ہونے کے وقت مذکورہ دعا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں۔ اللہ الٰہنا ومحمد نبینا والاسلام دیننا والکعبۃ قبلتنا والقرآن امامنا والمؤمنون اخواننا۔

جواب:۔ یہ مخصوص دعا روایت چراغ کے لیے حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری اور روز و شب کی دعائیں حصن حصین اور دوسری کتابوں میں مدون ہیں۔ البتہ اس دعائے مذکورہ کا کوئی لفظ غیر مناسب بھی نہیں کہ پڑھنے میں کوئی ضرر ہو اور روایت چراغ کا وقت متعین کرنے میں کوئی خاص فائدہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔

تعزیہ بنانا

سوال (۶۶) امام مظلوم کا تعزیہ بنا کر گھر میں رکھنا اور اس کا احترام کرتے ہوئے آہ وبکا کرنا اور دوسرے افعال قبیحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ عشرہ محرم یا اس کے ماسوا کسی بھی وقت تعزیہ وعلم و دلدل وغیرہ بنانا بدعت ہے جس کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر تابعین تک نہیں ملتا۔ یہ تمام چیزیں خود اپنی ایجاد اور مقرر کردہ ہیں جن کا احترام کرنا بتوں کی پرستش کے مشابہ ہے کسی نئے ایجاد کردہ کام کو دین میں داخل کرنا، فخر اور اجر و ثواب کا سبب سمجھنا تعجب اور حیرت ہے ثواب و عقاب کا معاملہ توقیفی ہے۔ شریعت جو حکم دیدے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

طبرانی کی روایت ہے:۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث حدثا او آوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ لا یقبل اللہ منہ

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص دین میں کسی کام کو ایجاد کرے یا ایجاد کرنے والے کو پناہ دے تو ایسے شخص پر خدا اور رسول ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے آدمی

صرفا ولا عدلاً۔ کے کسی نیک کام کو بھی قبول نہیں فرماتے

بخاری میں ایک روایت ہے حضرت عائشہؓ سے ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی کام نیا ایجاد کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے او کما قال ؑ

مسلم میں روایت ہے ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اپنی طرف سے ایجاد کردہ امور سب سے بُرے ہوتے ہیں اور ہر ایک بدعت گمراہی کا سبب ہوتی ہے او کما قال۔ انسان کی ایسی تمام ایجاد کردہ صورتیں قابل ازالہ ہیں حدیث شریف میں ہے

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (مسلم)

جو شخص تم میں سے کسی بُرے کام کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے کہدے اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں نفرت کرے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے (مسلم)

اور جو حدیث کفایہ شعبی میں ہے جس سے جاہلوں نے استدلال کرکے تعزیہ کے جواز کو ثابت کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے شعبیؒ اپنی کتاب کفایہ میں فرماتے ہیں:۔

ان رجلا جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ والحور العین فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبل رجل الام ووجھا وجبھۃ الاب ویری انہ قال یارسول اللہ ان لم یکن لی ابوان فقال قبل قبرھما قال فان لم اعرف قبرھما قال خط خطین وانوبان احدھما قبرالام والاخر قبرالاب فقبلھما فلا تحنث فی یمینک۔ کذا فی کنز العباد

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں جنت کے دروازہ اور حور عین کو بوسہ دوں گا۔ آپؐ نے اس کو حکم دیا کہ اپنی ماں کے چہرہ اور پاؤں اور باپ کی پیشانی کو بوسہ دے۔ اس پر اس نے کہا اگر میرے والدین ہی نہ ہوں، تو آپؐ نے فرمایا کہ دونوں کی قبروں کو بوسہ دے۔ پھر اس شخص نے کہا اور اگر مجھ کو قبروں کا بھی علم نہ ہو تو اس پر آپؐ نے فرمایا دو خط کھینچ ان میں سے ایک کو ماں کی قبر اور دوسرے کو باپ کی قبر سمجھ کر بوسہ دے تاکہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوسکے، کنز العباد میں بھی اسی طرح ہے

یہ روایت اولاً تو معتبر نہیں اس کے علاوہ حدیث میں والدین کی قبر کے نامعلوم ہونے کی صورت میں حکم ہے اور حضرت امامینؓ کی قبر معلوم ہے اور ایسی صورت میں قبر مصنوعی کی زیارت کرنے کے کیا معنی۔ جیسا کہ تحری اسی صورت میں ہوتی ہے جبکہ قبلہ مجہول ہو۔ اور اگر معلوم ہونے کی صورت میں مصنوعی قبر کی زیارت باعث ثواب ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصنوعی قبر اور مصنوعی کعبہ کی زیارت، مصنوعی عرفات کا قیام بھی جائز ہونا چاہیئے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں اور اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ اس واسطہ سے حضرت امامین کی یاد تازہ ہوتی ہے تو دوستو یاد رکھنا چاہیئے۔ ہر کام کا طریقہ وہی پسندیدہ ہوتا ہے جو شریعت محمدی میں جائز ہو۔ جیسا کہ نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰؑ کی یاد میں چلیپا (صلیب کا نشان) بناتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ اور اس علت کا مستحب ہونا شریعت محمدیہ میں ثابت نہیں ہے اور کوئی ہمارا قاعدہ اس پر دلالت بھی نہیں کرتا۔ ہاں البتہ اگر کوئی شے کسی فعل مستحب کے لیے موقوف علیہ تام ہو اور وہ بھی افعال اختیاریہ میں سے تو مستحب ہے۔ مگر یہ

تعزیہ کربلا کے مصائب یاد دلانے کے واسطے موقوف علیہ تام نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر تعزیہ کے بھی بہت سے لوگ آہ وبکا سینہ کوبی اور دوسری ممنوعہ خرافات کرتے ہیں اور حدیث شریف میں نوحہ کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے مجمع البرکات میں ہے

ویکرہ للرجل تسوید الشباب و تمزیقھا للتعزیۃ واما تسوید الخدود والایدی وشق الجیوب و خدش الوجوہ ونشر الشعور ونثر التراب علی الرؤس والضرب علی الصدر والفخذ وایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاھلیۃ والباطل۔

تعزیہ دیکھنا

سوال (۶۷) بغیر اعتقاد کے محض تماشائی طریقہ پر تعزیہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ تعزیہ دیکھنے میں کیا تماشا ہے کسی بدعت کے کام کو نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ بدعت کو تو ہر ایک کام کو ہو سکے ہاتھ سے اور نہیں تو زبان سے رد کرنا چاہیئے۔ اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے نفرت کرے اور یہ سب سے ضعیف ایمان کی علامت ہے۔

تعزیہ سے مراد مانگنا

سوال (۶۸) تعزیہ سے مراد مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں، کیونکہ وہ نہ تمہاری بات سنتا ہے اور نہ تمہاری حالت دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے بلکہ اگر تعزیہ کے بارہ میں یہ اعتقاد ہو کہ وہ خود مراد پوری کر سکتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے۔

تعزیہ کا چبوترہ

سوال (۶۹) امام کا چوک اور چبوترہ قابل تعظیم ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قابل تعظیم نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے شریعت محمدیہ میں کوئی اثر نہیں ہوا اور خود ساختہ چیز کو قابل تعظیم سمجھنا بیوقوفی ہے

مجلس میلاد شریف

سوال (۷۰) ربیع الاول یا اس کے علاوہ کسی بھی مہینہ میں مجلس میلاد النبی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سرور انبیاء کی ولادت کا ذکر جو لاکھوں برکتوں اور مسرتوں کا سبب ہے وہ بغیر کسی وقت کی خصوصیت کے ہر مسلم کے رگ و ریشہ میں جاگزین ہو۔ ابولہب کی باندی ثوبیہ جب خبر ولادت لے کر جاتی ہے تو وہ خوشی سے سرشار ہو کر اس کو آزاد کر دیتا ہے اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے خواب میں اس کا حال پوچھا۔ ابولہب جواب میں کہتا ہے موت کے دن سے برابر عذاب میں مبتلا ہوں، مگر دوشنبہ کی رات میں آں حضرتؐ کی ولادت سے خوش ہونے کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی سے ابولہب جیسے بدبخت کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے تو اگر آپؐ کا ایک امتی جو ولادت سے خوش ہو کر اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو کیوں اعلیٰ مرتبہ پر نہ پہنچے گا۔

محدث ابوالفرج ابن جوزیؒ اور شیخ عبدالحق دہلویؒ وغیرہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ پس اگر ولادت باسعادت یا معجزات اور غزوات اور دیگر حالات کا تذکرہ درس و تدریس اور وعظ و تقریر میں کسی کے دعوت دیئے اور باقاعدہ مجلس منعقد کرنے کے بغیر کیا جائے تو اس سے بڑھ کر موجب برکت کیا ہو گا صحابہ کرامؓ اپنی مجالس کو آں حضرتؐ کے اسی قسم کے اذکار

سے انوارِ الٰہی کے نزول کا محل بناتے تھے۔ اور آپ کا ارشاد ہے اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی اقتداء کرلو گے ہدایت پاؤ گے۔

اور لوگوں کا خود بخود جمع ہو کر مجلس و محفل کی صورت اختیار کرلینا بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو یا ایک دوسرے کو دعوت کہ فلاں اور فلاں جگہ مجلس میلاد منعقد ہوگی سب لوگ اس میں شریک ہوں اس کا مرتبہ یہ ہے کہ اس قسم کا ذکر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام۔ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں نہیں تھا۔ کیونکہ ان سے کوئی روایت منقول نہیں جس سے پتہ چل سکے۔ اس لحاظ سے زمانہ موجودہ کی مجلسوں کو بدعت کہا جا سکتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں البدعۃ فی الشرع احداث مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدعت اس چیز کا نام ہے کہ شریعت میں ایسا کام ایجاد کرلینا جس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں نہ ہو۔

ملا علی قاری نے بھی شرح مشکوٰۃ میں یہ بھی فرمایا

مگر یہ چونکہ نیک کام ہے اور بظاہر سبب گناہ نہیں اور خوشی کے موقع پر اجتماع کی نظیریں شریعت میں ثابت ہیں بلکہ گاہ بگاہ حضرت بلالؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ کا گلی کوچوں اور بازاروں میں اعلان کیا کرتے تھے اس لئے علماء اس کی اجازت دیتے ہیں اور اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں جس کا فاعل مستحق ثواب ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بہا جس شخص نے دینِ اسلام میں کسی اچھے کام کی بنیاد ڈالی تو اس کو اس نیک کام کا ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کے ثواب کے برابر مزید ثواب ملیگا انتہی۔ ہر ایک بدعت مذموم نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ بعض بدعات تو واجب ہیں جیسے حدیث و قرآن سمجھنے کے لیے علم نحو کا سیکھنا۔ اور بعض حرام جیسے قدریہ اور مجسمہ کا مذہب اور بعض مستحب ہیں جیسے مدارس بنوانا۔ تراویح باجماعت پڑھنا۔ اور ہر وہ نیک کام جس کی نظیر ابتدائی دور میں نہ ملے۔ اور بعض بدعات مکروہ ہوتی ہیں جیسے مسجد کو سونے کے پانی سے مزین کرنا، نقش و نگار بنانا۔ اور بعض صرف جواز کے درجے میں ہیں۔ فراخی کے ساتھ کھانا پینا۔ اس تفصیل کے بعد کل بدعۃ ضلالۃ سے ہر ایک بدعت مراد نہیں ہوگی بلکہ یہ ایک خاص بدعت کا حکم ہے۔ محدثین نے اس کلیہ کو عام مخصوص منہ البعض مانا ہے۔ نیز اس تفصیل کے آجانے کے بعد تاج الدین فاکہانی کا مسلک بھی رد ہو جاتا ہے ان کا قول ہے:۔

لا جائز ان یکون عمل المولد مباحا لان الابتداع فی الدین لیس مباحا باجماع المسلمین۔

خیر القرون کے بعد کا ایجاد کردہ عمل جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ دین میں بدعت کو اختیار کرنا باتفاقِ مسلمین جائز نہیں ہے

بڑے بڑے صوفیاء اور مشائخ نے خواب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور دیکھا کہ آپ بہت سے بعد کے ایجاد کردہ اعمال سے راضی اور خوش ہیں۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔ وما جرب من خواصہ انہ امان فی ذلک العام وبشری عاجل بنیل البغیۃ والمرام۔ انتہی

اور اس کو بدعتِ سیئہ کہنا خلافِ شرع ہے۔ البتہ ہیئت، دن، تاریخ اور وقت متعین کرنے کی صورت میں یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ جس زمانہ میں بھی یہ عمل مستحب طریقہ پر کیا جائے گا تو باعث ثواب ہوگا۔ حرمین شریفین، بصرہ، یمن، شام اور

دوسرے شہروں کے رہنے والے ماہ ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشیاں مناتے ہیں۔ مالِ کثیر خیرات کرتے ہیں۔ ذکرِ ولادت بیان کرنے اور سننے اور مجالس منعقد کرنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ نیز ان شہروں میں دوسرے مہینوں میں اس قسم کی مجالس منعقد ہوتی ہیں اور یہ اعتقاد کر لینا کہ ماہ ربیع الاول میں تو ثواب ملے گا۔ دوسرے مہینوں میں نہیں یا اس مہینہ میں بنسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ ثواب ملے گا۔ شریعت میں اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ ثواب وعقاب کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے۔ ہاں البتہ اگر کسی شخص کو فرصت ہی اسی مہینہ میں ملتی ہے یا وہ ہر سال لوگوں کو دعوت دینے اور بلانے کی تکلیف سے بچنا چاہتا ہے یا کسی اور وجہ سے اس مہینہ کا کوئی خاص دن مقرر کر دے اور اس کو اعتقادِ مذکورہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور اسی وجہ سے درس یا وعظ کے لیے وقت مقرر کرنا جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا۔

قیامِ میلاد

سوال (۱۷) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے ذکر کے وقت قیام کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر کوئی شخص اس وقت وجد کی حالت میں بغیر تصنع اور ریا کے کھڑا ہو جائے تو وہ معذور ہے اور آدابِ مجلس کے لحاظ سے لوگوں کو اس کا اتباع کرنا چاہیے۔ لیکن بغیر وجد کے اپنے قصد واختیار سے کھڑا ہونا فرض ہے نہ واجب نہ سنتِ مؤکدہ اور نہ مستحب۔ کیونکہ یہ فعل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون کے دور میں ثابت ومنقول نہیں۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ روی انسؓ انہ کان الصحابۃ لا یقومون لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض الاحوال۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام بعض حالات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

لیکن حرمین شریفین کے علماء اور امام برزنجیؒ فرماتے ہیں کہ ولادت باسعادت کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا مستحسن ہے اور ایک دوسری جگہ ہے۔ خوش خبری ہے ان لوگوں کے لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم ان کا مقصد ومطلوب ہو۔

یا شیخ عبدالقادر کہنا

سوال (۲۷) اگر کوئی پیر اپنے مریدوں کو تعلیم دے کہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کو بطور دعا اور ورد کے مسلسل پڑھا کرو یہ قضاءِ حاجات کے واسطے مفید ہے۔ یا کوئی اس طرح تعلیم دے کہ یوں دعا کیا کرو یا شیخ عبدالقادر ہماری حاجتوں کے واسطے بارگاہ خداوندی میں دعا کرو تو ایسے تعلیم دینے والے کا کیا حکم ہے اور یہ دونوں قسم کے کلمات شرک کے کلمات تو نہیں ہیں۔ کیا شیخ عبدالقادر اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ ہر شخص کی فریاد کو سن کر پکارنے والے کے لیے دعا کریں اور اس کی فریاد رسی کریں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ اس قسم کے وظیفہ سے احتراز کرنا لازم وضروری ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ وظیفہ شیئاً للہ پر مشتمل ہے اور بعض فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے کفر کا حکم لگا دیا جیسا کہ درمختار میں ہے کذا قول شئ للہ قیل یکفر کہا گیا ہے کہ شیئاً للہ کہنے والے کی تکفیر کی جائے گی۔ اور اس کی وجہ بھی لکھی۔ تکفیر غالباً اس وجہ سے کی گئی کہ اس نے اللہ کے لیے شئ کو طلب کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء سے غنی و بے پرواہ ہیں بلکہ تمام اشیاء اس کی محتاج ہیں۔ اور مناسب ہے کہ عدمِ تکفیر کو راجح کہا جائے اور شئ للہ کا

مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی تعظیم کے لیے شئ کی طلب کی گئی۔ مگر ایسی صورت میں توبہ اور استغفار کا حکم دیا جائے گا بلکہ تجدید نکاح کا بھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وظیفہ میں دور جگہ سے مُردوں کو پکارا جا رہا ہے اور شرعاً ثابت نہیں کہ اولیاء میں دور سے سننے کی طاقت ہے البتہ زائرین قبر کے سلاموں کا سننا ثابت ہے بلکہ غیر اللہ کے بارہ میں یہ اعتقاد کرنا کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے شرک ہے، فتاوی بزازیہ میں ہے۔

اگر کسی شخص نے بغیر گواہوں کے نکاح کرتے وقت یہ کہا کہ خدا و رسول اور فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے رسول اور فرشتوں کے بارہ میں عالم الغیب ہونے کا اعتقاد قائم کیا۔ اور ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ جو شخص اولیاء اور مشائخ کی ارواح کو حاضر و عالم سمجھے وہ کافر ہے انتہی۔ حضرت الشیخ عبد القادرؒ اگرچہ امت محمدیہ کے کبار اولیاء میں سے ہیں اور ان کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ مگر دور سے آواز سننے اور فریاد رسی کی طاقت ان کے لیے بھی ثابت نہیں۔ اب ان کے بارہ میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اپنے مریدوں کے حال سے واقف اور ان کی آوازوں کو سنتے ہیں یہ شرک ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبد الحی

نمازِ عید کے بعد مصافحہ یا معانقہ کرنا

سوال (۳۷) خطبۂ عیدین سے فراغت پانے کے بعد لوگوں میں مصافحہ اور معانقہ کا رواج ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب: مصافحہ اور معانقہ تو ابتداء ملاقات کے وقت ہوا کرتا ہے نمازِ عید کے بعد مسنون نہیں بعض علماء نے اس کو بدعت مباح کہا ہے اور بعض حضرات نے بدعتِ مکروہہ۔ بہر حال اس کا ترک اولیٰ ہے۔ امام نووی کی کتاب الاذکار میں ہے مصافحہ ابتداء ملاقات کے وقت مستحب ہے۔ لیکن فجر و عصر کی نماز کے بعد لوگوں میں جو رواج ہو گیا۔ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں ملتا مگر کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ کیونکہ مصافحہ درحقیقت سنت ہے۔ درمختار میں ہے واطلاق المصنف تبعا للدرر والکنز والوقایۃ والنقایۃ والجمع والملتقی یفید جوازھا مطلقا ولو بعد العصر وقولھم بدعۃ ای مباحۃ انتھی

ردالمحتار میں ہے۔ نماز کے بعد مصافحہ کو ہمیشہ اختیار کرنے سے جہلاء اس خاص وقت میں اس کے سنت ہونے کے معتقد ہو جائیں گے۔ حالانکہ ظاہر کلام کی مراد یہ ہے کہ سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اور شرنبلالیؒ سے ابنِ حجرؒ کا قول منقول ہے کہ یہ بدعتِ مکروہہ ہے جس کی اصل نہیں ملتی اور مدخل ابن الحاج میں ہے۔ ابن عیینہ نے جدائی کے بعد ملاقات کے وقت معانقہ کو جائز کہا ہے۔ لیکن عید میں اپنے ساتھیوں سے معانقہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور مصافحہ شریعت میں وضع کیا گیا اپنے مومن بھائی سے ملاقات کے لیے۔ لیکن نمازِ عید سے فراغت کے بعد جس مصافحہ کے لوگ عادی ہیں اس کا مجھے علم نہیں۔ البتہ شیخ ابو عبد اللہ بن نعمان فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے بڑے بڑے علماء اور عالم باعمل حضرات کو نمازِ عید کے بعد باہم مصافحہ کرتے دیکھا۔ پس اگر ان لوگوں کے پاس سلف کے اقوال ہوں تو اس سے اچھی کیا بات ہے ورنہ اس کا چھوڑنا اولیٰ ہے۔

ابوالحسنات محمد عبد الحیؒ

روضۂ مقدسہ کی تصویر بنانا

سوال (۴)، اس زمانہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی شبیہ اور تصویر بنانا حصولِ ثواب کے لیۓ کیسا ہے؟۔

جواب:۔ حصولِ ثواب کے لیۓ روضۂ مقدسہ کی شبیہ وتصویر بنانا بدعت ہے اور شرعًا ناجائز۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ باوجود شدید ضرورت کے صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں یہ صورت نہیں پائی گئی۔ ہزاروں علماء قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق رہتے تھے اور صحابہ کرام مثلاً عبداللہ بن عمرو غیرہ بارہا قبر شریف کے پاس حاضر ہوکر زیارت کا ثواب حاصل کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود یہ منقول نہیں کہ ان حضرات میں سے کسی نے اپنے شہر یا مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف یا حجرۂ شریفہ کی صورت ثواب زیارت وغیرہ حاصل کرنے کے ارادہ سے بنائی ہو، یا اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔ اور جو چیز باوجود شدید ضرورت کے تینوں قرونِ متبرکہ میں قولاً و فعلاً نہ کی گئی ہو وہ بدعتِ سیئہ ہوگی اور اس کا حکم یہ ہے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار دوسری وجہ یہ ہے۔ کسی متبرک شیٔ کی شبیہ اور صورت کو اصل شیٔ کا حکم دے کر حصولِ ثواب کا ارادہ کرنا باطل ہے اور اصل شیٔ کی طرح اس کی شبیہ سے حصولِ ثواب کا اعتقاد رکھنا گمراہی ہے [illegible]

من الاوھام تقریر شئ شبیہ وھذا الوھم قد اضل عبدۃ الاصنام عن طریق الصواب. واوقعھم فی ھاویۃ الجھالۃ

کسی شے کا حکم اس کی شبیہ پر لگا دینا یہ وہم ہے اور اس وہم نے بتوں کے پرستاروں کو راہِ حق سے گمراہ کردیا اور جہالت کے گڑھے میں ڈال دیا۔ انتہی۔

اس عام قاعدہ کے لحاظ سے روضۂ مقدسہ کی شبیہ وصورت بناکر ثوابِ زیارت طلب کرنا لغو اور باطل ہے۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

غوثِ اعظمؒ کے نام کا چبوترہ بنانا

سوال (۵)، بعض لوگ پختہ احاطہ تیار کرکے اس پر ایک چبوترہ تیار کرکے شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اور چبوترہ پر غلاف چڑھاتے ہیں۔ چراغ روشن کیا جاتا ہے، ریوڑیاں چڑھاتے ہیں اور فاتحہ کرتے ہیں۔ ان سب کاموں کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایسے امور کا مرتکب مبتدع ہے اور ایسے افعال کو ایجاد کرنا بدعت وگمراہی ہے واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

انگوٹھے چومنا

سوال (۶)، اس زمانہ میں لوگوں میں انگوٹھے چومنے کا جو رواج ہے وہ جائز ہے یا نہیں۔ پہلی صورت سے واجب ہے، سنت یا مستحب یا مباح اور اس کے عقلی ونقلی دلائل کتب معتبرہ میں کیا ہیں۔ دوسری صورت میں حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ اس صورت میں مثبتین جو حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ ان کا کیا جواب ہوگا آیا وہ موضوع ہیں یا ضعیف؟ بینوا توجروا۔

جواب:- اس تقبیل کو بعض کتب فقہ میں مستحب لکھا ہے نہ واجب اور نہ سنت (کنز العباد، خزانۃ الروایات، جامع الرموز) فتاوی صوفیہ، مگر اکثر کتب معتبرہ میں اس کا نام ونشان نہیں۔ البتہ غیر معتبر کتابوں میں مذکور ہے جیساکہ کنز العباد، جامع الرموز، فتاوی صوفیہ وغیرہ۔ کیونکہ ان کتابوں میں بغیر تحقیق کے رطب ویابس سب بھرا ہوا ہے اور اس سلسلہ کی احادیث بھی صحیح نہیں۔ امام شوکانی فوائد مجموعہ فی احادیث الموضوعہ میں لکھتے ہیں کہ حدیث مذکورہ صحیح نہیں ہے۔

مسح العینین بباطن اعلیٰ لسبا بتین عند قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله الخ رواه الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی بکر الصدیق رضـ مرفوعًا قال ابن طاهر فی التذکرة لایصح انتهی

مؤذن کے کلمات شہادت کہنے کے وقت انگوٹھوں سے آنکھوں کو چھونا الخ جس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق سے مرفوعاً نقل کیا۔ ابن طاہر کتاب تذکرہ میں فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اسی میں ہے کہ جو شخص اشهد ان محمدا رسول الله سننے کے وقت مرحبا بحبیبی وقرة عینی محمد بن عبدالله کہے اور انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگائے کبھی بیماری نہ آئے گی اور آنکھیں آشوب نہ کریں گی، ابن طاہر اس کے بارہ میں بھی تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں۔ اور شمس الدین محمد ابن عبدالرحمٰن السخاوی مقاصد حسنہ فی الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنۃ میں چند روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں ہے۔ انتہی۔ اور ملا علی قاری نے تذکرۃ الموضوعات میں بھی لکھا ہے۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

تلاوت قرآن پر اجرت لینا

سوال (۷) مُردہ کے لئے ایسے لوگوں سے قرآن پڑھوانا جو تلاوت کی اجرت لیتے ہیں اور انھوں نے اسی کو اپنی روزی بنا رکھا ہے جن کو جاہل لوگ مولانا روحی بولتے ہیں۔ آیا جائز ہے یا نہیں۔

جواب:- درست نہیں ہے۔ قرآن پڑھنے کی اجرت لینا حرام ہے۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

دہلیز یا چوکھٹ کو قابل تعظیم سمجھنا

سوال (۸) دروازے چوکھٹ یا دہلیز کو قابل تعظیم سمجھ کر اس پر جوتہ رکھنے کو برا سمجھنا، اس خیال سے کہ جو بھی فقیر اور بزرگ آتا ہے تو وہ دہلیز کو دعا دیتا ہے۔ بابا تیری چوکھٹ سلامت رہے یہ امر کیسا ہے

جواب:- یہ امر بالکل لغو اور باطل خرافات ہے۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

تعزیہ بنانا

سوال (۹) شیعوں کی طرح اہل سنت والجماعت کے لئے تعزیہ بنانا علم رکھنا اور سینہ کوبی کرنا، تعزیہ کے سامنے مالیدہ اور شربت رکھ کر اس پر نذر دینا اور تبرک جان کر کھانا، پینا اور عاشورہ کے دن تعزیہ کے ہمراہ ننگے سر جانا اور فاقہ کرنا اور خرام کے قریب اپنے فاقہ کو جو کی روٹی سے توڑنا اور روزہ کو بدعت جاننا اور یہ کہنا کہ روزہ تو یزید کی ماں نے شہادت حسینؓ کی خوشی میں رکھا تھا۔ تعزیہ کے دفن کے بعد مُردہ

کے سویم کی طرح تیسرے دن اس کا سویم کرنا یعنی اس میں پہلے قرآن خوانی کرنا۔ پھر مرثیہ پڑھنا اور اداءئی ...
تقسیم کرنا۔ یہ تمام امور واجب ہیں یا سنت یا بدعت یا حرام یا ممنوع اور انکار کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ تمام امور بدعت اور ممنوع ہیں ان کا مرتکب مبتدع اور فاسق ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

شب برات کا حلوہ

سوال (۸۰) شب برات میں حلوہ وغیرہ اور عیدین میں سویاں اگرچہ قرض لے کر ہی کیوں نہ ہو ضروری سمجھ کر پکانا کیسا ہے اور بغیر رسم کے لحاظ کیے ہوئے محض اس خیال سے کہ پڑوس میں پکنے کی وجہ سے اپنے بچے روئیں گے اور ان کو رنج ہوگا۔ یا خود اپنے شوق کی وجہ سے ان چیزوں کا پکانا کیسا ہے؟

جواب: اس بارہ میں کوئی نص اثبات یا نفی کی صورت میں وارد نہیں۔ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازمی ہوگی ورنہ کوئی حرج نہیں اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے تمام مباحات، مندوبات اور بدعات مباحہ میں، اور اس قول کا استنباط ابن مسعودؓ کے قول سے ہے جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں ہے۔ روایت ہے۔

لایجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ یری ان حقا علیہ ان لاینصرف الاعن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔

کوئی شخص تم میں سے اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے مثلاً یہ کہ واجب سمجھے یہ بات کہ نماز سے صرف دائیں طرف ہی کو پھرنا چاہیے۔ حالانکہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بائیں طرف کو بھی پھرا کرتے تھے

طیبی اور میرک کے حواشی مشکوٰۃ میں ہے، جو شخص کسی امر مستحب پر اتنا پابند ہو کہ اس کو عزیمت اور واجب سمجھنے لگے۔ اور رخصت پر عمل نہ کرے تو اس پر شیطان کا اثر ہو گیا۔ بس کیا حال ہوگا ایسے آدمی کا جو مصر ہو کسی بدعت اور مذموم کام پر انتہی

واللہ اعلم بالصواب ابوالحسنات محمد عبدالحی

مایتعلق بالقرآن والحدیث

استواء علی العرش کی مراد کیا ہے؟

سوال (۸۱) صفات باری مثلاً استواء علی العرش۔ ید اللہ۔ وجہ اللہ کی آیات کے بارہ میں علماء حق کا کیا مسلک ہے آیا مسلک تاویل حق ہے یا کوئی اور مسلک؟

جواب: اس بارہ میں چند مسلک ہیں:

ایک مسلک تاویل یعنی استواء معنی میں مثلاً غلبہ کے ہے اور ید معنی قدرت۔ وجہ معنی ذات وغیرہ اور یہی مسلک تاویل علماء متاخرین متکلمین کا مختار ہے۔

دوسرا مسلک معنی اور کیفیت میں تشابہ کلیۃً یعنی ان صفات کے معنی اور کیفیت کا علم کسی کو نہیں۔

تیسرا مسلک یہ ہے کہ معنی تو معلوم ہیں مگر کیفیت مجہول۔ اور یہی تیسرا مسلک حق ہے۔ صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین و محدثین و فقہاء و اصولیین کا یہی مسلک ہے۔ سیر النبلاء کتاب میں شیخ الاسلام ذہبی ترجمہ قتیبہ بن سعید کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ متعدد لوگوں نے ابو العباس سراج سے نقل کیا کہ انھوں نے قتیبہ کو یہ کہتے سنا یہ قول ائمہ اسلام اور اہل سنت والجماعت کا ہے کہ باری تعالیٰ عرش پر ہیں انتہی اور یہی شیخ ترجمہ علی المدینی کے ضمن میں لکھتے ہیں قال اکثر العلماء ان اللہ علی العرش اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ باری تعالیٰ عرش پر ہیں انتہی اور اسحق بن راہویہ کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قال حرب الکرمانی قلت لاسحاق ما تقول فی قولہ تعالیٰ ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم۔

حرب کرمانی خبر دیتے ہیں کہ میں نے اسحق سے پوچھا آپ کی کیا رائے ہے اس آیت کے بارہ میں نہیں ہوتا مشورہ تین آدمیوں کا مگر وہ ان میں کا چوتھا ہوتا ہے۔ الآیہ۔

اس پر وہ جواب دیتے ہیں۔ تم جس جگہ بھی ہوگے تو اللہ تعالیٰ تم سے بہت زیادہ قریب ہوں گے انتہی۔ اور ترجمہ مزنی میں لکھتے ہیں محمد ابن اسماعیل نے مزنی کو کہتے سنا لا یصح لاحد التوحید حتی یعلم ان اللہ علی عرشہ اور ترجمہ ابو حاتم رازی میں لکھتے ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب مختار رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کا اتباع ہے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ باری تعالیٰ عرش پر ہیں اور ان کا کوئی مثل نہیں وہ سمیع و بصیر ہے انتہی۔ شیخ ذہبی نے اس قسم کے بہت سے اقوال جمع کیے ہیں جس سے باری تعالیٰ کا فوق العرش ہونا ثابت ہوتا ہے اور اسی پر دلالت کرنے والی احادیث بھی نقل کی ہیں۔

ابو شکور سلمی حنفی لکھتے ہیں ایک شخص نے امام مالک سے الرحمن علی العرش استوی کے بارہ میں سوال کیا کہ استوی کا کیا مراد ہے؟ آپ نے جواب دیا استوی کے معنی سب کو معلوم ہیں البتہ کیفیت مجہول ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت اور میں تجھ کو گمراہ سمجھتا ہوں۔ پھر اس شخص کو مجلس سے نکال دیا گیا معلوم ہوا وہ جہم بن صفوان تھا۔

ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں۔ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے ایسے شخص کے بارہ میں دریافت کیا جو یہ کہتا ہے مجھ کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ کہاں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ اس نے نص قرآن کی مخالفت کی، اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں الرحمن علی العرش استوی اس کو پڑھو اور ایمان لاؤ۔ پھر ابو مطیع نے پوچھا استواء کی کیا کیفیت ہے آپ نے جواب دیا اس پر ایمان لاؤ جس طرح بھی ہو انتہی۔

سراج الدین علی حنفی قصیدہ بدء الامالی میں لکھتے ہیں ؎

رب العرش فوق العرش لکن — بلا وصف التمکن واتصال

مالک عرش، عرش پر جلوہ افروز ہے مگر اس طرح کہ نہ اس میں استقرار ہے اور نہ اتصال۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ امام شافعیؒ سے استواء کی کیفیت سے سوال کیا گیا تو جواب میں فرمایا میں اس پر ایمان لایا بغیر کسی شئے آخر کے ساتھ تشبیہ دینے کے۔ اور میں اپنے نفس کو اس کے ادراک کرنے میں متہم کرتا ہوں اور اس میں غور و فکر کرنے سے روکتا ہوں اور سلف صالحین کا اجماع ہے کہ استواء علی العرش اس کی ایک ایسی صفت ہے جس کی کوئی کیفیت معلوم نہیں۔ ہم اس پر ایمان لائے اور علم کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ اور متاخرین کا مسلک ہے کہ استواء کی تاویل استیلاء اور غلبہ

کے ساتھ کرتے ہیں۔ لیکن سلف کا مسلک عدم تاویل ہے بلکہ نزول علی العرش کا اعتقاد ہے ایسے طریقہ پر کہ مشابہت سے منزہ ہے جیساکہ امام مالکؒ نے فرمایا استواء کی حقیقت معلوم ہے، مگر کیفیت مجہول اور اسی کو امام اعظمؒ نے پسند فرمایا اور بعینہٖ یہی تاویل کی جائے گی۔ دوسری آیات واحادیث میں جو قبیل متشابہات سے ہیں جس میں ید یا وجہ وغیرہ کا ذکر ہوا انھیں میں سے لفظ فوق بھی ہے۔ متاخرین کی طرح اس کی تاویل عظمت ورفعت شان سے نہیں کی جائے گی۔ انتہیٰ۔

اور فتح القدیر کے مولف ابن ہمام حنفی مسایرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ میں لکھتے ہیں:۔

ہمارا ایمان ہے کہ باری تعالیٰ مستوی علی العرش ہیں یقین رکھتے ہوئے اس بات کا کہ اللہ کا استواء دوسرے اجسام کے استواء کے مانند اتصال۔ محاذاۃ۔ استقرار کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی شان کے ساتھ جو اس کے مناسب ہے اور اس کا علم خود اسی کو ہے۔ حاصل کلام یہ کہ باری تعالیٰ کے مستوی علی العرش ہونے پر ایمان لانا واجب ہے اسی طرح کہ دوسرے اجسام کے ساتھ تشبیہ نہ دی جائے۔ اور استواء علی العرش سے استیلاء علی العرش مراد لینا اگرچہ جائز ہے لیکن ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں اور یہی حکم ہوگا تمام ایسی صورت میں جہاں بظاہر جسمیۃ کا ثبوت ہوتا ہو جیسے اصبع قدم ید وغیرہ ان پر بھی ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ بھی اس کی صفات ہیں جس کیفیت کے ساتھ بھی اس کے مناسب ہو۔ اور ید اصبع کی تاویل کرنا قدرت وقہر کے ساتھ یہ بھی جائز ہے لیکن یقین نہیں کیا جا سکتا۔ انتہیٰ۔

عبدالعزیز بخاری حنفی اصول بزدوی کی شرح کشف الاسرار میں لکھتے ہیں:۔

رویت وجہ اور ید کا ثابت کرنا اللہ کے لئے ہمارے نزدیک برحق ہے بخلاف ان لوگوں کے جو یہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ وجہ اور ید کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتا بلکہ وجہ سے ذات باری اور اس کی رضا مراد ہوا کرتی ہے اور ید سے قدرت و قوت ونعمت پس مصنف فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ صورۃ وجسم سے منزہ ہوتے ہوئے بھی ید اور وجہ کی صفات کے ساتھ موصوف ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں صفات کمال میں سے ہیں اور ان کا نہ ہونا نقصان اور عیب سمجھا جاتا ہے اور جب کہ باری تعالیٰ صفات کمال کے ساتھ موصوفہ ہے تو ان دونوں صفات کے ساتھ بھی موصوف ہوگا۔ ہاں البتہ کیفیت کو ثابت کرنا محال ہے۔ لہٰذا یہ صفات متشابہات میں سے ہوں گی۔ پس اس کے حقیقی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے تاویلات کو چھوڑ کر اللہ کے حوالے کر دینا واجب ہے۔ انتہیٰ۔

اور ابو شکور سلمی تمہید میں لکھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور یہ جماعت ہے جہمیۃ کی۔ اور دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں:۔

ھوالذی فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ	اور وہی ہے معبود آسمان میں اور وہی ہے معبود زمین میں

دوسری آیت:۔

وھواللہ فی السمٰوات وفی الارض	اور وہی معبود ہے زمین وآسمانوں میں

تیسری آیت ہے:۔

ان اللہ مع الذین اتقوا۔	بے شک اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے

چوتھی آیت ہے :-

مایکون من نجویٰ ثلٰثۃ الاھو رابعھم نہیں ہوتا مشورہ تین کا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے۔

ان کا جواب یہ ہے پہلی آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہی معبود ہے اہل سماء اور اہل ارض کا اور آیت ثانی کی مراد یہ ہے وہی تدبیر کرنے والا ہے زمین و آسمان میں تیسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی نصرت اور مدد ان لوگوں کے ساتھ ہے اور چوتھی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والا اور ان کے افعال کو دیکھنے والا ہے۔ اور ہم کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے تو ضرور چوپایوں کے منہ میں اور عورتوں کی شرمگاہوں میں بھی ہوگا۔ حالانکہ یہ کہنا کفر ہے۔ انتہیٰ۔

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہؓ سے لے کر ائمہ مجتہدین تک حنفیہ غیر حنفیہ سب کا مذہب یہی ہے کہ باری تعالیٰ کی فوقیت عرش پر اور اسی طرح ید، وجہ وغیرہ اس کی صفات بلاکیف ہیں ان میں تاویل کرنا صحیح نہیں تاویل کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ جب فرقہ مجسمہ نے اس قسم کی آیات واحادیث سے باری تعالیٰ کی شان میں تجسم کا خیال کیا تو حضرات علماء نے ان کو ساکت و صامت کرنے کے لیئے تاویلیں شروع کیں یہ غرض ہرگز نہ تھی کہ یہ تاویل کردہ معنیٰ ہی مراد ہیں بلکہ محض شبہ تجسم دفع کرنے کے لیئے۔ حاصل کلام یہی نکلتا ہے کہ فوقیت۔ استواء۔ ید۔ وجہ وغیرہ کی آیات اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہیں اور کیفیات سب کی مجہول ہیں اور اس میں تجسم بھی لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جب کیفیت مجہول ہے اور لیس کمثلہ شئی کا پورا پورا خیال کیا گیا تو تجسم کسی طرح بھی لازم نہیں آسکتا۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

استواء علی العرش کی تفصیل

سوال (۸۴) زید کہتا ہے کہ ہم باری تعالیٰ کے بارہ میں معین کر کے نہیں بتا سکتے کہ وہ یہاں ہے یا وہاں عرش پر ہے یا زمین پر یا اسی طرح آسمان میں۔ اور وہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات کا احاطہ کرنے والا ہے اور تمام اشیاء کو باری تعالیٰ کی ذات اور علم کے ساتھ یکساں نسبت ہے اگر کچھ فرق ہے تو اپنی اپنی صفات کے لحاظ سے ہے۔ اسی طرح اس کی کوئی جہت معین طور پر نہیں بتائی جا سکتی۔ نیز اس کے احاطہ۔ قرب اور معیت کی حقیقت و کیفیت کو بھی نہیں بیان کیا جا سکتا کہ اس کے کیا معنیٰ ہیں اور مراد کیا ہے۔ فقط ایمان اس قدر ہے کہ باری تعالیٰ کا جو کچھ بھی ارادہ ہو اس پر ایمان لائے اور یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے اس کے برخلاف قول کرنے کی صورت میں اہل سنت والجماعت کی مخالفت لازم آئے گی۔

اور عمرو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاص عرش پر ہیں لیکن ایسے نہیں کہ ایک جسم دوسرے جسم پر ہوا کرتا ہے کیونکہ اللہ کا جسم نہیں ہے اور باوجود عرش پر ہونے کے اپنی ذات وقدرت اور علم کے لحاظ سے سب کو محیط ہے۔ اور سب کے قریب اور سب کے ساتھ جیسا کہ اس کی شان کے مناسب ہو۔ بغیر اہل عالم کی مشابہت کے جیسا کہ آفتاب فلک چہارم پر ہوتے ہوئے بھی سب کے ساتھ ہے اور باری تعالیٰ نہ آسمان میں ہیں اور نہ زمین میں جیسا کہ آفتاب زمین میں نہیں اور سب کے ساتھ ہے اور اپنے علم وقدرت سے سب کو برابر دیکھتا، جانتا

اور سنتا ہے اور جتنی صفات بھی کتاب وسنت میں ہیں. جیسے فوق العرش ہونا، دیکھنا، سننا، جاننا، اترنا، خوش ہونا، غصہ ہونا، ید، وجہ، نفس وغیرہ سب کے معنی معلوم ہیں اور کیفیت غیر معلوم ہے یعنی باری تعالیٰ کی تمام صفات کی کیفیات مخلوق کی صفات کی کیفیات کے مانند نہیں. بلکہ ان کیفیات کا علم صرف خدا کو ہے جیسے اس کی ذات ہے اسی کے مناسب اس کی صفات بھی ہیں. اور کتاب وسنت میں جتنی صفات سے ان کی برات کی گئی ہے وہ ان تمام صفات سے منزہ اور بری ہیں. غرضیکہ اثبات ونفی دونوں صورتوں میں کتاب وسنت کا اتباع ضروری ہے اور کمی زیادتی کرنا باعث گمراہی. زید وعمرو کے عقیدوں میں سے کس کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق ہے۔

جواب :- اہل سنت والجماعت کی رائے اس مسئلہ میں مختلف ہے اگرچہ بعض لوگوں نے قول زید کے مثل بھی لکھا مگر جمہور محققین وائمۂ متبوعین ومحدثین وغیرہم کا صحیح مذہب قول عمرو کے مماثل ہے۔

ابو شکور حنفی تمہید میں لکھتے ہیں۔ امام مالکؒ سے قول باری الرحمٰن علی العرش استویٰ کے بارہ میں سوال کیا گیا کہ استواء کی کیفیت کیا ہوگی۔ انھوں نے جواب دیا۔ استواء کے معنی تو سب کو معلوم ہیں مگر کیفیت مجہول ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور سوالات کرنا بدعت ہے اور میں تجھ کو گمراہ سمجھتا ہوں۔ پس آپ کے حکم دینے پر اس کو مجلس سے نکال دیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جہم بن صفوان تھا۔

اور ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے اس شخص کے بارہ میں دریافت کیا جو یہ کہتا ہے مجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہیں۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی۔ کیونکہ نص قرآن کی مخالفت کی، خود باری تعالیٰ فرماتے ہیں الرحمٰن علی العرش استویٰ اس کو پڑھو اور اس پر ایمان لاؤ۔ ابو مطیع نے پوچھا استواء کی کیفیت کیا ہوگی۔ امام صاحبؒ جواب دیتے ہیں اس پر ایمان لاؤ جس طرح بھی ہو۔ انتہیٰ۔

اور حکمت نبویہ میں ہے کہ اس کے لئے ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) اور نفس (روح وجان) ہے جیسا کہ اللہ نے قرآن میں ذکر کیا۔ اور یہ تاویل نہ کی جائے گی کہ ید سے مراد قدرت ہے۔ کیونکہ اس تاویل میں ایک صفت کا ابطال لازم آتا ہے جو مسلک ہے قدریہ اور معتزلہ کا اور ید باری تعالیٰ کی ایک صفت بلاکیف ہے۔ انتہیٰ۔

سیر النبلاء میں ہے حرب کرمانی فرماتے ہیں کہ میں نے اسحٰق بن راہویہ سے معلوم کیا کہ قول باری ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم نہیں ہوتا مشورہ تین کا۔ مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ جواب دیا تو جس جگہ بھی ہو۔ پس باری تعالیٰ تیری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں اور زیادہ واضح۔ اس سلسلہ میں قول باری الرحمٰن علی العرش استویٰ ہے اور بھی اسی میں ہے۔ سراج فرماتے ہیں میں نے اسحاق بن راہویہ کو کہتے سنا فرماتے تھے کہ میں گیا طاہر بن عبداللہ کے پاس اور ان کے پاس طلحہ بن منصور بیٹھے ہوئے تھے پس انھوں نے مجھ سے معلوم کیا تو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات میں نزول فرماتے ہیں۔ میں نے کہا ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا تم اس پر ایمان نہیں رکھتے کہ تمہارا رب آسمان میں ہے۔ اس بارہ میں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت

نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تمام صفات مثلاً استواء، نزول، اتیان ان کے بارہ میں نصوص صحیحہ وارد ہیں جن کو سلف صالحین سے متاخرین نے نقل کیا۔ اور ان پر کوئی رد نہیں کیا اور نہ کسی قسم کی تاویل کی بلکہ تاویل کرنے والوں کی مخالفت کی۔ اس بناء پر کہ یہ صفاتِ باری مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہ نہیں اور اللہ کا کوئی مثل نہیں انتہی۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

ہر صدی میں مجدد کا آنا

سوال (۸۳) اس حدیثِ مذکورہ کے بارہ میں حضرات علماء کا کیا مسلک ہے:۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا اوکما قال — اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال میں ایسا شخص مبعوث کریں گے جو دین کے احکام کی تجدید کرے۔

اور روایت سنن ابی داؤد، مسند حسن بن سفیان، مسند بزار، معجم اوسط طبرانی و کامل ابن عدی و مستدرک حاکم۔ حلیۂ ابی نعیم۔ مدخل بیہقی وغیرہ میں مذکور ہے

اس حدیث میں راس مائۃ سے مراد ہر صدی کی ابتداء ہے یا آخر۔ اور اس مجدد کی علامات و شروط کیا ہوں۔ اور پہلی صدی سے لے کر آج تک کون کون سے مجدد آئے ہیں۔ مولوی اسماعیل شہیدؒ اور ان کے مرشد سید احمد بریلویؒ مجددین میں سے ہیں یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ راس مائۃ سے باتفاقِ محدثین سے آخر صدی مراد ہے۔ اور علامات و شروط مندرجہ ذیل ہوں گی۔ علوم ظاہرہ و باطنہ کے عالم ہوں گے۔ ان کی تدریس و تالیف اور وعظ و نصیحت کا نفع عام و مشہور ہوگا، احیاء سنت اور رد بدعت میں سرگرم ہوں گے پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے شروع میں ان کے علوم کی شہرت اور انتفاع زیادہ ہوگا۔ بس اگر آخر صدی کو نہ پایا۔ یا اس زمانہ میں احیاء شریعت کا نفع ان سے حاصل نہ ہوا تو مجددین سے خارج ہو جائے گا اور حدیث کے محمل میں داخل نہ ہوگا شیخ الاسلام بدرالدین ابدال رسالہ مرضیہ فی نصرۃ مذہب الاشعریہ میں تحریر فرماتے ہیں:
مجدد وہ شخص ہوگا کہ قرائن احوال سے ہم عصر لوگوں کو اس کے بارہ میں غلبۂ ظن ہو جائے اور اس کے علم سے فائدہ پہنچ رہا ہو اور وہ علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو۔ احیاءِ سنت اور رد بدعت اس کا مشغلہ ہو۔ کبھی ہر صدی میں ایک ہوتا ہے جیسا کہ پہلی صدی میں تنہا عمر بن عبدالعزیزؒ اور دوسری صدی میں امام شافعیؒ ہیں کیونکہ محققین کا ان کے بارہ میں اپنے ہمعصروں سے اعلم ہونے پر اجماع ہے اور کبھی دو بھی ہوتے ہیں اگرچہ کسی ایک پر تمام قوم کا اجماع نہ ہو سکے۔ اور کبھی کبھی صدی کے درمیان بھی کسی افضل مجدد کا وجود ہو جاتا ہے اور یہ تجدد عام تجدد صدی کے آخر میں ہی ہوتا ہے۔ علماء امت کے گذر جانے اور احکام کے پامال۔ اور بدعات کے اظہار کی وجہ سے۔ بس اس وقت تجدید دین کی ضرورت ہے تو ایسے وقت میں باری تعالیٰ سابق مجدد کی جگہ دوسرا بھیج دیتے ہیں۔ انتہی۔

اور جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:۔

قال ابن الاثیر اختلف العلماء فی تاویل ھذا الحدیث کل واحد فی زمانہ واشار والی القائم الذی یجدد

للناس دینہم علی راس کل مائۃ سنۃ وکان کل قائم قد مال الی مذهبہ وذهب بعض العلماء الی ان الاولی ان یحمل الحدیث علی وجہ العموم فان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من یجدد لہا دینہا لا یلزم منہ ان یکون المبعوث علی راس المائۃ واحد بل قد یکون واحدا وقد یکون اکثر فان انتفاع الامۃ بانفعہا وان کان انتفاعا فی امور الدنیا فان انتفاعہم بغیرہم ایضا اکثر مثل اولی الامر واهل الحدیث والقراء والوعاظ واصحاب الطبقات فی الزهد ینفعون بفن لا ینفع بہا الآخر اذ الاصل فی حفظ الدین حفظ قانون السیاسۃ واشاعۃ العدل الذی بہ ضبط الروایات والزهاد وینفعون بالمواعظ والحث علی لزوم التقوی والزهد فی الدنیا فالاحسن والاجود ان یکون ذلک الی حد جماعۃ من الاکابر المشہورین علی اعلی راس کل مائۃ سنۃ یحفظ دون الناس دینہم ویحفظونہ علیہم فی اقطار الارض ولکن الذی ینبغی ان یکون المبعوث علی راس المائۃ رجلا مشہورا معروفا مشارا الیہ فی فن من ہذہ الفنون وقد کان قبل کل مائۃ ایضا من یقوم بامر الدین وانما المراد بالذکر من انقضت المائۃ وهو حی عالم مشہور مشار الیہ انتہی

ان اقوال سے واضح ہو گیا کہ سید احمد بریلوی جن کی ولادت ۱۲۰۱ھ میں ہے اور ان کے مرید مولانا اسمٰعیل شہیدؒ حدیث کے مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ مجدد کی علامت یہ ہے کہ پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے آغاز میں اس کا نفع عام اور شہرت تام ہو اور ان دونوں حضرات میں یہ صفت تیرھویں صدی کے درمیان پائی گئی اور کچھ عرصہ کے بعد ان کا دور ختم ہو گیا اور جن حضرات نے مجددین کی تعیین کی ہے انھوں نے اس صفت کا خیال رکھا ہے۔ ان مباحث کی تفصیل علامہ ابن حجر عسقلانی کے رسالہ الفوائد الحجۃ فی من یبعثہ اللہ لہذہ الامۃ اور جلال الدین سیوطی کے رسالہ متنبہ بمن یبعثہ اللہ علی راس المائۃ میں دیکھنی چاہیے۔ اور ان کے دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق عمر بن عبد العزیزؒ تھے اور دوسری صدی کے امام شافعیؒ ہیں بالاتفاق۔ تیسری صدی کے قاضی ابو العباس بن شریح شافعیؒ۔ ابو الحسن اشعریؒ اور محمد بن جریر طبریؒ ہیں۔ چوتھی صدی کے ابو بکر بن الباقلانیؒ۔ ابو الطیب صعلوکیؒ وغیرہ۔ پانچویں صدی کے امام غزالیؒ، چھٹی صدی کے امام فخر الدین رازیؒ اور ساتویں صدی کے تقی الدین ابن دقیق العیدؒ۔ آٹھویں صدی کے زین الدین عراقیؒ، شمس الدین جزریؒ سراج الدین بلقینیؒ ہیں۔ اور نویں صدی کے جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطیؒ، شمس الدین سخاویؒ ہیں۔ اور خلاصۃ الاثر فی اعیان قرن الحادی عشر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے مجدد شہاب رملی اور ملا علی قاری ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم

ابو الحسنات محمد عبد الحیؒ

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا

سوال (۱۴۸) بوقتِ ملاقات مصافحہ مسنونہ کے بارہ میں زید کہتا ہے کہ ایک ہاتھ سے کرنا مسنون ہے اور دلیل میں حدیث مذکورہ پیش کرتا ہے افیاخذہ بیدہ ویصافحہ قال نعم۔ کوئی صحابی سوال کرتے ہیں کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے آپ نے جواب دیا ہاں (ترمذی)

کیا زید کا قول صحیح ہے اور دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ تمام فقہاء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں۔ مجالس الابرار میں ہے:۔

والسنة ان تكون بكلتا يديه

مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو انتہیٰ

درمختار اور جامع الرموز میں بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے:۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تصافح المسلمان لم تفرق اكفهما حتى يغفر لهما قال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب کہ دو مسلمان مصا کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے علیحدہ ہونے سے پہلے ان گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ انتہیٰ۔

اور خود آپؐ کا اور تبعین کا عمل بھی یہی تھا منقول ہے:۔

صافح حماد بن زيد بن المبارك بيديه

حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں بھی یہی طریقہ مروج تھا اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر خود بخاری میں ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

علمني رسول الله صلى الله عليه وسلم وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة من القرآن۔

مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتِ قرآن کی تعلیم کی طرح تشہد یعنی التحیات للہ کی تعلیم دی اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپؐ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا۔ انتہیٰ

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہونے والا مسنون مصافحہ نہ تھا۔ بلکہ یہ تعلیم کے لئے تھا۔ کیونکہ اکابر کسی خاص چیز کی تعلیم کے اہتمام کے لئے اپنے چھوٹوں کا ایک یا دونوں ہاتھ پکڑ کر تعلیم دیا کرتے ہیں۔ او اگر اس مصافحہ کو ملاقات کا تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ثبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں سے ہو ہے اور ابنِ مسعودؓ کی جانب سے فقط ایک ہاتھ کا ہونا یقینی اور قطعی نہیں بلکہ دونوں ہاتھوں سے ہونے کا امکان ہے کیونکہ لفظ کف واحد کے لئے نہیں بلکہ جنس کے معنی میں ہے کہ جس سے ایک سے زائد مراد ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کف سے دونوں ہاتھ مراد ہوں گے اور اسی طرح لفظ ید کا استعمال محاورات عرب آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ میں بمعنی جنس ثابت ہے تو اس صورت میں لفظ ید ایک اور دو ہاتھ کو متضمن اور شامل ہوگا۔ اور اکثر مقامات میں دو ید کے موقع پر لفظِ ید ہے اس اعتبار سے جس حدیث میں اخذ ہا لید وارد ہے اس کی مراد ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہیں۔ بلکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے کہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے۔

البتہ اگر کسی جگہ حدیث صحیح اور صریح سے یہ بات معلوم ہو کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہے تو فقہا کے اقوال کو چھوڑنا پڑے گا اور اس تصریح صریح کے بغیر فقہا کے اقوال پر عمل کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

نسخ توریت وانجیل

سوال (۸۵) نورالانوار کی عبارت سے توریت وانجیل کا غیر منسوخ ہونا اور شیخ سعدیؒ کے اس شعر سے

نہ ازلات وعزیٰ برآورد گرد ۔۔۔ کہ توریت وانجیل منسوخ کرد

سے منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔ صحیح مسلک کیا ہے بیان فرمائیں۔

جواب:۔ توریت و انجیل کے تمام احکام منسوخ نہیں۔ کیونکہ دینِ محمدی کے بہت سے احکام بنی اسرائیل کے مذہب کے موافق ہیں البتہ بہت سے احکام شریعتِ محمدیہ میں منسوخ ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں ارشادِ باری ہے:۔

یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم

وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے بُرے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

غیراللہ کے نام پر جانوروں کا چھوڑنا

سوال (۸۲) علماء دین کا کیا مسلک ہے کہ آجکل کے ہندو جاندار چیز یعنی خصی بکرے وغیرہ گنگا پر چڑھاتے اور پانی میں زندہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس گھاٹ کے زمیندار ہندو ان کو نکال کر فروخت کرتے ہیں۔ اور چڑھانے والے کوئی تعرض نہیں کرتے۔ آیا ان جانوروں کو نکال کر یا خرید کر ذبح کر کے کھانا حلال ہے یا نہیں اور یہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہیں یا بحیرۃ اور سائبۃ میں۔ نیز بحیرہ اور سائبۃ حلال ہیں یا حرام ما اھل بہ لغیر اللہ اور ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ کا کیا مطلب ہے۔ بینوا توجروا

جواب: ما اھل بہ لغیر اللہ سے وہ جانور مراد ہیں جن کے خون بہانے کا مقصد غیر اللہ کی تعظیم اور ان کا قرب حاصل کرنا ہو ایسا جانور حرام ہے۔ باوجودیکہ بوقتِ ذبح بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ در مختار میں ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اُھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ علیہ وذبح للضیف لایحرم انتھی تفسیر نیشاپوری میں ہے قال العلماء لوان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا وذبیحتہ ذبیحۃ مرتد انتھی۔

تفسیر درمنثور میں ہے اخرج ابن المنذر عن ابن عباسؓ وما اھل قال ذبح واخرج ابن ابی حاتم عن ماھد وما اھل قال ما ذبح لغیر اللہ انتھی۔

پس شیخ سدو وغیرہ کے نام کا بکرا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں ذبح کرنے کا مقصد صرف غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے اور بزرگانِ دین پر فاتحہ کا ذبیحہ حرام نہیں۔ اگر ذبح اللہ کے نام پر ہوتا ہو اور بزرگانِ دین کو فقط ایصالِ ثواب ہوتا ہو، اور جو جانور اہل ہنود زندہ چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور نہ اس آیت سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ذبح نہیں ہوتا۔ ما جعل اللہ من بحیرۃ الایۃ کی تفصیل یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے خود اپنے لئے بعض جانوروں کو حلال اور بعض کو حرام کر لیا تھا۔ کبھی اونٹنی کے کان کاٹ کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیا، اب اس کا دودھ دوہنا ذبح کرنا حرام سمجھا جاتا اور اس کو بحیرہ کہتے تھے اور سائبۃ وہ جانور جو کسی بُت کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جائے

اور بار برداری کا کام اس سے نہ لیا جائے حق جل شانہ نے ماجعل اللہ الخ سے ان کا ابطال کر دیا۔ مگر آیت سے تحریم فی نفسہٖ ثابت نہیں ہوتی۔ بحیرہ اور سائبہ کے کھانے کی حرمت ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑنے کے باوجود مالک کی ملکیت میں ہی رہتے ہیں اس لیے بغیر اجازت مالک اس میں تصرف حرام ہے جیسا کہ مالِ مسروقہ اور مالِ مغصوبہ کا حکم ہے۔ البتہ مالک سے اجازت لینے کے بعد اگر بوقت ذبح بسم اللہ پڑھ لی جائے تو کھانا جائز ہوگا اور کافر کی نیت قبیحہ کا اس میں کوئی اثر نہ ہوگا

رد المحتار میں ہے المختار فی الصید انہ لا یملکہ اذا لم ذبحہ وکذا فی الدابۃ اذا سیبہا کما بسط الشرنبلالی فی شرحہ

اور زیلعی کی شرحِ کنز میں ہے انہ کان مرسلا فہو مال الغیر فلا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ انتہی واللہ اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحی

وطی فی الدبر

سوال (۸۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں۔ زید یہ کہتا ہے کہ وطی فی الدبر اہل سنت الجماعت کے نزدیک جائز ہے۔ اور کہتا ہے کہ صحاح ستہ اور ان کی معتبر تفاسیر کے اندر قول باری نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم کے شانِ نزول کے سلسلہ میں علامہ سیوطی کی در منثور میں اسحٰق بن راہویہ اور بخاری و ابن جریر نے جواز کی روایات نقل کی ہیں۔

نافع فرماتے ہیں میں نے ایک دن تلاوت کی :۔

نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم الآیۃ　　تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو

یہ سن کر عبداللہ ابن عمر نے پوچھا کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کس کے بارہ میں نازل ہوئی؟ نافع نے نفی میں جواب دیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اپنی عورتوں سے وطی فی الدبر کے جواز کے بارہ میں۔ دوسری جگہ بخاریؒ اور ابن جریرؒ نے عبداللہ بن عمر سے نقل کیا۔ آیتِ باری فاتوا حرثکم انی شئتم وطی فی الدبر کے بارہ میں ہے۔ امام مالکؒ اور دوسرے ان کے بعض علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا بس اس مسئلہ میں زید کا قول ان دلائل کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب :۔ بعض علماء نے اپنی تحریرات اور تصانیف میں وطی فی الدبر کے حلال ہونے کی نسبت امام مالک کی طرف کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ امام مالکؒ نے اس سے رجوع کیا ہے۔ بخاری کی شرح ارشاد الساری یعنی قسطلانی میں ہے :۔

روی الخطیب عن مالک من طریق اسرائیل بن روح قال سألت مالکا عن ذلک فقال ما انتم قوم عرب ھل یکون الحرث الا فی موضع زرع لا تعدوا الفرج قلت یا ابا عبداللہ انہم یقولون انک تقول ذلک قال یکذبون علی یکذبون علی فالظاھر ان اصحابہ المتأخرین اعتمدوا علی ھذہ القصۃ ولعل مالکا رجع عن قولہ الاول انتہی

اور عبداللہ بن عمر کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ دبر یعنی پیچھے کی جانب سے قبل میں وطی کرنا جائز ہے یہ مطلب نہیں کہ دبر میں کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں نے وطی فی الدبر کی روایت کو بیان کیا۔ درحقیقت وہ عبداللہ بن عمرؓ کے قول کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکے۔ ابو نصر سے نسائی میں صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے :۔

قلت لنافع قد اکثر علیک القول انک تقول عن ابن عمر انہ افتی ان یؤتی النساء فی ادبارهن قال کذبوا علیّ ولکنی ساحدثک کیف کان الامر ان ابن عمرؓ عرض المصحف وانا عندہ یوما حتی بلغ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم فقال یا نافع هل تدری من امر هذہ الآیۃ قلت لا قال انا کنا معشر قریش نجبی النساء فلما دخلنا المدینۃ ونکحنا نساءهم اردنا منهن مثل ما کنا نرید فاذا هن قد کرهن ذلک واعظمن وکانت نساء الانصار قد اخذن بحال الیهود انما یؤتین علی جنوبهن فانزل اللہ نساءکم حرث لکم

اور اگر بفرض محال ابن عمرؓ وطی فی الدبر کے جواز کے قائل بھی ہو جائیں تو اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان کا قول معتبر نہ ہوگا۔ کیونکہ صحاح اور غیر صحاح میں بکثرت احادیث موجود ہیں جو اس وطی کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جابجا اس پر وعید شدید بھی وارد ہوئی ہے۔ اور جہاں کہیں کسی صحابی کا قول بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہوگا تو صحابی کا قول حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس صحابی کو معذور سمجھا جائے گا اور کہنا پڑے گا کہ ان احادیث صحیحہ کا ان کو علم نہ ہو سکا۔ کیونکہ اگر علم ہوتا تو یہ فتویٰ ہرگز نہ دیتے۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

ترجمہ قرآن دوسری زبان میں

سوال (۸۸) اگر کوئی شخص ایک ایک آیت یا رکوع پڑھتا جائے اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ فارسی یا ہندی وغیرہ زبان میں کرتا رہے تو کلام باری میں شرکت ہوگی یا نہیں اور شرکت کی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ جبکہ تلاوت کرنے والے کا مقصد صرف تلاوت ہی نہ ہو بلکہ معانی قرآن کا بھی سمجھنا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

تلاوتِ قرآن اور لوگوں کی بے توجہی

سوال (۸۹) اگر کوئی شخص مجمع میں بلند آواز سے تلاوت کرے مگر قریب کے لوگ اپنے دنیاوی کام یا کسی اور وجہ سے اس کی طرف توجہ نہ کریں تو ایسے وقت میں تلاوت کرنے والے کے لیے آہستہ پڑھنا لازم ہے یا نہیں اور نہ پڑھنے کی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

جواب:۔ حاضرین مجلس کے لیے قرآن کا سننا فرض ہے لیکن اگر سامعین کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے توجہ نہ کریں تو قاری کے لیے آہستہ پڑھنا لازم ہے۔ تاکہ نہ سننے والوں کے لیے گناہ کا باعث نہ بنے۔ علامہ منقاری زادہ اپنے رسالہ الاتباع فی مسئلۃ الاستماع میں لکھتے ہیں:۔ یکرہ رفع الصوت بقراءۃ القرآن عند المشتغلین لان فیہ منع غیرہ عن شغلہ۔

اور شرح التحفہ میں ظہیر الدین تمرتاشی سے نقل کیا ہے:۔ لا یقرء القرآن جہرًا عند المشتغلین بالاعمال لما فیہ من قطعهم عن الاعمال او ترک الاستماع۔ اور منیہ میں ہے امرأۃ تغزل فی البیت لیس لاحد ان یقرء القرآن عندها جہرًا۔ واللہ اعلم

روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کرنا

سوال (۹۰) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لاتشد الرحال الاالی ثلثۃ مساجد مسجدی ہذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ۔ ہکذا اخرجہ البخاری ومسلم بصیغۃ الخبر وفی صحیح المسلم عن ابی سعید الخدری عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم لاتشدوا الرحال الا الی ثلثۃ مسجدی ہذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ۔ بصیغۃ النہی

(ترجمہ) سامانِ سفر نہ باندھا جائے کسی مسجد کے لئے۔ سوائے تین مساجد کے، میری مسجد یعنی مسجدِ نبوی اور مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ۔ اور اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں صیغۂ حصر کے ساتھ روایت کی انما تشد الرحال الی ثلثۃ مساجد مسجد ابراہیم و مسجد محمد و مسجد بیت المقدس۔ اور اسی حدیث کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صیغۂ نہی کے ساتھ بھی روایت کی۔ تو یہ حدیث بصیغۂ نہی اور بصیغۂ خبر دونوں طریقہ پر مروی ہے اور یہ فرق بہت سے اہل علم پر مخفی ہونے کی وجہ سے باہمی اختلافات کا سبب بن گیا۔ اور اسی پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو صارم میں ہے ومن قال من العلماء انہ یستحب زیارۃ قبرہ فمرادہ بذالک السفر الی مسجدہ وفی مسجدہ یسلم علیہ ویصلی علیہ انتہی۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قبرِ نبویؐ کی زیارت کے لیے سفر کا عبادت ہونا اہل علم کے نزدیک درحقیقت مسجدِ نبوی کے لیے سفر کے مستحب ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ قبرِ مبارک مسجدِ نبوی میں ہے اور یہ ناممکن ہے کہ بغیر نیت مسجد کے محض قبرِ نبویؐ کی زیارت کے لیے سفر کیا جائے کیونکہ اس بارہ میں اہلِ علم کے نزدیک کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحاح سنن اور مسانید میں بھی اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ اور نہ ائمۂ اربعہ میں سے کسی نے اس قسم کی حدیث سے استدلال کیا، پس کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ نفسِ زیارت قبر کے لیے سفر مراد ہے نہ کہ مسجد کے لیے۔ اور یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اکثر لوگوں نے اس میں مبتلا ہوکر دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ علماء حق کا کیا مسلک ہے قبرِ نبی کی زیارت یا مسجدِ نبوی کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسجدِ نبوی کے ارادہ سے سفر کے مستحب ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے البتہ قبرِ نبیؐ کی زیارت کے لیے سفر کرنے میں اختلاف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ جائز اور غیر ممنوع ہے۔ حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے من زار قبری وجبت لہ شفاعتی دوسری حدیث ہے من جاءنی زائرًا لاتعملہ الا زیارتی کان حقًا علیّ ان اکون لہ شفیعًا وشہیدًا یوم القیامۃ یعنی جو شخص محض میری زیارت کو مقصد بناکر زیارت کرنے آئے گا قیامت میں اس کی شفاعت اور شہادت مجھ پر واجب ہوگی۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور یہ کہنا کہ زیارت قبر کے بارہ میں تمام احادیث ضعیف اور موضوع ہیں بالکل باطل ہے اور اسی طرح یہ کہنا بھی لغو ہے کہ قبرِ نبیؐ کی زیارۃ سے مراد مسجدِ نبویؐ کا سفر ہے۔ اس مسئلہ کو انتہائی بسط و تفصیل کے ساتھ میں نے اپنے رسالہ السعی المشکور فی رد المذہب الماثور میں لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

استخارہ

سوال (۹۱) علماء دین کیا فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کسی کام میں استخارہ کرنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:- اس کا طریقہ بخاری میں ہے۔ حضرت جابر سے روایت ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلہا کما یعلمنا السورۃ من القرآن یقول اذا ھم احدکم بامر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضۃ۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی طرح ہم کو ہر ایک کام میں استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے کہ جب کوئی کام پیش آئے تو دو رکعت نفل پڑھو اور فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھو

ثم لیقل اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر الذی انا جازم علیہ خیر لی فی دینی ودنیای ومعاشی وعاقبۃ امری وعاجلہ وآجلہ فقدرلی ویسرہ ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذا الامر شرلی فی دینی ودنیای وعاقبۃ امری ومعاشی وعاجلہ وآجلہ فاصرفہ عنی واقدرلی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ یا رب العلمین۔ واللہ اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ

تعدیل راوی

سوال (۹۲) راوی کی تعدیل کے لئے اصول فقہ کی کتابوں میں چار شرائط ذکر کی جاتی ہیں عقل، اسلام، ضبط، عدالت۔ اگر کتب رجال میں کسی راوی کے بارہ میں ان لفظوں کے بجائے ثبت، ثقہ، صدوق میں سے کوئی لفظ بولا جائے اور اس پر صدوق سئ الحفظ یا صدوق یہم کے ساتھ جرح نہ کی گئی ہو تو اس صورت میں تعدیل متحقق ہو جائے گی یا اس کے مسلم، عاقل، ضابط، عادل ہونے میں تردد رہے گا۔

جواب:- یہ الفاظ تعدیل کے اعلیٰ مراتب میں سے ہیں۔ ان الفاظ کے بیان کرنے کے بعد کسی راوی کے بارہ میں شک وشبہ کرنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ علامہ سخاوی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں لکھتے ہیں:-

قال الذھبی ان قولھم ثبت وحجۃ وامام وثقۃ ومتقن من عبارات التعدیل التی لانزاع فیھا انتھی

مقدمہ ابن صلاح اور مختصر ابن جماعۃ میں ہے اما الفاظ التعدیل فعلی مراتب الاولی قال ابن ابی حاتم اذا قال للواحد انہ ثقۃ او متقن فھو من یحتج بحدیثہ قلت وکذا اذا قیل ثبت او حجۃ وکذا اذا قیل فی العدل انہ حافظ او ضابط انتھی۔ واللہ اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ

روایت صحیح مسلم

سوال (۹۳) مسلم شریف کے باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ وکیفیۃ وضع الیدین علی الفخذین میں ایک روایت ہے حدثنا عبد بن حمید قال نا یونس بن محمد قال نا حماد بن سلمۃ عن ایوب عن نافع عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا قعد فی التشھد۔ الحدیث۔

اس حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرنے والے نافع مولیٰ ابن عمرؓ ہیں جن کی نسبت تقریب

میں مکتوب ہے ثقة ثبت فقیہ مشہور من الثالثة یا اور کوئی دوسرے نافع ہیں۔ اور اسی اسناد میں ایوب سے روایت کرنے والے حماد بن سلمہ ہیں ان کی نسبت تقریب میں مسطور ہے تغیرہ حفظہ بآخرہ یعنی آخر عمر میں حافظہ صحیح نہ رہا تھا پس ممکن ہے کہ حماد کے تغیر حفظ سے پہلے یہ روایت صحیح مسلم میں ذکر کی گئی ہو جیسا کہ نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں لکھا ہے:۔ واعلم ان ماکان من هذا القبيل محتجا به في الصحيحين فهو مما علم انه اخذ قبل الاختلاط اور اس کا بھی احتمال ہے کہ تغیر حافظہ کے بعد لائی گئی ہو۔

جواب: حقیقت میں یہ روایت قبل اختلاط کے ہے جیساکہ نووی کی عبارت سے واضح ہوگیا اور فتح المغیث میں ہے ما يقع في الصحيحين او احدهما من التخريج لمن وصف بالاختلاط فانا نعرف على الجملة ان ذلك مما ثبت عند المخرج انه من قديم حديثه انتهى ۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

جرح وتعدیل

سوال (۹۴) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تقریب میں جو جرح وتعدیل مذکور ہے مجھ کو اس پر اعتبار نہیں صاحب تقریب کے سوا کوئی دوسرا بھی تصدیق کرے تو قابلِ اعتبار ہوگا۔ اس شخص کا یہ کہنا صحیح ہے یا جہالت اور گمراہی کی بات ہے؟

جواب:۔ یہ کہنا حماقت اور گمراہی ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ صاحب تقریب علامہ ابن حجر عسقلانی کی شخصیت اور جلالتِ قدر جو کتب تواریخ وطبقات سے معلوم ہوتی ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ ان کا قول جرح وتعدیل کے سلسلہ میں بلا شک وشبہ معتبر ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جرح وتعدیل کے سلسلہ میں جو کچھ تقریب میں مذکور ہے وہ درحقیقت ائمہ حدیث کی بڑی جماعت کا قول ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے اسماء الرجال کے ماہر کامل ابوالحجاج دمشقی نے صحاح ستہ کے رجال کے واسطے تہذیب الکمال تالیف کی جس میں محدثین متقدمین کے اقوال سے جرح وتعدیل نقل کی۔ اس کا حافظ ابن حجر نے خلاصہ کرکے مع کچھ زیادات کے تہذیب التہذیب تصنیف کی اور پھر اسی کا خلاصہ تقریب میں پیش کیا۔ پس جو جرح وتعدیل تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب میں باقوال محدثین مذکور ہے بعینہ وہی جرح وتعدیل تقریب میں ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی جرح وتعدیل نہیں ہے جس کی تصدیق محدثین سابقین کے اقوال سے نہ ہوتی ہو جیساکہ ماہرین فن پر ظاہر ہے

ابوالحسنات محمد عبدالحی

امامت اور امام

سوال (۹۵) امامت کی حقیقت کیا ہے اور امام کے لیے کیا شرط ہے؟ اور حدیث من لم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية کی کیا مراد ہے اور وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ ہر سو سال میں ایک مجدد دین پیدا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں اس کا مصداق کون شخص ہے؟

جواب:۔ امامت درحقیقت نام ہے رسولؐ کے خلیفہ ہونے کا احکام کی پابندی کرانے اور انتظام دنیا کے چلانے میں جس کا اتباع تمام مخلوق پر واجب ہوتا ہے۔ موقف اور اس کی شرح میں یہی تحقیق ہے۔ پس کسی آبادی اور شہر کا رئیس امام نہیں ہو سکتا۔

نیز ضروری ہے کہ امام سب پر ظاہر ہو تاکہ اس کے مقرر کرنے کا مقصد حاصل ہو سکے اور امام کے لیے مسلمان، آزاد، مذکر، عاقل، بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ خاندانِ قریش سے ہونا بھی شرط ہے معصوم ہونا یا اہلِ زمانہ سے افضل ہونا ضروری نہیں۔ اور ایسے امام کا مقرر کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور ضررِ عام اور فتنۂ عظیمہ کے آثار کے وقت ایسا شخص بھی امام بن سکتا ہے جس میں یہ شرطیں نہ ہوں لیکن ناجائز اور خلافِ شرع کاموں میں اس کی اطاعت نہ کرنی چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے لاطاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق اور ابن ہمام کی شرح المسایرۃ میں ہے واذا قضی بنفوذ قضایا اھل البغی فی بلادھم التی غلبوا علیہا لمسیس الحاجۃ فکیف لا تقضی بصحۃ الامامۃ مع فقد الشروط عند لزوم الضرر العام انتھی اور مرقاۃ میں ہے لاتصح خلافۃ العبد لقولہ علیہ السلام الائمۃ من قریش وقلت لکن یصح امارتہ مطلقا وکذا خلافۃ تسلطا کما ھو فی زماننا فی جمیع البلاد، انتھی اور حدیث من لم یعرف الحدیث" میں امام سے مراد نبی ہے۔ خیال میں یہی مذکور ہے یا مراد کتاب ہو، جیسا کہ زمانۂ یہود میں توریت اور زمانۂ نصاریٰ میں انجیل اور زمانۂ محمدیہ کے دور میں قرآن۔ اور متکلمین نے اس حدیث کے معنیٰ یہ بیان کیے۔ من لم یعرف امام زمانہ معانہ فی ظل امامۃ فقد عاش عیش الجاھلیۃ فیموت میتۃ جاھلیۃ یعنی جو شخص امام کے زیرِ سایہ رہتے ہوئے اس کو نہ پہچانے تو اس کی موت وحیات جاہلیت کی موت وحیات کے مانند ہوگی۔ انتھی۔ اور بعضوں نے یہ معنی لکھے ہیں کہ تمام مسلمان اور اربابِ حل وعقد جس کے ہاتھ پر بیعت کرکے اس کو امام بنالیں، اگر کوئی اس کی امامت سے اور بیعت سے انکار کرے تو یہ اس سزا کا مستحق ہوگا۔

اور ہر سو سال میں دینِ محمدی کا ایک مجدد پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے مصداق قطعی کا علم تو عالم الغیب ہی کو ہے۔ البتہ جس شخص کا نفع عام ہو اور اس کی برکات سے لوگ مستفید ہوں اور امورِ شرعیہ کا بقا واستحکام اسی کے ہاتھوں سے ہو تو ایسے شخص کے بارہ میں امکان ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

قرآن کا رسم الخط اور علم نحو

سوال (۹۶) قرآن مجید کے رسم الخط میں صیغہ مفرد کے آخر میں الف لکھا جاتا ہے جیساکہ سورۂ رعد میں المیعاد یدعوا والیہ مآب اور اسی طرح سورۂ جمعہ میں رسولا یتلوا علیہم اسی طرح بعض جگہ واؤ زائد ہے جیسے اولئک میں اور بعض جگہ ی زائد لکھی جاتی ہے جو قاعدۂ نحو کے خلاف ہے آیا علمِ نحو کے مطابق اسے بدل دینا چاہیئے یا مصحف عثمانی کے رسم الخط کے مطابق رکھنا ضروری ہے۔

جواب:۔ قرآن مجید کے رسم الخط میں مصحف امام کے مطابق رعایت کرنی چاہیئے اپنی طرف سے تغیر وتبدل جائز نہیں علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر اتقان میں لکھتے ہیں:۔

القاعدۃ العربیۃ ان اللفظ یکتب بحروف ھجائہ مع مراعاۃ الابتداء بہ والوقف علیہ قد مھد النحاۃ لہ اصول وقواعد وقد خالف فی بعض الحروف خط مصحف الامام وقال اشھب سئل مالک ھل کتب المصحف علی ما احدثہ الناس من الھجاء فقال لا الا علی الکتبۃ الاولیٰ رواہ الدانی فی المقنع ثم قال ولا مخالف لہ من علماء الامۃ وقال فی موضع آخر سئل مالک عن الحروف فی القرآن مثل الواو والالف الاتری ان یغیر اذا وجد فیہ کذالک قال لا قال

ابو عمرو یعنی الواؤ والالف المزید تین فی الرسم المعدومتین فی اللفظ نحو اولوا قال الامام احمد یحرم مخالفۃ خط مصحف عثمان فی واؤ، یاؤ او الف او غیر ذلک۔

اور بیہقی شعب الایمان میں فرماتے ہیں:۔

من کتب مصحفا فینبغی ان یحافظ علی الھجاء الذی کتبوا فیہ تلک المصاحف ولا یخالفھم فیہ ولا یغیر مما کتبوا شیئا فانھم کانوا اکثر علماء واصدق قلبا ولسانا واعظم امانۃ منا فلا ینبغی ان نظن بانفسنا استدراکا علیہ انتھی۔ ایک اور جگہ میں لکھتے ہیں وقال الکرمانی فی العجائب کانت صورۃ الفتحۃ فی الخطوط قبل الخط العربی الف وصورۃ الضمۃ واو وصورۃ الکسرۃ یاء فکتب لا او ضعوا بالالف مکان الفتحۃ وایتاءِ ذی القربی بالیاء مکان الکسرۃ واولئک ونحوہ بالواؤ مکان الضمۃ لقرب عھدھم بالخط الاول انتھی۔

حروفِ قرآن میں تغیر وتبدل کرنا

سوال (۹۷) الف اگر کوئی شخص قرآن کے کسی حرف کو دوسرے حرف سے بدلے یا اس میں کمی یا زیادتی کرے تو کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ ایسا شخص کافر ہے۔ قاضی عیاض کی کتاب شفا میں ہے:۔

قد اجمع المسلمون علی من نقص من القرآن حرفا قاصدا لذلک او بدلہ بحرف آخر مکانہ اوزاد فیہ حرفا آخر مما لم یشتمل علیہ المصحف الذی وقع الاجماع علیہ واجمع علی انہ لیس من القرآن عامدا لکل ھذا انہ کافر۔ انتھی۔

کسی مصلحت کی وجہ سے خلافِ حقیقت تفسیر کرنا

سوال (۹۷) ب۔ اگر کوئی شخص کہے یا اعتقاد رکھے کہ آیت کی اصل تفسیر یہ ہے جو میں کر رہا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفسیر بیان کی وہ محض معترض کو خاموش اور لاجواب کرنے اور زجر و توبیخ کرنے کیلئے تھی۔ لہٰذا تفسیر رسول قابلِ قبول نہ ہوگی۔ البتہ اس مخصوص معترض کے حق میں معتبر ہوگی لیکن تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ائمہ حدیث نے روایت کیا اور اس کی تحسین کی اور جمہور مفسرین نے ثابت مان کر قبول کیا ایسا کہنا یا اعتقاد رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تغلیط و تخطیہ بلکہ تکذیب اور اتہام لازم آتا ہے یا نہیں اور کسی نبی یا غیر نبی کے لیے محض معترض اور مخالف کو زجر و توبیخ اور خاموش کرنے کے لیے خلافِ واقعہ قرآن کی تفسیر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور ناجائز ہونے کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص اس کے جواز کا اعتقاد رکھے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کو خلافِ واقعہ بتا کر اس کی تغلیط اور تخطیہ کرے، تو ایسے شخص کا حکم شرعی کیا ہے؟

جواب:۔ کسی نبی یا غیر نبی کے لیے معاند و مخالف کو جواب دینے اور زجر و توبیخ کرنے کی غرض سے خلافِ واقعہ قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ایسا اعتقاد رکھنے والا زندیق ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لازم تھا کہ قرآن کی تفسیر باری تعالیٰ کی مراد کے مطابق فرمائیں اور کسی بھی مصلحت و غرض کی وجہ سے واقعہ اور حقیقت کو چھپا کر

خلافِ حقیقت تفسیر نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کو خطاب کرتے ہیں

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

اے رسول پہنچا دے جو اترا تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام اور اللہ تجھ کو بچا لیگا لوگوں سے۔

وقال تعالیٰ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ

بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھا وے گا تجھ کو اللہ۔

واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

قراءتِ صحیحہ وغیر صحیحہ کی پہچان

سوال (۹۸) قراءتِ صحیحہ کونسی ہے اور شاذ۔ باطل۔ ضعیف کی پہچان کیا ہے؟

جواب:۔ نشر ابن جزری میں مکتوب ہے جو قراءت قواعدِ عربیہ کے موافق ہو یا مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے مطابق ہو اور اس کی سند صحیح ہو وہی قراءتِ صحیحہ ہے جس کا انکار صحیح نہیں خواہ قراءِ سبعہ سے منقول ہو یا قراءِ عشرہ سے اور اگر تین شرطوں میں سے کسی ایک میں نقصان ہو تو وہی قراءت ضعیفہ، شاذہ، باطلہ ہو جائے گی۔ ابوشامہ، کواشی، اتقان وغیرہ کتابوں میں یہی مذکور ہے۔

اختلاطِ قراءت

سوال (۹۹) ایک قراءت کو دوسری قراءت کے ساتھ جیسے قراءتِ حفص کو قراءتِ ابن عامر کے ساتھ ایک آیت یا ایک سورۃ میں ملا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ ابن صلاحؒ اور نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے قراءتِ سبعہ یا قراءتِ عشرہ میں سے کوئی ایک قراءت شروع کی تو پوری مجلس میں اسی قراءت کے ساتھ پڑھنا چاہئے لیکن اگر ایک جملہ پورا کرنے کے بعد دوسرا جملہ دوسری قراءت میں شروع کر دیا تو یہ بھی جائز ہے اور بعض ائمہ نے اس اختلاط کو بالکل ناجائز کہا ہے اور ابن جزری فرماتے ہیں اگر اختلاط سے کلام قواعدِ عربیہ سے نکل جائے اور مہمل بن جائے تو یہ صورت ناجائز ہے جیسا کہ فتلقّٰی آدم من ربہ کلماتٍ الآیۃ میں آدم پر رفع پڑھنا غیر ابن کثیر کی قراءت کی رُو سے اور کلمات پر قراءت ابن کثیر کے لحاظ سے جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں کلام مہمل ہو جائے گا۔ اور اگر قراءت کا مقصد کسی خاص راوی اور قاری کی روایت کا بیان کرنا ہے تو اس میں خلط کرنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں کذب لازم آتا ہے۔ ہاں البتہ اگر محض برائے تلاوت ہو تو مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی قرآن ہی ہے (تفسیر اتقان)

قراءتِ سبعہ کا تواتر

سوال (۱۰۰) قراءتِ سبعہ متواتر ہے یا مشہور؟

جواب:۔ بعض قراءتیں تو متواتر ہیں کہ جن کے ناقل اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان کا کذب پر مجتمع ہونا عقلاً محال ہے اور یہ کثرت ہر زمانہ میں رہتی ہے۔ اور بعض قراءتیں مشہور ہیں کہ جن کی سندیں صحیح رسم الخط عثمانی اور قواعدِ عربیہ کے موافق ہیں اور قاریوں

ہیں مشہور مگر تواتر کے مرتبہ تک نہیں پہنچیں۔ اور کسی قاری نے بھی اس کو غلط یا شاذ نہیں کہا۔ ایسی قراتیں کہ قراء سبعہ سے مختلف طرق سے منقول ہیں کہ بعض ناقلین بطور روایت اور بعض قراء کسی دوسرے طریقہ سے نقل کرتے ہیں۔ کتب قرارت میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں جیسے تیسیر دانی، قصیدہ شاطبی، ادعیہ نشر، تقریب نشر وغیرہ اور بعض قراتیں احاد ہیں کہ سند صحیح ہوتی ہے لیکن رسم عثمانی یا قواعد عربیہ کے مخالف ہوتی ہیں یا غیر مشہورہ ہوتی ہیں۔ تفسیر اتقان میں ابن جزری کا یہی قول نقل کیا گیا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ائمہ سبعہ سے انفرادی طور پر منقول ہونے والی قرارت خواہ اس کے ناقل متحد ہوں یا مختلف متواتر نہیں ہے۔ بلکہ جو قراتیں ائمہ سبعہ سے نقل کرنے والے باتفاق نقل کرتے ہیں اور حد تواتر کو پہنچ گئے ہوں تو اس کو متواترہ کہیں گے اور الفاظ مختلفہ جو قراء سبعہ سے منقول ہیں وہ متواتر نہیں ہوں گے۔ ابو شامہ کا قول یہی ہے۔ اور زرکشی برہان میں کہتے ہیں۔ قرارت سبعہ کا قراء سبعہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہونا مسلم ہے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہونا مسلم نہیں۔ کیونکہ قراء سبعہ کا نقل کرنا بہ نسبت قرارۃ سبعہ کے کتب قرارۃ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل واحد از واحد ہے پس تواتر کیسے ہوسکتا ہے اور بعض ماہرین فن مطلق تواتر کے قائل ہوگئے۔

قرارت شاطبی و تیسیر

سوال (۱۰۱) قرارۃ شاطبی اور قرارۃ تیسیر قرارت سبعہ متواترہ کو حاوی ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ امام شاطبی اور صاحب تیسیر نے اپنی کتابوں میں متواترات کا التزام نہیں کیا بلکہ ان کتابوں میں بہت سی قرارۃ مشہورہ بھی مندرج ہیں۔ اور قرارت مشہورہ کا فقط ان کتابوں میں انحصار کرنا صحیح نہیں۔ اور ائمہ قرارت نے ان کتابوں پر قرارۃ مشہورہ کا انحصار کرنے والوں کا شدت سے رد کیا ہے (تفسیر اتقان)

روایت عشرہ کا مرتبہ

سوال (۱۰۲) اگر کوئی عالم یا حافظ قرارۃ عشرہ میں سے کوئی ایک قرارۃ کرتا ہے، اس کو خاطی کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ جب قرارۃ عشرہ مشہورۃ ثابت السند اور صحیح الروایت ہیں تو اب خطا اور غلطی کی نسبت کرنے کا کیا مطلب ہے۔ ورنہ صحابہؓ اور تابعینؒ کا تخطیہ اور ان کی تغلیط لازم آتی ہے

قرارۃ لاتامنا

سوال (۱۰۳) سورۂ یوسف میں قول باری لاتامنا کا نون دیار ہندوستان میں ادغام صریح اور تشدید کے ساتھ مشہور ہے۔ اور بعض قراء بغیر ادغام یعنی دونوں نون علیحدہ علیحدہ پڑھتے ہیں۔ دونوں میں صحیح کونسی قرارۃ ہے؟

جواب:۔ قول باری لاتامنا صیغہ نفی جس میں متکلم مع الغیر کی ضمیر ہے اس میں ادغام و اظہار کی حیثیت سے چند احتمال ہیں اول۔ اظہار صریح یعنی ادغام بالکل نہ کیا جائے اور اس صورت میں نون اول کو مضموم پڑھا جائے۔ لیکن قراء سبعہ اور قراء عشرہ میں سے کوئی بھی اس قرارۃ کا قائل نہیں کیونکہ رسم خط کے مخالف ہونے کے علاوہ یہ قرارۃ ثقیل بھی ہے

البتہ اربعہ عشر کے قراء میں سے اعمش اور طلحہ اظہار صریح کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مفتاح رحمانی میں مجمع السرور کا حوالہ اسی طرح منقول ہے اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔ الادغام فی کلمتین اتفق علیہ القراء فی لا تامنا۔ انتہی

تفسیر اتقان میں ہے اجمع الائمۃ العشرۃ علی ادغام مالک لا تامنا علی یوسف انتہی

دوسرا احتمال:۔ بغیر ادغام ہر دو نون علیحدہ علیحدہ اس طرح پڑھے جائیں کہ نون اول کی حرکت کو اس قدر اخفاء کے ساتھ پڑھا جائے کہ حرف ساکن کا شبہ ہونے لگے اور اسی اخفاء کو علامہ سیوطی نے الروم اور صاحب تیسیر نے اشمام سے تعبیر کیا ہے اور اشمام کی حقیقت اسی اخفاء کو لکھا ہے

قال کلہم قرء لا تامنا بادغام النون الاولیٰ فی الثانیۃ واشمامہا الضم وحقیقۃ الاشمام فی ذلک ان یشارک بالحرکۃ الی النون لا بالعضو الیہا فیکون ذلک اخفاء لا ادغاما صحیحا لان الحرکۃ لا تسکن راسا بل یضعف الصوت فیفصل بین المدغم والمدغم فیہ لذلک ہذا قول عامۃ ائمتنا وہو الصواب لتاکد دلالۃ وصحۃ فی القیاس۔

محقق شروانی نے حاشیہ بیضاوی میں یہی فرمایا اور علامہ شاطبی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں ع

وتامننا للکل یخفی مفصلاً

یعنی تمام قراء سبعہ تامننا کو نون اول کی حرکت اخفا اور ترک ادغام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور شیخ ابو البقاء علی بن عبداللہ بن عثمان بن محمد بن احمد بن الحسین القاصح شرح قصیدہ مسمی سراج القاری المبتدی وتذکرۃ المقری المنتہی میں فرماتے ہیں اخبر ان کل القراء یعنی السبعۃ قرء وا مالک لا تامنا باخفاء حرکۃ النون ای باظہار النون الاولی واختلاس حرکتہا ثم قال مفصلا ان الاخفاء یفصل احدی النونین عن الاخری بخلاف الادغام۔ انتہی اور محقق شروانی حاشیہ بیضاوی میں جعبری کا قول نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔ قصیدہ کا حاصل کلام یہ ہے کہ تمام ناقلین نے اخفاء کو فصل کے ساتھ قراء سبعہ سے نقل کیا ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اہل عراق اس کے مخالف ہیں اور مفتاح میں اسی مصرعہ کو نقل کرنے کے بعد تعریفاً لکھتے ہیں اور اس وجہ کو اولیٰ کہدیا۔ کیونکہ اکثر قراء کا مذہب ہے اور شروانی شارح قصیدہ جعبری کا قول نقل کرتے ہیں کہ مفصلا سے مراد ہے ہر دو نون کا ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا۔ اور اظہار کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اور ابو علی فارسی کے اس قول کی مراد بھی یہی ہے ویجوزان یبین ولا یدغم ویخفی الحرکۃ وہو ان یختلسہا ومفہوم ہذا البیت ان کلا من النقلۃ رووہ عن السبعۃ ولیس کذلک لاطباق العراقیین علی خلافہ انتہی۔

تیسرا احتمال۔ نون اول کو نون ثانی میں ادغام کرکے ضمہ کے اشمام کے ساتھ پڑھیں۔ اور اس طریقہ کو بعض اہل ادا جیسے قراء سبعہ میں سے ابن مجاہد نے روایت کیا اور اسی کو آسانی کی وجہ سے بہت سے اہل ادا نے اختیار کر لیا۔ مفتاح رحمانی میں یہی مذکور ہے۔ اور یہ وجہ تیسیر میں مذکور نہیں۔ اور اسی اشمام کی حقیقت یہ ہے کہ دونوں لبوں کو باہم ملائیں۔ اس طرح کہ کوئی آواز یا حرکت نہ پیدا ہو۔ فقط لبوں سے اتنا اشارہ ہو جائے گویا کہ لبوں سے ضمہ نون کا اشارہ کر رہے ہیں اور کوئی حرکت نہ پیدا ہو۔ شروانی نے جعبری کا یہی قول نقل کیا اور کنز المعانی میں ہے وہذا الاشمام ان تضم شفتیک من غیر صوت انتہی

اور شاطبی قصیدہ میں کہتے ہیں ع وادغم مع اشمامہ البعض عنہم

اس کے شارح ابن قلیح لکھتے ہیں ثم اخبران بعض اھل الاداء کابن مجاھد اذ غم النون الاولی فی الثانیۃ مع اشمام الضم عنھم ای عن السبعۃ وھذا لوجہ لیس فی التیسیر وھذا الاشمام کالاشمام السابق فی الوقف وھو ضم الشفتین من غیر احداث شئ فی النون انتھی۔

چوتھا احتمال۔ نون اول کو نون ثانی میں مدغم کرکے بعض ادغام صریح کے ساتھ اشمام اور اشارہ ضمہ کے بغیر پڑھیں قراء عشرہ میں سے ابو جعفر نے اسی صورت کو اختیار کیا (اتقان) اور یہ صورت رابعہ بھی تیسیر میں مذکور نہیں اور صاحب مفتاح رحمانی لکھتے ہیں قراء سبعہ در کلمہ لا تامنا لا ادغام محض برائے آں نکردہ اند کہ بلاء نھی کہ از حروف جار است التباس می آید انتھی۔

لیکن صاحب سراج القاری لکھتے ہیں کہ بغیر اشمام کے ادغام صریح پڑھنا بھی قراء سبعہ کی ایک قراءت ہے جیسا کہ اخفا اور ادغام مع الاشمام بھی۔ اور کلام ناظم میں اشارہ ہے وجہ ثالث کی طرف جو ادغام صریح ہے بغیر اشمام کے اسی لیے وہ فرماتے ہیں وادغم مع اشمامہ البعض عنھم دل علی ان البعض ادغم من غیر اشمام فھذہ ثلثۃ اوجہ قراءۃ لکل واحد من السبعۃ وھذا الوجہ الثالث لیس فی التیسیر ایضا ونص ابن جبارۃ علی الاوجہ الثلثۃ انتھی

خلاصۂ کلام یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی شخص لا تامنا ادغام صریح کے ساتھ بغیر اشمام اور بغیر روم کے پڑھتا ہے تو مستحق ملامت نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

ابو الحسنات محمد عبدالحی

ختم قرآن اور سورۂ اخلاص

سوال (۱۰۴) ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں؟

جواب: مستحب ہے اور شرح منیہ میں ہے قراءۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا شئ استحسنہ اھل القرآن وائمۃ الامصار فلا باس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزید علی مرۃ انتھی۔

مزاجھا کافورا کی تشریح

سوال (۱۰۵) تفسیر جلالین میں ہے کان مزاجھا ما تمزج بہ کافورا انتھی اور صاحب کمالین لکھتے ہیں یرید انہ اسم کالادام لما یوضع بہ انتھی۔ اور یہ عبارت تفاسیر مروجہ کے خلاف ہے تو اس کی کیا توجیہ ہوگی۔

جواب: تفسیر ولغت کی کتابوں میں ما یمزج بہ کے معنی میں لیا ہے۔ تفسیر کواشی میں ہے مزاجھا ما تمزج بہ انتھی اور محمد بن ابی بکر الرازی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں مزاج الشراب ما تمزج بہ انتھی۔ اور فیوضات الٰہیہ میں ہے المزاج ما یمزج بہ انتھی۔ تفسیر کشاف میں ہے مزاجھا ما تمزج بہ انتھی۔

اور اس وزن کے الفاظ کے معنی اس طرح کیے جاتے ہیں جیسے قوام بمعنی ما یقام بہ فیوضات الٰہیہ میں یہی ہے ختام بمعنی ما یختم بہ تفسیر کواشی میں اسی طرح ہے اور لفظ سراد بھی ہے جس سے چمڑا سیا جاتا ہے (منتھی الادب) لفظ مزاج کا وزن اگرچہ اسم آلہ کا وزن ہے۔ مگر مزاج کے اسم آلہ ہونے کے بارہ میں کسی کتاب میں کوئی قول صریح نہیں ملتا

رضی شرح شافیہ میں بیان فرماتے ہیں کہ افعال کا وزن بھی آلہ کے واسطے آتا ہے جیسے خیاط۔ نظام اور اسم آلہ کی تعریف لفظ مزاج پر صادق آتی ہے کیونکہ استعانت فعل میں ممزوج بہ سے حاصل ہوتی ہے اور عینی شرح شافیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اسم مشتق ہے فعل سے تاکہ اس سے فعل میں مدد لی جا سکے۔ اور جار بردی اسی کی شرح میں فرماتے ہیں الآلة لکل اسم اشتق من فعل اسما لما یستعان بہ فی ذلک الفعل کالمفتاح فانہ اسم لما یفتح بہ وقد یطلق علی یفعل غیر اذا کان مما یستعان بہ فی المعنی کالمحلب انتہی۔ اس اعتبار سے لفظ مزاج کو اسم آلہ کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

خشیت علماء کی حقیقت

سوال (۱۰۶) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے جن کو علم ہے)

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں بہت سے علماء کو کوئی خوف نہیں اور بے باکانہ طریقہ پر جو چاہتے ہیں کر گذرتے ہیں تو اس آیت کے کیا معنی ہیں؟

جواب:۔ عالم بے عمل باری تعالیٰ کی نظر میں مقبول نہیں اور درحقیقت وہ علماء کی جماعت ہی میں شامل نہیں۔ اگرچہ ظاہر صاحب علم ہو۔ فقیہ ابو اللیث کی کتاب تنبیہ میں ہے عن ابی الدرداء قال ویل للذی لا یعلم مرة وویل للذی یعلم ولا یعمل سبع مرات اور ظہیریہ میں ہے قیل الذی یعلم الناس ولا یفعلہ بمنزلة الاعمی یضئ السراج ولا یستضئ بہ البتہ باعمل علماء جو درحقیقت شارع کی نظر میں علماء کے زمرہ میں شامل ہیں وہ حق تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ایسے ہی علماء باعمل آیہ کریمہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء سے مراد ہیں۔ ایک مشہور روایت ہے کہ کسی شخص نے شعبیؒ سے پوچھا کہ عالم کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا کہ عالم وہی ہے جو خدا سے ڈرے۔

حدیث موضوع کی پہچان

سوال (۱۰۷) علماء ماہرین نے حدیث موضوعہ کے پہچاننے کے لیے قاعدہ لکھا ہے کہ تھوڑے سے کام پر ثواب کثیر کا وعدہ کیا جائے یعنی وعدہ اور وعید میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا۔ حالانکہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں حدیث نقل کرتے ہیں کل حسنة بعشرة امثالہا الی سبعمائة ضعف الا الصوم (روزہ کے علاوہ ہر ایک نیکی کا بدلہ دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملتا ہے۔ اور بعض محدثین دوسری حدیث نقل کرتے ہیں من صام صوم یوم سبعة وعشرین من رجب کتب اللہ لہ صیام ستین شہراً (یعنی جو شخص رجب کی ستائیس تاریخ کا روزہ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں ساٹھ مہینے کے روزے لکھدے گا) ایسی صورت میں ان دونوں احادیث کا مفہوم کیا ہوگا۔ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ پہلی حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے اور علامہ زین الدین ابو الفضل عبدالرحیم العراقی المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار بتخریج ما فی الاحیاء من الاخبار کتاب میں اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ اخرجاہ من حدیث ابی ہریرة انتہی۔ دوسری حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے مگر بعض محدثین نے اس کو نقل کیا ہے

ماثبت من السنۃ میں ہے فی جزء ابی معاذ الشاہ المروزی فی فضائل رجب بعد العزیز من طریق ضمیرۃ عن مطر الوارق عن شھر بن حوشب عن ابی ھریرۃ موقوفا من صام صوم یوم سبعۃ وعشرین من رجب کتب اللہ لہ صیام ستین شھرا او ھو الیوم الذی ھبط فیہ جبرئیل علی محمد صلے اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ وھذا مثل ما ورد فی ھذا المعنی۔ انتھی

اور اس قاعدہ مذکورہ کی اگرچہ نخبۃ وغیرہ کے شراح نے بھی تصریح کی مگر اس کو اُن احادیث کے ساتھ جن کو فن کے ماہرین نے روایت کیا ہے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ وہ احادیث کہ جن کو ماہرین فن نے روایت نہیں کیا۔ اگر اچانک کسی ماہر فن کے کان میں پڑیں تو وہ ایسے قواعد سے حدیث کی صحیح کیفیت کو معلوم کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم

دخان اور بھنگ کے متعلق حدیث

سوال (۱۰۸) کل دخان حرام ومن اکل من البنج فکانما زنی بامہ لقمۃ یہ حدیث ہے یا نہیں جس کا مفہوم یہ ہے، ہر دھواں حرام ہے اور جس شخص نے بھنگ کا ایک لقمہ بھی کھالیا تو وہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔

جواب:۔ کسی معتبر کتاب میں یہ حدیث نظر سے نہیں گذری اور کسی شخص کا اس کو حدیث لکھدینا قابل اعتبار نہیں ہے اس سلسلہ میں محدث کا قول معتبر ہوتا ہے جو حدیث کو سند کے ساتھ بیان کر سکے۔ کیونکہ بعض واعظین احادیث غیر معتبرہ کو محض ترغیب وترہیب کے واسطے ذکر کردیتے ہیں اور اس حدیث کے صحیح حال سے مطلع نہیں ہوتے۔

اصحاب قبور سے استفتار کرنا

سوال (۱۰۹) اذا تحیر تم فی الامور فاستفتوا باصحاب القبور (یعنی جب تم کسی معاملہ میں متردد ہو تو اصحاب قبور سے معلوم کرلو) یہ حدیث ہے یا نہیں اور اس کا مطلب کیا ہے؟

جواب:۔ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ کسی شخص کا قول ہے اور اس کے چند معنی ہو سکتے ہیں:۔

(۱) جب تم کسی شے کی حلت وحرمت کے بارہ میں مختلف قسم کے دلائل دیکھ کر حیران ہو جاؤ تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر متقدمین کی تقلید کرو جو وفات پا چکے۔

(۲) جب تم امور دنیا میں پریشان اور تنگ دل ہو جاؤ تو دنیا کو چھوڑ کر اصحاب قبور کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور خیال کرو کہ جس طرح ان لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔ اسی طرح ایک نہ ایک دن ہم کو بھی یہ دنیا چھوڑ کر یہی سفر اختیار کرنا ہوگا۔

(۳) جب اپنے کسی مقصد میں ناامید ہو جاؤ کامیابی کی کوئی صورت نہ ہو تو ان حضرات کے وسیلہ سے حصول مقصد کی دعا کرو تاکہ ان کی برکت سے وہ دعا قبول ہو جائے۔ مگر ان کو قاضی الحاجات اور دافع مشکلات نہ سمجھو اور اسی طرح تدبیر عالم میں شریک بھی مت خیال کرنا کیونکہ یہ عین شرک ہے۔

مصافحہ کا مسنون وقت

سوال (۱۱۰) الف۔ مسافر یا غیر مسافر سے رخصت کے وقت مصافحہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ

کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ سے ثابت ہے یا نہیں اور اگر ثابت ہے تو حکم شرعی کیا ہے؟

جواب:۔ بوقتِ ملاقات تو مسنون ہے خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کرتے تھے اور ترغیب بھی دیتے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے مالقیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قط الا صافحنی اور طحاوی میں شعبی سے روایت ہے ان اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کانوا اذا التقوا تصافحوا واذا قدموا من سفر تعانقوا۔ ترمذی میں براء بن عازب کی روایت ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا التقا المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفرا غفر لہما یعنی جب دو مسلمان ملاقات کے وقت مصافحہ کریں اور حمد و استغفار کریں تو دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے، اور اسی طرح احمد طبرانی اور بزار نے روایات کی ہیں۔ ان تمام احادیث میں بوقت ملاقات مصافحہ کا مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آں حضرتؐ یا صحابہ کرامؓ رخصت کے وقت مصافحہ کیا کرتے تھے۔ ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقاۃ انتہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقت رخصت مسنون نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

اور بعض حضرات نے ثابت کیا۔ فرماتے ہیں رخصت کے وقت مسافر یا غیر مسافر سے مصافحہ کرنا صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کتاب شرعیۃ الاسلام میں مذکور ہے۔ ونصہ ھکذا۔ وکان اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا وحمد اللہ واستغفروا وان التقوا وافترقوا فی یوم مرارًا انتہیٰ۔ البتہ جناب رسول اللہ اور تابعین تبع تابعین ائمہ اربعہ سے کسی کتاب میں ثابت نہیں۔ اور اگر مل جائے تو سنتِ مؤکدہ نہ ہوگا۔

ابوالاحبار محمد نعیم ۔ المصدق امان الحق۔

مصافحہ کرنا

سوال (۱۱۰) ب۔ اگر زید و عمرو ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہوئے آپس میں مصافحہ کرتے ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی بھی مسافر نہیں تو کیا یہ مصافحہ جائز ہوگا یا ناجائز۔ اس کا حکم مع سند کتاب بیان فرمائیں۔

جواب:۔ بوقت ملاقات مصافحہ مسنون ہے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات انتہی اور بوقت رخصت مسنون نہیں۔ البتہ شرعیۃ الاسلام میں مذکور ہے کہ صحابہ کرام بوقت رخصت مصافحہ کرتے تھے عبارت کتاب یہ ہے کان اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا وحمدوا اللہ واستغفروا عندہ ذلک وان التقوا وافترقوا فی الیوم مرارًا۔ انتہی۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

ابوالقاسم نام رکھنا

سوال (۱۱۱) کوئی شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم کے ساتھ اپنا نام رکھے تو کیا اس شخص کو دارمی شریف کی کتاب الاستیذان میں آنے والی موجودہ حدیث اخبرنا سعید بن عامر عن ہشام عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی کے مطابق اپنا نام بدلنا چاہیے یا نہیں؟۔

جواب: اس مسئلہ میں علماء امت کا اختلاف کثیر ہے اور ہر شخص کے پاس حدیث مؤید موجود ہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں مذاہب مختلفہ مع دلائل بیان کیے۔ ایک مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کے ساتھ کنیت مقرر کرنا جائز نہیں خواہ نام محمد ہو یا کوئی دوسرا نام۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جو حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر وغیرہ نے روایت کی۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی دوسری روایت ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی فانی انا ابوالقاسم ابوہریرہ سے دوسری روایت ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی ابوالقاسم اللہ یعطی و انا قاسم نیز حضرت جابر سے دوسری روایت ہے انہ ولد لرجل من الانصار غلام فسماہ محمدا فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم احسنت الانصار تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی انما انا قاسم اقسم بینکم۔ نیز بروایت جابر منقول ہے تسموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی فانما جعلت قاسما اقسم بینکم۔ محمد بن سیرین اور امام نخعی وغیرہ کا مذہب یہی ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ نہ محض کنیت ممنوع ہے اور نہ محض نام۔ بلکہ دونوں کو جمع کرنا ممنوع ہے جس کی سند اور دلیل یہ کہ حضرت براء ابن عازب فرماتے ہیں قال نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یجمع بین اسمہ وکنیتہ حضرت جابر روایت کرتے ہیں۔ من تسمی باسمی فلا یکتنی بکنیتی ومن اکتنی بکنیتی فلا یتسم باسمی

تیسرا مذہب۔ قاسم کے ساتھ نام رکھنا بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مخصوصہ میں سے ہے چنانچہ احادیث سابقہ اس کی طرف مشیر ہیں اور اس کی دلیل حدیث جابر ہے ولد لرجل منا غلام فسماہ القاسم فقلت لہ نکنیک ابا القاسم ولا ننعمک عینا فاتی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک لہ فقال سم ابنک عبدالرحمن

چوتھا مذہب۔ ابوالقاسم کے ساتھ کنیت متعین کرنا یا دونوں کو جمع کرنا ہر کس وناکس کے لیے ممنوع ہے اور حدیث علیؓ دلیل ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان ولد لک بعدی ابن فسمہ باسمی وکنہ بکنیتی وھی لک خاصۃ دون الناس انتہی

پانچواں مذہب۔ ابوالقاسم کے ساتھ کنیت متعین کرنا یا کنیت اور نام دونوں کو جمع کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں حضرت علیؓ کی دوسری روایت دلیل ہے کہ جس میں خصوصیت کا لفظ نہیں ہے اور اسی مذہب کو امام طحاوی نے مختار کہا ہے اور طیبی حواشی مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں اختلفوا فیہ علی وجوہ احدھا لا یحل التکنی بابی القاسم سواء کان اسمہ محمد او غیرہ وذلک انہ لما کان رسول اللہ یکنی ابا القاسم لانہ یقسم بین الناس من قبل اللہ ما یوحی الیہ ولم یکن احد یشارکہ فی ھذا المعنی منع ان یکنی بہ غیرہ وھو مذھب الشافعی واھل الظاھر وثانیھا ان ھذا الحکم کان فی بدء الامر ثم نسخ فیباح التکنی بابی القاسم لکل احد سواء کان اسمہ محمد او غیرہ و یدل علیہ نہیہ فی حدیث انس عقیب ما سمع رجلا یقول یا ابا القاسم فالتفت الیہ رسول اللہ فقال انی لم اعنک وما روی عن علی انہ قال یا رسول اللہ ان ولد لی بعدک ولدا الحدیث وھذا مذھب مالک قال عیاض وبہ قال جمہور السلف وفقہاء الامصار وثالثھا انہ لیس بمنسوخ وان کان النہی للتنزیہ والندب لا للتحریم وھو مذھب جمہور ورابعھا ان النہی للجمع ولا بأس بالکنیۃ وحدھا وھو مذھب جماعۃ من السلف وخامسھا انہ نہی عن التکنی بابی القاسم مطلقا واراد المقید وھو النہی عن التسمیۃ بالقاسم وقد غیر مروان لما بلغہ ھذا الحدیث اسم ابنہ سماہ عبدالملک

وکان اسمه القاسم وساد سهاان التسمیة بمحمد ممنوعة مطلقا و جاء فیه حدیث مرفوعا تسمون اولادکم محمدا ثم تلعنونهم انتهی اور درمختار میں ہے من کان اسمہ محمداً لا باس بان یکنی ابا القاسم لان حدیث سموا باسمی ولا تکنوا بکنیتی قد نسخ لان علیا رض کنی ابنہ محمد بن الحنفیة ابا القاسم انتہی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

دنیا میں شفاعت کبریٰ

سوال (۱۱۲) اس مسئلہ میں علما کی کیا رائے ہے۔ ایک واعظ کہتا ہے کہ قول باری واستغفر لذنبك وللمؤمنین والمؤمنات الآیہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دنیا میں شفاعت کبریٰ کی اجازت کا تحقق ہو گیا اور اس کا منکر کافر ہے۔ نیز دنیا میں اذن شفاعت ثابت ہے۔ مشکوٰۃ کی حدیث سے جو باب سجدۂ شکر میں حضرت سعد بن وقاص رض سے مروی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ شفاعت کرتا ہوں حق سبحانہ وتعالیٰ سے تاکہ امت کو بخش دے۔ اور اسی طرح ہر دعا، عبادت اور سجدہ کے بعد تمام امت کی بخشش کی شفاعت کرتا ہوں۔

اس آیت کریمہ اور حدیث سے دنیا میں شفاعت کی اجازت ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ دنیا میں اذن نہیں ہے بلکہ دنیا میں تو صرف وعدۂ صادق ہے اور آخرت میں وعدہ کے مطابق اذن ثابت ہوگا تو ان دونوں میں سے کون شخص غلطی پر ہے اور کون راہِ ہدایت پر۔

جواب:۔ احادیث کثیرہ اور متعدد روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شفاعت کبریٰ کی اجازت بروز قیامت ثابت ہوگی اور دنیا میں اذن نہیں ہوا۔ البتہ عہدہ شفاعت کی تفویض کا وعدہ ہوا ہے۔ فقہائے محققین و محدثین و مفسرین کا مشرب و مسلک یہی ہے۔ علامہ ابن حجر مکی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں فرماتے ہیں۔ طبرانی نے سند حسن کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے یدخل من اھل ھذہ القبلة النار من لا یحصی عددھم الا اللہ بما عصوا اللہ واجتروا علی معصیة وخالفوا طاعتہ فیؤذن لی فی الشفاعة فاثنی علی اللہ ساجدا فیقال لی ارفع راسك سل تعط اشفع تشفع اور اسی حدیث طویل میں کہ جس میں اہل محشر کا انبیاء کو وسیلہ بنانا مذکور ہے۔ احمد و ابویعلیٰ و بزار و ابن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے۔

فیقول عیسیٰ لیس ذالك عندی ولکن انطلقوا الی سید ولد آدم فلیشفع لکم الی ربکم فینطلقون فیقول اللہ تعالیٰ یا محمد ارفع راسك وقل واشفع باقیہ فینطلق جبرئیل بہ فیخر ساجدا قدر جمعة ثم یقول اللہ تعالیٰ یا محمد ارفع راسك وقل یسمع واشفع تشفع۔

اور علامہ سیوطی رح نے بدور سافرہ فی احوال الآخرہ میں بروایت احمد و بخاری و مسلم ذکر کیا ہے فیاتون عیسیٰ فیقول لست بذاك ائتوا محمدا غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فیاتونی فاقوم حتی استاذن ربی۔

اور بروایت احمد و ابویعلیٰ بیان کیا ہے فیاتونی فیقول یا محمد اشفع لنا الی ربك فاقول بھا حتی یاذن اللہ اور بروایت مسلم و حاکم ذکر کیا فیاتون محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فیقوم فیؤذن لہ۔

طبرانی، ابن مبارک، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ کی روایت کے مطابق ذکر کیا فیاتون عیسیٰ فیقول دلکم علی عربی الاخیر فیاتونی فیاذن اللہ لی ان اقول اللہ۔

بروایت ابویعلی مذکور ہے اسجد سجدۃ یرضی بہا عنی ثم امدحہ مدحۃ یرضی بہا عنی ثم یؤذن لی بالکلام عبدالوہاب شعرانی کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں لکھتے ہیں قال الشیخ محی الدین وانما اخبرنا صلی اللہ علیہ وسلم بانہ اول شافع واول مشفع شفقۃ علینا لنستریح من التعب الحاصل بالذہاب الی نبی بعد نبی فی ذلک الیوم العظیم وکل منہم یقول نفسی نفسی فاذا اعلمنا بمقامہ لنصبر فی مکاننا مسترحین حتی تاتی نوبتہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما قال فی اخر الحدیث ولا فخر ای ولا افتخر بکونی سید ولد آدم من الانبیاء فمن دونہم وانما قصدت بذالک راحتکم من التعب یوم القیامۃ بحکم الوعد السابق فی من اللہ عزوجل ان اکون اول شافع واول مشفع۔ انتہیٰ۔

اور محی السنۃ بغوی تفسیر معالم التنزیل میں آیہ کریمہ قل للہ الشفاعۃ جمیعا کی تفسیر میں لکھتے ہیں قال مجاهد لایشفع احد الا باذنہ

اور نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستاذن علی ربی فیوذن لی قال القاضی عیاض معناہ فیوذن لی فی الشفاعۃ الموعودۃ بہا۔

ملا جلال اور دوانی شرح عقائد عضدیہ میں لکھتے ہیں والشفاعۃ لدفع العذاب ورفع الدرجات حق لمن اذن لہ الرحمن من الانبیاء والمؤمنین بعضہم لبعض۔

اور امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء ان فی یوم القیامۃ لا یملک احد شیئاً فلا یقدر احد علی الشفاعۃ الا باذن اللہ فیکون الشفیع فی الحقیقۃ ھو اللہ الذی یاذن فی تلک الشفاعۃ اور اسی قسم کی عبارتیں مختلف کتب تفاسیر وعقائد میں موجود ہیں۔ اور آیہ کریمہ واستغفر لذنبک الآیہ۔ اس دنیا میں استغفار کے سلسلہ میں وارد ہوئی۔ آخرت میں شفاعت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ علامہ بغوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں امر بالاستغفار مع انہ مغفور لہ لیستن امتہ انتہی اور سوال میں ذکر کردہ حدیث دنیا میں اذن شفاعت پر دلالت کرنے والی ہیں۔ اور ایسا مسئلہ نہیں کہ اس میں اختلاف کرنے کی وجہ سے کسی ایک کو کاذب یا فاسق کہا جائے۔ اس میں احتیاط کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ کا شانِ نزول

سوال (۱۱۳) تفسیر کبیر اور تفسیر واحدی وغیرہ میں ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم پر پہنچنے کے بعد یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک نازل ہوئی۔ باوجودیکہ آپ پہلے ہی سے اس فریضہ کی انجام دہی میں مشغول تھے مگر اب زیادہ اہتمام ہوگیا اور فوراً سواری سے اتر کر خطبہ دینا شروع کردیا جس کے آخر میں یہ حدیث تھی۔ جو حدیث غدیر خم کے نام سے مشہور ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ اس خطبہ

سے فارغ ہوتے ہی آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الآیہ (یعنی آج میں پورا کر چکا تمہارے لیئے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا) نازل ہوئی۔ اس مقام پر مفسرین مذکور نے اس کے شانِ نزول میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اور روایات میں آیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے جناب امیر علیہ السلام کو مولا ہونے کی بشارت دی اور حضرت حسانؓ شاعر نے امیر علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جس کا ایک مصرعہ یہ تھا ع

وجعله اماما وهاديا

کیا اس صورت میں یہ روایت مذکورہ کو پہلی آیہ کریمہ کا شانِ نزول کہنا صحیح ہے یا نہیں۔ اور در صورت صحت قول باری ما انزل الیک جو بقول مفسرین حضرت علیؓ کے بارہ میں ہے تو اس آیت سے حضرت علیؓ کے لیئے امامت ثابت ہوتی ہے یا ولایت اور دوسری آیہ کریمہ کا نزول موضع خم غدیر کے خطبہ کے بعد ہے یا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ۔ اور پہلی صورت میں اکمالِ دین اور اتمام نعمت سے حضرت علیؓ کے مولا ہونے کو ثابت کرنا ہے یا کسی دوسری چیز کو۔ اور اس سے مولائیت مراد ہو جس کا دوسرا نام ولایت ہے تو اس کے اظہار سے اکمالِ دین اور اتمام نعمت کس طرح صحیح طور پر متصور ہو سکتا ہے۔ اس کی صورتیں تحریر فرمائیں اور جب حضرت حسانؓ نے قصیدہ مذکور میں حضرت علیؓ کے لیے منصب امامت وولایت کے عطا ہونے کی طرف اشارہ کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زجر و توبیخ کے بجائے ان کی تعریف کی، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ کا منشا بھی وہی تھا جس کو حضرت حسانؓ نے بیان کیا۔ اس کا بھی جواب تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم الآیہ کا شانِ نزول موضع خم غدیر میں نہیں ہے اور اس جگہ نازل ہونے کی روایت ناقابلِ اعتبار۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں بروز عرفہ میدانِ عرفات میں جمعہ کے دن نازل ہوئی اور آیت کی مراد شرائع اور احکام ومناسک کو تمام کرکے تکمیلِ دین کرنا اور اس آیت کو حضرت علیؓ کی امامت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ سیوطی تفسیر درمنثور میں لکھتے ہیں:۔ اخرج الحمیدی واحمد وعبد بن حمید والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن حبان والبیهقی فی سننه قال قالت الیهود لعمر انکم تقرؤن اٰیة فی کتابکم لو علینا معشر الیهود نزلت لاتخذنا ذلک الیوم عیدًا قال وای اٰیة قال الیوم اکملت لکم دینکم قال عمر واللّٰه لاعلم الیوم الذی نزلت علی رسول اللّٰه فیه والساعة التی نزلت فیها نزلت عشیة عرفة فی یوم الجمعة انتهی

اسی طرح ابن جریر نے قتادہ سے اور ابن منذر وابن جریر نے شعبی سے اور اسحٰق بن راہویہ وعبد بن حمید وابن جریر نے حضرت عمرؓ سے اور طیالسی، عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، طبرانی، بیہقی نے ابن عباسؓ سے اور ابن جریر وطبرانی نے حضرت معاویہؓ سے اور بزار وطبرانی وابن مردویہ نے سمرہؓ سے روایت کی ہیں کہ اس آیت کا نزول بروز عرفہ ہوا ہے

چنانچہ ان روایات میں سے چند درمنثور میں منقول ہیں۔ اور منہاج السنۃ میں ان لوگوں کا قول رد کیا گیا جو خم غدیر میں

اس کے شانِ نزول کے قائل ہیں هذا من الکذب الموضوع باتفاق اهل المعرفة بالموضوعات وهذا یعرفه اهل العلم بالحدیث ولهذا لا یوجد هذا فی شئ من کتب التی یرجع الیها اهل العلم بالحدیث انتہی

قد ثبت فی الصحاح والمسانید والتفاسیر ان هذه الآیة نزلت علی النبی صلی الله علیه وسلم وهو واقف بعرفة وهذا مستفیض ومنقول فی کتب المسلمین وهذا الیوم کان قبل غدیر خم بتسعة ایام فانه کان یوم الجمعة تاسع ذی الحجة فکیف یقال انها نزلت یوم الغدیر انتہی

نیز لکھتے ہیں هذه الآیة لیس فیها دلالة علی الامامة علی بوجه من الوجوه بل فیها اخبار الله باکمال الدین واتمام النعمة علی المؤمنین انتہی

اور یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کا شانِ نزول یہ ہے کہ تبلیغ دین کی وجہ سے کفار نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور اذیت پہنچائی تو آپ کو حد درجہ ملال ہوا اور آپ تنگدل ہوئے تو تسلی کے لیئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں حکم کیا جا رہا ہے کہ رنج وغم سے آزاد ہو کر تبلیغ فرماتے رہیئے آپ کا محافظ خدا ہے۔ اور اس آیت میں محض تبلیغ احکام کا حکم عام ہے۔ امامت علی وغیرہ کا کوئی تعلق اس سے نہیں۔ اور بعض مفسرین ثعلبی وغیرہ نے شانِ نزول میں اس کا تعلق جو حضرت علی کی امامت وولایت کے بارہ میں ذکر کیا وہ محدثین کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں۔ اور منہاج السنۃ میں ہے اتفقوا علی ان الحدیث المذکور الذی رواه الثعلبی فی تفسیره هو من الموضوع۔ البتہ من کنت مولاه فعلی مولاه کا قصہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ لفظ مولیٰ، ناصر، محب، مقتدی وغیرہ معنی کے لیئے استعمال ہوتا ہے اتنی بات عقلمند کے لیئے کافی ہے اور اگر اس قصہ میں یا آیاتِ مذکورہ میں کوئی اشارہ حضرت علیؓ کی خلافت کا ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ ظاہریہ کے بعد مہاجرین وانصار میں اختلاف کے وقت حضرت علیؓ ان حجتوں کو ضرور پیش کرتے۔ مگر حضرت علیؓ کا پیش نہ کرنا علامت ہے اس بات کی کہ آیات میں امامت کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ مستفتی کو چاہیئے کہ مثلاً منہاج السنۃ، تحفہ اثنا عشریہ جو در روافض میں عمدہ کتابیں ہیں، ان کا مطالعہ کرے۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وصال

سوال (۱۱۴) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مدارج میں فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز دوشنبہ ۲۶ ماہ صفر کو حضرت اسامہؓ کو رومیوں سے جنگ کے لیئے مقرر فرمایا اور بروز چہارشنبہ ۲۸ صفر کو آپ کی علالت شروع ہوئی۔ اور گیارہ ربیع الاول کو مرض نے شدت اختیار کی اور روز دوشنبہ بارہ ربیع الاول اس دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

روضۃ الاحباب اور دوسری کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اب اشکال یہ ہے کہ صفر کا مہینہ خواہ انتیس دن کا ہو یا تیس دن کا کسی صورت میں بھی ربیع الاول کی بارہ تاریخ دوشنبہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس بارہ میں صحیح قول کیا ہے؟

جواب: یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ علماء امت کا اس پر تو اتفاق ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کو ہوا، مگر تاریخ کیا تھی اس میں اختلاف ہے۔ اکثر کتب اور لوگوں میں تو یہی مشہور ہے کہ بارہ تاریخ تھی، مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کی تھی جس کے حساب سے عرفہ یعنی نو تاریخ جمعہ کی ہوتی ہے۔ اور سب کا اتفاق ہے کہ آپ کا قیام عرفہ جمعہ کو ہوا۔ کتب سیر و احادیث اور علمائے امت اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ اس لحاظ سے ربیع الاول کی بارہ تاریخ دوشنبہ کی ہونا ناممکن اور محال ہے، کیونکہ اگر تینوں ماہ یعنی محرم، صفر، ربیع الاول کو تیس دن کا مانا جائے تو محرم کی پہلی تاریخ شنبہ اور صفر کی دوشنبہ اور ربیع الاول کی چہارشنبہ کی ہوگی اور اسی حساب سے ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو چھ اور دوسرے دوشنبہ کو تیرہ تاریخ ہوتی ہے۔

اور اگر تینوں مہینے انتیس دن کے فرض کیے جائیں تو محرم کی پہلی تاریخ جمعہ اور صفر کی شنبہ اور ربیع الاول کی یکشنبہ کی ہوگی اور اس حساب سے ربیع الاول پہلے دوشنبہ کو دو اور دوسرے کو نو اور تیسرے کو سولہ ہو جائے گی۔ اور اگر یہ تینوں مہینے مختلف ہوں تو اس کی چند صورتیں ہوں گی۔ ذی الحجہ انتیس دن کا ہو تو محرم کی پہلی تاریخ جمعہ کی اور اگر تیس دن کا ہو تو محرم کی پہلی شنبہ کی ہوگی۔ پس اگر محرم کی پہلی دوشنبہ کو ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔ محرم کو تیس دن کا اور صفر کو انتیس کا فرض کیا جائے اور یا اس کے برعکس تو پہلی صورت میں صفر کی پہلی تاریخ یکشنبہ اور ربیع الاول کی دوشنبہ کو ہوتی ہے اور دوسری صورت میں صفر کی پہلی شنبہ اور ربیع الاول کی دوشنبہ کی ہوتی ہے۔ غرضیکہ دونوں صورتوں میں پہلے دوشنبہ کی پہلی اور دوسرے دوشنبہ کی آٹھویں تاریخ ہوتی ہے۔ اور اگر محرم کی پہلی تاریخ شنبہ کی فرض کرلی جائے پس اگر محرم کا مہینہ تیس دن اور صفر کا انتیس دن کا ہو تو صفر کی پہلی دوشنبہ کی اور ربیع الاول کی سہ شنبہ کی ہوگی اور اس کے برعکس صفر کی پہلی یکشنبہ کی اور ربیع الاول کی پہلی سہ شنبہ کی ہو جائے گی۔ دونوں صورتوں میں پہلے دوشنبہ کو سات اور دوسرے دوشنبہ کو چودہ تاریخ ہو جاتی ہے اور ان احتمالاتِ مذکورہ کے علاوہ دنیا میں کوئی دوسرا احتمال نہیں ہو سکتا کہ جس کے لحاظ سے ۱۱ھ میں ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کی ہو سکے۔

اور علماء محققین کا اس میں اختلاف ہے کہ بعض حضرات نے اشکالات کو دیکھ کر سکوت اختیار کرلیا چنانچہ امام یافعیؒ اپنی تاریخ مراۃ الجنان میں لکھتے ہیں:۔ قلت فیما قیل انہ توفی الثانی عشر فیہ اشکال من اجل انہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت وقفتہ بالجمعۃ فی السنۃ العاشرۃ اجماعاً فاذا کان کذلک لایتصور وقوع یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول من السنۃ التی بعدہا وذلک مطرد فی کل سنۃ یکون الوقفۃ قبلہ بالجمعۃ علی کل تقدیر من تمام الشہور ونقصانہا وتمام بعضہا ونقصان بعض انتہی۔

اور بعض لوگوں نے تینوں مہینے کامل تیس دن کے فرض کرکے تیرہ تاریخ کو وصال کے لیے راجح قرار دیا، ابن رجب دمشقی لطائف المعارف میں لکھتے ہیں:۔ اختلفوا فی تعیین ذلک الیوم من الشہر فقیل کان اولہ وقیل کان ثانیۃ وقیل ثانی عشرۃ وقیل ثالث عشرۃ وقیل خامس عشرۃ والمشہور بین الناس انہ کان ثانی عشر ربیع الاول وقدر ذلک السہیلی وغیرہ بان وقفۃ حجۃ الوداع فی السنۃ العاشرۃ وکانت الجمعۃ وکان اول ذی الحجۃ الخمیس وحتی کان

ذلك لم یصح ان یکون یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول سواء حسب الشهور الثلثة اعنی ذا الحجة ومحرما وصفرا کلها کاملة اوناقصة او بعضها کاملة وبعضها ناقصة وانا اجیب عن هذا الجواب حسن وهوان ابن اسحق ذکر انه صلی الله علیه وسلم توفی لاثنتی عشرة لیلة ربیع الاول وهذا یمکن فان العرب تورخ باللیالی دون الایام ولکن لا تورخ الا بلیلة مضی یومها فیکون الیوم تبعا للیلة وکل لیلة لم یمض یومها لم یعتد بها وح فیوم الاثنین الذی توفی فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم کان ثالث عشر الشهر لکن لما لم یکن یوم قد مضی لم یورخ بلیلة انتهی

اور بعض حضرات نے تاریخ وصال میں پہلی، دوسری اور چودھویں کو اختیار کیا۔ ابوعبداللہ محمد الزاندنی المدنی کتاب الاعلام بسیرۃ النبی میں لکھتے ہیں :- اتفق العلماء واهل السیر علی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم توفی یوم الاثنین فی ربیع الاول غیر ان اکثرهم قالوا فی الثانی عشر منه لا یصح ان یکون یوم الاثنین ثانی عشر لاجماع المسلمین علی ان وقفة عرفة کانت فی حجة الوداع یوم الجمعة وهو تاسع ذی الحجة وکان اول ذی الحجة یوم الخمیس وکان اول المحرم اما الجمعة واما السبت فان کان الجمعة فقد کان صفر اما السبت او اما الاحد فان کان السبت فقد کان الربیع اما الاحد او الاثنین وکیف ما دارت الحال علی هذا الحساب فلا یکون یوم الاثنین الثانی عشر من ربیع بوجه وذکر الطبری عن ابن الکلبی انه توفی فی الثانی من الربیع قال السهیلی هذا وان کان خلاف الجمهور فانه لا یبعد ان کانت الثلثة الاشهر التی قبله من تسعة وعشرین ونقل الخوارزمی انه توفی فی اول یوم من الربیع وهذا اقرب فی القیاس مما ذکره الطبری ونقل الاستاذ ابو سعید عبد الملک الواعظ فی کتابه شرف المصطفی انه توفی یوم الاثنین للنصف من ربیع الاول وهذا اقرب انتهی۔

اس میں ایک احتمال اور ہے کہ اختلاف مطالع یا کسی اور وجہ سے مدینہ طیبہ میں ذی الحجہ کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کے بجائے جمعہ کی ہوئی ہو۔ اس صورت میں اگر تینوں ماہ پورے تیس تیس روز کے لئے جائیں تو اس حساب سے دوشنبہ کو ربیع الاول کی بارہ تاریخ ہوجاتی ہے، لیکن اس صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ مدینہ طیبہ میں مسلسل چار ماہ تیس تیس دن کے ہوتے رہے لیکن فتح الباری اور ارشاد الساری شرح بخاری میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں ذی قعدہ کی پہلی تاریخ چہارشنبہ کی تھی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ بروز شنبہ ۲۵ ر ذی قعدہ کو حج کے لئے مدینہ سے سفر فرماتے ہیں۔ اور دوران سفر ۲۹ ر ذی قعدہ بروز چہارشنبہ ذی الحجہ کا چاند دیکھا پس اگر ذی قعدہ پورے تیس دن کا مان کر مدینہ طیبہ میں ذی الحجہ کا چاند پنجشنبہ کو ہوا تو ذی الحجہ کی پہلی تاریخ جمعہ کی کہنی پڑے گی۔ اور ذی الحجہ کے کامل ہونے کی صورت میں محرم کی پہلی یکشنبہ کی ہوئی اور محرم کے کامل ہونے کی صورت میں صفر کی پہلی سہ شنبہ کی اور اس کے بھی کامل ہونے کی وجہ سے ربیع الاول کی پہلی پنجشنبہ کی ہوجائیگی اگرچہ صورت مذکورہ نادر الوقوع ہے۔ مگر ممکن ضرور ہے محال نہیں لیکن اس صورت میں چہارشنبہ کو صفر کی تیس تاریخ ہوجائے گی اٹھائیس نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ علالت کے بارہ میں یہی ہے کہ بروز چہارشنبہ ۲۸ ر صفر کو علالت شروع ہوئی بہرحال چہارشنبہ کو ۲۸ صفر اور دوشنبہ کو ۱۲ ر ربیع الاول کا ہونا بالکل محال ہے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

اور تاریخ سعید بن محمد گازرونی لکھتے ہیں ابتداء مرضه فی اواخر صفر للیلتین بقیتا من صفر یوم الاربعاء وقیل

للیلة وقیل فی مفتتح الربیع الاول انتہی۔

اور تاریخ خمیس میں ہے:۔ فی هذه السنة كانت سرية اسامة الى اهل ابنى كو كانت يوم الاثنين لاربع ليال بقين من صفر فلما كان يوم الاربعاء بدأ مرض رسول الله صلے الله عليه وسلم وروى انه ابتدأ به صداع فى اواخر صفر لليلتين بقيتا من صفر يوم الاربعاء وقيل لليلة وقيل بل فى مفتتح الربيع الاول وفى الوفاء مرض بعشر بقين منه وذكر الخطابى ان ابتداءه يوم الاثنين وقيل السبت وقيل الاربعاء قال الحاكم انتہیٰ ایسے اختلافات میں خذ ما صفا ودع ما كدر پر عمل کرنا لازم ہے

واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

خلافت حضرت علیؓ بلا فصل شیخین

سوال (۱۱۵) حامد حسین لکھنوی کی ایک کتاب طبقات الانوار نظر سے گذری جس میں انھوں نے ایک روایت کو حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے ثبوت اور خلافت شیخین کے بطلان کے بارہ میں نصِ صریح سمجھا ہے اور علمار اہلِ سنت کے حوالے دیئے مگر ان علمار کے احوال سے سنیوں کے کان آشنا تک نہیں جس کی وجہ سے مندرجہ ذیل سوالات کرنے پر مجبور ہوں۔ اس کتاب کی روایت ہے محمد عبداللہ شبلی حنفی آکام المرجان فی احکام الجان میں کہتے ہیں:۔ وقد ورد ما يدل على ان ابن مسعود حضر ليلة الجن بمكة غير ليلة الحجول فقال ابو نعيم نا سليمان بن احمد نا محمد بن عبد الله الحضرمى نا على بن الحسين بن ابى بردة البجلى نا يحيى بن ليلى الاسلمى عن حرب بن صبيح نا معبد بن مسلم عن ابى مرة الصنعانى عن ابى عبد الله الجدلى عن عبد الله بن مسعود قال انتبعنى رسول الله صلے الله عليه وسلم ليلة الجن فانطلقت فهم حتى بلينا اعلى مكة فخط على خطا وقال لا تبرح ثم انصاع فى الجبال فرأيت الرجال يحدرون عليه من رؤس الجبال حتى حالوا بينى وبينه فاخترطت السيف وقلت لاضربن حتى استنقذ رسول الله صلے الله عليه وسلم ثم ذكرت قوله لا تبرح حتى اتيك فلم ازل كذلك حتى اضاء الفجر فجاء النبى صلے الله عليه وسلم وانا قائم فقال مازلت على حالك قلت لو مكثت شهرا ما برحت حتى تاتينى ثم اخبرته بما اردت ان اصنع فقال لو خرجت ما التقيت انا وانت الى يوم القيامة ثم شبك اصابعه فى اصابعى وقال انى وعدت ان نومن فى الجن والانس واما الانس فقد امنت بى واما الجن فقد رايت وما اظن اجلى الا قد اقترب قلت يارسول الله الا تستخلف ابا بكرؓ فاعرض عنى كافرأيت انه لم يوافقه قلت يا رسول الله الا تستخلف عمر فاعرض عنى فرأيت انه لم يوافقه قلت يا رسول الله الا تستخلف عليا قال فلت والذى لا اله غيره لو بايعتموه واطعتموه ادخلكم الجنة۔

یہ حدیث ابونعیم تاج المحدثین نے روایت کی اور اسی میں قدرے تغیر کے ساتھ امام احمد بن حنبل نے بھی بیان کی قد روى الامام احمد عن عبد الرزاق عن ابيه عن ميناء عن عبد الله بن مسعود قال كنت مع النبى صلے الله عليه وسلم ليلة الجن فتنفس فقلت مالك فقال يارسول الله تعبت الى نفسى

یا بن مسعود قلت استخلف قال ومن قلت ابو بکر قال فسکت ثم مضی ساعۃ ثم تنفس قلت ماشانک بابی وامی یارسول اللہ تعبت الی نفسی یا بن مسعود قلت استخلف قال من قلت عمر فسکت ثم مضی ساعۃ ثم تنفس قلت ماشانک تعبت الی نفسی یا بن مسعود قلت فاستخلف قال من قلت علی قال والذی نفسی بیدہ لئن اطاعوہ لیدخلون الجنۃ انتہی۔

صاحب آکام المرجان فقہاء، وعلماء کرام اور فضلاء وعقلاء اور محدثین عظام میں سے ہیں۔ ذہبی نے معجم محیص میں لکھا ہے کہ محمد بن عبداللہ فقیہ اور عالم محدث بدرالدین ابوالبقاء الشبلی السابقی الحنفی اور مصطفیٰ بن عبداللہ القسطنطینی چلپی نے کشف الظنون میں بیان کیا ہے کہ کتاب آکام المرجان قاضی بدرالدین کی تصنیف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی رسالہ تحفۃ الجلساء برداللہ بہ النساء میں انہی سے یہی نقل کیا ہے۔ موفق بن احمد المعروف باخطب خوارزم نے کتاب مناقب علی ؓ میں یہ روایت نقل کی ہے اور ملا عمر نے وسیلۃ النجاۃ المتعدی میں یہی نقل کیا ہے۔ شہاب الدین احمد نے کتاب توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل بیان کیا کہ اسے حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور عبدالقادر بن محمد الطبری نے (جو مکہ معظمہ کے اکابر علماء میں سے ہے) کتاب حسن السریرۃ فی حسن السیرۃ میں دلائل النبوۃ سے اس روایت کو تفصیلاً نقل کیا ہے۔

مختصراً یہ امور مستفسرہ یہ ہیں کہ بدرالدین صاحب آکام معتبر علماء سے ہے یا نہیں اور کتاب آکام پایۂ اعتبار کو پہنچی ہے یا نہیں اور مصطفیٰ بن عبداللہ و ذہبی وغیرہ سے جو تعدیل نقل کی ہے یہ تعدیل اور معدل بھی قابل اعتماد ہیں یا نہیں سیوطی تو معتبر مشہور ہیں جیسے اخطب خوارزم یمانی کذاب غیر معتبر باایں ہمہ یہ روایت ابونعیم اور امام احمد نے نقل کی ہے۔ درصورتیکہ نقل کی ہے تو اس کی کیا توجیہ ہوگی اور دوسری روایت کے ساتھ جس میں لیلۃ الجن میں عدم ہمراہیت مذکور ہے ولیکن فقد ناہ مذکور ہے کیونکہ توافق ہوگا آیا واقعہ متعدد پر محمول ہوگا یا دوسری توجیہ کی جائے گی فقط فوائد بہیہ میں جو بعنایت جناب مولانا خادم حسین صاحب میرے پاس پہنچی، بدرالدین کو دیکھا گیا مگر نہیں ملا، اس سوال کے جواب کا امیدوار ہوں مفصل بااسناد وشواہد تحریر ہو۔ فقط

ملتمس خلیل احمد از مدرسۂ عربی اسلامی ریاست بہاولپور یکم رجب یوم پنجشنبہ ۱۲۹۷ھ

از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب مجمع علوم منبع فہوم جناب مولوی خلیل احمد صاحب دامت مکارمہ بعد اہدای ہدیہ سلام مسنون مع ضمیمہ شوق مشحون ابراز مضمون یہ ہے۔ عنایت نامہ مورخہ یکم رجب پہنچا مضمون مندرج معلوم ہوا بسبب قلت فرصت کے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیے گا۔ حقیقت امور مستفسرہ کی یہ ہے کہ مؤلف آکام المرجان معتبر ہے جو توثیق حامد حسین نے اس کی ذہبی وغیرہ سے نقل کی وہ ٹھیک ہے۔ میں نے بھی ان کا حال فوائد بہیہ کی تعلیقات میں لکھدیا ہے۔ صفحہ ۱۲ میں ملاحظہ فرمائیے گا۔ اور دونوں روایتیں جو حامد حسین نے نقل کیں۔ ایک تخریج ابونعیم دوسری تخریج امام احمد وہ دونوں بجنسہ آکام المرجان میں باب نوزدہم میں مذکور ہیں۔ مگر روایت امام احمد میں میناء مولیٰ عبدالرحمٰن بن عوف ابن مسعود سے راوی ہیں اور میناء کے لسان المیزان للحافظ ابن حجر میں اور میزان الاعتدال للذہبی میں ساقط مرقوم

ہے اور ابن عراق نے تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الموضوعۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے میناء بن مینار مولی عبدالرحمن بن عوف روی عن مولاہ و عن عثمان وابن مسعود قال ابو حاتم کذاب لیکن چونکہ روایت ابونعیم وغیرہ میں ابوعبداللہ جدلی کی متابعت مروی ہے اس وجہ سے یہ حدیث ساقط نہیں غایۃ الامر یہ کی ضعیف ہوگی بضعف مغتفر اور لمحاظ تعدد طرق اس حدیث کو مرزا محمد معتمد خاں بدخشی نے رسالہ تحفۃ المحبین فی مناقب الخلفاء الراشدین میں منجملہ احادیث حسان کے مذکور کیا ہے اور اس حدیث میں جو شرکت ابن مسعودؓ کی لیلۃ الجن میں مذکور ہے وہ منافی روایت فقدناہ لیلۃ الجن کے نہیں ہے بوجہ اس کے کہ یہ دو واقعہ ہیں۔ آکام المرجان میں مفصلاً ذکر کیا ہے کہ لیلۃ الجن چھ مرتبہ واقع ہوئی بعض لیالی میں ابن مسعودؓ شریک تھے اور بعض میں نہیں باقی رہا استدلال حامد حسین کا ساتھ اس روایت کے اوپر خلافت مرتضوی کے وہ صحیح نہیں۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استخلاف صریح کسی کے باب میں منظور نہ تھا بدیں خیال کہ اگر صراحۃً کسی کا استخلاف کیا جاوے اور بعض لوگ اس کی اتباع نہ کریں تو وہ مستحق عذاب ہوجائیں گے جیسا کہ سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:۔

وسر ذلک ای عدم استخلافہ قال البزار فی مسندہ عبداللہ بن وضاح الکوفی حدثنا یحیی بن الیمان حدثنا اسرائیل عن ابی الیقظان عن ابی وائل عن حذیفۃ قال قالوا یا رسول اللہ الا تستخلف علینا قال ان استخلفت علیکم فتعصون خلیفتی ینزل علیکم العذاب واخرجہ الحاکم فی المستدرک انتہی

اسی وجہ سے ابن مسعودؓ نے جب ابوبکرؓ وعمرؓ کی استخلاف کے واسطے عرض کیا آپؐ نے اعراض وسکوت فرمایا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ یہ اعراض یا سکوت بسبب عدم استحقاق خلافت اور علی مرتضی کے باب میں آپؐ نے نعم وغیرہ کلمات والاستخلاف مرتضوی پر ارشاد نہیں کیے تاکہ مطلب روافض ثابت ہو بلکہ آپ کو چونکہ معلوم تھا کہ مرتضیٰ سے لوگ مخالفت کریں گے اور زمانہ خلافت میں ان کے فتن عدیدہ ہوں گے اس وجہ سے آپؐ نے ان کی اطاعت واتباع کی ترغیب فرمائی۔

خلاصہ یہ کہ حضرت علیؓ کے خلیفہ اول نامزد کیے جانے اور دوسروں کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ مستحق ہونے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے۔ جو اس کا دعوی کرے اس پر ثبوت بہم پہنچانا لازم ہے اور رسول اللہؐ کے مافی الضمیر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ امید ہے کہ ہمیشہ امور متعلقہ کی فقیر کو اطلاع دیتے رہیں گے۔ والسلام

کتابُ العلم والعُلماء

کنز الدقائق اور سفر السعادت کا پڑھنا

سوال (۱۱۶) اگر کوئی شخص کنز الدقائق اور سفر السعادت کے پڑھنے کو باعث گمراہی سمجھتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر وہ ان کتابوں کو باعثِ گمراہی محض اس وجہ سے سمجھتا ہے کہ ان میں مسائلِ شرعیہ کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کے مطابق ہیں تو یقیناً دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، ایسے شخص کے بارہ میں تمام فقہاء کی تصریح ہے:۔ لانہ اھان الدین ومن اھان الدین فقد کفر۔ اس شخص نے دینِ اسلام کی توہین کی اور ایسا شخص کافر ہوتا ہے۔ انتہیٰ
اور علامہ حافظ الدین بزازی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں اذا القی الفتوی علی الارض۔ او قال عند رویۃ الفتوی روی۔ او قال این چہ شرع است یکفر لانہ رد حکم الشرع انتہیٰ۔
اسی طرح اگر ان کو باعثِ گمراہی اس وجہ سے سمجھتا ہے کہ دونوں جید عالموں کی تصنیف ہیں تو یہ بھی کفر ہے۔ کیونکہ اس میں علماء حق کا استہزاء اور ان کی توہین ہے جو سبب کفر ہے اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق علامہ ابن حجر مکی ہیثمی شافعی نے اپنی کتاب اعلام بقواطع الاسلام میں اچھی طرح کی ہے۔ اور اگر ان کے مصنفین کے نقصانِ علم اور غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اس کا قائل ہو تو اس شخص کا قول علماء راست کے اقوال کے مقابلہ میں قابلِ اعتبار نہ ہوگا۔ صاحب کنز رئیس الفقہاء حافظ الدین نسفی ابو البرکات عبداللہ بن محمد صاحب منار و وافی ساتویں صدی کے عالم ہیں۔ ۷۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بعد آنے والے تمام فقہاء نے ان کے مداح اور ثناخواں ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی مذکورہ تصنیف کنز الدقائق کو مستند و معتبر قرار دیا ہے۔
علامہ فخر الدین زیلعیؒ اپنی شرح میں لکھتے ہیں:۔ فانی لما رأیت المختصر المسمی بکنز الدقائق احسن مختصر فی الفقہ حاویا لما یحتاج الیہ من الواقعات مع لطافۃ حجمہ واختصار نظمہ احببت ان یکون لہ شرح متوسط الخ
اور سفر السعادت کے مصنف شیخ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب شیرازی نویں صدی کے عالم ہیں ۸۱۷ھ میں وفات پائی جلیل المرتبہ فقیہہ شافعی المسلک ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے ان کو آٹھویں صدی کا مجدد مانا ہے۔ ان کی تصانیف کثیر ہیں۔ مگر بعض تصانیف میں تعصب کی رَو میں بہہ گئے۔ اور سفر السعادت میں اکثر اقوال ائمہ مجتہدینؒ کے خلاف بیان کیے اور خاتمہ میں ابن الجوزی کا اقتداء کرتے ہوئے بعض احادیثِ صحاح کو غیر ثابت کہدیا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادت میں جابجا مصنف کی مسامحت اور لغزشوں سے تعرض کرکے خبردار کر دیا پس متدین عالم کو چاہیئے کھوٹے کھرے کو معلوم کرکے عمل پیرا ہو اور جاہل متعصب لوگوں کو اس کے مطالعہ سے منع کرے مگر یہ سوچ لینا چاہیئے کہ مصنف سے یہ لغزشوں کا وقوع محض فطرتِ انسانی اور خاصۂ بشریت کی وجہ سے ہے اب اس کی وجہ سے باعثِ ضلالت کہدینا بڑی غلطی ہے۔ اور ابن جوزیؒ نے احادیث کے بارہ میں تعصب کی وجہ سے اور صحاح ستہ کی بعض احادیث صحیحہ حسنہ مع ضعیفہ کو موضوع کہا۔ چنانچہ ابن حجر وغیرہ حضرات نے اس کی تصریح کی اور موضوع کو الگ کرکے بتلا دیا۔ اسی طرح بعض حنفیہ شافعیہ کے مقابلہ اور بعض شافعیہ حنفیہ کے مقابلہ میں تعصب کی رَو میں بہہ گئے لیکن اس کے باوجود کوئی بھی عالم ان کو گمراہ نہیں کہتا۔ لہٰذا ہر زمانہ کے عالم کو چاہیئے کہ جاہل عوام بلکہ خواص کو بھی ایسے کلمات کہنے سے روکے اور منع کرے۔ اور اگر کوئی شخص کنز الدقائق کو فقہ حنفی کی کتاب ہونے کی وجہ سے باعثِ ضلالت کہتا ہے۔ اور ساتھ ہی دلیل میں یہ کہتا ہے کہ امام اعظم قیاس کو حدیث سے مقدم سمجھتے ہیں تو ایسا شخص مخطی ہے

اور امام صاحب کی طرف اس قسم کی نسبت ایک افترا اور بہتان ہے۔
عارف ربانی عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ اعلم ان هذا الكلام صدر من الجاهل المتعصب وقد روى الامام ابوجعفر بسنده المتصل الى ابي حنيفة انه كان يقول كذب على الله وافترى علينا من يقول اننا نقدم القياس على النص واعتقادنا واعتقاد كل منصف في الامام ابي حنيفة انه لو عاش حتى ما دونت الاحاديث وبعد رحيل الحفاظ في جمعها من البلاد وظفر بها الترك كل قياس لكن لما كانت ادلة الشرع متفرقة في عصره كثر القياس في مذهبه بالنسبة الى الائمة الاخر وقد صح عنه وعن الائمة كلهم اذا صح الحديث فهو مذهبنا انتهى واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

علماء کو گالیاں دینے والا

سوال (۱۱۷) اگر کوئی شخص علماء حق کو جن کو وارث الانبیاء کہا جاتا ہے عمداً یا سہواً بغض کی وجہ سے مکبرانہ اور مفاخرانہ انداز میں گالی دے مثلاً بہن چود، لچا وغیرہ کہے اور ان مسند نشین حضرات کے سامنے فخر کرے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔ اگر اس شخص کا مقصد علم کی توہین اور اسی علم کی وجہ سے علما کی تحقیر و تذلیل ہے تو فقہا اس کے کفر کے قائل ہیں ورنہ اس کے فاسق و فاجر، غضب الٰہی اور دین و دنیا کے عذاب کے مستحق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ ایک عام مسلمان کو سب و شتم کرنا بھی فسق و فجور میں داخل ہے۔ چہ جائیکہ علماء کے حق میں۔
صاحب فتاوی بزازیہ لکھتے ہیں:۔ الاستخفاف بالعلماء لكونهم علماء استخفاف بالعلم والعلم صفة الله منحه فضلا على خيار عباده ليدلوا خلقه على شرعه نيابة عن رسله فاستخفافه بهذا يعلم انه الى من يعود انتهى
اور لکھتے ہیں قال بفقيه تصغير فقيه او بعلوي علويك يكفران قصد به الاستخفاف بالدين انتهى۔
اور نورالدین علی سمہودی اپنے رسالہ جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں لکھتے ہیں:۔ قد ترجم الامام النووي في مقدمة شرح المهذب للنهي الاكيد والوعيد الشديد من يوذي او ينقص الفقهاء والحث على اكرامهم تعظيم حرمتهم واورد قوله تعالى وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (ترجمہ) اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے) وقوله تعالى وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ (اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سو وہ بہتر ہے اس کے لیے اپنے رب کے پاس) وقوله تعالى وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کیے تو اٹھایا انھوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا) قلت وجه الدلالة في الايتين الاولين ظاهر لان علماء الدين من اعظم شعائر الله اذ المراد من شعائر الله اعلام دينه وهم من اعظم حرماته واما وجه الدلالة من الاية الثالثة فهو ان هذا الوعيد اذا ثبت لفاعل ذلك بالنسبة الى عامة المومنين فمالك بخاصتهم وعن ابي امامة مرفوعا ثلاثة لا يستخفهم الا المنافق ذو الشيبة في الاسلام وذو العلم وامام مقسط رواه الطبراني في الكبير

وعن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یوقر کبیرنا ولم یرحم صغیرنا ومن لم یعرف لعالمنا حقہ رواہ الترمذی وعن ابی بکرۃ رضؓ سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اغد عالما او متعلما او مستمعا او محبا لا تکن خامسۃ فتھلك قال عطاء قال لی مسعر زدتنا خامسۃ لم یکن عندنا والخامسۃ ان یبغض العلم واھلہ رواہ الطبرانی فی الثلاثۃ والبزار ورجالہ موثقون وقال النووی فی التبیان وشرح المھذب قال الحافظ ابوالقاسم ابن عساکر اعلم یا اخی ان لحوم العلماء مسمومۃ وعادۃ اللہ فی ھتك استار منتقصیھم معلومۃ وان من اطلق لسانہ فی العلماء ابتلاہ اللہ قبل موتہ موت القلب انتہی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم خیر و شر کہنا

سوال (۱۱۸) اگر کوئی شخص سید البشر علیہ الصلوٰۃ الاکبر کو معلم ہر خیر و شر لکھے تو اس وقت معنی اصطلاحی کیا ہوں گے۔ اور اگر معنی لغوی مراد لیں تو معلم شر سے فعلِ شر مراد ہوگا یا ترکِ شر اور دونوں صورتوں میں ان الفاظ کا لکھنے والا مستحق گناہ ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر ان الفاظ سے یہ نیت ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فعل خیر اور شر کی تعلیم دی تھی۔ خیر کی خیریت کو اور شر کی شرارت کو بتا دیا۔ ان معنی کے لحاظ سے آپ کی شان میں اس کا اطلاق کرنا صحیح ہوگا۔ مگر اس میں ایک اور معنی کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے ارتکابِ شر کی تعلیم دی تو اس احتمال کی وجہ سے سوءِ ادبی سے خالی نہیں۔ اس قسم کے الفاظ سے احتراز کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم ابوالحسنات محمد عبدالحی

امام ابوحنیفہ اور علمِ حدیث

سوال (۱۱۹) بعض لوگوں کی تحریرات سلف صالحین میں سے تابعین اور تبع تابعین خصوصاً حضرت نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں طعن آمیز ہیں جس سے مقلدین اور غیر مقلدین تمام حق پسندوں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ اور ان تحریرات سے استدلال کر کے بعض اردو داں اور فارسی جاننے والے بھائیوں نے بھی امام ابوحنیفہ کے حق میں طعن و تشنیع کی زبان کھولنی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ امام صاحبؒ کو فنِ حدیث کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور یہ لوگ خود آپ کو (مولانا عبدالحی صاحب) کو بھی طاعنینِ ابی حنیفہؒ میں شمار کرتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مولانا موصوف ان کلمات کو موجبِ قباحت اور سوءِ ادبی فرمائیں تو ہم اس سے باز آ جائیں۔ اس لئے ان تحریرات کے بعض مقامات جن کے بارہ میں شک ہو تحریر کیے جاتے ہیں۔ آیا یہ کلمات واقعی قابلِ اعتراض ہیں یا نہیں؟

(۱) آں حضرت کو یعنی امامؒ کو سفر کا اتفاق ہوا اور ان کے وقت میں جمع ہوئے کتب حدیث کا اتفاق نہ ہوا بس جو کچھ کوفہ میں بیٹھے بیٹھے معلوم ہوا سو ہوا اور جو کچھ رہ گیا سو رہ گیا۔

(۲) فقہ اور اجتہاد ان کا شہرۂ آفاق ہے اور حدیث کے دفتر میں ان کا نام نہیں۔

(۳) صحاح ستہ کو اول سے لے کر آخر تک دیکھو گے تو ان کی روایت کا نام نہ پاؤ گے۔ بجز ایک جگہ کے کتاب العلل ترمذی میں سو وہ بھی ایک جابر جعفی کے کاذب ہونے کی ان سے نقل ہے۔ باقی بالخیر۔

(۴) صاحب صحائف اپنے مجد العلم کی عبارت اتحاف النبلاء سے اسی بارہ میں ناقل ہے۔ لہٰذا جمعے از اہل حدیث گفتہ اند کہ بضاعت وے یعنی ابا حنیفہ در حدیث مزجاۃ است یعنی قلیل باقی صفحہ ۲۰۴ صحیفہ ۱۳۰۶ھ میں ملاحظہ فرمایئے اور اس کے سوا بھی ہزارہا کلمات اہانت وتحقیر کے اپنی تصانیف میں درج کیے ہیں کہ جس کے ذکر سے قلم اشکِ سیاہ برساتا ہے۔ بینوا توجروا

جواب: مضمونِ اول کے دونوں فقرے اگرچہ واقع کے مطابق ہیں مگر طرزِ بیان سوءِ ادبی کا ہے اور مضامینِ باقیہ کا عنوان بھی بے ادبی سے خالی نہیں۔ امام صاحبؒ کے بارہ میں یہ کہنا کہ ان کا حدیث سے کوئی واسطہ نہیں بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ صحاح ستہ کے علاوہ دوسری بہت سی کتابوں میں ان کی روایات کثیرہ موجود ہیں۔ اور بہت سے محدثین و مؤرخین نے ان کا شمار محدثین میں کیا ہے۔ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو حافظینِ حدیث میں شمار کیا اور نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں ابن عبدالبر اور ابن حجر عسقلانی اور سیوطی وغیرہم نے امام اعظمؒ کے مدائح اور اوصافِ جمیلہ نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کیے اور رہا صحاح ستہ میں کسی روایت کا نہ ہونا تو یہ ہمارے نزدیک کسی طرح باعثِ نقص نہیں۔ صدہا صحابہؓ ایسے ہیں کہ کتب ستہ میں ان کی کوئی روایت نہیں۔

اور اتحاف النبلاء یا اسی جیسی دوسری تالیفات میں امام اعظمؒ کے جو مطاعن ومعائب منقول ہیں وہ سب لغو اور بے اصل ہیں والحق انہ من اجلۃ المحدثین وثقات التابعین حشرنا اللہ فی زمرتہم یوم الدین۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

تعلیمِ قرآن اور اجرت

سوال (۱۲۰) ختم سورۂ انبیاء اور ختم سورۂ یونس یا ختم قرآن جو اجتماعی صورت میں ہوتا ہے اور اس پر اجرت لی جاتی ہے تو کیا یہ اجرت جائز ہے۔ اور پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: متقدمین کے نزدیک تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں۔ مگر متاخرین کے یہاں جائز ہے البتہ صرف تلاوت قرآن اور ختم قرآن کہ جس میں صرف طلب ثواب مقصود ہوتا ہے اس پر اجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں۔ بالاتفاق تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں خیریہ سے منقول ہے۔

فی التاتارخانیۃ اذا اوصی بان یدفع الی انسان کذا من مالہ لیقرأ القرآن علی قبرہ فالوصیۃ باطلۃ لایجوز سواء کان القاری معینا اولا لانہ بمنزلۃ الاجرۃ ولایجوز اخذ الاجرۃ علی طاعۃ اللہ وان کانوا استحسنوا جوازہ علی تعلیم القرآن فذلک للضرورۃ ولاضرورۃ الی القول بجوازھا علی القراءۃ علی قبور الموتی (انتہی)

اور بھی اس کتاب میں حاشیہ بحر الرائق سے منقول ہے المفتی بہ جواز اخذ الاجرۃ استحسانا علی تعلیم القرآن لاعلی القراءۃ المجردۃ انتہی

اور عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں یمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان انتہیٰ۔ واللہ اعلم
ابوالحسنات محمد عبدالحی

اہلِ بیت اور حضرت علیؓ

سوال (۱۲۱۔ الف) سوال اول:۔ تفضیلیہ کسے کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص حضرت علیؓ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور بنی ہاشم ہونے کی حیثیت سے حضرت صدیقِ اکبرؓ پر فضیلت دے تو وہ تفضیلی ہے یا نہیں؟

سوال دوم:۔ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک شیخین کی فضیلت کلی ہے یا جزوی؟

سوال سوم:۔ اہلِ بیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق کون لوگ ہیں اور حضرتِ علیؓ اس کے مصداق ہیں یا نہیں؟

سوال چہارم:۔ عوام الناس میں مشہور ہے۔ پنجتن پاک، حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ ہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔

سوال پنجم:۔ حضرت امام حسنؓ کی خلافت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے یا نہیں؟

سوال ششم:۔ اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ یزید خلیفہ برحق تھا اور امام حسینؓ کا اس سے خروج کرنا ناحق ہے تو کیا وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ جواب سوالِ اول:۔ شاہ عبدالعزیزؒ تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

دوم فرقہ شیعیہ تفضیلیہ کہ جناب مرتضوی را بر جمیع صحابہؓ تفضیل می دانند وایں فرقہ از دانائے تلامذہ آں لعین شدند یعنی عبداللہ بن سبا وشمہ از وسوسۂ وے قبول کردند وجناب مرتضوی درحق اینہا تہدید فرمودہ کہ اگر کسے را خواہم شنید کہ مرا بہ شیخین تفضیل می دہد اور احد افترا۔ کہ ہشتاد تازیانہ است خواہم زد انتہیٰ

اور جو شخص حضرت علیؓ کو دامادِ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے تفضیل دے اور منشا یہ ہو کہ شیخین پر یہ تفضیل کثرتِ ثواب میں ہے یا ان فضائل کسبیہ میں سے ہے کہ جن کی وجہ سے اہلِ عقل کے نزدیک تفضیل ہوا کرتی ہے یا یہ غرض ہو کہ حضرت علیؓ کے فضائل شیخین کے تمام فضائل پر غالب ہیں تو یہ شخص تفضیلی ہوگا۔ لیکن اگر منشا یہ ہو کہ یہ فضیلت خاصہ داماد ہونے کی شیخین میں نہیں ہے اگرچہ ان کے دوسرے فضائل اس فضیلت سے بڑھ کر ہیں تو کوئی حرج نہیں

جواب سوال دوم:۔ شیخین کی فضیلت باعتبارِ کثرتِ ثواب اور اکرم عنداللہ ہونے کی حیثیت سے ہے نہ باعتبار ہر ہر جزئی کے کیونکہ بعض جزوی فضیلتیں حضرت علیؓ میں ایسی ہیں کہ حضرت شیخین میں نہیں لیکن شیخین کے دوسرے فضائل ان فضائل جزئیہ پر تفوق رکھتے ہیں محقق دوانی حاشیہ جدید شرح تجرید میں لکھتے ہیں:۔ انھم انما اختلفوا فی الافضلیۃ من حیث کثرۃ الثواب کما ھو الشائع فی کتب العقائد اذ لاینکر احد من اھل السنۃ رجحان علی فی کثیر من الفضائل انتہیٰ۔

اور شرح مقاصد میں ہے:۔ الکلام فی الافضلیۃ بمعنی الکرامۃ عند اللہ وکثرۃ الثواب انتہیٰ
اور شرح مواقف میں ہے:۔ مرجعھا ای مرجع الافضلیۃ التی نحن بصددھا الی کثرۃ الثواب والکرامۃ عند اللہ ذلک یعود الی الاکتساب للطاعات والاخلاص فیھا انتہیٰ۔

جواب سوال سوم:۔ حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور حسنینؓ بھی اہلِ بیت نبوی کے مصداق میں داخل ہیں۔ ان کے حق میں آپ کا ارشاد ہے ھؤلاءِ اھل بیتی۔

جواب سوالِ چہارم:۔ خاص اس شہرت کی معتبر اصل نہیں۔ البتہ اگر روایات ھؤلاءِ اھل بیتی اور اصحاب عبا سے استناد کیا جائے تو ممکن ہے مگر تخصیص کی کوئی وجہ معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ اگر طہارت بمعنی عصمت مراد ہے تو وہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر مطلق طہارت مراد ہو تو وہ عام ہے ان حضرات کے ساتھ اختصاص کی کوئی وجہ نہیں۔

جواب سوالِ پنجم:۔ وہ خلافت جس کے بارہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ اس کا اختتام تو امام حسینؓ تک ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت اس سے خارج ہوئی لیکن مطلق خلافت میں جس کے بارہ میں آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے جو قیام بالعدل کریں گے داخل ہے۔ ابن حجر مکی منح مکیہ شرح قصیدہ ہمزیہ میں امام حسن کے حالات میں لکھتے ہیں:۔ فکان الحسن آخر الخلفاء الراشدین بنص جدہ صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ فی الحدیث الصحیح الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ فمدۃ خلافتہ ھی الستۃ اشھر الباقیۃ منھا و عند مضیھا سار الی معاویۃ فی اربعین الفا فلما ترائ الجمعان علم الحسن انہ لن یغلب احدی الطائفتین حتی یذھب اکثر الاخریٰ فرضی بالنزول لمعاویۃ عن الخلافۃ شفقۃ علی الامۃ بشروط قبلھا معاویۃ فنزل و بہ حینئذ صار ھو الامام الحق وقبل ذلک متغلبا لکن لاجتھادہ لم یکن اثما بل ماجوراً انتہیٰ

جواب سوال ششم:۔ ایسا کلمہ واہیہ جو شخص کہے گا وہ گنہگار ہے اور اس پر توبہ واجب ہے منح مکیہ میں ہے نقل عنہ ای ابن العربی المالکی ما یقشعر منہ الجلد انہ قال لم یقتل الحسین الا بسیف جدہ ای بحسب اعتقادہ الباطل ان یزید ھو الخلیفۃ والحسین باغ علیہ انتہیٰ
اسی میں یہ بھی ہے:۔ قول بعضھم لا یلام علی قتلہ الحسین و غیرہ لانھم انما قتلوہ بسیف جدہ الآمر بسلہ علی البغاۃ لا یعول علیہ لان یزید لم تنعقد بیعۃ عند الحسن وغیرہ من لم یبایعوہ والمبایعون لہ مکرھون علی البیعۃ کما ھو معروف و غایۃ امر یزید انہ جابر فاسق متغلب انتہیٰ واللہ اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ

خلفائے راشدین میں حضرت علیؓ کا مقام

سوال (۱۲۱۔ ب) اگر کوئی شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ خلفائے اربعہ کے فضائل وکمالات بے شمار ہیں لیکن حضرت علی کو لحمک لحمی ودمک دمی کی وجہ سے جو فوقیت اور فضیلت حاصل ہوئی، وہ دیگر خلفا کے فضائل سے مافوق ہے اور اسی وجہ سے وہ شخص حضرت علیؓ کو دوسرے خلفا پر فضیلت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تینوں حضرات کے بھی دوسرے بعض فضائل مخصوصہ ہیں مگر کوئی بھی فضیلت حضرت علیؓ کی اس فضیلت کے

برابر نہیں ہے۔ پس اس قول سے حضرت علی کی دوسرے خلفاء پر فضیلت کلیہ لازم آتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ اہل سنت والجماعت حضرت صدیقؓ کی مطلق افضلیت کے قائل نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کو کثرت ثواب کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہے۔ لہٰذا بعض فضائل کا حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ خاص کر دینا اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف نہ ہوگا۔ اور حضرت علیؓ کی یہ جزوی فضیلت افضلیت صدیقیہ کے لیے مضر نہیں ہو سکتی۔ جلال الدین دوانی حواشی جدید شرح تجرید میں فرماتے ہیں:۔ انما اختلفوا فی الافضلیۃ من حیث الثواب کما ھوالشائع فی کتب العقائد اذ لا یرتاب احد من اھل السنۃ والجماعۃ رجحان علیؓ فی کثیر من الفضائل علی غیرہ اور یہی مذکور ہے شرح عقائد عضدیہ وغیرہ میں۔ واللہ اعلم

فاتحہ سوئم اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سوال (۱۲۲) سوالات مذکورہ ذیل کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

سوال اول:۔ ملا علی قاری کی کتاب اور جندی میں روایت ہے فلما کان الیوم الثالث عن وفات ابراھیم بن محمد صلے اللہ علیہ وسلم جاء ابو ذر عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم مع تمرۃ یابسۃ ولبن الناقۃ وخبز الشعیر فوضعھا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقرأ النبی علیہ السلام الفاتحۃ مرۃ وسورۃ الاخلاص ثلث مرات وقرأ اللھم صل علی محمد انت لھا اھل وھو لھا اھل فرفع یدیہ ومسح وجہہ فامر ابی ذران یقسمھا وقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ثواب ھذہ الاطعمۃ لابنی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آں حضرتؐ نے تیسرے دن فاتحہ پڑھ کر کھانا تقسیم کرایا یہ حدیث اس کتاب میں ہے یا نہیں اور حدیث کا مرتبہ کیا ہے؟

سوال دوم:۔ فتاویٰ مجمع البرکات میں مطالب المؤمنین کا حوالہ نقل کیا ہے۔ ویقوم عند وجہ المیت ویضع یدہ الیمنی علی تربتہ ویقول اللھم اغفرلہ فانہ قد افتقر الیک وان کان قبر عبد صالح ویمکنہ ان یطوف حولہ فعل ذلک ثلث مرات۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کا طواف کرنا جائز ہے۔ یہ عبارت مجمع البرکات یا مطالب المؤمنین میں ہے یا کسی اور کتاب کی ہے؟

سوال سوم:۔ ان رجلاً جاء الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی خلفت ان اقبل عتبۃ الجنۃ والحور العین فامرہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان تقبل رجل الام ووجہ الاب فقال یا رسول اللہ لولم یکن لی ابوان فقال قبل قبرھما قال فان لم اعرف قبرھما قال خط خطین احدھما قبرالام والاخر قبرالاب فتقبلھما فلا تحنث فی یمینک۔ یہ حدیث کس کتاب اور کون سے باب میں ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کو چومنا جائز ہے

سوال چہارم:۔ سنا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیکھنے کے لحاظ سے روشنی اور تاریکی آگے اور پیچھے، قریب وبعید سب صورتیں برابر درجہ کی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو کسی حدیث کا حوالہ کتاب

اور باب وفصل کی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں؟

سوال پنجم:۔ سنا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد طواف کیا، کیا یہ واقعہ حدیث سے ثابت ہے؟

اور یہ بھی سنا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن جعفر طیارؓ نے بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طواف کیا، اس کا حوالہ مع باب وفصل اور کتاب کا نام تحریر فرمائیں۔

واب:۔ جواب سوالِ اول:۔ اوزجندی ملا علی قاری کی تصنیف ہے اور وہ روایت غیر صحیح اور غیر معتبرہ ہے بلکہ نوع اور باطل۔ اس پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔ حدیث کی کسی بھی کتاب میں ایسی روایت نہیں ملتی۔

جواب سوال دوم:۔ عبارت مذکورہ مجمع البرکات میں موجود ہے لیکن کتب معتبرہ کے خلاف ہے۔ ملا علی قاری مکی رح عین العلم میں لکھتے ہیں ولا یمس ای القبر لا التابوت ولا الجدار فورود النہی عن مثل ذلک بقبر النبی علیہ سلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیادۃ علی المس فھو اولیٰ فالتقبیل مختص بالحجر الاسود و یدی الانبیاء والعلماء والصلحاء انتہی

اور شرح باب المناسک میں بھی لکھتے ہیں ولا یطوف حول البقعۃ الشریفۃ فان الطواف من مختصات الکعبۃ رم حول قبور الانبیاء والاولیاء ان عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قبر اور تابوت کا لمس اور تقبیل کرنا اور طرح طواف کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ اور نور ایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن میں تحریر ہے کہ مجمع البرکات مذکورہ عبارت ویمکنہ ان یطوف حولہ فعل ذلک ثلث مرات غیر معتبر ہے۔

جواب سوالِ سوم:۔ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ مطالب المؤمنین میں کفایہ شعبی نقل کیا ہے لیکن یہ دونوں کتابیں خود غیر معتبر ہیں۔ اور احادیث کے معاملہ میں محدثین کی تصریحات پر اعتماد ہوتا ہے ار غیر معتبرین کی نقل پر نہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

در بوسہ دادن قبر روایت فقہی نقل می کنند وصحیح آنست کہ لا یجوز است انتہی۔

جواب سوالِ چہارم:۔ واقع میں یہ صفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھی مگر دائماً اور ہمیشہ نہیں بلکہ بعض لات پائی جاتی تھی۔

شرح دلائل الخیرات میں ہے:۔ قد ثبت رویتہ صلے اللہ علیہ وسلم من خلفہ فی حدیث ابی ھریرۃ نس عند الشیخین و عند عبد الرزاق فی جامعہ و عند الحاکم عن ابی ھریرۃ رض انتہی۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں:۔ کان یریٰ من وراء ظہرہ کما یری من قدامہ ھو فی الصحیحین یرھما من حدیث انس و غیرہ والاحادیث الواردۃ فی ذلک مقیدۃ بحال الصلوٰۃ و بذلک یجمع بین ھذا وبین ہ صلے اللہ علیہ وسلم لا اعلم ما وراء جداری ھذا۔ انتہی۔

جواب سوالِ پنجم:۔ یہ قصہ بالکل موضوع اور باطل ہے کتب معتبرہ میں اس کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی

قرآن مجید سے فال لینا

سوال (۱۲۳) مصحف قرآنی یا کسی اور کتاب سے فال لینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس کے جواز کی کوئی دلیل صریح قرآن وحدیث میں نہیں ملتی جس کی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے حرام اور بعض نے مکروہ اور بعض نے جائز بتایا۔ بشرطیکہ خلافِ مقصود فال نکلنے کی صورت میں کوئی خیال دل میں نہ آئے۔ ابو عبداللہ محمد بن الحاج مالکی مدخل میں لکھتے ہیں:۔ التفاول فی الشرع ھو الذی لا یقصدہ الانسان حتی یسمعہ ابتداء واما من یقصدہ فلیس من التفاول فی شئ واشد من ذلک التفاول فی فتح المصحف والنظر فی اول سطر یخرج منہا او غیرہ وذلک باطل وبیان ذلک انہ قد یخرج لہ منہا آیۃ عذاب ووعید فیقع لہ التشویش من ذلک فرفع عنہ ذلک حتی ینقطع مادۃ التشویش بل یخشی علیہ ان تقع لہ ما ھو اشد من ذلک ویول امرہ الی الخطر العظیم ومن اللہ خیرۃ قال الطرطوسی ان اخذ الفال بالمصحف وضرب الرمل ونحوہما حرام وھو من باب الاستقسام بالازلام مع ان الفال حسن بالسنۃ تحریرہ ان الفال الحسن وھو مایعزم من غیر کسب مثل قائل یقول ما مصلح ونحوہ والتفاول المکتسب حرام کما قالہ الطرطوسی فی تعلیقہ انتہی

اور ملا علی قاری مکی حنفی شرح نخبۃ الفکر میں تحریر فرماتے ہیں التفال بالمصحف ما صدر عن السلف واختلف فیہ المتاخرون ولا شک ان التشاؤم بہ فیہ مکروہ سواء بالحرف او بالمعنی واما التفاول بالمعنی او بالظہور کبسملۃ ونحوہا فلا باس واما الحروف فلا دلالۃ لہا علی الحسن والقبح ابدا انتہی۔

علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:۔ ومن جملۃ علم الحروف الفال بالمصحف حیث یضمونہ وینظرون فی اول صفحۃ ای حرف وافقہ وکذا فی سابع الورقۃ السابعۃ فان جاء حرف من الحروف المرکبۃ من تسحلاکم حکموا بانہ غیر مستحسن فی سائر الحروف بخلاف ذلک وقد قال ابن العجمی فی منسکہ لا یوخذ الفال من المصحف فان العلماء اختلفوا فی ذلک فکرہہ بعضہم ونص المالکیۃ علی تحریمہ انتہی

ولعل من اجاز وکرہ اعتمد علی المعنی ومن حرمہ اعتبر حروف المعنی فانہ فی معنی الاستقسام بالازلام انتہی

اور سید عبدالباقی بغدادی رسالہ مناسک الحج میں لکھتے ہیں:۔ ومن الاستخارات الشائعۃ الاستخارۃ بالقرآن ویسمونہ تفاولا ویعلمون منہا کیفیات شئ والظاہر ان ذلک مما لا دلیل علی مشروعیتہ ومن البدع مایستعملہ الشیعۃ بالتفاول من السبحۃ ونحوہا وکذا ما یفعلہ کثیر من الناس بالتفاول بدیوان حافظ الشیرازی انتہی

واللہ اعلم

ابو الحسنات محمد عبدالحی

علمِ رمل سیکھنا

سوال (۱۲۴) علمِ رمل سیکھنا اور سکھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ علمِ رمل کی اصل حضرت ادریس علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دور سے ہے۔ اور یہ ان کے معجزات میں شمار کیا گیا۔ مگر شریعتِ محمدیہ میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ سر الذریعۃ طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

ھو علم بضروب اشکال من الخطوط والنقطة بقواعد معلومة تخرج حروفا تجمع وتستخرج جملة دالة علی عواقب الامور وقد علمت انہ حرام قطعا واصلہ لادریس علیہ السلام انتہی۔
صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں معاویہ ابن حکم سے روایت ہے:۔
قال قلت ومنا رجال یخطون قال ای النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطہ فذاک انتہی
جلال الدین سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد میں تحریر فرماتے ہیں:۔
قال النووی اختلف العلماء فی معناہ ویصح ان معناہ من وافق خطہ فھو مباح ولا طریق لنا الی معرفة ذالک العلم الیقینی بالموافقة فلا یباح وقال عیاض معناہ من وافق خطہ فذاک الذی تجدونہ اصابة بما یقول لا انہ اح ذلک لفاعلہ قال ویحتمل ان ھذا نسخ من عناد وقال الخطابی ھذا الحدیث یحتمل النہی عن ھذا الخط وان کان علامة لنبوة ذالک النبی وقد انقطعت فنھی عن تعاطی ذالک قال النووی فحصل من مجموع کلام العلماء الاتفاق علی النہی عنہ الآن انتہی۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

بابُ التقلید والاجتہاد

ائمہ اربعہ کے مذاہب

سوال (۱۲۵) سوال اول، درمختار میں ہے:۔ اذا سئلنا عن مذھبنا ومذھب مخالفنا قلنا وجوبا مذھبنا صواب یحتمل الخطاء ومذھب مخالفنا خطاء یحتمل الصواب واذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا الحق ما نحن علیہ والباطل ما علیہ خصومنا انتہی اس عبارت میں اشکال ہے اس مسئلہ میں کیا اعتقاد ہونا چاہیئے۔ کیا مذہبِ حنفیہ کے علاوہ تینوں مذاہب کے بطلان کا عقیدہ رکھنا واجب ہے یا نہیں؟

سوال دوم:۔ درمختار میں ابن المبارک کے چند ابیات ہیں ؎

وقد قال ابن ادریس مقالا	صحیح النقل فی حکم لطیفة
بان الناس فی فقہ عیال	علی فقہ الامام ابی حنیفةؒ
فلعنة ربنا اعداد رمل	علی من رد قول ابی حنیفةؒ انتہی

اس مسئلہ میں چند چیزیں قابلِ نظر ہیں:۔
(۱) کیا واقعی یہ قول ابن ادریس امام شافعیؒ کا ہے اور اس کی کوئی سند صحیح ہے؟
(۲) رد کے معنی منتخب اللغات میں لوٹ جانا اور لوٹا دینا اور واپس بلانے کے آتے ہیں تو اس جگہ رد کے

کیا معنی ہوں گے؟

(۳) اسی طرح منتخب اللغات میں لعن کے معنی ہیں رحمت سے دور کردینا اور نفرت کرنا تو اس جگہ کیا مطلب ہوگا؟

(۴) کیا کسی کے لیئے اس قسم کی لعنت کرنا جائز ہے۔

(۵) کیا قول امام کے رد کرنے والے پر لعنت کا ثبوت کسی مستند دلیل سے ثابت ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ جواب سوال اول:۔ امام نسفیؒ نے آخر مصفی میں اس قول کو نقل کیا۔ اور عمل کرنے والوں نے اس پر عمل بھی کیا لیکن بظاہر یہ صحیح نہیں بلکہ یہ ایک قول ضعیف پر مبنی ہے اور صحیح مسلک واجب الاعتقاد یہ ہے کہ مسائل خلافیہ میں نفس الامر اور حق دائر ہوتا ہے مجتہدین کے درمیان یعنی ان میں سے ایک لاعلی التعیین حق ہوتا ہے۔ البتہ ظاہری اعتبار سے ہر ایک حق ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک پر عمل کرنے سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ محمد امین مشہور بابن عابدین شامی رد المحتار حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

اعلم انہ ذکر فی التحریر وشرحہ ایضا انہ یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل وبہ قال الحنفیۃ والمالکیۃ واکثر الحنابلۃ والشافعیۃ وفی روایۃ عن احمد وطائفۃ کثیرۃ من الفقہاء لایجوز ثم ذکر انہ لو التزم مذہبا معینا کابی حنیفۃ والشافعی فقیل یلزمہ وقیل لا وھو الاصح انتہی وقد شاع ان العامی لامذہب لہ اذا علمت ذلک ظہر لک انما ذکر عن النسفی من وجوب اعتقاد ان مذہبہ صواب یحتمل الخطاء مبنی علی انہ لایجوز تقلید المفضول وانہ یلزمہ التزام مذہبہ وان ذلک لایأتی فی العامی وقد رأیت فی آخر فتاویٰ ابن حجر الفقیہ التصریح ببعض ذلک فانہ سئل عن عبارۃ النسفی المذکورۃ ثم حرر ان قول ائمۃ الشافعیۃ کذلک ثم قال ان ذلک مبنی علی الضعیف من انہ یجب تقلید الاعلم دون غیرہ والاصح انہ یتخیر تقلید ای شاء ولو مفضولا وان اعتقدہ کذلک وحینئذ فلا یمکن ان یقطع او یظن انہ علی الصواب بل علی المقلد ان یعتقد ان ما ذہب الیہ امامہ یحتمل انہ الحق قال ابن حجر ثم رأیت المحقق ابن الہمام صرح بما یؤیدہ حیث قال فی شرح الھدایۃ ان اخذ العامی بما یقع فی قلبہ انہ اصوب اولی وعلی ھذا اذا استفتی مجتہدین فاختلفا علیہ الاولی ان یاخذ بما یمیل الیہ قلبہ منہما وعندی انہ لو اخذ بقول الذی لایمیل علیہ جاز لان میلہ وعدمہ سواء والواجب علیہ تقلید مجتہد وقد فعل انتہی

اور سید احمد طحطاوی حواشی درمختار میں فرماتے ہیں: قولہ خطاء یحتمل الصواب ھذا بناء علی ان الحق واحد وھو المشہور وانما لم یجزم بخطاء المخالف فی الفروع کما تقدم من ان المجتہد یخطی ویصیب والمراد ان ما ذہب الیہ امامنا صواب عندہ مع احتمال الخطاء او کل مجتہد یصیب ویخطی فی نفس الامر واما بالنظر الینا فکل واحد من الاربعۃ مصیب فی اجتہادہ فکل مقلد یقول ھذہ العبارۃ لو سئل عن مذہبہ علی لسان امامہ الذی قلدہ ولیس المراد انہ یکلف کل مقلد اعتقاد خطاء المجتہد الاخر الذی لم یقلدہ۔ لان تقلیدہ واحدا منہم لما یسوغ بقدر ضرورۃ التقلید وھی کون المقلد لیس من اھل النظر فی الادلۃ لاستنباط الاحکام الظنیۃ فیقلدہ فی العمل فقط انتہی۔

جواب سوال دوم:۔ ابن المبارک کے مذکورہ اشعار میں امام شافعیؒ کا قول منقول ہے اور لعنت امام شافعیؒ کی جانب سے نہیں بلکہ ابن مبارک کی طرف سے ہے۔ خطیب نوویؒ اور ابن حجر جیسے محدثین حضرات کا اتفاق کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں

من اراد ان یتبحر فی الفقہ فھو عیال ابی حنیفۃ امام شافعیؒ کا یہ قول مشہور ہے اور کتب نقاد میں مکتوب۔ اور اسی قول کو ابن المبارک نے نظم کردیا ہے ؎

وقد قال ابن ادریس مقالا صحیح النقل فی حکم لطیفہ
بان الناس فی فقہ عیال علی فقہ الامام ابی حنیفہ

اصل اشکال فلعنۃ ربنا میں ہے۔ کیونکہ کسی مسلمان متعین پر اس کے مرنے کے بعد بلکہ کافر متعین پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں اور ائمہ اربعہ میں فرق مراتب نا قابلِ انکار ہے پس خاص امام ابو حنیفہؒ کے قول کو رد کرنے والا کیوں لعنت کا مستحق ہوگا ان اشکالات کا مفصل جواب عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ میں ہے جس کا اجمال یہ ہے کہ لعنت کے ایک معنی لغوی تو یہ ہیں کہ اللہ کی مطلق رحمت سے محروم ہوجانا تو ایسی لعنت مسلمان پر جائز نہیں۔ البتہ ایک معنی یہ ہیں کہ اس رحمتِ خاصہ سے محروم رہنا جس کا تعلق صلحاء اور اتقیاء سے ہوتا ہے۔ اور اس معنی کے لحاظ سے فساق و فجار پر لعنت جائز ہوگی۔ اور احادیث صحیحہ میں شراب پینے اور پلانے والے، بنانے اور بنوانے والے، بیع و فروخت کرنے والے اور اٹھانے والے، رشوت دینے اور لینے والے اور سود کا مال کھانے والے اور اس کے گواہ، سود کے معاملات لکھنے والے، غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے، مخلوق کو تکلیف دینے والے، بدن کو گودنے اور گدوانے والے مردوں کی صورت بنانے والی عورتوں اور عورتوں کی صورت بنانے والے مردوں پر لعنت کی گئی ہے۔ صحاح ستہ میں نظر کرنے سے حقیقتِ حال واضح ہوجائے گی۔ اس لحاظ سے قولِ ابی حنیفہ کو رد کرنا موجبِ فسق ہونے کی وجہ سے لعنت کا سبب ہوسکتا ہے اور اس رد سے مطلق رد مراد نہیں بلکہ جس رد کا منشاء امام کی تحقیر اور اس کے اصل رتبہ سے گرانا مقصود ہو اور طعنہ زنی پیش نظر ہو کہ جس سے اس امام کے مقلدین کو تکلیف پہنچے جیسا کہ آجکل العوام کالانعام بلکہ خواص کا العوام کا حال یہی ہے اور ظاہر ہے کہ جس رد میں سب و شتم ہو تو اس کی وجہ سے رد کرنے والا فاسق و فاجر ہوگا۔ اور اس پر معنی ثانی کے اعتبار سے لعنت کرنا جائز ہے اور ان اشعار مذکورہ میں کسی شخص معین پر لعن نہیں بلکہ غیر معین پر جس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ اس تفصیل کے بعد حواشی درمختار میں قول حلبی کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔

المراد من قولہ ردًا لمحتقر الہ منکر ان یکون فیہ قوۃ الاجتہاد والا فلم تزل الائمۃ ترد اقوال بعضہم مع انہم مثابون علی ذلک نظرۃ النصرۃ الحق بحسب ظنہم وکان الاسلم ان یقول علی من حط قدر ابی حنیفۃ انتہیٰ

اور امام طحاوی کا حواشی درمختار میں قول حلبی کے رد میں یہ قول وفیہ ان غایۃ من رد کا بھذہ الصفۃ المتقدمۃ ان یکون قد ارتکب محرما وھولا یلعن بل لا یجوز لعن کافر بخصوصہ الخ بالکل باطل ہے۔

اور ابنِ عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:۔ ای علی من رد ما قالہ من الاحکام الشرعیۃ مختصر الھا فان ذلک موجب للطرد والابعاد لا بمجرد الطعن فی الاستدلال لان الائمۃ لم تزل ترد بعضہم قول بعض ولا بمجرد الطعن فی الامام نفسہ لان غایۃ الحرمۃ فلا یوجب اللعن لکن لیس فیہ لعن شخص معین فھو کلعن الکاذبین ونحوھم من العصاۃ انتہی، واللہ اعلم وعلمہ احکم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیٔ

متبحر عالم اور تقلید

سوال (۱۲۶) اگر کسی عالم غیر مجتہد کا یہ نظریہ ہے کہ جو حکم کتاب اللہ میں ہوگا اس پر عمل کروں گا، وہاں سے محرومی کی صورت میں احادیث پر اور اگر وہاں بھی کامیابی نہ ہو تو مجتہدین کے نص کے مطابق عمل کروں گا اور اگر وہاں سے بھی ناامیدی ہو تو پھر فقہ حنفی یا فقہ شافعی میں جو حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اب اگر یہ شخص اپنے آپ کو اس حیثیت سے حنفی یا شافعی کہتا ہے اور اپنی رائے سے کوئی مسئلہ بیان نہیں کرتا، نیز قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اپنی رائے پر اعتماد نہیں رکھتا تو کیا ایسا شخص حق پر ہے یا نہیں؟

جواب:- ایسا عالم مسالکِ حق پر ہے بشرطیکہ ماہر کامل ہو۔ اور ناسخ و منسوخ، صحیح اور موضوع اور ان کے تمام متعلقات سے پوری طرح واقف ہو۔ اور یہی مسالک علماء سابقین اور فضلاء ماہرین کا تھا۔ عارف ربانی عبدالوہاب شعرانی میزان میں تحریر فرماتے ہیں:- سمعت سیدی علیا الخواص یقول اعتقادنا فی جمیع الاکابر من العلماء انہم ما سلموا بعضہم لبعض الا لعلمہم بصحۃ اقوالہم ومستندا تہم لا بحسن الظن فیہم من غیر ان یطلعوا علی صحتہا وقد تقدم ان بعض اتباع المجتہدین وصل الی شہود عین الشریعۃ وقال کل مجتہد مصیب کابن عبد البر المالکی والشیخ ابی محمد الجوینی وقد صنف ابو محمد کتابا المسمی بالمحیط ولم یتقید فیہ بمذہب وکذلک الشیخ عبد العزیز الف کتابا سماہ الدرر الملتقطۃ فی المسائل المختلطۃ افتی فیہا علی المذاہب الاربعۃ انتہی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شریعتِ محمدی کے اصول مثل چشمۂ جاریہ کے اور مذاہب متفرقہ اس چشمہ سے نکلنے والی نہروں کے مانند ہیں۔ پس جس عالم کو مرتبۂ اعلیٰ نصیب ہوا ور ائمہ اربعہ کے اصول سے پوری طرح واقف ہو تو اس کو کسی ایک امام متعین کے اتباع کی حاجت نہیں ہے اور نہ کتبِ فقہ کے مطالعہ کی لیکن جس عالم کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تو ایسے شخص کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے اتباع کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے عناد و فساد کا دفعیہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اہلِ حدیث پر نظر کرو۔ چونکہ یہ حضرات ائمہ اربعہ کے اصول سے پوری طرح واقف تھے، صحیح اور غیر صحیح کو اچھی طرح جاننے والے تھے اس لئے اس کی ضرورت ہی نہ سمجھتے تھے کہ کتبِ فقہ کا مطالعہ کریں بلکہ ان کی تو یہ حالت تھی کہ اگر فقہ حنفی یا شافعی کا کوئی مسئلہ حدیثِ صحیح کے خلاف پاتے تو اس پر عمل ہی نہ کرتے۔ بخلاف ان کے بعد کے علماء کے کہ ان حضرات کو یہ مرتبہ نصیب ہی نہیں ہوا۔ اس کے باوجود اگر کسی شخص کو شریعت غراء کے تمام اصول وضوابط کا علم ہو جائے تو پھر اس کو ان کتابوں کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر محض تعصب اور اس نظریہ کے ماتحت کہ یہ ائمہ اربعہ مجتہدین خلافِ شرع مسائل کا اخراج واستنباط کرتے ہیں ان ائمہ کی تقلید نہیں کرتا تو گنہگار رہوگا۔ وانما لکل امرء ما نوی واللہ یعلم ما ظہر وما حوی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

رخصتوں کو تلاش کرنا

سوال (۱۲۷) جو شخص شرعی رخصتوں پر عمل کرنا اپنا طریقہ اور عادت بنالے کیا وہ مبتدع ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر یہ شخص لہو ولعب اور مذہب سے لاپرواہی کی وجہ سے رخصتوں کو تلاش کرتا ہے تو بالاجماع حرام ہے مثلاً ایک حنفی لہو کی وجہ سے شطرنج کھیلنے میں امام شافعیؒ کے مذہب کو اختیار کرتا ہے اور اگر لہو کے خیال سے نہ ہو تو اس کا متلاشی

مبتدع نہ ہوگا. مگر عوام کو اس سے منع کیا جائے گا. عالم متقی کے کر لینے میں مضائقہ نہیں۔

بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں یہی فرمایا ہے مصابیح میں ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا و قاربوا وابشروا وذکر البغوی عن عمیر قال ادرکت من اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اکثر من سبعین فما رأیت قوما اھون سیرۃ ولا اقل تشدیدا منہم وعن ابراھیم انہ قال اذا بلغک فی الاسلام امران فخذ ایسرھما وقال الشعبی اذا اختلف علیک فی الدین فخذ ایسرھما فان ایسرھما اقربھما الی الحق ان اللہ تعالی یقول یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر الآیہ۔ ان آثار واخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب اربعہ میں رخصتوں کو تلاش کرنا بشرطیکہ قرآن وسنت مشہورہ اور اجماع سلف وقیاس جلی کے مخالف نہ ہوں حسن ہے۔ البتہ متاخرین فقہا اس کے مخالف ہیں بعض نے تو فسق کہدیا ہے اور مسلم اور اس کی شرح میں مولانا ولی اللہ لکھنوی فرماتے ہیں:۔ ویتخرج ای تستنبط منہ ای من جواز اتباع غیر المقلد الاول کما ھو مختار ابن الہمام من ان تقلید مذھب معین لیس بواجب شرعًا جواز اتباع رخص المذاھب ای اخذ ما ھو اھون علیہ من المذاھب فلا یمنع منہ مانع شرعی اذ للانسان ان یسلک مسلک الاخف علیہ اذا کان لہ ای للانسان الیہ ای الی الاخف سبیل ثم بین السبیل بقولہ بان لم یکن عمل فیہ ای فی ذلک المحل المختلف فیہ باخر ای بقول اخر مخالف لھذا الاخف وکان علیہ الصلوٰۃ والسلام یحب ما خفف علیھم وما نقل عن ابن عبد البر انہ لا یجوز للعامی تتبع الرخص اجماعًا فاجیب عنہ فی التیسیر شرح التحریر بالمنع ای یمنع صحۃ النقل عنہ ولو سلم فلا نسلم صحۃ دعوی الاجماع اذ فی تفسیق متتبع الرخص عن الامام احمد روایتان فکیف یتحقق الاجماع وحمل بعضھم روایۃ التفسیق بما اذا قصد التلھی انتھی اور یہی تفصیل تحریر الاصول کی شروح میں ہے۔ واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

ائمہ اربعہ کے مذاہب کا انکار کرنا

سوال (۱۲۸) جو شخص مذہب کا انکار کرے اور کسی مذہب کے اختیار کرنے کو برا سمجھے اور کتب حدیث کے اتباع کا دعوی کرے تو کیا ایسا شخص مبتدع ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اصحاب مذاہب خواہ ابو حنیفہؒ ہوں یا شافعیؒ. امام مالک یا احمد بن حنبل کسی نے بھی تدوین مذاہب اور استخراج مسائل خلاف شرع نہیں کیے. ہر ایک امام کے پاس مستند دلائل موجود ہیں. اور ان کے اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ آیات قرآنی اور حدیث کے سمجھنے میں اختلاف ہوگیا. ورنہ کسی تعصب یا قیاس کو شریعت پر مقدم کرنے کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا. تمام ائمہ تقدیم قیاس علی الشرع سے منزہ ومبرا ہیں. اور اگر کوئی شخص اس کی نسبت کرتا ہے تو وہ کاذب اور افترا پرداز ہے بعض متعصبین مذہب حنفیہ کو اصحاب الرائے کہتے ہیں. مگر ان کا قول سراسر غلط ہے اور اگر اصحاب الرای ہیں تو میرے خیال میں یہ تو حنفیہ کی تعریف ہے. کیونکہ یہاں پر رائے سے خاص رائے دقیق مراد ہے. فی الحقیقۃ اصحاب حنفیہ رائے دقیق رکھنے والے ہیں. حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی مجمع موسس فی المعجم المفہرس میں اقرار کرتے ہیں کہ مذہب حنفیہ میں اصول وقواعد جس طرح ضبط کیے گئے ہمارے مذہب شافعی میں نہیں ہیں. پس حق جل شانہ نے متعصبین کی زبان سے اصحاب حنفیہ کی تعریف اس طرح ظاہر فرمادی کہ وہ لوگ اس کا

مطلب بھی نہ سمجھ سکے۔ حاصل کلام یہ کہ مذاہب مدونہ مروجہ آیاتِ قرآنی سنتِ رسولؐ اجماع و قیاس کے مخالف نہیں ہیں۔ ہر ایک مسئلہ کی اصل ان ادلۂ اربعہ میں مل جائے گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں فرماتے ہیں لما مهد والفقه لم تكن مسئلة من المسائل التي تكلم فيها من قبلهم والتي وقعت في زمانهم الا وجد وافيها حديثا مرفوعا متصلا او مرسلا او موقوفا صحيحا او ضعيفا او حسنا او اثرا من آثار الشيخين او سائر الخلفاء فيسر الله لهم العمل بالسنة على هذا الوجه انتهى۔

لہٰذا اگر کوئی شخص مذاہب اربعہ کا انکار اور ان کو برا صرف اس وجہ سے سمجھتا ہے کہ یہ مذاہب موافق شرع نہیں تو وہ یقیناً کافر ہے لانہ اهان الدین اور اگر اس کو صرف اعتقاد ہے کہ یہ مذاہب خلافِ شرع اور خلافِ نصوص ہیں مگر انکار نہیں کرتا تو وہ مخطی ہے لما مهدنا۔ اب ذرا غور کرنا چاہیے کہ اگر ائمہ مجتہدین مسائل موجودہ کی تحقیق اور تدوین نہ کرتے تو تمام عالم گمراہ ہو جاتا اور کسی کو احکامِ شرع کی ہوا بھی نہ لگتی کیونکہ بہت سے احکام ظاہر نصوص و آیات سے مستنبط نہیں ہوتے پس ان مذاہب کو برا سمجھنا درحقیقت احسان فراموشی ہے۔ اور کتبِ حدیث کے اتباع کا دعویٰ کرنے والا اگر فی الحقیقت حسن و صحیح حسن و ضعیف و ناسخ و منسوخ میں امتیاز کر سکتا ہے۔ اور محدثین سابقین کی طرح آیاتِ قرآن اور احادیث و روایات کی شرح پر قادر ہے اور قرآن و حدیث سے متعلقہ تمام ضروری علوم میں مہارتِ تامہ رکھتا ہو تو وہ یقیناً قابلِ مدح و ستائش ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں ایسے شخص کا وجود عنقا کے وجود کے برابر ہے۔ آٹھویں صدی میں بہت سے لوگ ان صفات کے ساتھ موصوف تھے اور اس کے بعد نویں صدی میں علامہ جلال الدین سیوطی خاتمۃ الحفاظ ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد دسویں صدی میں بعض علماء مثلاً ملا علی قاری شیخ عبد الحق محدث دہلوی محدثین سابقین کے مطابق تھے۔ مگر اس کے بعد سے دروازہ بالکل بند ہو گیا اور اس وقت سے لے کر آج تک کوئی ایسا شخص نہیں ہوا کہ جو حدیث صحیح اور ضعیف میں امتیاز کما حقہٗ کر سکے۔ چہ جائیکہ اس میں مہارتِ تامہ رکھتا ہو۔ ہمارے موجودہ زمانہ میں تو محدث اس کو کہتے ہیں کہ جو صحاح ستہ کا درس دے اور حدیث کے مطالب کو عام فہم کر دے۔ انا للہ۔

صاحب کشف الظنون علامہ تاج الدین سبکی سے نقل فرماتے ہیں:۔ واعلم ان قصارى نظر ابناء زماننا في علم الحديث النظر في مشارق الانوار عرفان ترفعت الى مصابيح البغوي ظننت انها تصل الى درجة المحدثين وما ذلك الا لجهلهم بالحديث بل لو حفظ احد عن ظهر قلب وضم اليها من المتون مثليها لم يكن محدثا حتى يلج الجمل في سم الخياط وانما الذي يعده اهل الزمان بالغا الى النهاية زيناد ونه محدث المحدثين وبخاري العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الاثير مع حفظ علوم الحديث لابن الصلاح والتقريب للنووي مع انه ليس في شيء من رتبة المحدثين وانما المحدث من عرف المسانيد والعلل واسماء الرجال والعالي والنازل وحفظ ذلك جملة مستكثرة من المتون وسمع الكتب الستة ومسند احمد وسنن البيهقي ومعجم الطبراني وضم الى ه القدر الف جزء من اجزاء الحديث فهذا اقل درجاته انتهى ذرا غور کرو اور آنکھیں کھولو جب کہ دسویں صدی سے پہلے سبکیؒ کے زمانہ کا یہ حال ہے تو آج ہماری کیا کیفیت ہوگی۔ اس زمانہ کے محدثین جو اپنے آپ کو مجددِ دین سمجھ کر

مذاہب حقہ کو باطل سمجھتے ہیں یہ لوگوں کو گمراہ کرنے والے ہیں۔ کیونکہ اگر فقہ حنفی یا شافعی کے کسی مسئلہ کی سند صحاح میں نہیں پاتے تو فوراً کہنے لگتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے یا شافعیؒ نے اس مسئلہ میں حدیث کی مخالفت کی اور ان بیچاروں کو یہ پتہ بھی نہیں کہ فن حدیث صحاح ستہ میں منحصر نہیں۔ کتب حدیث بے شمار تصنیف کی گئیں تو صحاح ستہ میں سند نہ ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ کتاب میں ہے ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

غیر معین مذہب کی تقلید کرنا

سوال (۱۴۹) اگر کوئی جاہل کسی متعین امام کی تقلید کو لازم نہیں سمجھتا بلکہ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک امام کو اپنا مقتدا و پیشوا خیال کرتا ہے اور اپنے زمانہ کے ہر دیندار اور متقی عالم کے کہنے کے مطابق عمل کرتا ہے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔ مذہب معین کی تقلید کے وجوب کے بارے میں ہر زمانہ کے علماء میں اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات تو مذہب معین کی تقلید کو واجب کہتے ہیں۔ علامہ محلی شافعی شرح جمع الجوامع میں لکھتے ہیں:۔ یجب علی العامی وغیرہ ممن لم یبلغ مرتبۃ الاجتہاد التزام مذہب معین من مذاہب المجتہدین یعتقدہ ارجح من غیرہ او مساویا له وان کان فی نفس الامر مرجوحاً علی المختار انتہی۔

اور امام ہمام کمال الدین ابن الہمام تحریر الاصول میں لکھتے ہیں:۔ نقل الامام الاجماع علی منع التقلید العوام لاعیان الصحابۃ ومن بعدهم الذین وضعوا ودونوا وعلی هذا ما ذکرہ بعض المتاخرین من منع تقلید غیر الائمۃ الاربعۃ لانضباط مذاهبهم وتقلید مسائلهم ولم یدر مثله غیرهم الی الآن انتہی۔

اور بعض علماء کا مسلک مختار یہ ہے کہ مذہب معین کی تقلید ضروری نہیں ہر شخص کو مکمل اختیار ہے کہ جس مذہب پر چاہے عمل کرے مگر دوسرے مذہب کی تحقیر و توہین اور تعصب کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ واجب التعزیر ہے

شیخ ابن حاجب مختصر الاصول میں بیان کرتے ہیں:۔ لا یرجع عن قول المجتهد بعد تقلیدہ اتفاقا وفی حکم آخر المختار جوازہ لنا القطع بوقوعه ولم ینکر فلو التزم مذهبا معینا کمذهب مالک او الشافعی فقالثها کالاول انتہی

اور مستند امام وین قاضی عضد الملۃ والدین اپنی شرح میں لکھتے ہیں:۔ اذا عمل العامی بقول المجتهد فی حکم مسألة فلیس له الرجوع عنه الی غیرہ اتفاقاً فاما فی حکم مسألة أخری فیل یجوزان یقلد غیر المختار جوازہ للقطع بوقوعه فی زمان الصحابۃ وغیرہ فان الناس فی کل عصر کانوا یستفتون المفتیین کیف ما اتفق ولا یلزمون سوال مذهب معین وقد شاع هذا وتکرر فلو التزم مذهبا معینا وان کان لا یلزمه ففیه ثلثة اقوال، اولها یلزمه وثانیها لا یلزمه وثالثها انه کالاول وهو من لم یلزم فان وقعت واقعة فقلدہ فیها فلیس له الرجوع عنه واما فی غیرها فیتبع فیها ما شاء انتہی۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح میں ہے: یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل فی العلم عند الاکثر وقیل بهم اکثر الحنابلة واختارہ ابن الحاجب وتبعهم المصنف وحکی عن احمد انه یجب النظر فی الارجح وهو المختار عند الامامیة

وهل يقلد المقلد غير من يقلد به اولا فى غير ما عمل به اولا المختار نعم لما علم بالاستقراء من استفتائهم اى المستفتين فى كل عصر من زمن الصحابة مرة واحدة من المجتهدين ومرة واحدة من غيرهم ولو التزم مذهبا معينا فهل يلزم الاستمرار عليه فقيل نعم حتى شدد بعض المتكلفين وقالوا الحنفى اذا ترك مذهب امامه يعزر والحق انه تعصب لا دليل عليه اصلا وانما هو تشريع من عند نفسه وقيل لا قال فى التيسير شرح التحرير هو الاصح اذ لا واجب الا ما اوجب الله تعالى وبالجملة لا يجب تقليد مذهب معين بل جاز الانتقال لكن لا بد ان لا يكون ذلك على قصد التلهى وتوهين كبار المجتهدين۔ انتهى۔

بعینہ یہی چیز بحر العلوم مولانا عبد العلی نے شرح مسلم الثبوت اور شرح تحریر میں بیان فرمائی اور مذہب معین کی تقلید کے وجوب کے قائل نہیں ہوئے فی زماننا عوام کو اس مسئلہ سے روکا جائے اور مذہب معین کی تقلید کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ان کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مسئلہ مذکورہ میں اختیار دے دیا جائے تو مسائل دینیہ میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور ائمہ کبار پر خصوصًا امام اعظم ابو حنیفہ پر طعن و تشنیع کا دروازہ کھل جائے گا اور ہر شخص یہی کہے گا کہ ان مذاہب سے ہم کو کیا واسطہ ہمارے لیئے تو سنت رسول اللہ کافی ہے اور ان بے چاروں کو یہ پتہ نہیں کہ ان مذاہب کی تقلید درحقیقت کلام اللہ کی تقلید ہے۔ ارشاد باری فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون اس بات پر شاہد و گواہ ہے کہ جس عالم کو جاہل لوگ اپنا مقتدا و پیشوا مقرر کریں خواہ وہ کتنا ہی بڑا متقی کیوں نہ ہو۔ مگر ائمہ سابقین اس عالم سے بدرجہا افضل و ارفع ہوں گے اور اس عالم کی تقلید ان ائمہ کی تقلید کے مقابلہ میں غیر اولیٰ ہوگی۔ علامہ فخر الدین زیلعی شرح کنز میں اور شیخ الاسلام بدر الدین عینی وغیرہ تصریح کرتے ہیں الاحكام تتبدل بتبدل الازمنة اور اس کی شاہد ابو داؤد کی ایک روایت ہے۔ حضرت عائشہؓ سے لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدثه النساء لمنعهن من المساجد كما منع نساء بنی اسرائیل اسی وجہ سے صاحب ہدایہ اور شمس الائمہ سرخسی بلکہ تمام فقہاء حنفیہ و شافعیہ متعدد مقامات میں تنقیح مسئلہ کے بعد لکھتے ہیں لكن هذا اما لا يفتى به الناس کتب فقہ کے مطالعہ کرنے والے اس سے غافل نہیں ہیں۔ پس اگرچہ محققین کے نزدیک مختار و صحیح مسلک یہی ہے کہ مذہب معین کا اختیار کرنا واجب نہیں لیکن ہمارے زمانہ کے عوام کے لیۓ مسلک مختار اور فتویٰ یہی ہے کہ مذہب معین کی تقلید کو واجب یا مستحسن کہا جائے جیسا کہ بعض کا مسلک یہی ہے اور ان عوام کو اختیار کی اطلاع نہیں کرنی چاہیۓ۔ البتہ اگر عالم ماہر متقی متدین غیر متعصب اگر اپنے اختیار کے مطابق عمل کرے تو اولیٰ و احسن ہے۔

عارف ربانی عبد الوہاب شعرانی میزان میں لکھتے ہیں:۔ كان سيدى على الخواص اذا سأله انسان عن التقليد بمذهب معين الآن هل هو واجب ام لا يقول له يجب عليك التقليد بمذهب ما دمت لم تصل الى عين شهود الشريعة فهناك لا يجب عليك التقليد بمذهب لانك ترى اتصال جميع المذاهب بها انتهى۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:۔ وهذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجمعت الامة على جواز تقليدها الى يومنا هذا وفى ذالك من المصالح ما لا يخفى لاسيما فى هذه الايام التى قصرت الهمم جدًا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذى رأى برأيه ومذهب ابن حزم من ان التقليد حرام غلط انتهى۔

اور عقد الجید فی احکام التقلید میں تحریر فرماتے ہیں:۔ اعلم ان الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ فیہ مصلحۃ عظیمۃ و فی الاعراض عنھا مفسدۃ عظیمۃ ونحن نبین لک بوجوہ احدھا ان الامۃ اجمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا علی الصحابۃ وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا اعتمد العلماء فی کل طبقۃ من قبلھم والقبول یدل علی حسن ذلک واذا تعین الاعتماد علی اقاویل السلف فلابد ان تکون اقاویلھم التی یعتمد علیھا مرویۃ باسناد صحیح اومدونۃ فی کتب مشھورۃ ولیس مذھب من المذاھب لھذہ الصفۃ الا ھذہ المذاھب الاربعۃ اللھم الامامیۃ والزیدیۃ وھم اھل البدعۃ لایجوز الاعتماد علی اقاویلھم وثانیھما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم انتہیٰ۔

اور انصاف فی بیان سبب الاختلاف میں مذکور ہے:۔ اعلم ان الناس کانوا فی المائۃ الاولی والثانیۃ غیر مجتمعین علی التقلید لمذھب معین وبعد المأتین ظھر منھم التمذھب وقل من کان لایعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ وکان ھذا ھو الواجب فی ذلک الزمان فان قیل کیف یکون شیٔ واحد واجبا فی زمان و غیر واجب فی زمان مع ان الشرع واحد قلت الواجب الاصلی تقلید من یعرف الاحکام الفرعیۃ عن ادلتھا التفصیلیۃ اجمع علی ذلک اھل الحق فاذا کان للواجب طرق متعددۃ وجب تحصیل طریق من الطرق من غیر تعیین واذا کان طریق واحد تعین ذالک الطریق بخصوصہ کما کان السلف لایکتبون الحدیث ثم صار فی یومنا ھذا الکتابۃ للحدیث واجبۃ لان روایۃ الحدیث لاسبیل لھا الامعرفۃ ھذہ الکتب وکان السلف لایشتغلون بالنحو والصرف واللغۃ لان لسانھم کانت عربیۃ ثم صار فی یومنا ھذا معرفتھا واجبۃ فاذا کان انسان جاھل فی بلاد الھند وماوراء النھر ولیس ھناک شافعی ولا مالکی ولاحنبلی ولا کتب ھذہ المذاھب وجب علیہ ان یقلد بمذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لخلاف ما اذا کان فی الحرمین لانہ تیسیر ھناک معرفۃ جمیع المذاھب انتہیٰ۔

مقصدِ کلام اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جاہل آدمی جو کسی امام کی تقلید نہ کرے صرف عالم متدین کے قول پر عمل کرے اگر وہ غیر متعصب ہو اور کسی مذہب اور صاحبِ مذہب کی توہین نہ کرے اور وہ عالم جس کو مقتدا بنا رکھا ہے، مسائل شرعیہ کی تحقیق میں مہارت تامہ رکھتا ہو اور تعصب کے اثرات سے دور، نیز ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے بارہ میں بھی طعن وتشنیع نہ کرے تو ایسی صورت میں اس کو اجازت ہوگی۔ لیکن اس موجودہ زمانہ میں نہ تو کوئی ایسا متدین عالم نظر پڑتا ہے اور نہ ہی کوئی جاہل جو اس قدر متدین ہو الاماشاء اللہ۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

وجوب تقلید شخصی کے منکر کے پیچھے نماز پڑھنا۔

سوال (۱۳۰) سوال اول:۔ اگر کوئی حنفی تقلید شخصی کو واجب نہیں کہتا صرف جواز کا قائل ہے اور نماز کے تمام ارکان حنفیوں کی طرح بجالاتا ہے اور آمین بالجہر پڑھنے والے کو بھی فعل مسنون کا عامل کہتا ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہوگی یا نہیں اور جو شخص ایسے آدمی کی اقتداء کو ناجائز کہے اس کا قول کہاں تک صحیح ہے؟

سوال دوم:۔ بآوازِ بلند آمین پڑھنے والے کو مسجد سے نکلوا دینا کیسا ہے؟

جواب:۔ جواب سوالِ اول: تقلید شخصی کے جواز کا عقیدہ رکھنا محققینِ حنفیہ کے موافق ہے۔ جیسا کہ بحر العلوم مولانا عبدالعلی حنفی شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:۔ لایجب الاستمرار ویصح الانتقال وھذا ھو الحق الذی ینبغی ان یؤمن ویعتقد بہ۔

اور علامہ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں:۔ لو التزم مذھبا کابی حنیفۃ والشافعی فقیل یلزمہ وقیل لا وھو الاصح۔

اور علامہ شرنبلالی عقد الفرید میں فرماتے ہیں:۔ لیس علی الالتزام مذھب معین اور یہی مسلک مختار ہے۔ علامہ محمد عبدالعظیم حنفی مفتی مکہ۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب امیر حاج۔ سید بادشاہ۔ قاضی ابو عاصم اور ان کے ما سوا بہت سے مشائخ حنفیہ کا پس جب کہ اس شخص کا عقیدہ حنفیہ کے مشائخ متقدمین و متاخرین کے عقیدہ کے مطابق ہے اور نماز کے تمام ارکان و شروط میں بھی وہ مذہب حنفی کی پوری پوری رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بغیر کسی اختلاف کے جائز ہے۔

ملا علی قاری کے رسالہ الاھتداء فی الاقتداء میں ہے ذھب عامۃ مشائخنا الی الجواز اذا کان یحتاط فی موضع الخلاف والا فلا والمعنی انہ یجوز فی المراعی بلا کراھۃ وفی غیرہ معھا ثم المواضع المتھمۃ للمراعاۃ ان یتوضأ من الفصد والحجامۃ والقیٔ والرعاف ونحو ذلک لا فیما سنۃ عندہ مکروہ عندنا کرفع الیدین فی الانتقالات وجھر البسملۃ وخفائہا فھذا وامثالہ لایمکن الخروج عن عھدتہ الخلاف وکلھم یتبع مذھبہ ولا یمنع مشربہ انتھی

اور خیر رملی کی اشباہ کے حاشیہ میں ہے الذی یمیل الیہ خاطری القبول بعدم الکراھۃ۔ اذا لم یتحقق منہ مفسد کذا فی الشامی (باب الامامۃ ص۔۔ مطبوعہ مصر)

اور قول سدید میں ہے یجوز صلوۃ المسلمین بعضھم خلف بعض کما کان الصحابۃ والتابعون ومن بعدھم من الائمۃ الاربعۃ یصلی بعضھم خلف بعض مع تنازعھم فی ھذہ المسائل المذکورۃ وغیرھا ولم یقل احد من السلف انہ لایصلی بعضھم خلف بعض ومن انکر ذلک فھو مبتدع ضال مخالف للکتاب والسنۃ واجماع سلف الامۃ وائمتھا وقد کان فی الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من یقرء البسملۃ ومنھم من لا یقرأھا ومنھم من یجھر بھا ومنھم من لا یجھر بھا۔

آگے فرماتے ہیں و مع ھذا فکان بعضھم یصلی خلف بعض مثل ما کان ابو حنیفۃ واصحاب الشافعی وغیرھم یصلون خلف ائمۃ المدینۃ من المالکیۃ وغیرھم وان کان لا یقرأون البسملۃ لا سرًّا ولا جہرا وھکذا فی حجۃ اللہ البالغۃ اور ایسے شخص کی اقتدا کے عدم جواز کا قول عند محض ضلالت اور گمراہی ہے۔

امام ابو حنیفہ کی فقہ اکبر میں ہے الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر من المؤمنین جائزۃ۔

اس کے تحت ملا علی قاری لکھتے ہیں فمن ترک الجمعۃ والجماعۃ خلف الامام الفاجر فھو مبتدع عند اکثر العلماء الصحیح انہ یصلیھا ولا یعیدھا۔

اور پھر منتقی سے نقل کیا سئل ابو حنیفۃ عن مذھب اھل السنۃ والجماعۃ فقال کذا وکذا وان تصلی خلف کل بر و فاجر۔

شرح عقائد میں ہے یجوز الصلوٰۃ خلف کل بر و فاجر لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا الخ ولان علماء الامۃ کانوا یصلون خلف الفسقۃ واھل الاھواء والبدع من غیر نکیر۔

اور اسی کے حاشیہ میں ہے خلافا للشیعۃ فانہم قد اشترطوا العصمۃ فی الامامۃ الصغری کما فی الکبری و الخوارج ایضاً فان الفاجر عندھم کافر۔ پس معلوم ہوا کہ امام اعظم اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا یہی عقیدہ کہ نماز ہر مومن کے پیچھے جائز ہے اور جو شخص محض امام کے فاجر ہونے کی وجہ سے جماعت اور جمعہ کو ترک کر دے وہ گمراہ اور مبتدع ہے اور یہ عقیدہ شیعہ اور خارجیوں کا ہے اور یہ اختلاف شیعہ اور خارجی کا امام کے بد ہونے کی صورت میں ہے لیکن جب وہ نیک ہو تو پھر کسی اہلِ قبلہ کا خلاف نہیں۔ پس جو شخص مسئول عنہ کے پیچھے نماز کے جائز نہ ہونے کا قائل ہو وہ گمراہ ہے اور اس کا عقیدہ فاسد ہے۔

جواب سوالِ دوم: کسی مومن کو مسجد سے روکنا خصوصاً کسی ایسے فعل کی وجہ سے جو شرع اور جائز ہو بڑا گناہ ہے۔ ارشادِ باری ہے:

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعیٰ فی خرابھا اولٓئک ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں جانے سے کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں۔ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

المجیب ابو محی الدین محمد ابراہیم

واقعی ایسے شخص کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔ اور جو شخص مذکور کی اقتداء کو ناجائز کہے وہ غلط کار ہے اور آمین زور سے کہنے والے کو صرف اس عمل کی وجہ سے مسجد سے نکال دینا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ ابو الاحیاء محمد نعیم۔

یہ جواب صحیح ہے فی الواقع جو حنفی تقلید شخصی کو واجب نہ جانتا ہو اور ارکان وغیرہ موافق حنفیہ کے ادا کرتا ہو، اور آمین بالجہر کو بھی مسنون سمجھتا ہو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اور اس شخص کی امامت کو ناجائز کہنا ضلالت و گمراہی ہے۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

بوقتِ مجبوری مذہب شافعی کی تقلید کرنا۔

سوال (۱۳۱) عمرو زید کو دھوکہ سے اپنے مکان میں لے گیا اور چند آدمیوں کو بلا کر ڈرا دھمکا کے بیوی کو تین طلاقیں دینے پر مجبور کیا۔ اور کہا کہ اگر طلاق نہ دی تو مار ڈالیں گے۔ مجبوراً اس نے تین طلاق دیدیں

اس کے بعد رہا کر دیا۔ چونکہ زید کو اپنی بیوی سے نہایت الفت ہے اور مفارقت ناقابلِ برداشت، تو بدرجۂ مجبوری مذہب شافعی کی تقلید کرتے ہوئے نکاح جائز ہو گا یا نہیں۔

جواب:۔ ضرورتِ شدیدہ کے وقت مذہب شافعی کی تقلید کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔

سوالات متفرقہ بسلسلۂ تقلید وغیرہ در مقدمہ آرہ

سوال (۱۳۲) سوال اول:۔ مسلمان ہونے کے لئے مذہبا حنفی یا شافعی ہونا خدا اور رسول نے شرط قرار دیا ہے یا نہیں۔ اور کیا پیغمبر صحابہ اور اماموں کے وقت میں بھی لوگ حنفی یا شافعی کہلاتے تھے۔ اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کو کہا یا نہیں۔ اور پیغمبر کے بعد ایک صدی تک تمام مسلمان کسی شخص معین اور امام معین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ تو کیا اس دور کے غیر مقلد صحابہ و تابعین اچھے اور سچے مسلمان تھے یا ان کے بعد کے مقلدین حنفی یا شافعی کہلانے والے حدیث و قرآن کے عاملین پر ناراض ہونے والے اچھے ہیں اور پیغمبر نے صحابہ اور تابعین کے زمانہ کو اچھا کہا ہے یا نہیں اور مابعد کے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب سوال اول: حنفی وغیرہ ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا۔ اور پیغمبر اصحاب اور امام کے وقت میں مسلمان حنفی شافعی وغیرہ الفاظ کے ساتھ موسوم نہ تھے۔ اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے۔ بشرطیکہ وہ قول قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو۔ اصحاب و تابعین کے دور کے مسلمان ظاہر ہے کہ اعلیٰ و افضل تھے۔ ان لوگوں سے جو متدین علماء اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے والوں سے ناراض ہیں۔ اور پیغمبر صاحب نے صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے دور کو اچھا کہا ہے۔ اور مابعد کے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ کے پھیلنے کی خبر دی ہے۔　　ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔

سوال دوم:۔ اگر کسی خاص امام کے مقلد بادشاہ نے یا کسی دوسرے شخص نے مسجد بنوائی تو کیا وہ مسجد اس کی ملکیت میں رہے گی۔ اور دوسرے امام کا مقلد اپنے مشروعہ طریقہ پر اس مسجد میں بیک وقت اور بیک جماعت نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب سوال دوم:۔ مسجد بنانے والے کی ملکیت میں باقی نہیں رہتی۔ اور اس میں تمام مسلمان اپنے مشروعہ طریقہ پر ہر وقت نماز ادا کر سکتے ہیں اور ایک ہی وقت میں ایک جماعت کے ساتھ بھی۔ مگر ایک وقت میں دو جماعت کرنا جائز نہ ہو گا۔

سوال سوم:۔ جو شخص قرآن وحدیث کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نماز ادا کرے اور تمام مسائل میں صرف ایک امام خاص کا مقلد نہ ہو۔ بلکہ ایک مسئلہ میں تمام ائمہ کو حق سمجھ کر جس کے نظریہ کو حدیث کے موافق سمجھے اسی پر عمل کرے تو ایسا شخص اہل سنت والجماعت میں سے ہو گا یا نہیں۔

جواب سوال سوم:۔ یہ شخص مسئول عنہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے۔ بشرطیکہ حدیث و قرآن سمجھنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہو اور تخریب دین پیش نظر نہ ہو۔

سوال چہارم:۔ نماز میں آمین بالجہر کہنا پیغمبر کا قول و فعل ہے یا نہیں اور یہ اسلام کی بات ہے یا کفر کی اور حنفیہ کی کتابوں اور صحیح احادیث سے ثابت ہے یا نہیں اور مسلمانوں کا قدیم فعل ہے یا نہیں؟

جواب سوال چہارم:۔ آمین بالجہر کہنا پیغمبر کا فعل ہے اور یہ اسلام کی بات ہے اور صحیح حدیث سے ثابت بھی ہے اور حنفیہ بھی اسی مضمون کو لکھتے ہیں مگر اختلاف ہے اور بہت سے مسلمانوں کا قدیم فعل ہے۔

سوال پنجم:۔ حنفیوں کی کسی کتاب میں آمین بالجہر کہنے والے یا اس کی اقتدا کرنے والوں کی نماز کا باطل ہونا یا کسی قسم کے نقصان کا واقع ہونا مکتوب ہے یا نہیں۔ اور اس کے بارہ میں کسی حنفی امام کا بھی قول ہے یا نہیں؟

جواب سوال پنجم:۔ آمین بالجہر کہنے سے خود کہنے والے اور اقتدا کرنے والوں کی نماز میں کسی قسم کے نقصان کے آنے کو حنفی کی کسی معتبر کتاب میں نہیں لکھا اور نہ کسی امام کا قول ہے۔

سوال ششم:۔ آمین بالجہر سے ناراض ہونا مسلمانوں کا فعل ہے یا یہودیوں کا۔ حدیث سے کیا ثابت ہے؟ اور جو شخص کہ کسی امام یا عالم کے کہنے کی وجہ سے قرآن وحدیث پر عمل نہ کرے اور پیغمبر صاحب کے حکم کو معیوب سمجھ کر نہ تو خود عمل کرے اور عمل کرنے والے کو برا جانے تو قرآن وحدیث کی رو سے ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب سوال ششم:۔ آمین بالجہر کا فعل نبوی ہونا احادیث سے ثابت ہے باوجود معلوم ہونے کے پھر اس سے ناراض ہونا مسلمان کا کام نہیں۔ اسی طرح کسی امام یا عالم کا جو قول قرآن وحدیث کے مخالف ہو قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا یہ بھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ اور جو شخص پیغمبر کے کسی حکم کو، پیغمبر کا حکم جانتے ہوئے برا سمجھے تو وہ مسلمان نہیں۔ اور اس پر عمل کرنے والوں کو برا جاننا درست نہیں۔

سوال ہفتم:۔ مذہبی امور واحکام میں قدیم رسم ورواج کو دخل ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو زور سے آمین کہنے والا مسلمان آہستہ کہنے والے حنفیوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب سوال ہفتم:۔ مذہبی احکام میں رسم ورواج کو قطعاً دخل نہیں ہے اور زور سے آمین کہنے والے کو اگر اتباع شریعت مقصود ہو فساد منظور نہیں تو حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔

سوال ہشتم:۔ اگر کوئی شخص کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے یا کسی اور یاد الٰہی سے روکے اور منع کرے تو اللہ تعالیٰ نے روکنے والے کو قرآن میں بڑا ظالم کہا اور اس کے واسطے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سخت کا حکم کیا ہے یا نہیں؟

جواب سوال ہشتم:۔ جو شخص کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے یا یاد الٰہی سے بغیر وجہ شرعی کے روکے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ظالم کہا ہے اور عذاب سخت کی وعید کی ہے۔

سوال نہم:۔ کسی حاکم کا یہ حکم لگا دینا کہ مسلمان مسجد کے اندر نماز میں آمین زور سے نہ کہیں۔ امور مذہبی میں دخل اندازی ہے یا نہیں اور آمین بالجہر کہنے والوں کو اس حکم امتناعی سے نقصان ہے یا نہیں اور مسجد میں ہر مسلمان کو اپنے طور سے نماز پڑھنے کا اذن عام ہے یا نہیں؟

جواب سوال نہم:۔ آمین بالجہر سے منع کرنا امور مذہبی میں دست اندازی ہے اور آمین بالجہر کہنے والوں کو نقصان دیتا ہے اور مسجد میں ہر مسلمان کے لئے مشروع طریقہ پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔　　ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

سوالات جرح بمقدمہ آرہ

سوال (۱۲۰۲) سوال اول:۔ آپ مقلد ہیں یا غیر مقلد۔ اور تقیہ کرنا جائز سمجھتے ہیں یا نہیں؟

جواب سوال اول:۔ ہم مقلد ہیں اور تقیہ کرنا جائز نہیں سمجھتے۔

سوال دوم:۔ اگر کوئی شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔ مگر اس کے افعال وحرکات طریقہ مسلمانوں کے خلاف ہیں اور اس میں امت محمدیہ میں تفرقہ اندازی کے اثرات پائے جاتے ہوں۔ اور عام مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہو تو کیا ایسے شخص کے مکروفریب سے بچنے کے لیے اس کو اپنی جماعت سے نکال دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب سوال دوم:۔ جس شخص کے افعال تمام مسلمانوں کے خلاف ہوں اس کو جماعت سے باہر کردینا چاہیے۔ اور جس کے افعال بعض مسلمانوں کے خلاف اور بعض کے موافق ہوں اور فعل موافق شریعت ہو اس کو جماعت سے باہر کرنا درست نہیں اور جو شخص دوسروں کو گمراہ کرنے والا معلوم ہوتا ہو اس کو مشروع طریقہ سے سمجھانا چاہیے کہ وہ اس حرکت سے باز رہے اور جماعت میں تفرقہ ڈالنا جائز نہیں۔

سوال سوم:۔ مساجد کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنا تمام مسلمانوں پر ضروری ہے یا نہیں۔ اگر کوئی مفسد لوگوں کی نماز کو خراب کرنے اور ان کی توجہ کو ہٹانے کے لیے نماز میں عام مسلمانوں کے خلاف طریقہ اختیار کرے تو کیا اس کو منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب سوال سوم:۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ مساجد کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھیں۔ اور جس کا فعل عام نمازیوں کے طریقہ کے مخالف ہو۔ مگر موافق شرع ہے تو اس کی وجہ سے متنفض اور آزردہ نہ ہوں۔ اور کسی شخص سے فساد کی ابتداء نہ کریں، اور جو مفسد بدنیتی سے فساد پر آمادہ ہو تو اس کے فساد کو حاکم وقت کی مدد سے دفع کریں۔

سوال چہارم:۔ مجتہدین نے مسائل کو قرآن وحدیث سے نکالا ہے یا اپنے دل سے لکھ لیا؟

جواب سوال چہارم: تمام مجتہدین نے مسائل قرآن وحدیث سے نکالے ہیں صرف اپنی رائے سے حکم نہیں دیے۔

سوال پنجم:۔ آمین بالجہر کہنا حنفیوں کے طریقہ کے خلاف ہے یا نہیں؟

جواب سوال پنجم:۔ حنفیہ نماز میں آہستہ سے آمین کہنے کو سنت کہتے ہیں اور آمین بالجہر کو بھی جائز کہتے ہیں۔

سوال ششم:۔ اگر کوئی نمازی آمین بالجہر نہ کہے صرف آہستہ کہے تو گنہگار ہوگا یا نہیں۔ اور آمین بالجہر کہنے کا ثواب زیادہ ہے یا فتنہ وفساد اور خونریزی سے بچنے کا۔

جواب سوال ششم:۔ آمین آہستہ کہنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ اور آمین بالجہر کہنے سے فتنہ وفساد اور خونریزی سے بچنے کا ثواب زیادہ ہے۔ کیونکہ آہستہ یا بلند آواز سے آمین کہنے کا سنت ہونا صحابہ اور مجتہدین میں مختلف فیہ ہے اور فتنہ وفساد کی حرمت اتفاقی۔

سوال ہفتم:۔ مسلمانوں کی دینداری کے اعتبار سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اسلام کا دیس ہے یا نہیں اور مکہ معظمہ ومدینہ منورہ میں تقلید جاری ہے یا نہیں۔

جواب سوال ہفتم:۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اسلام کے دیس ہیں اور وہاں تقلید جاری ہے۔ واللہ اعلم
ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

حنفیت اور کتمانِ حق

سوال (۱۳۴) ایک شخص کا عمل ہر ایک مسئلہ میں مذہب حنفیہ کے موافق ہے اگر وہ تحقیق مسائل میں یہ عبارت لکھے کہ مسائلِ جزئیہ کے اندر صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں اختلاف ہوتا رہا اور باوجود اس اختلاف کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے اور کسی کے عمل پر نکیر نہ فرماتے۔ اور کوئی شخص یہ التزام کرے کہ ایک ہی شخص کے قول و فعل کو صحیح مانے۔ اگرچہ حق بات اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو یہ بات اب تک ثابت نہ ہوئی۔ اور کسی اہلِ علم کا قول نہیں۔ تو کیا ایسا شخص اس عبارت کے لکھنے سے حنفیت سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ یہ شخص اس عبارت کے لکھنے کی وجہ سے حنفیت سے خارج نہ ہوگا۔ کیونکہ حنفیت کتمانِ حق کا نام نہیں کہ اس بات کا قائل حنفی ہی نہ رہے۔ بہت سے حنفیہ اپنی معتبر کتابوں میں یہی مضمون لکھ گئے ہیں۔ مفتی عظیم مفتی الحنفیہ بمکۂ معظمہ المتوفی ۱۰۵۰ھ کہ امام ہیں اپنے رسالہ القول فی مسائل التقلید میں لکھتے ہیں:۔

قد کان الصحابۃ یقتدی بعضہم ببعض وکذا التابعون وفیہم المجتہدون ولم ینقل احد من السلف انہ کان لایجزی الاقتداء بمن یخالف قولہ فی بعض المسائل ولو فی خصوص الطہارۃ بل کان یقتدی بعضہم ببعض انتہی

اور یہ بھی لکھتے ہیں:۔ لا علینا ان لا ناخذ بما ظہرلنا صواب خلافہ اذا نعم اللہ علینا بحصول ضرب من النظر یمکن الوقوف بہ علی الصواب ہذا ونحن مع ذلک لانخرج عن درجۃ التقلید لامامنا الاعظم ابی حنیفۃ المقدم انتہی۔ واللہ اعلم۔
ابوالحسنات محمد عبدالحی

اجماع اور مجتہدین کا اختلاف

سوال (۱۳۵) اگر کوئی مجتہد کسی مسئلہ میں خلاف کرے اور کہے کہ اس پر اجماع نہیں ہوا۔ کیونکہ اجماع نام ہے ایک زمانہ کے تمام مجتہدین کا کسی مسئلہ میں اتفاق کرنے کا۔ اور میں بھی مجتہد ہوں اس زمانہ کا اور اس مسئلہ میں میری رائے دوسرے مجتہدین کے خلاف ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ مسئلہ جس پر اکثر مجتہدین کا اتفاق ہے دوسرے مخالف مجتہد کے حق میں اجماعی ہوگا یا نہیں۔

جواب:۔ اس مجتہد کے حق میں جو اپنے اجتہاد کی وجہ سے مخالفت کر رہا ہے یہ مسئلہ اجماعی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم
ابوالحسنات محمد عبدالحی

مذہب خاص کی حقانیت

سوال (۱۳۶) زید اس بات کا قائل ہے کہ جتنے فرقے متمسک بالقرآن ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی فرقہ کسی مختلف فیہ غیر قطعی مسئلہ میں یہ دعویٰ کرے کہ ہمارا مذہب یقینی طور سے حق ہے اور علمِ باری میں بھی ہمارا ہی مذہب حق ہے تو

اس کا دعویٰ صحیح نہیں کسی مذہب خاص کا یقینی ہونا تو کجا اگر ظنی ہونے کا بھی دعویٰ کرے تو بھی صحیح نہیں۔ اور کسی مختلف فیہ مسئلہ میں کسی فرقہ کا حق ہونا ہم کو معلوم کیونکر ہو سکتا ہے۔ صحیح علم تو باری تعالیٰ کو ہے کہ کونسا فرقہ حق پر ہے اور کون غیر حق پر کیونکہ حق تو دائر ہے تمام مذاہب کے درمیان۔ پس زید کا یہ قول صادق ہے یا کاذب اور امور قطعیہ کون کون ہیں؟

جواب: زید اپنے قول مذکور میں صادق ہے۔ لیکن امور مختلف فیہا غیر قطعیہ کا ظنی ہونا دراصل دلائل پر موقوف ہے اگر دلائل ظنی ہیں تو یہ بھی ظنی ہوں گے ورنہ نہیں۔ اور امور قطعیہ وہ امور ہیں جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہوں جیسے وہ آیاتِ قرآنی جن میں کسی قسم کی کوئی تاویل نہ کی گئی ہو اور وہ احادیث جو لفظاً و معناً متواترہ ہوں۔ اور اسی طرح امت محمدیہ کا اجماع۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

غوثِ اعظمؒ کا مذہب

سوال (۱۴۷) غوثِ اعظم مذہباً حنفی تھے یا حنبلی اور مذہب حنبلی اختیار کرنے سے پہلے کون سا مذہب تھا اور کیا ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے سے لازم آتا ہے کہ ان میں سے پہلے کو بھی جانتے تھے اور دوسرے کو بھی یا لازم نہیں آتا۔ اس مسئلہ کی تحقیق بلا تعصب کے تحریر فرمائیں۔

جواب: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظمؒ پہلے شافعی تھے اور بعد میں حنبلی مذہب اختیار کیا اور ایسے شخص کے لیئے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنا جائز ہے۔ اور کسی مذہب کو اختیار کرنے سے دوسرے مذہب کو جاننا لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

غیر مقلد کو مسجد سے نکالنا

سوال (۱۴۸) کچھ لوگ مذہب سے انکار کرتے ہیں اور تقلید سے منکر ہیں۔ اور اپنے مکانوں میں اور جابجا لامذہبی کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر ہم لوگوں کی مسجد میں خوف کی وجہ سے رفع یدین نہیں کرتے اور نہ آمین بالجہر کرتے ہیں۔ مگر ہاتھ سینہ پر باندھتے ہیں تو کیا ایسے لوگوں کو مسجد سے نکالنا جائز ہے یا نہیں اور ان کی اقتدار درست ہے یا نہیں بالتفصیل بیان فرمائیں؟

جواب: جو لوگ کسی امام کے نہ تو مقلد ہیں اور نہ خود رتبۂ اجتہاد رکھتے ہیں اور عمل بالحدیث کا بہانہ لے کر خواہشاتِ غیر شرعیہ کے متبع ہیں۔ لیکن مقلدین کے خوف یا کسی دوسری وجہ سے اہلِ سنت کی مساجد میں رفع یدین وغیرہ نہیں کرتے ایسے لوگوں کو دخولِ مسجد اور شرکتِ صلوٰۃ سے منع نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ لوگ اس اعتقاد یا اس فعل کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے البتہ تارک واجب ہیں اور جب وہ خود اس کو مخفی رکھتے ہیں تو ان کے مسجد میں آنے سے اس فعل کی اشاعت بھی نہ ہوگی تو مخالفت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اور سینہ پر ہاتھ باندھنا بھی ایسا امر قبیح نہیں کہ جس کی وجہ سے مسجد سے ہی روک دیا جائے ہاں البتہ ایسے لوگوں کی اقتدار حنفیہ کے یہاں مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے وکذا تکرہ خلف امرد وسفیہ ومخالف کشافعی لکن فی وتر البحران تیقن المراعات لم یکرہ او عدمها لم یصح وان شك كره انتہیٰ۔ محمد ارشاد حسین ۔ المصدق عنایت اللہ

جواب صحیح ہے بے شک جب تک یہ لوگ فساد لامذہبیت اور تفرق جماعت وغیرہ کا نہ پھیلائیں تومساجد سے ممانعت کی جائے گی۔ محمد عبدالقادر خاں

الجواب صحیح:۔ فی الواقع ایسے لوگوں کومساجد سے روکنا درست نہیں اور ان کے پیچھے اقتدا، درست ہے بعض حنفیہ کے نزدیک مطلقاً بعض کے نزدیک اس شرط کے ساتھ کہ امام مقتدی کے مذہب کی رعایت کرے اور نماز میں کسی مبطل ومفسد صلوٰۃ کا ارتکاب نہ کرے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

اجتہاد اور تقلید کا درجہ

سوال (۱۳۹) اجتہاد وتقلید کوئی اچھی چیز ہے یا بُری؟

جواب:۔ وہ اجتہاد کہ جو اپنی طاقت وکوشش کو احکام شرعیہ کے استنباط کرنے میں صرف کردینے کا نام ہے اس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا، بخاری کی روایت ہے:۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من اجتھد واصاب فلہ اجران ومن اجتھد واخطأ فلہ اجر واحد انتہیٰ

یعنی جس شخص نے صحیح اجتہاد کیا اس کے لیۓ دو اجر ہیں اور جس شخص نے اجتہاد میں غلطی کی اس کو ایک اجر ملے گا۔

اور اجلۂ صحابہ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ جیسے حضرات بھی اجتہاد کرتے تھے اور تقلید نام ہے کسی دوسرے شخص کے افعال کی پیروی کرنا بغیر کسی دلیل اور نظر وتامل کے ان کو حق سمجھتے ہوئے۔ اور یہ ایسی چیز ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے اس کا حکم کیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

یعنی حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں

اور تفسیر احمدی میں ہے:۔ والحق ان المراد کل اولی الحکم اماما کان او امیرا سلطانا کان او حاکما عالما کان او مجتہدا قاضیا کان او مفتیا علی حسب مراتب التابع والمتبوع لان النص مطلق فلا یتقید من غیر دلیل الخصوص انتہی۔

ترمذی اور احمد نے روایت کیا:۔

انہ علیہ السلام قال اطیعوا امرکم وقال اللہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

یعنی ارشاد ہے حکم مانو اپنے حاکموں کا اور ارشاد ہے باری تعالیٰ کا سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے، گر تم کو معلوم نہیں۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی امام کی تقلید

سوال (۱۴۰) صاحب مذاہب ائمہ اربعہ تابعی تھے یا تبع تابعی تھے ان مذاہب اربعہ کے سوا کسی پانچویں مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ امام مالک، شافعی، احمد تینوں تبع تابعی تھے اور امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ابوحنیفہؒ تابعی تھے تجنیس اور مزید دونوں کتابوں میں ہے صح ان ابا حنیفۃ کان من التابعین روی عن عدۃ من الصحابۃ انتہیٰ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام اعظمؒ کے زمانہ میں چند صحابہ حیات تو تھے مگر امام صاحبؒ کو ملاقات او

زیارت کا موقع نہ ملا۔ اس لیے تبع تابعی ہوئے۔ بہر حال ائمہ اربعہ نے انتہائی جدوجہد اور مشقت سے مسائل کا استخراج واستنباط قرآن وحدیث اور اجماع سے کیا۔ اور جس مسئلہ کے بارہ میں نص صریح نہ ملی تو شرائط کا لحاظ کر کے اجتہاد کیا اور کسی امام نے ایسا نہیں کیا کہ حدیث صریح کو چھوڑ کر اپنی رائے کے مطابق عمل کیا ہو۔ اب اس زمانہ میں ہم لوگوں کو مجتہد کی تقلید کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اور اس پر بھی اجماع ہو گیا کہ مذاہب اربعہ کے سوا کسی پانچویں مذہب کا اتباع نہ کرنا چاہیے۔

اور الاشباہ میں ہے:۔ وما خالف الائمۃ الاربعۃ مخالف للاجماع وان کان فیہ خلاف لغیرھم فقد صرح فی التحریر ان الاجماع انعقد علی منع العمل بمذھب مخالف للاربعۃ لانضباط مذاھبھم وانتشارھا وکثرۃ اتباعھم انتھی

ائمہ اربعہ پر افتراء

سوال (۱۳۱) مشہور ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک شطرنج کھیلنا بلکہ اس پر مداومت کرنا بھی حلال ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھنگ کا استعمال جائز ہے اور اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہؒ کے یہاں جوش دی ہوئی شراب جائز ہے۔ اور امام مالکؒ کے یہاں لواطت جائز ہے۔ اس کا کیا جواب ہے معترضین یہ اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ؂

بنگ و مے میخور و کوں می کن و می باز قمار   کہ مسلمانی بریں چار امام است تمام

جواب:۔ یہ اعتراضات اور اقوال بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں اور ائمہ اربعہ پر بہتان ہے۔ ان مسائل ربعہ کے بارہ میں تفصیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگرچہ شطرنج فی نفسہ حرام نہیں لیکن کراہت سے بھی خالی نہیں ہے اور اس پر مداومت کرنا گناہ صغیرہ ہے۔ بشرطیکہ اس میں مال وغیرہ نہ ہو اور اس میں مال اور قمار بھی ہو تو حرام ہے۔ مطلقاً اس کے جواز کی نسبت کر دینا بالخصوص جبکہ اس میں مال بھی ہو تو یہ امام شافعیؒ پر بہتان ہے۔

علامہ کمال الدین ادمی دمیری شافعی کتاب حیوٰۃ الحیوان میں بجھو کی بحث میں لکھتے ہیں:۔ لعب الشطرنج مکروہ کراھۃ تنزیھیۃ وقیل حرام وقیل مباح والاول اصح واما اذا انضم الیہ اشتغال عن صلوٰۃ او غیرھا فالتحریم اذ ذاک لیس الشطرنج نفسہ وھو مکروہ اذا لم یواظب علیہ فان واظب علیہ فانہ یصلو صغیرۃ کما ذکرہ الغزالی فی کتاب التوبۃ من الاحیاء انتھی۔

اور ابن حجر مکی ہیتمی شافعی زواجر عن اقتراف الکبائر میں فرماتے ہیں فی فتاوی النووی الشطرنج حرام عند اکثر العلماء وکذا عندنا ان فوت بہ صلوٰۃ او لعب بہ علی عوض فان انتفی ذلک کرہ عند الشافعی وحرم عند غیرہ انتھی

اور اسی طرح امام احمدؒ کی طرف بھنگ کی حلت کی نسبت کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ بھنگ جس کو عربی میں حشیش اور ورق القنب کہتے ہیں۔ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں تھی ہی نہیں۔ مدت دراز کے بعد اس کا وجود ہوا اور مذاہب اربعہ کے تمام فقہاء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا۔ زواجر میں ہے وحکی القرافی وابن تیمیۃ الاجماع علی تحریم الحشیش قال ومن استحلھا فقد کفر وانما لم یتکلم فیھا الائمۃ الاربعۃ لانھا لم تکن فی زمنھم وانما ظھرت فی اخر المائۃ السادسۃ۔ واول المائۃ السابعۃ حین ظھرت دولۃ التتار انتھی۔

اور جوش دی ہوئی شراب کی حلت کے اگرچہ بعض اقوال ہیں مگر وہ مردود اور غیر مقبول ہیں اور اس کی نسبت امام صاحب کی طرف کرنا بہتان و اتہام ہے منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے الطبخ لا یوثر فیها لانه للمنع من ثبوت الحرمة لا لرفعها بعد ثبوتها الا انه لا یحد فیه مالم یسکر منه علی ما قالوا لان الحرفی اللتی خاصة لما ذکرنا فلا یتعدی الی المطبوخ ذکره فی تبیین الکنز من غیر ذکر خلاف وهذا هو الظاهر الذی یجب ان یعول علیه وبه یظهر لک ضعف مافی القنیة من قوله خمر طبخت وزالت مرارتها حلت انتهی

اور یہی در مختار میں ہے۔ نیز رد المحتار میں ہے لعل هذا الفرع متفرع علی ما قدمناه عن بعض المعتزلة من ان الحرام من الخمر هو المسکر ویدل علیه انه فی القنیة نقله عن القاضی عبدالجبار احد مشائخ المعتزلة انتهی

اور امام مالک کی طرف حلت لواطت کی نسبت کرنا بھی بہتان و اتہام ہے۔ رحمة الامة فی اختلاف الائمة میں ہے اتفق الائمة الاربعة علی تحریم اللواطة وانه من الفواحش العظام وهل یوجب الحد قال الثلاثة یوجب الحد وقال ابو حنیفة یعزر فی اول مرة فان تکرر منه قتل انتهی۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

کتابُ السُّلوک

نفس اور روح

سوال (۱۴۲) کہتے ہیں کہ نفس اور روح ایک ہی شے کے دو نام ہیں اور اہل تصوف اسی کو دل کہتے ہیں، اگر یہ حقیقت ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اکثر جگہ نفس کی برائی کی جاتی ہے۔ مثنوی معنوی کا بیت ہے ؎

دوزخ است ایں نفس دوزخ اژدہاست گو بدریا نگردد کم و کاست

اور روح کو عالم بالا کی طرف منسوب کرکے اس کے حسن اور عمدگی کی داستانیں لکھی گئی ہیں۔ ایک بیت ہے ؎

امر ہم روح کردہ نام کردہ پر ساقی وحدت جام

اسی طرح لوگ کہتے ہیں کہ فلاں انسان کا نفس زندہ ہے اور دل مردہ یا اس کا برعکس یعنی دل زندہ اور نفس مردہ ہے اور جب کہ نفس سے مراد روح ہے تو اس کے مرنے کے بعد سوائے جسم خاکی کے کیا باقی رہ جائے گا۔ پس جبکہ نفس افعال قبیحہ کے ساتھ اور روح خصائل حمیدہ کے ساتھ موصوف ہے تو پھر یہ دونوں شے واحد کیسے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک ذات میں حسن و قبح کا اجتماع محال ہے۔

جواب:۔ نفس و روح ایک چیز ہے اور اوصاف کا اختلاف ہمیشہ احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے اور صوفیا جو نفس کی مذمت کرتے ہیں تو اس نفس سے دوسرے معنی مراد ہوتے ہیں جس کی تفصیل احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ کتب تصوف و سلوک میں موجود ہے۔ بقدر ضرورت احیاء العلوم کی عبارت دیکھ لینی چاہیئے۔ نفس و روح اور قلب و عقل کے معانی کی بحث میں لکھتے ہیں:۔ اللفظ الاول لفظ القلب وهو یطلق بمعنیین احدهما اللحم الصنوبری الشکل

المودع في الجانب الأيسر من الصدر والمعنى الثاني هو لطيفة ربانية روحانية لها بهذا القلب الجسماني تعلق وتلك اللطيفة هي حقيقة الانسان وهو المدرك العالم العارف من الانسان وهو المخاطب والمعاقب والمعاتب والمطالب اللفظ الثاني الروح وهو ايضا يطلق لمعنيين احدهما جسم لطيف منبعه تجويف القلب الجسماني فينتشر بواسطة العروق الضوارب الى سائر اجزاء البدن والاطباء اذا اطلقوا لفظ الروح ارادوا به هذا المعنى الثاني هو اللطيفة العالمة المدركة من الانسان وهو الذي شرحناه في احد معاني القلب وهو الذي اراده الله بقوله قل الروح من امر ربي اللفظ الثالث النفس وهو ايضا مشترك بين معاني ويتعلق بغرضنا منه معنيان احدهما انه يراد به المعنى الجامع لقوة الغضب والشهوة في الانسان وهذا الاستعمال هو الغالب على اهل التصوف لانهم يريدون بالنفس الاصل الجامع للصفات المذمومة من الانسان فيقولون لابد من مجاهدة النفس او كسرها واليه الاشارة بقوله عليه السلام اعدى عدوك نفسك التي بين جنبيك المعنى الثاني هي اللطيفة التي ذكرناها التي هي بالحقيقة وهي نفس الانسان وذاته ولكنها توصف اوصاف مختلفة بحسب اختلاف احوالها فاذا سكنت تحت الامر وزايلها الاضطراب بسبب معارضة الشهوات سميت النفس المطمئنة والنفس بالمعنى الاول لا يتصور رجوعها الى الله فانها مبعدة عن الله وهي من حزب الشيطان واذا لم يتم سكونها ولكنها صارت مدافعة للنفس الشهوانية ومعترضة عليها سميت النفس اللوامة وان تركت الاعتراض واذعنت واطاعت لمقتضى الشهوات ودواعي الشيطان سميت النفس الامارة بالسوء انتهى ملخصاً

توحید وجودی کا قائل ہونا

سوال (۱۳۱) زید کہتا ہے کہ توحید وجودی کی حقیقت دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے تفصیل کے لیے تو دفتر چاہیے۔ اب تو ایک دلیل عقلی اور ایک نقلی لکھتا ہوں۔ دلیل عقلی کہ کوئی شئے اللہ کے ماسوا موجود نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ حکمت میں ثابت ہو چکا ہے کہ وجود عین ذات واجب ہے اور غیر وجود نہیں، مگر عدم تو غیر واجب نہیں مگر عدم اور عدم موجود نہیں ہو سکتا پس غیر واجب یعنی غیر اللہ موجود نہیں ہو سکتا۔

اور دلیل نقلی کلمہ توحید ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر الٰہ عین اللہ یعنی ہر موجود عین اللہ ہے اس لیے کہ ہر موجود مصداق الٰہ ہے اس واسطے کہ الٰہ کہتے ہیں معبود کو اور معبود وہ ہے جس کی عبادت کی جائے اور عبادت نام ہے تابعداری کا، اسی واسطے تابعدار کو عبد اور بندہ کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے عبد الدینار، عبد الدراہم اور پیٹ کا بندہ، روپیہ کا بندہ اور جس کی تابعداری کی جائے اس کو معبود اور الٰہ کہتے ہیں جیسا کہ خدا کے لیے لفظ اِلٰہ بولا جاتا ہے۔ بالجملہ لفظ الٰہ کا اطلاق ہر اس شئے پر آتا ہے جس کی تابعداری کی جائے اور موجودات میں سے کوئی بھی موجود ایسا نہیں جس کا کوئی تابع نہ ہو۔ پس غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر موجود الٰہ کا مصداق ہے اور لا الٰہ الا اللہ اس پر دال ہے کہ جو مصداق الٰہ کا ہے وہ عین اللہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ہر موجود عین اللہ ہے کیا زید کا توحید وجودی کو ثابت کرنا صحیح ہے اور اس کی بیان کردہ عقلی و نقلی دلیلیں صحیح ہیں یا غلط بینوا توجروا

جواب:- زید کا یہ کلام شروع سے آخر تک ایک مغالطہ اور سفسطہ ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو معقول ومنقول سے کوئی درک نہیں ہے ورنہ ایسی تقریر اس سے صادر نہ ہوتی۔ اس کی پوری تقریر غلط ہے جس کی چند وجوہ ہیں

(۱) زید کی بیان کردہ دلیل عقلی سے اگر تمام مقدمات کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کے ماسوا کوئی شئے موجود نہیں بلکہ معدوم محض ہے۔ کبھی وجود کا حصہ اس کو نہیں مل سکتا اور دلیل نقلی کے مقدمات کو مان لینے کی صورت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز عین اللہ ہے اور یہ معلوم ہے کہ اللہ موجود ہے۔ لہٰذا ہر شئے بھی موجود ہوگی۔ کیونکہ جب وہ عین اللہ ہے تو وجود میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوگی۔ ان دونوں دلیلوں سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک دلیل سے اللہ کے ماسوا ہر شئے کا وجود اور دوسری دلیل سے ہر شئے کا عدم محض لازم آتا ہے لہٰذا دونوں دلیلیں ساقط اور نا قابل اعتبار ہیں (۲) دلیل عقلی کے اس مقدمہ (وجود عین ذات واجب ہے) سے کیا مراد ہے اگر اس لفظ وجود سے معنی مصدری (ہونا) مراد لیتے ہیں تو یہ سراسر غلط ہے۔ کتب منطق وحکمت وغیرہ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک وجود کا عین ذات واجب ہونا، ما بہ الموجودیۃ کے اعتبار سے ہے معنی مصدری کے لحاظ سے نہیں اور جس نے معنی مصدری کے لحاظ سے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ واجب میں وجود مصدری کا منشا انتزاع نفس ذات واجب ہے۔ کسی وصف اور حیثیت کو اس میں دخل نہیں بخلاف ممکنات کے کہ ذات ممکنات میں وجود مصدری کا مصداق استناد الی الجاعل وغیرہ کی حیثیت سے ہوا کرتا ہے لیکن وجود مصدری کو عین ذات واجب کہنا کسی عقلمند انسان کا تو کام ہے نہیں۔ کیونکہ معمولی عقل والا بھی جانتا ہے اس بات کو کہ وجود مصدری قبیل انتزاعیات سے ہے اور ذات واجب موجودات خارجیہ میں سے ہے۔ اب اگر ان دونوں کو بالکلیہ متحد مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ معنی مصدری موجود خارجی ہو جائے اور یا موجود خارجی عین معنی مصدری ہو جائے اور یہ چیز بالکل باطل ہے۔

ہاں البتہ اگر وجود ما بہ الموجودیۃ کے معنی میں ہو تو اس اعتبار سے وجود کا عین ذات واجب ہونا صحیح ہوگا یا کہا جائے کہ وجود مصدری منشا انتزاع ذات واجب ہے تو بھی صحیح ہے مگر مطلب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے زائد سے زائد یہ بات ثابت ہوگی کہ غیر واجب ما بہ الموجودیۃ نہیں اور اس کی نفس ذات وجود مصدری کا منشا انتزاع نہیں اور یہ کبھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ غیر واجب معدوم محض ہو جائے۔

(۳) دلیل عقلی کا یہ مقدمہ (کہ غیر وجود نہیں مگر عدم محض غلط ہے) کیونکہ غیر وجود مصدری تمام موجودات خارجیۃ اور ذہنیۃ ہیں صرف غیریت وجود عدم کے ساتھ خاص نہیں ہے ہر طفل مکتب جانتا ہے کہ زید وعمر وبکر وغیرہ شجر حجر ارض وسما جس قدر بھی موجود ہیں یہ سب غیر وجود مصدری ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ عین وجود مصدری ہوں یا عین ما بہ الموجودیۃ اور اس کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ وجود مصدری انتزاعی غیر موجود خارجی وغیر مشاہد ہے اور یہ اشیاء تمام کی تمام محسوسہ اور موجودہ ہیں۔

(۴) زید کا یہ کہنا کہ غیر واجب نہیں۔ مگر عدم محض، باطل ہے۔ کیونکہ دلیل کے جب دونوں مقدمہ باطل ہو گئے تو نتیجہ کا باطل ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

(۵) دلیل عقلی کا یہ مقدمہ (عدم موجود نہیں ہو سکتا) بھی باطل ہے کیونکہ عدم موجودات ذہنیہ سے ہے اور حصر وجود اس کی

عارض ہے۔ جیسا کہ حواشی میرزاہد میں جو شرح مواقف وغیرہ پر ہیں یہ تفصیل مذکور ہے اور عدم موجود نہ ہو تو معدوم ہوگا اور جب عدم معدوم ہوگیا تو وجود ثابت ہوگیا۔ کیونکہ عدم کا عدم نام ہے وجود کا۔

خلاصۂ کلام یہ نکلتا ہے کہ دلیل عقلی کا ہر ایک مقدمہ سراسر غلط ہے اور لغو ہے۔ بڑی کتابوں کو چھوڑیئے۔ اگر مروجہ چھوٹی کتابوں کا مطالعہ کرلیا جائے تو بھی ان مقدموں کے بطلان میں کوئی شک و شبہ نہ رہے گا۔

(۶) دلیل نقلی کا یہ مقدمہ (ہر موجود اللہ کا مصداق ہے۔ اس واسطے کہ اللہ کہتے ہیں معبود کو اور معبود اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی عبادت کرے) سراسر غلط ہے کیونکہ اللہ مستحق عبادت کا نام ہے نہ ہر ایسی چیز کا جس کی عبادت کی جانے لگے خواہ حماقت اور جہالت ہی سے کیوں نہ ہو۔ لغت سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا موجودات میں اللہ کا مصداق وہی ہوگا جو مستحق عبادت ہو نہ ہر وہ شے جس کی عبادت کی جانے لگے۔

(۷) یہ کہنا کہ عبادت نام ہے تابعداری کا خود اپنے بارہ میں علوم شرعیہ اور علوم لغویہ سے جہالت کا اقرار کرنا ہے۔ مطلق تابعداری کو عبادت نہیں کہتے بلکہ پرستش اور غایتِ خضوع کا نام عبادت ہے۔ ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ تابعداری اور پرستش میں کس قدر فرق ہے۔ البتہ بعض اوقات غیر پرستش پر عبودیت کا اطلاق مبالغۃً کردیا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس دلیل نقلی کا ہر ایک مقدمہ شریعت اور لغت اور عرف عام کے خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ جب دونوں دلیلیں قابل استدلال و حجت نہ رہیں تو دعویٰ کیسے ثابت ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

بلاتحقیق کسی مفتی پر لعن طعن کرنا

سوال (۱۴۴) زید نے کسی مفتی کا فتویٰ اپنی آنکھ سے دیکھا اور نہ سنا اور بغیر تحقیق کے الزام لگا دیا کہ فلاں مفتی نے مسلمان عورت کے جھوٹے پانی پینے کو ناجائز اور مکروہ لکھا ہے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مفتی پر لعن و طعن کرتا ہے اور اس کو وہابی اور بے ایمان کہتا ہے۔ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ زید اس حالت میں گنہگار ہوگا۔ توبہ کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ بغیر تحقیق و اطلاعِ احوال کے الزام و اتہام لگانا گناہِ کبیرہ ہے۔ چہ جائیکہ کسی عالم اور مفتی پر اتہام لگائے۔ تمام آیاتِ قرآنیہ اور احادیث میں اس کی ممانعت مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

ہر نماز کے بعد ذکر جہری کرنا

سوال (۱۴۵) آج کل ہر نماز کے بعد لوگ بآواز بلند تین چار مرتبہ لاالٰہ الا اللہ کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سر بھی دھنتے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ یا ان کے بعد امام اعظم اور ان کے شاگردوں کے دور میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں اور اگر کسی سے منقول ہے تو اس طریقہ کو رواج دینا ہمارے لئے کیسا ہے اور اگر منقول نہیں تو اس طریقہ مروجہ کا کیا حکم ہوگا۔ اور لوگوں کو اس سے منع کرنا ضروری ہے یا خاموشی اختیار کی جائے۔ اور ہمارے حنفی مذہب میں اس ذکر کے علاوہ جو ذکر ثابت ہے اس کو بآوازِ بلند پڑھنا افضل ہے یا آہستہ؟

جواب:۔ اس قسم کا ذکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور ائمہ اربعہ وغیرہم کسی سے بھی منقول نہیں اور علمائے حنفیہ وغیر حنفیہ کی تصریح ہے کہ نماز کے بعد آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔ البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نماز کے بعد جہر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ابن عباس رضؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں:۔ کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر انتہیٰ۔

فتح الباری میں ہے:۔ الظاہر انہ لم یکن یحضر الجماعۃ لانہ کان صغیرا لا یواظب علی ذلک فکان یعرف انقضاء الصلوٰۃ بما ذکر وقال غیرہ یحتمل ان یکون حاضرا فی اٰخر الصفوف فکان لا یعرف انقضاءھا بالتسلیم وانما کان یعرفھا بالتکبیر انتہیٰ۔

لیکن شراح حدیث نے اس ذکر جہری کو حالتِ جہاد وغیرہ پر محمول کیا اور آہستہ پڑھنے کو بمقابلہ جہر کے افضل قرار دیا اور بعض دوسرے حضرات نے بعض اوقات پر محمول کیا اور التزام سے منع کیا، ابن الحاج المالکی کی کتاب المدخل میں ہے:۔ اما ما رواہ ابن الزبیر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلاتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن الجمیل لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون وما روی البخاری عن ابن عباس ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فالجواب من وجہین احدھما ما ذکرہ الامام الشافعی فی الام حیث قال واختار للامام والماموم ان یذکران اللہ بعد الانصراف من الصلوٰۃ ویخفیان الذکر الا ان یکون اماما یجب ان یتعلم منہ فیجھر حتی یری انہ قد تعلم منہ ثم یسر فان اللہ یقول ولا تجہر بصوتک ولا تخافت بہا یعنی بالدعاء لا تجہر ترفع ولا تخافت حتی تسمع نفسک واحسب ما روی ابن الزبیر من تہلیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما روی ابن عباس من تکبیرہ کما رویناہ انما جہر قلیلا لیتعلم الناس منہ وذلک لان عامۃ الروایات التی کتبناھا لیس یذکر فیہا بعد التسلیم ولا تکبیر انتہی کلامہ بلفظہ فہذا الامام الشافعی حمل ذلک علی سبیل التعلیم فان حصل التعلیم امسک وھذا بخلاف ما بعہد الیوم من القراءۃ والذکر جہرا وجماعۃ فانہم لا یریدون التعلیم بل الثواب والجواب الثانی ما ذکرہ ابو الحسن ابن بطال فی شرح صحیح البخاری لما ان تکلم علی حدیث ابن عباس قال یحتمل ان یکون ارادبہ المجاھدین فان کان کذلک فھو اولی لان وعلیہ العمل وھو ان المجاھدین اذا صلوا الخمس فیستحب لہم ان یکبروا جہرا یرفعون اصواتہم لیرھبوا العدو فان لم یحمل علی ذلک فیکون منسوخا بالاجماع لا یعلم احد من العلماء یقول بہ انتہی

اسی کتاب مدخل میں دوسری جگہ ہے:۔ ولیحذر وا جمیعا من الجہر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعۃ فان ذلک من البدعۃ انتہیٰ۔

اور علامہ شیخ الاسلام بدرالدین عینی حنفی نہایہ شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ قال ابو بکر الرازی قال مشائخنا التکبیر جہرا فی غیر ایام التشریق الاضحی لا یسن الا بازاء العدو واللصوص وقیل وکذا فی الحریق والمخاوف کلہا انتہیٰ۔

اور نصاب الاحتساب میں ہے:- اذا کبروا علی اثر الصلوٰۃ جہراً یکرہ وانہ بدعۃ یعنی سوی ایام النحر والتشریق انتہی اس قسم کی بہت عبارتیں ہیں کہ جن سے چند مخصوص مواقع کے علاوہ ذکر جہری کی کراہت ثابت ہوتی ہے جس کی تفصیل میرے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ذکر جہری ایام تشریق کے علاوہ اگر اتفاقاً کبھی ہو جائے تو حرج نہیں بشرطیکہ جہر بہت زائد نہ ہو اور اگر اس جہر سے مقصود تعلیم ہو تو بھی جائز ہے لیکن بغیران اغراض مذکورہ کے اس کا التزام و اہتمام کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

وجودیہ اور شہودیہ کا مصداق

سوال (۱۴۹) ایک شاعر نے اپنے شعر میں فرقہ وجودیہ اور شہودیہ کی برائی بیان کی۔ اس پر ایک مفتی نے کفر کا فتویٰ لگا دیا اور کہا کہ وجودیہ اور شہودیہ یا تو انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور یا اولیاء اللہ اور کوئی بھی عارف باللہ ان دو فرقوں سے علیحدہ نہیں ہوتا لیکن دوسرے مفتی نے پہلے مفتی کے فتویٰ کو غلط بتا کر دوسرا فتویٰ دیا اور کہا کہ وجودیہ اور شہودیہ تو اہل بدعت کے فرقوں کا نام ہے۔ انبیاء و اولیاء سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس مسئلہ کی اصل تحقیق کیا ہے؟

جواب:- امت محمدیہ کے اکابر کی دو جماعتیں ہیں بعض تو توحید وجودی کے قائل ہیں۔ ان میں شیخ محب اللہ الہ آبادی ہیں اور انھوں نے اسی سلسلہ میں ایک رسالہ تسویہ بھی لکھا ہے۔ اور ملا محمود جون پوری نے اس کے رد میں ایک رسالہ حرز الایمان لکھا جس میں بہت تحقیقات عجیبہ ہیں۔ اور اسی جماعت میں سے مولانا عبدالرحمٰن لکھنوی بھی ہیں جنھوں نے رسالہ کلمۃ الحق لکھ کر اپنے خیال کے مطابق توحید وجودی کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کیا ہے اور اس کے شارح نے جا بجا ان کے اقوال کو مخدوش بتایا۔ اور اسی جماعت کے ایک فرد سید الطائفہ محی الدین ابن عربی بھی ہیں جو مؤلف ہیں فتوحات اور فصوص کے اور بعض دوسرے لوگوں نے توحید شہودی کے قائل ہو کر اکابرین کے اقوال کو صحیح محمل پر محمول کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رح اپنی مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:-

آنچہ لابدی ست توحید شہودی ست کہ فنا باں مربوط است و بہ عقل و شرع مخالف ندارد بخلاف توحید وجودی و اقوال مشائخ را بتوحید شہودی باید فرود آورد انتہی۔

اور اس بحث کی پوری تحقیق مکتوبات اور رسالہ تشہید فی معانی کلمۃ التوحید میں موجود ہے۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ اہل بدعت سے ہیں اس کا قول قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ کہنا محض اولیاء کے احوال اور توحید وجودی و شہودی کے معنی سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے اور ان دونوں فرقوں کی مذمت کرنے والا شاعر خود قابل ملامت ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

کسی صحابی کو سابقہ کفر کے ساتھ یاد کرنا

سوال (۱۵۰) اگر کوئی شخص کسی صحابی کو جو قبل اسلام نصرانی تھے۔ مگر ان کا اسلام اور صحبت رسول تواتر سے ثابت

ہے نصرانیت کے ساتھ طعنہ دیتا ہے اور عار دلاتا ہے اور ان کو نصرانی کے لفظ سے یاد کرتا اور ان کی روایت کے بارہ میں کہتا ہے کہ عدی نصرانی کی روایت ان کے لیئے مخصوص تھی۔ ان کو دوسرے مؤمنین پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ اور عدی بن حاتم نصرانی کی خبر احاد قابل اعتبار نہیں ہیں۔ انتہیٰ کلامہ۔ اور یہ شخص جا بجا نصرانی اور عدی نصرانی لکھتا اور اس کی اشاعت کرتا ہے۔ تو کیا شخص مذکور کا تعلق شرعًا قابل قبول ہے یا نہیں اور یہ شخص مؤمن کامل ہے یا فاسق؟

جواب:۔ ایسا شخص فاسق اور واجب التعزیر ہے۔ کسی شخص کے مسلمان ہوجانے کے بعد کفر سابق سے اس کو یاد کرنا اور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا حرام ہے۔ لقولہ تعالیٰ:۔

ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک هم الظالمون۔	اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے برا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف

چہ جائیکہ جلیل القدر صحابیؓ کے بارہ میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا کہ تمام ائمہ نے ان کی روایت کا بالاتفاق اعتبار کر کے دیگر حضرات صحابہ کے ساتھ ان کا شمار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

تارک صوم وصلوٰۃ کے ہاتھ پر بیعت کرنا

سوال (۱۴۸) اگر کوئی شخص فرائض و نوافل نمازوں میں سے کوئی بھی نماز بظاہر ادا نہیں کرتا، اور محرمات شرعیہ رقص طوائف، گانے باجے اور دوسرے لہو ولعب میں مشغول رہتا ہے۔ اور اجنبی عورتوں کے ہمراہ خلوت کرتا ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود اکثر لوگ اس کو ولی کامل اور غوث وقت سمجھتے ہیں اور ہزاروں آدمی مرید بھی ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ تصوف کی تمام شرائط مفقود ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب کو نماز ظاہری کی حاجت نہیں وہ تو باطنی نماز پڑھتے ہیں اور اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت ان کے لیئے مضر نہیں۔ تو کیا ایسا شخص شرعًا ولی کامل اور غوث وقت ہو سکتا ہے اور اس کا مرید ہونا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دینی اور دنیوی تمام کمالات صرف شریعت محمدیہ کے اتباع میں منحصر ہیں۔ اور جو شخص شریعت کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہوگا وہ نہ ولی ہوسکتا ہے اور نہ غوث وقت۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم تو اہل باطن ہیں اور عبادت ظاہری ہم کو ضرورت نہیں وہ زندیق ہے اور ایسے شخص کے بارہ میں ولی کامل ہونے کا اعتقاد رکھنا اور تمام شرائط کے معدوم ہونے کے باوجود اس کا مرید ہونا کسی طرح درست نہیں۔

علامہ محمد برکلی رومی طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں:۔ ما یدعیہ بعض المتصوفۃ فی زماننا اذا انکر علیہم بعض امورہم المخالف للشرع ان حرمۃ ذلک فی العلم الظاہر وانا من اصحاب العلم الباطن وانہ حلال فیہ وانکم تاخذون من الکتاب وانا ناخذ من صاحبہ یعنی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کلہ الحاد واضلال اذ فیہ اذدراء بالشریعۃ المحمدیۃ فالواجب علی کل من سمع ہذا المقال الانکار علی قائلہ والجزم ببطلان مقالہ بلا شک ولا تردد ولا توقف والا فہو من جملتہم ویحکم بالزندقۃ علیہم وقد قال سید الطائفۃ الصوفیۃ جنید البغدادی الطرق کلہا مسدود الا علی

من اقتفى اثر الرسول وقال ابو يزيد البسطامي لبعض اصحابه قم بنا حتى ننظر الى هذا الرجل الذي قد شهر نفسه بالولاية وكان رجلا مشهورًا بالزهد فمضينا اليه فلما خرج رمى بزاقه الى جهة القبلة فانصرف ابو يزيد ولم يسلم عليه وقال هذا الرجل غير مامون على ادب من آداب رسول الله فكيف يكون مامونا على ما يدعيه من الكرامات وقال لو نظرتم الى رجل اعطى من الكرامات حتى يطير في الهواء فلا تغتروا به حتى تنظروا كيف تجدونه عند الامر والنهي وحفظ الحدود وانظر ايها العاقل المطالب للحق ان هؤلاء عظماء المشائخ وعلماء الطريقة وكبراء ارباب السلوك والحقيقة كلهم يعظمون الشريعة الشريفة ويبنون علومهم الباطنة على السيرة الاحمدية والملة الحنفية فلا يغرنك ظلمات الجهال المتنسكين وشكلهم الفاسدين المفسدين الضالين المضلين بعد ان كانوا زائغين عن الشرع القويم ومائلين عن الصراط المستقيم خارجين عن مناهج علماء الشريعة قالوا ويل كل الويل لهم ولمن تبعهم وحسن امرهم فهم قطاع طريق الله سبحانه وتعالى عن العابدين يلبسون الحق بالباطل ويكتمون الحق وهم يعلمون انتهى

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جو شخص بھی جادۂ شرع پر مستقیم نہیں وہ قابلِ بیعت اور قابلِ اعتقاد نہیں بلکہ خود گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

تسبیح پڑھنا۔

سوال (۱۴۹) اگر کوئی شخص ہمیشہ سبحان اللہ الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور استغفار و درود وغیرہ تسبیح کے دانوں پر پڑھتا ہے۔ یا کوئی شخص نوافل کی پابندی کرتا ہے مثلاً سنت عصر اور صلوٰۃ الاوابین اور سنت عشاء وغیرہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سب بدعت ہے اور ان کا کرنے والا مبتدع تو کیا ایسے شخص سے الجہاد مع المبتدع افضل من جہاد الکفار کے تحت قتال کرنا لازم ہے یا نہیں۔ اور اسی طرح فرض نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے سے بھی منع کرتا ہے اور بدعت کہتا ہے۔ اس شخص کا قول کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: تسبیح پر وظیفہ پڑھنا فی نفسہ جائز ہے بشرطیکہ ریا سے خالی ہو اور مروجہ تسبیح کا ثبوت آں حضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا البتہ صحابہ کرام ؓ کے زمانہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے بعض رسالوں میں اس کی تصریح کی ہے۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں اور صلوٰۃ الاوابین وغیرہ نوافل کے بارہ میں تو خود شریعت میں ترغیب موجود ہے۔ ہر شخص کو اپنے اوقات ایسی عبادت میں صرف کرنے چاہئیں اور علماء سلف نے مجلس مولود شریف کو بدعت حسنہ قرار دیا ہے۔ پس ایسی مجالس میں شرکت کرنا بشرطیکہ اس میں کوئی مانع شرعی قیام وغیرہ نہ ہو امر مستحسن ہے۔ اکابر محدثین اور فقہاء نے اس کو امر مستحسن سمجھا اور دعا کے لیے رفع یدین کرنا مستحب ہے۔ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ اور شرح حصن حصین میں اس کی پوری تحقیق فرمائی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر ایسے کاموں کے کرنے والے کی نیت میں اخلاص ہو تو اس کو ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحی

بیعتِ ثانیہ کا حکم

سوال (۱۵۰) زید نے بالغ ہونے سے پہلے اپنے دوستوں کے کہنے کی وجہ سے کسی سے بیعت کر لی، بالغ ہونے

اور مرشد سے ملاقات کے بعد مرشد کی بہت سی باتیں خلاف شرع معلوم ہوئیں۔ نیز کوئی فائدہ بھی محسوس نہیں ہوا اور اب اس کو اعتقاد نہ رہا تو ایسی صورت میں کسی دوسرے بزرگ سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ صورت مذکورہ میں بیعت ثانیہ جائز ہے۔ اور بیعت اولیٰ اس کے لیے مانع نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث قول جمیل میں تحریر فرماتے ہیں:۔ ان تکرر البیعة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور وکذلک عن الصوفیة لما من الشخصین فان کان ظهور خلل فی من بایعه فلا باس وکذلک بعد موته او غیبته المنقطعة واما بلا عذر فانه یشبه المتلاعب ویذهب بالبرکة ویصرف قلوب الشیوخ عن تعهده۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

بارہ اماموں کا ثبوت قرآن وحدیث سے

سوال (۱۵۱) ایک شخص مذہب اثنا عشری کا متبع امامت کے بارہ میں بحث کرتا ہے کہ بارہ امام کی قید کلام مجید اور حدیث نبوی سے ثابت ہے اور اہل سنت والجماعت کا مذہب قرآن وحدیث کے مخالف ہے سائل یہ معلوم کرتا ہے کہ کیا اہل سنت والجماعت کے مذہب میں بارہ امام کی قید ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس وجہ سے بارہ کی تخصیص کی گئی دوسری اولاد کس وجہ سے امام قرار نہیں دی گئی اور جو سورۂ مائدہ کے دوسرے رکوع میں آیت ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منهم اثنی عشر نقیبا الآیة (اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کیے ہم نے ان میں بارہ سردار) اور اس کے فائدہ میں لکھا ہے کہ یہ عہد حضرت موسیٰ کی آخر عمر میں بنی اسرائیل سے لیے گئے اور یہ سورت حضرت کی آخر عمر میں نازل ہوئی اور ہم کو شاید اس واسطے سنایا کہ ہم کو بھی یہی امید ہے ایک عہد اس امت سے لینا کہ رسول کے جو بعد ہو ان کی مدد کرو۔ اس کے بدل معنی یہ ہیں کہ خلفاء کی اطاعت کرو، یہ مذکورہ بارہ سرداروں کا بیان فرمایا ہے۔ اسی اشارہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میری امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے قوم قریش سے اور فرمایا جو خرابی ہوئی پہلی امتوں میں تو ہو گی ہم سے جیسا کہ وہ خراب ہوئے پیغمبروں کی مخالفت سے یہ امت خراب ہوئی خلیفہ کے خلاف خروج کر کے پس یہ بارہ خلیفہ کون ہیں اور ان کے نام کیا ہیں۔ اور کوئی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اہل قریش کے بارہ اماموں کی قید کے ساتھ موجود ہے یا نہیں، اگر موجود ہے تو جواب کے ساتھ وہ حدیث بھی تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ بارہ اماموں کے بارہ میں شیعہ حضرات کے جو اقوال ہیں ان کا پتہ کہیں قرآن وحدیث میں نہیں۔ البتہ احادیث سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ اس امت میں بارہ خلیفہ ہوں گے کہ ان کی خلافت پر اکثر لوگ اتفاق کریں گے اور وہ اہل قریش میں سے اشاعت دین وہدایت میں سرگرم ہوں گے اور ان کی تخصیص نبی کے اہل بیت کے ساتھ نہیں ہے کہ ان سے خواہ مخواہ دوازدہ امام مراد لیے جائیں بلکہ بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ بارہ خلیفہ میری امت میں ہوں گے جن میں سے دو میرے اہل بیت ہوں گے اور علماء نے ان خلفاء کی تعیین کی ہے۔ علامہ سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:

قد وجد من اثنا عشر خليفة الخلفاء الاربعة والحسن ومعاوية وعبد الله بن الزبير وعمر بن عبد العزيز هؤلاء ثمانية ويحتمل ان يضم اليهم المهدى من العباسيين لانه فيهم كعمر بن عبد العزيز فى بنى امية وكذلك الطاهر بما اتاه من العدل ويبقى اثنان احدهما المهدى لانه من اهل بيت محمد

اس قول کے مطابق بارہ خلفا میں سے دس متعین ہو گئے۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ معاویہ۔ عبداللہؓ بن الزبیرؓ۔ عمر بن عبدالعزیز۔ مہدی۔ طاہر اور بارھویں امام مہدی آخر الزماں ہوں گے۔ اور بعضوں نے انہی خلفاء میں معاویہ بن یزید کو بھی شمار کیا ہے پس اس کے مطابق گیارہ متعین ہو گئے اور بارھویں یعنی مہدیؑ کا انتظار ہے۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

خلافت اور سجادہ نشینی

سوال (۱۵۲) شاہ محمد یوسف صاحب کا انتقال ہو جانے کے بعد ان کے بھائی اور خلیفہ شاہ محمد عاشق صاحب باتفاق قوم سجادہ نشین ہو گئے اور ان کے انتقال کے بعد باتفاق جمیع خاندان شاہ محمد اسمٰعیل صاحب سجادہ مقرر کئے گئے جو شاہ محمد یوسف صاحب کے خلیفہ اور شاہ کریم الدین صاحب کے نواسے ہیں۔ جو شاہ محمد یوسف صاحب کے جد اعلیٰ کے پوتے ہیں اور شاہ محمد یوسف صاحب کی لڑکی مسماۃ خدیجہ بی بی ان سے منسوب ہیں۔ اور شاہ محمد یوسف صاحب نے خرقہ خلافت بھی ان کو دیا ہے اور اسی وقت سے آج تک چند سال کے عرصہ میں کسی شخص نے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان سے تعلیم وارشاد کا سلسلہ بھی اچھی طرح جاری ہے اور تمام عوام وخواص خصوصاً امراء ورؤساء ان کے معتقد اور ان کے حالات سے مطمئن اور خوش ہیں۔ اب شاہ محمد محسن صاحب جو شاہ غلام چشتی صاحب کے لڑکے ہیں، اور یہ شاہ غلام چشتی شاہ محمد یوسف صاحب کے جد اعلیٰ شاہ غلام علی کے پوتے ہیں دعوی کرتے ہیں کہ شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شاہ غلام عالم کی اولاد دختری ہیں اور میں اولاد پسری۔ اس لئے شاہ محمد اسمٰعیل کو سجادہ نشینی کے منصب سے علیحدہ کر کے مجھ کو یہ منصب دیا جائے اور میں سجادہ نشین بنوں تو کیا ان کا یہ دعوی شاہ محمد اسماعیل صاحب کے مقابلہ میں کہ جو شاہ محمد یوسف صاحب کے داماد اور خلیفہ ہیں اور خرقہ بھی ان سے پا چکے ہیں صحیح ہے یا نہیں اور شرعی حیثیت سے سجادہ نشینی میں ان کو کوئی وجہ ترجیح حاصل ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اہل تصوف کے یہاں خلافت وسجادہ نشینی کے تمام احکام خلافت کبریٰ کے احکام سے مستنبط ہیں اور خلافت کبریٰ کے بارہ میں متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ حق کسی کے امر کرنے کی وجہ سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کا مدار خلافت کی قابلیت اور شرائط کے وجود پر ہے اور اس کا تحقق چند طریقوں سے ہو سکتا ہے:۔

(۱) امام سابق خود کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لے۔

(۲) امام سابق انتخاب کا حق کسی جماعت کو دے دے اور وہ مشورہ سے انتخاب کر لیں

(۳) امام کے انتقال کے بعد ارباب حل وعقد جمع ہو کر کسی کو خلیفہ بنالیں۔

اور اگر یہ تینوں صورتیں نہ ہوں بلکہ ایک آدمی خود بخود جبراً وقہراً خلیفہ بن بیٹھے اور لوگ اس کی اطاعت کر لیں۔ بشرطیکہ وہ امر

اہل بھی ہو تو اس صورت میں خلافت کا تحقق ہو جائے گا۔
نیز یہ مسئلہ بھی علم کلام کا ہے خلیفہ کے متعین ہو جانے کے بعد اس کا معزول کرنا بھی جائز نہیں مگر یہ کہ وہ امورِ خلافت کا انتظام ہی نہ کر سکے تو جائز ہوگا۔ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں تحریر کرتے ہیں:۔
و ینعقد الامامۃ بطرق احدھا بیعۃ اھل الحل والعقد من العلماء والرؤساء والثانی استخلاف الامام وعھدہ وجعلہ الامر شوری بینھم بمنزلۃ الاستخلاف الا ان المستخلف غیر متعین فیتشاورون ویتفقون علی احدھم والثالث القھر والاستیلاء فاذا مات الامام وتصدی للامامۃ من یستجمع شرائطھا من غیر بیعۃ واستخلاف وقھر الناس بشوکتہ انعقد الخلافۃ لہ ولا یجوز خلع الامام بلا سبب ولو خلعوہ لم ینفذ وان عزل نفسہ فان کان لعجزہ عن القیام بالامر انعزل والا فلا انتھی۔
اس تفصیل کے معلوم ہو جانے کے بعد سوال مذکورہ میں جب کہ شاہ محمد اسمٰعیل کو جملہ اہل خاندان نے خلیفہ بنا دیا اور خود شاہ محمد یوسف صاحب نے خرقۂ خلافت بھی دیا۔ نیز خلافت سے متعلقہ امور کے انتظام میں بھی کوئی نقصان نہیں پایا گیا تو ان کی خلافت صحیح ہے اور مدعی کا دعویٰ باوجودیکہ وہ شاہ محمد یوسف کے جد اعلیٰ کی اولادِ پسری سے ہے صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ خلافت کا معاملہ ہے وراثت نہیں ہے کہ تعلق پسری کو تعلق دختری پر ترجیح دی جائے اور تحقق خلافت کے جو طریقے ذکر کیے ہیں انھیں میں سے کسی ایک طریقہ سے ان کی خلافت ثابت ہوئی ہے اور کوئی سبب معزول کرنے کا موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی خلافت صحیح اور باقی رہے گی۔ واللہ اعلم۔
ابو الحسنات محمد عبد الحی

سادات کی نجات

سوال (۱۵۳) قیامت کے دن صحیح النسب سادات کا منتفع بالنسب ہونا ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے یا نہیں اور پہلی صورت میں انتفاع سے کیا مراد ہے آیا مراد یہ ہے کہ وہ لوگ باوجود بے علم و عمل ہونے اور بحالت فسق و فجور بغیر توبہ کے مرجانے کی صورت میں بھی تعلق نبوی کی وجہ سے دخول نار اور مؤاخذ اخرویہ سے بالکلیہ محفوظ و مامون ہوں گے یا گناہ گار ہونے کی وجہ سے دخولِ نار کی سزا پانے کے بعد شفاعت رسولؐ کی بنا پر دوسرے عام مسلمانوں کی طرح بہشت میں داخل ہوں گے اور اس صورت میں سادات اور دیگر مؤمنین میں کیا فرق ہوگا۔ کیونکہ قولِ نبیؐ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی کے لحاظ سے تو تمام مؤمنین دعدہ شفاعت میں داخل ہیں۔
(۲) کیا سادات میں سے کسی شخص کا غیر ایمان کی حالت میں مرنا ادلہ شرعیہ و نصوص احادیث کے لحاظ سے محال ہے یا جائز اور اگر جائز ہے تو دلیل کیا ہے؟
(۳) سادات کے علاوہ دوسری اقوام جو شرفاء کہلاتی ہیں اور کسی مرد صالح کی طرف منسوب ہیں جیسے شیخ صدیقی و فاروقی و عثمانی و علوی غیر فاطمی۔ کیا وہ لوگ باوجود علم و عمل کی دولت سے محروم رہنے اور مبتلائے فسق و فجور ہونے اور بغیر توبہ کے مرجانے کی صورت میں محض ان صلحاء کی نسبت کی وجہ سے دخولِ نار اور جملہ

سنیت ان کے کام نہ آئیگی
اخروی مواخذوں سے محفوظ رہیں گے یا فسق و فجور کی وجہ سے سزا پائیں گے اور یہ نسبت ان کے کام نہ آئیگی
اور ان اقوام مذکورہ کے علاوہ دوسری قومیں جو بظاہر کسی مردِ صالح کی طرف منسوب نہیں جیسے افغان اور
مغل اور دیگر اقوام جو عرفاً رذیل کہلاتی ہیں ان کے آبائی سلسلہ میں اگر کوئی مردِ صالح در ولی گذرا ہو تو کیا یہ
قومیں بھی صدیقی اور عثمانی وغیرہ پر قیاس کر کے بحالتِ کفر یا باوجود فسق و فجور بغیر توبہ کے مرجانے کی صورت
میں محض صالح باپ کی برکت کے مواخذاتِ اخرویہ سے مامون رہیں گے یا نہیں؟

جواب: سادات کا انتساب الی النبی کی وجہ سے بحالت فسق و فجور بغیر توبہ کے مرجانے کی صورت میں دخولِ نار
اور عذاب سے محفوظ رہنا آثار و اخبار سے ثابت نہیں ہے بلکہ آثار سے تو اس کے برخلاف ثابت ہے۔ نور الدین
سمہودی جواہر العقدین فی فضل الشرفین ذکر ما ینبغی لاہل البیت میں لکھتے ہیں:۔
الثالث اجتناب کل قبیح شرعا فان القبیح من اہل ھذا البیت اقبح منہ من غیرھم ولھذا قال العباس
لابنہ عبد اللہ کما فی تاریخ دمشق یا بنی ان الکذب لیس باحد من ھذہ الامۃ اقبح منہ بی وبک و باہل
بیتک یا بنی لایکون شئ مما خلق احب الیک من طاعتہ ولا اکرہ الیک من معصیتہ فان اللہ ینفعک بذالک فی
الدنیا والاٰخرۃ قلت اجماع ذالک کلہ ما جاء انہ صلے اللہ علیہ وسلم اوصی باہل بیتہ بتقوی اللہ ولزوم طاعتہ
کما سبق فی الذکر الرابع وسبق فی اواخر التنبیہ الاول من الذکر السادس قول الحسن بن المثنی وانی اخاف ان
یضاعف العاصی منا العذاب ضعفین واللہ انی لارجو ان یوتی المحسن منا اجرہ مرتین انتہی۔

اور قرآن کی یہ آیت یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضاعف لھا العذاب ضعفین وکان ذالک
۳۰ علی اللہ یسیرا ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتہا اجرھا مرتین واعتدنا لھا رزقا کریما۔ ۳۱
امر پر شاہد عدل ہے کہ کسی مردِ صالح سے انتساب و تعلق اعمال صالحہ کے اجر اور اعمال سیئہ کے عذاب کے دوچند
کا سبب ہوتا ہے نہ یہ کہ اعمالِ سیئہ کی سزا ہی نہ ملے۔ اور محض تعلق کی وجہ سے بھی اعمال سیئہ سبب نجات ہو جائیں، اسی
وجہ سے حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو خبردار کر دیا کہ ارتکابِ فحش کی صورت میں تم
دوچند عذاب ہوگا اگر محض تعلق نبی کافی ہوتا تو یہ حکم نہ دیا جاتا۔
اور نبی یا غیر نبی مثلاً صدیق و عمر یا کسی رجل صالح کی طرف انتساب کی وجہ سے یوم قیامت میں منتفع ہونا اس
سے کہ ان حضرات کے تعلق کی وجہ سے اعمالِ صالحہ پر اصل اجر سے مزید اجر ملے گا۔ یہ صحیح ہے۔ یا یہ مراد لینا کہ وہ
صالح بہ نسبت دوسرے عوام کے اس منسوب شخص کی طرف زیادہ توجہ اور خصوصی سفارش کریں گے یہ بھی صحیح ہے
یہ مراد لینا کہ شخص منسوب محض اس نسبت کی وجہ سے باوجود اعمال سیئہ اور قبیحہ کے اللہ کے نزدیک مغفور ہو کر
و مکرم ہوگا اور عذاب سے بالکلیہ نجات پا جائے گا سراسر غلط ہے آیتِ قرآنی ان اکرمکم عند اللہ اتقکم اس
غلط ہونے پر شاہد عدل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔
فان قیل ھذا مبنی علی عدم اعتبار النسب ولیس کذلک فان للنسب اعتبارا عرفا وشرعا حتی لا یجوز

تزویج الشریف بالنبطی قلنا اذا جاء الامر العظیم لایبقی الامر الحقیر معتبراً وذلک فی الحس والشرع و العرف اما الحس فلان الکواکب لا تریٰ عند طلوع الشمس وجناح الذباب دوی ولا یسمع عنہ ما یکون رعد قوی واما فی العرف فلان من جاء مع الملک ما یبقی لہ اعتبار ولا التفات اذا عرفت ھذا ففی الشرع کذلک اذا جاء الشرف الدینی الالٰہی لا یبقی لما مر ھناک اعتبار النسب ولا النسب الا تری ان الکافرون کان من اعلی الناس نسبا و المومن وان کان دونھم نسبا لا یقاس احدھما بالاٰخر ولھذا یصلح للمناصب الدینیۃ کالقضاء والشہادۃ کل شریف و وضیع اذا کان دیناً صالحاً عالماً ولا یصلح بشیٔ منہا فاسق وان کان قرشی النسب وفاروقی النسب ولکن اذا اجتمع فی اثنین الدین المتین واحدھما نسیب ترجح بالنسب عند الناس لا عند اللہ ان اللہ یقول وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وشرف النسب لیس مکتسبا ولا یحصل بسعی انتہیٰ۔

اور محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں:۔ انما ینظر للاصل والعنصر عند التحلی بالفضائل والتخلی عن الرذائل انتہیٰ۔

اور مسند احمد میں ابوبکر سے مروی ہے:۔ حدثنی من شہد خطبۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم بمنی وھو علی بعیر یقول یا ایہا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاسود علی الاحمر الا بالتقویٰ خیرکم عند اللہ اتقاکم انتہیٰ

صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے:۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من بطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ

ابن جریر وغیرہ نے روایت کیا قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یسألکم عن احسابکم ولا عن انسابکم یوم القیامۃ الا عن اعمالکم اکرمکم عند اللہ اتقاکم

اور امام بخاری کی الادب المفرد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے:۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اولیائی یوم القیامۃ المتقون وان کان نسب ابعد من نسب۔

معجم طبرانی میں حدیث معاذ مروی ہے لما بعثہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی الیمن خرج معہ یوصیہ ثم التفت الی المدینۃ فقال ان ھولاء اھل بیتی یزعمون انھم اولی الناس بی ولیس کذلک انما اولیائی المتقون من کانوا وحیث کانوا

صحیح بخاری میں عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول جہاراً غیر سر ان آل بنی فلان لیسوالی باولیاء انما ولی اللہ وصالح المؤمنین۔ یہ الفاظ تو مسلم کے تھے اس میں بخاری نے اضافہ کیا لکن لھم رحم سابلہا ببلالہا۔

اربعین طائی میں فضیل بن مرزوق سے مروی ہے سمعت الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب یقول لرجل یغلوا فیہم ویحکم احبونا اللہ فان اطعنا اللہ فاحبونا وان عصینا اللہ فابغضونا فقال الرجل انکم لذو قرابۃ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واھل بیتہ فقال ویحکم لو کان اللہ نافعاً بقرابۃ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بغیر عمل بطاعۃ لنفع بذلک من ھو اقرب الیہ منا اباہ وامہ انی اخاف ان یضاعف العاصی منا العذاب ضعفین

اس کے علاوہ بھی علامہ سمہودی نے متفرق جگہ آثار و اخبار بیان فرمائی ہیں۔ ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض انتساب الی الرسول مغفرت و کرامت کا سبب نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ تقوی نہ ہو۔ جبکہ تعلق نبی کا یہ حال ہے تو غیر نبی کا تعلق کیسے نجات و مغفرت کا سبب بن سکتا ہے۔ ہاں البتہ انتساب الی النبی سے اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولا اپنی اولاد کے لیے شفاعت فرمائیں گے اور اس وقت زائد توجہ ان کی طرف ہوگی۔ اگرچہ بعد میں سب کے لیے شفاعت ہوگی۔ جیسا کہ عبد اللہ بن عمر کی اس روایت سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول من اشفع من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش والا نصار ثم من امن بی واتبعنی من اهل الیمن ثم سائر العرب ثم الاعاجم واول من اشفع له اولو الفضل او کما قال۔ ثابت ہے جو روایت طبرانی نے بیان کی جیسا کہ سیوطی بدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ میں بیان کرتے ہیں۔ پس یہی فرق ہے سادات اور عام مسلمانوں کے درمیان شفاعت کے لحاظ سے۔ یہ مطلب نہیں کہ سادات کی مطلقاً نجات ہو جائے گی خواہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں اور ملا علی قاری آیت قرآنی

فلا انساب بینهم یومئذ — پس نہ قرابتیں ہوں گی ان میں اس دن۔

کی تفسیر کرتے ہوئے رسالہ تحقیق الاحتساب فی تدقیق الانتساب میں لکھتے ہیں:۔

لم یرد ان الانساب تنقطع بل المراد ان احدا له بمجرد النسب لا ینفع لان مدار الدین یوم الجزاء علی التقوی انتهی

اور بھی لکھتے ہیں:۔ ثم اعلم ان مجرد النسب بدون کسب الحسب وتعلم العلم والادب غیر معتبر فی المذهب انتهی

اور بھی لکھتے ہیں:۔ فالمدار علی العلم والتقوی لا علی مجرد النسب المعتبر فی الدنیا دون العقبی انتهی۔

اور یوم قیامت میں نسب نبوی کے باقی رہنے کے معنی یہی ہیں جو مفہوم ہے اس حدیث کا کل نسب وسبب منقطع یوم القیامة الا سببی ونسبی۔ بزار۔ بیہقی۔ طبرانی۔ ابو نعیم۔ حاکم سب نے اس کو روایت کیا۔

اور دوسری حدیث ان الانساب تنقطع یوم القیامة غیر نسبی وسببی وصهری احمد، طبرانی، حاکم وغیرہ نے روایت کی۔ چنانچہ اس کی تفسیر دوسری حدیث میں مذکور ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بال اقوام یزعمون ان قرابتی لا تنفع ان کل سبب ونسب منقطع یوم القیامة الا نسبی وسببی وان رحمی موصولة فی الدنیا والاخرة اخرجه البزار وغیرہ۔

ایسی ہی دوسری روایت ہے:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بال رجال یزعمون ان رحم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینفع قومه یوم القیامة بلی وان رحمی موصولة فی الدنیا والاخرة وانی ایها الناس فرط لکم علی الحوض۔ اخرجه احمد والبیهقی والحاکم وغیرهم۔

حاصل کلام یہ کہ قرابت نبوی کو مطلقاً غیر نافع کہنا اور سادات و عامۂ مؤمنین کو من کل الوجوہ مساوی سمجھنا تفریط ہے اور ایسا نافع سمجھنا کہ باوجود فسق و فجور کے یہ تعلق سبب نجات بن جائے گا افراط ہے وخیر الامور اوساطها اس تفصیل سے تیسرے اور چوتھے سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا۔ پس جبکہ محض تعلق اور قرابت نبوی جس کا نافع ہونا اخبار سے ثابت

وہ نجات کے لیے کافی نہیں بغیر تقویٰ کے، البتہ شفاعت محمدیہ کے از دیاد کا سبب ہوتا ہے تو صدیقی یا علوی وغیرہ ہونا کیسے سبب نجات بن سکتا ہے۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کسی سید کا غیر ایمان کی حالت میں مرنے کا امتناع عقلاً و شرعاً ثابت نہیں ہے نیز ہر سید کا عذاب جہنم سے مطلقاً نجات پاجانا اور جنت میں ابتداءً داخل ہوجانا بھی نصوص معتبرہ سے ثابت نہیں بلکہ قرآن واحادیث عام مفہوم کے اعتبار سے اس کے خلاف پر دال ہیں۔ باقی اسعاف الراغبین و جواہر العقدین میں ذکر کردہ احادیث جن کا مفہوم یہ ہے کہ اہل بیت اور سادات کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء نجات فرمائی اور اللہ نے وعدہ فرمایا کہ نار جہنم اولاد فاطمہ پر حرام ہے اور اہل بیت پر عذاب نہ ہوگا۔ وہ سب احادیث عام مخصوص البعض ہیں یعنی ان سے صرف صلحاء اور متقین مراد ہیں یا حضرت فاطمہ کی صرف اولاد صلبی۔ فقط

کتاب تنزیہ الشریعۃ عن الاخبار الموضوعۃ میں اس حدیث ان فاطمۃ احسنت فرجها فحرمها اللہ ذریتها علی النار کے بعد ابن عراق لکھتے ہیں مما یدل علی ان الحدیث لیس موضوعا جزما عند ابن الجوزی انہ قال ان ثبت الحدیث فھو محمول علی ذریتها الذین ھم اولادھا خاصۃ فان الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ وعلی ذلك حملہ محمد بن علی بن موسیٰ الرضا فقال ھو خاص للحسن والحسین واللہ اعلم وروی العقیلی عن ابی کریب انہ قال ھذا للحسن والحسین ولمن اطاع اللہ منھم انتھی۔ اور اسی قسم کی بہت سی احادیث صحاح ستہ وغیرہا میں موجود ہیں کہ جن میں خاص خاص عمل صالح کرنے والوں کے لیے وجبت لہ الجنۃ یا حرمت علیہ النار یا فقد دخل الجنۃ یا فقد نجا من العذاب کا حکم دیا گیا چنانچہ علم حدیث سے شغف رکھنے والے اور مطالعہ کرنے والے حضرات پر مخفی نہیں جن سے لازم آتا ہے کہ ان اعمال صالحہ کے کرنے والے خواہ سینکڑوں گناہ کبیرہ کریں کبھی جہنم میں داخل نہیں ہوں گے یا وہ لوگ سوء خاتمہ سے مامون ہوجائیں اور اپنے اعمال صالحہ کی برکت کی وجہ سے یہ سمجھیں کہ ہمارا خاتمہ بالخیر ہی ہوگا ہم کو کوئی خوف نہیں۔ اور باقتضاء حدیث ہماری مغفرت ونجات ضرور ہوگی۔ حاشا وکلا یہ مذہب کسی فقیہ یا محدث اور عالم کا نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

طریقہ عطاء نبوت

سوال (۱۵۴) اگر ایک نبی کسی شخص کو اپنا خرقہ عطا کرے۔ یا وہ نبی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں نے تم کو منصب نبوت عطا کیا۔ یا یہ کہے کہ میرے بعد میری نبوت کے حامل تم ہو۔ یا ایک شخص خواب میں کسی کو دیکھے جو اس سے کہہ رہا ہے کہ آج سے تم کو منصب نبوت عطا کیا گیا۔ اور یا کسی شخص کو عطاء منصب نبوت کا القاء کیا گیا ہو۔ تو کیا ان صورتوں میں وہ شخص آخر نبی ہوجائے گا۔ اور یہ طریقے منصب نبوت کے عطا کرنے کے کسی زمانہ میں رہے ہیں یا نہیں۔ اگر رہے ہیں تو فبہا ورنہ عطاء منصب نبوت کی تمام شرائط تحریر فرمائیں؟۔

جواب:۔ مرتبہ نبوت کے حصول کے یہ طریقے نہیں ہیں۔ اور نہ ان طریقوں سے کسی نبی کو نبوت ملی ہے۔ بس ایک ہی طریقہ ہے، کہ باری تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرشتہ حامل وحی آئے اور نبوت ورسالت کی خبر دے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

باآوازِ بلند ذکر کرنا

سوال (۱۵۵) بعض لوگ ہر وقت کھڑے اور بیٹھے انتہائی بلند آواز یا گانے کے انداز میں ذکر اللہ کرتے ہیں اور لفظ اللہ کے ہمزہ ولام کے درمیان مد کا اضافہ کرتے ہیں اور ہ کو مد کے ساتھ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں ہو، ہا، ہی۔ اور حلق سے نکال کر کہتے ہیں حی اور کبھی وجد میں ناچنے اور کودنے لگتے ہیں اور کبھی تالیاں بجاتے ہوئے زمین پر گر پڑتے ہیں اور ایسے اشعار پڑھتے ہیں جو نفس میں ہیجان اور نشاط وغیرہ پیدا کر دیتے ہیں۔ اور ایسے تمام امور کرتے ہیں جو اس زمانہ کے مریدین کیا کرتے ہیں پس ان افعال کا کرنا اور چھوڑنا کیسا ہے اور جواز کی صورت میں سنت ہے یا غیر سنت اور ایسے لوگوں پر انکار کرنا کیسا ہے اور ان امور کی کتاب وسنت میں کوئی اصل ہے یا نہیں؟

اور مشائخ طریق کو سب وشتم کرنا جائز ہے یا نہیں اور قطب الاقطاب غوث الثقلین سید عبدالقادر محی الدین الجیلانی قدس سرہٗ اور قطب الوقت شیخ ابو الحسن الشاذلی قدس سرہٗ میں کون افضل ہے دوسرے سے۔

جواب:۔ مندرجہ ذیل امور کے ارتکاب کرنے والوں پر انکار کرنا ضروری ہے۔

(۱) انتہائی بلند آواز سے ذکر کرنا ممنوع ہے جیسا کہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، احمد بن شیبہ نے روایت کیا موسیٰ اشعری سے۔ قال کنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی غزاۃ فجعلنا لانھبط وادیا ولا نصعد شرفا الا رفعنا اصواتنا بالتکبیر فدنا منا وقال ایھا الناس اربعوا علیٰ انفسکم فانکم لاتدعون اصماد لاغائبا انما تدعون سمیعًا بصیرا ان الذی تدعونہ اقرب الیکم من عنق راحلۃ احدکم اور اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ ایک حدیث ذکر جہری پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ہے اذکر اللہ حتی یقولوا انہ مجنون ۔ جواب یہ ہے کہ نفس جہر کو ہم بھی جائز کہتے ہیں۔ اختلاف جہر مفرط میں ہے اور حدیث کی مراد یہ ہے اکثروا فی ذکر اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون ۔ پس حدیث کی دلالت جہر پر ہے ہی نہیں اور آیات دلالت کرتی ہیں ذکر سری کے مستحب ہونے پر اور یا ایسا درمیانہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ جو جہر وسر کے درمیان ہو قولِ باری ہے

ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لایحب المعتدین۔

پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔ اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے۔

دوسری جگہ ارشادِ باری ہے:۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعًا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال ولاتکن من الغافلین۔

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر۔

امام رازی قولِ باری واذکر ربک فی نفسک کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

اذکر ربک فی نفسک، اذکر خفیۃ وسرا ومعنی قولہ ودون الجھر، دون الجھر المفرط والمراد منہ ان

یقم الذکر بحیث یکون بین المخافۃ والجہر انتہی۔

دوسری آیت ہے ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سبیلا

بیہقی شعب الایمان میں سعد بن مالک سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں خیر الذکر خفی وخیر الرزق ما یکفی

نہایہ شرح ہدایہ میں ہے المستحب عندنا فی اذکار الحنفیۃ الا فی ما تعلق باعلانہ مقصود کالاذان والتلبیۃ انتہی اور بہت سے حنفیہ نے اس کی صراحت کی، صاحب ہدایہ بھی فرماتے ہیں ان الجہر بالذکر بدعۃ والاصل فیہ الاخفاء والحاصل ان الجہر وان کان جائزاً لکن المفرط منہ منہی عنہ والسر افضل من الجہر لغیر المفرط ایضاً کیف والجہر المفرط یستلزم مفاسد منہا ایقاظ النیام ومنہا شغل قلوب المصلین وھو یفضی الی سہوھم ومنہا ترک الخشوع مما ینبغی الی غیر ذلک من المفاسد التی لا تحصی۔

اگر تفصیل دیکھنی ہو تو میرے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر مطالعہ کیجئے۔

(۲) ذکر کے وقت تالیاں بجانا جاہلیت کی عادات سے ہے اس لیے اسلام میں اس کو منع کیا گیا ہے۔ ابن القیم اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان میں فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس کانت قریش یطوفون بالبیت عراۃ ویصفرون ویصفقون وقال مجاھد وکانوا یعارضون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الطواف ویصفقون فالمصفقون والصفارون فیہم مشبہ من ھولاء فلہم قسط من اللوم بحسب مشبہم فانا لم یشرع اللہ التصفیق للرجال عند الحاجۃ فی الصلوٰۃ بل امروا بالعدول الی التسبیح فکیف اذا فعلوہ لا لحاجۃ وتربوا بہ انواعا اذا عاھل المعاصی انتہی۔ اور فقہ اکبر کے شارح نے تصریح کی بان الذکر عند التصفیق حرام یفضی الی السوء وذلک لان التصفیق امر من قبیل اللہو واللعب ولہذا یرتکبہ الصبیان والنسوان اکثر وللذکر لیس بمحل اللہو فما معنی اجتماع معہ وامر الثالث الرقص عند الذکر فانہ ایضاً حرام والربع الغناء والخامس التواجد والوقوع علی الارض فان کل ذلک ان کان باضطرار فھو خارج عن الکلام والا فہو ممنوع انتہی۔

خطیب بغدادی اور طبرانی حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الغناء والاستماع الی الغناء۔

ابن الدنیا اور ابن مردویہ ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع احد صوتہ بغناء الا بعث اللہ الیہ شیطانین یجلسانہ علی منکبیہ ویضربان باعقابہما علی صدرہ حتی تمسک۔

اور ابن ابی دنیا یزید بن ولید سے روایت کرتے ہیں قال ایاکم والغناء فانہ ینقص الحیا ویزید فی الشہوۃ وفی کتاب الردع علی اخوان المناھی والبدع تمسک البطالون من المبتدعۃ المتشیخین بما غنت الجاریتان فی بیت عائشۃ مع انہا صرحت انہما لم تکون مغنیتین کما روی البخاری قالت دخل ابو بکر وعندی جاریتان تغنیان بما تقاولت بہ الانصار یوم بعاث ولیستا بمغنیتین فقال مزامیر الشیطان فی بیت رسول اللہ وذلک یوم عید فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہما یا ابا بکر ان لکل قوم عیدا ولقد صرح

بذالک شارح السنة حیث قال استدل جماعة من الصوفیة بحدیث الباب علی اباحة الغناء وکفی فی رد ذلک تصریح عائشة بقولها ولیستا بمغنیتین فنفت عنهما من طریق المعنی ما اثبت لهما باللفظ لان الغناء یطلق علی رفع الصوت ولا یسمی فاعله الا مغنیا فاذا تقرر هذا بطل احتجاجهم انتہی۔

فان قالوا الاثبات تواجدهم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تواجد ورقص صحابہ کما ذکر المشائخ فی کتبهم قلنا ان القصة فی ذلک موضوعة مخترعة لا اصل لها صرح به المحدثون قال علی القاری فی تذکرة الموضوعات قال ابن تیمیة ما اشتهر ان ابا محذورة انشد لسعت حیة الهوی کبدی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانہ تواجد حتی وقعت البردة عن کتفیه فتقاسمها اصحاب الصفة کذب باتفاق اهل العلم وقال السیوطی اخرجه الدیلمی عن انس وقال تفرد به ابوبکر عمار بن اسحاق وقال رواه ابو طاهر المقدسی من حدیث وصاحب العوارف انہ علیہ السلام انشد بحضرته التبیان فتواجد وتواجد اصحابہ وقد سقط رداءہ من منکبه فلما فرغوا آوی کل احد الی مکانہ فقال علیہ الصلوٰة والسلام لیس بکریم من لم یهتز عند السماع ثم قسم الرداء علی من حضر والعمامة قطعه هذا حدیث موضوع واضعه عمار بن اسحاق فان باقی الاسناد ثقات هکذا قال الذهبی وغیرہ وهذا الحدیث مما یقطع بکذبه انتہی۔

حافظ برہان الدین حلبی کی کتاب کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث میں مذکور ہے عمار بن اسحاق کانہ وضع هذہ الخرافة انتی فیها لسعت حیة الهوی انتہی

اکثر فتاویٰ حنفیہ اور فتاویٰ شافعیہ والے مثلاً صاحب درر منیفہ اور صاحب درمختار اور صاحب بزازیہ تحریر کرتے ہیں ان الرقص والغناء الذی یفعله متصوفة اهل زماننا عند الذکر حرام یجب الزجر عنه وفی نصاب الاحتساب لا یجوز الرقص والسماع ذکرہ فی الذخیرة انہ کبیرة ومن اباحه من المشائخ فذلک المدین صارت حرکاته حرکات الارتعاش وانه لیس له ایضاً فی الشرح رخصة وذکر فی العوارض انہ لا یلیق بمنصب المشائخ الذین یقتدی بهم لانہ یشبه اللهو ولو قیل هل یجوز السماع لهم فالجواب انہ ان کان سماع قرآن وموعظة یجوز وان سماع غناء لا یجوز۔ انتہی۔

یہ بحث بہت طویل ہے۔ اگر مزید تفصیل مطلوب ہو تو ابن القیم کی کتاب اغاثة اللهفان میں دیکھ لیں۔ اور مشائخ طریق کو سب وشتم کرنا حرام ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات بیان فرمائیں کہ اس امت کے آخری لوگ اولین پر طعن کریں گے۔ ترمذی نے بیان کیا اور اصحاب سنن نے ایک روایت کی۔ ارشاد نبی ہے:-

اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویهم۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور ابن حجر مکی نے زواجر میں تصریح کی کہ کسی مردہ کی تحقیر کرنا اور اس کو سب وشتم کرنا ناجائز ہے خواہ وہ بوقت حیات فساق ہی کیوں نہ ہوں۔ جب کہ عوام الناس کے بارہ میں یہ حکم ہے تو مشائخ کے بارہ میں کیا اشکال ہو سکتا ہے۔

رہا قطب جیلانی اور ابو الحسن شاذلی میں فضیلت کا معاملہ تو ہمارے نزدیک ہر ایک کو فضیلت ہے۔ مگر یافعی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ قطب الاقطاب کی کرامات حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ اور یہ مرتبہ ان کے ماسوا کسی کو حاصل نہیں، لہٰذا اس اعتبار سے وہ افضل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحی

تصدیق:۔ تمام عبارات مذکورہ صحیحہ ہیں۔ محمد ابراہیم جامع الرموز میں تحریر فرماتے ہیں:۔ وحرم الغناء فهو من انواع اللعب وكبيرة فى جامع الاديان حتى يمنع المشركون عن ذلك كذا فى الاختيار وغيره وفى المضمرات من اباح يكون فاسقا۔

اور امام سرخسی کی سیر کبیر میں ہے:۔ انه صلى الله عليه وسلم كان يكره رفع الصوت عند قراءة القرآن والوعظ وما فعله الذين يدعون الوجد والمحبة مكروه لا اصل له فى الدين ويمنع الصوفية مما يعتادونه من رفع الصوت فان ذلك مكروه فى الدين عند قراءة القرآن والوعظ فما ظنك عند سماع الغناء وفى الجواهر ان الغناء والرقص الذى يفعله المتصوفة فى زماننا حرام لا يجوز الجلوس والقصد اليه وهو والغناء سواء ومشائخ من قبلهم فعلوا غير ما فعلوا۔ وفى العوارف سماع الغناء من الكبائر والذنوب وما اباحه الا نفر قليل من الفقهاء ومن اباحه لم يأمر باعلانه فى المجالس والبقاع الشريفة وقال صلى الله عليه وسلم وكان ابليس اول من تغنى وما نقل عنه انه سمع الشعر لا يدل على اباحة الغناء وكان النصيرابادى كثير الولوع بالسماع فعوتب فى ذلك فقال هو خير من ان تعقد وتغتاب الناس فقال ابو عمرو وغيره من اخوانه هيهات يا ابا القاسم زلة السماع شر من كذا وقال السرى شرط التواجد فى زعمه ان يبلغ الى حد لو ضرب وجهه بالسيف لا يشعر به بموجع وما روى عنه صلى الله عليه وسلم من حديث التواجد فقد تكلم اصحاب الحديث فى صحته ويخالج سرى انه غير صحيح وفى الحقائق ان مجرد الغناء والاستماع اليه معصية انتهى

اور مشکوٰۃ المصابیح میں ہے عبد اللہ بن مسعود مرفوعاً سباب المسلم فسوق متفق عليه انتهى۔

بحر الرائق میں ہے ان العدالة تسقط بسب المسلم وان لم يكن من السلف كما فى النهاية انتهى۔

کتاب نشر المحاسن الغالیۃ میں ہے کہ شیخ عبدالقادر کے مناقب میں مشائخ اکابرین سے طرق کثیرہ کے ساتھ یہ روایت مشہور ہے روى فى كتاب مناقب الشيخ عبد القادر من طرق كثيرة بروايات شهيرة عن جماعة من المشائخ الاكابر والعلماء الافاضل انه قال فى مجلسه وهو على الكرسى يتكلم الناس قدمى هذه على رقبة كل ولى لله وكان فى مجلسه عامة مشائخ العراق وروى انهم كانوا نحو خمسين وروى نيفا وخمسين ولم يبق احد من الاولياء فى ذلك الوقت من جميع آفاق الارض الا رجله على رقبته الا رجل باصبهان فانه لم يفعل فسلب حاله انتهى واللہ اعلم

ابو الاحیاء محمد نعیم

کتابُ الطّہارۃ

حوض دہ دردہ کی پیمائش

سوال (۱۵۶) حوض کے دہ دردہ ہونے میں ذرع کرباس معتبر ہے یا ذرع مساحت؟

جواب: مفتیٰ بہ قول کے مطابق ذراع کرباس معتبر ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ذراع مساحت کا بھی اعتبار کیا۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے وعامۃ المشائخ قالوا ان کان عشرا فی عشر فہو کبیر یعتبر فیہ ذراع المساحۃ لا ذراع الکرباس ہو الصحیح لان ذراع المساحۃ بالممسوحات الیق وفی العالمگیریۃ والمعتبر ذراع الکرباس کذا فی الظہیریۃ وعلیہ الفتوی کذا فی الہدایۃ۔ انتہی

اور ہدایہ میں ہے قدروا بالمساحۃ عشرا فی عشر بذراع الکرباس توسعۃ للامر علی الناس وعلیہ الفتوی

درمختار میں ہے بذراع الکرباس انتہی۔ واللہ اعلم ابوالحسنات محمد عبدالحی

ذراع کی مقدار

سوال (۱۵۷) ذراع کرباس اور ذراع مساحت میں کیا فرق ہے؟

جواب: ذراع مساحت کی مقدار سات قبضہ اور ایک انگشت ہوتی ہے اور بعض کے یہاں سات قبضہ اور سات انگشت ہے اور قبضہ کی صورت یہ ہوا کرتی ہے کہ ہاتھ کی چاروں انگلیوں کو بند کرلیا جائے تو اس مقدار کو قبضہ کہتے ہیں۔ برجندی شرح نقایہ میں لکھتے ہیں:۔ ثم ذراع المساحۃ سبع قبضات مع اصبع قائمۃ فی القبضۃ السابعۃ وقیل سبع قبضات مع کل منہا اصبع قائمۃ انتہی

دوسری جگہ میں لکھتے ہیں:۔ والمراد بالقبضۃ اربع اصابع مضمومۃ صرح بذلک فی شرح الہدایۃ انتہی

اور عالمگیریہ میں ذراع کرباس کے بارہ میں مذکور ہے:۔ وہو ذراع العامۃ ست قبضات اربع وعشرون اصبعا

یعنی ذراع کرباس چھ قبضہ یا چوبیس انگشت ہوتا ہے واللہ اعلم

گول حوض کی پیمائش

سوال (۱۵۸) اگر حوض گول ہو تو اس کی پیمائش کا کیا طریقہ ہوگا کہ دہ دردہ کے برابر ہو جائے؟

جواب:۔ مدور حوض کے بارہ میں تین قول ہیں:۔

(۱) اس کا دائرہ ۴۸ ذراع کا ہو۔ (۲) ۴۴ ذراع۔ (۳) ۳۶ ذراع۔ رسائل ارکان میں ہے اما فی المدور فیعتبر ثمانیۃ واربعون مساحۃ دورہ وقیل اربع واربعون وقیل ست وثلثون قال الشیخ عبدالحق الاول احفظ والاخر اوفق بقواعد الحساب انتہی۔

ابوالمکارم شرح نقایہ میں فرماتے ہیں:۔ وان کان مدورا ففی الملتقط انہ ینبغی ان یکون حولہ ستا وثلثین

ذراعاً فی ۲ الخزانۃ ھو الصحیح وعلیہ فتوی الدینار وفی الخلاصۃ ثمانی واربعین ذراعاً وفی الکبری قدرہ بعض باربع واربعین فعلی الاول یکون قطرہ احد عشر ذراعاً ونصفھا تقریباً وعلی الثانی خمس عشر ذراعاً وربعھا تقریبا والاول اشد حینئذ تحصل مساحۃ عشر فی عشر مع زیادۃ وعلی الثانی تفاحش الزیادۃ وذلک لما عرف من ان حول المدور ثلثۃ امثال مع قطرہ مع سبعہ وانہ اذا ضرب نصف القطر فی نصف حولہ فالمبلغ الحاصل مقدار مساحۃ المدور وفیہ برانتہیٰ حساب کے مطابق اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس کا دائرہ چھتیس ذراع کا ہو۔

حوض دہ در دہ میں نجاست کا گرنا

سوال (۱۵۹) اگر دہ در دہ حوض میں پانی کم ہو جانے کے بعد نجاست گر گئی اور پھر اس میں پانی بھر گیا تو کیا اس سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور بعض نے ناجائز قرار دیا۔ شرح الصغیر للمنیۃ میں ہے:۔ حوض کبیر فیہ نجاسات فامتلأت قبل ھو انجس لت نجس الماء شیئاً فشیئاً وقیل لیس بنجس لکونہ کبیرا وبہ ای بعدم التنجس اخذ مشائخ بخارا ذکرہ فی الذخیرۃ۔ انتہیٰ۔

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ حوض عشر فی عشر قل ماؤہ فوقعت فیہ نجاسۃ ثم دخل الماء حتی امتلاء الحوض ولم یخرج منہ شئی لایجوز التوضی منہ لانہ کلما دخل الماء یتنجس کذا فی کنز العباد انتہیٰ

حوض کے پانی کا بدبودار ہونا

سوال (۱۶۰) اگر دہ در دہ حوض کا پانی بدبودار ہو گیا مگر نجاست کا علم نہیں تو کیا اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ اس سے وضو کرنا درست ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ یجوز التوضی فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم یعلم نجاستہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

غسل جنابت کے وقت قطرات کا کنویں میں گرنا

سوال (۱۶۱) اگر کوئی جنبی کنویں سے پانی نکال کر اسی جگہ غسل کرتا ہے اور اس کے چند قطرے کنویں میں گر جاتے ہیں تو کیا وہ کنواں پاک رہے گا یا نہیں؟

جواب:۔ کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔ شرح المنیۃ میں ذخیرہ کے حوالے سے مذکور ہے:۔ جنب نزح من البیر ولو انصب راسہ ثم استسقی دلواً اخر فتقاطر من جسدہ فی البیر لا یتنجس ای علی تقدیر نجاسۃ الماء المستعمل ایضاً للضرورۃ لان التحرز عن مثلہ متعذر او متعسر انتہیٰ۔

کنویں کا تمام پانی نکالنا

سوال (۱۶۲) کنویں کے تمام پانی نکالنے کا کیا مطلب ہے

جواب:۔ کنویں کا اتنا پانی نکالا جائے کہ اب ڈول نصف سے زائد بھر کر نہ آئے۔ اس وقت میں پاک کہا جائیگا

اور تمام پانی نکالنے کا یہی مطلب ہے۔ قنیۃ میں ہے و نزح البیران ینزح حتی لا یمتلئ من دلوھا الا نصفہ فتطہر انتہی۔

باب الغسل

بدن پر تیل ملنے کے بعد غسل جنابت کا حکم

سوال (۱۶۳) حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ بال بال میں جنابت کا اثر پہنچتا ہے۔ اس ارشاد کے مطابق ایک جنبی انسان کے لیے غسل کے وقت تمام بالوں کا دھونا اور جڑوں میں پانی کا پہنچانا ضروری ہے لیکن اگر بدن پر تیل ملا ہوا ہو تو کیا بیسن وغیرہ سے اولاً اس کا ازالہ ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ تحت کل شعرۃ جنابۃ یہ حضرت علیؓ کا قول نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا

تحت کل شعرۃ جنابۃ فاغسلوا الشعر وانقوا البشرۃ۔ البتہ حضرت علیؓ نے اس حدیث کو سن کر حلق راس کو عادت بنا لیا، اسی کو بیان کرتے ہیں فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی فمن ثم عادیت راسی ابوداؤد۔

مرد کے لیے ضروری ہے کہ تمام بالوں پر پانی بہائے اور جڑوں تک پہنچائے، خواہ کسی حصہ بدن کے بال ہوں ورنہ غسل جنابت ادا نہ ہوگا۔

رسائل الارکان میں ہے:۔ ویفترض علی الرجل نقض الضفیرۃ ان کان لہ ضفیرۃ وایصال الماء الی البشرۃ تحت الشعر ایضا بحیث لا یبقی شعر لم یمر علیہ الماء وھذا عام فی کل شعر شعر الراس کان او شعر اللحیۃ او غیرھما ولا یجزی غسلہ بدون ذلک انتہی۔

البتہ اگر بدن یا بالوں پر تیل لگا ہوا ہو تو اس کا ازالہ ضروری نہیں اگر یہی تیل لگے ہوئے پر پانی بہالے تو کافی ہوگا

درمختار میں ہے لا یمنع الطہارۃ دھن و وسوسۃ انتہی ملخصاً۔

شرح وقایہ میں ہے المعتبر فی ھذا الحرج فاذا دھن فامر الماء فلم یصل یجزی انتہی

اور اشباہ میں ہے المشقۃ تجلب التیسیر انتہی

ابوالمکارم فرماتے ہیں فسر المشقۃ تجلب بالاحتیاج الی شئ آخر کالصابون انتہی

دانتوں پر مسی لگانا

سوال (۱۶۴) عام طور سے عورتیں دانتوں پر مسی لگاتی ہیں یہ جائز ہے یا نہیں اور جواز کی صورت میں وضو یا غسل کے وقت دانتوں میں خلال کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔

جواب:۔ مسی لگانا جائز ہے اور بوقت وضو خلال کرنا بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ وضو میں کلی فرض نہیں ہے

اور بوقت غسل کچھ تفصیل ہے۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے ولو بقی العجین فی الظفر فاغتسل لایکفی فی الدرن والطین یکفی لان الماء ینفذ وکذا الصبغ والحناء انتہی اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پانی کو بدن تک پہنچنے سے مانع ہو تو اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ ضروری نہیں، خزانۃ الروایۃ میں یہی مذکور ہے

اور ذخیرہ میں ہے قال الفقیہ ابو اللیث قد قیل فی القروی یکون فی ظفرہ شئ انہ لایجوز وضوءہ وغسلہ وفی المدنی لایجوز لان القروی یکون فی الحفارۃ الطین ولایمنع وصول الماء فاما المدنی یکون فی الحفارۃ وسومۃ وانہا مانعۃ وصول الماء انتہی۔

اور تنویر الابصار۔ درمختار۔ ردالمحتار میں ہے:۔ ولا یمنع الطہارۃ و فیما ای خرء ذباب و برغوث لم یصل الماء تحتہ لان الاحتراز عنہ غیر ممکن حلیۃ وحناء ولو جرمہ بہ یفتی صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطین والدرن معللا بالضرورۃ قال فی شرحہا ولان الماء ینفذ لتخللہ و عدم لزوجتہ وصلابتہ والمعتبر فی جمیع ذلک نفوذ الماء ووصول الماء ودرن و وسخ عطف تفسیر وکذا دھن ودسومۃ وتراب وطین ولو فی ظفر مطلقا ای قرویا او مدنیا علی الاصح بخلاف نحو عجین ای کعلک وشمع وقشر سمک وخبز ممضوغ متلبد جوھرہ لکن فی النہر ولو فی الحفارۃ طین او عجین فالفتوی علی انہ مغتفر قرویا کان او مدنیا انتہی نعم ذکر الخلاف فی شرح المنیۃ فی العجین واستظہر المنع لان فیہ لزوجۃ وصلابۃ تمنع وصول الماء ولایمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانہ او فی سنہ المجوف بہ یفتی۔

وقیل ان کان صلبا منع وھو الاصح صرح بہ فی شرح المنیۃ وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورۃ والحرج انتہی۔ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے ولابد من زوال ما یمنع دخول الماء للجسد کشمع وعجین انتہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسی اس قدر لگائی کہ دانتوں کے درمیان جم کر رہ گئی اور پانی کا اثر جسم تک نہیں پہنچ سکتا تو اس مسی کو اتارے بغیر غسل صحیح نہ ہوگا۔

احتلام کو بھول جانا۔

سوال (۱۶۵) اگر کسی شخص کو احتلام ہوا مگر وہ بھول گیا اور چند دن بعد یاد آیا تو ان ایام کی ادا کردہ نمازوں کی قضا لازم ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اس کو یقین ہو جائے کہ فلاں روز احتلام ہوا تھا تو اس روز سے قضا لازمی ہے اور اگر دن کا تعین نہ کر سکے تو یاد آنے سے پہلے جس وقت سو کر اٹھا تھا اس وقت سے قضا لازمی ہوگی اور اسی نیند میں احتلام کا حکم دیا جائے گا۔

بوقت غسل عورت کے لیے بالوں کا کھولنا۔

سوال (۱۶۶) اگر عورت کے بال بندھے ہوئے ہیں تو غسل کے وقت کیا کرے؟

جواب:۔ اگر بغیر کھولے ہوئے بالوں کی جڑیں بھیگ جائیں تو بس یہی کافی ہے۔

کھڑے ہو کر غسل کرنا

سوال (۱۶۷) مرد و عورت کے لیئے کھڑے ہو کر غسل کرنا سنت ہے یا بیٹھ کر؟

جواب: معتبر کتابوں میں غسل کی دوسری سنتوں کے ساتھ اس طریقہ کو کسی نے ذکر نہیں کیا کہ ان میں سے کون سا طریقہ سنت ہے اور نہ کسی ایک کے بارے میں ممانعت ہے۔ لہٰذا دونوں طریقے جائز ہیں۔

برہنہ ہو کر غسل کرنا

سوال (۱۶۸) تنہائی میں برہنہ ہو کر غسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے شرح المنیۃ میں ہے:۔ کشف العورۃ لایجوز عند احد فی الصحیح وفی خلوۃ قیل یاثم وقیل لاباس بہ وقیل یجوزان یتجرد الغسل ویجرد زوجتہ للجماع انتہیٰ۔

باب الاستنجاء

پیشاب کے بعد صرف پانی سے استنجاء کرنا

سوال (۱۶۹) پیشاب کرنے کے بعد اگر کسی نے ڈھیلہ استعمال کیئے بغیر صرف پانی سے استنجاء کرلیا تو کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی؟

جواب: پیشاب کے بعد ڈھیلہ سے استنجاء کرنا نہ فرض ہے اور نہ واجب بلکہ سنت ہے۔ رسائل الارکان میں ہے:۔ ولیس ان یستنجی البول والغائط بالحجر انتہیٰ۔ البتہ ڈھیلہ کے استعمال کے بعد پانی سے استنجاء کرنا افضل و اولیٰ ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو محض پانی سے استنجاء کر لینے کے بعد اطمینان قلب حاصل ہو جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی فان الماء قالع للنجاسۃ جیساکہ بحرالرائق میں مذکور ہے۔ لہٰذا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

قضاء حاجت کے بعد صرف پانی سے استنجاء کرنا

سوال (۱۷۰) اگر کسی نے پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد ڈھیلوں سے استنجا کیئے بغیر صرف پانی پر اکتفا کیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ اس کی نماز صحیح ہے کفایہ میں ہے:۔ ثم الاستنجاء بالاحجار سنۃ مؤکدۃ عندنا حتی لو ترکہ وصلی بغیر استنجاء اجزاتہ صلاتہ وقال الشافعی بانہا فریضۃ لو ترک بالاحجار وبما یقوم لم تجز صلاتہ والمسألۃ فرع لمسألۃ اخری وھوان النجاسۃ اذا کانت علی قدر الدرھم او اقل ھل تفرض ازالتہا لجواز الصلوۃ اولا فعندنا لا تفرض وعندہ تفرض کما لو کانت ھذہ النجاسۃ علی موضع آخر الا ان فی ھذا الموضع یطھر بالحجر والمدر وفی سائر المواضع لا یطھر الا بالماء انتہیٰ۔

اور در مختار میں ہے:۔ ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل ویلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیہ

الاقتصار علی الحجر وتحصل السنۃ بالکل وان تفاوت الفضل کما افادہ فی الامداد وغیرہ۔ انتہیٰ۔

ڈھیلا استعمال نہ کرنا

سوال (۱۷۱) بول وبراز کے وقت ڈھیلا کو چھوڑ کر صرف پانی پر اکتفا روافض کا خاصہ ہے۔ اگر مسلمان ایسا کرے تو ان کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے تو مسلمان کو کیا کرنا چاہیئے۔

جواب: کسی فعل مذموم میں مخالف دین کے ساتھ مشابہت کا پایا جانا یا بالقصد مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو تو حرج نہیں۔ طحطاوی فرماتے ہیں: قال فی البحر اعلم ان التشبہ باھل الکتاب لا یکرہ فی کل شئی فانا ناکل ونشرب کما یفعلون فالحرام التشبہ فیما کان مذموما وفیما یقصد بہ التشبہ۔

قضاء حاجت کے بعد ڈھیلہ اور پانی سے استنجاء کرنا۔

سوال (۱۷۲) قضاء حاجت کے بعد ڈھیلہ سے استنجاء کرنے کے بعد پانی استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: فراغت کے بعد ڈھیلہ یا ایسی چیز سے استنجاء کرنا جو نجاست کو جذب کرے سنت مؤکدہ ہے۔ نقایہ میں ہے: الاستنجاء من کل حدث غیر النوم والریح بنحو حجر حتی ینقیہ سنۃ انتہی اور اس کے بعد پانی کا استعمال کرنا بعض کے نزدیک تو سنت ہے لیکن قول اصح یہ ہے کہ مستحب ہے اور اہل مسجد قبا کی یہی عادت تھی جو باری تعالیٰ کو پسند آئی اور اس نے تعریف فرمائی فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَہَّرُوْا[ع] اور ان حضرات کے بارہ میں پیشاب کے بعد استنجاء کی کیفیت کا صحیح علم نہ ہو سکا جیسا کہ روایت سے واضح ہو جائے گا۔ تفسیر احمدی میں ہے:۔

لما انزل اللہ ھذہ الآیۃ وبالغ فی وصفھم بالطھارۃ بصیغۃ المبالغۃ مشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ المھاجرون حتی وقفوا علی باب مسجد قباء فاذا الانصار جلوس فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امؤمنون انتم فسکت القوم ثم اعادھا ثانیا فقال عمرؓ انھم لمؤمنون وانا معھم فقال علیہ السلام اترضون بالقضاء فقالوا نعم فقال علیہ السلام اتصبرون علی البلاء قالوا نعم قال علیہ السلام یشکرون علی الرضاء قالوا نعم قال علیہ السلام انتم مؤمنون ورب الکعبۃ فجلس ثم قال یا معشر الانصار ان اللہ تعالیٰ قد اثنی علیکم فما الذی تصنعون عند الوضوء وعند الغائط فقالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نتبع الغائط الاحجار الثلث ثم نتبع الاحجار فتلا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ رجال یحبون ان یتطھروا ھکذا ذکر المفسرون انتہیٰ۔

اور تفسیر قاضی بیضاوی میں ہے:۔ وروی ابن ماجۃ والدارمی عن ابی ھریرۃ رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا لکم مثل الوالد اعلمکم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا وامر بثلثۃ احجار انتہیٰ۔

ابوداؤد ونسائی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:۔ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذھب احدکم الی الغائط فلیذھب معہ بثلثۃ احجار انتہیٰ۔

[ع] یعنی اس مسجد قبا میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو۔

ہدایہ میں ہے والاستنجاء سنۃ لان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام واظب علیہ ویجوز فیہ الحجر وما قام مقامہ وغسلہ بالماء افضل لقولہ تعالیٰ فیہ رجالٌ یحبون ان یتطہروا نزلت فی اقوام یتبعون الحجارۃ الماء ثم ھو ادب وقیل ھو سنۃ فی زماننا۔

اور کفایہ میں ہے والاستنجاء بالماء ادب لان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یستنجی بالماء مرۃ و بترکہ اخریٰ وھذا ھو الادب انتہیٰ۔

اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے والاستنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجر ادب عندنا انتہیٰ۔

پیشاب کے بعد ڈھیلہ اور پانی ہر دو کا استعمال کرنا

سوال (۱۷۳) پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلہ سے استنجاء کر کے پانی سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً ثابت نہیں ہوتا کہ پیشاب کرنے کے بعد حجر یا اس کے مانند کسی اور چیز سے استنجاء فرماتے ہوں، بلکہ ابوداؤد اور نسائی ایک روایت حکم بن سفیان سے نقل کرتے ہیں قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا بال توضا ونضح فرجہ یعنی پیشاب کرنے کے بعد وضو کر لیتے اور فراغت کے بعد ازار مبارک کے اوپر سے فرج کو دھوتے تاکہ استنجاء کے پانی سے بھی طہارت حاصل ہو جائے یا ازار کے اس حصہ کو دھوتے جو فرج سے متصل رہتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کے بعد پانی سے استنجاء کرتے اور وضو فرما لیتے (کذا قال الشیخ الدھلوی) اگرچہ احادیث میں جابجا استنجاء بالحجر کا ذکر مطلقاً آتا ہے اور قید نہ ہونے کی وجہ سے بول و براز دونوں کے بعد کا استنجاء مراد ہو سکتا ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ قضاء حاجت کے بعد کا استنجاء مراد ہے کیونکہ پیشاب کرنے کے بعد جو طہارت ہوتی ہے اس کو استنجاء نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو تو استبراء کہتے ہیں۔ جیسا کہ شہاب الملۃ والدین کی بعض تصنیفات سے مترشح ہوتا ہے اور اس کو صاحب تفسیر احمدی نے نقل بھی کیا۔ اور اکثر فقہاء حدث کی وجہ سے استنجاء بالحجر کو سنت مؤکدہ قرار دیتے ہوئے قضاء حاجت کے بعد استنجاء کی باعتبار موسم گرما و سرما تفصیل بیان کرتے ہیں۔ المرأۃ تدبر بالحجر الاول و تقبل بالثانی و تدبر بالثالث فی کل حال وھکذا یفعل الرجل ان کان الزمان صیفا و بعکس ان کان شتاءً انتہیٰ۔

اس تحریر سے بھی تائید ہوتی ہے کہ استنجاء سے مراد صرف قضائے حاجت کے بعد طلب طہارت ہے۔ اگرچہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ براز کے بعد کا استنجاء محتاج بیان تھا اس لیے اس کی تفصیل بیان کر دی اور استنجاء بعد البول محتاجِ بیان نہ تھا۔ اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔ تفسیر احمدی میں ہے

وما ذکرہ اھل الاصول یدل علیٰ انہ یعم التطہر الذی بعد البول والتطہیر الذی بعد الغائط والحق ان مراد الفقہاء ایضا اعم کما یدل علیہ قولہم والاستنجاء من کل حدث ای خارج من السبیلین سنۃ غایۃ ما فی الباب ان الاستنجاء بعد الغائط لما احتاج الیٰ زیادۃ تفصیل عقبوہ بقولہم یدبر بالحجر الاول ویقبل بالثانی من غیر اظہار ان ھذا طریق الاستنجاء المخصوص انتہیٰ۔

لیکن بیہقی نے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیشاب کے بعد استنجاء بالحجر وغیرہ کیا کرتے تھے۔
مولانا عبدالعلی رح رسائل الارکان میں فرماتے ہیں:۔ ویسن ان یستنجی للبول والغائط بالحجر اذا لم یخف تجاوز النجاسۃ عن قدر الدرھم ولم یستنج واذ خاف ذلک یفترض الاستنجاء بعد الحجر بالماء وقد روی البیھقی عن مولی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان عمر اذا بال قال ناولنی شیئًا استنجی بہ فاناولہ العود او الحجر او یأتی حائطًا یمسح بہ او یمسہ الارض قال البیھقی ھذا اصح ما فی الباب کذا نقل الشیخ عبد الحق ویفھم منہ جواز الاستنجاء بالعود ولعلہ یکون بعض الاعواد بحیث یکون جذابا انتھی ملخصہ
اور طبرانی نے اوسط میں۔ ابونعیم نے حلیہ میں اسی قسم کی روایات بیان کی ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب فتح المنان فی تائید مذہب النعمان میں بھی یہی مذکور ہے۔

موضع نجاست کو دھونا

سوال (۱۷۴) پیشاب اور پاخانہ کے بعد موضع نجاست کو دھونے کے لیئے کوئی تعداد مسنون ہے یا نہیں
جواب:۔ کوئی عدد مسنون نہیں ہے۔ استنجا کرنے والے کو پورا اختیار ہے۔ اس قدر دھونا ضروری ہے کہ زوال نجاست کا اطمینان ہوجائے بشرطیکہ وہمی نہ ہو۔ کیونکہ وہمی کے لیئے تین بار دھونا ضروری ہے۔ علامہ حلبی شرح منیۃ میں فرماتے ہیں
ولیس فیہ ای فی الغسل عدد من الثلث او السبع او غیر ذلک ومنھم من شرط الثلث ومنھم من شرط السبع ومنھم من شرط العشر ومنھم من عین فی الاحلیل الثلث وفی المقعد الخمس والصحیح انہ مفوض الی رایہ فیغسلہ حتی یقع فی قلبہ انہ قد طھر الا ان یکون موسوسا فیقدر فی حقہ بالثلث کما فی کل نجاسۃ غیر مرئیۃ وقیل بسبع انتھی

صرف ڈھیلہ پر اکتفا کرنا

سوال (۱۷۵) پیشاب اور پاخانہ کے بعد صرف ڈھیلہ پر اکتفا کرتے ہوئے پانی کا استعمال نہ کرنا کیسا ہے؟
جواب:۔ صرف ڈھیلہ پر اکتفا کرنا کافی ہے البتہ خلافِ ادب ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:۔
اکثر اھل العلم من اصحاب النبی وبعدھم رأوا ان الاستنجاء بالحجارۃ یجزی وان لم یستنج بالماء اذا انقی اثر الغائط والبول انتھی۔
اور بحر الرائق میں ہے:۔ وھو ای عدم کفایۃ کلوخ وغیرہ القیاس فی محل الاستنجاء الا انہ ترک فیہ لورود النص علی خلاف القیاس فلا یتعداہ انتھی
ایک دوسری جگہ ہے:۔ اذا اقتصر علی الحجر کان مقیما للسنۃ واذا اقتصر علی الماء کان مقیما لھا ایضا وھو افضل من الاول واذا جمع بینھما کان افضل من الکل انتھی

قطرات پیشاب کا خشک کرنا

سوال (۱۷۶) استبراء یعنی قطرات پیشاب کے انقطاع کو معلوم کرنے کے لیئے چند قدم چلنا، باآواز بلند کھانسنا یا اپنے عضو کو پکڑنا اور تین مرتبہ جذب کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اولیٰ اور مستحب ہے بلکہ بعض فقہا نے واجب کہدیا۔ لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ اکثر لوگ انقطاع قطرات سے اطمینانِ قلب حاصل ہو جانے کے بعد استنجا کر لیتے ہیں۔ البتہ وہمی آدمی کو اعتماد نہیں ہوتا۔ شرح منیہ میں ہے:۔ وینبغی ان یستنجی بعد ما خطا خطوات وھو الذی یسمی استبراء انتہیٰ۔

اور شرح غرر میں ہے:۔ یجب الاستبراء بالمشی او التنحنح او النوم او الاضطجاع علی شقہ الایسر حتی یستقر قلبہ علی انقطاع العود کذا فی الظہیریۃ وقیل یکتفی بمسح الذکر واجتذابہ ثلث مرات والصحیح ان طباع الناس وعاداتھم مختلفۃ فمن فی قلبہ انہ صار طاھرا جاز لہ ان یستنجی لان کل احد اعلم بحالہ کذا فی التاتارخانیۃ انتہیٰ۔

پانی اور ڈھیلہ ہر دو کو ترک کر دینا

سوال (۱۷۷) اگر کسی شخص نے نہ ڈھیلہ اور نہ پانی سے استنجا کیا اور اس کی مقعد اور سوراخ ذکر پر اتنی نجاست بھی نہیں لگی ہوئی ہے جو نماز سے مانع ہو تو کیا ایسے شخص کے لیے بغیر استنجا کیے ہوئے وضو کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے؟۔

جواب:۔ اس کی نماز تو صحیح ہو جائے گی۔ مگر سنتِ مؤکدہ کے بلا عذر چھوڑنے کی وجہ سے مستحق ملامت ہوگا بحرالرائق میں ہے:۔ ولو ترکہ صحت صلوتہ قال فی الخلاصۃ بناء علی ان النجاسۃ القلیلۃ عفو عندنا وعلماؤنا فصلوا بین النجاسۃ التی علی موضع الحدث والتی علی غیر موضع الحدث اذ ترکھا یکرہ وفی موضعہ اذا ترکھا لا یکرہ انتہیٰ

اطرافِ مقعد کی نجاست کا ازالہ کرنا

سوال (۱۷۸) اگر بول و براز کے بعد کچھ نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو کیا پانی سے دھونا ضروری ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر متجاوز نجاست کی مقدار مقدار قدرِ درہم سے زائد ہے تو ازالہ ڈھیلہ سے کافی نہ ہوگا بلکہ پانی سے دھونا فرض ہے اور اس کے بغیر نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مقدار مانع صلوٰۃ ہے اور اگر اس کی مقدار درہم سے کم ہو تو پانی سے دھونا سنت ہے لیکن پانی سے دھوئے بغیر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور وقت باقی رہنے کی صورت میں اس کا اعادہ لازمی ہے۔ رسائل الارکان میں ہے:۔ الحاصل ان لم یجاوز المخرج فالماء بعد الحجر سنۃ مندوبۃ وان جاوز وکان اقل من قدر الدرھم فالماء بعد الحجر سنۃ واجبۃ لکن لو لم ینبع الماء یجوز الصلوٰۃ معہ ویعاد ان بقی الوقت کما ھو الحکم فی النجاسۃ القلیلۃ من المقدار الدرھم وان جاوز البول والغائط اکثر من قدر الدرھم فلا یجزی الاحجار بل لابد من الغسل فلا یجوز الصلوٰۃ بدونہ انتہیٰ۔

اور دوسری جگہ ہے:۔ واذا جاوز البول والبراز المخرج ولم یجاوز الدراھم لیسن استعمال الماء بعد الحجر ثم الظاھر عندنا ھذا ان تعد وان مرادھم بالسنۃ الطریقۃ المسلوکۃ الواجبۃ لما قد عرفت ان النجاسۃ ان کانت اقل من قدر الدرھم یکرہ الصلوٰۃ معھا ویجب الاعادۃ فی الوقت وھذا یوذون بان الکراھۃ کراھۃ التحریم فان النجاسۃ القلیلۃ یجب ازالتھا انتہیٰ۔

اور بحرالرائق میں ہے :- ویجب غسل المحل بالماء ان تعدت النجاسۃ المخرج لان للبدن حرارۃ جاذبۃ لاجزاء النجاسۃ فلا یزیلها المسح بالحجر وهو القیاس فی محل الاستنجاء الا انہ ترک فیہ لورود النص علی خلاف القیاس فلا یتعداہ واراد بالمجاوز ان یکون اکثر من قدر الدرهم وح فالمراد بالوجوب الفرض انتہی۔

استنجا کے بعد انگلیوں میں بدبو کا رہنا

سوال (۱۷۹) اگر استنجا کرنے کے بعد انگلیوں میں بدبو باقی ہو تو کیا اس کا بدن پاک ہوگا یا ناپاک؟

جواب:- عین نجاست کے زائل ہو جانے سے بدن پاک ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا رنگ یا بدبو باقی رہ گئی تو پانی سے دھو لینا چاہیے۔ اور اسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنجا کے بعد دست مبارک کو دھوتے اور دیوار پر ملتے تا کہ اثر باقی نہ رہے اور اگر اس کا ازالہ دشوار ہو تو اس کے باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ شرح نقایہ میں ابوالمکارم فرماتے ہیں:- یطهر الشیٔ بدنا کان او ثوبا او مکانا او غیرها عن نجس بالفتح مرئی وهو ماله جرم وغیرہ بزوال عینہ وان بقی اثر یشق زوالہ یدل علی ان الاثر ان لم یشق زوالہ یزال انتہی

دوسری جگہ فرماتے ہیں:- وفسر الاخر باللون والریح والمشقۃ بالاحتیاج الی شیٔ اخر کالصابون انتہی

پیشاب کے قطرات کا گرنا

سوال (۱۸۰) اگر پیشاب کے باریک باریک قطرے بدن پر یا کپڑے پر گر جائیں تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب:- باریک قطرے معاف ہیں۔ بخاری کی شروح میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ شدت احتیاط کی وجہ سے شیشی کے اندر پیشاب کیا کرتے تھے تا کہ اس کی چھینٹوں سے محفوظ رہیں یہ دیکھ کر حضرت حذیفہ نے ابوموسیٰ پر انکار فرمایا، اور کہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں چھینٹوں کے آنے کا امکان ہے۔

استنجاء کے ضروری متعلقات

سوال (۱۸۱) استنجا کی سنیت پتھر اور ڈھیلہ کے ساتھ مخصوص ہے یا پانی کے استعمال سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ نیز استنجا میں عدد اور استبراء کا کیا حکم ہے؟

جواب:- پتھر یا ڈھیلہ اور ہر ایسی چیز سے استنجا کرنا جو جاذب ہو اور تنقیہ کرے سنت مؤکدہ ہے۔

کنز میں ہے:- وسن الاستنجاء بنحو حجر منق انتہی

نقایہ میں ہے:- الاستنجاء من کل حدث غیر النوم والریح بنحو حجر حتی ینقیہ سنۃ انتہی

علامہ ابن نجیم بحرالرائق میں فرماتے ہیں:- واراد المصنف بالسنۃ السنۃ المؤکدۃ کما هو مذکور فی الاصل انتہی۔

درمختار میں ہے:- وهو سنۃ مؤکدۃ مطلقا ای سواء کان بالماء او بالحجر کذا فی ردالمحتار۔

اور کتب فقہیہ کے بعض متون میں قضاء حاجت کے بعد ڈھیلہ سے استنجا کرنے کی تمام تفصیل حتی کہ موسم گرما و سرما کا فرق بھی مذکور ہے لیکن پیشاب کے بعد استنجاء کے طریقہ سے سکوت و اغماض برتا گیا جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ڈھیلہ کا استعمال صرف قضائے حاجت کی صورت میں ہے لیکن فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ سے اس کے برخلاف

ثابت ہوتا ہے یعنی استنجا بالاحجار کا حکم عام معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر احمدی میں ہے ماذکرا هل الاصول یدل علی انه یعم التطهیر الذی بعد البول والتطهیر الذی بعد الغائط والحق ان مراد الفقهاء ایضا اعم کما یدل علیه قولهم والاستنجاء من کل حدث ای خارج من السبیلین سنة غایته مافی الباب ان الاستنجاء بعد الغائط لما احتاج الی زیادة تفصیل عقبوہ بقولهم یدبر بالحجر الاول ویقبل بالثانی من غیر اظهار ان هذا طریق الاستنجاء المخصوص انتهی

اور ملا علی قاری کی شرح نقایہ میں ہے :- من کل حدث ای خارج من السبیلین کالبول والغائط فی رسائل الارکان ولیس ان یستنجی للبول والغائط بالحجر انتهی۔

قضاء حاجت کے بعد ڈھیلہ سے استنجا کرنا صحاح میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی اور اس پر آپ نے مواظبت فرمائی لیکن پیشاب کے بعد پتھر سے استنجا کرنا یہ ثابت نہیں لیکن بیہقی نے روایت کی کہ خلیفہ ثانی حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ ڈھیلہ یا اس کے مانند پتھر وغیرہ سے استنجا کرتے تھے۔ لہٰذا قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی کے بموجب اس کی سنیت بھی ثابت ہوگی۔ ملا علی قاری کی شرح نقایہ میں بیہقی کی روایت ہے :- وقال انه اصح ما فی الباب واعلاہ ای سنداً عن مولی عمر قال کان عمر اذا بال قال ناولنی شیئاً استنجی به فاناوله العود او الحجر او یاتی حائطا یتمسح به او یمسه الارض انتهی

اور رسائل الارکان میں ہے :- وفی البول احتمال الخروج فلابد من الاستنجاء بالحجر الی ان یغلب علی ظن المستنجی انقطاع ذلك الاحتمال ففی البول الاستنجاء بالحجر الزم و قد روی البیهقی عن مولی امیر المؤمنین عمر قال کان عمر اذا بال قال ناولنی شیئاً استنجی به فاناوله العود والحجر او یاتی حائط یمسح به او یمسه الارض قال البیهقی هذا اصح ما فی الباب انتهی۔

اور طبرانی نے اوسط میں، ابو نعیم نے حلیہ میں بھی اسی قسم کی روایات کی ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب فتح المنان فی تائید مذہب النعمان میں ہے کہ ڈھیلہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے دھونا افضل و مستحب ہے

درر شرح غرر میں ہے :- والغسل بعدہ ای الحجر اولی انتهی۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے :- والاستنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجر ادب عندنا انتهی در موضع استنجا کو دھونے میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے۔ بلکہ اس شخص کو اختیار ہے اس قدر دھونا چاہیئے کہ کمال طہارت کا یقین ہوجائے اور اطمینان قلب حاصل ہو جائے، البتہ وہمی کے لیئے تین مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

علامہ حلبی شرح منیۃ میں فرماتے ہیں :- ولیس فیه ای فی الغسل عدد مسنون من الثلث او سبع او غیر ذلك ومنهم من شرط الثلث ومنهم من شرط السبع ومنهم من شرط العشر ومنهم من عین فی الاحلیل الثلث و فی المقعد الخمس والصحیح انه مفوض الی رایه فیغسله حتی یقع فی قلبه انه قد طهر الا ان یکون موسوسا فیقدر فی حقه بالثلث کما فی کل نجاسة غیر مرئية و قیل بسبع انتهی

اور بحر الرائق میں ہے:۔ المراد بالاشتراط الاشتراط فی حصول السنة والافترك الكل لا يضر عندهم اور جو شخص محض ڈھیلہ کے استنجا پر اکتفا کرکے پانی استعمال نہ کرے جائز ہے مگر یہ تارک ادب اور تارک مستحب کہلائے گا

امام ترمذی فرماتے ہیں:۔ اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ومن بعدهم رأوا ان الاستنجاء بالحجارة يجزی وان لم يستنج بالماء اذا انقى اثر الغائط والبول انتہی۔

اور بحر الرائق میں ہے:۔ وهو ای عدم كفاية الكلوخ وغيره القياس فی محل الاستنجاء الا انه ترك فيه لورود النص على خلاف القياس فلا يتعدا اه انتہی۔

اور اگر ڈھیلوں سے استنجا نہ کرے محض پانی پر اکتفا کرے تو سنت ادا ہو جائے گی

علامہ حلبی شرح منیۃ میں آداب وضو کے تحت بیان فرماتے ہیں:۔ وان يغسل مخرج النجاسة بعد الاحجار او دونها مبالغة فی التنظيف والغسل بالماء وان كان ادبا لكن قد ايت به السنة الاستنجاء انتہی

اور بعض محققین صرف ڈھیلہ پر اکتفا کے مقابلہ میں محض پانی کے استعمال پر اکتفا کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور دونوں کو جمع کرنا تو متفق طور پر ہر صورت میں افضل ہے۔

کنز میں ہے:۔ وغسله بالماء واجب انتہی۔

بحر الرائق میں ہے:۔ ای غسل المحل بالماء افضل لانه قانع للنجاسة والحجر مخفف لها فكان الماء اولى كذا ذكره الشارح الزيلعی وظاهر ما فی الكتاب يدل على ان الماء مندوب سواء كان قبله احجار ام لا فالحاصل انه اذا اقتصر على الحجر كان مقيما للسنة واذا اقتصر على الماء كان مقيما لها ايضا وهو افضل من الاول واذا جمع بينهما كان افضل من الكل انتہی ملخصا فی رد المحتار ثم اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه فی الفضل الاقتصار على الماء ويليه الاقتصار على الحجر وتحصل السنة بالكل وان تفاوت الفضل كما افاده فی الامداد وغيره انتہی

اور چونکہ پیشاب کے بعد ڈھیلہ سے استنجا کا ترک کرنا روافض کا خاصہ ہے اس لیے اگر اہل سنت والجماعت بھی ترک کرنے لگیں تو ان کے ساتھ مشابہت تامہ لازم آتی ہے حالانکہ آپ کا ارشاد ہے من تشبه بقوم فهو منهم تو اس اشکال کا دفعیہ ایسے طریقہ پر کیا جائے گا کہ آپ نے مطلق مشابہت کو ممنوع قرار نہیں دیا بلکہ مخالف دین کے ساتھ کسی فعل مذموم میں مشابہ بن جانا یا کسی چیز میں قصداً مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہو ورنہ اس کے بغیر کوئی مضائقہ نہیں طحطاوی فرماتے ہیں:۔ قال فی البحر اعلم ان التشبه باهل الكتاب لا يكره فی كل شئ فانا ناكل ونشرب كما يفعلون انما الحرام التشبه فيما كان مذموما او فيما يقصد به التشبه انتہی۔ استبراء کے لیے چند قدم چلنا، کھانسنا یا عضو کو پکڑنا اور تین مرتبہ جذب کرنا اولیٰ و مستحب ہے۔ اور بعض فقہاء نے واجب قرار دیا لیکن مدار طبائع پر ہے، جس وقت انقطاع قطرات کا علم اور اطمینان قلب ہو جائے تو استنجا کر لینا چاہیے۔ مگر وہمی آدمی کو اپنے نفس پر اعتماد ہی نہیں ہوتا۔ شرح منیۃ میں ہے:۔ وينبغی ان يستنجی بعد ما خطا خطوات وهو الذی يسمى استبراء انتہی

درر شرح غرر میں ہے:۔ ويجب الاستبراء بالمشی او التنحنح او النوم او الاضطجاع على شقه الايسر حتى يستقر

قلبه علی انقطاع العود كذا فی الظهيرية وقيل يكتفی بمسح الذكر واجتذابه ثلث مرات والصحيح ان طباع الناس وعاداتهم مختلفة فمن فی قلبه انه صار طاهرا جاز له ان يستنجی لان كل واحد اعلم بحاله كذا فی التاتارخانية

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے وينبغی ان يمشی خطوات ثم يستنجی انتهی

اور بعض فقہاء کا مسلک ہے کہ جب تک زوالِ تقاطر کا یقین نہ ہو جائے نفسِ استبراء فرض ہے لیکن کھانسنے یا چلنے کے ساتھ استبراء کرنے میں اختلاف ہے وجوب اور استحباب کے اعتبار سے۔

درمختار میں ہے:- يجب الاستبراء بمشی او تنحنح او نوم علی شقه الايسر ويختلف طباع الناس انتهی

اور ردالمحتار میں ہے قوله يختلف الخ هذا هو الصحيح فمن وقع فی قلبه انه صار طاهرا جاز له ان يستنجی لان كل احد اعلم بحاله انتهی۔

پس جبکہ نفسِ استنجا سنتِ مؤکدہ اور اس کے بعد پانی سے دھونا افضل و مستحب اور کسی ایک پر اکتفا کرنا جائز ہے پس جو شخص کسی ایک پر اکتفا کرلے تو اس کی نماز جائز ہے اور امامت بھی بلکہ اگر کوئی شخص بالکل استنجا نہ کرے اور موضعِ حدث کے اطراف میں مانعِ صلوٰۃ نجاست بھی لگی ہوئی نہ ہو تو اس کی بھی نماز جائز ہو جائے گی۔ اگرچہ ترکِ سنت کی وجہ سے ملامت کا مستحق ہوگا اور فقہاء نے اس کی تفصیل بیان کی کہ اگر موضعِ حدث پر نجاستِ قلیلہ ہے تو بغیر زائل کیے نماز بلا کراہت جائز ہے فان ما علی المخرج ساقط وان كثر فلا يكره تركه كذا قال الجلبی فی حاشية شرح الوقاية اور اگر وہ نجاست قلیلہ موضعِ حدث کے علاوہ ہے تو اس کو زائل نہ کرنے سے نماز میں کراہت آجائے گی۔

بحرالرائق میں ہے ولو تركه صحت صلوته قال فی الخلاصة بناء علی ان النجاسة قليلة عفو عندنا وعلماءنا فصلوا بين النجاسة التی علی موضع الحدث والتی علی غير موضع الحدث اذا تركها يكره وفی موضعها اذا تركها لا يكره انتهی

یہ تفصیلِ مذکورہ اس وقت تھی جبکہ نجاست اپنے مخرج سے پھیل کر اطراف میں تجاوز نہ کرے اور اگر وہ متجاوز ہو جائے تو پھر مقدار کو دیکھا جائے گا۔ اگر مقدار درہم سے زائد ہے تو صرف ڈھیلہ کافی نہ ہوگا بلکہ پانی سے دھونا ضروری ہے ورنہ بقائے نجاست کی وجہ سے نماز جائز نہ ہوگی اور اگر وہ مقدار درہم سے کم ہے تو ڈھیلہ سے صاف کرنے کے بعد پانی سے دھونا سنت ہے اور اس کے بغیر نماز جائز ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وقت باقی ہے تو اس کا اعادہ کرنا چاہیے۔

رسائل الارکان میں ہے۔ والحاصل انه لو جاوز المخرج فالماء بعد الحجر سنة مندوبة وان جاوز واقل من قدر الدرهم فالماء بعد الحجر سنة واجبة لكن لو لم يتبع الماء يجوز الصلوٰة معها ويعاد ان بقی الوقت كما هو الحكم فی النجاسة القليلة من مقدار الدرهم وان جاوز البول والغائط اكثر من قدر الدرهم فلا يجزی الاحجار بل لابد من الغسل فلا يجوز الصلوٰة بدونه انتهی۔ وفی موضع آخر اذا جاوز البول والبراز المخرج ولم يجاوز الدرهم ليس استعمال الماء بعد الحجر ثم الظاهر عند هذا العبد ان مرادهم بالسنة الطريقة المسلوكة الواجبة لما قد عرف ان النجاسة ان كانت اقل من الدرهم يكره الصلوٰة معها ويجب الاعادة فی الوقت

وھذا یؤذن بان الکراھۃ کراھۃ التحریم فان النجاسۃ القلیلۃ یجب ازالتھا انتھی۔

اور بحرالرائق میں ہے:۔ ویجب غسل المحل بالماء ان تعدت النجاسۃ المخرج لان للبدن حرارۃ جاذبۃ لاجزاء النجاسۃ فلا یزیلھا المسح بالحجر وھو القیاس فی محل الاستنجاء الا انہ ترک فیہ لورود النص علی خلاف القیاس فلا یتعداہ واراد بالمجاوز ان یکون اکثر من قدر الدرھم وحینئذ فالمراد بالوجوب الفرض انتھی ملخصا

اور خلاصہ میں ہے:۔ ولو اصاب طرف الاحلیل من البول اکثر من قدر الدرھم لا یجوز الصلوٰۃ ھو الصحیح انتھی

درمختار میں ہے:۔ ویجب ای یفرض غسلہ ان جاوز المخرج نجس مانع ویعتبر القدر المانع لصلوٰۃ فیما وراء موضع الاستنجاء لان ما علی المخرج ساقط شرعا وان کثر ولھذا لاتکرہ الصلوٰۃ معہ انتھی۔

اور ذخیرہ میں ہے:۔ ثم الاستنجاء بالاحجار انما یجوز اذا تنتشر النجاسۃ علی موضع الحدث واما اذا تعدی عن موضعھا بان جاوزت المخرج اجمعوا علی ان ما جاوز المخرج من النجاسۃ اذا کان اکثر من قدر الدرھم انہ یفرض غسلھا بالماء فلا یکفیہ الازالۃ بالاحجار وکذا اذا اصاب طرف الاحلیل من البول اکثر من قدر الدرھم یجب غسلہ وان کان ما جاوز موضع الشرج اقل من قدر الدرھم او قدر الدرھم الا انہ اذا ضم الی ما فی موضع الشرج کان اکثر من قدر الدرھم فازالھا بالحجر ولم یغسلھا فعلی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف یجوز ولا یکرہ وعلی قول محمدؒ لا یجوز الا ان یغسلہ بالماء وھکذا روی عن ابی یوسف ایضا واذا کانت النجاسۃ علی موضع الاستنجاء اکثر من قدر الدرھم واستنجی بثلثۃ احجار وانقاھا ولم یغسلھا بالماء کان الفقیہ ابو بکر یقول لا یجوز وعن ابی شجاع انہ یجوز وھکذا حکی عن الطحاویؒ قال الفقیہ فی الفتاوی وبہ ناخذ انتھی۔

بابُ التّیمّم

غسل کے لیے تیمم کرنا

سوال (۱۸۲) اگر غسل واجب ہونے کی صورت میں عذرِ شرعی کی وجہ سے تیمم کرلیا تو کیا ہر نماز کے لیے مستقل تیمم کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس کا یہ تیمم کافی ہوگا جب تک کہ موجب غسل کوئی امر پیش نہ آئے اور ہر نماز کے وقت ضرورت نہیں ہے۔

مسجد کی دیوار یا چھت پر تیمم کرنا

سوال (۱۸۳) مسجد کی دیوار یا چھت پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے لیکن اس میں سوء ادبی ہے کیونکہ جس مٹی سے نجاست کا ازالہ کیا وہ مٹی قابلِ تعظیم ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:۔ منھا منع اخذ شئی من اجزائہ قالوا فی ترابہ ان کان مجتمعا جاز الاخذ منہ ومسح الرجل علیہ والا لا انتھی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

تیمم کے جواز کے لیئے مسافت کی تعیین

سوال (۱۸۴) مسافر یا مقیم کے تیمم کے جواز کے لیئے کتنی مسافت اور دوری معتبر ہے؟

جواب:- اگر اس کو ظنِ غالب ہو کہ پانی ایک میل دور ہے تو تیمم کر لینا جائز ہے ورنہ نہیں۔ بحر الرائق میں ہے:- قال فی البدائع ولم یذکر حد البعد فی ظاہر الروایات فعن محمدؒ التقدیر بالمیل فان تحقق کونہ میلا اباح التیمم وان تحقق کونہ اقل او ظن انہ میل او اقل لا یجوز قال فی الھدایۃ والمیل ھو المختار فی المقدار لانہ یلحقہ الحرج بدخول المصر والماء معدوم حقیقۃ انتہی۔

مقدار میل

سوال (۱۸۵) میل کتنی مسافت کا نام ہے؟

جواب:- میل کی مقدار چار ہزار خطوہ ہے اور ایک خطوہ عام ذراع کے لحاظ سے جو چوبیس انگشت کا ہوتا ہے ڈیڑھ ذراع کا ہوتا ہے۔ بحر الرائق میں ہے:- والمیل فی کلام العرب منتہی مد البصر وقیل للاعلام المبنیۃ فی طریق مکۃ امیال لانہا بنیت علی مقادیر منتہی البصر کذا فی الصحاح والمغرب والمراد ھنا ثلث الفرسخ والفرسخ اثنا عشر الف خطوۃ کل خطوۃ ذراع ونصف بذراع العامۃ وھو اربع وعشرون اصبعا کذا فی الینابیع وعن الکرخی ان کان فی موضع یسمع صوت اھل الماء فھو قریب فان کان لا یسمع فھو بعید وبہ اخذ اکثر مشائخنا کذا فی الخانیۃ وعن ابی یوسف اذا کان بحیث لو ذھب الیہ وتوضأ تذھب القافلۃ ویغیب عن بصرہ فھو بعید ویجوز لہ التیمم واستحسن المشائخ ھذہ الروایۃ کذا فی التجنیس وغیرہ الا ان ظاھرہ انہ فی حق المسافر لا المقیم وھو جائز لھما ولو فی المصر لان الشرط ھو العدم فاینما تحقق جاز التیمم نص علیہ فی الاسرار۔ انتہی۔

ہاتھوں کا گٹوں تک مسح کرنا

سوال (۱۸۶) تیمم میں دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک مسح کرنا کسی امام کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- گٹوں تک مسح کرنا امام مالکؒ کے نزدیک فرض ہے اور اس سے زائد میں اختیار ہے۔ عینی شرح ہدایہ میں ہے:- قال الاوزاعی التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی الکوعین والفرض عند مالک الی الکوعین والاختیار الی المرفقین انتہی۔

باب نواقض الوضوء

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کا ناقض وضوء نہ ہونا

سوال (۱۸۷) مشہور ہے کہ آپؐ کی نیند ناقض وضوء نہ تھی۔ کیا یہ حکم آپؐ ہی کے لیئے مخصوص تھا، یا دوسرے انبیاء کی نیند کا بھی یہی حکم ہے اور امت محمدیہ میں سے کسی عارف بااقتدار ولی اللہ کی نیند کا بھی

یہی حکم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نیند کے ناقض نہ ہونے کی خصوصیت محض امت محمدیہ کے اعتبار سے ہے ورنہ دیگر انبیاء کی نیند کا بھی یہی حکم ہے کہ ناقض نہیں مگر امت محمدیہ میں سے کوئی اس حکم میں شریک نہیں ہو سکتا۔ علامہ جلال الدین سیوطی انموذج اللبیب فی فصل الحبیب کے باب الثانی کی فصل ثالث میں آپ کی خصوصیات کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ وانہ لا ینتقض وضوءہ بالنوم انتہی

اور علامہ قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں:۔ ومما اختص بہ ایضا انہ لا ینتقض وضوءہ بالنوم مضطجعا انتہی

علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔ والانبیاء مثلہ فی ذلک لان قلوبھم لاتنام فھو خصوصیہ لہ علی الامم لا الانبیاء انتہی۔

اور در مختار میں ہے:۔ والعتہ لا ینقض کنوم الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام انتہی۔

آنکھ یا کان وغیرہ سے نکلنے والی اشیاء کا ناقض ہونا۔

سوال (۱۸۸) کان، ناک، ناف، آنکھ، پستان وغیرہ سے نکلنے والی اشیاء سے نقض وضو ہوگا یا نہیں؟

جواب: اگر ان جگہوں میں درد ہے تو ایسی صورت میں مرض کی وجہ سے جو کچھ نکلے گا تو وضو باقی نہ رہے گا اور اگر درد نہیں ہے تو ناقض وضو نہیں۔

شرح منیۃ میں حلبی بیان فرماتے ہیں:۔ روی عن محمد انہ قال الشیخ اذا کان فی عینیہ رمد ویسیل الدموع منھا ای من عینیہ امرہ فعل مضارع عن مقول محمد بالوضوء لوقت کل صلوٰۃ ای کما تؤ اصحاب الاعذار لانہ اخاف ان یکون ما یسیل صدیدا فیکون صاحب عذر ولا فرق فی ذلک بین الشیخ والشاب الا انہ ذکر الشیخ باعتبار الاکثر ولا فرق بین الرمد وغیرہ من الاوجاع بل کل ما یخرج من العلۃ مع وجع سواء کان من العین والاذن والسرۃ او الثدی او نحوھا فانہ ناقض علی الاصح لانہ صدید بخلاف ما اذا کان بدون وجع انتہی

باب المسح علی الجوربین

جراب پر مسح کرنا

سوال (۱۸۹) جراب پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر جرابیں پتلی ہوں تو اس پر مسح جائز نہیں اور اگر اس قدر موٹی اور سخت ہوں کہ پنڈلی پر کھڑی رہیں۔ اور بغیر باندھے چلنے میں کوئی دقت نہ ہو نیز اوپر سے بدن کا حصہ بھی نہ جھلکے اور پانی کا اثر قدم تک نہ پہنچے خواہ سوتی ہوں یا ریشمی، چمڑے کی ہوں یا بالوں کی۔ ہر صورت میں ان پر مسح کرنا صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے اور موزہ کے حکم میں ہیں۔ لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک جب تک وہ مجلد یا منعل نہ ہوں تو مسح جائز نہیں۔ مجلدہ جرب

کہلاتی ہے کہ جس کے اوپر اور نیچے چمڑا ہو اور منعل وہ کہلاتی ہے جس کے نیچے چمڑا لگا ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آخر میں امام اعظمؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ درمختار میں ہے:۔ او جوربیہ ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث یمشی فرسخا و یثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ما تحتہ ولا یشف الماء انتہیٰ۔

اور قاضی خاں میں ہے:۔ وان مسح علی الجوربین فھو علی وجوہ ان کان رقیقین غیر منعلین لا یجوز المسح علیھما فی قولھم وان کانا ثخینین منعلین جاز المسح علیھما فی قولھم والثخین ان یقوم علی الساق من غیر شد ولا یسقط ینشف وقال بعضھم لا ینشف ومعنی قولہ ولا ینشف ای لا یجاوز الماء الی القدم ومعنی قولہ لا یشف ای لا ینشف الجورب الماء الی نفسہ کالادیم وان کان ثخینین غیر منعلین لا یجوز المسح علیھما فی قول ابی حنیفہؒ وفی قول صاحبین یجوز وعن ابی حنیفہؒ انہ رجع الی قولھما قبل موتہ انتہیٰ۔

مسئلہ:۔ جرابیں کسی قسم کی ہوں اگر وہ اس قدر موٹی ہیں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر کھڑی رہیں اور چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور قدم نہ جھلکے نیز پانی بھی اس میں اثر نہ کرے خواہ وہ منعل ہوں (نیچے کی جانب چمڑا ہو) یا مجلد (جس کے اوپر اور نیچے چمڑا لگا ہوا ہو) جو پورے قدم کو چھپالے یا اوپر کی جانب صرف اتنا چمڑا ہو جو محل مسح کو چھپالے تو مسح جائز ہے لیکن اگر اوپر کی جانب صرف انگلیوں پر لگا ہوا ہو۔ باوجودیکہ نیچے موجود ہو مگر مسح جائز نہ ہوگا۔ اور اگر وہ غیر منعل اور غیر مجلد ہوں تو اس صورت میں بھی صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کا قول اول یہ ہے کہ جراب پر مسح کرنے کے واسطے علاوہ موٹی ہونے، مجلد یا منعل ہونا شرط ہے۔ مگر بعد میں وفات سے تین دن یا چھ دن قبل صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا (کذا فی المضمرات) صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔

اور درر شرح غرر میں ہے:۔ کان الامام لا یجوز اولا ویجوز صاحباہ ثم رجع الی قولھما وبہ یفتی۔

ہدایہ میں ہے:۔ وعنہ انہ رجع الی قولھما وعلیہ الفتویٰ۔

اور شرح حمید الدین میں ہے:۔ انہ صح انہ مسح علی جوربیہ فی مرضہ وقال فعلت ما کنت امنع الناس عنہ وھذا رجوع الی قولھما۔

اور شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں:۔ ھذا الکلام یحتمل ان یکون رجوعا الی قولھما ویحتمل ان لا یکون رجوعا ویکون اعتذارا بما اخذ بقول المخالف للضرورۃ فلا یثبت الرجوع بالشک۔

کتاب الصلوٰۃ

باب مواقیت الصلوٰۃ

نماز کے اوقات

مسئلہ (۱۹۰) ظہر کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور جب تک کہ ہر شئے کا سایہ اس کے اپنے سایۂ اصلی

کے علاوہ اس شئے سے دوگنا نہ ہوجائے اس وقت تک باقی رہتا ہے اور دوگنا ہوجانے کے بعد غروبِ شمس تک عصر کا وقت ہوتا ہے اور امام صاحبؒ سے ظاہر روایت یہی ہے (نہایہ)۔ بدائع، محیط، ینابیع میں ہے انہ ھوالصحیح اور غیاثیہ میں ہے ھوالمختار اور اسی کو امام محبوبی نے اختیار و پسند کیا اور تمام اصحاب متون مثلاً صاحب کنز و قدوری اور وقایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ظہر کا آخری وقت صرف مثل واحد تک ہے اور مثل واحد پورا ہونے پر وقتِ عصر شروع ہوجاتا ہے۔ امام اعظمؒ کی ایک روایت یہی ہے۔ نیز امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور امام طحاوی فرماتے ہیں وبہ ناخذ اور غرر الاذکار میں ہے ھوالماخوذ بہ برہان میں ہے وھوالاظہر لبیان جبرئیل وھونص فی الباب اور فیض میں ہے وعلیہ عمل الناس الیوم ای فی کثیر من البلاد اور خزانۃ الروایا میں ہے ان الامام رجع آخراً الی قولہما وھکذا فی الفتاوی الظہیریۃ اور امام صاحبؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ مثل واحد پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور وقت عصر شروع ہوتا ہے مثلین کے بعد۔ (زیلعی) اس قول کے مطابق ظہر و عصر کے درمیان ایک وقت مہمل ہوگا۔ اور سراج شیخ الاسلام سے منقول ہے ان الاحتیاط ان لا یوخر الظہر الی المثل وان لا یصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مودیا للصلوتین فی وقتہما بالاجماع۔

اور مغرب کا وقت غروبِ شمس سے غروبِ شفق تک ہے اور اسی کے فوراً بعد عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور شفق سے شفقِ احمر مراد ہے جیسا کہ ائمہ ثلاث کا مسلک اور امام صاحبؒ کا قولِ آخر یہی ہے پس یہی مسلک مختار ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے البتہ امام صاحبؒ کا قول سابق یہ تھا کہ شفق سے شفقِ ابیض مراد ہے جو شفقِ احمر کے بعد نمودار ہوا کرتی ہے مگر اس قول سے قولِ صاحبین کی طرف رجوع فرمایا۔ اہل لسان کے متفق ہونے اور اکثر صحابہ کے شفقِ احمر مراد لینے کی وجہ سے (کذا فی الدرر شرح الغرر) اور صاحبین کا قول ہی مفتی بہ ہے (کذا فی الوقایہ و النقایہ۔ والغرر والمواہب۔ وشرح البرہان) لیکن علامہ قاسم قدوری میں فرماتے ہیں:۔ رجوع الامام لم یثبت لما نقلہ الکافۃ من لدن الائمۃ الثلثۃ الی الیوم من حکایۃ القولین ودعوی حمل الصحابۃ بخلافہ خلاف المنقول۔ اختیار میں ہے الشفق البیاض وھو مذہب الصدیقؓ ومعاذ ابن جبل وعائشۃؓ ورواہ عبدالرزاق عن ابی ہریرۃؓ وعن عمر بن عبدالعزیز ولم یرو البیہقی الشفق الاحمر الا عن ابن عمرؓ کذا قال فی ردالمحتار وفی السراج ان قولہما اوسع وقولہ احوط وھکذا فی المبسوط۔

اوقاتِ نماز کی ابتداء و انتہاء

سوال (۱۹۱) ظہرین (ظہر و عصر) اور عشائین (مغرب و عشاء) کے اوقات کی ابتداء اور انتہاء کیا۔ ان میں وقتِ مکروہ کونسا ہے؟

جواب:۔ نصف النہار زوالِ آفتاب کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ جب کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر شئے کا سایہ اس سے دوچند نہ ہوجائے اور یہ قول امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے۔

اور صاحبین۔ امام مالک، امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ امام زفر ان تمام حضرات کے نزدیک آخری وقت یہ ہے کہ

ہر شے کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہوجائے۔ ایک روایت امام صاحب سے بھی یہی ملتی ہے۔ صاحب بدیع نے امام صاحب کے مذہب اول کو صحیح قرار دیا۔ اور صاحب غیاثیہ نے مختار کہا۔ اور برہان میں مذہب صاحبین کو اظہر بتایا۔ اور امام طحاویؒ نے اس کو ماخوذ بہ فرمایا۔

درمختار میں ہے:۔ ووقت الظہر من زوالہ ای میل ذکاء عن کبد السماء الی بلوغ الظل مثلیہ وعنہ مثلہ وھو قولہما وزفر والائمۃ الثلثۃ قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ وفی غرر الاذکار وھو الماخوذ بہ وفی البرہان وھو الاظہر لبیان جبرئیل وھو نص فی الباب والفیض وعلیہ عمل الناس الیوم وبہ یفتی سوای فئی یکون للاشیاء قبیل الزوال انتہی۔

دونوں قول کے مطابق ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور غروب اس کی انتہا ہے۔ اور غروب سے قبل جب اس میں تغیر آجائے اور نگاہ اس پر ٹھہرنے لگے تو نماز عصر اس وقت مکروہ ہوتی ہے۔

خلاصہ میں ہے:۔ اول وقت العصر حین یخرج وقت الظہر واخر وقتہا حین تغرب الشمس ویکرہ التاخیر الی تغیر الشمس واختلفوا فی التغیر قال بعضہم التغیر فی ضوء الشمس الذی یکون علی راس الحیطان وقال بعضہم التغیر فی قرصہا وانما یعرف التغیر بان ینظر الناظر الی القرص ولم تحر عیناہ علم ان الشمس قد تغیرت وان لم یمکنہ علم ان الشمس لم یتغیر انتہی۔

اور بحرالرائق میں ہے:۔ والخلاف فی اخر وقت الظہر جار فی اول وقت العصر انتہی۔

اور ایک روایت امام اعظمؒ سے یہ بھی ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر شی کا سایہ ایک مثل ہوجانے پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ مگر عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا بلکہ جب وہ سایہ دوچند ہوجاتا ہے تو اب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اس صورت میں آخر ظہر اور ابتداء عصر کے درمیان ایک وقت مہمل ہوگا۔

انہیں اختلافات کے پیش نظر بعض فقہا نے لکھا ہے کہ نماز ظہر ایک مثل سایہ سے پہلے اور نماز عصر دو مثل سایہ ہونے کے بعد ادا کرنی چاہیے تاکہ دونوں نمازیں بالاتفاق اپنے اپنے وقت میں ادا ہوجائیں۔ المضمرات شرح القدوری میں ہے: وروی اسد عن ابی حنیفۃ انہ قال اذا صار ظل کل شئی مثلہ فقد خرج وقت الظہر ولا یدخل وقت العصر حتی یصیر الظل مثلیہ وبینہما وقت مہمل لیس بوقت الفرض کالوقت الذی بین طلوع الشمس وبین الزوال انتہی۔ بحرالرائق میں ہے: وذکر شیخ الاسلام ان الاحتیاط ان لا یؤخر الظہر الی المثل وان لا یصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلوتین فی وقتیہما بالاجماع کذا فی السراج انتہی۔ قولہ اما احادیث تعجیل عصر فعلی اند کتب احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعجیل صلوٰۃ اور مطلقاً اول وقت ادا کرنے کے بارہ میں احادیث قولی بھی موجود ہیں مثلاً:۔

اول ترمذی کی حدیث جو ام فروہ سے مروی ہے قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوٰۃ لاول وقتہا اوکما قال۔ اس حدیث کے راویوں میں عبداللہ بن عمر بھی جو عابد و زاہد ہیں۔ اگرچہ یحییٰ بن سعید نے ان کے

حفظ و ضبط میں کلام کیا۔ اور امام ترمذی ان کے بارہ میں لکھتے ہیں:- ولیس ہو بالقوی عند اھل الحدیث لیکن یہ متروک الحدیث نہیں ان کی روایات صحیح بخاری کے علاوہ دوسری صحاح میں مذکور ہیں اور اسی حدیث کو احمد اور ابوداؤد نے بھی روایت کیا، اور ابن مالک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (کذا فی المرقاۃ)

دوسری حدیث ترمذی ابن عمرؓ سے مروی ہے:- قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوقت الاول من الصلوٰۃ رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ۔

اس حدیث کے منجملہ روایات میں سے ایک راوی یعقوب بن ولید مدنی ہیں جن کی امام احمد بن حنبل اور دیگر حفاظ نے تکذیب کی ہے۔ تقریب التہذیب شرح نقایہ میں یہی مذکور ہے لیکن یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کی ہے اور ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تمام طریقوں کے لحاظ سے ضعیف ہے اور جن لوگوں نے اس کو حسن کہا ان کی مراد یہ ہے کہ یہ حسن لغیرہ ہے (کذا فی المرقاۃ)

تیسری ترمذی کی حدیث ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہے:- ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا علی ثلث لا تؤخرھا الصلوٰۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا۔

اور ملا علی مرقاۃ میں فرماتے ہیں:- رواہ الترمذی بسند رجالہ ثقات قالہ میرک انتہی۔

قولہ وھو المنصوص من الشافعیؒ الخ یہ معارض و مخالف ہے اس کے جو کچھ امام ترمذی نے باب ما جاء فی تاخیر الظہر فی شدۃ الحر امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث ابراد رخصت پر محمول ہے یعنی جو لوگ مسافت بعیدہ طے کرکے مسجد میں آئیں اور شدت گرمی کی وجہ سے ان کو تکلیف ہو تو وہ ابراد کریں، نیز امام ترمذی باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل کے تحت بیان کرتے ہیں۔

قال الشافعیؒ الوقت الاول من الصلوٰۃ افضل ومما یدل علی فضل اول الوقت علی آخرہ اختیار النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر فلم یکونوا یختارون الا ما ھو افضل ولم یکونوا یدعون الفضل وکانوا یصلون فی اول الوقت حدثنا بذالک ابو الولید المکی عن الشافعیؒ قولہ فی المشکوٰۃ عن انس الخ بخاریؒ نے اسی کے مثل حدیث روایت کرکے اس کو نماز جمعہ کے ساتھ مقید کیا مشکوٰۃ کے باب خطبۃ الجمعۃ والصلوٰۃ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد البرد بکر بالصلوٰۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلوٰۃ یعنی الجمعۃ رواہ البخاری انتہی۔

روایت مذکورہ کہ مشکوٰۃ کے تعجیل صلوٰۃ کے باب میں مذکور ہے اگرچہ شامل ہے زوال کے بعد کی ہر نماز کو خواہ جمعہ ہو یا ظہر جیسا کہ مرقاۃ میں ہے لیکن پھر بھی قابل غور ہے کہ زمانہ برکت نشان میں جمعہ کس قدر جلد ہوتا تھا شیخین روایت کرتے ہیں سہل بن ساعدہ سے قال ما کنا نقیل ولا نتغدی الا بعد الجمعۃ انتہی۔

بہجۃ النفوس شرح مختصر البخاری میں ہے:- اما التاخیر فلیس بکبیر کما جاء عن الصحابۃ انھم کانوا اذا رجعوا من صلوٰۃ الجمعۃ یقیلون قائلۃ الضحیٰ فدل ذلک علی انہ لا یکون التاخیر کثیرا انتہی۔

اور اسی طرح نماز ظہر میں بھی ابراد کی کوئی حد متعین و مقرر نہ ہوگی۔ نصف وقت یا نصف سے کچھ دیر بعد تک اور اس قولِ ثانی کی صورت میں یہ التزام کرنا پڑے گا کہ وقت مختلف فیہ داخل نہ ہو اس سے پہلے پہلے ادا کرلی جائے۔

نوٹ:۔ ان تمام تفصیلات کو محض اس لیئے ذکر کیا گیا تاکہ لوگ غلطی میں مبتلا ہو کر ابراد کامل کی خاطر ایک مثل ہونے کے بعد نماز ظہر ادا کرنے لگیں۔ واللہ اعلم۔

اور حسن بن زیاد کے قول کے مطابق آفتاب کے زرد ہو جانے پر عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے بحر الرائق میں ہے:۔

وفی آخرہ ایضاً خلاف فان الحسن بن زیاد یقول اذا اصفرت الشمس خرج وقت العصر ولنا روایۃ الصحیحین من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر انتہیٰ۔

اور امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سایہ دوچند ہو جانے کی صورت میں عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور ایک دوسری روایت ہے کہ عصر کا اصل وقت ختم ہو جاتا ہے۔ غروب آفتاب سے لیکن وقتِ مستحب سایہ کے دوچند ہو جانے سے ختم ہو جاتا ہے المضمرات شرح القدوری میں ہے:۔ وللشافعی فیہ قولان فی قول اذا صار ظل کل شئ مثلیہ یخرج وقت العصر ولا یدخل وقت المغرب حتی تغرب الشمس فیکون بینہما وقت مہمل عندہ علی ہذا القول وفی قول اذا صار ظل کل شئ مثلیہ یخرج وقت المستحب ویبقی اصل الوقت الی غروب الشمس انتہیٰ

نماز کا تمام برائیوں سے روکنے کا بیان

سوال (۱۹۲) باری تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر — بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے

باوجودیکہ بہت سے مسلمان نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی فحشا اور فسق و فجور کے مرتکب ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں اس آیت کے کیا معنی ہوں گے۔

جواب:۔ ابن عون فرماتے ہیں اس آیت کا منشا یہ ہے کہ جب تک وہ شخص نماز پڑھتا رہے تو نماز کی حالت میں تمام فحشا یعنی برے اعمال اور ناجائز حرکتوں سے محفوظ رہے گا اور بعض حضرات نے یہ کہا کہ جو نماز انتہائی خشوع و خضوع اور اطمینانِ قلب اور صفتِ احسان (جس کی حدیث جبرئیل میں صراحت ہے) کے ساتھ ادا کی جائے گی وہ تمام برائیوں سے روکنے والی ہوگی لیکن وہ نماز کہ جس میں ظاہری ارکان تو ادا ہو رہے ہوں اور باطنی توجہ اور خشوع و خضوع اس میں نہ ہو اگر شرائط شرعیہ کے مطابق ہے تو فریضہ تو ادا ہو جائے گا۔ مگر وہ فحشا اور منکرات سے مانع نہ ہوگی اور نہ ہی نماز باعثِ ثمرات، علو درجات اور عنداللہ قرب کا سبب بن سکے گی۔ (کذا قالہ ابن مسعود وابن مسعودؓ)

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

بابُ الاذان

بوقتِ اذان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ناخنوں کو آنکھوں سے لگانا

سوال (۱۹۳) اذان کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو آنکھوں سے لگانے کا کیا حکم ہے؟۔

جواب: بعض فقہاء نے اس کو مستحب قرار دیا اور اس مسئلہ میں حدیث بھی نقل کر دی۔ مگر وہ صحیح نہیں اور امر مستحب میں کرنے والا اور چھوڑنے والا کوئی بھی مستحق ملامت نہیں ہوا کرتا۔

جامع الرموز میں ہے:۔ اعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاول من الشہادۃ صلی اللہ علیک یارسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بک یارسول اللہ یقال اللھم متعنی بالسمع والبصر وبعدہ وضع ظفر الیدین علی العینین فانہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قائداً لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد انتہیٰ

باب شروط الصلوٰۃ

بحالتِ مجبوری ناپاک دوا کا موجود رہنا

سوال (۱۹۴)۔ اگر کسی شخص نے ایسا طلا استعمال کیا جس کا ایک جزو شراب بھی ہے اور اس عضو کا دھونا سخت مضر ہے تو ایسی صورت میں نماز کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

جواب:۔ اگر دھونے سے اس عضو کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں بغیر دھوئے نماز جائز ہوگی کیونکہ ضرورت میں سب جائز ہوتا ہے قاعدہ ہے الضرورۃ تبیح المحظورات

الاشباہ والنظائر میں ہے:۔ وقد تراعی المصلحۃ بغلبتہا علی المفسدۃ فمن ذلک الصلوٰۃ مع اختلال شرط من شروطہا من الطہارۃ او الستر او الاستقبال فان فی کل ذلک مفسدۃ لما فیہ من الاخلال بجلال اللہ تعالیٰ فی ان لا یناجی الا علی اکمل الاحوال ومتی تعذر علیہ شئ من ذلک جازت الصلوٰۃ بدونہ تقدیما لمصلحۃ الصلوٰۃ علی ھذہ المفسدۃ انتہیٰ۔

بلا وضو نماز پڑھنا

سوال (۱۹۵)، بغیر وضو نماز پڑھنے اور اسی طرح سجدۂ تلاوت یا سجدۂ سہو اور سجدۂ شکر کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ جائز نہیں بلکہ بعض کے نزدیک بغیر طہارت نماز ادا کرنا کفر ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:۔ من صلی بغیر طہارۃ فقد کفر انتہیٰ۔

اور کشف میں سجدۂ تلاوت کے بارہ میں ہے:- وھو سجدۃ بین تکبیرتین بشروط الصلوٰۃ من الطھارۃ وغیرہا انتھی۔ تاتارخانیہ میں ہے:- قال الاکثرون انہا لیست بقربۃ عندہ بل ھو مکروہ لا یثاب علیہ وترکہ اولیٰ وقال ھو قربۃ یثاب علیہ وثمرۃ الخلاف تظھر فی انتقاض الطھارۃ اذا نام فی سجود الشکر انتھی۔

تعداد رکعات کی نیت کرنا

سوال (۱۹۶) نماز میں تعداد رکعات کی نیت کرنا شرط ہے یا نہیں؟

جواب:- نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:- ولا یشترط نیۃ عدد الرکعات ھکذا فی شرح الوقایۃ انتھی۔

باب سنن الصلوٰۃ

مرد و عورت کے لیے نماز میں ہاتھ باندھنا

سوال (۱۹۷) مردوں کے لیے زیر ناف اور عورتوں کے لیے زیر سینہ ہاتھ رکھنے کا کیا ثبوت ہے؟

جواب:- عورتوں کے لیے زیر ثدین ہاتھ رکھنے کے سلسلے میں کوئی حدیث نظر سے نہیں گذری۔ اور فقہا نے عورتوں کے لیے اس طریقہ کو ستر کے لیے تجویز کیا۔ شرح منیہ میں ہے:- واما المرأۃ فانھا تضعھا تحت ثدییھا بالاتفاق لانہ استر لھا انتھی۔

اور مردوں کے لیے زیر ناف ہاتھ رکھنا فقہا کے یہاں مسنون ہے اس سلسلہ میں ابو داؤد حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں السنۃ وضع الاکف ویضعھا تحت السرۃ

یہی حدیث دوسری جگہ آتی ہے: السنۃ وضع الاکف علی الکف ویضعھا تحت السرۃ انتھی

لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے شرح منیہ میں ہے:- قال النووی اتفقوا علی تضعیفہ لانہ من روایۃ عبد الرحمن بن اسحٰق الواسطی وھو مجمع علی ضعفہ انتھی۔

اور بحر العلوم مولانا عبد العلی رسائل الارکان میں فرماتے ہیں شیخ ابن الہمام کا قول ہے: لم یثبت حدیث صحیح یوجب العمل فی کون الوضع تحت الصدر وفی کونہ تحت السرۃ فیحال علی حال قصد التعظیم فی القیام والمعہود ھو کونہ تحت السرۃ انتھی۔

تشہد کے وقت انگلی اٹھانا۔

سوال (۱۹۸) تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھانا سنت ہے یا نہیں؟

جواب:- بعض نے اس کو مکروہ لکھا۔ مثلاً صاحب منیۃ المفتی۔ اور بعض نے حرام۔ جیسا کہ خلاصہ کیدانی میں صراحت ہے اور بعض حضرات نے مستحب۔ چنانچہ تحفہ کے رمز الحقائق میں ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ اشارہ نہ کرنا ہی مختار ہے چنانچہ عالمگیریہ میں خلاصہ کے حوالہ سے نقل کیا۔ لیکن یہ سب اقوال تحقیقی نہیں ہیں۔ صحیح مسلک یہ ہے کہ اشارہ کرنا سنت

ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت۔ اور امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں لکھا کہ یہی میرا اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ صحابہ کرام اور ائمہ سلف کا اس بارہ میں کوئی خلاف منقول نہیں اور جو شخص کہ اس کو حرام یا مکروہ کہتا ہے وہ گنہگار ہے۔ اور ملا علی قاری نے اسی مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا اور خلاصہ کیدانی والے کی خوب خبر لی۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

لم یعلم من الصحابة ولا من علماء السلف خلاف فی هذه المسألة ولا فی جواز هذه الاشارة بل قال امامنا الاعظم وصاحباه وكذا الامام مالك والشافعی واحمد وسائر علماء الامصار والاعصار اجمعین علی ما ورد به صحاح الاخبار والآثار وقد نص علیه مشائخنا المتقدمون والمتأخرون فلا اعتداد لما علیه المخالفون ولا عبرة لتارك هذه السنة الاكثرون من سكان ما وراء النهر واهل خراسان والعراق والروم وبلاد الهند انتهی۔

اور بحر الرائق میں ہے ورجح فی فتح القدیر القول بالاشارة وانه مروی عن ابی حنیفة كما قال محمد فالقول بعدمها مخالف الرواية والدراية ورواها فی صحیح مسلم فعله صلی الله علیه وسلم وفی المجتبی لما اتفقت الروايات وعلم من اصحابنا جمیعا كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الاخبار والآثار كان العمل بها اولی انتهی۔

سبابہ سے کب اشارہ کرے؟

سوال (۱۹۹) کس وقت سبابہ یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ نفی یعنی لا الٰہ کہنے کے وقت انگلی کو اٹھائے اور اثبات یعنی الا اللہ کے وقت رکھدے ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ قالوا یرفع المسبحة عند قوله لا اله ویضعها عند قوله الا الله لمناسبة الرفع للنفی وملائمة الوضع للاثبات حتی تطابق القول الفعل فی التوحید والتفرید انتهی وهكذا فی البرهان والكفاية وغيرهما۔

اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دینا۔

سوال (۲۰۰) سبابہ سے اشارہ کرتے وقت اس کو حرکت دینی چاہیئے یا نہیں؟

جواب:۔ ابوداؤد حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو حرکت نہ دیتے تھے اور جن روایات سے حرکت کا ثبوت ملتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آپ انگلی کو اشارہ کرنے کے لیے اٹھاتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں حرکت بھی ہو جاتی تھی۔

اشارہ کے وقت نظر کس جگہ رکھے؟

سوال (۲۰۱) اشارہ کرتے وقت نظر انگلی پر رکھے یا کسی دوسری جگہ۔

جواب:۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی اٹھاتے اور اشارہ کرنے کے وقت نظر سبابہ انگشت پر رکھتے اور کسی دوسری جانب نہیں دیکھتے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر باصبعه اذا دعا ولا یحرکها ولا یجاوز بصره اشارته انتهی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

سبابہ سے اشارہ کرنے کا طریقہ

سوال (۲۰۲) سبابہ سے اشارہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ اس کے متعلق چند طریقے مذکور ہیں:۔

(۱) انگوٹھا اور درمیانی انگلی کے کناروں کو ملا کر حلقہ بنائے، خنصر و بنصر کو بند کرے اور انگشت مسبحہ کو کھول کر اشارہ کرے۔ کفایہ میں ابو جعفر سے یہی طریقہ مذکور ہے اور رسائل الارکان میں اس کو مختار کہا گیا:۔ وقال التمنی فی شرح النقایہ ذکر ابو یوسف فی الامالی انہ یعقد الخنصر والاصبع التی تلیھا ویحلق الوسطی والابہام ویشیر بالسبابۃ انتہی وقال البرجندی فی شرح النقایہ وقد جاء عن علمائنا فی بعض الروایات انہ یفعل کما یفعل الشافعی وھو ان یعقد الخنصر والبنصر ویحلق بین الوسطی والابہام براسہما ویشیر بالسبابۃ عند التلفظ بالشہادتین انتہی۔

(۲) دستِ راست کو اپنی ران پر سیدھا رکھ کر انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ نہ حلقہ بنانے کی ضرورت ہے اور نہ خنصر و بنصر کو بند کرنے کی۔ صاحبِ برہان نے اسی طریقہ کو پسند کیا ہے اور درمختار میں درر البحار اور اس کی شرح غرر الاذکار کے حوالہ سے منقول ہے المفتی بہ عندنا انہ یشیر باسطا اصابعہ کلہا انتہی۔

(۳) خنصر و بنصر اور درمیانی انگلی کو بند کرے اور انگوٹھے کو سبابہ کی جڑ میں رکھ کر سبابہ کو کھول کر اشارہ کرے اور امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے (کذا فی شرح المشکوٰۃ وفی الکفایہ) و فی قول المدنیین یجب ان یعقد الثلث والخمیس ویشیر بالسبابۃ انتہی۔

(۴) انگشتِ شہادت کے علاوہ چاروں انگلیوں کو بند کر کے سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام مالک نے موطا میں یہی طریقہ ذکر کیا۔

اشارہ کے بعد انگلیوں کو کھولنا

سوال (۲۰۳) اشارہ کے طریقوں میں جو کھولنا اور بند کرنا مذکور ہے کیا اشارہ کے بعد بھی اسی کو باقی رکھے یا تمام انگلیوں کو کھولدے؟

جواب:۔ اسی طریقہ کو باقی رکھے ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ والصحیح المختار عند جمہور اصحابنا انہ یضع کفیہ علی فخذیہ ثم عند وصولہ الی کلمۃ التوحید یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والابہام ویشیر بالمسبحۃ رافعا لہا عند النفی وواضعا لہا عند الاثبات ثم یستمر علی ذلک لانہ ثبت العقد عند الاشارۃ بلا خلاف ولم یوجد عیرہ فالاصل ابقاء الشیٔ علی ما ھو علیہ واستصحابہ الی آخر الامر انتہی۔

بوقتِ تشہد ہاتھ رکھنے کی جگہ

سوال (۲۰۴) قعدہ کی حالت میں دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے یا نہیں؟

جواب:۔ دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ ووضع یدیہ علی فخذیہ ویبسط اصابعہ کذا فی الہدایۃ ولا یاخذ الرکبۃ فی الاصح کذا فی الخلاصۃ۔ انتہی۔

مقتدی کے لیے آمین بآوازِ بلند کہنا

سوال (۲۰۵) مقتدی آمین بآوازِ بلند کہے یا آہستہ؟

جواب:- نفس آمین کہنا سنت ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا جہر سنت ہے اور امام ابو حنیفہؒ آہستہ کہنے کا حکم فرماتے ہیں۔

بابُ مایکرہ فی الصلوٰۃ

ایک سورۃ دو رکعات میں پڑھنا

سوال (۲۰۶) اگر سورۃ کے بعض حصہ کو ایک رکعت میں اور بعض حصہ کو دوسری رکعات میں پڑھا جائے تو مکروہ ہوگا یا نہیں؟

جواب:- بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہے۔ لیکن مکروہ نہ ہونا صحیح ہے۔ البتہ ایسا نہ کرنا اولیٰ ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:- لو قرء بعض السورۃ فی رکعۃ والبعض فی قیل یکرہ وقیل لایکرہ وھو الصحیح کذا فی الظھیرۃ ولکن لاینبغی ان یفعل ولو فعل لاباس بہ کذا فی الخلاصۃ۔

مقتدی کے لیے تکبیراتِ انتقالیہ کا آہستہ کہنا

سوال (۲۰۷) مقتدی کو ربنا لک الحمد اور تکبیراتِ انتقالیہ بآوازِ بلند کہنا چاہیئے یا آہستہ؟

جواب:- اگر مقتدی مبلغ ہے تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت جہر کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ورنہ مکروہ۔ درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے:-

اما التسمیع من الامام والتحمید من المبلغ و تکبیرات الانتقال منھما اذا قصد بما ذکر الاعلام فقط فلا فساد فی الصلوٰۃ۔ انتہیٰ۔

اسی میں دوسری جگہ ہے:- اعلم ان التبلغ عند عدم الحاجۃ الیہ مکروہ وھو بدعۃ منکرۃ فی ھذہ الحالۃ اتفق علیٰ ذلک الائمۃ الاربعۃ واما عند الاحتیاج الیہ فمستحب انتہیٰ

اور بحر الرائق میں ہے:- قید المصنف بالقراءۃ لان ماعداھا من الاذکار فضیۃ تفصیل ان کان ذکرا وجب للصلوٰۃ فانہ یجھر کتکبیرۃ الافتتاح ومالیس بفرض فما وضع لعلامۃ فانہ یجھر بہ کتکبیرات الانتقال عند کل خفض ورفع اذا کان اماما اما المنفرد والمقتدی فلا یجھر لنا بہ وھکذا فی السراج الوھاج شرح القدوری۔

مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنا

سوال (۲۰۸) کسی سے غصب کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ مکروہ ہے مگر فریضہ ادا ہو جائے گا۔ کذا فی شرح المسلم لمولانا نظام الملۃ والدین۔

سورۂ فاتحہ سے قبل بسم اللہ پڑھنا

سوال (۲۰۹) جہری نماز میں امام یا منفرد کے لیئے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بآواز بلند بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سنت اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہیئے۔ شرح منیہ میں ہے:۔ ویکرہ للمصلی ان یجہر بالتسمیۃ والتامین وکذا بالثناء والتعوذ لمخالفۃ السنۃ انتہی

نماز میں کپڑے سے ہوا لینا

سوال (۲۱۰) نماز کی حالت میں پنکھے یا آستین وغیرہ سے ہوا لینا کیسا ہے؟

جواب:۔ عمل کثیر نہ ہونے کی صورت میں مکروہ ہے اور اگر عمل کثیر ہو جائے تو نماز فاسد ہوگی۔ کذا فی عالمگیریہ وغیرہ۔

عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا

سوال (۲۱۱) اگر امام عمامہ باندھے ہوئے ہے اور مقتدیوں کے سر پر صرف کلاہ ہے تو ایسی صورت میں نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں۔ کیونکہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا مستحب ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے:۔ والمستحب للرجل ان یصلی فی ثلثۃ اثواب قمیص وازار وعمامۃ انتہی۔

اس صورت میں مقتدیوں نے ترکِ مستحب کیا اور امام نے نہیں کیا۔ اور امام و مقتدی میں عمامہ کے اختلاف سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

بت خانہ میں نماز پڑھنا

سوال (۲۱۲) شرک و بت پرستی کی جگہ جہاں بت اور تصاویر ہوں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ تمام روئے زمین پر بشرطیکہ پاک ہو نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور تصویر اگر مصلی کے سر پر یا دائیں بائیں ہو تو نماز مکروہ ہوگی (کذا فی الدر المختار) اسی طرح اگر مصلی کے سامنے آگ روشن ہو تو آتش پرستوں کی مشابہت کی وجہ سے نماز میں کراہت آجائے گی۔ (کذا فی السراج المنیر) اور کسی مکان کا محض مقام شرک ہونا نماز سے مانع نہیں۔

مصلی کے پس پشت تصویر کا ہونا۔

سوال (۲۱۳) اگر مصلی کے سر پر یا پسِ پشت تصویر ہو تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ مکروہ ہوگی، رسائل الارکان میں ہے:۔ قال فی الھدایۃ اشدھا کراھۃ ان یکون امام المصلی ثم من فوق راسہ ثم یمینہ ثم شمالہ ثم خلفہ انتہی۔

سر بریدہ تصویر کا حکم

سوال (۲۱۵) اگر مصلی کے سامنے سر کٹی ہوئی یا اس قدر چھوٹی تصویر ہو کہ کھڑے ہو کر نظر ہی نہیں آتی تو

اس سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں۔ رسائل الارکان میں ہے:۔ وان کانت الصورة صغيرة بحيث لا تبدو او محوة الراس او على وسادة او بساط مفرش لا يكره۔

باب ما یفسد الصلوٰۃ ومالا یفسد

قرآن دیکھ کر اپنے امام کو لقمہ دینا

سوال (۲۱۶) اگر کوئی غیر حافظ کسی امام کی سماعت قرآن دیکھ کر کرتا ہے اور اسی کو دیکھ کر لقمہ دیتا ہے تو ایسی صورت میں نماز صحیح ہوگی یا فاسد؟

جواب:۔ امام اعظمؒ کے نزدیک مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ کیونکہ بحالت نماز قرآن سے مدد لی۔ اور اگر امام نے اس لقمہ کو لے لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی۔ علامہ زیلعی شرح کنز میں قول مصنف وقراءته من مصحف کے ذیل میں لکھتے ہیں یعنی تفسد الصلوٰة عند ابی حنیفة وقالا لا تفسد بل یکره لما روی ان ذکوان مولی عائشة فی رمضان کان یقرء من مصحف الا انه یکره الصلوٰة لما فیه من التشبه بفعل الکتاب ولابی حنیفة ان حمل المصحف ووضعه عند الرکوع والسجود ورفعه عند القیام وتقلیب الاوراق والنظر الیه وفهمه عمل کثیر وینفی من رآه انه لیس فی الصلوٰة ولانه تلقی من المصحف فاشبه التلقی من غیره واثر ذکوان محمول ان کان یقرء قبل شروعه فی الصلوٰة انتهی

اور بحرالرائق میں ہے:۔ وصحح المصنف الثانی وقال انها تفسد بکل حال تبعًا للسرخسی انتہی

نمازی کو غیر نمازی کا پنکھا کرنا

سوال (۲۱۷) اگر کوئی غیر نمازی ایک نمازی کو پنکھا جھلتا ہے اور وہ نمازی اس فعل پر راضی ہے تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ بعض فتاویٰ میں نماز کا فاسد ہونا مذکور ہے۔ مجمع البرکات میں ہے:۔ ولو روح غیر المصلی مصلیا ورضی بتروجه یفسد صلوته عند مشائخنا وهو الاحوط لانه یصیر مروحا فی الصلوٰة کذا فی الخزانة الجلالیة انتهی

لیکن یہ قول عقل کے خلاف ہے اور دلیل بھی دعویٰ کے مطابق نہیں ورنہ غیر مصلی کے ہر فعل پر مصلی کے راضی ہوجانے سے نماز فاسد ہوجائے گی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھالینا۔

سوال (۲۱۸) سجدہ میں زمین دونوں پاؤں پر رکھنے کے بجائے دونوں پاؤں اوپر اٹھانے سے نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر دونوں پاؤں زمین سے اوپر اٹھالیے تو نماز فاسد ہوجائے گی اور ایک اٹھانے کی صورت میں مکروہ۔

عالمگیریہ میں ہے:۔ لوسجد ولم یضع قدمیہ علی الارض لایجوز ولو وضع احدھما جاز مع الکراھۃ۔ ان کان بغیر عذر کذا فی شرح منیۃ المصلی لامیر الحاج انتہی۔

مقتدی کا خارج صلوٰۃ سے لقمہ لینا

سوال (۲۱۹) اگر کوئی مقتدی کسی خارج صلوٰۃ شخص سے لقمہ لے کر اپنے امام کو دے اور امام لقمہ لے کر آگے نکل جائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ قنیہ میں ہے:۔ لوسمع الموتم ممن لیس فی الصلوٰۃ ففتحہ علی امامہ یجب ان تبطل صلوٰۃ الکل لان التلقین من الخارج انتہی۔

باب القراءۃ فی الصلوٰۃ

سورۂ ضحیٰ کے ختم پر تکبیر کہنا

سوال (۲۲۰) سورۂ ضحیٰ سے سورۂ ناس تک ہر سورۃ کے آخر میں تکبیر کہنا جنت سے متعلق آیات کی تلاوت کے وقت اس کی تمنا کرنا یا دوزخ سے متعلق آیات کی قراءت کے وقت اس سے پناہ مانگنا اور اسی طرح سبح اسم ربک الاعلیٰ کی تلاوت کے وقت سبحان ربی الاعلیٰ کہنا یا اسی طرح اور دوسری آیات وغیرہ، کیا یہ تمام صورتیں فرائض اور نفل نمازیں یا خارج صلوٰۃ تلاوت کے وقت حنفی اور شافعی مذہب میں جائز ہیں اور ان کا کیا مرتبہ ہے؟

جواب:۔ احمد و ابوداؤد نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبح اسم ربک الاعلیٰ کی تلاوت کے وقت سبحان ربی الاعلیٰ فرماتے۔ اور علامہ جلال الدین محلی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سورۂ ضحیٰ کے نازل ہونے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور دوسرے لوگوں کو سورۂ ضحیٰ اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کے آخر میں تکبیر کے لئے حکم فرمایا۔ علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان میں احادیث جمع کیں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء پڑھی اور جب ایسی آیت تلاوت کرتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو خود تسبیح پڑھتے۔ اور اگر سوال کا ذکر ہوتا تو خود سوال فرماتے اور تعوذ کی صورت میں تعوذ فرماتے، اور کتب احادیث و تفاسیر میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ اس کے بارہ میں تفصیل یہ ہے:۔

بعض شافعیہ اس کو مستحب اور بعض اس کو مسنون مانتے ہیں۔ نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں حکم یہی ہے۔ علامہ سیوطی تفسیر اتقان میں فرماتے ہیں:۔ یستحب التکبیر من الضحیٰ الیٰ اخر القرآن وھی قراءۃ المکیین وسواء لتکبیر الصلوٰۃ وخارجھا صرح بہ السخاوی وابو شامۃ انتہی ملخصًا۔

اور علامہ سلیمان جمل حاشیہ جلالین میں ذکر کرتے ہیں:- فالتکبیر لیس بعد ھذہ السور سواء قرأ القاری فی الصلوٰۃ او فی خارجھا انتہی۔

اور امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:- ومن ھنا استحباب ھذہ الامور لکل قاری فی صلوٰۃ او غیرھا للامام والماموم والمنفرد۔ انتہی ملخصا۔

اور حنفیہ کے نزدیک فرائض واجبات اور تراویح میں بھی ان کلمات کا کہنا امام ومقتدی دونوں کے لئے مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضؓ سے۔ البتہ تراویح کے علاوہ دوسری نوافل مثلاً نوافلِ شب میں کہ اس وقت ایک دو مقتدی ہوتے ہیں اگر ان کلمات سے مقتدی کو ناگواری ہوتی ہو تو امام کے لیئے ان کلمات کا کہنا مناسب نہیں لیکن اگر ان کو ناگوار نہ ہو تو ان کا ترک بھی اولیٰ نہیں اور اگر وہ منفرد ہے تو فرائض اور تراویح میں نہ کہے کیونکہ ان دونوں کے بارہ میں ثبوت نہیں۔ دوسری نوافل کے بارہ میں اس کو اختیار ہے۔

درمختار میں ہے:- وکذا الامام لایشتغل بغیر القرآن وما ورد حمل علی النفل منفرداً انتہی۔

اور علامہ شامی درمختار میں فرماتے ہیں:- وقولہ حمل علی النفل منفرداً افاد ان کلا من الامام والمقتدی فی الفرض او النفل سواء قال فی الحلبیۃ اما الامام فی الفرائض فلما ذکرنا من انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یفعلہ فیھا وکذا الائمۃ من بعدہ الی یومنا ھذا فکان من المحدثات ولانہ تثقیل علی القوم فیکرہ واما فی التطوع فان کان فی التراویح فکذلک وان کان فی غیرھا من نوافل اللیل التی اقتدی بہ فیھا واحد واثنان فلانسلم ترجح الترک علی الفعل لما روی عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ انہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ الی ان قال وما مر بایۃ رحمۃ الا وقف عندھا فسأل ولا بایۃ عذاب الا وقف عندھا وتعوذ اللھم اذا کان فی ذلک تثقیل علی المقتدی وامام الماموم فلان وظیفۃ الاستماع والانصات فلایشتغل بما یخلہ لکن قد یقال انما یتم ذلک فی المقتدی فی الفرائض والتراویح اما المقتدی فی النافلۃ المذکورۃ اذا کان امامہ یفعلہ فلا بعدم الاخلال بما ذکر فلیحمل علی ما عدا ھذہ الحالۃ انتہی۔

اور طحطاوی حاشیہ درمختار میں بیان کرتے ہیں:- قولہ وکذا الامام الخ اما المنفرد ففی الفرض کذلک وفی النفل یسأل الجنۃ ویتعوذ من النار عند ذکرھما انتہی

اور علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں بیان کرتے ہیں:- وکذا الامام لایشتغل بغیر القراءۃ سواء ام فی الفرض او النفل اما المنفرد ففی الفرض کذلک وفی النفل یسأل الجنۃ ویتعوذ من النار عند ذکرھما ویتفکر فی ایۃ المثل وقد ذکر وفیہ حدیث حذیفۃ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل فما مر ایۃ۔ فیھا ذکر الجنۃ الا وقف وسأل اللہ تعالیٰ الجنۃ وما یمر بایۃ۔ فیھا ذکر النار الا وقف وتعوذ من النار وھذا یقتضی ان الامام یفعلہ فی النافلۃ وھم صرحوا بالمنع الا انھم عللوہ بالتطویل علی المقتدی فعلی ھذا لو امہ من یعلم منہ طلب ذلک یفعلہ انتہی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ما ثبت من السنۃ میں یہ جو فرمایا وامسنون المعمول علیہ فی الحرمین وسائر

دیار العرب التکبیر عند الختم من والضحیٰ الی آخر القرآن والمختار فیہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولو اکتفی باللہ اکبر فھو انتہی تو یہ قول محمول ہے خارج صلوٰۃ پر اور فقہاء حنفیہ کی سابقہ تصریحات اس کا قرینہ ہیں۔ واللہ اعلم

راقم الحروف ۱۲۷۹ھ کو مکہ معظمہ میں موجود تھا اور میں نے مصلی حنفی پر تراویح میں اس بات کو نہیں پایا۔ البتہ مولد شریف کی متبرک مجالس میں شرکت کا موقع ملا جس میں عادۃً سورۂ ضحیٰ سے آخر قرآن تک تمام سورتوں کی تلاوت کی جاتی ہے اور ہر سورۃ کے ختم پر تکبیر پڑھنے کا دستور ہے اور یہ طریقہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ تینوں جگہ دیکھا۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا

سوال (۲۲۱) مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ امام شافعی کے نزدیک فرض ہے مگر حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ دلیل ہے من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی قرارت پوری جماعت کے لئے کافی ہے اور سورۃ کی قرارت قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اور حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بھی قرارت امام کے بارہ میں معمول بہ ہے اور آیت کریمہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا قرارت مقتدی سے مانع ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ واللہ اعلم۔

نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا

سوال (۲۲۲) نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا واجب ہے؟

جواب:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔ حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ان کی دلیل ہے اور حنفیہ واجب کہتے ہیں اور یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے مگر اس میں مطلق صلوٰۃ کی نفی نہیں بلکہ صلوٰۃ کامل کی نفی ہے اور آیت کریمہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن عام ہونے کی وجہ سے اس حدیث سے معارض ہے۔ اور دلالت کے وقت اس حدیث کی دلالت ظنی رہ جائے گی اور جس سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔

قرارت میں تغیر کا واقع ہونا

سوال (۲۲۳) بعض کا مسلک ہے کہ قرارت میں لغزش سے اگر معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جائیگی اور بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اگر معنی بدل جائیں اور وہ کفر تک پہنچا دیں تو نماز فاسد ہوگی۔ اس بارہ میں حکم شرعی کیا ہے؟۔

جواب:۔ منیۃ المصلی میں ہے الاصل فیہ انہ لو یکن مثلہ فی القرآن والمعنی بعید یتغیر بہ تغیرا فاحشا یفسد صلوٰتہ انتہی اکثر کتب فقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تغیر معنی سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اعراب کی غلطی ہو جائے اگرچہ معنی کا تغیر اس صورت میں بھی ہوگا۔ مگر عوام پر شفقت کے خیال سے بعض فقہا مفسد صلوٰۃ نہیں کہتے کذا فی العالمگیریۃ انتہی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

عورتوں کا نماز میں جہر کرنا

سوال (۲۲۴) فجر و مغرب اور عشاء میں عورتوں پر بھی جہر واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ واجب نہیں ہے۔ رسائل الارکان میں ہے ثم الجہر فی الصلوٰۃ الجہریۃ للرجال والاخفاء فی صلوٰۃ المخافتۃ واجب واما المرأۃ فیجب علیہا الاخفاء فی الصلوات کلہا لان صوتہا عورۃ انتہی۔

بَابُ الاِمَامَۃِ وَالجَمَاعَۃ

غیر عالم کا عالم بننا

سوال (۲۲۵) ایک شخص علم صرف ونحو سے ناواقف محض کتب فقہ کے تراجم کی مدد سے چند مسائل کی خبر رکھتا ہے۔ مگر کم علمی اور جہل کی وجہ سے اصل مطالب کی خبر نہیں اور لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنا اتباع کرائے اور عالم کہلانے کی غرض سے مسجد میں وعظ کہتا ہے جس میں قرآن وحدیث کے خلاف مسائل ہوتے ہیں۔ اور بغیر کسی پیر کی اجازت کے بہت سے لوگوں کو مرید بھی کر لیا ہے اور محض اپنے فائدہ کی وجہ سے ایک صحیح عالم کو امامت عیدین وجمعہ اور وعظ سے منع کر کے خود امامت کرتا ہے اور اتحادِ روافض کی وجہ سے میلاد شریف کی مجالس میں قصداً خلفا کی تعریف بیان نہیں کرتا۔ اور روافض کے کہنے کی وجہ سے اہل سنت والجماعت سے بالکل قطع تعلق کر لیا کہ شادی بیاہ اور مرنے جینے میں بھی شریک نہیں۔ کیا ایسا شخص عند اللہ گناہ گار ہوگا یا نہیں۔ اس کے وعظ ونصیحت اور عیدین وجمعہ کی امامت ایک عالم کی موجودگی میں صحیح ہے یا نہیں اور بغیر کسی پیر کی اجازت کے مرید کرنا کیسا ہے جب کہ لوگوں کی زمین جائداد، مال اور مکانوں کو غصب کر کے ان کے دلوں کو دکھاتا ہے۔ اور طہارت وغیرہ کا پابند نہیں؟

جواب:۔ ایسا شخص گنہگار ہوگا اور ایک صحیح عالم کی موجودگی میں اس کو وعظ وامامت کا استحقاق نہیں اور جبکہ وہ ناجائز امور کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا مرید بننے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

امام ومقتدی کے درمیان کا فاصلہ

سوال (۲۲۶) گھر یا جنگل اور مسجد میں امام اور مقتدی کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے؟

جواب:۔ اگر امام محراب میں ہو اور مقتدی اطراف مسجد میں تو نماز جائز ہے، کیونکہ مسجد بمنزلہ مکان واحد کے ہے باوجودیکہ اطراف بعید ہی کیوں نہ ہوں اور کمرہ کا بھی حکم یہی ہے۔ اور جنگل میں دو صفوں کے فاصلہ کی اجازت ہے۔ سراج المنیر میں ہے:۔ قدر ما ینبغی ان یکون بین الامام والقوم فی الصحراء ما یسع فیہ الصفان وعلیہ الفتوی کما فی الغایۃ والبیت کالمسجد مع تباعد اطرافہ کبقعۃ الواحدۃ فی حق الاقتداء وھو الاصح کما فی القنیۃ وخزانۃ المفتین انتہی۔

اور تحفہ میں ہے:- قیل المسافۃ التی تمنع الاقتداء فی الصحراء تمنعہ فی البیت والاصح انہ یجوز فی البیت کالمسجد انتہی اور سراجیہ میں ہے:- لو اقتدی من اقصی المسجد بالامام وھو عند المحراب جاز انتہی۔

صفوں کے درمیان کا فاصلہ

سوال (۲۲۷) صفوں کے درمیان کس قدر فاصلہ ہونا چاہیئے؟-

جواب صفوں کے قریب اور متصل ہونے کے بارہ میں احادیث میں بہت تاکید ہے۔ جیساکہ ایک حدیث ابوداؤد میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے۔ آپؐ نے فرمایا رصوا صفوفکم یعنی صفیں سیدھی کرو، وقاربوا بینہا اور صفیں قریب قریب قائم کرو۔ شراح حدیث نے اس قرب کی مقدار بیان کی کہ دو صفوں کے درمیان تیسری صف کی گنجائش نہ ہو۔

شرح مشکوٰۃ میں ہے قاربوا بین الصفوف بحیث لا یسع بینہما صف آخر حتی یقدر الشیطان ان یمر بین یدیہ انتہی

حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے

سوال (۲۲۸) حنفی کے لئے شافعی کی اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- ایک جماعت کے نزدیک مقتدی کی رائے کا اعتبار ہے اور اسی کو شامی نے صحیح کہا ہے اور اسی نظریہ کے تحت بحرالرائق میں ہے اگر مقتدی کو یقین ہے کہ امام محتاط ہے اور شرائط وارکان میں مسائل خلافیہ کی پوری رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء مکروہ نہیں۔ اور اگر شک ہو تو پھر مکروہ ہے اور اگر کوئی علم نہیں تو جائز ہے۔ ایک دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اس میں امام کا اعتبار ہے۔ اور صاحب نہایہ نے اس کو اقیس کہا ہے جس کو شامی نے نقل کیا۔ اور اس لحاظ سے اگر شافعی امام محتاط بھی نہ ہو تب بھی اس کی اقتداء درست ہے۔ جب تک کوئی شے مفسد صلوٰۃ اس کو معلوم نہ ہو جائے جس کی تائید واقعہ مذکور سے ہوئی ہے کہ امام ابویوسفؒ نے ہارون الرشید کی اقتداء کی جبکہ وہ فصد کرا کر آئے تھے اور وضو نہیں کیا تھا۔ اور علامہ عینی اسی طرف مائل ہیں شرح کنز میں فرماتے ہیں:- والطریق فی ھذا ان یقال یجوز اقتداء الحنفی بالشافعی والشافعی بالحنفی وکذا المالکی بالحنبلی مالم یتحقق من امامہ مایفسد الصلوٰۃ فی اعتقادہ انتہی۔

عورت کی نماز شوہر کے پیچھے

سوال (۲۲۹) اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی اقتداء کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر عورت کے دونوں قدم شوہر کے قدموں کی ایڑیوں سے پیچھے ہوں تو اقتداء جائز ہے۔ ورنہ اگر محاذاۃ ہو جائے تو دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ بحرالرائق میں ہے والمرأۃ اذا صلت مع زوجہا فی البیت ان کان قدمہا بحذاء قدم الزوج لا یجوز صلوتہما انتہی

دوسری جگہ مذکور ہے:- وفی الخانیۃ والظہیریۃ المرأۃ اذا صلت فی بیتہا مع زوجہا ان کانت قدماھا خلف قدم الزوج الا انہا طویلۃ یقع راسہا فی السجود قبل راس الامام جازت صلوتہما لان العبرۃ للقدم انتہی

قل ہو اللہ کو گل ہو اللہ پڑھنا

سوال (۲۳۰) ایک شخص قل ہو اللہ کو گل ہو اللہ پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اہلِ ہند جس کو ق پڑھتے ہیں وہ درحقیقت ترکی زبان کا حرف ہے عربی نہیں۔ اور لغت عرب میں یہ شکل گاف کی ہے اور تمام عرب گاف ہی پڑھتے ہیں کیا اس کا مقولہ صحیح ہے یا نہیں، اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب:- اس کا مقولہ صحیح نہیں۔ اور نہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ کیونکہ تمام ادبا، اور اہلِ لغت نیز قرا، اور ماہرین نحو کا اتفاق ہے کہ حرفِ قاف عربی ہے۔ قاری ابو محمد مکی فقیہ کتاب الرعایۃ تجوید القراءۃ میں بیان کرتے ہیں:- القاف تخرج من المخرج الاول من مخارج الفم مما یلی الحلق من اقصی اللسان وما فوقه من الحنک والقاف حرف متمکن قوی لانه من الحروف المجهورة الشدیدة المستعلیة ومن حروف القلقلة قریبة من مخرج الکاف فیجب علی القاری ان یفخم القاف تفخیما بالغا اذا اتت بعدها الف کما یفعل بها اذا [illegible] الحروف فتقال فالقاف وذلک نحو قوله تعالیٰ قالوا وقاموا وکذلک بینهما بیانا خالصا تفخیما اذا انفردت مفتوحة او مضمومة نحو قلیلا وقدسنا وقد ورد وقوله او شبهه فاذا وقعت الکاف بعدها او قبلها وجب بیانه لئلا یشوبها شئ من لفظ الکاف لقربها منها ویشوب الکاف شئ من لفظ القاف نحو خالق کل شئ وخلقکم ورزقکم انتهی۔ اور ظاہر ہے کہ صفاتِ مذکورہ گاف فارسی میں نہیں پائی جاتیں لیکن موجودہ زمانہ میں اہلِ عرب کے یہاں قاف کی جگہ گاف فارسی کا استعمال وہ عجمیوں کے اختلاط کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے کبھی وہ لوگ قرآن و حدیث میں قاف کی جگہ گاف فارسی نہیں پڑھتے اور بادیہ نشین جاہلوں کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ حروف کو مخارج سے ادا نہیں کرتے اور قرآن کے ایسے حروف کہ ان کا تلفظ اور دوسرے حروف سے تمیز آسان ہو اُن کو بدل دینا ایسے طریق پر کہ معنی بھی متغیر ہو جائیں یہ مفسد صلوٰۃ ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:- ان غیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالصاد مع الطاء فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوته عند الکل انتهی۔

سابقہ نیت سے نماز کا اعادہ کرنا

سوال (۲۳۱) اگر کسی وجہ سے اقتدا صحیح نہیں ہوئی۔ اب مقتدی اسی سابقہ نیت سے اپنی نماز پوری کرتا ہے تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔

جواب:- امام محمدؒ کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔ اور امام صاحب، امام یوسفؒ کے نزدیک ادا ہو جائے گی۔ برجندی شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں:- واعلم ان فی کل موضع لا یصح الاقتداء لا یصیر المقتدی شارعا فی صلوة نفسه فی روایة باب الحدث حتی لو قهقهة لا ینتقض طهارته وفی روایة باب الاذان یصیر شارعا قیل ما ذکر فی الحدیث قول محمد وما ذکر فی باب الاذان قولهما کذا فی الظهیریة۔ انتہی۔

ابو الحسنات محمد عبدالحی

ادا رفرض کے بعد امامت کرنا

سوال (۲۴۲) اگر ایک شخص اپنی فرض یا واجب نماز ادا کرنے کے بعد دوسری مسجد میں جاکر اسی ادا کردہ نماز کے لیے امام بن جاتا ہے تو اس کے پیچھے دوسرے لوگوں کی فرض یا واجب نماز ادا ہو جائیگی

جواب :- نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے :- الاصل فی ہذہ المسائل ان حال الامام ان کان مثل حال المقتدی اوفوقہ جاز صلوٰۃ الکل وان کان دون حال المقتدی صحت صلوٰۃ الامام ولا یصح صلوٰۃ المقتدی ھکذا فی المحیط انتہی

شیعہ کی اقتداء کرنا

سوال (۲۴۳) شیعہ کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- اگر وہ شیعہ اصحاب کبار اور ام المومنین کی تکفیر اور دیگر امور موجب تکفیر نہ کرے بلکہ محض ظلم و غضب کے ذکر پر اکتفا کرے تو ضرورت کے وقت اس کی اقتداء کرنے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ وضو اور نماز کے ارکان میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے۔ ورنہ اقتداء صحیح نہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت عثمان غنی کے محصور ہونے کی حالت میں لوگوں نے عرض کیا کہ امامت تو آپ کا حق ہے اور آپ اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور نماز کی امامت فقط امام ہی کیا کرتا ہے۔ اس پر حضرت عثمان نے فرمایا کہ جس وقت لوگ کاری میں مصروف ہوں تو ان کے ساتھ بھی بھلائی کرلی چاہیئے اور جس وقت کہ وہ بدکار ہو جائیں تو ایسے لوگوں سے احتراز کرکے ان کی بدکاری میں شریک نہ ہونا چاہیئے۔

بَابُ المسْبُوق

مسبوق کا امام سے پہلے تشہد پڑھ لینا۔

سوال (۲۴۴) اگر مسبوق قعدۂ اخیرہ میں امام سے پہلے تشہد سے فارغ ہو جائے تو کیا کرے؟

جواب :- مسبوق کے لیے مستحب ہے کہ التحیات اس قدر آہستہ پڑھے کہ امام کے سلام پھیرنے تک پوری ہو اور اگر سلام امام سے پہلے فارغ ہو گیا تو خاموش بیٹھا رہے اور بعض کا قول ہے کہ مکرر پڑھے اور بعض کے نزدیک درود اور دعا وغیرہ میں مشغول ہو جائے۔

حلبی شرح منیہ میں بیان کرتے ہیں :- اذا فرغ المسبوق من التشہد قبل سلام الامام یکررہ من اولہ وقیل یکرر کلمۃ الشہادۃ وقیل یسکت وقیل یاتی بالصلوٰۃ والدعاء والصحیح انہ یترسل حتی یفرغ عند سلام الامام۔

مسبوق کا دوسرے کے کہنے سے اپنی نماز کو پورا کرنا

سوال (۲۴۵) اگر مسبوق بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے اور کچھ دیر توقف کے بعد دوسرے کے کہنے پر بقیہ نماز کو پورا کرتا ہے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے نماز کی حالت میں غیر سے مدد حاصل کی کذا یفہم من الدر المختار۔

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا

سوال (۲۳۶) اگر مسبوق سہواً یا عمداً امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ سہوا کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ البتہ عمداً کرنے سے فاسد ہو جائے گی مجمع البرکات میں ہے وسلام المسبوق لا تفسد صلاتہ لانہ سلام الساهی فلا یخرجہ عن حرمۃ الصلوٰۃ کذا فی فتاوی عالمگیریۃ ناقلا عن شرح الطحاوی وان سلم مع الامام علی ظن ان سلامہ مع الامام فهو اسلام عمداً فتفسد کذا فی الظہیریۃ انتہی۔

باب سجود السہو

قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہونا

سوال (۲۳۷) زید قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہو گیا اور رکعت پوری ہونے سے پہلے یاد آگیا تو کھڑے کھڑے سلام پھیر دیا کیا اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ اس کے لیے لازم تھا کہ کھڑے ہو کر سلام نہ پھیرتا کیونکہ یہ طریقہ مشروع نہیں بلکہ بدعت ہے (بحر الرائق) اور اگر کھڑے ہو کر سلام پھیر دیا تو نماز صحیح ہو گئی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

در مختار میں ہے:۔ وان قعد فی الرابعۃ مثلا قدر التشہد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائما صح انتہی

اور برجندی شارح مختصر فرماتے ہیں:۔ وسلم قائما کما هو جاز لکن لا ینبغی ان یسلم قائما انتہی۔

قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنا۔

سوال (۲۳۸) قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سجدۂ سہو لازم آئے گا۔ حاشیہ طحطاوی میں ہے:۔ ذکر فی البدائع انہ یجب علیہ السہو عندہ وعندهما لا یجب لانہ لو وجب لجبر النقصان ولا یعقل نقصان فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووجہ قول الامام انہ لا یجب السہو بالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل بتاخیر الفرض وهو القیام الا ان التاخیر حصل بالصلوٰۃ وفی القہستانی عن الروضۃ وبقول الصاحبین افتی اهل زماننا وفی المحیط انتقیح محمد السہو لاجل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونعم ما قال روح اللہ روحہ لکن فی المضمرات ان الفتوی علی قول الامام انتہی۔

تکبیرات عیدین کو ترک کر دینا۔

سوال (۲۳۹) تکبیرات عیدین کو سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ لازم ہو جاتا ہے۔ مختصر قدوری میں ہے:۔ وسجود السہو تلزم اذا زاد فی صلوتہ فعلا من

جنسہا لیس منہا و ترک قراءۃ الفاتحۃ الکتاب او القنوت او التشہد او تکبیرات العیدین انتہی۔

اور عالمگیریہ میں ہے ومنہا تکبیرات العیدین قال فی البدائع اذا ترکہا او انقص منہا او زاد علیہا او اتی فی غیر موضعہا فانہ یجب علیہ سجود السہو کذا فی بحر الرائق ویستوی فیہ الزیادۃ والنقصان القلیل والکثیر نقد روی عن الحسن عن ابی حنیفۃ ان اسہی الامام عن تکبیرۃ واحدۃ فی صلوٰۃ العید سجد للسہو کذا فی الذخیرۃ انتہی

اور فتاوی قاضی خاں میں ہے ولو سہی عن تکبیرات العید یلزمہ السہو انتہی۔

اور تنویر الابصار میں ہے والسہو فی صلوٰۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ والتطوع سواء انتہی۔

تکبیر قنوت چھوڑ دینا

سوال (۲۴۰) تکبیر قنوت ترک کر دینے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں بحر الرائق میں ہے: ذکر فی الظہیریۃ انہ لو ترک تکبیرۃ القنوت فانہ لا روایۃ لہذا و قیل یجب السجود السہو اعتبارا بتکبیرات العید وقیل لا تجب انتہی وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانہ لا اصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید فان دلیل الوجوب المواظبۃ مع قولہ تعالیٰ اذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات

سجدۂ سہو سے قبل سلام پھیرنا

سوال (۲۴۱) سجدۂ سہو سلام کے بعد کرنا چاہیے یا سلام پھیرنا ضروری نہیں؟

جواب سجدۂ سہو سے پہلے سلام پھیرنا مسنون ہے اور اگر بغیر سلام کے سجدہ کر لیا تو بھی جائز ہے۔ مختصر قدوری میں ہے: سجود السہو سنۃ فی روایۃ الحسن واجب عند غیرہ وھو یلزم فی الزیادۃ والنقصان بعد السلام عندنا ولو سجد قبل السلام یجوز عندنا ولا اعادۃ علیہ انتہی

باب صلوٰۃ المسافر

مسافر کا قصداً چار رکعت پڑھنا

سوال (۲۴۲) اگر مسافر قصداً چار رکعت نماز پڑھے اور ہر دو رکعت پر قعدہ بھی کرے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے اور ایسا شخص گنہگار تو نہیں ہوگا۔

جواب: پہلی دو رکعت فرض اور ما بعد کی نفل ہو گئیں اور یہ فعل حسن نہیں ہے۔ ابو المکارم شرح نقایہ میں فرماتے ہیں: لو اتم مسافر اربعًا و قعد القعدۃ الاولیٰ قدر التشہد تم فرضہ وھو الرکعتان واساء لتاخیر السلام قصدًا او ما زاد علی فرضہ نفل انتہی۔

ابو الحسنات محمد عبد الحی

مسافر کا ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرنا

سوال (۲۴۳) مسافر نے ایک جگہ اقامت کی نیت کرلی۔ پھر وہاں سے کوچ کرتا ہے تو احکام سفر نافذ کرنے کے واسطے اب بھی تین روز کی مسافت ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ تین روز کی مسافت معتبر ہے۔ رسائل کل میں ہے:۔ الحد الشرعی للسفر عندنا ثلثة ایام فاذا اراد ان یسیر من موضع اقامته الی موضع اٰخر بینه وبین موضع الاقامة مسیرة ثلثة ایام یصیر مسافرا انتھی

مسافر مقیم کی اقتداء کیسے کرے؟

سوال (۲۴۴) مسافر اگر مقیم کی اقتداء کرتا ہے تو دو رکعت کی نیت کرے یا چار کی؟

جواب:۔ بہتر یہ ہے کہ بغیر تعیین رکعات مطلق فرض کی نیت کرے (برجندی) اور اگر کرے تو دو رکعت کی کرے جامع الرموز میں ہے:۔ لو اراد نیة العدد نوی رکعتین انتھی

نوٹ:۔ صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے مسافر کو چار ہی رکعات کی نیت کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

مسافر کا حکم سفر سے خارج ہونا

سوال (۲۴۵) مسافر کا سفر کب پورا ہوتا ہے؟

جواب:۔ کسی شہر یا دیہہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد کی نیت کرنے سے حکم سفر سے نکل جاتا ہے۔ ہدایہ میں ہے ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة فی بلدة او قریة خمسة عشر یوما او اکثر انتھی۔

ریل کی مسافت کا حکم

سوال (۲۴۶) بعض علماء ریل کی مسافت کو اونٹ کی رفتار پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں خشکی میں چلتے ہیں اور بعض علماء اسی مسافت کو اگنبوٹ کی مسافت پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ دونوں آگ سے چلتی ہیں۔ ان دونوں میں صحیح قول کون سا ہے اور حکم شرعی کیا ہے؟

جواب:۔ سفر بحری ہو یا بری، ہر ایک سفر میں سیر متوسط (درمیانی چال) کا اعتبار کیا جائے گا۔ دوسری اور رفتار معتبر نہ ہوگی نیز تیز رفتاری اور سست رفتاری کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اور ریل چونکہ خشکی کی سواری ہے اس لیے اس میں سیر بری کا اعتبار ہوگا سیر بحری کا نہیں۔

بحرالرائق میں ہے:۔ فی السراج الوهاج اذا کانت المسافة ثلثة ایام ولیالیها بالسیر المعتاد فسار البرید سیرا مسرعا او علی الفرس جریا حثیثا فوصل فی یومین قصر انتھی والمراد بسیر الابل والجبل ان یکون بالابل ومشی الاقدام والمراد بالابل القافلة دون البرید واما السیر فی البحر فیعتبر فی البحر ما یلیق به هو ان یکون مسافة ثلثة ایام فیه اذا کانت الریاح معتدلة وان کانت تلک المسافة بحیث تقطع فی البر بیوم کما فی الجبل یعتبر کونها من الجبل بالسیر الوسط ثلثة ایام وان کانت تقطع من طریق السهل بیوم والحاصل انه تعتبر المدة من ای طریق اخذ فیه انتھی۔

باب صلوٰۃ المریض

کوئی شے اوپر اٹھا کر سجدہ کرنا

سوال (۲۴۷) مریض اگر رکوع و سجود پر قادر نہیں۔ اور دوسرے لوگ کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی کے قریب لے جائیں تاکہ وہ مریض اس پر اپنا سر رکھدے۔ کیا اس صورت میں سجدہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ اگر مریض نے اپنے سر کو معمولی سی بھی جنبش اور حرکت دے لی اور قدرے انحنا (جھکنا) پایا گیا تو سجدہ ادا ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ محمود بن الیاس شرح نقایہ میں فرماتے ہیں:۔ ولا یرفع الیہ شئ للسجود علیہ فان فعل ذلک ھو یخفض راسہ للرکوع والسجود جاز بالایماء لا بوضع الراس علی ذلک الشئ وان لم یخفض اسہ لکن یوضع شئ علی جبہتہ لم یجز انتھی

تکیہ پر سجدہ کرنا

سوال (۲۴۸) اگر کسی عذر کی وجہ سے مقام سجدہ کو بلند کرنے کی غرض سے تکیہ رکھ کر سجدہ کرلے تو جائز ہے یا نہیں

جواب:۔ جائز ہے کفایہ میں ہے:۔ ولو وضع بین یدیہ وسائد فالصق جبہتہ علیہا ووجد او فی الاغناء جاز عن ذلک الایماء والا فلا انتھی۔

اور محمود بن الیاس کی شرح نقایہ میں ہے:۔ فان کانت الوسادۃ موضوعۃ علی الارض وھو یسجد علیہا جاز انتھی

مجنون کی نماز

سوال (۲۴۹) مجنون کے ذمہ سے نماز ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر جنون طویل ہوا اور ایک دن رات سے زیادہ وقت اسی جنون کی حالت میں گذر جائے تو اس کے ذمہ سے نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ عنایہ میں ہے:۔ وحد الامتداد فی الصلوٰۃ ان یزید علی یوم ولیلۃ وفی الصوم باستغراق الشھر وفی الزکوٰۃ باستغراق الحول انتھی۔

باب التراویح

ایک ختم کے بعد تراویح پڑھنا

سوال (۲۵۰) تراویح میں ایک قرآن ختم کر لینے کے بعد بقیہ ایام میں تراویح پڑھنا ضروری ہے یا نہیں

جواب:۔ نفس تراویح کے مسنون ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نفس تراویح کو بغیر قرآن کے مسنون نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ تراویح کا مسنون ہونا ختم قرآن کی وجہ سے ہے اور بعض علماء نفس تراویح کو مستقل سنت اور

رتِ قرآن، سماعِ قرآن کو سنتِ مستقلہ کہتے ہیں۔ لہٰذا پہلے قول کے مطابق ختمِ قرآن کے بعد تراویح کی سنت باقی
یں رہی۔ اور دوسری جماعت کے نزدیک ختمِ قرآن سے ایک سنت ادا ہوگئی۔ اور ایک سنت تراویح کی آخر رمضان
ب باقی ہے۔ صاحب فتاویٰ عالمگیریہ اور دوسرے فقہاء نے قولِ ثانی کو اصح قرار دیا۔

تمِ قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا

سوال (۲۵۱) تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں؟

واب:۔ مستحب ہے۔ شرح منیہ میں ہے:۔ قراءة قل هو الله احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنها
ض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث هذا شئ استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلا باس به الا ان
ون الختم فی المکتوبة فلا یزید ه علی مرة انتهٰی۔

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے:۔ یکره تکرار قراءة السورة فی الفرض ولا یکره تکرار السورة فی
تطوع لان باب النفل اوسع انتهٰی ملخصًا۔

سمیہ سورۂ نمل کے علاوہ بسم اللہ پڑھنا

سوال (۲۵۲) اگر کوئی حافظ تراویح میں پورے قرآن میں سورۂ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ جو کہ جزو
قرآن ہے کسی جگہ بھی بسم اللہ نہ پڑھے تو ختمِ قرآن کامل ہوگا یا ناقص؟

واب:۔ کامل نہیں ہوگا۔ کیونکہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اور سورتوں میں فصل کرنے کی غرض سے اس کو
رآن میں مکرر لایا گیا ہے۔ لہٰذا تراویح میں ختمِ قرآن کے وقت کسی ایک سورۃ کے شروع میں اس کو پڑھنا ضروری
ہے اور چھوڑنے کی صورت میں ختمِ قرآن ناقص رہے گا۔

تنویر المنار میں ہے:۔ حنفیہ برآنند کہ بسم اللہ آیتِ واحدہ است مکرر شدہ برائے فصل میانِ سور پس
رآن عبارات است از مائة و چاردہ سور و یک آیت پس در ختمِ قرآن یک بار بسم اللہ ضروری ست بر سر ہر سورہ
ہ خواہد و نیست جزو ہر سورہ چنانچہ مذہب امام شافعی است کہ بسم اللہ مائة و سیزدہ آیت ست در قرآن بر ہر سورہ
واۓ برآت و اگر در یک جا ترک کرد ترک کرد ختم را۔

رویحہ کی مقدار

سوال (۲۵۳) تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کس قدر بیٹھنا چاہیئے جس کا نام ترویحہ ہے؟

جواب ایک ترویحہ کی مقدار آرام لینا مستحب ہے اور اختیار ہے کہ اس وقت خاموش بیٹھا رہے یا تسبیح پڑھے،
رارتِ قرآن کرے، درود بھیجے نفل نماز پڑھے۔ کوئی خاص دعا منقول نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح ما ثبت بالسنة میں تحریر فرماتے ہیں:۔ المستحب ان یجلس بین کل ترویحتین
قدار ترویحة وکذا بین الخامسة والوتر وهو المروی عن ابی حنیفة وهو المروی عن السلف واهل الحرمین
کانوا مجمعین علی ذلك اما اهل مکة فانهم یطوفون اسبوعا واهل المدینة یصلون اربعا وکذا اهل کل بلد

من بلاد المسلمین ثم ھو بالخیار ان شاء سبح او ھلل او صلی او قرأ القرآن او سکت ولو ترک الاستراحۃ بین ترویحتین فقیل لا بأس بہ وقیل لا یستحب لانہ یخالف اھل الحرمین الشریفین زادھما اللہ شرفا ولو مقدار اربع رکعات بقراءۃ معتدلۃ دون قدر ما صلی الترویحۃ تکفی انشاء اللہ تعالیٰ ونرجو من اللہ القبو

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال (۲۵۴) حنفیہ وتر کے علاوہ تراویح کی بیس رکعت پڑھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ سے روایت صحیح مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نہ پڑھتے تھے، تو بیس رکعت کی دلیل کیا ہے؟۔

جواب: حضرت عائشہؓ کی حدیث نماز تہجد کے بارہ میں ہے کہ رمضان اور غیر رمضان اس لحاظ سے مساوی اور یہ گیارہ رکعت کی مقدار وتر کو ملا کر ہوتی تھی۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اس روایت کے راوی ابوسلمہؓ کہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ سے سوال کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں اس پر آپؐ نے جواب دیا کہ اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں۔ اور قلب نہیں سوتا (بخاری و مسلم)

اور اس وقت کا عرف عام یہ تھا کہ تراویح کو قیام رمضان سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اور صحاح ستہ میں روایا صحیحہ مرفوعہ سے قیام رمضان کی تعداد کا تعین معلوم نہیں ہوتا صرف یہ الفاظ ملتے ہیں:۔

قال عائشۃ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم

لیکن مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں ابن عباسؓ کی روایت ہے:۔ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ یصلی فی رمضان وغیرہ جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر وروی البیھقی فی سننہ باسناد صحیح عن السائب بن یز کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ۔

بَابُ القنوت

دعاء قنوت اور رفع یدین

سوال (۲۵۵) شارح حموی اشباہ کے قول، وقنت الامام فی صلوٰۃ الفجر کے تحت لکھتے ہیں مناسب ہے کہ یہ قنوت رکعت ثانیہ میں رکوع سے پہلے ہو اور اس کے لیے تکبیر کہی جائے انتہی کلامہ۔ اب اس جگہ تکبیر رفع یدین کے ساتھ ہوگی یا بغیر رفع یدین۔

جواب:۔ تکبیر قنوت میں رفع یدین فقہاء سنت کہتے ہیں جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے ولا یسن رفع الا فی تکبیرۃ افتتاح وقنوت وعید الخ لیکن کسی مصیبت کے پیش آجانے کی صورت میں جو قنوت نازلہ صبح پڑھی جاتی ہے اگرچہ بعض فقہاء نے اس کی تکبیر کو جائز قرار دیا مگر اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس قنوت نازلہ کی تکبی

...ت بھی رفع یدین ہوا ہو بلکہ اکثر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کے بعد ...ح وتحمید سے فارغ ہوکر قنوت پڑھتے تھے اور ان کی تکبیر کا ذکر نہیں آیا۔ امام بخاریؒ ابو ہریرہؓ سے روایت ...تے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یدعوا علی احد او یدعوا لاحد قنت ...د الرکوع فربما اذا قال

ابو داؤدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا: قال قنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شہرا متتابعا ...لظھر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فی الرکعۃ الاخیرۃ یدعوا علی ...یا من بنی سلیم دوسری روایتوں میں بھی یہی مضمون ہے۔

بَابُ النَّوَافِل

...یٹھ کر نمازِ نفل پڑھنا

سوال (۲۵۶) مغرب اور وتر کے بعد کی نفلیں کھڑے ہوکر پڑھنی چاہئیں یا بیٹھ کر؟

جواب:۔ نفل نماز کھڑے ہوکر پڑھنے میں زائد ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ ...تر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنی چاہیئے۔ کذا جاء فی الحدیث۔

بَابُ قضاء الفَوَائت

نماز اور روزہ کا کفارہ

سوال (۲۵۷) اگر کسی میت پر نماز اور روزے واجب ہیں تو ان کے کفارہ کی مقدار کیا ہے؟

جواب:۔ ایک روزہ کا کفارہ نصف صاع گندم ہے اور ایک نماز کا کفارہ بھی نصف صاع گندم ہی ہوگا۔ پس اگر میت نے ادا کفارہ کی وصیت کی تھی تو اس کے مال کا تہائی حصہ لے کر اس میں سے کفارہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر وصیت نہیں کی اور ورثہ تبرع اور احسان کے طور پر اس کو ادا کردیں تو جائز ہوگا۔

حمادیہ میں ہے:۔ اذا مات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصی بان یعطی کفارۃ صلوٰۃ یعطی بکل صلوٰۃ نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع ولصوم یوم نصف صاع وانما یعطی من ثلث مالہ انتہی۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ وان لم یوص لورثتہ وتبرع بعض الورثۃ یجوز انتہی۔

صوم وصلوٰۃ کا کفارہ تعمیر مسجد پر صرف کرنا

سوال (۲۵۸) صوم وصلوٰۃ کے کفارہ کو مسجد کی تعمیر، سڑک اور پل کی تیاری میں صرف کرنا جائز ہے

یا نہیں جبکہ کسی کی تملیک نہ ہو؟

جواب :۔ ابوالمکارم کی تحریر سے جواز معلوم ہوتا ہے اور صاحب برہان کی تحریر سے عدم جواز۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تمام صدقات اور کفاروں میں غریب کی تملیک شرط ہے۔

ابوالمکارم لکھتے ہیں :۔ اجازلہ اباحۃ فی الکفارات کلہا والضابطۃ ان کل ماورد بلفظ الایتاء والاداء شرط فیہ التملیک وما ورد بلفظ الاطعام یشترط فیہ الاباحۃ وعند الشافعی یشترط التملیک فی الکل انتہیٰ۔

اور صاحب برہان انما الصدقات للفقراء کی شرح میں لکھتے ہیں :۔ انما للحصر فیقتضی قصر جنس الصدقات علی الاصناف المعدودۃ واختصاصہا بہم کانہ قیل انما ھی لہم لا یغیرہم انتہیٰ۔

تفسیر احمدی میں ہے :۔ ھذہ الآیۃ فی بیان مصارف الزکوٰۃ لان المراد من الصدقات المفروضۃ منہا وھی الزکوٰۃ وقد جعلہا اللہ فی الآیۃ ثمانیۃ مذکورۃ مع الترتیب وحصر فیہا بکلمۃ انما انتہیٰ۔

بابُ الجمعۃ والعیدَیْن

شہر کی تعریف

سوال (۲۵۹) ادائے نماز جمعہ کے لئے شہر ہونا شرط ہے۔ تو شہر کی تعریف کیا ہوگی؟

جواب :۔ شہر کی تعریف میں اختلاف ہے

(۱) جس جگہ ہر پیشہ کے آدمی موجود ہوں اور اسی پیشہ سے اپنی گذر اوقات کرتے رہیں۔ کسی دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، وہ شہر ہے۔

برجندی مضمرات میں بیان کرتے ہیں :۔ قال بعضہم ھوان یعیش کل محترف بحرفتہ فیہ من سنۃ الی من غیر ان یحتاج الی حرفۃ اخریٰ انتہیٰ۔

ابوالمکارم اپنی شرح میں فرماتے ہیں :۔ وقال بعض ھو من یعیش فیہ کل صانع بصنعہ انتہیٰ۔

(۲) شہر وہ جگہ کہلاتی ہے کہ وہاں ہر دن ایک بچہ پیدا ہوتا ہو اور ایک آدمی مرجاتا ہو۔

(۳) شہر وہ جگہ ہے کہ جس کی آبادی کا شمار مشکل ہو۔ برجندی بیان کرتے ہیں :۔ وفی کنز العباد وقال بعضہم ھوان یولد فیہ کل یوم ولد ویموت فیہ انسان وقال بعضہم ھوان لا یعرف اہلہ الا بکلفۃ ومشقۃ انتہیٰ

(۴) جس کی آبادی دس ہزار انسانوں پر مشتمل ہو (شرح ابی مکارم)

(۵) شہر وہ آبادی ہے کہ اس میں قاضی اور مفتی ہوں اور احکام نافذ کر سکتے ہوں۔ شرح ابی المکارم میں ہے :۔

وقال قاضی خاں لا یکون الموضع مصرًا الا ان یکون فیہ مفتی وقاض ینفذ الاحکام انتہیٰ۔

(۶) ثلجی کا مسلک مختار ہے کہ بڑی سے بڑی مسجد میں اگر پوری آبادی نہ سا سکے تو وہ شہر ہوگا کذا فی الہدایۃ)

(۷) بحرالعلوم مولانا عبدالعلی ارکان میں فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار مولانا نظام الدین کے نزدیک شہر وہ آبادی ہے کہ جہاں انسان کی تمام ضروریات مہیا ہوں یعنی کھانے پینے اور پہننے وغیرہ کی اشیاء کی بیع و فروخت ہوتی ہے اور بقدرِ ضرورت ہر قسم کے اہلِ صنعت و حرفت بھی موجود ہوں۔ چونکہ شہر کی تعریف میں اختلاف کثیر ہے۔ اگر کسی آبادی کے شہر ہونے میں شبہ ہو تو احتیاط کا تقاضہ ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعت اس نیت کے ساتھ پڑھے نویت ان اصلی اٰخر الظہر الذی ادرکت وقتہ ولم یسقط بعدعنی اور ہر ایک رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی پڑھے

صغیری میں ہے:۔ وعن الاختلاف فی المصر قالوا فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعۃ ینبغی ان یصلی اربع رکعات بنیۃ اٰخر الظہر ادرکت وقتہ ولم یسقط بعد عنی انتہی۔

اور دوسری جگہ ہے:۔ ینبغی ان یقرأ السورۃ مع الفاتحۃ فی الاربع التی بنیۃ اٰخر الظہر فان وقع فرضا فالسورۃ لاتضروان کان نفلاً فقراءۃ السورۃ واجبۃ انتہی ملخصًا وھکذا فی العالمگیریۃ

عیدین اور جمعہ کا حکم بالکل یکساں ہے کیونکہ دونوں میں مصر اور شہر کا ہونا شرط ہے۔

اقامتِ جمعہ کے لیئے قاضی کی ضرورت

سوال (۲۶۰) موجودہ دور میں خلیفہ مسلم نہ ہونے کی وجہ سے عالم متقی کہ مقبول خاص و عام ہے۔ اقامتِ جمعہ و خطبہ کے لیئے قاضی اور خلیفہ کے قائم مقام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایسا عالم متقی، قاضی کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ بحرالرائق میں خلاصہ کے حوالہ سے نقل کیا:۔

والی مصر مات ولم یبلغ الخلیفۃ موتہ حتی مضت بہم جمع فان صلی بہم خلیفۃ المیت او صاحب الشرط او القاضی اجزئہم ولو اجتمعت العامۃ علی تقدیم رجل لم یأمرہ القاضی ولا خلیفۃ المیت لم یجز ولم یکن جمعۃ ولو لم یکن ثمہ قاضی ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز للضرورۃ انتہی۔

اور درمختار میں ہے:۔ نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر علی وجود من ذکر اما مع عدمہم فیجوز للضرورۃ انتہی

اور عالمگیری میں ہے:۔ ولو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بہم الجمعۃ جاز کذا فی التہذیب۔

جمعہ میں اسقاطِ ظہر کی نیت

سوال (۲۶۱) مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ جمعہ کے لیئے فرضِ ظہر کے ساقط کرنے کی نیت کرے ورنہ فرض ادا نہ ہوگا۔ یہ روایت درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ روایت کتبِ معتبرہ کے مخالف ہے۔ صاحب درمختار نے نمازِ جمعہ کے وجوب کی نو شرطیں اور صحتِ ادا کی سات شرطیں ذکر فرمائیں مگر ان میں اسقاطِ ظہر کا تذکرہ نہیں اور نہ کسی معتبر متن میں اس شرط سے تعرض کیا گیا واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

ایک شہر میں نمازِ جمعہ کا تعدد

سوال (۲۶۲) ایک شہر میں چند جگہ نمازِ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین سے مختلف روایات منقول ہیں:-

(۱) ایک جگہ کے علاوہ جمعہ درست نہیں۔ شمنی بیان کرتے ہیں شرح نقایہ میں ہے:- وثانیہا عن ابی حنیفۃ لایجوز فی اکثر من موضع واحد لان الجمعۃ من اعلام الدین لا یجوز تقلیل جماعتہا وفی جوازہا فی مکانین تقلیلہا انتہی

(۲) صرف دو جگہ پڑھنا جائز ہے بغیر کسی شرط کے۔ شمنی شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں:- وثالثہا عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ یجوز فی موضعین لاغیر انتہی

(۳) دو جگہ پڑھنا درست ہے بشرطیکہ اس شہر کے درمیان نہر فاصل ہو جیسے بغداد۔ شمنی فرماتے ہیں:- ورابعہا عن ابی یوسف انہ یجوز فی موضعین اذا کان المصر کبیرا او حال بین الخطتین نہر کبغداد انتہی۔

(۴) امام محمدؒ سے ایک روایت منقول ہے کہ صرف تین جگہ تک پڑھنا درست ہے (شرح وقایہ)

(۵) بغیر کسی تعیین کے متعدد جگہ پڑھنا درست ہے۔ اس قول کو امام سرخسی اور دیگر ائمہ دین نے امام اعظمؒ اور امام محمدؒ سے نقل کیا اور اسی پر فتوی ہے اور فقہائے نے اسی قول کو صحیح اور اصح لکھا ہے۔

درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے:- جازت الجمعۃ فی مواضع من المصر وھو قول ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ وھو الاصح لان فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینۃ کبیرۃ حرجا بینا انتہی۔

اور ذخیرۃ العقبی میں ہے:- والصحیح من قول الاعظم والربانی ان تؤدی فی مصر واحد فی مواضع کثیرۃ انتہی۔

اور برہان شرح مواہب الرحمان میں ہے:- وتعددھا ای الجمعۃ فی مواضع کثیرۃ فی مصر واحد جائز عند ابی حنیفۃ قال السرخسی فی الصحیح من مذھبہ وبہ قال محمد انتہی۔

اور بحر الرائق میں ہے:- وذکر الامام السرخسی ان الصحیح من مذھب ابی حنیفۃ جواز اقامتہا فی مصر واحد فی مسجدین واکثر وبہ ناخذ لاطلاق لاجمعۃ الا فی مصر شرط المصر۔ فقط

اور در مختار میں ہے:- وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقا علی المذھب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی انتہی اور طحطاوی نے قولہ مطلقا پر حاشیہ لکھا سواء کان ھناک ضرورۃ اولا فصل بین جانبی البلد نھر ام لا انتہی۔

غیر عربی میں خطبہ دینا

سوال (۲۶۳) عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ دینا اور خطبہ میں اشعار پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے خطبہ سے نماز جمعہ میں تو کوئی نقصان نہیں آئے گا؟

جواب:- عربی کے علاوہ ہر ایک زبان میں خطبہ دینا خواہ فارسی ہو یا غیر فارسی بغیر عذر و عجز کے امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے البتہ خلاف افضل ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ اور در مختار میں ہے:- وشرطا عجزہ انتہی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی سفر السعادت میں فرماتے ہیں:- افضل آنست کہ خطبہ بزبان عربی باشد ونزد امام ابوحنیفہؒ بغیر عربی نیز جائز است بہر زبانے کہ باشد وبعضے گفتہ اند از غیر عربی جز بفارسی روا نباشد انتہی۔

عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:- والخطبۃ یوم الجمعۃ والتشہد ای قراءۃ التحیات فی العقد امات علی ھذا الاختلاف

یعنی یجوز عند ابی حنیفۃ خلافاً لهما انتہی۔

اور منظوم خطبہ اگر کذب و مبالغہ اور صرد و غنا سے خالی ہو تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اشعار فی نفسہ قبیح نہیں بلکہ حسن و قبح کا مدار ان کے مضامین پر ہے۔

دار قطنی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ھو کلام فحسنہ حسن و قبیحہ قبیح انتہی۔

مگر چونکہ منظوم خطبہ سنت جاریہ کے خلاف ہے اس لئے کراہۃ تنزیہی سے خالی نہیں بلکہ صاحب لصاب الاحتساب نے تو حرام ہی لکھ دیا ھل للخطیب ان یقرأ علی المنبر دو بیتی کما اعتادہ مذکرو زماننا ام لا الجواب فی الحدیث من اشتراط الساعۃ ان توضع الاخیار و ترفع الاشرار وان تقرأ المثناۃ ھی التی بالفارسیۃ دو بیتی من الصحاح انتہی۔

بہر حال اگر مذکورہ شرائط کے مطابق منظوم خطبہ پڑھ لیا جائے تو نماز میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔

نوٹ متعلقہ سوال ۲۶۳ غیر عربی میں خطبہ دینے کے بارہ میں امام ابو حنیفہؒ کا قول اول یہ تھا کہ عذر کی وجہ سے صرف فارسی میں جائز ہے۔ مگر صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہیں اور یہی قول مفتی بہ ہے اور امام صاحبؒ کا رجوع بھی اسی قول کی طرف ثابت ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ویروی رجوعہ فی اصل المسئلۃ الی قولھما وعلیہ الاعتماد والخطبۃ والتشہد علی ھذا الاختلاف انتہی۔ اور درمختار میں ہے وعلیہ الفتوی انتہی۔

لہذا بغیر عذر شرعی غیر عربی میں خطبہ دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم		محمد خورشید عالم

خطبہ اولیٰ میں خلفائے راشدین کا ذکر

سوال (نمبر ۲۶۴) اگر خطبہ اولیٰ میں خلفائے راشدین کا ذکر ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ خطبہ اولیٰ میں تسبیح تہلیل اور تحمید و قراءت قرآن اور درود نبی علیہ السلام ہو اور خطبہ ثانیہ میں خلفائے راشدین اور آپ کے دونوں چچا و دیگر صحابہ کرام اور مومنین صالحین کا ذکر کیا جائے جیسا کہ دیار مشرق و مغرب کے علماء کا معمول اور طریقہ ہے وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن لیکن اگر خلفائے اربعہ کا ذکر پہلے خطبہ میں آجائے تو نماز جمعہ میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔

رسائل الارکان میں ہے:۔ ینبغی ان یدعو للمسلمین ویعم ثم یذکر الخلفاء الراشدین و عمیہ والدعاء لھم لان الرحمۃ تنزل بذکر الصالحین ویرجی قبول الدعاء للمسلمین ببرکۃ ذکرھم وھو المتوارث من وقت التابعین الی ھذا الزمان ولم ینکر ذلک احد فھو اجماع و قد ذھب الی انہ من السنۃ للاجماع الفعلی علی ذلک وھو من شعار اھل السنۃ فلا یترک انتہی

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ وذکر الخلفاء الراشدین والتابعین رضی اللہ عنہم مستحسن بذلک جری التوارث کذا فی التجنیس انتہی۔

اذانِ خطبہ کے وقت منبر پر بیٹھنا

سوال (۲۶۵) اذانِ خطبہ کے دوران خطیب منبر پر بیٹھتا ہے، اگر خطیب اس جلسہ کو ختم کردے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:۔ اذان کے وقت منبر پر بیٹھنا مسنون ہے۔ ابوداؤد ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:۔
كان النبي صلى الله عليه وسلم يخطب خطبتين كان يجلس اذا صعد المنبر حتى يفرغ انتهى
اور سنتِ مؤکدہ کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے (درمختار)

خطبتین کے درمیان دعا مانگنا

سوال (۲۶۶) دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت رفع یدین کے ساتھ یا بغیر رفع یدین کے زبان سے ہو یا قلب سے دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر دعا قلب کے ساتھ ہو اور زبان کو حرکت نہ ہو تو جائز ہے۔ ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں بیان کرتے ہیں کیف یدعون هو ما هو مامور بالانصات اجيب ليس من شرط الدعا التلفظ به استحضاره بقلبه كاف انتهى

اور حموی شرح اشباہ میں بھی یہی مذکور ہے۔ لیکن زبان سے دعا مانگنا رفع یدین کے ساتھ یا بغیر رفع یدین کے جائز نہیں اور حدیث سے صرف اتنا ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبتین کے درمیان صرف ایک لحظہ کی مقدار جلسہ فرماتے لیکن اس جلسہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کا ثبوت نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سفر السعادت میں فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جلسہ میں سکوت فرماتے اور کسی کلمہ کا زبانِ مبارک سے تکلم نہ فرماتے اور اس جلسہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دعا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ انتہی کلامہ۔

اور مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:۔ عن ابن عمر قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يخطب ثم يجلس ولا يتكلم ثم يقوم فيخطب انتهى

امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہی ہے کہ خطبتین کے درمیان ہر قسم کا ذکر مکروہ ہے۔ امام حافظ الدین ابوالبرکات نسفی کی کتاب الکافی شرح الوافی میں ہے:۔ كراهة الكلام غير مقصود حال الخطبة عند ابى حنيفة حتى يكره الكلام عنده في حال الجلسة بين الخطبتين لاطلاق الحديث انتهى۔

اور برجندی شرح مختصر میں ہے:۔ والمراد بالكلام مطلق الكلام سواء كان امرا بالمعروف او غيره وسواء كان ذكرا او غيره او غيرهما انتهى۔

زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں:۔ وعند محمد لا يباح له صلاة وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا خرج الامام فلا صلوة ولا كلام چلپی حاشیہ شرح وقایہ میں بھی یہی مذکور ہے۔

اور ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن شیبہ اپنے مصنف میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ

صلوٰۃ وکلام کو مکروہ سمجھتے ہیں جب کہ امام خطبہ کے لیئے نکل آئے۔ اور فرماتے ہیں کہ قول صحابی حجت ہے اور اس کی واجب تقلید ضروری ہے۔ انتہیٰ کلامہ۔ اور یوم جمعہ میں قبولیتِ دعار کے وقت کے بارہ میں ابو موسیٰ اشعری کی مسلم میں روایت ہے کہ وہ مخصوص وقت امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز سے فارغ ہونے کے درمیان ہے۔ مگر بعض لوگوں نے اس روایت کے بارہ میں کلام کیا اور اکثر محدثین کی یہ رائے ہے کہ اس بارہ میں عبداللہ بن سلام کی روایت اولیٰ اور راجح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کی آخری ساعت قبولیت کی ہے اور ساعتِ قبولیت کی تعیین کے بارہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً پچاس روایتیں مروی ہیں۔ انتہیٰ۔

منبر پر چڑھتے اترتے دعار مانگنا

سوال (۲۶۷) منبر پر چڑھتے ہوئے اللھم انصر الخ اور اُترتے ہوئے اللھم اعز الاسلام الخ کے الفاظ کے ساتھ دعار مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ۔کتب فقہیہ میں خاص موقع مذکورہ کے بارہ میں اس قسم کی دعائیں اور کلمات نظر سے نہیں گذرے اور ظاہر ہے کہ اس وقت دعار کی ضرورت بھی نہیں۔

خطبہ میں حاکمِ وقت کے لیئے دعار کرنا

سوال (۲۶۸) حاکم وقت کے حق میں عدل واحسان کی دعار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ۔جائز ہے (کذا فی القہستانی)

عید کی نماز عید گاہ میں

سوال (۲۶۹) عید گاہ کہ عام طور سے جنگل میں ہوتی ہے وہاں عیدین کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ عید گاہ تشریف لے جاتے اور یہ عید گاہ مدینہ سے باہر مسجد شریف کے مغرب میں تھی اور عید گاہ اور مسجد کے درمیان کا فاصلہ ایک ہزار ذراع کا تھا (کذا قال ابن حجر) اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز ایک مرتبہ کے، بارش کی وجہ سے، ہمیشہ عید گاہ میں نماز ادا کی (کذا رد ی ابوداؤد وابن ماجہ)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود مسجد نبوی کی شرافت وکرامت کے عیدین کی نماز میں عید گاہ میں ادا فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں میں ادا کرنے کے بجائے نمازِ عید کے لیئے جنگل کی طرف جانا افضل ہے اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت اور مسجد کے ناکافی ہونے کی وجہ سے ایسا کیا اور اب چونکہ مسجد کافی وافی ہے لہٰذا اہل مدینہ مسجد کو چھوڑ کر باہر نہ جائیں بلکہ مسجد ہی میں ادا کریں اور اہل مکہ ابتدا ہی سے مسجد میں نماز پڑھنے کے عادی ہیں اور اسی پر ثابت قدم ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اپنی بعض تصانیف میں یہی فرمایا اور شارح ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام کے لیئے شہر سے باہر جانا سنت ہے اور شارحِ صراطِ مستقیم کہتے ہیں کہ ایک شہر میں متعدد جگہ پر بھی نمازِ عید پڑھ لینا جائز ہے۔ انتہیٰ۔

امیر کا اپنے گھر میں نماز عید پڑھ لینا۔

سوال (۲۷۰) حاکم کے لیے نماز عید اپنے گھر میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- شرائط ادا کے پائے جانے کی صورت میں نماز عید گھر میں پڑھنے کے بارہ میں تو کوئی شک و شبہ نہیں اور شرائط ادا کے لیے ضروری ہے کہ شہر ہو، امام کے علاوہ تین آدمیوں کے ساتھ جماعت کا ہونا، تمام مسلمانوں کے لیے اذن عام ہونا تاکہ ہر ایک مسلمان نماز میں شریک ہو سکے اور کوئی نہ روکے۔ کذا فی البرجندی شرح المختصر اور مسجد کا ہونا نماز عید کی شروط ادا میں سے نہیں ہے۔ البتہ مسجد میں جماعت کی جو فضیلت ہے وہ گھر میں جماعت کرنے سے حاصل نہیں ہوگی۔ (کفایہ شرح ہدایہ)

اور برجندی شرح مختصر میں ہے :- فلو اغلق السلطان ابواب مصر او ابواب منزلہ واذن بالدخول فیہ وصلی فیہ باھلہ وحشمہ کرہ او لا یجوز انتہی۔

بحر العلوم مولانا عبد العلی رسائل ارکان میں تحریر فرماتے ہیں :- لو اغلق الامام باب المصر وصلی رفقائہ لم یجز۔

کتاب الجنائز

چارپائی پر نعش رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا

سوال (۲۷۱) میت کو چارپائی پر رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جائز ہے اور کوئی وجہ عدم جواز کی نہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کو سریر پر رکھ کر نماز جنازہ صحابہ کرام نے ادا کی۔ اور اہل عرب تخت اور چارپائی کو سریر کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے :- الشریط خوص مفتول یشرط به السریر ونحوہ والخوص بالضم ورق النخل۔ انتہی۔ یعنی شریط کھجور کے پتوں کو کہتے ہیں جس سے سیل بٹ کر چارپائی بنی جاتی ہے۔

ناپاک چارپائی پر نعش رکھنا

سوال (۲۷۲) ناپاک چارپائی پر میت کو رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جائز نہیں۔ قنیہ میں ہے :- والطہارۃ من النجاسۃ فی الثوب والبدن والمکان وستر العورۃ یشترط فی حق الامام والمیت جمیعاً انتہی۔

نماز جنازہ کے لیے اعلان کرنا

سوال (۲۷۳) بازار میں نماز جنازہ کے لیے لوگوں کو بلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر میت عالم یا زاہد ہو یا کوئی ایسا شخص ہو کہ لوگوں کو اس کی نماز جنازہ کی رغبت ہو تو اعلان کرنا

مکروہ نہیں جائز ہے مع مکروہ ہے۔ کذا فی حاشیہ جامع الرموز ہے۔ وقد استحسن بعض المتاخرین النداء فی الاسواق للجنازة التی یرغب الناس فی الصلوٰة علیها وکرہ ذلک بعضهم والاصح هو الاول کذا فی الجامع الصغیر لقاضی خان وقال الامام السرخسی وفی الایضاح فی السوق لانه عادة الجاهلیة الا ان یکون المیت عالما او زاهدا اھ وقال الامام الحلوانی وانما اورد هذه المسألة لان البعض کرهوا ذلک لانه اعلام بالمصیبة کما ذکره التمرتاشی اھ

بَابُ التکفین

ناتمام بچہ کی ولادت کی صورت میں عورت کی تجہیز وتکفین

سوال (۲۷۴) اگر حاملہ عورت زچگی کی وجہ سے مر گئی اور بچہ بھی اندر مر گیا لیکن دایہ کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے بچہ کا ایک ہاتھ باہر نکل آیا تو اس عورت کی تکفین کیسے کی جائے؟

جواب:- بچہ کو نکالنے کے لئے اس مردہ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ دوسری مردہ عورتوں کی طرح اس کی تکفین کی جائے البتہ اگر بچہ زندہ ہو تو ایسی صورت میں مردہ کا پیٹ بائیں جانب سے شق کرکے بچہ کو نکالا جائے اور اگر عورت زندہ ہے مگر بچہ مر گیا تو ایسی صورت میں کوئی ماہر فن دایہ اپنا ہاتھ اندر ڈال کر بچہ کے اعضاء کو قطع قطع کرکے نکال دے۔ کذا فی کتب الفقہ۔

میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا۔

سوال (۲۷۵) میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جائز ہے (کذا فی الدر المختار) اور بعض اہل اللہ نے بسم اللہ لکھا ہوا وصیت کی کہ ان کے کفن میں رکھی جائے (کذا فی فتح العزیز)

بَابُ الدفن

عورت کو قبر میں کون اتارے؟

سوال (۲۷۶) اگر عورت مر جائے تو اس کی نعش کو قبر میں کون شخص اتارے؟

جواب:- ذی رحم محرم اس کو قبر میں اتارے گا اور ذی رحم محرم کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اجنبی لوگ بھی اتار سکتے ہیں۔ نصاب الاحتساب میں ہے:- ذکر فی شرح الطحاوی وذو الرحم المحرم اولی بادخال المرأة فی القبر من غیرهم وکل ذی رحم محرم اقرب منها فهو اولی من الاجانب وان لم یکن لها ذو رحم محرم فلا بأس للاجانب فی وضعها فی قبرها ولا یحتاج الی اتیان النساء للوضع۔ انتهى۔

باب ما یتعلق بالقبور

والدین کی قبر کو بوسہ دینا

سوال (۲۷۷) والدین کی قبر کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- حرام ہے (کذا صرح علی القاری وغیرہ)

پختہ قبر بنانا

سوال (۲۷۸) قبر کو پکی اینٹ اور لکڑی سے تعمیر کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:- بہتر یہ ہے کہ قبر کچی ہو۔ پختہ اینٹ اور لکڑی قبر میں لگانا مکروہ ہے۔ البتہ نشان کے لیے اوپر رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ وقایہ میں ہے:- ویکرہ الآجر والخشب انتھی۔

اور ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے:- یعنی فی داخل اللحد بدلیل ماذکرہ فخر الاسلام فی الجامع الصغیر ولا یکرہ الآجر علی الظاھر لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع علی قبر ابی دجانۃ حجرا فقال لاعرفہ قبر اخی انتھی

قبر پر کتبہ لگانا

سوال (۲۷۹) نشان اور علامت کے لیے قبر پر لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- کوئی حرج نہیں۔ ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے:- وقال فخر الاسلام فان احتیج الی الکتابۃ حتی لا یذھب الاثر فلا باس بہ ایضا کذا فی البنایۃ انتھی۔

قبر کھودتے ہوئے ہڈیوں کا نکل آنا

سوال (۲۸۰) اگر قبر کھودتے ہوئے مردہ کی ہڈیاں نکل آئیں تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب:- اسی جگہ رکھدی جائیں۔ غرائب میں ہے:- اذا حفر فوجد فیہ عظام الموتی لا یحرک العظام انتھی

قبر پر سبز شاخ وغیرہ رکھنا

سوال (۲۸۱) قبر پر سبز پتے یا پھول اور شاخ وغیرہ رکھنا سنت ہے یا مستحب؟

جواب:- بعض فقہاء نے اس کو مستحب لکھا اور دلیل میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے قریب سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ ان دونوں کو ایک معمولی چیز پر عذاب دیا جا رہا ہے اور اس کے بعد آپؐ نے کھجور کی ایک ٹہنی منگا کر اس کو درمیان سے چیرا اور دونوں کی قبر پر رکھنے کے بعد فرمایا یخفف عنھما العذاب مالم ییبسا یعنی ان ٹہنیوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ کیونکہ یہ ٹہنیاں تسبیح کرتی رہیں گی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

قبر سے گھاس وغیرہ کاٹنا

سوال (۲۸۲) قبر پر اُگے ہوئے درخت اور گھاس کو کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب تک وہ تر رہے تو اس کی تسبیح تخفیفِ عذاب اور انس میّت کا سبب ہوگی۔ لہٰذا اس کا کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو جانے کے بعد جائز ہے۔

کتابُ الزّکوٰۃ

ادارِ زکوٰۃ کے وقت نیّت کرنا

سوال (۲۸۳) ادارِ زکوٰۃ کے وقت یہ ظاہر کرنا کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: ادارِ زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ ادا کرنے یا مال علیحدہ کرنے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرے جس کا تعلق قلب سے ہے اس وقت اتنا خیال ضروری ہے کہ کسی کے پوچھنے پر فوراً جواب دے سکے کہ یہ زکوٰۃ کا مال دے رہا ہوں لیکن اعلان و اظہار ضروری نہیں۔ کنز میں ہے:۔ وشرط ادائھا نیۃ مقارنۃ للاداء او العزل عما وجب انتھی۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ اذا کان بوقت التصدق بحال لو سئل عما ذا تؤدی یمکنہ ان یجیب من غیر زکوۃ فذلک یکون نیۃ منہ انتھی۔

اور بحر الرائق میں ہے:۔ فی فتح القدیر والأفضل فی الزکوۃ الاعلان انتھی۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ اذا ادی الرجل الزکوۃ الواجبۃ قالوا الافضل الاعلان والاظہار وفی التطوعات ھو الاخفاء والأسرار کذا فی فتاوی قاضی خان۔

گوٹہ کی زکوٰۃ

سوال (۲۸۴) عورتوں کے ملبوسات گوٹہ، ٹھپہ، بنت وغیرہ میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: یہ اشیاء عروض اور سامان کی فہرست میں داخل ہیں اور عروض میں بہ نیت تجارت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (بحر الرائق)

نوٹ: بظاہر مسئلہ مذکورہ میں تسامح ہوگیا۔ کیونکہ سچا گوٹہ اور ٹھپہ وغیرہ میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ خورشید عالم

امداد الفتاویٰ محبوب جلد ۲ صفحہ ۵ ملاحظہ فرمائیں۔

زکوٰۃ میں سسرالی رشتہ داروں کو مقدم سمجھنا

سوال (۲۸۵) زکوٰۃ دینے کے لیے سسرالی رشتہ دار مقدم ہیں یا یہ رشتہ دار اجنبی لوگوں کے مساوی ہوں گے؟

جواب: ادارِ زکوٰۃ کے لیے یہ رشتہ دار اجنبی لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں اور ان کا حق مقدم ہے۔ بحر الرائق میں

ہے: قال فی الفتاوی الظہیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکر فی موضع اٰخر معزیا الی ابی حفص الکبیر لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج یبدأ بہم فیسد حاجتہم انتہی۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر الصرف اولا الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادہم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادہم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادہم ثم الی ذوی الارحام ثم الی الجیران ثم الی اہل حرفتہ ثم الی اہل مصرہ او قریتہ کذا فی السراج الوہاج انتہی۔

اشیاء منقولہ وغیر منقولہ کے کرایہ میں زکوٰۃ

سوال (۲۸۶): اگر کوئی شخص مکان یا دوکان اور اشیاء منقولہ سے کرایہ حاصل کرتا ہے یا مکان وغیرہ اس کے قبضہ اور ملک میں ہو لیکن کرایہ پر نہیں دیتا۔ تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو تو ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر مکان و دوکان یا اشیاء منقولہ دیگ و ٹب وغیرہ کرایہ پر چلاتا ہے مگر تجارت کی نیت نہیں، یا بوقت خرید تجارت کی نیت تھی، مگر بعد میں کرایہ پر دینا شروع کر دیا تو ان صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ مجمع البرکات میں ہے:۔ رجل اشتری اعیانا منقولۃ یؤاجرہا ثیابا ومتاعا ومشاعرۃ وصیانتہ ویحصل لہ من المنقولات مال عظیم لا یجب الزکوٰۃ فیہا لانہا لیست بمال التجارۃ فانہا یمسکہا وینتفع بہا نوع انتفاع نصار کالاستعمال فلم یجب فی ذلک شئ کذا فی خزانۃ الروایات۔

دوسری جگہ مذکور ہے:۔ لو اشتری الرجل دارا او عبدا للتجارۃ ثم آجرہ یخرج من ان یکون للتجارۃ ولو اشتری قدورا من الصفر یمسکہا ویؤاجرہا لا یجب فیہا الزکوٰۃ کما لا یجب فی بیوت الغلۃ کذا فی فتاوی قاضیخان انتہی۔

اور اگر ان مملوکہ مکانات اور دوکانوں اور اشیاء منقولہ کو نہ کرایہ پر دے اور نہ تجارت کی نیت کرے تب بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ مجمع البرکات میں ہے۔ ولو کان لہ عبید لا للتجارۃ او دار لا للسکنی ولم ینو التجارۃ لا یجب فیہا الزکوٰۃ وان حال علیہا الحول کذا فی شرح الوقایۃ۔ انتہی۔

زمین اور زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ

سوال (۲۸۷): اگر کوئی شخص اپنی زمین میں کاشت کرتا ہے تو اس زمین اور پیداوار کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ زمین کے بارہ میں جب تک تجارت کی نیت نہ کرے اس وقت اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کنز میں ہے:۔ وفی عروض تجارۃ بلغت نصاب ورق او ذہب انتہی۔

اور مولانا عبدالعلی بحرالعلوم رسالہ ارکان میں تحریر کرتے ہیں:۔ واما العروض فانما یجب فیہ الزکوٰۃ اذا کانت للتجارۃ اذا بلغ قیمتہا نصابا من الفضۃ او الذہب ویجب فیہا ربع العشر من قیمتہا ویشترط فیہ التجارۃ لما عن سمرۃ بن جندب قال اما بعد فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا ان نخرج من الصدقۃ من الذی نعدہ للبیع رواہ ابوداؤد انتہی۔

اور زمین کی پیداوار جب تک نقد مال کی صورت میں تغیر نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی خواہ سال گزر جائے۔ مجمع البرکات میں ہے:۔ اذا حصل من ارضہ حنطۃ مثلاً یبلغ قیمتہا نصاباً ونوی ان یمسکہا او یبیعہا وحال علیہا الحول فانہ لا یجب فیہا الزکوٰۃ کذا فی البرجندی وفی الحجۃ حتی ینقص قیمتہا ویحول الحول کذا فی فتاویٰ قاضیخان مختصر

مالِ زکوٰۃ کے بدلے غلہ وغیرہ خرید کر دینا

سوال (۲۸۸) اگر زکوٰۃ کے روپیہ سے کپڑا یا غلہ خرید کر مساکین کو دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ ادائے زکوٰۃ میں اصل رکن تملیک ہے جو یہاں موجود ہے۔

لباس کی زکوٰۃ

سوال (۲۸۹) پہننے کے کپڑے سوتی ہوں یا اونی۔ ان میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زکوٰۃ نہیں۔ ہدایہ میں ہے:۔ ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ انتہیٰ۔

بیوی کی طرف سے شوہر کا زکوٰۃ ادا کرنا

سوال (۲۹۰) عورت اپنے طوق زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ خود ادا کرے یا اس کا شوہر؟

جواب:۔ ہر ایک مال کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوتی ہے اس لیے خود ہی ادا کرے لیکن اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے ادا کر دے تو عورت ہی کے حساب میں شمار کی جائے گی۔ اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ کذا فی کشف الغمہ

ایک نصاب کے مالک کے لیے چند سال کی زکوٰۃ ادا کرنا

سوال (۲۹۱) اگر ایک نصاب کے مالک نے سال پورا ہو جانے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کی۔ دوسرا سال بھی

پورا ہو گیا تو اب ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرے یا دو سال کی؟

جواب:۔ صرف سال اول کی زکوٰۃ واجب ہے۔ دوسرے سال کی نہیں۔ رسائل الارکان میں ہے:۔ اذا ملک مائتی درہم وحال علیہ الحول ولم یؤد زکوٰتہ حتی حال علیہ حول اخر لا یجب الا زکوٰۃ الحول الاول دون الثانی

لانہ کان علیہ اداء جزء الفاقل فاذا کان جزء منہ مشغولا بالزکوٰۃ لم یبق الباقی نصابا۔

اور شارح وقایہ نے دین زکوٰۃ کو مانع قرار نہیں دیا۔ مگر یہ اس کی غلطی ہے (کذا فی شرح ابی المکارم)

مقروض پر زکوٰۃ

سوال (۲۹۲) مقروض پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر اس کا قرضہ مال موجودہ کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر قرضہ اس کے مال سے کم ہے تو اگر زائد

مال ضروریات سے زائد اور بقدر نصاب ہو تو اسی مقدار میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

ہدایہ میں ہے:۔ ومن کان علیہ دین یحیط بمالہ فلا زکوٰۃ علیہ وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل

اذا بلغ نصاباً انتہیٰ۔

مالِ حرام کی زکوٰۃ

سوال (۲۹۳) مالِ حرام مثلاً غنا اور زنا کی کمائی میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب: نہیں۔ قنیہ میں ہے:۔ لوکان الخبیث نصابا لایلزمہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ انتہیٰ۔

سونا اور چاندی کے زیور وغیرہ کی زکوٰۃ

سوال (۲۹۴) سونا اور چاندی کے زیورات اور برتنوں میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ واجب ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔ وفی تبرالذھب والفضۃ وحلیھما وادانیھما الزکوٰۃ انتہیٰ۔

بَابُ الخِرَاج

الشام والمصر خراجیہ کی تحقیق

سوال (۲۹۵) درمختار کی ایک عبارت ہے:۔ الشام والمصر خراجیۃ وفی الفتح الماخوذ الان من اراضی مصر اجرۃ لاخراج الاتری انہا لیست مملوکۃ للزراع۔ انتہیٰ۔ اس کا کیا مطلب ہے خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ شام اور مصر دونوں ملکوں کی زمینیں خراجی ہیں۔ اور فتح کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی زمینیں خراجی نہیں۔

جواب:۔ جو ملک صلح سے لیا جائے یا اپنی قوت سے غلبہ کیا جائے۔ مگر لشکرِ اسلام پر تقسیم کرنے کے بجائے خود کفار باشندوں کو ان کی املاک پر باقی رکھا جائے یا دوسرے کافروں کو اس کی زمینیں دے دی جائیں تو یہ زمینیں خراجی ہوں گی اور مصر کے خراجی ہونے پر علماء کا اتفاق ہے اگر اس بارہ میں اختلاف ہوگیا کہ اس پر صلح کے ساتھ قبضہ ہوا یا قوت وغلبہ کے ساتھ۔ بہر صورت مصر خراجی ہوگا لیکن جب زمین کے اصل مالک لاوارث مرگئے اور تمام اراضی بیت المال میں آگئیں۔ اور حاکم نے دراہم لے کر کاشتکاروں کے حوالے کردیں۔ تو اب کاشتکاروں سے صرف اُجرت لی جائے گی۔ عشر یا خراج نہ ہوگا تو یہ زمین نہ عشری کہلائے گی اور نہ خراجی بلکہ ایک تیسری قسم ہوگی جس کو ارض المملکۃ اور اراضی الحوز کہتے ہیں۔ (کذافی ردالمحتار)

کتابُ الصّوم

صوم وافطار کا تعلق ہلال کے ساتھ

سوال (۲۹۶) رمضان کے روزے اور عید الفطر کا مدار کس چیز پر ہے؟

جواب:- دونوں کا مدار رویتِ ہلال پر ہے۔ امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- اذا رأیتم الہلال فصوموا واذا رأیتموہ فافطروا انتہی۔

ہلال کی رؤیت عامہ

سوال (۲۹۷) ہر شخص کا اپنے لیئے چاند دیکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:- نہیں کیونکہ اگر ہر ایک انسان کا دیکھنا ضروری ہوتو نابینا پر روزہ فرض ہی نہ ہوگا۔ رسائل الارکان میں ہے:- رویۃ الکل غیر مشروط انتہی

مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں ایک شخص کی شہادت

سوال (۲۹۸) اگر مطلع ابر آلود ہو تو ایک شخص کی شہادت کافی ہوگی یا نہیں؟

جواب:- کافی ہے۔ رسائل الارکان میں ہے:- ثم یکفی فی الصوم رویۃ واحد اذا کان فی السماء علۃ فشہادۃ تلزم الصیام علی المکلفین لما روی عن ابن عمرؓ قال تراای الناس الہلال فاخبرت رسول اللہ انی رأیتہ فصام وامر الناس بصیامہ رواہ ابوداؤد انتہی۔

ہلالِ رمضان کی شہادت کے لیئے عادل ہونا

سوال (۲۹۹) ہلالِ رمضان کے ثبوت میں اگر ایک شاہد ہو تو اس کا عادل ہونا ضروری ہے یا نہیں

جواب:- ظاہر الروایۃ میں عادل ہونا شرط ہے اور حسن روایت کرتے ہیں امام صاحب سے کہ عدالت شرط نہیں ہے، ایک مجہول اور نامعلوم الحال انسان کی شہادت بھی مقبول ہوجائے گی۔ طحاوی اور شمس الائمہ حلوانی کا بھی یہی مذہب ہے اور متاخرین نے بھی اسی کو صحیح مانا۔ درمختار میں ہے:- وقبل بلا دعویٰ ولفظ اشہد للصوم مع علتہ کغیم وغبار خبر عدل او مستور علی ما صححہ البزازی علی خلاف ظاہر الروایۃ لا فاسق اتفاقا انتہی ملخصا۔

اور حمادیہ میں ہے:- واما ان کان مستور الحال فالظاہر ان لا تقبل شہادتہ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ یقبل شہادتہ وھو الصحیح انتہی۔

ابوالمکارم شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں:- ولم یشترط الطحاوی العدالۃ قیل مرادہ ان العدالۃ الحقیقۃ لیست بشرط بل یکتفی بالظاہریۃ فی النوادر ان شہادۃ المستور مقبولۃ فی ذالک وبہ اخذ الحلوانی انتہی۔

اور رسائل الارکان میں ہے:- ونحن نقول ان شروط العدالۃ فی امثال ھذا فی زماننا یخل بالکثر الاعمال لاسیما فی الصیام فالاحریٰ ان یفتی عن الامام ابی یوسفؒ ان کان الشاہد ذا مروۃ بحیث یغلب علی الظن صدقہ یقبل قولہ لئلا یخل امر الصائم انتہی۔

کسی شخص کی شہادت پر بغیر حکم قاضی روزہ رکھنا

سوال (۳۰۰) اگر گاؤں میں کسی شخص نے رمضان کا چاند دیکھا اور شہادت دینے شہر نہ گیا اور نہ اس جگہ کوئی حاکم اور قاضی ہے تو بستی والوں کو اس شخص کی شہادت پر روزہ رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: بستی والوں کو روزہ رکھنا چاہیئے۔ سراجیہ میں ہے:۔ رجل رأی هلال رمضان برستاق لیس هناك قاضی ولا وال ولو رأت المصر لیشهد فعلیهم ان یصوموا بقول هذا الرجل ان کان ثقة انتهیٰ۔

ایک شہادت سے رمضان کا ثبوت اور تیس رمضان کو چاند کا نظر نہ آنا

سوال (۳۰۱) ابر کی وجہ سے قاضی نے ثبوت رمضان کے لیے ایک شہادت کو تسلیم کر کے رمضان کا اعلان کر دیا اور لوگوں نے تیس روزے رکھ لیے مگر عید کا چاند نظر نہ آیا اب اکتیسواں روزہ رکھنا چاہیئے یا عید کرنی چاہیئے؟

جواب:۔ اگر تیس رمضان کو بھی گرد و غبار اور ابر ہو تو افطار کر کے عید کرنی چاہیئے لیکن اگر مطلع صاف ہو اور رویت ہلال نہ ہو۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اب روزہ نہ رکھے لیکن امام صاحب اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے کہ اکتیسواں روزہ بھی رکھا جائے گا۔ حموی شارح اشباہ ذخیرہ میں فرماتے ہیں:۔ الواحد اذا شهد علی هلال رمضان عند القاضی وقبل شهادته وامر الناس بالصوم فلما اتموا ثلثین یوما غم هلال شوال قال ابو حنیفة وابو یوسف یصومون من الغد وان کان یوم الحادی والثلثین یعنی لکونه خروجا عن العبادة فیحتاط فیه وقال محمد یفطرون قال شمس الائمة الحلوانی هذا الاختلاف فیما اذا لم یر هلال شوال والسماء مغیمة فاما اذا کانت متغیمة فانهم یفطرون بلا خلاف انتهیٰ۔

دو شہادتوں سے رمضان کا ثبوت اور تیس کو چاند کا نظر نہ آنا

سوال (۳۰۲) اگر دو شخصوں نے بحالت ابر و غبار گواہی دی اور سب نے تیس روزے رکھ لیے مگر شوال کا چاند نہیں ہوا تو اب کیا کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ افطار کر کے صبح کے وقت عید کے مناسک و افعال کرنے چاہئیں خواہ تیس تاریخ کو ابر ہو یا مطلع صاف ہو۔ حموی شارح اشباہ بیان کرتے ہیں بہ والما اذا شهد علی هلال رمضان شاهدان والسماء متغیمة وقبل القاضی شهادتهما وصاموا ثلثین یوما فلم یروا الهلال ان کانت السماء متغیمة یفطرون من الغد بالاتفاق وان کان مصحیة فکذلك یفطرون الیه اشارة فی القدوری والمنتقی وقیل فی فوائد القاضی الامام رکن الدین علی السغدی انهم لا یفطرون والاول اصح انتهیٰ۔

اختلاف مطالع کا اعتبار

سوال (۳۰۳) ایک جگہ چاند دیکھنے سے دوسری جگہ بھی ثبوت ہو جائے گا یا اختلاف مطالع کا اعتبار ہوگا؟

جواب:۔ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے۔ اور اگر ایک جگہ چاند دیکھنے کی خبر مشہور ہو جائے تو دوسری جگہ بھی حکم ثابت ہو جائے گا۔ در مختار میں ہے:۔ اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی بحر عن الخلاصة اور مجمع البرکات میں ہے:۔ لو صام اهل بلدة ثلثین یوما للرویة واهل بلدة اخریٰ تسعا وعشرین یوما للرویة فعلی من صام تسعا وعشرین یوما فعلیهم قضاء یوم انتهیٰ۔

اور در مختار میں ہے:- ولو استفاض الخبر فی بلدۃ الاخری لزمہم علی الصحیح من المذہب مجتبی وغیرہ انتہی۔

اور جامع الرموز میں ہے:- وحکم اہل البلدتین بالرؤیۃ لا یلزم الاخری وعن محمد انہ یلزم والصحیح من مذہب اصحابنا انہ یلزم اذا استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری انتہی۔

انتیس رمضان کو تیس تاریخ بتانا

سوال (۳۰۴) انتیس رمضان کو چند اشخاص نے گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند موجودہ حساب سے ایک روز قبل دیکھا تھا اور ہمارے حساب سے آج تیس رمضان ہے کیا ان کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

جواب:- اگر یہ گواہ اسی شہر میں موجود رہتے ہوئے پورے رمضان خاموش بیٹھے رہے اور انتیس رمضان کو گواہی دینے بیٹھ گئے تو یہ گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر سفر طویل سے آرہے ہیں تو پھر مقبول ہوگی۔

مجمع البرکات میں ہے:- اذا شہد الشہود وقت ہلال رمضان فی الیوم التاسع والعشرین انہم رأوا الہلال قبل صومکم بیوم ان کانوا فی ہذا المصر یعنی ان لا یقبل شہادتہم لانہم ترکوا الحسبۃ وان جاؤا من مکان بعید جازت شہادتہم لانتفاء التہمۃ کذا فی الخلاصۃ۔

عید کا چاند دیکھ کر روزہ افطار کرلینا

سوال (۳۰۵) اگر تیس رمضان کو غروب آفتاب سے پہلے چاند نکل آئے تو روزہ فوراً افطار کرلینا چاہیے یا غروب آفتاب تک انتظار کرنا ضروری ہے؟

جواب:- یہ چاند آنے والی رات کا شمار ہوگا۔ روزہ غروب آفتاب ہی پر افطار کرنا چاہیے اور آنے والی صبح عید ہوگی، رسائل الارکان میں ہے:- ولو رای الہلال فی نہار ثلثین ولم یر قبلہ فالہلال للیلۃ الآتیۃ وہو اعم یوم رأی فیہ الہلال سواء رأی قبل الزوال او بعدہ انتہی۔

بَابُ مَا یُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَالَا یُفْسِدُہٗ

روزہ کی حالت میں حقہ پینا

سوال (۳۰۶) روزہ دار کے حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا باقی رہتا ہے اور پہلی صورت میں قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

جواب:- روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی۔ سراج منیر میں ہے:- ان ادخل الدخان علی ستطع فیفسد کما فی التباکو ویلزمہ القضاء لا الکفارۃ لانہ مما لا یتغذی بہ عادۃ فاشبہ الحصاۃ والنواۃ انتہی۔

روزہ میں جونک لگانا۔

سوال (۳۰۷) روزہ کی حالت میں جونک لگانا مفسد صوم ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بدن پر جونک لگانے سے روزہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحالتِ صوم فصد کرائی ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ سے صحیحین میں نقل کردہ روایت سے مفہوم بھی ہوتا ہے اور قیاس بھی اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ فصد کرانے سے کچھ باہر ہی نکلتا ہے اندر کچھ داخل نہیں ہوتا۔ (کذا فی اشعۃ اللمعات)

روزہ میں قے کا آجانا

سوال (۳۰۸) خود بخود قے آنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا باقی رہتا ہے؟

جواب:۔ فاسد نہیں ہوتا۔ (کذا فی رسائل الارکان)

طبیب کے مشورہ پر روزہ نہ رکھنا

سوال (۳۰۹) گرم مزاج آدمی کو موسم گرما کی وجہ سے طبیب نے یہ مشورہ دیا کہ روزہ رکھنے کی صورت میں مرض بہت بڑھ جائے گا، اور صحت مشکل ہوگی تو اس صورت میں روزہ قضا کرنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب:۔ افطار کرنا جائز ہے۔ (کذا فی الدر المختار)

زیادتی مرض کے خوف سے افطار کرنا

سوال (۳۱۰) روزہ رکھنے کے بعد کوئی شخص بیمار ہو گیا۔ اور شام تک روزہ پورا کرنے میں مرض کی زیادتی کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں افطار جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ جائز ہے۔ رسائل الارکان میں ہے:۔ اذا حدث المرض فی نہار رمضان ویظن بالصوم الزیادۃ علی المرض یباح لہ الافطار انتہیٰ۔

بَابُ مَا يُوجِبُ الْكَفَّارَةَ وَمَا لَا يُوجِبُهُ

مرض کی وجہ سے روزہ قضا کرنا

سوال (۳۱۱) اگر مریض زیادتی مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرے تو اس پر قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

جواب:۔ صرف قضا لازم ہے۔ کفارہ نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں اعذار مبیحۃ للافطار کی بحث میں ہے:۔ ومنہا المریض اذا خاف علی نفسہ التلف او ذہاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادۃ العلۃ وامتدادہ فکذلک عندنا وعلیہ القضاء اذا افطر کذا فی المحیط انتہیٰ۔

دوا یا غذا کے علاوہ دوسری چیز کھانا

سوال (۳۱۲) غذا اور دوا کے علاوہ اگر مٹی یا کنکری ڈھیلہ یا روئی اور کاغذ وغیرہ حلق سے نیچے اتر جائیں تو قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

جواب:۔ قضا لازم آئے گی، کفارہ نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ اذا ابتلع مالا یتغذی بہ ولا یتداوی بہ

عادۃ کالحجر والتراب لا یوجب الکفارۃ کذا فی التبیین انتہی

اور خلاصہ میں ہے:- لو ابتلع حصاۃ او نواۃ او حجرا او مدرا او قطنا او خشبا او کاغذۃ فعلیہ القضاء ولا کفارۃ۔

کفارہ میں مساکین کو طعام دینا

سوال (۳۱۳) اگر روزہ کے کفارہ میں غلام آزاد کرنا اور روزہ رکھنا ناممکن ہوجائے تو ساٹھ مسکینوں کو طعام کس طرح دینا چاہیئے۔

جواب:- اگر عمر کی زیادتی یا کسی مرض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس کو اختیار ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو اگر خام غلہ دے تو گندم اور اس کا آٹا نصف صاع اور جو، انگور، چھوہارہ ہر ایک مسکین کو ایک صاع دے اور اگر چاہے تو اس غلہ کی قیمت دے دے یا کھانا پکا کر ساٹھ مسکینوں کو دو وقت شکم سیر کھلائے یا ایک وقت کھانا کھلا دے اور ایک وقت کے کھانے کی قیمت دیدے اور یا ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز تک دونوں وقت کھلائے۔ لیکن اگر ساٹھ آدمیوں کا کھانا پکا کر ایک ہی مسکین کو دے دیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔ بلکہ ایک ہی مسکین کا کھانا شمار کیا جائے گا۔ (کذا فی الدر المختار)

اور اگر ساٹھ مسکینوں کے حصہ کا خام غلہ ایک مسکین کو ایک ہی دن میں متفرق طور پر دے، اس صورت میں بھی بعض کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اور ایک ہی مسکین کا حصہ شمار ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک کفارہ ادا ہوجائیگا (کذا قال البرجندی)

بَابُ صَدَقَۃُ الفِطر

فطرہ میں گندم یا قیمت دینا۔

سوال (۳۱۴) فطرہ میں گندم دینا مستحب ہے یا قیمت؟

جواب:- امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک گندم کی قیمت دینا مستحب ہے۔ کیونکہ روپیہ سے فقراء کی مطلب برآری ان کی مرضی کے مطابق سہل اور آسان ہوگی۔

صدقۂ فطر اور تملیک

سوال (۳۱۵) مالِ زکوٰۃ کی طرح صدقۂ فطر میں تملیک شرط ہے یا نہیں؟

جواب:- شرط ہے۔

ابو المکارم لکھتے ہیں:-

وشرط التملیک فی الفطرۃ والعشر ایضا انتہی۔

بَابُ الاعتکاف

معتکف کے لیے روزہ کی شرط

سوال (۳۱۶) زید نے عشرۂ اخیرہ رمضان میں بحالت اعتکاف سحری کھائی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس وقت صبح ہوچکی تھی تو قضا لازم ہوگی اور تمام دن کھانے پینے سے امساک کرے۔ جن لوگوں نے اعتکاف کے لیے روزہ کو شرط قرار دیا ہے تو کیا یہ امساک کافی ہوگا یا نہیں، اور کافی نہ ہونے کی صورت میں ایک مکمل عشرہ کے اعتکاف کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: جب کہ یہ امساک روزہ کے حکم میں نہیں اور قضا واجب ہے تو یہ امساک اعتکاف کے لیے کافی نہ ہوگا اور یہ اعتکاف مکمل عشرہ کا اگر نذری ہے تو قضا کرے، اور نفلی ہے تو قضا نہیں۔

درمختار میں ہے: ولو نذر اعتکاف شہر رمضان لزمہ واجزأہ صوم رمضان عن صوم الاعتکاف فإن لم یعتکف رمضان المعین قضی شہرا غیرہ بصوم مقصود ... واقلہ نفلا ساعۃ ولو شرع فی نفلہ ثم قطعہ لا یلزمہ قضاؤہ علی الظاہر انتہی ملخصا ولکن فی جامع الرموز ہے کہ روزہ کے شرط نہ ہونے کی صورت میں اور اگر روزہ شرط ہو تو اس کی کم از کم مدت ایک دن کی ہوگی۔ اور قطع و فساد کی صورت میں قضا لازم ہوگی۔ (کذا فی جامع الرموز)

بَابُ الحج

یوم جمعہ کا حج

سوال (۳۱۷) اگر ذی الحجہ کی نو تاریخ جمعہ کی ہو تو حاجی کو ثواب مزید ملے گا یا نہیں؟

جواب: فقہا اس مسئلہ میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ یہ حج ستر حج سے زیادہ بہتر ہے

بحرالرائق میں ہے: وقد قیل اذا وافق یوم عرفۃ یوم جمعۃ غفر لاہل کل الموقف وانہ افضل من سبعین حجۃ فی غیر یوم الجمعۃ کما ورد فی الحدیث الشریف انتہی۔

قرآن کا ترک حج کو کفر سے تعبیر کرنا

سوال (۳۱۸) باری تعالیٰ نے فرضیت حج بیان کرنے کے بعد فرمایا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین یعنی ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا اور یہ چیز اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے تو اب آیت کی کیا مراد ہوگی؟

جواب: بغویؒ معالم التنزیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؒ اور عطاءؒ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا ومن کفر سے فرضیت حج کا انکار مراد ہے اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ومن کفر میں کفر باللہ والیوم الآخر سے کفر کا انکار مراد ہے اور سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے بارہ میں نازل ہوئی۔ کیونکہ وہ وجوب حج

کے منکر تھے تینوں تفسیروں سے معلوم ہوگیا کہ آیت اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں۔

کتابُ النکاح

گونگے کا نکاح

سوال (۳۱۹) جو گونگا بولنے پر بالکل قادر نہ ہو اس کا نکاح کس طرح ہوگا۔

جواب:۔ اگر اپنی حاجت کے اظہار اور دوسرے کے مطلب کو سمجھنے کے لئے اشارہ سے کام چلاتا ہے اور اس کا اشارہ متعین ہو تو اشارہ سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ عالمگیریہ میں ہے: کما ینعقد بالعبارۃ ینعقد بالاشارۃ عن الاخرس ان کانت اشارتہ معلومۃ انتہی۔

غلام اور باندی کا نکاح

سوال (۳۲۰) اگر غلام اور باندی اپنا نکاح خود کرلیں یا مالک کے علاوہ کوئی دوسرا کردے تو کیا حکم ہوگا؟

جواب:۔ یہ نکاح مولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اب اس کو اختیار ہے کہ اجازت دے یا نہ دے۔

عالمگیریہ میں ہے:۔ ونکاح القن والمدبر وام الولد والمکاتب بلا اذن السید موقوف ان اجازہ المولی نفذ وان ابطل بطل کذا فی الوقایۃ۔

درمختار میں ہے:۔ واطلق النکاح یشتمل مالو زوج بنفسہ وزوجہ غیرہ انتہی۔

نکاح کے لیے کسی پیر سے مرید ہونا۔

سوال (۳۲۱) کسی انسان کو طائفہ سے محبت تھی دونوں توبہ کے بعد نکاح کا ارادہ کرتے ہیں تو کیا نکاح کے جواز کے لیے کسی پیر سے مرید ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جواز نکاح کے لیے مرید ہونا ضروری نہیں دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہوجانا کافی ہے

زوجہ کا زنا کرنا

سوال (۳۲۲) زوجہ کے زنا کرنے سے نکاح باطل ہوجاتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ باطل نہیں ہوتا۔ کذا فی رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ۔

نکاح میں خدا کو گواہ بنانا

سوال (۳۲۳) بوقتِ نکاح گواہ موجود نہ تھے۔ مرد نے یہ کہہ دیا کہ خدا اور رسول اور اس کے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

جواب: صحیح نہ ہوگا۔ تاتارخانیہ میں ہے:۔ رجل تزوج امرأۃ ولم یحضرہ شہود فقال خدا ورسول را یا فرشتگان را گواہ کردم بطل النکاح وکفر لانہ لاعتقاد ان الرسول والملائکۃ تعلم الغیب وتسمع النداء ابلا دعب انتہی۔

نکاح متعہ

سوال (۳۲۴) نکاح متعہ کی حقیقت کیا ہے اور وہ حلال ہے یا حرام؟

جواب:- متعہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مرد کسی عورت سے کہتا ہے کہ میں ایک معین زمانہ تک اتنے روپیہ کے بدلے میں تمتع اور نفع حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ نکاح متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ مگر غزوۂ خیبر ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دیا اور امت کو منع فرمایا۔ بخاری و مسلم و ترمذی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس مضمون کی روایت بیان کی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد غزوۂ اوطاس میں تین روز کے لیے اجازت دے کر ہمیشہ کے لیے ممانعت فرما دی، مسلم و احمد وغیرہ نے اس کو روایت کیا۔ قرآن مجید میں فرمایا:-

والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون۔

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی جوروؤں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے سو ان پر نہیں کچھ الزام۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا، سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔

ترمذی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت آیت کریمہ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم نازل ہوئی تو منکوحہ بیوی اور باندی کی فرج کے علاوہ تمام حرام ہو گئیں۔

اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ عن ابن ابی ملیکۃ قال سئلت عائشۃ عن متعۃ النساء فقالت بینی وبینکم کتاب اللہ فقرأت والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العادون۔

امام مالکؒ اور متعہ کا جواز

سوال (۳۲۵) ہدایہ میں صراحۃً مذکور ہے کہ متعہ امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے۔ کیا یہ جزء صحیح ہے یا غلط؟-

جواب:- غلط ہے۔ ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں کہ متعہ کی حرمت میں کسی امام مجتہد کا خلاف نہیں اور علامہ علی شیعی احقاق الحق میں لکھتے ہیں کہ متعہ کے حرام ہونے میں ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور خود امام مالکؒ موطا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:- ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعۃ النساء یوم خیبر وعن اکل لحوم الحمر الانسیۃ انتھی۔ اور صاحب ہدایہ نے جو کچھ لکھا وہ شمس الائمہ سے اخذ کردہ ہے اور بہت سے محققین نے اس سلسلہ میں غلطی کی ہے۔ معراج الدرایۃ میں ہے:- والمذکور فی الھدایۃ والمبسوط سھو والمذکور فی کتب المالکیۃ ھو حرمۃ نکاح المتعۃ وھو الصحیح اور ہدایہ کی شرح عینی میں ہے:- وقال السکاکی ھذا سھو فان المذکور فی کتب المالکیۃ ھو حرمۃ نکاح المتعۃ وقال فی المدونۃ ولا یجوز النکاح الی اجل قریب او بعید وان سمی صداقا وھذہ المتعۃ۔

حرمت متعہ کتب شیعہ میں

سوال (۳۲۶) شیعہ امامیہ کی کتابوں میں حرمت متعہ کی روایات موجود ہیں یا نہیں؟-

جواب: فرقۂ امامیہ کی ایک معتبر کتاب استبصار میں حضرت علیؓ سے ایک روایت منقول ہے:- قال حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم لحوم الحمر الاهلية ونكاح المتعة اور تہذیب میں بھی حرمت کی روایت ہے۔

ابن عباسؓ سے حلّتِ متعہ کی روایت

سوال (۳۲۷) عبداللہ ابنِ عباسؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان سے حلّتِ متعہ کی روایت منقول ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرتِ مدینہ سے ایک دو سال قبل ہے اور آٹھ یا نو سال مکّہ ہی میں مقیم رہے جہاں کسی کو احکامِ شرعیہ معلوم ہی نہ تھے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ ۸ھ کے موقعہ پر مکہ تشریف لائے تو ابنِ عباسؓ کو مع اہل وعیال مدینہ روانہ فرما دیا۔ اور غزوۂ خیبر یہاں آنے سے چند سال قبل ہو چکا تھا اور غزوۂ اوطاس فتح مکہ سے متصلاً ان کی عدم موجودگی میں ہی ہو گیا۔ تو دونوں غزوات کے حالات ابنِ عباسؓ کے خود دیکھے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ دیگر صحابہؓ سے سنے سنائے تھے اور دو سال جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذرے اس عرصہ میں کوئی ایسی صورت پیش نہیں آئی کہ حرمتِ متعہ کے حکم کا اعادہ کیا جاتا۔ اس لیے ابنِ عباسؓ کو براہِ راست اس مسئلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حکم معلوم نہیں ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں اس پر بحث ومباحثے ہوئے۔ اکثر صحابہؓ نے آیتِ حرمتِ متعہ کو پالیا اور غزوۂ اوطاس کے موقع پر اجازت کو ضرورت وحاجت پر محمول کر کے تین روز کے بعد والی تحریمِ ثانی کو تحریمِ موبد قرار نہیں دیا۔ بلکہ کہا گیا کہ ضرورت کے رفع ہو جانے کی وجہ سے وہ عارضی رخصت بھی ختم ہو گئی۔

نکاح کے الفاظِ مخصوصہ کے معانی کا جاننا

سوال (۳۲۸) مرد وعورت کے درمیان ایجاب وقبول ہو گیا۔ عورت نے قبلت یا قبول کردم کہا تھا اور گواہوں نے دونوں کا کلام ایک ساتھ سنا۔ مگر وہ عورت نہ اس لفظ کے معنی جانتی ہے اور نہ یہ جانتی ہے کہ اس لفظ سے نکاح ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں نکاح منعقد ہو گا یا نہیں؟

جواب: نکاح منعقد ہو جائے گا۔ نقایہ اور اس کی شرحِ للقہستانی میں ہے:- ينعقد بايجاب وقبول لفظهما ماض كزوجت وتزوجت او امر وماض كزوجني فقال زوجت وان لم يعلما معناه اى معنى لفظهما سواء كان عربيًا او عجميًا وسواء علما انه مما انعقد به النكاح اولا هذا في الحكم واما فيما بينه وبينه تعالى فلا ينعقد ان لم يعلما انه مما ينعقد به كما فى قاضى خان لكنه مما اختلف فيه المشائخ كما فى الخزانة وذكر فى العمادى انه لم يصح عقد من العقود اذا لم يعلما معناه وقيل يصح الجميع وقيل ان كان مما يستوى جده وهزله يصح كالنكاح والا فلا كالبيع انتهى۔

سامانِ جہیز کی ملکیت

سوال (۳۲۹) زید نے اپنی لڑکی کے ساتھ اسبابِ جہیز بھی شوہر کے مکان بھیجا کچھ عرصہ بعد لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ اب زید کہتا ہے کہ میں نے وہ سامان عاریتاً دیا تھا۔ شوہر کہتا ہے کہ تو نے ہبہ کیا تھا۔ اب کس کا قول معتبر ہو گا؟

جواب:۔ اگر زید شریف خاندان سے ہے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا۔ اور اگر عوام الناس میں سے ہے تو پھر معتبر ہوگا بشرطیکہ شوہر ہبہ کو ثابت نہ کرسکے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ رجل جهز ابنته بماله و وجه الابنة مع الجهاز الى زوجها فماتت الابنة فادعى الاب انه كان عارية وزوجها يدعي الملك اختلفوا فيه قال بعضهم القول قول الزوج والبينة على الاب وبه قال الشيخ الامام ابوبكر محمد بن الفضل رحمه الله و قال بعضهم القول قول الاب لانه هو الدافع والمملك قال رضي الله عنه وينبغي ان يكون الجواب على التفصيل ان كان الاب من الكرام والاشراف لا يقبل قول الاب لان مثله يأنف عن الاعارة وان كان من اوساط الناس يكون القول قول الاب لانه هو الدافع وليس بكذب فيما قال من حيث الظاهر كذا في فتاوی قاضی خان انتهى۔

نانا کی زوجہ سے نکاح کرنا

سوال (۳۳۰) نانا کی ایسی زوجہ جس کا تعلق نانی اور ماں سے کچھ نہ ہو وہ حرام ہوگی یا حلال؟

جواب:۔ حنفیہ کے نزدیک نانا کی زوجہ حرام ہے۔ خزانۃ الروایات میں خزانۃ الفقہ کے حوالہ سے مذکور ہے:۔ امرأة الجد ابی الام حرام انتهى۔

اور یہی مذکور ہے:۔ المنكوحة للجد وابي الجد وجد الجد واب جد الجد من قبل الاب والام حرام انتهى۔

اور نانا کی زوجہ کی حرمت امہات نسا یا امہات کی آیت میں داخل ہونے کی وجہ نہیں بلکہ ولا تنكحوا ما نكح اباؤكم اس صورت کو شامل ہے۔

ہدایہ میں ہے:۔ ولا بامرأة ابيه واجداده لقوله تعالى ولا تنكحوا ما نكح اباؤكم انتهى

اقرارِ زوجیت کا حکم

سوال (۳۳۱) اگر زید نے اقرار کیا کہ ہندہ میری منکوحہ اور زوجہ ہے تو یہ اقرار ثبوتِ زوجیت کے لیے معتبر ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ معتبر ہوگا۔ ہدایہ میں ہے:۔ ويجوز اقرار الرجل بالوالدين والولد والزوجة والمولى لانه اقر بما يلزمه وليس فيه تحميل النسب على الغير انتهى۔

بَابُ الوَلِيُ

ماں کے حق میں ولایتِ نکاح

سوال (۳۳۲) نابالغ لڑکی کے نکاح کے لیے ماں کو حقِ ولایت ہے یا نہیں؟

جواب: عصبات کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ماں کو حق ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے:۔ وللولي انكاح الصغير والصغيرة ولو ثيبا انتهى۔

دوسری جگہ ہے:۔ والولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام انتہٰی۔

ماں کی موجودگی میں دادا کو حقِ ولایت

سوال (۳۳۳) اگر نابالغ لڑکی کی ماں اور دادا دونوں موجود ہوں تو ولایتِ نکاح کا حق کس کو حاصل ہوگا

جواب:۔ حقِ ولایت دادا کو ہوگا۔ وقایہ میں ہے:۔ والولی العصبۃ علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریتہ وتکلیف واسلام فی ولد مسلم دون کافر ثم الام۔

دادا کی موجودگی میں ماں کا نکاح کر دینا

سوال (۳۳۴) اگر دادا کے موجود ہوتے ہوئے ماں نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا تو دادا کو فسخ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حقِ فسخ حاصل ہے۔ سراجِ منیر میں ہے:۔ واذا زوجت الام بنتہا الصغیرۃ والعصبۃ رد نکاحہا لرد النکاح انتہٰی

ولی اقرب کا صبی یا مجنون ہونا۔

سوال (۳۳۵) اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے صغیر یا صغیرہ کا نکاح کر دیا مگر ولی اقرب صبی یا مجنون تھا تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ وان زوج الصغیرۃ او الصغیر ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اہل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ وان لم یکن من اہل الولایۃ بان کان صغیرا او کان کبیرا مجنونا جاز انتہٰی۔

بہن کے مقابلہ میں نانا کا ولی ہونا

سوال (۳۳۶) نابالغہ لڑکی کی بہن اور نانا دونوں موجود ہیں اور عصبات میں سے کوئی زندہ نہیں تو اس کے نکاح کی ولایت بہن کو ہوگی یا نانا کو، اس مسئلہ میں فقہا کے دونوں قسم کے قول ہیں، ان میں سے راجح کون سا ہے؟۔

جواب:۔ نکاح کے مسائل میں فقہاء ہر جگہ عصبات سے عصبۃ بنفسہ مراد لیا کرتے ہیں جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے الولایۃ للعصبات فان لم تکن عصبۃ فللام الخ۔ اور اسی طرح قولِ فقہاء۔ ثم لذوی الارحام میں ذوالرحم سے علم فرائض کا اصطلاحی ذی رحم مراد نہیں ہوا کرتا بلکہ مطلق رشتہ دار مراد ہوا کرتا ہے۔

شرحِ وقایہ میں ہے:۔ والولی العصبۃ المراد العصبۃ بنفسہا ای ذکر یتصل بالمیت بلا توسط انثی اما العصبۃ بالغیر کالبنت اذا صارت عصبۃ بالابن فلا ولایۃ لہا علی امہا المجنونۃ وکذا العصبۃ مع الغیر کالاخت مع البنت لا ولایۃ لہا علی اختہا المجنونۃ انتہٰی۔

برجندی مختصرِ وقایہ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:۔ المراد ھھنا العصبۃ بنفسہا اور قولِ مصنف تحت ذوالرحم کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:۔ لم یرد بہ ما ھو المتعارف عند اصحاب الفرائض انتہٰی اسی طرح ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر اور تنویر الابصار نیز اس کی شرح منح الغفار اور بحر الرائق وغیرہ میں ہے۔ اس تفصیل کے بعد صغیرہ کے نکاح کا حق بہن کو عصبہ

ہونے کی وجہ سے دینا اور نانا کو ذوی الارحام میں ہونے کی وجہ سے حق نہ دینا غلط ہوگا۔ کیونکہ بہن عصبۃ بنفسہ نہیں ہے اور نانا اگرچہ علم فرائض کی اصطلاحی اعتبار سے ذوالرحم ہے اور بہن نہیں ہے۔ لیکن ولایتِ نکاح کی بحث کے اعتبار سے بہن بھی ذوی الارحام میں ہوگی۔ اگرچہ عصبہ کے معدوم ہونے کی صورت میں بعض فقہاء نے نانا کو ولی قرار دیا اور بعض نے بہن کو مگر دلائل کی حیثیت سے نانا کی ولایت راجح اور مقدم ہے۔

بحر الرائق شرح کنز میں ہے:۔ ظاهر کلام المصنف ان الجد الفاسد مؤخر عن الاخت لانہ من ذوی الارحام وذکر المصنف فی المستصفی انہ اولی منها عند ابی حنیفة وعند ابی یوسف الولایة لهما کما فی المیراث وفی فتح القدیر قیاس ما صحح فی الجد والاخ من تقدم الجد الفاسد علی الاخت فثبت بهذا ان المذهب ان الجد الفاسد بعد الام قبل الاخت انتہیٰ۔

اور ردالمحتار میں ہے:۔ قلت وجہ القیاس انهم ذکروا ان الاصح ان الجد اب الاب مقدم علی الاخ عند الکل وان اشترکه مع الاخ فی الارث عندهما لان الولایة تبتنی علی الشفقة وشفقة الجد فوق شفقة الاخ وح یقاس علیہ الجد الفاسد مع الاخت فان شفقتہ اقوی منها انتہیٰ۔

اور فتح القدیر میں بحث ولایۃ عصبات میں ہے:۔ ذکر الکرخی ان الاخ والجد یشترکان فی الولایة عندهما وعنده یقدم الجد کما هو الخلاف فی المیراث والاصح ان الجد اولی بالتزویج اتفاقا انتہیٰ

اور بحث ولایت غیر عصبات میں ہے:۔ قیاس ما صحح فی الجد والاخ من تقدم الجد الفاسد علی الاخت انتہیٰ

باپ کی موجودگی میں وکیل کا نکاح کرنا

سوال (۴۳۷) زید نے کسی شخص کو اپنی نابالغہ لڑکی کے نکاح کردینے کا وکیل بنادیا۔ اب وہ وکیل اس لڑکی کے باپ کی موجودگی میں اور اسی کے مکان میں لڑکی کا نکاح کردیتا ہے تو اس صورت میں لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ خیارِ بلوغ حاصل نہ ہوگا کیونکہ باپ کی موجودگی میں وکیل کا نکاح کرنا ایسا ہی ہے کہ خود باپ نے نکاح کیا۔

بابُ ثبوتُ النسب

نطفۂ زنا سے نسب کا ثبوت

سوال (۴۳۸) اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرے نطفۂ زنا سے پیدا ہوا ہے تو نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ ثابت نہیں ہوگا عالمگیریہ میں ہے:۔ من قال انہ منی من الزنا لا یثبت نسبہ ولا یرث منہ کذا فی الینابیع۔

اور خزانۃ الروایات میں ذخیرہ کے حوالہ سے ہے:۔ اذا اقر انہ زنی بهذه الحرة وان هذا الولد منها من الزنا وصدقتہ المرأة فان ذلك لا یثبت الولد من الرجل انتہیٰ۔

طلاق معلق بالنکاح کے بعد نسب کا ثبوت

سوال (۳۳۹) زید نے کہا کہ اگر میں نے صالحہ سے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے اب وہ صالحہ سے نکاح کرتا ہے اور اب وقتِ نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا نسب زید سے ثابت ہوگا یا نہیں ؟۔

جواب: ثابت ہوجائے گا۔ مواہب الرحمٰن میں ہے:۔ لو قال رجل ان نکحت امرأۃ فہی طالق فنکح فولدت ولداً بستۃ اشہر منذ نکحہا الزمناہ نسبہ خلافاً لزفر انتہیٰ۔

محرمات سے نکاح کرنے کے بعد نسب کا ثبوت

سوال (۳۴۰) اگر کسی نے اپنی محارم میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کرلیا اور اولاد بھی ہوگئی تو اولاد کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

جواب: امام اعظمؒ کے نزدیک ثابت ہوجائے گا لیکن صاحبینؒ کے نزدیک ثابت نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ رجل مسلم تزوج بمحارمہ فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد عندابی حنیفۃ خلافاً لہما بناء علی ان النکاح فاسد عندابی حنیفۃ باطل عندہما کذا فی الظہیریۃ انتہیٰ۔

نسب کا تعلق ماں سے

سوال (۳۴۱) ایک شخص کی والدہ سیدزادی اور والد شیخ تھے اور یہ صاحبزادے سید ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ دستخط کرتے وقت نام کے ساتھ قریشی الحسنی لکھا کرتے ہیں تو کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا اصل نسب کو چھوڑ کر غیر کے نسب میں داخل ہوتا ہے اور یہ شخص فی الحقیقت سید ہوگا یا شیخ؟

جواب: نسب کا تعلق ہمیشہ باپ کے ساتھ ہوا کرتا ہے ماں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تو جس کی والدہ سیدزادی اور والد سادات سے نہ ہوں تو ایسے شخص کو دوسرے ان لوگوں سے جن کے والدین میں سے کوئی بھی سید نہ ہو شرافت اور فوقیت ہوگی مگر اس کے باوجود وہ اپنے کو سید نہیں کہہ سکتا۔ البتہ قریشی حسنی لکھ سکتا ہے۔ اپنے آبائی سلسلہ کو ترک کرنا اور غیر قبیلہ میں داخل ہونا سخت گناہ ہے اور بعض روایات میں ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے اور بعض میں فقد کفر کا اطلاق یعنی کفرِ عملی کیا گیا ہے اس کی تفصیل ابنِ حجر مکی کی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں ہے۔ شرحِ غرر میں ہے:۔ الولد یتبع الاب فی النسب لانہ للتعریف والام لا تشتہر ویتبع خیرہما فی الدین رعایۃ لجانب الولد انتہیٰ۔

اور صاحبِ کنز کے قول میں الولد یتبع الام فی الملک والحریۃ والرق والتدبیر والاستیلاد والکتابۃ کی شرح میں بحرالرائق میں ہے:۔ قید بالتبعیۃ فیما ذکر للاحتراز عن النسب فانہ للاب لان النسب للتعریف وحال الرجال مکشوف دون النساء حتی لو تزوج ہاشمی امۃ انسان فاتت بولد فہو ہاشمی تبعاً لابیہ رقیق تبعاً لامہ کما فی فتح القدیر وعن الاحتراز عن الدین فانہ یتبع خیرالابوین دیناً لانہ انظر لہ انتہیٰ۔

اور طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:۔ قولہ ولا فی نسب ای لا یتبع امہ فی نسب ہذا نص صریح فی ان الشریفۃ

لیس لشریف وان کان لہ شرف حموی انتہیٰ۔

اور ابن عابدین شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں :۔ من کان ولدا امہا علویۃ وابوہ عجمی یکون العجمی کفؤا لہا وان کان لہا شرف مالان النسب للآباء ولذا جاز دفع الزکوۃ الیہا انتہیٰ۔

اور ہدایہ میں ہے :۔ لو اوصیٰ لاھل نسبہ او بجنسہ فالنسب عبارۃ عمن ینسب الیہ والنسب یکون من جھۃ الآباء وجنسہ اھل بیت ابیہ دون امہ لان الانسان یتجنس بابیہ انتہیٰ۔

باب الحضانۃ

ماں سے حقِ تربیت ساقط ہونا

سوال (۲۴۲) تربیت کا حق ماں سے کب ساقط ہوتا ہے؟

جواب :۔ ماں اگر مرتد ہو جائے یا زنا، غنا، سرقہ، نوحہ اور ماتم وغیرہ کرنے کی وجہ سے فاجرہ ہو جائے۔ یا بچہ کو گھر میں تنہا چھوڑ کر اکثر اوقات باہر رہے یا اس چھوٹی بچی کے غیر محرم کے ساتھ شادی کرلے تو ان تمام صورتوں میں اس کو تربیت کا حق نہ رہے گا۔ درمختار میں ہے :۔ الحضانۃ تثبت للام ولو بعد الفرقۃ الا ان تکون مرتدۃ او فاجرۃ فجورا یضیع الولد بہ کزنا وغنا وسرقۃ ونیاحۃ کما فی البحر بحثا او غیر مامونۃ ذکرہ فی المجتبیٰ بان تخرج کل وقت وتترک الولد ضائعا او متزوجۃ بغیر محرم الصغیرۃ۔

عصبات کے لیئے تربیت کا حق

سوال (۲۴۳) بچہ کی تربیت کا حق عصبات کو ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جبکہ بچہ کی ماں یا خالہ اور نانی وغیرہ موجود نہ ہوں، یا موجود ہوتے ہوئے کسی عذر کی وجہ سے ان کا حق ساقط ہو گیا ہو تو پھر ایسی صورت میں عصبات کو حق تربیت دیا جائے گا۔ عالمگیریہ میں ہے :۔ واذا وجب الانتزاع من النساء اولم یکن للصبی امرأۃ من اھلہ یدفع الی العصبۃ انتہیٰ۔

شادی شدہ بچی کی تربیت کا حق

سوال (۲۴۴) نابالغہ لڑکی کا نکاح کردینے کے بعد اس کی تربیت کا حق ماں سے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ ساقط نہیں ہوتا، قنیہ میں ہے :۔ الصغیرۃ اذا لم تکن مشتہاۃ ولہا زوج لا یسقط حق الام فی حضانتہا مادامت لا تصلح للرجال الا فی روایۃ عن ابی یوسف اذا کانت تصلح للاستیناس بہا انتہیٰ۔

لڑکی کے لیئے حقِ تربیت کی مدت

سوال (۲۴۵) صغیرہ لڑکی کی تربیت کا حق ماں اور دادی کو کتنی عمر تک ہوتا ہے؟

جواب :- نوسال کی عمر تک حق رہتا ہے۔ برجندی شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں :- وعن محمد ان للام والجدۃ حق بہا حتی تشتہی ای تبلغ حد الشہوۃ و ہو المعتمد لفساد الزمان انتہی اور در مختار میں ہے :- وقدر بتسع انتہی

ماں کی موجودگی میں دادی کو حق تربیت

سوال (۳۴۶) ماں اور بہن کے ہوتے ہوئے دادی کو تربیت کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب :- نہیں۔ در مختار میں ہے :- ثم ای بعد الام بان ماتت اولم تقبل او اسقطت حقہا او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اہلیۃ القربی ثم ام الاب وان علت انتہی

لڑکے کے لیے حق تربیت کی مدت

سوال (۳۴۷) لڑکے کے لیے حق تربیت کی مدت کتنی عمر تک ہے؟

جواب :- سات سال کی عمر تک حق تربیت ہوتا ہے

مدت تربیت پوری ہونے کے بعد بچہ کا خود مختار ہونا

سوال (۳۴۸) لڑکا سات سال کے بعد اور لڑکی نوسال کے بعد اپنے اختیار سے والدین میں سے جس کے پاس چاہیں رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب :- بالغ ہونے تک اختیار نہیں ہے بلکہ باپ یا دادا اپنے پاس رکھے البتہ بالغ ہونے کے بعد بچہ کو اختیار ہوگا

سن بلوغ

سوال (۳۴۹) اگر بلوغ کے آثار مثلاً احتلام یا حیض یا حمل ظاہر نہ ہوں تو کتنی عمر میں بلوغ کا حکم لگایا جائے گا؟

جواب :- پندرہ سال پورا ہونے کے بعد بلوغ کا حکم لگایا جائے گا۔ در مختار میں :- فان لم یوجد شئ منہا فحتی یتم لکل منہما خمسۃ عشرۃ سنۃ یفتی لقصر اعمار اہل زماننا انتہی۔

اور درر شرح غرر میں ہے :- وقال فیہما بتمام خمس عشرۃ سنۃ وہو روایۃ عن الامام و بہ یفتی انتہی۔

کتاب الرضاع

رضاعی بھانجی سے نکاح

سوال (۳۵۰) زینب نے ایک لڑکی خالدہ کو دودھ پلایا۔ اور پھر کافی زمانہ کے بعد ایک لڑکے زید کو پلایا، اب زید خالدہ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب :- جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ خالدہ کی لڑکی اس کی رضاعی بھانجی ہوگی۔ اور یہ رضاعی بھانجی ایسی ہی حرام ہوتی ہے جیسا کہ حقیقی بھانجی۔ کیونکہ ضابطہ ہے لانہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ کذا روی الشیخان

اور در مختار میں ہے :- ولا حل بین الرضیعۃ و ولد مرضعتہا وولد ولدہا لانہ ولد الاخ انتہی۔

رضاعت کا مشکوک ہونا

سوال (۳۵۱) اگر کسی عورت نے بچہ کے منہ میں اپنی چھاتی دے دی اور بچہ کا چوسنا اور کھینچنا بھی معلوم ہو گیا مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حلق سے نیچے اترا یا نہیں اور اترا تو شکم سیر ہونے کی مقدار میں تھا یا کم تو ایسی صورت میں رضاعت کا حکم ثابت ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ ثابت نہیں ہوگا۔ برجندی مختصر وقایہ کی شرح میں لکھتے ہیں:۔ یثبت بمصة واحدة ولو قطرة بشرط ان یصل الی الجوف والیہ ذہب ابن عمر وابن عباس من الصحابۃ انتہی۔

اور بحر الرائق میں ہے:۔ وخرج بالوصول مالو ادخلت امرأة حلمۃ ثدیہا فی فم رضیع ولا یدری ادخل اللبن فی حلقہ ام لا یحرم النکاح لان فی المانع شکا کذا فی الولوالجیۃ انتہی۔

اثبات حرمت کے لیے دودھ کی مقدار

سوال (۳۵۲) حکم رضاعت کے ثبوت کے لئے دودھ کی کتنی مقدار بچہ کے پیٹ میں داخل ہونا ضروری ہے؟

جواب:۔ کوئی مقدار متعین نہیں قلیل وکثیر ثبوت رضاعت کے لئے برابر ہے۔ مختصر قدوری میں ہے:۔ قلیل الرضاع وکثیرہ سواء ای حصل فی مدة الرضاع یتعلق بہ التحریم انتہی

مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد دودھ پینا

سوال (۳۵۳) مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں

جواب:۔ نہیں، مختصر قدوری میں ہے:۔ ومدة للرضاع عند ابی حنیفۃ ثلثون شہراً وقالا سنتان فاذا مضت مدة الرضاع لم یتعلق بہ التحریم انتہی۔

بہن کا دودھ پینے سے رضاعت کا ثبوت

سوال (۳۵۴) زید نے مدت رضاعت میں اپنی بہن ہندہ کا دودھ پی لیا۔ اب زید کے لڑکے کا نکاح ہندہ کی لڑکی سے درست ہے یا نہیں!

جواب:۔ درست نہیں۔ کیونکہ ہندہ کی لڑکی زید کے لڑکے کی رضاعی پھوپھی بن گئی اور پھوپھی سے نکاح جائز نہیں، حقیقی ہو یا رضاعی۔ مختصر قدوری میں ہے:۔ ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب انتہی۔

بابُ الظہار

ظہار کی حقیقت

سوال (۳۵۵) ظہار کی حقیقت کیا ہے؟

جواب:۔ اپنی زوجہ کے پورے بدن یا کسی ایسے عضو کو جس سے عرف عام میں کل بدن مراد ہوتا ہو مثلاً سر یا گردن

رقبۃ وغیرہ) اپنی محرمات کے اعضاء میں سے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس طرف دیکھنا حرام ہو۔ اس کا نام ظہار ہے (کذا فی الوقایۃ والنقایۃ)

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ رکن الظہار ہو قولہ لامرأتہ انت علی کظہر امی او ما یقوم مقامہ فی افادۃ معناہ کذا فی النہایۃ اذا قال لہا راسک علی کظہر امی او وجہک او رقبتک او فرجک یصیر مظاہراً وکذا اذا قال لہا بدنک علی کظہر امی او ربعک او نصفک ونحو ذلک من الاجزاء الشائعۃ کذا فی البدائع اذا ذکر جزء لا یعبر بہ عن جمیع البدن کالید والرجل لم یثبت الظہار کذا فی مبسوط السرخسی انتہیٰ۔

اپنی زوجہ کو مثل مادر سمجھنا

سوال (۳۵۶) اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ سے کہا تو میری ماں کے مثل ہے تو یہ قول ظہار ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اگر ظہار کی نیت سے کہا تو ظہار ہوگا ورنہ ظہار نہ ہوگا۔ ابو المکارم شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں:۔ من قال انت مثل امی بدون علی فان لم ینو شیئاً لا یلزم شیء فی قولہم وان نوی ظہاراً فظہار انتہیٰ۔

زوجہ کو ماں کہنا

سوال (۳۵۷) اگر کسی نے زوجہ سے کہا کہ تو میری ماں یا میری بہن یا میری لڑکی ہے تو ظہار ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ ظہار نہ ہوگا باوجودیکہ ظہار کی نیت سے کہے۔ ابو المکارم شرح نقایہ میں بیان فرماتے ہیں:۔ ولو قال انت امی بدون اداۃ التشبیہ فالظاہر انہ مثل کامی علی ما عرف فی زید اسد لکن فی فتاوی صدر الاسلام انہ لو نوی بہ الظہار فہو باطل لانہ کذب وہکذا یروی عن محمدؒ انتہیٰ۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ انت من قال لا یکون مظاہراً وینبغی ان یکون مکروہا ومثلہ ان یقول یا ابنتی ویا اختی ونحوہ انتہیٰ۔

اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اپنے ترجمہ میں تحریر فرمایا: اس ماں بہن کہنے کو ظہار کہتے ہیں انتہیٰ۔ یہ قول روایات صحیحہ کے خلاف ہے۔ اور سورۂ مجادلہ کی آیت الذین یظاہرون الآیۃ کے شانِ نزول میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اپنی زوجہ کو ماں کہدیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ مضمون تفاسیرِ رائجہ کے مخالف ہے۔ عام مفسرین اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپؐ کے زمانہ میں اپنی زوجہ سے انت علی کظہر امی کہہ کر ظہار کیا تھا تو اس کا حکم بیان کرنے کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

بَابُ التفریق

عمر قید مجرم کی زوجہ کا حکم

سوال (۳۵۸) اگر حاکم نے کسی شخص کو عمر قید کرکے یا چودہ سال کے لیے ضلع سے باہر نکال دیا تو اس

کی زوجہ کی تفریق کردینی چاہیے یا نہیں؟

جواب:۔ تفریق جائز نہیں، درمختار میں ہے:۔ ولا یفرق بینہما بعجزہ عنہا ولا لعدم ایفائہ لو غائبا حقہا ولو موسرا وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتضررہا بغیبۃ ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضی بہ نفذ اذا لم یرتش الآمر والمامور انتہیٰ۔

زوجۂ مجنون کا حکم

سوال (۳۵۹) اگر شوہر مجنون ہو تو زوجہ کے درخواست دینے پر تفریق کی جائے گی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر جنون عارضی ہے تو عنین کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی اور اس کے بعد صحت نہ ہونے کی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا لیکن اگر جنون کامل درجہ کا ہے تو فوراً نکاح فسخ کردیا جائے، مہلت کی ضرورت نہیں مجمع البرکات میں ہے:۔ ان کان بالزوج جنون او جذام او برص فلا خیار لہا وقال محمد لہا الخیار دفعا للضرر عنہا کما فی الجب والعنۃ کذا فی الکافی قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فہو کالجب وبہ ناخذ کذا فی فتاوی العالمگیریۃ ناقلا من الحاوی انتہیٰ۔

بَابُ حُقُوقُ الزَّوجَین

نافرمان زوجہ کا حکم

سوال (۳۶۰) اگر شوہر کسی امر مشروع کا اپنی بیوی کو حکم دیتا ہے اور وہ نافرمانی کر کے اپنے شوہر کو ناراض کرتی ہے تو ایسی عورت کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی بیوی اپنے شوہر کو رنجیدہ کرتی ہے تو اس کی جنتی بیوی یعنی حورعین اس زوجہ کو بددعا دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ تجھ کو قتل کرے، یہ شوہر تیرے پاس چند روز کے لیے ہے۔ پھر تجھ سے جدا ہو کر میرے پاس پہنچ جائے گا تو اس کو کیوں ناراض کرتی ہے۔

اور طیبی شرح مشکوٰۃ میں بیان کرتے ہیں:۔ وسخط الزوج یوجب سخط الرب ورضاہ فی قضاء الشھوۃ فکیف اذا کان فی امر الدین انتہیٰ۔

بیوی کا جماع سے انکار کرنا

سوال (۳۶۱) شوہر نے زوجہ کو جماع کے لیے بلایا مگر اس نے انکار کردیا تو ایسی عورت کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ شوہر کے ناراض رہنے تک اس کے اوپر ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی رہتی ہے۔ بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں:۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ ما من رجل یدعو امرأتہ الی فراشہ فتابی علیہ الا کان الذی فی السماء ساخطا علیہا حتی یرضی عنہا انتہیٰ۔

اور نصاب الاحتساب میں ہے:- لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النساء السلتاء والمرھاء فالسلتاء التی لاتختضب والمرھاء التی لاتکتحل ولعن المسوفۃ والمغسلۃ فالمسوفۃ التی اذا دعاھا زوجھا الی المباشرۃ فقالت سوف افعل والمغسلۃ التی اذا دعاھا زوجھا الی المباشرۃ فقالت انی حائض ولیست کذلک انتہیٰ۔

بلا اذن شوہر گھر سے نکلنا۔

سوال (۳۶۲) جو عورت کہ غیروں سے ملنے اور ان کی عیادت کرنے یا دعوتِ ولیمہ میں شرکت کرنے کے لیے بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر جائے تو ایسی عورت کا کیا حکم ہے؟

جواب:- گنہگار ہے۔ اور اگر شوہر اجازت دے تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ درمختار میں ہے:- ویمنعھا من زیارۃ الاجانب وعیادتھم والولیمۃ وان اذن کانا عاصیین انتہیٰ۔

اور عالمگیریہ میں ہے:- وما عدا ذلک من زیارۃ الاجانب وعیادتھم والولیمۃ لا یاذن لھا ولاتخرج ولو اذن وخرجت کانا عاصیین انتہیٰ۔

زوجہ کا فاحشہ عورتوں کو گھر میں بلانا

سوال (۳۶۳) زوجہ شوہر کے مکان میں فاحشہ عورتوں کو بلاتی ہے تو شوہر کو منع کرنے اور اس زوجہ کو تنبیہ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب:- شوہر کو حق ہے کہ اپنے گھر میں فاحشہ عورتوں کو آنے سے منع کرے۔ برجندی تحریر فرماتے ہیں المنزل ملکہ فلہ حق المنع انتہیٰ اور جو عورت کہ بُرے کام کی عادی ہو شوہر کو چاہیئے کہ اولاً وعظ ونصیحت اور پھر زجر و توبیخ کرے اور بدرجۂ مجبوری مار بھی سکتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ ہاتھ یا پاؤں ٹوٹ جائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ اگر کسی فحش کام کے ظاہر ہونے یا فرض کے ترک کرنے یا کسی اور مصلحت کی وجہ سے چہرہ کے ماسوا دوسرے اعضاء پر مارے تو جائز ہوگا۔ چہرہ پر مارنا جائز نہیں۔

بَابُ الرَّقِیق

خریدے یا پکڑے ہوئے کافر کو غلام بنانا

سوال (۳۶۴) ـــــ (۱) اگر کافر اپنی ذات یا اپنی چھوٹی اولاد کو مسلمان کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو مسلمان کے لیے ان کا خریدنا شرعاً درست ہے یا نہیں اور خریدنے کے بعد غلام بن جائیں گے یا آزاد رہیں گے؟

(۲) اگر کافر کے بچوں کو کوئی کافر یا مسلمان بھگا کر یا زبردستی پکڑ لائے اور بیع کرے تو ان کا خریدنا اور غلام بنانا مسلمان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جہاد میں جو مرد و عورت اور بچے پکڑے جاتے ہیں وہ شرعاً غلام ہیں یا نہیں؟

جواب (۱) خریدنا جائز نہیں ہے اور وہ آزاد رہے گا۔ قنیہ میں ہے:۔ کافر جاء بالولد الصغیر الی دار الاسلام وباعہ فیہا لم یجز ولو رجع الی دار الحرب وترک ولدہ فیہا فولدہ حر انتہی

اور بزازیہ میں ہے:۔ مسلم دخل دار الحرب فجاء الحربی بابنہ او بنتہ او امہ او عمتہ او خالتہ فرقہ فقہرھا یرید بیعہا من المسلم المستامن لایجوز بیعہ عند اکثر المشائخ والصحیح ان اباہ ثم ان کان یری جواز بیعہ ملکہ مطلقا وان کان لایری ان اشتراہ وذھب بہ مکرھا ملکہ بالقہر انتہی ملخصا

(۲) اگر دار الحرب سے پکڑ کر لائے اور دار الاسلام میں لاکر فروخت کرے تو خریدنا جائز ہے۔ بزازیہ میں ہے عن الثانی فیمن دخل دار الحرب بامان فسرق عنہم انسانا ناحرا وخرج بہ اقوال لایسعک ما صنعت وان باعہ یجوز بیعہ لانہ ملکہ انتہی۔

(۳) جہاد میں اگر مال غنیمت کی تقسیم موافق شرع کی گئی ہو تو وہ کفار غلام اور لونڈی بن جائیں گے۔ جیساکہ طبرانی ابن ابی شیبہ اور بخاری نے روایات بیان کی ہیں۔ اور در مختار میں ہے:۔ فی معروضات المفتی ابی السعود ہل یحل وطی الاماء المشتراۃ من الغزاۃ الآن حیث وقع الاشتباہ فی قسمتہم بالوجہ المشروع فاجاب لا توجد فی زماننا قسمۃ شرعیۃ انتہی۔

کتابُ الاَیمان

قرآن مجید کی قسم کھانا

سوال (۳۶۵) قرآن مجید کی قسم کھانا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ قرآن کی قسم اگرچہ بعض کے نزدیک معتبر ہے جیساکہ در مختار میں ہے لیکن اصحاب متون نے اس قسم کو شرعاً معتبر نہیں مانا۔ وقایہ میں ہے:۔ لا بغیر اللہ کالنبی والقرآن والکعبۃ انتہی وقال محمد فی الاصل لو قال والقرآن لایکون یمینا ذکرہ مطلقاً۔ کذا فی العالمگیریۃ۔

حرمت جنت کی قسم کھانا

سوال (۳۶۶) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں نے فلاں کام نہ کیا تو خدا مجھ پر جنت حرام کردے یا دوزخ کا عذاب دے۔ کیا اس کا یہ قول یمین ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں۔ (مبسوط)۔

کسی معصیت پر قسم کھانا

سوال (۳۶۷) اگر کسی نے خدا کی قسم کھاکر کہاکہ فلاں کو سبق نہیں دوں گا۔ اور اچھی بات کی تعلیم نہ کروں گا تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب:- اپنی قسم توڑے اور اس کے خلاف کرے یعنی اچھی بات کی تعلیم دے اور کفارہ ادا کرے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے:- اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرًا منھا فکفر عن یمینک وأت بالذی ھو خیر انتہیٰ۔

گھر میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھانا

سوال (۳۶۸) اگر کسی نے قسم کھائی تھی کہ زید کے گھر میں قدم نہ رکھوں گا اب وہ لیٹ کر اس کے گھر میں قدم رکھتا ہے تو حانث ہوگا یا نہیں؟

جواب:- اگر داخل ہوجائے تو حانث ہوگا۔ محض قدم رکھنے سے حانث نہ ہوگا۔ در مختار میں ہے:- لایضع قدمه فی دار فلان حنث بدخولها مطلقا ولو حافیا او راکبا لما تقرر ان الحقیقة متی کانت متعذرة او مهجورة صیر الی المجاز حتی لو اضطجع ووضع قدمیه لم یحنث۔ انتہیٰ۔

غیراللہ کی قسم کھانا

سوال (۳۶۹) غیراللہ کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:- فالیمین باللہ دون غیرہ انتہیٰ

قسم کو صفات الٰہی سے مؤکد کرنا

سوال (۳۷۰) اپنی قسم کو اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً معذب الکاذبین۔ عالم الغیب والشہادة کے ساتھ مؤکد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:- یؤکد بذکر اوصافه وھو التغلیظ۔ انتہیٰ۔

قسم کے وقت توراۃ و انجیل کی طرف اشارہ کرنا

سوال (۳۷۱) قسم کو پختہ کرانے کے وقت توراۃ خاص یہود کے ہاتھ میں دے کر اور انجیل خاص نصاریٰ کے ہاتھ میں دے کر اس کی طرف اشارہ کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب:- نہیں، عالمگیریہ میں ہے:- لایحلف بالاشارة الی مصحف معین بان یقول باللہ الذی انزل ھذا الانجیل او ھذہ التوراة لانه مثبت تحریف بعضها فلا یؤمن ان الاشارة الی المحرف فیکون التحلیف به تغلیظًا مالیس بکلام اللہ عز وجل ھکذا فی البدائع۔

شہادت کے بعد مدعا علیہ سے حلف کا مطالبہ کرنا

سوال (۳۷۲) اگر مدعی نے گواہ پیش کردیے۔ مگر کسی وجہ سے دعویٰ ثابت نہ ہوسکا اور دوسرے گواہ پیش کرنے سے بھی عاجز ہے۔ اب مدعا علیہ سے حلف لینا چاہتا ہے، کیا اس کو حلف لینے کا حق ہے یا نہیں؟۔

جواب:- حق ہے۔ ہدایہ میں ہے:-

اذا عجز عن ذلک وطلب یمین خصمه استحلفه علیها انتہیٰ۔

باب کفارۃ الیمین

قسم کا کفارہ

سوال (۳۷۳) قسم کا کفارہ کیا ہے؟

جواب:۔ ایک غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ یا دس میں سے ہر ایک مسکین کو اتنا کپڑا دینا کہ وہ اکثر بدن کو چھپا سکے اور اگر یہ تینوں صورتیں ناممکن ہوں تو پھر مسلسل تین دن تک روزے رکھے۔ کذا فی النقایہ۔

کتاب الحدود والقصاص

قطاع الطریق اور ان کی حد

سوال (۳۷۴) تین عاقل وبالغ مسلمان باہم مشورہ کر کے رہزنی اور غارت گری کے لیے شہر سے باہر چلے گئے۔ ان میں سے ایک کے پاس تلوار اور دو کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ اور اول شب میں رامپور کے ایک ہندو بزاز پر جو بازار سے آبادی میں آ رہا تھا حملہ کر کے دار الاسلام یعنی ملک رامپور کے جنگل میں قتل کر دیا اور اس کے ساتھی مزدور کو زخمی کر کے تجارتی کپڑے کی گانٹھ جس میں سوسی کے تریسٹھ تھان تھے لوٹ لیے۔ تو یہ لوگ قطاع الطریق کہلائیں گے یا نہیں اور حاکم وقت کو قتل کرنے اور مال لوٹنے کے جرم میں ان لوگوں کو بطریق حد قتل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ لوگ قطاع الطریق کہلائیں گے اور حاکم وقت کو جرم کی پاداش میں قتل کرنے کا حق پہونچتا ہے کیونکہ قطاع الطریق ایسے ہی لوگ کہلاتے ہیں جو دار الاسلام کے شہروں اور چھوٹی آبادیوں سے دور رہ کر راہ چلتے مسلمان یا ذمی مسافروں پر قتل وغارت گری کریں، ڈرائیں اور دھمکائیں اور ان کے مقابلہ میں بے چارے مسافروں میں مقابلہ کی طاقت وہمت نہ ہو۔ لہٰذا اگر شخص واحد بھی طاقت وقوت کے ساتھ مسافروں کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو وہ بھی قاطع طریق کہلائے گا۔ اور اس سلسلہ میں لاٹھی اور پتھر سب شمشیر ہی کے حکم میں ہیں۔

صاحب ہدایہ باب قطع الطریق میں فرماتے ہیں:۔ اذا خرج جماعۃ ممتنعین او واحد یقدر علی الامتناع فقصد وا قطع الطریق اھ۔

کلام مذکورہ میں امتناع کا مطلب یہ ہے کہ قاطع طریق اپنی قوت وشجاعت سے مدافعت اور مقابلہ کر سکتا ہے۔

صاحب عنایہ فرماتے ہیں:۔ اراد بالامتناع ان کون قاطع الطریق بحیث یمکن لہ ان یدافع تعرض الغیر عن نفسہ بقوتہ وشجاعتہ انتہیٰ۔

اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے:۔ خرج ذومنعۃ وقوۃ ولو واحد القطع الطریق الخ

بحر الرائق میں ہے:۔ اما قطع الطریق حقیقۃ فبالقتل او اخذ المال وانما یکون بالاخافۃ وان یکون من قوم لہم احکام قوۃ وشوکۃ او واحد کذلک انتہیٰ مختصراً۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ اعلم ان لقطاع الطریق الذین لہم احکام مخصوصۃ شرائط احدہا ان یکون لہم شوکۃ ومنعۃ بحیث لم یکن للمارۃ المقاومۃ معہم وقطعوا علیہم الطریق سواء کان بالسلاح او بالعصا الکبیر او الحجر او غیرہا والثانیۃ ان یکون خارج المصر بعیدا عنہا والثالثۃ ان یکون ذلک فی دار الاسلام انتہیٰ مختصراً۔

ظاہر ہے کہ الاثنان فما فوقہما جماعۃ کے مطابق ایسے تین مردوں پر قطاع الطریق کی پوری پوری تعریف صادق آتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے جن مسافروں کے مال کو بزورِ شمشیر لوٹا اور پھر ان کو قتل کیا ان کے مقابلہ میں مدافعت کی قوت وطاقت ان تینوں کو حاصل تھی اور جو قاطع طریق اخذ مال کے ساتھ قتل بھی کرے اس کا حکم یہ ہے کہ امام وقت اور بادشاہ کے لیئے ان کا قتل کرنا جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے:۔ ان قتلوا واخذوا المال ان شاء الامام قطع ایدیہم وارجلہم من خلاف ثم قتلہم وصلبہم وان شاء قتلہم من غیر قطع وان شاء صلبہم انتہیٰ۔

اور کنز میں ہے:۔ ان قتل قتل حداً وان عفا الوالی انتہیٰ۔

اور ملتقی الابحر میں ہے:۔ ولو باشر الفعل بعضہم حد واکلہم اور فقہاء کے قول لا یمکن للمارۃ المقاومۃ معہم میں مارۃ یعنی مسافرین سے صرف وہی لوگ مراد ہیں جن سے قطاع الطریق نے تعرض کیا، تمام مسافرین مراد نہیں جیسا کہ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:۔ اذا خرج جماعۃ ممتنعین بقولہ عمن یقصد مقاتلتہم اور قطع الطریق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مسافروں کا راستہ بند کردیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مسافروں کو راستہ میں قتل کردینا اور اسی لیئے فقہاء قطع طریق کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الاضافۃ لادنی ملابسۃ والمعنی قتل المارۃ بالطریق واطلق الطریق علی المارۃ من اطلاق اسم المحل علی الحال کذا فی الحاشیۃ الطحطاویۃ والشامیۃ ہذا واللہ اعلم محمد سعد اللہ

مصدقین ومصححین:۔ محمد ریاض الدین مفتی عدالت دیوانی۔ محمد عبد الکریم مدرس رام پور، محمد حبیب اللہ مدرس رام پور ظہور الحق مدرس۔ اکبر علی خاں ولد رحیم یار خاں مدرس۔ لطف اللہ ولد مفتی سعد اللہ مدرس۔ محمد بشارت اللہ مدرس۔ سید حسن شاہ مدرس۔ محمد عالم علی محدث مرادآبادی، محمد قطب عالم مدرس۔

الجواب صواب حق صحیح والمرتکبون والاثنان او الواحد منہم قتلوا وصلبوا مع قطع الایدی والارجل او بلا قطعہم۔
ظہور الحسن عفی عنہ۔

اس کی تصدیق عینی شرح ہدایہ سے ہوتی ہے:۔ اذا خرج جماعۃ من الممتنعین او واحد یقدر علی الامتناع فقصدوا قطع الطریق الخ المراد بالامتناع ان یکون بحیث یمکن لہم ان یدفعوا عن انفسہم بقوتہم وشجاعتہم تعرض لغیر انتہیٰ۔

اور امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخروج میں ہے:۔ قال ابو یوسف من اخذ المال فالامام بالخیار ان شاء قتلہ

ولم یقطع۔ وان شاء قطعہ ثم صلبہ انتہی۔ واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی

اصاب من اجاب اعلم ان قطاع الطریق اوان قتلوا نفسا او اخذ وا مالا خیر الامام بین ستۃ احوال ان شاء قطع ایدیھم وارجلھم من خلاف ثم قتلوا وصلبوا وفعل الثلثۃ او قتلھم وصلبھم او قتلھم فقط او صلبھم فقط ھکذا فصلہ الزیلعی۔

صورت مسئولہ میں چونکہ ان لوگوں سے قتل اور اخذ مال دونوں جرم ہوتے ہیں لہذا ان کے بارے میں حکم شرعی قتل ہے حدا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ سید بدیع الدین رشید بالیقین دہلوی۔

واقعی یہ لوگ قطاع الطریق ہیں اور حاکم وقت کو قتل نفس اور اخذ مال کی وجہ سے ان کو بطریق حد قتل کرنے کا حق حاصل ہے۔ جامع الرموز میں ہے:۔ ومعصوم بالعصمۃ المؤبدۃ وھو مسلم او ذمی حر او عبد قطع الطریق علی معصوم ای زاحم ابارۃ من مسلم او ذمی فی صحراء دار نا علی مسافۃ السفر فصاعدا دون القری و الامصار ولا بینھما وھذا ظاھر الروایۃ وعن ابی یوسف ان من قطع الطریق زاحم علی قل مسیر السفر وفی المصر لیلا وعلیہ الفتوی دفعا لشر متغلبۃ المفسدین کما فی الاختیار وغیرہ وقال بعض المتاخرین ان ھذا فی زمانھم واما فی زماننا فتحقق قطع الطریق فی القری والامصار عن ابی یوسف من زاحم فی المصر او بین القری فان کان بالسلاح یحد وان کان بغیرہ فلا الا اذا کان باللیل حدا انتہی مختصرا۔

اور صاحب ایضاح بیان فرماتے ہیں:۔ وعن ابی یوسف ان قصدوا فی المصر بالسلاح یجری علیھم احکام قطاع الطریق وان قصدوا بالحجر او الخشب فان کانوا خارج المصر فکذلک ایضا وان کان نھارا لایجری علیھم احکام قطاع الطریق واستحسن المشائخ ھذہ الروایۃ وبہ یفتی فی التبیین انتہی۔

اور شیخ فصیح الدین شرح وقایہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ وجرح عصالھم کسیف فی القتل لان قطع الطریق یحصل بھا علی السواء انتہی۔ ابو الاحیاء محمد نعیم عفی عنہ

اجرائے حدود کے لیے قاضی کا ہونا

سوال (۳۷۵) زنا کی تحقیق بغیر قاضی کے ممکن ہے یا نہیں۔ اور زانی بغیر قاضی کے سزا کا مستحق ہوگا یا نہ ہوگا اور اس میں تحکیم جائز ہے یا ناجائز؟۔

جواب:۔ زنا کی تحقیق کہ جس پر اجرائے حد مرتب ہوتی ہے اور اسی طرح اجرائے حد بغیر قاضی وحاکم کے حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور اجرائے حد کے واسطے تحکیم بھی صحیح نہیں۔

سیاستاً قتل کرنا

سوال (۳۷۶) فقہاء کے نزدیک سیاست کا کیا مفہوم ہے۔ اور سیاستاً قتل ہر ایک جرم کے بدلہ میں ہوسکتا ہے یا صرف ایسے شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو گلا گھونٹنے کا عادی ہو۔

جواب: بحر الرائق کے رسالہ جامع التعزیرات میں منقول ہے:۔ السیاسۃ فعل بفعلہ الحاکم لمصلحۃ یراھا

وان لم یرد بذالک دلیل جزئی. انتہی. یعنی سیاست ہر وہ کام کہلاتا ہے کہ حاکم کسی خاص مصلحت کی وجہ سے اس کو اختیار کرے، باوجودیکہ کوئی خاص دلیل اس کام کے بارہ میں نہ ہو۔ اور تعزیرات میں جو سیاست جاری ہوتی ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے مثلاً سخت سزاؤں میں قتل کر دینا، زمانہ دراز کے لیے قید کرنا اور شہر بدر کر دینا وغیرہ۔ اور سیاستاً قتل کرنا کسی جرم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حاکم وقت مصالح کے پیش نظر جس جرم کی سزا میں چاہے جاری کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ بعض جرائم میں تکرارِ فعل شرط ہے۔ مثلاً گلا گھونٹنا، چوری کرنا، لواطت کرنا۔

جامع الرموز میں ہے:۔ السیاسۃ لا یختص بالزنا بل یجوز فی کل جنایۃ والرای فیہ للامام علی ما فی الکافی کقتل مبتدع یتوہم منہ انتشار بدعۃ وان لم یحکم بکفرہ کما فی التمہید۔

اور صاحب درمختار منتقی شرح منتقی میں فرماتے ہیں:۔ السیاسۃ لا یختص بالزنا بل یجوز فی کل جنایۃ ورأی الامام المصلحۃ فی النفی والقتل کقتل مبتدع یتوہم انتشار بدعۃ وان لم یحکم بکفرہ۔

اور منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے:۔ للامام قتل السارق سیاسۃً لسعیہ فی الارض بالفساد۔

اور درمختار میں ہے:۔ للامام قتل السارق سیاسۃ لسعیہ فی الارض بالفساد وھذا ان عاد۔

اور اسی میں ہے:۔ لو اعتاد اللواطۃ قتلہ الامام سیاسۃً۔

اور فتاوی سراج المنیر میں بحر الرائق کے حوالہ سے منقول ہے:۔ یجوز التعزیر بالقتل۔

حمادیہ میں تہذیب کے حوالہ سے ہے:۔ ان التعزیر یکون بالقتل والضرب والحبس والاخراج عن الدار واخذ المال وغیرھا والقتل یکون سیاسۃ ورخصۃ واباحۃ ووجوباً۔

اور شرح ملتقی الابحر میں ہے:۔ من خنق فی المصر غیر مرۃ ای صار عادۃ قتل بہ ای سیاسۃ لسعیہ بالفساد وکل من کان کذلک یدفع شرہ بالقتل۔

اور فتاوی عالمگیری میں ہے:۔ الخناق والساحر یقتلان لانہما یسعیان فی الارض بالفساد وان تابا لم یقبل ذلک منہما وان اخذا اخذا ثم تابا لم یقبل منہما ویقتلان وکذا الزندیق المعروف بالداعی وبہ یفتی کذا فی خزانۃ المفتیین۔

اور دستور القضاۃ میں مذکور ہے:۔ قال رحمہ اللہ والاباحی یقتل ایضا ولا یقبل توبتہ کذا افتی الشیخ الامام الزاہد الاستاذ عین الدین السمرقندی من الفتاوی الناصری الساحر یقتل اذا علم انہ ساحر بان اقر بسحرہ او اقام البینۃ علی سحرہ فانہ یحل دمہ من الکفر فی الکراھۃ الساحرۃ تقتل یرید بہ اذا کانت تعتقد ذلک تصیر مرتدۃ وان کانت المرتدۃ لا تقتل۔

اور صاحب درمختار منتقی میں فرماتے ہیں:۔ قد نفی عمرؓ نصر الحجاج من المدینۃ الی البصرۃ وھو غلام صبیح الوجہ افتتن بہ النساء والحسن لا یوجب النفی الا انہ فعلہ سیاسۃ فانہ قال ما ذنبی یا امیر المؤمنین قال لا ذنب لک وانا الذنب لی حیث لا اطہر دار الھجرۃ منک کما فی الکشف وغیرہ۔

قاضی القضاۃ نے رسالہ تعزیرات میں فرمایا کہ جب حاکم کے پاس کسی کے قتل کا ثبوت بہم پہنچ جائے اور تمام شرائط کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے قصاص نہ لیا جا سکے تو ایسے وقت میں حاکم کو اختیار ہوگا جس قسم کی چاہے سزا تجویز کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد سعد اللہ۔

درحقیقت فقہاء کے نزدیک سیاست ایک ایسا فعل ہے کہ حاکم وقت خلق خدا کی اصلاح کے لئے اس کو کرتا ہے اور اس کا تعلق کسی خاص جرم کے ساتھ نہیں ہوا کرتا۔ محمد عالم علی۔ ظہور الحق۔ ریاض الدین۔ محمد حبیب اللہ۔ محمد عبدالعلی۔ عبدالکریم۔ محمد اکبر خاں۔ عبدالقادر۔ لطف اللہ۔ مفتی سعد اللہ۔ محمد سعد اللہ۔

ان ھذا الجواب قریب بالحق والصواب۔ الجواب صحیح۔ سیاسۃً قتل کرنا صرف ایسے آدمی کے ساتھ مخصوص نہیں جو گلا گھونٹنے کا عادی ہو بلکہ ہر ایک جرم میں ہوتا ہے اس کا مؤید در مختار میں ہے کہ شبہ قتل کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ والثانی شبہ وھو ان یقصد ضربہ بغیر ما ذکر ای بما لا یفرق الاجزاء ولو بحجر وخشب کبیرین عندہ خلافا لغیرہ وموجبہ الاثم والکفارۃ ودیۃ مغلظۃ علی العاقلۃ سیجئ تفسیر ذلک لا القود لشبہۃ بالخطاء نظراً الی الآلۃ الا ان یتکرر منہ فللامام قتلہ سیاسۃ انتہی۔ محمد نور النبی عفی عنہ۔

صاحب بحر الرائق رسالہ رشوت میں تحریر فرماتے ہیں:۔ قد استفید ان السیاسۃ ما یفعلہ الحاکم لمصلحۃ العام من غیر ورود الشرع انتہی۔

اور علامہ ابراہیم خیر الدین اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:۔ یسمع الاخبار بکونہ شریرا ببدنہ ولسانہ سواء کان حاضرا او غائبا لان الامور الموجبۃ للتعزیر ولو بالقتل المحضۃ حقا للہ تعالی الذی لم یقصد شخص معین لا یحتاج الی الدعوی المحتاجۃ الی حضور المدعی وھذا من حق اللہ تعالی وھذا نص علمائنا بان المخبرین لہم الاجر والثواب حیث کانوا مخلصین لقصدھم دفع ظلمۃ المتعدی وللحاکم طلبہ وتعزیرہ ولو بالقتل ..... حیث تقرر فیہ انہ لا یرجع الا بالقتل انتہی ملخصًا واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبدالحی

اصاب من اجاب ھکذا فی رد المحتار وبہ یشیر کلام الفتح ایضا ان السیاسۃ لا یختص بالزنا وھو ما عزاہ الشارح الی النہر وفی القہستانی السیاسۃ لا تختص بالزنا بل تجوز فی کل جنایۃ والرأی فیہا الی الامام علی ما فی الکافی کقتل مبتدع یتوھم منہ انتشار بدعۃ وان لم یحکم بکفرہ کما فی التمہید وھی مصدر ساس الوالی الرعیۃ امرھم ونہاھم کما فی القاموس فالسیاسۃ استصلاح الخلق بارشادھم الی الطریق المنجی فی الدنیا والآخرۃ فہی من الانبیاء علی الخاصۃ والعامۃ فی ظاھرھم وباطنہم ومن السلاطین والملوک علی کل منہم فی ظاھرہ لا غیر ومن العلماء ورثۃ الانبیاء علی الخاصۃ فی باطنہم لا غیر کما فی المضمرات وغیرھا ھکذا فی جامع الرموز واللہ اعلم بالصواب۔ محمد ابراہیم ابن مولوی علی محمد

قصاص کے بعد گناہ سے بری ہو جانا

سوال (۳۰۷): جو شخص قصاص میں قتل کر دیا گیا تو قتل کے گناہ سے بری ہوگا یا نہیں؟

جواب:- بری ہوگیا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ولکم فی القصاص حیٰوۃٌ یا اولی الالباب۔ اور تمہارے لیئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو۔

اور فتح العزیز میں مذکور ہے کہ جب قاتل فرمانِ خداوندی کا اتباع کرتے ہوئے اپنی جان وارثانِ مقتول کے حوالے کردے اور قصاص میں قتل کردیا جائے تو آخرت میں گناہ سے پاک وصاف ہوگا۔ اور عذابِ دوزخ سے نجات پاکر حیاتِ ابدی پائے گا بلکہ اس کے ساتھ قبر اور برزخ میں بھی عفو ورحمت کا معاملہ ہوگا۔ اور روح وریحان بھی نصیب ہوں گے۔ لہٰذا اس کا قصاص میں مارا جانا محض اس دارِ آلام سے دارِ رحمت کی طرف منتقل ہونا ہے۔

کتابُ الجہاد

جہاد کی فرضیت

سوال (۳۷۸) جب کہ مسلمان کفار کی سلطنت میں محفوظ ومامون ہوں اور کفار مسلمانوں کے دینی اُمور میں کوئی دخل نہ دیتے ہوں، اور مسلمانوں میں مقابلہ اور جہاد کی طاقت بھی نہ ہو جیسا کہ آج کل ہندوستان میں ہے تو ایسی صورت میں جہاد واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب:- چونکہ جہاد کا مقصودِ اصلی رسوم وقواعد کفریہ کو محو کرکے اعزازِ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ اسلام ومومنین کی ذلت اور دین کی حقارت کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیئے فقہاء نے وجوبِ جہاد کی چند شرطیں بیان کیں:-

(۱) مسلمانوں کی تعداد کثیر ہو جس سے شان وشوکت پیدا ہو۔

(۲) پوری جماعت کے مصارف بھی مہیا ہوں۔

(۳) کوئی ایسی مامون ومحفوظ جگہ بھی ہو کہ کفار کے شر سے نجات حاصل ہوجائے اور بوقتِ ضرورت کام آسکے اور اگر یہ خیال ہو کہ کفار کا غلبہ ہوجائے گا تو پھر جہاد فرض نہیں۔ جامع الرموز میں ہے:- الجہاد فرض عین بشرط القدرۃ علی القتال والسلاح والزاد والراحلۃ وغیرھا انتہی۔

اور عالمگیریہ میں ہے:- والثانی ان یرجوا الشوکۃ والقوۃ لاھل الاسلام وان کان لا یرجوا الشوکۃ للمسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسہ فی التھلکۃ انتہی

اور درمختار میں ہے:- شرط لوجوبہ القدرۃ علی السلاح لا امن الطریق انتہی

اور رد المحتار میں ہے:- قولہ شرط لوجوبہ الخ ای وعلی القتال وملک الزاد والراحلۃ کما فی قاضی خان وغیرہ قہستانی۔ انتہی۔

اور فتح القدیر میں ہے:- من توابع الجہاد الرباط وھو الاقامۃ فی مکان یتوقع ھجوم العدو فیہ

بقصد دفعہ واختلف المشائخ فی الذی یتحقق بہ الرباط فانہ لایتحقق فی کل مکان ففی النوازل ان یکون فی موضع لایکون وراءہ اسلام لان مادونہ لوکان رباط فکل المسلمون فی بلادھم مرابطون وقال اذا اغار العدو بعضھم علی عدو وھو مرۃ یکون ذالک الموضع رباطا الی اربعین سنۃ واذا اغار مرتین یکون رباطا الی مائۃ وعشرین سنۃ واذا اغار ثلث مرات یکون رباطا الی یوم القیامۃ قال فی فتاوی الکبری والمختار ھو الاول واللہ اعلم۔ علی محمد

واقعی جب کہ مسلمانوں میں مقابلہ کی طاقت نہ ہو اور زاد و راحلہ بھی نہ ہو تو جہاد فرض نہیں ہوتا۔ محمد عبدالحی۔

بَابُ اہل الذمّۃ والمستأمنُ

ذمی کے حق میں مسلمان حاکم کا فیصلہ

سوال (۳۷۶) ذمی اپنے متبنی لڑکے کو حقیقی لڑکے کے برابر حصہ دیتے ہیں، اگر ان کا مقدمہ مسلمان حاکم کے یہاں آئے تو وہ کیا فیصلہ کرے؟۔

جواب:۔ خمر و خنزیر کی بیع و فروخت کے علاوہ تمام معاملات و عقوبات میں ذمی مسلمانوں کے تابع ہوں گے مسلمان حاکم شریعت محمدیہ کے مطابق ذمی کے ترکہ کو تقسیم کرے گا مسلم میں ہے:۔ واما بالعقوبات والمعاملات فاتفاق لعقد الذمۃ وقال مولانا محب مبین فی شرحہ فان عقد الذمۃ وکون الکافر ذمیا ومطیعا للاسلام انما یقتضی ان یقام علیھم العقوبات کما یقام علینا ویعمل معھم فی العقود والفسوخ کما یعمل معنا فحالھم کحالنا انتھی

اور نصاب الاحتساب میں ہے:۔ ان فیما سوی الخمر والخنزیر ونکاح المحارم وعبادۃ غیراللہ تعالیٰ حال اھل الذمۃ کحال المسلمین ما یمنع عنہ المسلم یمنع منہ اھل الذمۃ انتھی

مسلم مستأمن کے فرائض

سوال (۳۷۷) اگر کوئی مسلمان امن لے کر دارالحرب میں جاتا ہے تو حربیوں کے جان و مال سے تعرض کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ حرام ہے کیونکہ اس میں غدر ہے۔ ہاں البتہ اگر دارالحرب کا حاکم اس مسلم مستامن کا مال چھین لے یا قید کرے یا کوئی حربی اس قسم کا معاملہ کرے اور حاکم باوجود علم رکھنے کے اس کو منع نہ کرے تو چونکہ اس صورت میں نقض عہد کی ابتدا خود حربیوں کی جانب سے ہے تو مسلمان کے لیے بھی ان کے جان و مال سے تعرض کرنا جائز ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:۔ دخل مسلم دارالحرب بامان حرم تعرضہ بشئ من دم ومال خرج منھم انتھی وقال الطحطاوی فی حاشیۃ لانہ ضمن بالاستیمان ان لایتعرض لھم فالتعرض بعد ذلک یکون

غدرا والغدر حرام الا اذا غدر بہ ملکہم فاخذ مالہ او حبسہ او فعل ذلک غیرہ بعلمہ ولم ینہوہ لانہم الذین نقضوا العہد انتہی۔

دار الحرب میں جا کر چوری کرنا

سوال (۳۷۸) اگر مسلم مستامن نے کسی حربی کا مال چوری کیا یا زبردستی چھین لیا یا لوٹ لیا تو ایسی صورت میں مالک ہوگا یا نہیں؟

جواب:- دار الحرب میں رہتے ہوئے مسلم مستامن پر فرض ہے کہ اس مال کو واپس کرے۔ لیکن جب کہ مال دار الحرب سے باہر آگیا تو اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی مگر استعمال جائز نہ ہوگا۔ بلکہ صدقہ کردے۔

در مختار میں ہے:- فلو اخرجہ الینا شیئاً ملکہ ملکا حراما للغدر فیتصدق بہ وجوبا قید بالاخراج لانہ لو غصب منہم شیئاً ردہ علیہم وجوبا انتہی۔

طحطاوی فرماتے ہیں:- قولہ ملکہ الخ لانہ ظفر بمال مباح وانما کان حراما للغدر وانما یتصدق بہ لما فیہ من الخبث قولہ لانہ لو غصب منہم شیئا الخ الغصب لیس بقید اذ لو سرق او اغار کان الحکم کذلک کما لا یخفی قولہ ردہ علیہم ای ما دام فی دارہم انتہی ملخصاً۔

کتابُ المفقود

مفقود الخبر کی زوجہ کا نکاح

سوال (۳۷۹) مفقود الخبر زوجہ کا نکاح امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق چار سال انتظار کرنے کے بعد کر دیا جائے یا نہیں؟

جواب:- کر دیا جائے۔ جامع الرموز میں ہے:- وقال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ بعدہا کما فی النظم فلو افتی بہ موضع الضرورۃ ینبغی ان لا باس بہ کما ظن انتہی۔

اور تعلیق الانوار علی الدر المختار میں ہے:- نعم مذہب مالک والقدیم من مذہب الشافعی تقدیرہ باربع سنین لکن فی حق عرسہ لا غیر فتنکح بعدہا کما فی النظم فلو افتی بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لا باس بہ علی ما اظن کما فی القہستانی انتہی۔

اور حسب المفتین میں ہے:- قول مالک معمول بہ فی ہذہ المسئلۃ وہو احد قولی الشافعی ولو افتی الحنفی بذلک یجوز فتواہ لان عمر قضی ہکذا فی الذی استہوتہ الجن بالمدینۃ وکفی بہ اماما ولانہ منع حقہا بالغیبۃ فیفرق القاضی بینہما بعد مضی ہذہ المدۃ اعتبارا بالایلاء فی العدد وبالعنۃ فی السنۃ عملا بالشبہین انتہی۔

نکاح کے بعد زوجِ مفقود کا واپس آجانا

سوال (۳۸۰) اگر مفقود کی زوجہ نے مدتِ شرعی پوری ہونے سے پہلے ہی نکاح کرلیا اور بعد میں زوجِ مفقود آجاتا ہے تو یہ عورت کون سے زوج کی منکوحہ ہوگی؟

جواب:۔ دوسرا نکاح باطل ہوگا اور یہ عورت زوجِ اوّل یعنی مفقود کو مل جائے گی۔ (کذافی رحمۃ الامۃ)۔

مدتِ مفقود کا بیان

سوال (۳۸۱) ائمہ اربعہ کے نزدیک کتنی مدت انتظار کرنے کے بعد مفقود کی زوجہ نکاح کرسکتی ہے؟

جواب: حسن بن زیاد امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کرتے ہیں کہ یوم ولادت سے ایک سو بیس سال تک انتظار کرنا چاہیے۔ امام محمدؒ کے نزدیک ایک سو دس سال اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک روایت کے لحاظ سے ایک سو پانچ سال اور ایک قول کے اعتبار سے سو سال اور بعض کے نزدیک نوے سال ہے۔ امام تمرتاشیؒ نے آخری قول کو مختار قرار دیا۔ ظاہر الروایت میں ہے کہ جب اس بستی میں اس کا کوئی ہمعصر باقی نہ رہے تو وہ بھی میت ہی سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ الفرائض الشریفیہ میں ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک ستر سال ہے اور امام مالکؓ فرماتے ہیں کہ مفقود اور لاپتہ ہونے کے دن سے چار سال چار ماہ دس روز تک انتظار کیا جائے اور اس کے بعد اس کی زوجہ کو نکاح کرنے کی اجازت ہوگی۔ (کذافی رحمۃ الامۃ) اور عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کا قول ہے کہ زوجۂ مفقود انتظار کرتی رہے جب تک کہ اس کی موت یا طلاق دینے کی خبر نہ آجائے۔

اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ زوجۂ مفقود چار سال چار ماہ اور دس روز انتظار کرے۔

اور صاحب برہان تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس قول سے رجوع فرماکر حضرت علیؓ کے قول کی موافقت کی۔ (کذافی محلی شرح الموطا)۔

بابُ الوقف

وقف میں متولی کا تصرف کرنا

سوال (۳۸۲) وقف کی مرمت کے لیے کوئی امانت اور انتظام نہ ہونے کی صورت میں بقیہ حصہ کی ترمیم اور درستگی کے لیے بعض وقف کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اسی طرح بعض وقف کو فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت میں دوسری چیز خرید کر وقف میں شامل کرنا یا وقف کی اصل شئے کے بدلہ دوسری چیز لے کر وقف کردینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ وقف کے متولی کو بعض وقف کو فروخت کرنے اور تبادلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ عالمگیریہ میں ہے

متولی الوقف باع شیئا منہ اورھن فھو خیانۃ فیعزل اویضم الیہ ثقۃ انتہی۔

اسی میں دوسرے موقع پر ہے:- ولو باع القیم دارًا اشتراھا بمال الوقف فلہ ان یقبل البیع من المشتری اذالم یکن البیع باکثر من ثمن المثل وکذا اذا عزل ونصب غیرہ فللمنصوب اقالۃ بلاخلاف کذا فی بحرالرائق۔

دوسری جگہ ہے:- اذا خرب ارض الوقف واراد القیم ان یبیع بعضا منہا لیرم الباقی بثمن ماباع لیس لہ ذلک فان باع القیم شیئا من البناء لم یھدم لیھدم اونخلۃ جنۃ لیقطع فالبیع باطل انتہی۔

ایک اور جگہ مذکور ہے:- ارض وقف خاف القیم من وارث الوقف اومن ظالم ان یبیعہ یتصدق بالثمن کذا ذکرہ فی النوازل والفتوی علی انہ لایجوز کذا فی السراجیۃ انتہی۔

جامع الرموز میں ہے:- لا یملک الواقف بالبیع ونحوہ ولو لاحیاء الباقی انتہی۔

البتہ وقف کے غلہ اور آمدنی سے وقف میں ترمیم واصلاح کا حق متولی کو حاصل ہے۔ جیسا کہ فقہ کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔

اور درمختار میں ہے:- واما الاستبدال ولو للمساکین بدون الشرط فلا یملکہ الا القاضی انتہی۔

وقف کی تفصیل بیان کرنا

سوال (۳۸۳) ایک شخص نے لکھ دیا کہ میرے تمام مملوکہ دیہات وغیرہ وقف ہیں۔ مگر تفصیل بیان نہیں کی اور اس کے منافع کے بارہ میں لکھتا ہے کہ اس میں سے اتنی مقدار میری باندیوں کی اور اتنی مقدار غلاموں کی ہے اور اس قدر صرفہ اس کے متعلقین کا ہوگا تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:- صحیح ہے۔ مجمع برکات میں ہے:- ومن الشرائط عدم الجہالۃ فلو وقف من ارضہ شیئا ولم یسمہ کان باطلا ولو وقف جمیع حصۃ من ھذہ الدار ولم یسم السہام جاز استحسانا کذا فی بحرالرائق انتہی۔

دوسری جگہ ہے:- اذا وقف ارضا اوشیئا آخر وشرط کل الغلۃ لنفسہ اوشرط البعض مادام حیا وبعدہ للفقراء قال ابویوسفؒ الوقف صحیح ومشائخ بلخ اخذا والقول ابی یوسف وعلیہ الفتوی ترغیبا للناس فی الوقف کذا فی المضمرات ولو شرط تمام الغلۃ او بعضہا لامائہ وعبیدہ فھو علی الخلاف بین ابی یوسف ومحمدؒ۔

نسل میں دختر کا شامل ہونا

سوال (۳۸۴) بادشاہ وقت نے خانقاہ کے مصارف کے لیئے کچھ زمین زید کے لیے نسل درنسل وقف کردی تو دختر زید کی، اولاد ونسل میں شامل ہوگی یا نہیں اور حق تولیت کہ آج زید کو حاصل ہے اس کے بعد یہ حق نسل میں کس کو ملے گا۔ اور اگر اتفاق سے زید کی اولاد میں صرف ایک لڑکی صغیرسن رہ جاتی ہے تو حاکم نے اس کے بچپن کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو متولی بنادیا تو لڑکی کے بالغہ ہونے کے بعد خود اس کو یا مرجانے کے بعد اس کی اولاد کو حق تولیت حاصل ہوگا یا نہیں اور بادشاہ کو حق تولیت دینے کا اختیار ہے یا نہیں؟-

جواب:- وقفِ مذکور میں دختری اولاد بھی نسل میں داخل ہے۔ اور کسی غیر کے متولی بن جانے سے ان کا حق باطل نہیں ہوتا۔ درمختار میں ہے:- لو قال علی ذریۃ زید او قال علی نسلہ ابداً ما تناسلوا بہ یدخل فیہ ولدہ وولد ولدہ وولد البنین وولد البنات فی ذلک سواء انتہیٰ۔

اور عالمگیری میں ہے:- ولو وقف علی نسلہ او ذریتہ دخل فیہ اولاد البنین واولاد البنات قربوا او بعدوا۔

لفظِ اولاد میں لڑکیوں کی اولاد کا داخل ہونا۔

سوال (۲۸۵) لفظ اولاد یا اولاد الاولاد و نسل اولاد اور عقب اولاد کے اندر لڑکیوں کی اولاد داخل ہے یا نہیں؟

جواب:- داخل ہے۔ علامہ ابن شلبی فرماتے ہیں:- ذکرت ذلک لقاضی القضاۃ الطرابلسی فجنح الی ما اختارہ الخصاف فینبغی الافتاء بما اختارہ مع التنصیص علی ما اختارہ انتہیٰ۔

اور حاشیۃ الانوار علی الدر المختار میں ہے:- قال فی غایۃ المسائل واما الذریۃ والنسل فذکر الخصاف قال نسلہ ولدہ وولد ولدہ ابداً ما تناسلوا وولد البنین والبنات سواء ثم قال لو وقف علی ذریۃ زید فالذریۃ والنسل سواء والحکم فیہما واحد ثم قال والنسل ولد الذکور والاناث ثم قال فاذا انقرضوا الاول البطن ایعطیہا الغلۃ قال نعم ونقل عن بعضہم ان فی دخول البنات روایتین ونقلہ ایضاً عن الخانیۃ وجزم الامام الناصحی بدخول اولاد البنات ولم یحک خلافاً ولم یغیرہ روایۃ قال عبداللہ فتنبہ لذلک انتہیٰ۔

متولی ہونے کے لیے عقل و بلوغ شرط ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:- ویشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ کذا فی البحر الرائق۔ لہٰذا بچے اور مجنون کو متولی بنانا صحیح نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:- والوصی ای فی وقفہ لو اوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقاً وفی الاستحسان ھی باطلۃ ما دام صغیراً فاذا کبر یکون الولایۃ لہ انتہیٰ۔

اور زید کی نسل میں دختر صغیرہ ہونے کی صورت میں اگر حاکم نے کوئی متولی مقرر کر دیا تو صحیح ہے۔

درمختار میں ہے:- فی انفع الوسائل عن وقف ہلال لو قال ولایتہا الی ولدی وفیہم الصغیر والکبیر جعل القاضی مکان الصغیر رجلاً وان شاء اقام الکبار مقامہ انتہیٰ۔

اور عالمگیریہ میں ہے:- فی الحاوی وفی نوادر ابن سماعۃ عن محمدؒ اذا اوصی الی ابنہ الصغیر جعل القاضی لہ وصیاً فاذا بلغ لم یکن ان یخرج الوصی الا بامر القاضی کذا فی التاتارخانیۃ انتہیٰ۔

چونکہ وقف کرنے والے نے اس کی تولیت کا حق نسلِ زید کے لیے متعین کیا تھا باوجودیکہ اس کی نسل میں اولادِ دختری ہے مگر وہ متولی بننے کا حق رکھتی ہے۔ لہٰذا حاکم کو چاہیے کہ تولیت کا حق انھیں کے سپرد کرے۔

درمختار میں ہے:- قال فی شرح الملتقی معزیاً الی الاشباہ لا یجوز للقاضی عزل الناظر المشروط لہ النظر بلا خیانۃ ولو عزلہ لا یصیر الثانی متولیاً۔ انتہیٰ۔

تاحیات منافع وقف کا واقف کے لیے ہونا

سوال (۳۸۶) اگر واقف نے کہا کہ مرتے دم تک وقف کے منافع میرے صرفہ میں آئیں گے اور مرنے کے بعد فقراء کو دیئے جائیں تو ایسا وقف صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:- صحیح ہے۔ مجمع البرکات میں ہے:- اذا وقف ارضا او شیئًا آخر وشرط کل الغلة لنفسه او شرط البعض مادام حیا وبعده للفقراء قال ابو یوسفؒ الوقف صحیح ومشائخ بلخ اخذوا بقول ابی یوسفؒ وعلیه الفتوی ترغیبا للناس فی الوقف کذا فی المضمرات۔

غیر مساکین کے لیے وقف کرنا

سوال (۳۸۷) وقف کے منافع کا غیر مساکین پر صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- روایت راجح کے مطابق شے موقوف کے منافع کا غیر مسکین پر صرف کرنا جائز ہے اور یہ وقف کے منافی نہیں۔ (درمختار)

وقف میں تبدیلی کرنا

سوال (۳۸۸) شی موقوف کو فروخت کر کے اسی قیمت میں دوسری چیز خرید کر وقف کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر قاضی مصلحت سمجھے تو ایسا کر سکتا ہے۔ اشباہ میں ہے:- شرط الوقف عدم الاستبدال فللقاضی الاستبدال اذا کان اصلح انتہی۔

اور قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں:- اما بدون الشرط اشار فی السیر انه لا یملک الاستبدال الا القاضی یورأی المصلحة فی ذلک انتہی۔

اور اشباہ میں ہے:- استبدال الوقف العامر لا یجوز الا فی مسائل الاولی لو شرط الواقف الثانیة اذا غصبه غاصب واجری الماء علیه حتی صار بحرًا لا یصلح للزراعة فیضمنه القیم القیمة ویشتری بها ارضا بدلا الثالثة ان یجحده الغاصب ولا بینة وهی فی الخانیة الرابعة ان یرغب انسان فیه ببدل اکثر غلة واحسن وصفا فیجوز علی قول ابی یوسفؒ وعلیه الفتوی کما فی فتاوی قاری الهدایة۔

مال منقول کا وقف کرنا

سوال (۳۸۹) شی منقول مثلاً مصحف وکتب وغیرہ کا وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- قول مفتی بہ یہی ہے کہ جائز ہے۔ نقایہ میں ہے:- وصح عند محمد وقف منقول فیه تعامل کالمصحف ونحوه وعلیه الفتوی۔

مخصوص مسجد کے لیے مصحف کو وقف کر دینا۔

سوال (۳۹۰) اگر کسی شخص نے قرآن مجید کسی مسجد کے لیے وقف کر دیا تو اس مسجد کے لیے مخصوص ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:- نہیں، درمختار میں ہے:- وقف مصحفا علی اھل مسجد للقرأۃ ان یحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز ویقراء فیہ ولا یکون محصورًا علی ھذا المسجد۔

باب احکام المساجد

مغنیہ کی کمائی سے مسجد بنانا

سوال (۳۹۱) زانیہ نے اپنی کمائی سے یا مغنیہ نے اپنی کمائی سے مسجد تعمیر کرائی تو وہ عمارت مسجد کے حکم میں ہوگی یا نہیں؟۔

جواب:- نہیں، حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مسلم روایت کرتے ہیں:- اللہ طیب لا یقبل الا طیبا۔

زانیہ کے مال سے تعمیر کردہ مسجد

سوال (۳۹۲) زانیہ عورت اپنے مالِ حرام یعنی اجرتِ زنا سے مسجد تعمیر کرانے کے بعد فوت ہوگئی اور ترکہ ورثار کو مل گیا۔ اور مالِ حرام کے وقف کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسجد بھی دیگر مکانات کی طرح ورثار کی ملکیت ہوگی۔ تو محض قبضہ بدل جانے کی وجہ سے اس مالِ حرام کی حرمت اور خباثت زائل ہو جائے گی یا نہیں۔ اور زائل ہونے کی صورت میں اگر وارث اسی عمارت کو مستقل طور سے مسجد کے لئے وقف کرتا ہے تو صحیح ہوگا یا نہیں۔ اور یا وارث اسی عمارت کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو وہ مالِ حلال سے خریدنے کے بعد اس عمارت کو مسجد کے لئے وقف کر دیتا ہے تو یہ وقف مقبول ہوگا یا نہیں؟

جواب:- جو مال زانیہ نے اپنے کسبِ زنا سے معاملہ طے کرکے حاصل کیا امام اعظم رحؒ کے نزدیک حلال ہے اگرچہ طریقہ حرام تھا اور صاحبینؒ کے نزدیک حاصل کردہ مال بھی حرام ہے۔

حسن چلپیؒ ذخیرۃ العقبیٰ میں فرماتے ہیں:- ما اخذتہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارۃ فحلال عند الامام اعظم لان اجر المثل طیب وان کان السبب حراما وحرام عندھما وان کان بغیر عقد فحرام اتفاقا لانھا اخذتہ بغیر حق کذا فی المحیط انتھی

احادیث صحاح وغیرہ کہ جو حرمت پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں صاحبین کے مسلک کی مؤید ہیں۔ بخاری اور ترمذی ابی مسعود الانصاریؓ سے روایت کرتے ہیں:- قال نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب ومھر البغی وروی مسلم والترمذی عن رافع بن خدیجؓ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال مھر البغی خبیث انتھی۔

اور سید جمال الدین محدث مہر البغی خبیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- ای حرام۔

اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:- مھر البغی خبیث ای حرام اجماعا لانھا تاخذہا عوضا عن الزنا المحرم ووسیلۃ الحرام حرام وسماہ مھرا مجازا لانہ فی مقابلۃ البضع انتھی

اور شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:- انہ حرام قطعا۔

لہٰذا جو مسجد کہ زانیہ نے مالِ زنا سے بنوا کر وقف کردی امام اعظمؒ کے نزدیک شرعاً مسجد ہوگی اور وقف صحیح ہوگا کیونکہ مالِ حلال سے بنائی ہوئی ہے اب اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور بیع صحیح ہوگی لیکن صاحبین کے قوی مسلک کے مطابق مسجد شرعی نہ ہوگی۔ کیونکہ مالِ حرام کا وقف کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ وقف میں منافع کا صدقہ ثوابِ اُخروی حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اور مالِ حرام کا صدقہ عند اللہ مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:۔ وھو حبس العین علی ملك الواقف والتصدق بالمنفعۃ وعندھما ھو حبسھا علی حکم ملك الله تعالیٰ وصرف منفعتھا علی کل من احب وسببہ ارادۃ محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الآخرۃ بالثواب انتہی مختصراً۔

امام مسلم حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان الله طیب لا یقبل الا طیبا او کما قال۔

اور شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: معنی حدیث آنست کہ خدا تعالیٰ پاک است ورزقِ حلال رابسبب پاک بودن او از چرک حرمت چوں بجناب اقدس او نسبتے ست قابل آں ست کہ بوے تقریب بجناب عزت او تواں کرد و حرام کہ ضد اوست قابل آں نبود انتہیٰ۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ از مالِ حرام تصدق کردن چیزے نیست و ثوابے ندارد۔ انتہیٰ۔

اور مؤطا امام مالکؒ میں سعید بن یسارؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
من تصدق بصدقۃ من کسب طیب ولا یقبل الله الا طیبا کان انما یضعھا فی کف الرحمٰن انتہیٰ
اور محلی شرح مؤطا میں ہے:۔ وفیہ نص عن غیر الحلال غیر مقبول انتہیٰ۔

اور شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ اپنی بعض تحریرات میں فرماتے ہیں: معلوم است کہ در زمین مغصوبہ پیش حنفیہ نماز ساقط از ذمہ می شود پس در مسجد فاحشہ خواہد شد لیکن نقصان ثواب برائے مصلی ومحرومی از ثواب برائے زانیہ مقرر است فی الحدیث لا یصل الی الله الا الطیب انتہیٰ۔

جب کہ یہ عمارت صاحبین کے نزدیک مسجد شرعی نہ ہوئی تو زانیہ کے مرنے کے بعد دیگر مکانات کی طرح ورثاء کی ملکیت بن جائے گی اور وہ جو مالِ حرام سے تعمیر کرنے کی وجہ سے اس میں آگیا تھا وہ زائل ہوجائے گا

الاشباہ والنظائر میں ہے:۔ والحرمۃ تتعدی فی الاموال مع العلم بھا الا فی حق الوارث فان مال مورثہ حلال لہ وان علم بحرمتہ منہ من الخانیۃ وقیدہ فی الظھیریۃ بان لا یعلم ارباب الاموال انتہیٰ۔

لہٰذا اس قول کے مطابق اگر وارث اس عمارت کو مسجد بنا کر وقف کرنا چاہیں تو یہ مسجد شرعی بن جائے گی۔ مگر بعض فقہاء کہتے ہیں کہ مورث کا حرام مال وارث کے لیے بھی حرام ہی رہے گا حلال نہ ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:۔ لکن فی المجتبیٰ مات وکسبہ حرام فی المیراث حلال ثم رمز وقال لا ناخذ بھذہ الروایۃ وھو حرام مطلقا علی الورثۃ قنیۃ انتہیٰ

لہٰذا اگر خود وارث نے اس عمارت کو مسجد کے لیے وقف کیا تو مسجد نہ بنے گی بلکہ اس کو چاہیے کہ یہ عمارت ایسے آدمی کے ہاتھ فروخت کردے جو خرید کر اس کو وقف کردے تو پھر مسجد شرعی ہوجائے گی۔

زانیہ کا قرض کے مال سے مسجد بنانا

سوال (۳۹۳) اگر زانیہ یا مغنیہ عورت قرض لے کر مسجد بنوائے اور پھر قرضہ اپنی حرام کمائی سے ادا کرتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔ یہ مسجد شرعی نقطۂ نظر سے مسجد ہوگی اور اس کا قرضہ بھی ادا ہو جائے گا۔ سراجیہ میں ہے:۔ المغنیۃ اذا قرض دینہا من کسبہا اجبرا لطالب علی الاخذ انتہیٰ۔

غیر معتکف کے لئے مسجد میں سونا

سوال (۳۹۴) غیر معتکف کے لئے مسجد میں سونے اور دنیوی باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ مکروہ ہے، در مختار میں ہے:۔ ویکرہ فی المسجد اکل ونوم الا للمعتکف والکلام المباح قیدہ فی الظہیریۃ بان یجلس لاجلہ لکن فی النہر الاطلاق اوجہ انتہیٰ۔

دوبارہ تعمیر کے لئے مسجد کو منہدم کرنا

سوال (۳۹۵) مسجد کی تعمیر کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے لئے مسجد کا گرانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ تعمیر نہ کرنے کی صورت میں اگر منہدم ہو جانے کا خوف ہو تو صرف اہل محلہ کے لئے گرانے کی اجازت ہے دوسروں کو نہیں۔ السراج المنیر میں ہے:۔ ولا یحل ان یہدم المسجد لیبنیہ احکم الا ان یخاف ان ینہدم فیجوز لاہل ہذہ المحلۃ لا لغیرہم اذا بنوا من مال انفسہم لا من مال الوقف الا بامر القاضی کما فی ابراہیم شاہی انتہیٰ۔

مسجد کی جگہ بدلنا

سوال (۳۹۶) چھوٹی ہونے کی وجہ سے مسجد اہل محلہ کے لئے تنگ ہے اور ان لوگوں میں وسیع کرنے کی گنجائش نہیں، اگر پڑوسی یہ چاہے کہ مسجد کو اپنے گھر میں شامل کر کے دوسری بڑی جگہ مسجد کے لئے اہل محلہ کو دے دے تو اہل محلہ کے لئے ایسا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ لو کان مسجد فی محلۃ ضاق علی اہلہ لا یسعہم فیہ فسالہم بعض الجیران ان یجعل ذلک المسجد لہ لیدخل ہو فی دارہ ویعطیہم مکانا عوضا ما ہو خیر لہم فیتسع فیہ اہل المحلۃ قال محمد لا یسعہم ذلک کذا فی الذخیرۃ انتہیٰ۔

سڑک کو مسجد بنا لینا

سوال (۳۹۷) اگر اہل محلہ نے کشادہ اور وسیع سڑک کے بعض حصہ کو مسجد بنا لیا اور راہ گیروں کو اس سے کوئی تکلیف بھی نہیں تو ایسا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ فتاویٰ حمادیہ میں ہے:۔ فی فتاوی ابی اللیث الطریق اذا کان واسعا فبنی اہل المحلۃ مسجدا ولا یضر ذلک بالطریق فلا باس بہ انتہیٰ۔

اور طحطاوی بیان کرتے ہیں:۔ اطلق فی الطریق نعم النافذ وغیرہ وفی عبارتہم ما یؤید ذلک انتہیٰ۔

مسجد کا حصہ سڑک میں شامل کرنا

سوال (۳۹۸) سڑک کے تنگ ہونے کی صورت میں وسیع اور کشادہ مسجد کی کچھ زمین سڑک میں شامل کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے، اشباہ میں ہے:۔ لو ضاق الطریق علی المارۃ والمسجد واسع فلہم ان یوسعوا الطریق من المسجد انتہیٰ

مسجد کو ویران کرنا

سوال (۳۹۹) جو مسلمان مسجد کو ویران اور غیر آباد کرنے کی فکر میں رہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ قاعدہ کلیہ ہے، اگر معبود کی تعظیم دل میں ہوگی تو اس کی عبادت کی بھی تعظیم ہوگی اور عبادت کی تعظیم کے لیے عبادت خانہ اور عبادت گاہ کی تعظیم لازمی وضروری ہے۔ لہٰذا عبادت گاہ کو ویران کرنا انکارِ عبادت کی دلیل ہے جس سے انکارِ معبود لازم آتا ہے۔ اس صورت میں اس کا یہ عمل اس گفتار اور قول کے مخالف ہوگیا جو نفاق کی علامت ہے، باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔ ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعیٰ فی خرابہا انتہیٰ

مسجد کو آباد کرنا

سوال (۴۰۰) جو مسلمان مسجد کو آباد کرنے کی فکر میں رہتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایسا شخص مؤمنِ کامل اور عادل متقن ہے۔ ترمذی اور ابنِ ماجہ ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اذا رأیتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان فان اللہ یقول، انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر (جو آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی، جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر)۔

حدیثِ مذکور میں تعاہد سے مراد یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر ومرمت کی درستگی اور ٹوٹ پھوٹ، صفائی اور حفاظت وغیرہ کا خیال رکھے اور پابندی کے ساتھ حاضر ہو کر نماز کے علاوہ ذکر واوراد میں مشغول رہے اور درس وتدریس کا سلسلہ بھی ہو۔ وغیر ذلک۔ جیسا کہ شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بیان فرمایا۔

غیر آباد مسجد کا مملوک ہونا

سوال (۴۰۱) اگر کوئی مسجد لوگوں کی بے پروائی اور بے حرمتی کی وجہ سے ویران ہوگئی اور قابلِ نماز نہ رہی یا وہ پورا محلہ ہی ویران ہوگیا اور مسجد کی ضرورت نہ رہی تو وہ مسجد مملوک ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ شیخینؒ کے نزدیک مسجد ہی رہے گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک بانی مسجد یا اس کے ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قاضی کی اجازت سے دوسری مسجد کی طرف منتقل کردی جائے درمختار میں ہے:۔ ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ وبہ یفتی حاوی القدسی، وعاد الی الملک ای ملک الباقی او ورثتہ عند محمد وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر باذن القاضی انتہیٰ۔

اور طحطاویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔ ولو خرب ما حولہ او خرب بنفسہ حاوی انتہیٰ۔

مساجد کے اصل آباد کرنے والے

سوال (۴۰۲) باری تعالیٰ فرماتے ہیں:-

انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش إلا اللہ - الآیۃ

(وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی، جو یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے) الآیہ

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اصل آباد کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے سوا کسی چیز سے نہیں ڈرتے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص آج کی دنیا میں کوئی موجود نہیں جو اللہ کے ماسوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ کیونکہ اکثر اوقات انسان درندوں اور زہریلی اشیاء سے ڈرتے ہیں تو اس آیت کا کیا مطلب ہوگا؟

جواب:- غیر اللہ سے نہ ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ دینی معاملات اور احکام میں غیر اللہ سے نہیں ڈرتے یا کہا جائے کہ غیر اللہ کے خوف کی وجہ سے وہ کسی بھی حکم الٰہی کو نہیں چھوڑتے۔ بہرحال درندوں اور زہریلی اشیاء سے ڈرنے اور خوف کرنے کا کوئی ذکر نہیں اور نہ وہ مضر ہے۔

تاڑی پی کر مسجد میں داخل ہونا

سوال (۴۰۳) تاڑی اگرچہ فی نفسہ نشہ آور ہے مگر تھوڑی پینے سے نشہ نہیں ہوتا، صرف منہ میں بُو آنے لگتی ہے۔ لہٰذا نشہ ہونے سے پہلے پہلے وضو یا کلی کرکے نماز پڑھ لینا کیسا ہے اور پی کر مسجد میں مسلمانوں کی صفوں میں جانا جن کو یہ بُو بری معلوم ہوتی ہے جائز ہے یا نہیں، اور اگر آیہ کریمہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ کے مطابق عدمِ جواز کے لیے نشہ ہونا شرط ہے تو نشہ کس قدر مشروط ہوگا، خمر اور تاڑی میں نجاست وحرمت اور حدود وغیرہ کے احکام کے لحاظ سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟-

جواب:- نشہ کی حالت میں نماز کا صحیح نہ ہونا قرآن میں صراحۃً مذکور ہے:-

لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون-

(نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو)-

لہٰذا جب تک ایسی حالت رہے کہ یہ بھی پتہ نہ ہو کہ ہماری زبان سے کیا نکلا اور ہم نے کیا پڑھا تو نماز جائز نہ ہوگی اور تاڑی پینے کے بعد نشہ ہونے سے پہلے پہلے کلی کرکے نماز پڑھ لینا درست ہے۔ مگر مسجد میں جانا ممنوع ہے بلکہ ایسے شخص کو مسجد سے نکال دینا درست ہے۔ وسیلۂ احمدیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں ہے:- قال الفقہاء کل من وجد فیہ رائحۃ کریھۃ یتاذی بہ الانسان یلزم اخراجہ ولو بجبر من مدیدہ اور جلیہ دون لحیۃ وشعر راسہ انتہی۔

اور عینی شرح بخاری میں ہے:- ما وقع فی الاحادیث من تخصیص النہی عن دخول المسجد بالثوم والبصل من جھۃ حکمھا فی ذالک الزمان والا ففی حکمھا کل شئ لہ رائحۃ کریھۃ من الماکولات وغیرھا لان الحدیث معلل باذاء المؤمنین والملائکۃ انتہی۔

فتح الباری شرح بخاری اور ملا علی قاری مکی کی شرح مؤطا میں بھی یہی مذکور ہے، تاڑی تھوڑی ہو یا بہت، مطلقاً اس کا پینا حرام ہے۔ کیونکہ ہر ایک نشہ آور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ اور تاڑی نجس بھی ہے۔
عینی شرح کنز میں ہے :۔ قال محمدؒ والائمۃ الثلثۃ کل ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر و کل مسکر حرام رواہ مسلم من روایۃ ابن عمر و عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رواہ احمد و ابن ماجۃ والدارقطنی والفتویٰ علی قول محمدؒ انتہیٰ۔
اور ہدایہ میں ہے :۔ نجاستہا ای سائر الاشربۃ خفیفۃ فی روایۃ وغلیظۃ فی روایۃ و نجاسۃ الخمر غلیظۃ فی روایۃ واحدۃ۔ انتہیٰ۔
ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔

کتابُ البیوُع

بقاء ملک کی مصلحت سے کم قیمت پر بیع کرنا

سوال (۴۰۴) اگر زید اپنی مملوکہ شے کو بقاء ملک کی مصلحت کی وجہ سے اصل مالیت سے کم قیمت پر بیع کرتا ہے تو نافذ ہوگی یا نہیں؟

جواب :۔ اگر کسی خفیہ مصلحت کی وجہ حقیقۃً بیع نہ ہو، صرف ظاہری طور سے بیع کا اظہار ہو تو ایسی بیع صحیح نہیں کیونکہ یہ بیع از قسم بیع تلجیہ ہے جس کا بیان نورالانوار میں بایں الفاظ ہے :۔ ان یلجئ شیٔ ای ان یاتی امرا باطنہ بخلاف ظاہرہ فیظہر بحضور الخلق انما یعقد ان البیع بینہما لاجل مصلحۃ ودعت الیہ ولم یکن فی الواقع بینہما بیع انتہیٰ۔
اور اس کے بعد اس کا حکم بیان کرتے ہیں :۔ یفسد البیع ولا یوجب الملک وان اتصل بہ القبض لعدم الرضاء
اور اگر مصلحت مذکورہ کی وجہ سے واقعۃً بیع ہوئی ہے تو نافذ ہوگی۔

حاملہ بھینس کو خریدنا

سوال (۴۰۵) اگر دودھ کے لیے حاملہ بھینس خریدی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جائز ہے کیونکہ بیع کے ارکان و لوازمات پائے گئے۔

ناپاک روغن کی بیع

سوال (۴۰۶) قند سیاہ گے شیرہ اور روغن نجس کی بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جائز ہے۔ درمختار میں ہے :۔ وجاز بیع الدہن المتنجس والانتفاع بہ فی غیر الاکل انتہیٰ۔

درخت پر آم کو فروخت کرنا

سوال (۴۰۷) درخت پر لگے ہوئے چھوٹے چھوٹے آموں کی بیع جائز ہے یا نہیں اور فصل آنے تک بائع کی اجازت سے آموں کا درخت پر چھوڑے رکھنا مشتری کے لیے صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:- آموں کا پکنے سے پہلے بھی فروخت کرنا جائز ہے اور بیع ہو جانے کے بعد بائع کی اجازت سے ان کا درخت پر چھوڑے رکھنا بھی جائز ہے۔

ہدایہ میں ہے:- ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها او قد بدا جاز البيع لانه مال متقوم اما لكونه منتفعا به في الحال او في المآل وقد قيل لا يجوز قبل ان يبدو صلاحها والاول اصح وعلى المشتري قطعها في الحال تفريغا ملك البائع هذا اذا اشتراها مطلقا وتركها باذن البائع طاب له الفضل انتهى ملخصا۔

بیع تعاطی کی حقیقت

سوال (۴۰۸) بیع تعاطی کہ جس میں لین دین ہوتا ہے زبان سے الفاظ نکالے بغیر۔ اس بیع میں لینا اور قبضہ کرنا دونوں طرف سے ضروری ہے یا ایک طرف سے کافی ہے۔؟

جواب:- اکثر علماء کے نزدیک بیع تعاطی میں مجلس واحد میں دونوں جانب سے اعطاء کا ہونا ضروری ہے اور ابوالفضل کرمانی نے صرف تسلیم مبیع کو ثمن کے بیان کر دینے کے ساتھ ضروری قرار دیا اور بعض فقہاء نے مبیع اور ثمن میں سے لا علی التعیین کسی ایک پر قبضہ کرنے کو کافی سمجھا۔

عالمگیریہ میں ہے:- والشرط في بيع التعاطي الاعطاء من الجانبين عند شمس الائمة الحلواني كذا في الكفاية وعليه اكثر المشائخ وفي البزازية هو المختار كذا في البحر الرائق والصحيح ان قبض احدهما كاف لنص محمد ان بيع التعاطي احد البدلين وهذا ينتظم الثمن والمبيع كذا في النهر الفائق انتهى۔

اور درمختار میں ہے:- واكتفى الكرماني بتسليم المبيع مع بيان الثمن انتهى۔

گندم کی بیع گندم سے

سوال (۴۰۹) دس سیر گندم یا آٹے کی بیع کرنا اسی مقدار کے مطابق دوسرے گندم یا آٹے سے جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:- یہ بیع امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

درمختار میں ہے:- وما نص الشارع على كونه كيليا كبر وشعير وتمر وملح او وزنيا كذهب وفضة فهو كذلك لا يتغير ابدا فلم يصح بيع حنطة بحنطة وزنا كما لو باع ذهبا بذهب او فضة بفضة كيلا ولو مع التساوي لان النص اقوى من العرف فلا يترك الاقوى بالادنى وما لم ينص عليه حمل على العرف وعن الثاني اعتبار العرف مطلقا ورجحه الكمال وخرج عليه سعدي افندي استقراض الدراهم عددا وبيع الدقيق وزنا في زماننا يعني بمثله وفي الكافي الفتوى على عادة الناس بحر واقره المصنف۔

غلام کی بیع بغیر رضا

سوال (۴۱۰) اگر مالک نے غلام کو فروخت کر دیا اور جانبین سے ایجاب و قبول ہو گیا۔ مگر غلام اس بیع پر راضی نہیں تو یہ بیع نافذ ہو گی یا نہیں؟

جواب:۔ نافذ ہو جائے گی کیونکہ غلام کا راضی ہونا بیع کے شرائط یا ارکان میں سے نہیں ہے۔

ادھار بیع کرنا

سوال (۴۱۱) اگر ثمن کے ادا کرنے کے لیے کوئی مدت متعین کرلی جائے تو بیع جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر مدت معلوم ہو تو جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔ یجوز البیع بثمن حال ومؤجل اذا کان الاجل معلوما انتہی۔

سامان کی بیع دراہم و دنانیر کے بدلے

سوال (۴۱۲) اگر سامان کو دراہم و دنانیر کے بدلے فروخت کیا تو پہلے ثمن کی تسلیم ضروری ہے یا بیع کی؟

جواب:۔ پہلے ثمن یعنی قیمت کی تسلیم ضروری ہے۔ شرح وقایہ میں ہے:۔ فی بیع السلعة بالثمن ای الدراھم و الدنانیر یسلم الثمن اولا لان السلعة یتعین بالبیع والدراھم والدنانیر لا یتعین الا بالتسلیم فلا بد من تعیینہ لئلا یلزم الربوا۔ انتہی۔

ثمن اور قیمت کا فرق

سوال (۴۱۳) ثمن اور قیمت میں باہم کیا فرق ہے؟

جواب:۔ ثمن وہ مقدار ہے کہ جو بیع کی وجہ سے لازم ہوا اور قیمت وہ مقدار ہے جو قیمت لگانے والے تجویز کریں، اور ثمن کبھی قیمت مساوی ہوتا ہے اور کبھی کم و زائد بھی ہوتا ہے۔

جامع الرموز میں ہے:۔ والثمن ھو ما یلزم بالبیع وان لم یقوم بہ انتہی۔

اور برجندی تحریر فرماتے ہیں:۔ القیمة ما قوم بہ مقوم والثمن قد یکون مساویا للقیمة وقد یکون زائدا وقد یکون ناقصا عنہ انتہی۔

باب البیع الفاسد والباطل والمکروہ

تالاب میں مچھلیوں کی بیع

سوال (۴۱۴) اکثر بلاد میں طریقہ ہے کہ تالاب کے اندر کی مچھلیوں کو فروخت کر دیتے ہیں۔ کیا یہ بیع جائز ہے؟ اور تالاب سے مچھلی نکالنے کے بعد خریدار کے لیے اس کا کھانا حرام ہے یا مکروہ؟ اور اگر کسی شخص نے مشتری کی اجازت سے اس تالاب میں مچھلیوں کا شکار کیا اور مشتری نے بطور اجرت اس کو کچھ مچھلیاں دے دیں تو شکاری کے لیے ان کا لینا اور کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اگر پہلے خریدار نے تالاب سے مچھلیاں نکالنے کے بعد کسی کے ہاتھ فروخت کر دیں تو اس خریدنے والے کے لیے ان کے کھانے میں کوئی قباحت تو نہیں؟

جواب:۔ شکار کرنے سے پہلے مچھلی کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر کسی نے شکار کرنے سے پہلے ہی ان کو

کسی سامان کے عوض فروخت کردیا تو وہ بیع فاسد ہے اور اگر دراہم و دنانیر کے بدلے فروخت کیا تو بیع باطل ہے کذا فی الدر المختار و فی البرجندی ذکرہ المصنف ان بیع السمک قبل ان یصطاد باطل ان کان بالدراھم والدنانیر و فاسد ان کان بالعرض انتھی. اور اگر مچھلی کو شکار کر کے ایسی جگہ چھوڑ دیا کہ وہاں سے حیلہ و تدبیر سے پکڑنا ممکن نہیں تو بھی بیع فاسد ہوگی اور اگر حیلہ سے پکڑنا ممکن ہو تو صحیح ہو جائے گی۔ اور بیع باطل میں خریدار کے قبضہ کر لینے کے باوجود ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور بیع فاسد کو ختم کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر بائع کی اجازت سے خریدار نے قبضہ کر لیا تو مالک ہو جائے گا، اور پھر مشتری کے تصرفات ہبہ وغیرہ اس شے میں نافذ ہو جائیں گے اور دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دینا بھی مشتری کے لیے جائز ہوگا۔ مگر بیع فاسد کی صورت میں مشتری کے لیے خریدی ہوئی شے کا کھانا درست نہیں کذا فی النہایۃ والہدایۃ ولا یجوز بیع السمک فی الماء قبل ان یصطاد لانہ باع ما لا یملکہ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یؤخذ الا بصید لانہ غیر مقدور التسلیم و معناہ اذا اخذہ ثم القاہ فیہا ولو کان یؤخذ من غیر حیلۃ جاز الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یسد علیہا المدخل لعدم الملک انتہی۔

دوسری جگہ مذکور ہے:- واذا قبض المشتری المبیع بالبیع الفاسد بامر البائع و فی العقد عوضان کل واحد منہما مال ملک المبیع ولزمتہ قیمتہ انتہی۔

ایک اور جگہ منقول ہے:- ولکل واحد من المتعاقدین فسخہ رفعا للفساد فان باعہ المشتری نفذ بیعہ لانہ ملکہ فیملک التصرف فیہ ویسقط حق الاسترداد انتہی۔

اور در مختار میں ہے:- واذا ملکہ یثبت کل احکام الملک الاخمسۃ لا یحل لہ اکلہ ولا لبسہ ولا وطیہا ولا ان یتزوجہا عند البائع ولا شفعۃ لجارہ لو عقارا اشباہ و فی الجوہرۃ و شرح المجمع ولا شفعۃ بہا فہی ستۃ انتہی

ثمن میں مدت کو مجہول رکھنا

سوال (۱۴۰۵) کسی شے کے فروخت کرنے کے وقت بائع کی جانب سے مبیع کے لیے یا مشتری کی طرف سے ثمن کی ادائیگی کے لیے مجہول مدت مقرر کی گئی تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- یہ بیع فاسد ہے۔ محیط میں ہے:- اذا شرط الاجل فی المبیع العین فسد العقد وان شرط الاجل فی الثمن والثمن دین فان کان الاجل معلوما جاز البیع وان کان مجہولا فسد البیع انتہی۔

ایک شئی کی بیع ثمن مؤجل اور معجل کے ساتھ

سوال (۱۴۰۶) بائع کہتا ہے کہ یہ کتاب نقد ایک ہزار میں دیتا ہوں اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار میں۔ اس پر مشتری نے کہا مجھ کو منظور ہے۔ اب خریدار پر کتنا ثمن لازم آئے گا۔

جواب:- یہ بیع باطل ہے۔ علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:- واما البطلان فیما اذا قال بعتک بالف حالا و بالفین الی سنۃ فلجہالۃ الثمن انتہی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

دارالحرب میں جاکر بیع فاسد کرنا

سوال (۱۷۴) اگر کوئی مسلم مستامن دارالحرب میں جاکر حربیوں کے ساتھ بیع فاسد کرتا ہے یا جوا کھیل کر ان کا مال لے لیتا ہے تو یہ مال مسلمان کے لیئے حلال ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:۔ حلال ہے۔ درمختار میں ہے:۔ ولا بین حربی ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمہ لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلا عذر خلافا للثانی والثلاثۃ انتہٰی۔

اور طحطاوی قولہ ولو بعقد فاسد کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ کما اذا باع منہم خمرا او خنزیرا او میتۃ او قامرہم واخذ المال منہ انتہٰی۔

دارالاسلام میں آزاد کی بیع

سوال (۱۸۴ الف) دارالاسلام میں آزاد انسان کو فروخت کرنا بیع فاسد ہے یا باطل ہے؟

جواب:۔ آزاد انسان چونکہ مال نہیں ہے اس لیئے اس کی بیع باطل ہوگی۔ کیونکہ بیع کا رکن تبادلہ مال بالمال معدوم ہے لیکن امام محمدؒ سے ایک روایت ہے کہ قحط اور شدید مجبوری کی حالت میں درست ہے یا کوئی شخص مقروض ہے اور قرض ادا کرنے کی کوئی صورت نہیں تو اس کی ادائگی کے لیئے اپنے نفس کو فروخت کرتا ہے تو جائز ہوگا۔

شیخ الہداد شرح البزدوی میں محیط کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:۔ لایجوز بیع الحر الا ان یعجز عن اداء مال وجب فی ذمتہ او ہو مضطر وقع فی مہلکۃ ولا یری بقاء حیوتہ الا ببیع نفسہ او فی مخمصۃ یحل لہ الجیفۃ انتہٰی

جب کہ بیع جائز ہوگئی تو اگر آزاد عورت نے اپنے نفس کو فروخت کر دیا تو اب اس سے وطی کرنا بھی جائز ہوگا کیونکہ بیع کے ثبوت کے بعد تمام لوازمات بھی ثابت ہوں گے۔ مشہور ہے اذا ثبت الشئ ثبت بلوازم اور مولیٰ کے دعوے کرنے کے بعد اس عورت سے ہونے والی اولاد بھی ثابت النسب ہوگی۔

دارالحرب میں حربی کو خریدنا

سوال (۱۹۴ ب) کفار دارالحرب اگر اپنی اولاد یا اقربا کو دارالحرب یا دارالاسلام میں کسی مسلمان یا کافر کے ہاتھوں فروخت کر دیں اور وہ مشتری ان کو خرید کر اپنے شہر میں لاتا ہے تو اس بیع کا کیا حکم ہوگا؟۔

جواب:۔ دارالحرب کے کفار اگر اپنے نفس یا اپنی اولاد کو خوشی کے ساتھ دارالحرب میں گئے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کر دیں تو اس میں اختلافات روایات ہے حسن روایت کرتے ہیں کہ امام اعظمؒ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے۔ واقعات حسامیہ میں ہے:۔ دخل دارالحرب بامان فاشتری من احدہم ابنا او ابنۃ بطوع تکلموا فیہ قال اکثر المشائخ البیع باطل مطلقاً انتہٰی

برجندی میں ہے:۔ ولو باع الحربی ابنہ او اباہ فی دار الحرب من المسلم بطل سواء یری البیع جواز لبیع اولاد ہو روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وروایۃ ہشام عن محمد وہو اختیار الامام ابی بکر محمد الفضل انتہٰی۔

اور امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بیع حربی کے دین میں جائز ہے تو مسلمان کے حق میں بھی جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

برجندی میں ہے:۔ قال ابو الحسن الکرخی ان رأی الحربی جواز ہذا البیع جاز والا فلا انتہی۔

اور امام ابو نصر دبوسیؒ سے منقول ہے کہ حربی کو اپنی اولاد اور اقربار کو مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کرنا ناجائز ہے لیکن حربی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

اور برجندی میں ہے:۔ عن ابی نصر الدبوسی ان باعہ من مسلم لا یجوز وان باعہ من حربی ملکہ المشتری انتہی۔

اور ابن سماعہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیع مطلقاً جائز ہے خواہ مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کرے یا حربی کے۔

برجندی میں ہے:۔ وروی ابن سماعۃ عن ابی یوسفؒ انہ اذا باع ولدہ من حربی اخر او من مسلم جاز عند ابی حنیفۃؒ انتہی

اور اگر دار الحرب میں حربیوں کی اولاد اور ان کے اقربا کو خرید کر وہاں سے باہر لے جائے تو مالک ہو جائے گا۔ غلبہ قبضہ اور حفاظت کی وجہ سے۔ اور اگر وہ مملوک اپنی رغبت کی وجہ سے مشتری کے ساتھ باہر نکل جائے تو ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ ان لوگوں کے نزدیک جو اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں۔

واقعات میں ہے:۔ ان اشتراہ وذہب بہ کرہا ملکہ لانہ ابتدأ قہرا علی الحربی فی دار الحرب فیملکہ انتہی۔

اور سراجیہ میں ہے:۔ وان اخرجہ مکرہا ملکہ بالقہر انتہی۔

اور برجندی میں ہے:۔ ولو اشتراہ فی دار الحرب واخرجہ منہا ملکہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان انتہی۔

اور واقعات میں ہے:۔ فان ذہب بہ وہو طائع لا یملکہ بعقد لم یوجب منہ القہر فی دار الحرب انتہی۔

اور اگر حربی دار الاسلام میں آکر اپنی اولاد مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کرتا ہے تو اس بیع سے ملکیت ثابت نہ ہوگی

برجندی میں ہے:۔ قال بعضہم ان اشتراہ المسلم فی دار الاسلام لا یملکہ انتہی۔

اور واقعات میں ہے:۔ الحربی اذا دخل دارنا بامان فباع ولدہ لا یجوز انتہی

اور قنیہ میں ہے:۔ لو جاء بولدہ الصغیر الی دار الاسلام وباعہ فیہا لم یجز انتہی۔

اور اس مسئلہ میں قول فیصل حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کا قول ہے جو اپنی بعض تحریرات میں فرماتے ہیں:۔ کافر حربی اپنی اولاد یا اقربا کو مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں اور مسلمان خریدنے کے بعد ان کو اپنی جائے اقامت پر لے آتے ہیں خواہ دار الحرب ہو یا دار الاسلام، تو اس میں اختلاف روایات ہے کہ ایسی خریدی ہوئی عورتیں شرعاً باندیاں ہوں گی یا نہیں۔ تمام اقوال میں اصح اور اقویٰ یہی قول ہے کہ یہ عورتیں شرعاً باندیاں ہو جائیں گی۔ اب ان کی بیع ہبہ اور رہن کرنا اور بغیر نکاح وطی کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ روایات سے واضح ہے اور بعض لوگوں نے جواز بیع کے لیے یہ شرط لگائی کہ اس قسم کی بیع کرنے کا ان میں رواج ہونا چاہیے اور بعض نے شرط نہیں لگائی۔ بہر حال اگر وہ شرط متحقق ہے تو فبہا سبحان اللہ۔ ورنہ ان کے رقیق و غلام ہونے کے لیے دلائل قویہ اور روایات ارجح کی وجہ سے شرط کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا کیونکہ تمام حربیان دار الحرب میں جلانے کی لکڑی اور شکار کے حکم میں ہیں، جو شخص ان حربیوں کو پکڑے گا شکار کی طرح وہی شخص ان کا مالک بن جائے گا لیکن قبضہ اور غلبہ اور دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف منتقل کرنا ضروری ہے انتہی کلامہ۔ اذا ثبت الشئ ثبت بلوازمہ کے قاعدہ سے جبکہ یہ کفار غلام اور باندیاں

بن گئے تو کفارات میں ان کا آزاد کرنا اور عورتوں سے بغیر نکاح وطی کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور اولاد ہونے کی صورت میں مولی کے دعوی کرنے پر نسب بھی ثابت ہوگا۔ اور بچہ آزاد ہوگا۔ اور باپ کے مال کا وارث بنے گا۔ اور اس کا حصہ دوسرے لڑکوں سے کم نہ ہوگا۔ کیونکہ آزاد عورتوں اور باندیوں سے ہونے والی اولاد باپ کی وراثت میں مساوی حقوق رکھتی ہے۔ اور اس بچہ کی ماں ام ولد بن جائے گی۔ اور اگر باندی مشترکہ تھی بچہ پیدا ہونے کے بعد دونوں نے دعوئے نسب کیا تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا اور دونوں کا لڑکا ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال سے پورا پورا حصہ وراثت میں وصول کرے گا۔ وقایہ اور اس کی شرح میں مذکور ہے:۔

وان ادعیاہ معافہو منہما ویرث من کل ارث ابن لان المقر یواخذ باقرارہ ویرثا منہ ارث اب لان الاب احدہما لکنہ غیر معلوم فیوضع میراث الاب علیہما انتہی ملخصا۔

اور عالمگیری میں ہے:۔ ویرث الابن من کل واحد منہما میراث ابن کامل ویرثان منہ میراث اب واحد کذا فی الہدایۃ۔ انتہی۔

مالِ مغصوب کی بیع

سوال (۴۲۰) اصل مالک ایسے مال کی بیع کرتا ہے جو کسی شخص نے غصب کر رکھا ہے اور غاصب ہی کے قبضہ میں ہے تو یہ بیع صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ یہ بیع موقوف ہوگی۔ اگر غاصب اقرار کرلے یا غاصب تو انکار کرتا ہے۔ مگر مالک کے پاس گواہ ہیں کہ فلاں نے غصب کر رکھا ہے تو یہ بیع تام اور لازم ہو جائے گی اور اگر غاصب کے انکار کی صورت میں مالک کے پاس گواہ نہیں ہیں اور نہ غاصب نے مال دیا تو ایسی صورت میں جب تک مالِ مغصوبہ ہلاک نہ ہو جائے بیع ختم نہ ہوگی موقوف رہے گی اور مال کے ہلاک ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی۔

عالمگیریہ میں ہے:۔ اذا باع المغصوب من غیر الغاصب فہو موقوف ہو الصحیح فان اقر الغاصب تم البیع ولزم وان جحد للمغصوب منہ بینۃ وکذلک کذا فی الخیانیۃ وان لم یکن لہ بینۃ ولم یسلم حتی ہلک انتقض البیع کذا فی الذخیرۃ انتہی۔

مالک کے لیے حق تصرف

سوال (۴۲۱) شامی صفحہ ۱۱، جلد رابع کی عبارت مذکورہ ذیل ملک مشترکہ کے بارہ میں ہے یا شخص واحد کی ملک خاص کے بارہ میں۔ اور اگر ملک مشترک کے بارہ میں ہے تو اس روایت سے ملک خاص میں بھی منع تصرف کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں اور یہ قول ظاہر الروایۃ ہے یا نادر الروایۃ۔ اور یہ قول مفتی بہ ہے یا غیر مفتی بہ۔ شامی کی عبارت درج ذیل ہے:۔

وفی الشرنبلالیۃ عن الخانیۃ لا یصح ومن قسمۃ الوہبانیۃ ولیس لہم ما قال الامام تقاسم بلا اسب وقد ینفذ کذا البیع بعد قال ابن الشحنۃ والمسئلۃ من التتمۃ عن نوادر ابن رستم قال ابو حنیفۃ فی

سکۃ غیر نافذۃ لیس لاصحابہا ان یبیعوہا ولو اجتمعوا علی ذلک ولا ان یقسموہا فیما بینہم لان الطریق الاعظم اذا کثر الناس فیہ کان لہم ان یدخلوا ہذہ السکۃ حتی یخف الزحام قال الناظف وقال شداد فی دور بین خمسۃ باع احدہما نصیبہ من الطریق فالبیع جائز ولیس للمشتری المرور فیہ الا ان یشتری دار البائع واذا ارادوا ان ینصبوا علی راس سکتہم دابا ویسد وا راس السکۃ لیس لہم ذلک لانہا وان کانت ملکا لہم لکن للعامۃ فیہا نوع حق انتہی ملخصا ثم افاد ان ما توہمہ الناظم فی شرحہ من اختلاف الروایتین ممنوع فان ما ذکرہ ابن رستم فی بیع الکل وما ذکرہ شداد فی بیع البعض والفرق ان الثانی لا یفضی الی ابطال حق العامۃ بخلاف الاول ہذا وقد علمت مما قررنا سابقا ان ما فی الوہبانیۃ غیر ما ذکرہ المصنف لان مراد المصنف الطریق الخاص المملوک لواحد وہذا طریق مشترک فی سکۃ مشترکۃ انتہی۔

جواب:- یہ روایت نوادر کی اور ملک مشترک کے بارہ میں ہے اور ملک خاص میں مفتی بہ یہی ہے کہ مالک اپنی ملک میں ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے بشرطیکہ اس میں دوسروں کا ضرر بین نہ ہو اور اگر دوسروں کا ضرر ہو بین تو پھر ایسے تصرف سے مالک کو منع کیا جائے گا۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:-

قال فی التنویر وشرحہ الدر المختار لا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ الا اذا کان الضرر بینا فیمنع من ذلک وعلیہ الفتوی بزازیۃ واختارہ فی العمادیۃ وافتی بہ قاری الہدایۃ وافتی بذلک ایضا الشیخ برہان الائمۃ وبہ یفتی کما فی شرح الوہبانیۃ لابن الشحنۃ نقلا عن کتاب الحیطان للصدر الشہید وفی حواشی الاشباہ لبیری زادہ لہ التصرف فی ملکہ وان تضرر جارہ فی ظاہر الروایۃ والذی استقر علیہ رای المتاخرین ان الانسان یتصرف فی ملکہ وان اضر بغیرہ ما لم یکن ضررا بینا وہو ما یکون سببا للہدم وما یوہن البناء بسببہ او یخرجہ عن الانتفاع بالکلیۃ وہو ما یمنع عن الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ والفتوی علیہ انتہی۔ جامع الفصولین میں ہے:- الحاصل ان القیاس فی جنس ہذہ المسائل ان من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع ولو اضر بغیرہ لکن ترک القیاس فی محل یضر بغیرہ ضررا بینا وقیل بالمنع وبہ اخذ کثیر من المشائخ انتہی۔ اور سکۂ غیر نافذہ میں چونکہ ملک مشترک اور راستہ چلنے والے سب کا حق مساوی ہوتا ہے کسی شخص کو بھی دوسروں کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں، خواہ کسی کا اس میں ضرر نہ ہو۔

تنویر الابصار علی الدر المختار میں ہے:- وغیر النافذ لا یتصرف مطلقا ای باحداث شئ کالبناء او طغر الا التفاع فجائز قال فی منیۃ المفتی اہل السکۃ ارادوا ان ینصبوا علی راس سکتہم دابا ولیسدوا راس السکۃ لیس لہم ذلک انہا ان کانت ملکا لہا لکن للعامۃ فیہا نوع حق وہو انہ اذا ازدحم فی الطریق کان لہم ان یدخلوا حتی یخف الزحام وہذا فی المملوک فکیف کان بغیر المملوک فلا یجوز سدہ ومنع الناس منہ وفیہا سکۃ غیر نافذۃ احدث رجل فی آخر السکۃ شیئا لم یملک الا باذن جمیع اہل السکۃ الاعلی والاسفل انتہی اور مجمع البرکات میں ہے:- لو احدث ذلک فی طریق غیر نافذ لا یسعہ ذلک الا باذن الشرکاء فی ذلک

الطریق وان لم یضر بہم انتہیٰ۔

اور برجندی شرح مختصر وقایہ میں ہے:۔ وفی غیر نافذ لایسعہ احداث ذلک الا باذن الشرکاء ضربہم او لا لانہ مملوک للجمیع انتہیٰ۔

اور تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:۔ فی غیر النافذ لایجوز ان یتصرف باحداث مطلقا اضربہم او لا الا باذنہم لانہ کالملک الخاص لہم شرح التنویر للعلائی انتہیٰ۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

بیع میں دخل یابی کی شرط لگانا

سوال (۲۲۴) اگر مشتری نے بوقتِ بیع اپنے لیئے بیع میں دخل یابی کی شرط لگائی تو اس شرط سے بیع فاسد ہوگی یا نہیں۔ اور کون سی شرط مفسدِ بیع ہوگی؟۔

جواب:۔ چونکہ یہ شرط عقدِ بیع کے مخالف نہیں اس لیئے مفسد بیع نہ ہوگی۔ اور جو شرط کہ تقاضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں بائع یا مشتری یا خود مبیع میں سے کسی ایک کا نفع ہو تو وہ مفسد بیع ہوا کرتی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کپڑا خریدتے وقت یہ شرط کرلی کہ سلوا کر دینا ہوگا۔ یا اپنے مکان کو فروخت کرتے وقت شرط لگاتا ہے کہ ایک مہینہ تک اس مکان میں میں رہوں گا۔ یا غلام فروخت کرتا ہے اور مشتری سے شرط کرتا ہے کہ کبھی اس غلام کو فروخت نہ کرنا۔

ہدایہ میں ہے:۔ المذھب فیہ ان یقال کل شرط یقتضیہ العقد کشرط الملک للمشتری لایفسد العقد لثبوتہ بدون الشرط وکل شرط لایقتضیہ العقد وفیہ منفعۃ لاحد المتعاقدین او للمعقود علیہ وھو من اھل الاستحقاق یفسد۔

بَابُ الرِّبٰوا

ربٰوا کی حقیقت

سوال (۲۲۵) ربٰوا کس کو کہتے ہیں؟

جواب:۔ دو ہمجنس اشیاء کے تبادلہ اور معاوضۂ مالیہ میں بغیر کسی عوض کے کیل یا وزن میں کمی و زیادتی کرنے کا نام ربٰوا ہے۔ بحرالرائق میں ہے:۔ ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الآخر بالمعیار الشرعی ای الکیل والوزن انتہیٰ۔

حرمتِ ربٰوا کی علت

سوال (۲۲۶) ربٰوا کے حرام ہونے کا سبب کیا ہے؟

جواب:۔ کیل یا وزن اتحادِ جنس کے ساتھ۔ دونوں چیزوں کی موجودگی میں (مثلاً گندم کی بیع گندم سے ہو) فضل یعنی ربوا حرام ہوگا۔ اور نسیئہ یعنی عوضین میں سے کسی ایک کا قرض کرنا بھی حرام ہے۔ اور اگر دونوں چیزیں معدوم ہوں مثلاً کپڑے کے ایک تھان کی بیع دوسری قسم کے دو تھان کے بدلے میں ہو تو ایسی صورت میں تفاضل بھی جائز ہے اور نسیئہ بھی۔ درمختار میں ہے:۔ وعلته ای علة تحریم الزیادة القدر المعهود بکیل او وزن مع الجنس فان وجدا حرم الفضل ای الزیادة والنساء بالمد ای التاخیر فلم یجز بیع قفیز بر بقفیز منه متساویا واحدهما نساء وان عدما بکسر الدال من باب علم ای هلک حل کهروی فی مرویین لعدم العلة فبقی علی اصل الاباحة انتهی

گندم کیلی ہے یا وزنی

سوال (۴۲۵) ربوٰا میں گندم کیلی کہا جائے گا یا وزنی؟

جواب:۔ گندم کیلی ہے۔ درمختار میں ہے:۔ وما نص الشارع علی کونه کیلا کبر وشعیر وتمر وملح او وزنا کذهب وفضة فهو کذلک لا یتغیر ابداً۔ انتهی۔

ایک مشت گندم کی بیع دو مشت کے بدلے

سوال (۴۲۶) ایک سیب کی بیع دو سیب کے عوض اور ایک مشت گندم کی بیع دو مشت گندم کے عوض جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ کیونکہ معیارِ شرعی کم از کم نصف صاع ہے۔ لہٰذا نصف صاع سے کم میں تفاضل جائز ہے عالمگیریہ میں ہے:۔ ویجوز بیع الحفنة بالحفنتین والتفاحة بالتفاحتین ومادون نصف صاع فی حکم الحفنة انتهی

کفار سے سود لینا

سوال (۴۲۷) ہندوؤں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں۔ کیونکہ دارالاسلام میں سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ احل الله البیع وحرم الربوا اور تمام ذمی معاملات میں مسلمانوں کے مانند ہیں۔ نصاب الاحتساب میں ہے:۔ ان فیما سوی الخمر والخنزیر ونکاح المحارم وعبادة غیرالله تعالیٰ حال اهل الذمة کحال المسلمین ما یمنع عنه المسلم یمنع عنه اهل الذمة انتهی

نصاریٰ سے سود لینا

سوال (۴۲۸) نصاریٰ کی عملداری اور حکومت میں جو مسلمان اپنی آمدنی ان کے پاس رکھ کر ان سے سود وصول کرتے ہیں ان کو دستاویز لکھ کر دے دیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دارالحرب میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان سود کے لین دین کا معاملہ تو بلا شک وشبہ جائز ہے۔ چنانچہ نقایہ میں ہے:۔ ولا ربوا بین مسلم وحربی فی داره انتهی۔ اور نصاریٰ کی عملداری ہر چند اس میں شعائر کفر علی الاعلان رواج پا جانے کی وجہ سے صاحبینؒ کے نزدیک دارالحرب ہی ہے۔ اس لئے دستاویز لکھنا درست ہے۔ اور امام اعظمؒ کے نزدیک دارالاسلام کے دارالحرب بننے کے لئے تین شرطوں کا ثبوت ضروری ہے۔ اگر نصاریٰ کی عملداری میں وہ تین

شرطیں پائی جائیں تو یقیناً اس کو بھی دارالحرب کہا جائے گا اور وثیقہ جائز ہوگا۔

(۱) وہ عملداری دارالحرب سے متصل ہو۔

(۲) مذہب کفر کے احکام جاری ہو جائیں۔

(۳) کوئی مسلمان و ذمی مامون نہ رہے۔

شرح نقایہ اور عالمگیریہ میں یہی تفصیل الفاظ کے قدرے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔ عالمگیریہ کے الفاظ یہ ہیں:۔ قال محمد فی الزیادات انما یصیر دارالاسلام دارالحرب عند ابی حنیفۃ بشرائط ثلث احدها اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتہار وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام والثانی ان تکون متصلۃ بدار الحرب لا یتخلل بینہما بلدۃ من بلاد دارالاسلام والثالث ان لا یبقی فیہا مؤمن ولا ذمی آمنا بامانہ الاول الذی کان ثابتا قبل استیلاء الکفار للمسلم باسلامہ وللذمی بعقد الذمۃ انتہیٰ۔

مسلم مستامن کے لیئے دارالحرب میں سود کا معاملہ کرنا

سوال (۲۹۹) مسلم مستامن کے لیئے دارالحرب میں جانے کے بعد حربی سے سود لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے مگر امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں،

ہدایہ میں ہے:۔ ولا بین المسلم والحربی فی دارالحرب خلافا لابی یوسفؒ والشافعیؒ لہما الاعتبار بالمستامن منہم فی دارنا ولنا قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ربو بین المسلم والحربی فی دار الحرب ولان مالہم مباح فی دارہم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر بخلاف المستامن منہم لان مالہ صار محظورا بعقد الامان انتہیٰ اور برجندی شرح نقایہ میں فرماتے ہیں:۔ وفی المبسوط ولا فرق بین ان یاخذ المسلم الدرھمین بالدرھم او الدرھم بالدرھمین فی دارالحرب لانہ طیب نفس الکافر بما اعطاہ واخذ مالہ بطریق الاباحۃ انتہیٰ۔

دارالاسلام میں حربی سے سود کا معاملہ کرنا

سوال (۳۰۰) حربی مستامن دارالاسلام میں آتا ہے کیا مسلمان کے لیئے اس سے سود کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں ہے (کذا فی الهدایۃ)

دارالحرب میں سود کی وصولیابی کے لیئے وکیل مقرر کرنا

سوال (۳۰۱) اگر کوئی شخص حربیوں کو کچھ روپیہ سودی قرضہ پر دیتا ہے اور وصولیابی کے لیئے اپنا وکیل دارالحرب میں مقرر کرتا ہے تو دارالحرب سے وکیل کی معرفت سود حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دارالحرب میں حربیوں سے سود لینا جائز ہے خواہ وکیل ہو یا مؤکل۔ کیونکہ نائب اصل مالک کے حکم میں ہے۔

درمختار میں ہے:۔ لا ربوا بین حربی ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمہ لان مالہ ثمہ مباح فیحل برضاہ مطلقا بلا غدر خلافا للثانی والثلاثۃ انتہیٰ

اور رد المحتار میں ہے:- قولہ لان مالہ ثم مباح الخ قال فی فتح القدیر لایخفی ان ھذا التعلیل انما یقتضی حل مباشرۃ العقد اذا کانت الزیادۃ ینالہا المسلم والربوا اعم من ذلک اذ یشمل ما اذا کان الدرھمان فی بیع درھم بدرھمین من جھۃ المسلم والکافر وفی السیر الکبیر و شرحہ اذا دخل مسلم دار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منہم اموالہم بطیب انفسہم بای وجہ کان لانہ انما اخذ المباح علی وجہ عری عن الغدر فیکون ذلک طیبا لہم والاسیر والمستامن سواء حتی لو باعہم درھما بدرھمین او باعہم میتۃ بدراھم او اخذ مالا منہم بطریق القمار فذلک کلہ طیب لہ انتہیٰ۔

علی محمد

اگر مسلمان نے دار الاسلام میں حربی سے سود کا معاملہ کیا اور بعد میں وصول یابی کے لئے وکیل کو دار الحرب بھیجتا ہے تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ دار الاسلام میں سود کا معاملہ کرنا ممنوع ہے اور اگر اصل معاملہ دار الحرب میں ہوا ہے تو جائز ہوگا۔ اشباہ میں ہے:- الربوا حرام الا فی ست مسائل بین المسلم والحربی ثمۃ و بین مسلمین لم یہاجرا الینا الخ

ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ

اصل رقم اور سود میں وکیل و مؤکل کا اختلاف

سوال (۲۰۳۴) اگر زید، بکر کو وکیل بنا کر ہندہ کے نام دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر میری کچھ رقم واجب ہے جس میں سے اکثر اصل رقم ہے اور کچھ سود ہے اب یہ وکیل قاضی کے سامنے جاکر یہ کہتا ہے کہ یہ مقدمہ اور تنازع سود کی رقم کے سلسلہ میں ہے آیا وکیل کے اس بیان سے اصل رقم کی وصول یابی اور سود کا باقی رہنا مفہوم ہوتا ہے یا نہیں۔ اور اگر قاضی وکیل کے بیان سے اصل رقم کی وصولیابی اور سود کی رقم کا نزاع سمجھ کر اور دعویٰ کو خلافِ شرع تصور کرکے خارج کردیتا ہے تو صحیح ہوگا یا نہیں اور وکیل کا اس رقم کو رقمِ سود کہنا مدعی کے قول (کہ بعض اصل رقم اور بعض سود ہے) کے متناقض و مخالف ہوسکتا ہے یا نہیں یا قولِ وکیل کو بمنزلۂ قولِ مؤکل قرار دے کر یہ پوری رقم سود کی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بیان میں قولِ اخیر معتبر ہوتا ہے۔ چنانچہ حاشیہ فتاویٰ شامیہ میں اصول کا قاعدہ بیان کیا گیا فان المتعین اذا تعارضا عمل بالمتاخر منہما اور وصح اقرار الوکیل کے مضمون کے پیشِ نظر قولِ وکیل قولِ مؤکل کے حکم میں ہوسکتا ہے اور علامہ شامی اس کی تصریح اس طرح فرماتے ہیں:- اذا ثبت وکالۃ الوکیل بالخصومۃ واقر علی مؤکلہ سواء کان مؤکلہ المدعی فاقر بانتفاع الحق او المدعا علیہ فاقر بثبوتہ علیہ۔ بینوا توجروا۔

جواب:- مذکورہ صورت میں وکیل نے کوئی ایسا کلمہ نہیں کہا جس سے اصل رقم سے برأت یا اقرارِ وصول وغیرہ سمجھا جائے اور اس کے قول کو بعینہ قولِ مؤکل سمجھ کر تناقض وغیرہ ثابت کیا جائے بلکہ قولِ وکیل کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ اصل نزاع رقمِ سود میں ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اصل رقم کو عورت تسلیم کرتی ہے۔ مگر رقم سود میں نزاع ہو رہا ہے تو اس صورت میں نہ تناقض ہے اور نہ اصل رقم کے وصول کرلینے کا اقرار وغیرہ۔

عموم کی وجہ سے سود کا جائز ہونا

سوال (۴۳۳) جس جگہ ہزاروں مسلمان سود لیتے ہوں تو ایسی جگہ عموم بلویٰ کی وجہ سے سود کی حلت کا حکم کیا جائے گا یا نہیں؟۔

جواب:۔ احادیث میں سود کی حرمت مطلقاً وارد ہے سوائے چند مستثنیات کے۔ اور عموم بلویٰ طہارت و نجاست میں تو مؤثر ہوتا ہے حلت و حرمت میں اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔

شراب بنانے والے کے ہاتھ قند سیاہ فروخت کرنا

سوال (۴۳۴) شراب بنانے والے کے ہاتھ قند سیاہ فروخت کرنا جب کہ یہ یقین ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا، جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بیع جائز ہے مگر صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ بیع العصیر ممن یتخذ خمرا لا یکرہ عند ابی حنیفۃ و عندھما یکرہ و یجوز البیع و بیع العنب ممن یتخذ الخمر علی ھذا الخلاف کذا فی الخلاصۃ انتہیٰ

بُت کے نام ذبح کرنے والے کے ہاتھ بکری فروخت کرنا

سوال (۴۳۵) ایسے کافر کے ہاتھ بکری فروخت کرنا جس کے بارہ میں معلوم ہے کہ بت کے نام پر ذبح کرے گا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب: بیع جائز ہے مگر اس میں کراہت ہے۔ کیونکہ یہ بیع سبب معصیت بنے گی اور ظاہر ہے ایسی بیع مکروہ ہوتی ہے کذا فی الھدایۃ

قرض کی وجہ سے گراں فروخت کرنا

سوال (۴۳۶) اگر بازار میں گندم کا نرخ فی روپیہ بیس سیر ہے اور کوئی شخص قیمت کے قرض ہونے کی وجہ سے روپیہ کے اٹھارہ سیر کے حساب سے فروخت کرتا ہے تو یہ بیع جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ بیع مذکور نافذ تو ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ قنیہ میں ہے:۔ شری الشئ الیسیر بثمن غال اذا کان لہ حاجۃ لو القرض یجوز و یکرہ انتہیٰ۔

افیون اور بھنگ کی بیع

سوال (۴۳۷) افیون اور بھنگ کی بیع جائز ہے یا نہیں اور جواز کی صورت میں حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ یہ بیع صحیح ہے اور نافذ ہوگی۔ مگر دونوں چیزیں حلال نہیں ہیں۔ در مختار میں ہے:۔ و صح بیع الخمر مما مر و مفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ و الافیون قلت و قد سئل ابن نجیم عن بیع الحشیش ھل یجوز فکتب لا یجوز فیحمل علی ان مرادھم بعدم الجواز عدم الحل قالہ المصنف انتہیٰ۔

گرانی کے انتظار میں ذخیرہ کرنا

سوال (۴۳۸) اگر کوئی شخص غلہ کے علاوہ قند سیاہ۔ لکڑی۔ لوہا ذخیرہ کر کے رکھتا ہے تاکہ گرانی

کے زمانہ میں فروخت کرے۔ اب وقت آنے پر گراں فروخت کرتا ہے تو یہ فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں اور یہ صورت احتکار میں داخل ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ یہ بیع جائز ہے کیونکہ طرفین کی رضامندی کے ساتھ تبادلہ مال بالمال ہو رہا ہے اور اس ذخیرہ اندوزی کے احتکار ہونے میں اختلاف ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ والاحتکار فی کل مایضر بالعامۃ فی قول ابی یوسفؒ و قال محمدؒ الاحتکار بما یتقوت بہ الناس والبھائم کذا فی الحاوی انتہیٰ۔

دیہات سے غلہ خرید کر شہر میں گراں فروخت کرنا۔

سوال (۴۳۹) اگر کسی شخص نے شہر کے قریب دیہات سے ارزاں غلہ خرید کر چند دن شہر میں رکھا اور پھر بازار کے نرخ پر فروخت کردیا تو اس قسم کی خرید و فروخت اور اس کا نفع جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بیع فی نفسہ جائز ہے کیونکہ رکن اور شرائط موجود ہیں لیکن اگر چند دن روکنے سے اہل شہر کو نقصان ہو تو پھر مکروہ ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ واذا اشتری من مکان قریب من المصر فحمل طعاما الی المصر وحبسہ وذلک یضر باھلہ فھو مکروہ وھذا قول محمدؒ وھو احدی الروایتین عن ابی یوسفؒ وھو المختار کذا فی الغیاثیۃ وھو الصحیح۔ انتہیٰ۔

بَابُ السَّلَم

بیع سلم میں مسلم فیہ کی تعیین

سوال (۴۴۰) اگر بیع سلم میں راس المال ایک درہم مقرر ہونے کے بعد بائع کے حوالے کردیا گیا اور بائع اقرار کرتا ہے کہ اس درہم کے بدلے مسلم فیہ یعنی گندم فصلِ ربیع پر بازار کے نرخ کے لحاظ سے جس قدر بھی آئیں گے دیدوں گا تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسلم فیہ کی مقدار کا معلوم ہونا کیلی میں کیل کے ساتھ، وزنی میں وزن کے ساتھ، عددی میں عدد کے ساتھ اور پیمائش کی چیزوں میں پیمائش کے ساتھ بیع سلم کے صحیح ہونے کے لیے شرط ضروری ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:۔ والرابع ان یکون معلوم القدر بالکیل او الوزن او العد او الذراع کذا فی البدائع انتہیٰ۔

دوسری کتب فقہ میں بھی یہی ہے اور صورتِ مذکورہ میں مسلم فیہ کی مقدار معلوم نہیں جس کی وجہ سے نزاع کا احتمال ہے اور جس جہالت کی وجہ سے نزاع پیدا ہو وہ مفسد ہوا کرتی ہے۔

گندم میں وزن کے لحاظ سے بیع سلم کرنا

سوال (۴۴۱) بیع سلم میں بیس سیر گندم راس المال مقرر کرکے بائع کے حوالے کردیئے گئے۔ اب بائع کہتا ہے کہ مقررہ عرصہ کے بعد اتنے گندم پہنچادوں گا۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ گندم اگرچہ ہمارے اطراف میں وزنی ہے مگر شریعت کی نظر میں کیلی ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس کو کیلی فرمایا اور جو شئے ایک مرتبہ کیلی یا وزنی بن گئی بعد میں کسی عرضاً میں تبدیلی کی وجہ سے اس میں کوئی تغیر نہ آئے گا۔ البتہ بعض ائمہ اشیاء کے کیلی یا وزنی ہونے کا مدار ہر ایک ملک کے عرف کو قرار دیتے ہیں۔ ہر جگہ نص شارع کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ نص شارع بھی عرف عام پر مبنی تھی۔ مگر اکثر کا مسلک یہی ہے کہ کیلی اور وزنی دونوں کے اندر عرف کا اعتبار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ کیلی میں کیلی کا حوالہ کرنا اور وزنی میں وزنی کا حوالہ کرنا بشرطیکہ دونوں متعین ہوں جائز نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے:۔

ولا یسلم ما یوزن فیما یوزن اذا کانا مما یتعینان فی العقد کالحدید فی الزعفران واما اذا اسلم الدراھم والدنانیر فی الوزنیات یجوز انتھیٰ وقال بعید ھذا ولا یجوز اسلام المکیل فی المکیل انتھیٰ۔

اور تاتارخانیہ میں ہے:۔ ولا یصح سلم الماذون فی الماذون والمکیل فی المکیل انتھیٰ۔

بیع سلم میں نرخ کا تعین

سوال (۲۴۴) بیع سلم میں طے ہوگیا کہ فلاں مہینہ فی روپیہ ایک من کے حساب سے گندم دے دیا جائیگا اور اس وقت بازار کا نرخ فی روپیہ بیس سیر ہے تو یہ بیع جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے کیونکہ بیع سلم میں مسلم فیہ کی مقدار کا معلوم ہونا تو ضروری ہے۔ خواہ کیلی ہو یا وزنی لیکن مقرر کردہ نرخ کا بازار کے نرخ کے مساوی ہونا بیع سلم کی صحت کے لیے ضروری نہیں۔

کتابُ الشفعۃ

ثبوتِ شفعہ کے لیے اشہاد کا ضروری ہونا

سوال (۲۴۳) کوئی شخص حق شفعہ طلب کرنے کے بعد بائع یا مشتری یا زمین کے قریب دو عادل شاہدوں سے شہادت اور گواہی کا مطالبہ کرتا ہے مگر فاشھدوا علیٰ ذالک یا اس کا قائم مقام کوئی دوسرا لفظ نہیں بولتا تو یہ طلب معتبر ہوگی یا نہیں۔

جواب:۔ اکثر کتب فقہ سے بظاہر اشہاد کا شرط ہونا مستفاد ہوتا ہے لیکن خانیہ میں اس کے برخلاف صراحۃً مذکور ہے فی رد المحتار اقول ظاھر عبارتھم لزوم الاشھاد فیہ لکن رأیت فی الخانیۃ ان ھٰی الثانی طلب لا لان الاشھاد وشرط فیہ بل لیمکنہ اثبات الطلب عند جحود الخصم انتھیٰ تامل انتھیٰ

اور ظہیریہ وقنیہ میں طلب ثانی میں اشہاد مذکور نہیں ہے۔

عبارت ظہیریہ یہ ہے:۔ والثانی ان یقول اطلب الشفعۃ فی الدار التی اشتراھا من فلان انتھیٰ

اور عبارت قنیہ یہ ہے:۔ طلب الاشھاد انہ اذا لقی المشتری یقول اطلب الشفعۃ فی التی اشتریتھا من فلان وبین حدھا وحدودھا فسلمھا انتھیٰ۔

بھائیوں کا مشترکہ طور پر دعوئے شفعہ کرنا

سوال (۴۴۶) زید و عمرو و بکر تینوں حقیقی بھائی شفیع تھے زید نے شریعت کے مطابق طلب مواثبت واشہاد کی تمام شرائط پوری کردیں اور بکر پوری نہ کرسکا لیکن مقدمہ کے وقت تینوں بھائیوں کے مشترک ہونے کی وجہ سے مبیعہ کے لوٹانے کا تینوں کی جانب سے بالاجماع دعویٰ کیا گیا تو یہ پورا دعویٰ شرعاً صحیح اور قابل سموع ہوگا یا نہیں اور عمرو و بکر کا نام شامل نہ ہونے کی وجہ سے زید کا دعویٰ تو باطل نہ ہوگا

جواب:۔ اس صورت میں دعوئے زید حق شفعہ میں باطل نہ ہوگا جیسا کہ اکثر کتب سے مفہوم ہوتا ہے۔ محمد عبدالحی

درحقیقت زید کا دعویٰ مسموع اور دوسرے بھائیوں کا غیر مسموع ہوگا۔ محمد نعیم

الجواب صحیح بالآخر حاکم بکر و عمرو کا دعویٰ خارج کرے گا اور زید کا دعویٰ مسموع ہوگا۔ محمد انور علی

اصاب من اجاب:۔ ابوالجیش محمد مہدی۔ صح الجواب:۔ علی محمد۔ صح الجواب:۔ محمد رحمت اللہ

اصاب من اجاب:۔ محمد فضل اللہ۔

بعض مستحقین کا شفعہ سے رجوع کرلینا۔

سوال (۴۴۷) زید و عمرو و بکر نے شامل ہوکر حاکم کے پاس مبیع کو لوٹانے کے لیے مقدمہ دائر کیا اور پھر زید و عمرو نے اپنے حق شفعہ کو ساقط کرکے برأت کا اظہار کردیا۔ اس صورت میں بکر کے حق میں تو خلل نہ آئے گا؟

جواب:۔ بکر کے حق میں کوئی خلل نہیں۔ عنایہ میں ہے:۔ اذا اجتمع الشفعاء واسقط بعضہم حقہ فان کان ذلک قبل القضاء فالشفعۃ للباقین فی الکل انتہی ملخصاً

صح الجواب:۔ ویؤیدہ ما فی الدر المختار فلو قبلہ فلمن بقی اخذ الکل کزوال المزاحمۃ انتہی۔ محمد نعیم

الجواب صحیح فی العالمگیریۃ اذا کان للدار شفیعان سلم احدہما الشفعۃ قبل الاخذ وقبل القضاء کان للآخران یاخذ الکل وبعد الاستیفاء بعد القضاء یبطل حق کل واحد منہما عما قضی لصاحبہ حتی اذا کان للدار شفیعان وقضی القاضی للدار بینہما ثم سلم احدہما بما یصیبہ لم یکن للآخران یاخذ الجمیع انتہی۔ انور علی

الجواب صحیح۔ علی محمد۔ اصاب من اجاب محمد فضل اللہ

شفعہ کے متعلق چند سوالات

سوال (۴۴۸)۔ (۱) شفعہ میں طلب مواثبت یا نائب وکیل واشہاد کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک زمیندار ہمیشہ باہر رہتا ہے اور اپنی طرف سے کسی وکیل کو مقرر کرکے مختار عام بنادیا کہ جملہ حقوق میں اپنے موکل کی طرف سے طلب خصومت اور طلب مواثبت کیا کرے، کسی معاملہ حتّٰی کہ حق شفعہ میں بھی دوبارہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ تو ایسا وکیل اور مختار عام اپنے موکل کی طرف سے شفعہ میں طلب مواثبت اور طلب خصومت کرسکتا ہے یا نہیں؟۔

(۳) ایک زمین کے معاملہ میں چند اشخاص مشترکہ طور پر درخواست دے کر حاکم سے دعوئے شفعہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟
(۴) وکیل بنانے کے لیئے وکالت نامہ لکھنا ضروری ہے یا نہیں؟
(۵) ایک ہی زمین میں اپنی طرف سے اصیل ہونے اور دوسری طرف سے وکیل ہونے کی حیثیت سے طلب مواثبت واشہاد یا طلب خصومت شفعہ کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر وکالت کی حیثیت سے اس کا دعویٰ باطل ہوگا تو اصیل ہونے کی حیثیت سے کیا حکم ہوگا؟
(۶) ایک زمین میں ایک ہی وکیل چند اشخاص کی جانب سے ایک جملہ میں طلب مواثبت واشہاد کرے تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟۔

جوابات:۔ (۱) طلب صحیح ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ یجوز التوکیل لطلب الشفعۃ کذا فی البدائع انتہیٰ
اور خزانۃ المفتین میں ہے:۔ الشفیع اذا علم بالشراء فی طریق فطلب طلب المواثبۃ وعجز عن الاشہاد بنفسہ وکیلا یطلب لہ الشفعۃ انتہیٰ۔
ہدایہ میں ہے:۔ کل عقد جاز ان یعقد الانسان بنفسہ جاز ان یوکل بہ غیرہ انتہیٰ۔
(۲) کر سکتا ہے۔ اشباہ میں ہے:۔ الوکیل اذا کانت وکالتہ عامۃ مطلقۃ ملک کل شئ الا طلاق الزوجۃ وعتق العبد ووقف البیت انتہیٰ۔
اور رسالۃ المسألۃ الخاصۃ فی الوکالۃ العامۃ میں ہے:۔ الوکیل بوکالۃ عامۃ یملک کل شئ الا الطلاق والعتاق وللوقف والھبۃ علی المفتی انتہیٰ۔
(۳) رجوع کر سکتے ہیں۔
(۴) وکالت نامہ شرط نہیں کما یفھم من کتب العامۃ۔
(۵) وکیل کہ خود بھی شفیع ہے۔ اگر مؤکل کی طرف سے طلب شفعہ کرے گا اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔ عالمگیریہ میں مبسوط سے منقول ہے:۔ اذا وکل لرجل الشفیع ان یاخذ الدار لہ بالشفعۃ فاظہر الشفیع ذلک فلیس لہ ان یاخذ لان طلبہ بغیر تسلیم منہ للشفعۃ فانما یطلب البیع من المؤکل ولو طلب البیع لنفسہ کان مسلما للشفعۃ فاذا طلبہا لغیرہ کان اولی انتہیٰ۔
(۶) صحیح ہوگی، بشرطیکہ وہ تمام لوگوں کا وکیل ہو۔ محمد عبدالحی۔ اصاب المجیب محمد مہدی۔ صح الجواب۔ محمد رحمت اللہ
الاجوبۃ صحیحۃ:۔ اور عبارات مندرجہ استفتاء منقول عنہا کے مطابق ہیں۔ وکالت نامہ کی تحریر اور ایک شخص کا چند شفیعوں کی طرف سے وکیل ہونا صحیح ہے۔ جیسا کہ عالمگیریہ اور تفاسیر احمدیہ سے مفہوم ہے۔ انور علی
اصاب المجیب محمد فضل اللہ۔

دعوئے شفعہ میں بلا عذر تاخیر کرنا

سوال (۱۰۴۹) اگر شفیع نے بغیر کسی عذر کے طلب تملیک میں ایک ماہ کی تاخیر کر دی تو اس کا شفعہ

باطل ہوگا یا باقی رہے گا؟

جواب:۔ مذکورہ صورت میں محققین کے نزدیک شفعہ باطل ہوگیا۔ اگرچہ امام صاحبؒ کے قول کے مطابق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ لیکن محققین نے ضرر دفع کرنے کے لیے امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ وعن محمدؒ و زفرؒ وھو روایۃ عن ابی یوسفؒ ان اشھد وترک الخاصمۃ شھرا من غیر عذر تبطل شفعتہ والفتویٰ علیٰ قولھما کذا فی محیط السرخسی

اور زیلعی فرماتے ہیں:۔ الفتوی الیوم علی ھذا لتغیر احوال الناس فی الاضرار بالغیر انتہیٰ۔

اور ردالمحتار میں ہے:۔ قائلہ شیخ الاسلام وقاضی خاں فی فتاواہ وشرحہ علی الجامع ومشی علیہ فی الوقایۃ والنقایۃ والذخیرۃ والمغنی وفی الشرنبلالیۃ عن البرھان انہ اصح ما یفتی بہ قال یعنی انہ اصح من تصحیح الھدایۃ والکافی وتمامہ فیھا وعزاہ القھستانی الی المشاھیر کالمحیط والخلاصۃ والمضمرات وغیرھا انتہیٰ

محمد بشیر السہسوانی

واللہ اعلم

اس مسئلہ میں موافق ظاہر الروایۃ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفعہ باطل نہ ہوگا اور ہدایۃ وکافی میں اسی کو مفتی بہ لکھا ہے لیکن محققین حنفیہ کی جماعتِ کثیرہ قولِ امام محمدؒ کی قائل ہے۔

نہایہ شرح ہدایہ میں ہے:۔ ان ترک ھذا الطلب بغیر عذر لا تبطل شفعتہ وان طالت المدۃ وعلیٰ قولھما تبطل اذا طالت المدۃ واختلف الروایات عنھما فی طول المدۃ ففی روایۃ عن محمد ثلثۃ ایام واخری بشھر وھو احدی الروایات عن ابی یوسفؒ قال شیخ الاسلام الفتوی الیوم علی ھذا وھکذا ذکر ایضا فی الجامع الصغیر لقاضی خاں فکان ما اختارہ فی الکتاب ان الفتوی علی قول ابی حنیفۃؒ مخالفا لروایات۔ انتہیٰ۔

اور تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:۔ قال فی شرح المجمع وفی الجامع الخانی الفتوی الیوم علی قول محمد لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار انتہیٰ وبہ ظھر ان افتائھم بخلاف ظاھر الروایۃ لتغیر الزمان ونظائرہ کثیرۃ وقصد الاضرار فی زماننا کثیرا انتہیٰ۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

متاخرین علماء کے فتویٰ کے مطابق شفعہ باطل ہوگیا۔ کمال الدرایۃ شرح نقایۃ میں ہے وبتاخیرہ شھرا من غیر عذر مرض او حبس یبطل عند محمدؒ وھو قول زفرؒ واختیار الکرخیؒ وبہ ای بقول محمدؒ یفتی الیوم لقصد اھل الزمان الی الاضرار بغیرھم انتہیٰ۔

اور برجندی شرح مختصر وقایہ میں ہے:۔ وبہ ای بقول محمدؒ یفتی کذا فی مبسوط الامام خواھر زادہ والمحیط والروضۃ والتتمۃ وفتاوی قاضی خاں والخلاصۃ انتہیٰ۔

ابوالاحیاء محمد نعیم

اشہاد کے ثبوت میں اختلاف

سوال (۴۰۵): ایک عورت نے چند حصہ داروں کے مشترکہ مکانات میں سے کسی ایک کا حصہ خرید لیا جس پر دیگر شرکاء کی طرف سے دعوئے شفعہ دائر کیا گیا جس کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے:۔

شفیع کے چند رشتہ داروں نے آکر شفیع کو بیع کی اطلاع دی۔ یہ خبر سنتے ہی نو بجے صبح شفیع نے خبر دینے والے اشخاص سے کہا کہ یہ حق ہمارا ہے ہم اس حصہ کو لیں گے، اور انھیں کے ذریعہ گھر سے روپیہ منگایا۔ اور دوپہر کے قریب گاؤں میں رہنے والے بائع کے پاس گئے۔ حالانکہ وہ مکانات شہر ہی میں تھے اور یہ بائع ان پر قابض نہیں تھا۔ اور وہ گاؤں شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا۔ درمیان میں دریا بھی حائل تھا۔ اور مشتریہ عورت شہر میں شفیع کے مکان کے متصل انہی مکانات مشترکہ میں سے کسی ایک مکان میں بہت پہلے سے رہتی تھی۔ اب جاکر ان اشخاص نے بائع سے کہا کہ مکان کے متعلق شفیع یہ کہتا ہے کہ حق ہمارا ہے ہم کو دو۔ بائع نے کہا میں تو بیع کر چکا، تم مشتریہ عورت کے پاس روپیہ لے جاؤ۔ اب یہ بےچارے شام کے قریب عورت کے شوہر کے پاس آئے اور کہا کہ شفیع اپنا حق لینے کے لیے تیار ہے اور روپیہ بھیجا ہے۔ شوہر گھر میں معلوم کرنے کے بعد آکر جواب دیتا ہے کہ ہم نے مکان رہنے کے لیے لیا ہے۔ فروخت کرنے کے لیے نہیں۔ اور شفیع بوقت علم منجملہ مکانات مشفوعہ کے کسی ایک میں موجود تھا۔ اب شفیع استدلال کرتا ہے کہ طلب مواثبت و استشہاد شریعت کے مطابق ہوگئی۔ اور وہ مشتریہ کہتی ہے کہ موافق شرع ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شفیع نے خبر دینے والوں کو چھوڑ کر شہر سے دور اور قبضہ نہ رکھنے والے بائع سے طلب اشہاد کیا اور پھر اس طلب مواثبت و اشہاد میں مکانات مشفوعہ کا حدود اربعہ بھی بیان نہیں کیا۔ لہٰذا قریب کو چھوڑ کر بعید سے استشہاد کرنا اور گواہوں کے ہوتے ہوئے اپنی طلب پر گواہ نہ کرنا اور مکانات مشفوعہ کا حدود اربعہ بیان نہ کرنا۔ فتاویٰ عالمگیری شامی اور ہدایہ کے مطابق شفعہ کے لیے مبطل ہیں۔ دوسرا اعتراض عورت کی جانب سے یہ بھی ہے کہ خود بقول شفیع طلب اشہاد میں توقف ہوا اور وہ بھی مبطل شفعہ ہے

صورت مذکورہ مذہب حنفیہ کے اعتبار سے شفیع کی جانب سے طلب مواثبت و استشہاد شرعی اعتبار سے ہوگیا یا نہیں اور مشتریہ عورت کے بیان کردہ اعتراضات صحیح اور وارد ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ پہلا اعتراض کہ شفیع نے دونوں طلب کے وقت حاضرین کو گواہ نہیں بنایا غیر معتبر ہے کیونکہ مواثبت میں گواہ بنانا لازمی نہیں۔ ہدایہ میں ہے:۔ والاشهاد فيه ليس بلازم وانما هو لنفي التجاحد انتهى

اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے:۔ وذلك لان طلب المواثبة ليس لاثبات الحق وانما شرط هذا الطلب ليعلم انه غير معرض عن الشفعة وغير راض بجوار الدخيل والاشهاد وليس بشرط فيه انتهى۔

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:۔ الاشهاد في ذلك ليس بشرط انتهى

اور در مختار کے باب طلب الشفعۃ میں ہے:۔ الاشهاد فيه ليس بلازم بل لمخافة الجحود انتهى۔

اور طلب مواثبت کے بعد بائع یا مشتری یا مبیعہ کے قریب طلب اشہاد کرنا اگرچہ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ سے بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مگر معتبر یہ ہے کہ اس طلب میں اشہاد ضروری نہیں ہے۔

رد المحتار میں ہے:۔ اقول ظاهر عبارتهم لزوم الاشهاد فيه لكن رأيت في الخانية انما سمي الثاني

طلب الاشہاد لا لان الاشہاد شرط لیمکنہ اثبات الطلب عند جحود الخصم انتہیٰ۔

اور نتائج الافکار حاشیہ ہدایہ میں مذکور ہے:۔ یمکن ان یمنع لزوم الاشہاد فی طلب التقریر یعنی طلب الاشہاد ایضاً بناءً علی ما ذکرہ قاضی خاں فی فتاواہ حیث قال وانما یسمی الثانی طلب الاشہاد لا لان الاشہاد شرط بل لیمکنہ اثبات الطلب عند جحود الخصم انتہیٰ فانہ یدل علی ان الاشہاد فی طلب التقریر لیس بلازم بل انما ہو لنفی التجاحد کما فی طلب المواثبۃ وبناءً علی ما ذکرہ صاحب المہذب حیث قال واما الاشہاد وعلی ہذا بطلب فلیس بشرط وانما ہو لتوقفہ علی تقدیر الانکار کما فی طلب الاول انتہیٰ۔

اور دوسرا اعتراض بھی غیر معتبر ہے۔ کیونکہ طلب اشہاد بائع یا مشتری یا مبیع سے کسی ایک کے پاس ہونا ضروری ہے خواہ وہ بائع یا مشتری قابض ہو یا غیر قابض۔ اور قابض کو چھوڑ کر غیر قابض کے پاس طلب کرنا مبطل شفعہ نہیں ہو ردالمحتار یا مبطل الشفعۃ میں ہے:۔ تقدم انہ یصح الاشہاد وعلی المشتری وان لم یکن العقار فی یدہ وکذا علی البائع وان لم تکن الدار فی یدہ استحسانا کما ذکرہ شیخ الاسلام انتہیٰ۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ ان کان المبیع فی ید المشتری ذکر الکرخی فی النوادر انہ لا یصح الاشہاد علی البائع ونص محمدؒ فی الجامع الکبیر یصح الاشہاد علیہ بعد تسلیم المبیع استحسانا لا قیاسا کذا فی محیط السرخسی انتہیٰ

نیز مکان کے حدود اربعہ کے بیان نہ کرنے کا عذر بھی غیر معتبر ہے اگرچہ ہدایہ وغیرہ کی ظاہر عبارات سے ضروری معلوم ہوتا ہے مگر قول معتبر یہ ہے کہ یہ شرط لزوم نہیں بلکہ شرط اولویت ہے۔ جامع الرموز میں ہے:۔ لابد ان یبین حدود الدار مع کل واحد من مراتب الثبوت کما فی قاضی خاں لکن فی الکافی وغیرہ ان تبین ہذہ الامور لیس مما لابد منہ انتہیٰ۔

اور طلب اشہاد کے بارہ میں توقف کرنے کا عذر بھی غیر معتبر ہے کہ فی الفور ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ اس کی کوئی مدت خاص مقرر ہے کہ تاخیر کرنا مبطل شفعہ ہے بلکہ مدار تمکن پر ہے۔ جیسا کہ جامع الرموز میں ہے:۔ انما ذکر کلمۃ ثم اشارۃ الی ان مدۃ ہذا الطلب لیست علی فور المجلس بل مقدرۃ بمدۃ التمکن من اشہاد کما فی النہایۃ وغیرہ انتہیٰ۔

اور یہ عذر کہ قریب کو چھوڑ کر بعید کے پاس طلب اشہاد کیا خصوصاً جبکہ بعید یعنی بائع شہر میں بھی نہیں اور مشتری اور مکان مشفوعہ شہر میں ہے۔ اگرچہ اس میں بھی اختلاف ہے کہ قریب کو چھوڑ کر بعید کے پاس اشہاد کرنا مبطل شفعہ ہے یا نہیں مگر اکثر کتب معتبرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مبطل شفعہ ہے۔ جامع الرموز میں ہے:۔ فیہ اشارۃ الی ان لم الاشہاد عند ابعد ہولاء ومع الاقرب علی ما قال بعض المشائخ وذہب آخرون الی انہ انما یشہد عند الاقرب کما فی المحیط وغیرہ انتہیٰ۔

اور تعالیق الانوار حاشیہ درمختار میں شرنبلالیۃ سے منقول ہے:۔ لو قصد الابعد من ہولاء الثلثۃ وترک الاقرب فان کانوا جمیعا فی المصر جاز استحسانا وان کان بعضہم فیہ والبعض فی مصر آخر او فی الرستاق فقصد الابعد وترک الذی ہو فیہ بطلب شفعتہ قیاسا واستحسانا کما فی التبیین انتہیٰ۔

اور رد المحتار میں خانیہ سے منقول ہے :- ان کان المتبایعان والشفیع والدار فی مصر والدار فی ید البائع فالی ایھم ذھب الشفیع و طلب صح ولا یعتبر فیہ الاقرب والابعد لان المصر مع تباعد الاطراف کمکان واحد الا ان یختار علی الاقرب ولم یطلب فتبطل وان کان الشفیع وحدہ فی مصر اٰخر فالی ایھم ذھب صح وان احد المتبا یعین فی مصر للشفیع یطلب من الابعد بطلب انتہیٰ

اور اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے مگر یہ حکم صرف اسی صورت میں ہے جب کہ اقرب کو بالکل ترک کرکے ابعد سے طلب شفعہ کرے اور مسئول عنہا صورت میں اقرب کو بالکلیہ ترک نہیں کیا گیا بلکہ شفیع نے دونوں سے طلب اشہاد کیا زائد سے زائد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے بائع کی طرف کسی خاص مصلحت کی وجہ سے سبقت کی جس کی وجہ سے مشتری کے پاس طلب اشہاد کرنے میں قدرے تاخیر ہو گئی مگر وہ مبطل شفعہ نہیں کیونکہ قرائن حالیہ اس بات پر موجود ہیں کہ یہ تاخیر بغرضِ اعراض نہ تھی۔ ہاں اگر بغرضِ اعراض ہوتی تو مبطل شفعہ ہوتی۔

علامہ عینی نہایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :- اما اذا کان ھناک مانع والظاھر انہ ترک الاشہاد ولا للاعراض فلا یسقط حقہ انتہیٰ۔

اور پھر لکھتے ہیں :- ثم اذا تاخر بعد زمان کما اذا علمہ فی اللیل فاخر الی الصبح او اقیمت الصلوٰۃ یخاف فوت الصلوٰۃ فاخرہ لا یسقط شفعۃ انتہیٰ۔

اس کے علاوہ شفیع دو گواہوں کے سامنے طلب مواثبت کرنے کے وقت مطلوبہ مکانوں میں سے ایک مکان میں موجود تھا۔ لہٰذا یہ طلب مواثبت دو طلبوں کے قائم مقام ہوگئی، نیز اقرب اور تقدیم ابعد لازم نہیں آتی۔

عینی شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں :- فی مبسوط شیخ الاسلام الشفیع انما یحتاج الی طلب الاشھاد و بعد طلب المواثبۃ اذا لم یمکنہ الاشھاد عند طلب المواثبۃ بان سمع الخبر حال غیبۃ البائع والمشتری والدار اما اذا سمع المشتری عند حضرۃ ھولاء وطلب المواثبۃ واشھد علی ذلک فذلک یکفیہ ویقوم مقام الطلبین انتہیٰ۔

نیز اسی میں ہے :- حتی لو سمع الشفیع عند حضرۃ احد من البائع والمشتری او عند الدار و وجد عند طلب المواثبۃ واشھد علی ذلک یکفیہ ویقوم ذلک مقام الطلبین کذا فی الفتاوی الظھیریۃ۔

خلاصۂ کلام :- مذکورہ صورت میں طلب مواثبت و استشہاد کا تحقق و ثبوت قواعد شرعیہ کے مطابق ہو گیا اور حق شفعہ بھی ثابت ہو گیا اور مشتریہ کے اعتراضات قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحیؒ

طلب خصومت میں تاخیر ہو جانا

سوال (۱۵۴) طلب خصومت میں تاخیر ہو جانے سے حق شفعہ باطل ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب :- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک موافق ظاہر الروایۃ شفعہ باطل نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہدایہ اور کافی میں اسی کو مفتی بہ قرار دیا لیکن محققین حنفیہ کی جماعت کثیرہ نے امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ عینی بنایہ شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں :- ان ترک ھذا الطلب بغیر عذر لا تبطل شفعتہ وان طالت المدۃ وعلی قولھما تبطل اذا طالت

المدۃ واختلف الروایۃ عنہا فی طول المدۃ ففی روایۃ عن محمدؒ ثلثۃ ایام وفی اخری الشہر وھو احدی الروایات عن ابی یوسفؒ قال شیخ الاسلام الفتوی الیوم علی قول محمدؒ وھکذا ذکر ایضاً فی الجامع الصغیر لقاضی خان فکان ما اختارہ فی الکتاب ان الفتوی علی قول ابی حنیفۃؒ مخالفاً لروایات ھذہ الکتب انتہی

اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے:۔ قال فی شرح المجمع فی الجامع الخانی الفتوی علی قول محمدؒ لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار وبہ ظہر ان افتاءہم بخلاف ظاہر الروایۃ لتغیر الزمان ونظائرہ کثیرۃ وقصد الاضرار فی زماننا کثیرۃ انتہی۔

بیع کا علم ہونے پر طلب شفعہ نہ کرنا

سوال (۴۵۲) اگر شفیع نے بیع کا علم ہونے پر اسی مجلس میں طلب شفعہ نہ کیا اور طلب مواثبت فوت ہوگئی تو اب اس کا شفعہ باقی ہے یا باطل ہوگیا؟

جواب:۔ باطل ہوگیا۔ جامع الرموز میں ہے:۔ فان اخر الشفیع احدھما ای الطلبین طلب مواثبۃ عن المجلس وطلب الاشہاد عن مدۃ التمکن عنہ بطل الشفعۃ الابعذر مثل غیبۃ مدۃ السفر انتہی ملخصاً۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ اما طلب المواثبۃ فہو انہ اذا علم الشفیع بالبیع ینبغی ان یطلب الشفعۃ علی الفور واذا سکت ولم یطلب بطلت شفعتہ وھذا روایۃ الاصل والمشہور من اصحابنا وروی ہشام عن محمدؒ ان طلب فی مجلس العلم فلہ الشفعۃ والا فلا بمنزلۃ الخیار المخیرۃ وخیار القبول انتہی۔

شفیع کا طلب اشہاد نہ کرنا

سوال (۴۵۳) اگر شفیع نے بائع یا مشتری یا بیع کے پاس باوجود قدرت کے طلب اشہاد نہ کیا تو اس کا شفعہ باقی رہے گا یا باطل ہوجائے گا۔

جواب:۔ باطل ہوگیا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ ثم طلب الاشہاد مقدر بالتمکن من الاشہاد فمتی تمکن من الاشہاد عند حضرۃ واحد من البائع والمشتری والمبیع ولم یطلب الاشہاد بطلت شفعتہ للضرر عن المشتری انتہی۔

مختلف فیہ زمین میں شفعہ کا حکم

سوال (۴۵۴) زید نے عمرو پر کسی زمین کا دعوی کیا اور عمرو نے انکار کردیا۔ بعد میں زید نے صلح کرکے تھوڑی سی زمین لے کر بقیہ زمین سے برارت ظاہر کردی۔ اب شفیع عمرو کے پاس باقیماندہ یا زید کی حاصل کی ہوئی زمین میں شفعہ کا دعوی کرتا ہے تو یہ دعوی صحیح ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ دعوی صحیح نہیں۔ کیونکہ مذکورہ صورت میں معاوضہ اور بیع کی صورت نہیں ہے کیونکہ زید نے اپنے خیال کے مطابق اپنا حق لیا اور باقی حصہ کسی طریقہ پر عمرو کے قبضہ میں چھوڑ کر برارت کا اظہار کردیا۔

تنویر الابصار میں ہے:۔ وھی تملیک البقعۃ جبراً علی المشتری بما قام علیہ انتہی۔

اور درمختار میں ہے: مصالح من بعض ما یدعیہ ای عین یدعیہا المدعی لان ما قبضہ عین حقہ الا بزیادۃ

شئ اخر کثوب و درهم فی البدل فیصیر ذلك عوضا عن حقه فیما بقی او یلحق به الابراء عن دعوی الباقی انتہی

عرضی استغاثہ میں طلب اشہاد کا ذکر کرنا

سوال (۴۵۵) اولاً جو عرضی استغاثہ دی جاتی ہے اگر اس میں شفیع کے طلب اشہاد کا ذکر نہیں کیا گیا تو اب اس کا دعویٰ قابلِ سماعت ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ سب سے پہلی عرضی استغاثہ میں طلب اشہاد کا ذکر کرنا ضروری نہیں، البتہ قاضی وقت کے سامنے طلب اشہاد کے دعویٰ بیان کی تصحیح لازمی وضروری ہے۔ زیلعی تحریر فرماتے ہیں:۔ فاذا قال الشفیع انا شفیعها وبین سببا صالحا ولم یکن محجوبا بغیرہ سأله القاضی انه متی علم وکیف صنع حین علم لأنها تبطل بطول الزمان وبالاعراض وبما یدل علیه فلابد من کیفیة ذلك فاذا بین سأله عن طلب التقریر کیف کان وعند من اشهد واهل کان الذی اشهد علیه اقرب من غیرہ ام لا علی الوجه الذی بیناہ فاذا بین ذلك کله ولم یخل بشئ من شروط تم دعواہ واقبل علی المدعی علیه انتہی۔

گھر کے ایک کمرہ میں حق شفعہ

سوال (۴۵۶) بند کوچہ میں ایک بڑا مکان چند اشخاص کا مشترک ہے اور اس میں ایک کمرہ دو آدمیوں کا مشترکہ ہے۔ اب ان دو میں سے ایک شخص نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو حقِ شفعہ کس کو ہوگا؟

جواب:۔ کمرہ میں شریک آدمی مقدم اور شفعہ کا حق دار ہوگا۔ اگر وہ اپنا حق چھوڑ دے تو پھر بڑے مکان کے شرکاء کو حق ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ بیت فی دار فی سکة غیر نافذة والبیت لاثنین والدار لقوم فباع احد الشریکین نصیبه من البیت الشفعة للشریك فی البیت والا فان سلم فللشریك الدار انتہی۔

شفیع کی طرف سے خریداری کا معاملہ

سوال (۴۵۷) اگر شفیع نے فروختگی کی اطلاع ملنے کے بعد مشتری سے خریداری یا اجارہ وغیرہ کا معاملہ کیا جس سے تسلیم شفعہ پر دلالت ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ باطل ہوجائے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ ما یبطل به حق الشفعة بعد ثبوته نوعان اختیاری وضروری والاختیاری نوعان صریح و دلالة اما الدلالة فهو ان یوجد من الشفیع ما یدل علی رضاہ بالعقد وحکمه للمشتری کما اذا علم بالشراء فترك الطلب علی الفور من غیر علم او قام عن المجلس او تشاغل عن الطلب بعمل اخر علی اختلاف الروایتین وکذا اذا ساوم الشفیع الدار من المشتری او سأله ان یولیه ایاها او استاجرها الشفیع من المشتری او اخذها مزارعة او معاملة وذلك کله بعد العلم هکذا فی البدائع انتہی۔

باوجود اقرب کے ابعد سے طلب اشہاد کرنا

سوال (۴۵۸) شفیع نے اطلاع پانے کے بعد ارضِ مبیعہ کے قریب ہونے کے باوجود دوسرے گاؤں میں جاکر بائع کے پاس طلب اشہاد کیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ باطل ہوجائے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ فان ترک الاقرب من هذه الثلاثة وذهب الی الابعد ان کان الکل فی مصر واحد لا تبطل شفعته استحسانا وان کان الابعد فی مصر آخر او فی قرية من قرى هذا المصر بطلت شفعته انتہیٰ۔

شفعہ میں قیمت کا اعتبار

سوال (۴۵۹) شفعہ میں بیع نامہ کی تحریر کردہ قیمت معتبر ہوتی ہے یا ثالث جو قیمت مقرر کردے وہ دینی پڑیگی؟

جواب:۔ اصل قیمت کہ بائع ومشتری کے درمیان طے ہوئی وہی معتبر ہے۔ بیعنامہ یا ثالث کی تجویز کردہ قیمت کا کوئی اعتبار نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:۔ هی تمليك البقعة جبرا على المشترى بما قام عليه انتہیٰ۔

شفیع کا خود وکیل بن جانا

سوال (۴۶۰) ایک شفیع نے دوسرے شفیع کو اپنے شفعہ کو طلب کرنے کا وکیل بنادیا۔ اگر یہ شفیع اپنے مؤکل کی طرف سے بحیثیت وکیل طلب شفعہ کرتا ہے تو خود اس کا شفعہ باقی رہے گا یا باطل ہوجائیگا

جواب:۔ باطل ہوجائے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ ان وکل رجل الشفيع ان ياخذ الدار له بالشفعة فاظهر الشفيع ذلك فليس له ان ياخذها لان طلبه لغيره تسليم منه للشفعة فانما يطلب البيع من المؤكل ولو طلب البيع لنفسه كان به مسلما لشفعة فاذا طلبها لغيره كان اولى انتہیٰ

شفعہ میں سامان کی قیمت دینا

سوال (۴۶۱) اگر بیع اسباب کے عوض میں ہو تو شفیع کس چیز کے عوض مبیع کو حاصل کرے گا؟۔

جواب:۔ اسباب کی قیمت ادا کرکے مبیع کو لے لے۔ ہدایہ میں ہے:۔ ومن اشترى دارا لعرض اخذها الشفيع بقيمته لانه من ذوات القيم انتہیٰ۔

ہبہ بالعوض میں حق شفعہ

سوال (۴۶۲) اگر زید نے اپنا مکان عمرو کے نام ہبہ بالعوض کردیا تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ حاصل ہوگا۔ کیونکہ ہبہ بالعوض ابتداءً اور انتہاءً بیع کے حکم میں ہے:۔ واذا ملك العقار بعوض مال وجبت فيه الشفعة انتہیٰ۔

زمین کا ہبہ بشرط عوض کرنے کی صورت میں حق شفعہ

سوال (۴۶۳) اگر زید اپنے حصہ کی زمین کا ہبہ بشرط عوض کردیا اور جانبین سے قبضہ بھی ہوگیا تو شفیع کو دعوئے شفعہ کا حق ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:۔ حق ہوگا۔ کیونکہ ہبہ بشرط عوض قبضہ کے بعد بیع کے حکم میں ہوجاتا ہے۔ برجندی تحریر فرماتے ہیں:۔ فاذا تقابضا وتم العقد صح وصار فی حكم البيع فيرد هما بعيب وخيار الرؤية ويثبت الشفعة ان كان احد العوضين عقارا انتہیٰ۔

حقِ شفعہ ساقط کرنے کے لیئے ہبہ کردینا

سوال (۴۶۴) حق شفعہ ساقط کرنے کے لیئے ہبہ بشرط عوض کر دینا اسقاطِ شفعہ کا حیلہ بن سکتا ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ نہیں۔ حموی شرح اشباہ میں فرماتے ہیں:۔ اما اذا کانت الھبۃ بشرط العوض ففیہ اختلاف لروایتین ففی ظاھر الروایۃ انھا بمعنی البیع ویثبت للشفیع فیھا حق الشفعۃ وفی النوادر انھا لیست فی معنی البیع وفی بعض المواضع ذکر الخلاف بین ابی یوسفؒ ومحمدؒ واذا کان فی المسألۃ اختلاف اوخلاف لاتصح حیلۃ لابطال الشفعۃ کذا فی التاتارخانیۃ۔

جارِ ملاصق کی تعریف

سوال (۴۶۵) جار ملاصق کس کو کہتے ہیں؟

جواب:۔ جارِ ملاصق وہ شخص کہلاتا ہے جس کی مملوکہ زمین بیع سے حقیقتاً یا حکماً متصل ہو۔ خواہ دونوں کے دروازے ایک کوچہ میں ہوں یا علیحدہ علیحدہ۔ مثلاً کسی زمین کی پشت دوسرے مکان کی پشت کی طرف ہو۔ اب اگر ایسی صورت میں مکان کا ایک کمرہ فروخت ہوتا ہے تو اس کمرہ سے متصل رہنے والا شخص اور منتہائے مکان سے متصل رہنے والا دونوں حق شفعہ میں برابر ہوں گے۔ اگرچہ پہلا جار ملاصق حقیقی اور دوسرا جار ملاصق حکمی ہے۔

بعض مبیع میں حق شفعہ

سوال (۴۶۶) اگر زید نے سکۂ غیر نافذہ میں واقع مملوکہ مکانات کے پانچ قطعے بیک وقت فروخت کیئے۔ اب اگر اس کا جار شفیع اپنے مکان سے متصل قطعہ مکان میں شفعہ کرتا ہے تو اس کو حق ہے یا نہیں؛

جواب:۔ حقِ شفعہ حاصل ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:۔ رجل خمس منازل فی سکۃ غیر نافذۃ فباع ھذہ المنازل فطلب الشفیع الشفعۃ فی منزل واحد فھذا ان طلب الشفعۃ بحق الشرکۃ فی الطریق لم یکن لہ ان یاخذ البعض لما فیہ من تفریق الصفقۃ من غیر ضرورۃ وان طلب الشفعۃ بالجوار فی ھذا المنزل لاغیر کان لہ ذلک لانہ جار لھذا الواحد خاصۃ انتہی۔

زمین کے بعض حصہ میں حقِ شفعہ

سوال (۴۶۷) اگر زید نے دس قطعہ آراضی یا چھ دیہات بیک عقد فروخت کر دیئے۔ اور شفیع کا جوار صرف ایک قطعہ یا ایک دیہہ کے ساتھ ہے تو شفیع کو صرف اس ایک قطعہ یا دیہہ میں حقِ شفعہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ حاصل ہوگا۔ قنیہ میں ہے:۔ اشتری عشرۃ اقرحۃ مثلا زقۃ والشفیع انما یلازق بعضھا فلا شفعۃ لہ الا فیما یلازقہ وکذالک القریۃ وکذلک الاراضی لان السبب یخصہ وان کان فیہ تفریق الصفقۃ علی المشتری انتہی۔

بعض شفعہ کا ساقط کرنا

سوال (۴۶۸) اگر زید نے دو مختلف شہروں میں واقع دو مکانوں کو بیک معاملہ فروخت کردیا اور ان دونوں

مکانوں کا جار بھی شخص واحد ہے۔ اب شفیع صرف ایک مکان کے بارہ میں دعوئے شفعہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- شفیع اگر چاہے تو دونوں مکان شفعہ میں لے سکتا ہے لیکن صرف ایک کو نہیں لے سکتا۔ قنیہ میں ہے:- اذا اشتری دارین احداھما بالشام والاخری بالعراق وشفیعھما واحد یاخذھما او یترکھما لان فیہ تفریق الصفقۃ علی المشتری مع شمول السبب لھما انتہیٰ۔

شفیع شریک فی المبیع

سوال (۴۶۹) زید و عمرو نے مشترکہ زمین میں دیوار قائم کرکے ایک جانب زید نے اور دوسری جانب عمرو نے قبضہ کرلیا اور دیوار میں شامل ہونے والی زمین مشترک رہی۔ اب زید نے اپنی مملوکہ زمین فروخت کردی تو عمرو کون سا شفیع ہوگا؟۔

جواب:- عمرو شفیع شریک فی المبیع ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:- تکون ارض بین اثنین غیر مقسومۃ بنیا فی وسطھا حائطاً ثم اقتسما الباقی فیکون الحائط وما تحت الحائط من الارض مشترکا بینھما وکان ھذا الجار شریکا فی بعض المبیع انتہیٰ۔

شفیع جار

سوال (۴۷۰) زید و عمرو نے مشترکہ زمین کو تقسیم کرکے حدفاصل پر ایک خط کشید کردیا تو اب ہر ایک شریک دوسرے کے لیے کون سا شفیع ہوگا؟

جواب:- شفیع جار ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:- اما اذا اقتسما الارض وخطا خطاً فی وسطھا ثم اعطی کل منھما شیئاً حتی بنیا حائطا فکل منھما جار لصاحبہ فی الارض شریک فی البناء لا غیر انتہیٰ۔

صرف تعمیر میں شریک کے لیے حقِ شفعہ

سوال (۴۷۱) اگر سرکاری زمین میں دو شخصوں نے شریک ہوکر تعمیر کرلی اور ایک شریک نے اپنا حصہ فروخت کردیا تو دوسرے شریک کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب:- نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:- والشرکۃ فی البناء لا توجب الشفعۃ انتہیٰ۔

غلط فہمی کی وجہ سے سکوت کے بعد شفعہ کرنا

سوال (۴۷۲) شفیع کو اطلاع ملی کہ مشتری زید ہے اس پر وہ خاموش ہوگیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مشتری بکر ہے اب اس کو دعوئے شفعہ کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب:- حاصل ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:- اذا قیل لہ ان المشتری فلان فسلم الشفعۃ ثم علم انہ غیرہ فلہ الشفعۃ۔

چند شفعاء میں سے ایک شفیع کا اپنے حق کو ترک کردینا

سوال (۴۷۳) اگر برابر درجہ کے چند شفعاء میں سے ایک شفیع نے اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کا حق کس کو پہنچے گا؟

جواب:- کل مبیع میں تمام شفعاء کو علی التساوی حقِ شفعہ پہنچے گا۔ ہدایہ میں ہے:- واذا اجتمع الشفعاء فالشفعۃ بینھم علی عدد رؤوسھم ولو اسقط بعضھم حقہ فھی للباقین فی الکل علی عددھم انتہیٰ۔

وکالتِ عامہ میں حقِ شفعہ کا داخل ہونا

سوال (۴۷۴) اگر زید نے اپنے تمام حقوق کے طلب کرنے کے لیے کسی شخص کو وکیلِ خصومت بنا دیا تو وکیل کو زید کی جانب سے طلبِ شفعہ کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ حاصل نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ ولو وکل رجلا بطلب کل حق لہ بالخصومۃ والقبض لیس لہ ان یطلب الشفعۃ انتہیٰ۔

شفعہ کے دو وکیلوں میں سے ایک کو حقِ مخاصمۃ

سوال (۴۷۵) اگر کسی شخص نے دو وکیل بالشفعہ بنائے تو ان میں سے ہر ایک کو حقِ مخاصمۃ حاصل ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ ہر ایک کو حقِ مخاصمۃ حاصل ہے۔ مگر بیع کو بالشفعہ لینے کا اختیار نہیں جب تک دونوں جمع نہ ہوں۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ واذا وکل رجلین بالشفعۃ فلاحدھما ان یخاصم الآخر ولا یاخذ احدھما بدون الآخر انتہیٰ۔

کتاب الرّہن

مرہون کا نفقہ

سوال (۴۷۶) شیٔ مرہون کا نفقہ راہن کے ذمہ ہے یا مرتہن کے؟

جواب:۔ بذمہ راہن ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔ ونفقۃ الرھن علی الراھن انتہیٰ

منافع رہن کا حق

سوال (۴۷۷) شیٔ مرہون کے منافع کا حق دار کون ہے؟

جواب:۔ منافع کا مالک راہن ہے لیکن اگر راہن بخوشی اجازت دے دے تو مرتہن بھی انتفاع کر سکتا ہے لیکن اس کی شرط کرنا ربوا میں داخل ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔ ولیس للمرتھن ان ینتفع بالرھن لا بالاستخدام ولا سکنی ولا لبس الا ان یأذن المالک انتہیٰ۔

اور سراج المنیر میں ہے:۔ ولو اباح للمرتھن اکل ثمار البستان او لبن الشاۃ فلا بأس بہ ان لم یکن مشروطا والاصار قرضا فیہ منفعۃ فیکون ربوا کما فی الجوھر انتہیٰ۔

بعد اذن انتفاع مرہون سے منع کرنا

سوال (۴۷۸) شیٔ مرہون سے انتفاع کی اجازت دینے کے بعد راہن کو ممانعت کا حق ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ حق ہے۔ السراج المنیر میں ہے:۔ ولو اذن الراھن لہ بانتفاع ثم نہی عنہ فلہ ذلک لانہ متبرع وللمتبرع ان یمنع عن التبرع انتہیٰ۔

رہنِ مشاع

سوال (۴۷۹) رہنِ مشاع صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: صحیح نہیں۔ درمختار میں ہے:- لایصح رهن المشاع مطلقا مقارنا او طاریا انتہیٰ۔

اور مجمع البرکات میں ہے:- ولو استحق بعض الرهن مشاعا بطل الرهن فی الباقی اتفاقا لانه شیوع مقارن کذا ذکرہ الامام خواھرزادہ فی المبسوط انتہیٰ۔

ارضِ مرہونہ کا خراج

سوال (۴۸۰) آراضی مرہونہ کا خراج بذمۂ راہن ہوگا یا بذمۂ مرتہن؟

جواب:- بذمۂ راہن ہے۔ ہدایہ میں ہے:- والخراج علی الراهن خاصة لانه من مؤن الملک انتہیٰ۔

مرتہن کے لیے نفع حاصل کرنا

سوال (۴۸۱) راہن کے اجازت دینے کے بعد مرتہن کے لیے شئ مرہونہ سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- مکروہ ہے۔ اشباہ میں ہے:- ویکرہ للمرتهن الانتفاع بالرهن باذن الراهن انتہیٰ۔

اور قنیہ میں ہے:- عن ابی یوسف المرتهن سکن الدار المرهونة باذن الراهن یکرہ واطلق فی الصرف انه یکرہ والاحتیاط فی الاجتناب عنه لما فیه من شبهة الربا انتہیٰ۔

اور حموی حاشیہ اشباہ میں تحریر فرماتے ہیں:- فی الجامع المحیط الائمة عن عبداللہ بن محمد بن اسلم انه لا ینتفع بشئ منه وان اذن له الراهن لانه اذن فی الربا لانه یستوفی دینه فتکون المنفعة ربا انتہیٰ۔

بلغ مرہونہ سے مرتہن کا نفع حاصل کرنا

سوال (۴۸۲) خالد اپنی زمین یا قطعہ باغ ولید کے پاس گروی رکھ کر اس کی پیداوار در فصل کو اس کے لیے مباح اور حلال کرتا ہے تو مرتہن کے لیے یہ نفع جائز ہوگا اور اگر نہیں تو کیوں؟

جواب:- جائز نہیں۔ درمختار کے حاشیہ للطحطاوی میں ہے:- فی شرح الملتقی انه یحرم الانتفاع بلا اذن وبه یکرہ کما فی المضمرات وغیرھا انتہیٰ۔

اسی میں اور مذکور ہے:- والغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وهو مما یعین المنع انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انتفاع بغیر اذن حرام اور مع الاذن مکروہ تحریمی ہے۔ خواہ شرط لگائی جائے جیسا کہ بعض لوگ رہن نامہ میں لکھا لیتے ہیں اور بعض محتاط اگرچہ شرط نہیں لگاتے مگر مقصود انتفاع ہوتا ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ کا دستور ہے۔ اگر مرتہن کو یہ معلوم ہوجائے کہ راہن انتفاع کی اجازت نہ دے گا تو کبھی رہن قبول نہ کریں گے یہ صورت بھی حکماً شرط ہی کی ہے اور مکروہ تحریمی ہے۔ اور حدیث میں بھی ایسی صورت سے ممانعت وارد ہے۔

تاریخ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:۔ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا اقرض احدکم فلا یاخذ ھدیۃ کذا فی انما شتۃ اللھفان انتہی۔

اسی میں دوسری جگہ ہے:۔ فی صحیح البخاری عن ابی ھریرۃ رضؓ عن ابی موسیٰ قال قدمت المدینۃ فلقیت عبداللہ بن سلام فقال لی انک بارض الربا فیہ فاش فاذا کان لک علیٰ رجل حق فاھدی الیک محل شعیر فلا تاخذہ فانہ ربا وجاء ھذا المعنی عن ابن مسعودؓ وابن عباسؓ وابن عمرؓ انتہیٰ۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں عطار سے روایت ہے:۔ کانوا ای الصحابۃ یکرھون کل قرض جر بہ منفعۃ انتہیٰ

اور مسند ابن اسامۃ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:۔ کل قرض جر بہ نفعا فھو ربا انتہیٰ

ان احادیث اور اقوالِ صحابہؓ سے معلوم ہوا کہ قرض دینے والے کو مقروض سے ہدیہ لینا یا کسی قسم کی منفعت حاصل کرنا باوجود اس کی رضا ورغبت کے مکروہ تحریمی ہے۔ اور فقہ کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ باجازت راہن مرتہن کے لئے نفع حاصل کرنا جائز ہے تو یہ جواز صرف اس صورت میں ہے جبکہ اذن خالص ہو اور شرط کا ظاہری و باطنی اعتبار سے شائبہ تک نہ ہو اور اگر زمانہ کے دستور کے موافق دل میں خیال بھی آگیا تو ربا ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اگرچہ ایک جماعتِ فقہاء نے اذن کی صورت میں جائز قرار دے دیا لیکن فقہاء کا ایک جم غفیر منع کرتا ہے طحطاوی کی عبارت اس پر شاہد ہے اور تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:۔ لیس للمرتھن ولا للراھن ان یزرع الأرض ولا یواجرھا لانہ لیس لھما الانتفاع بالرھن انتہیٰ

اور قنیۃ میں جامع التفاریق سے منقول ہے:۔ عن ابی یوسفؒ المرتھن یسکن الدار باذن الراھن یکرہ انتہیٰ

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ الحاصل ان المرتھن لا ینتفع بالرھن سواء اذن لہ الراھن اولم یاذن وفی التھذیب یکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن وان اذن لہ الراھن کذا فی المعدن انتہیٰ۔

اور حواشی اشباہ میں ہے:۔ فی الجامع بلجمن الائمۃ عن عبداللہ بن محمد بن اسلم ان لا یحل لہ ان ینتفع بشیٔ منہ وان اذن لہ الراھن لانہ اذن فی الربا لانہ یستوفی دینہ فیکون المنفعۃ ربا انتہیٰ

اور اشباہ میں ہے:۔ یکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن باذن الراھن انتہیٰ۔

اور اس مسئلہ کی مزید تحقیق میرے رسالہ الفلک المشحون فیما یتعلق بانتفاع المرتھن بالمرھون میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

رہن شدہ نوٹ سے نفع حاصل کرنا

سوال (۳۰۴) زید نے اپنا ایک نوٹ عمرو کے پاس اس شرط پر رکھا کہ عمرو اس کا منافع زید کو دیتا رہیگا تو اب نوٹ سے حاصل شدہ نفع زید کے لیے جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں۔ کیا یہ بھی سود ہے؟

جواب:۔ یہ نفع صراحۃً سود اور حرام ہے۔ کیونکہ نوٹ اگرچہ بظاہر کاغذ ہے مگر فی الحقیقت اور بحسب الاستعمال روپیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا نوٹ ہلاک کردے تو اس پر نوٹ (کاغذ) کی قیمت واجب نہیں ہوتی بلکہ دس روپیہ واجب ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے پاس نوٹ کا رکھنا بعینہ روپیہ کا رکھنا ہے اور اس سے

نفع حاصل کرنا قطعی حرام ہے۔

مکانِ مرہون کو کرایہ پر دینا

سوال (۴۸۴) ہندہ نے نابالغ زید سے (جبکہ اس کی عمر آٹھ سال تھی) ڈیڑھ ہزار روپیہ قرض لے کر اپنا مکان دو ماہ کے لیے گروی کر دیا۔ اور خود اس مکان میں رہتی رہی، زید کا قبضہ ابھی تک نہ ہوا تھا، اس نے یہی مکان ہندہ کے لڑکے عمرو کو سوا گیارہ روپیہ ماہانہ کرایہ پر دیدیا اور عمرو نے لیتے وقت یہ الفاظ کہے تھے۔ میں فلاں مکان زید سے اتنے کرایہ ماہانہ پر لیتا ہوں اور رہن کے ختم ہونے تک مقررہ کرایہ ہر ماہ ادا کر دوں گا اور ایک اقرار نامہ لکھدیا کہ رہن کی مقررہ میعاد دو ماہ کے عرصہ میں اس مکان کے بدلہ میں مرتہن کے پاس فلاں جگہ رہن کردوں گا۔ ورنہ مکمل ایک سال کا کرایہ بحساب مذکورہ ایک سو پینتیس روپیہ اپنے پاس سے مرتہن کو دوں گا۔ لیکن عمرو کرایہ کے مکان میں رہنے کے بجائے اسی محلہ میں واقع اپنے مملوکہ مکان میں رہتا ہے اور وہ مکان ہندہ کے رہنے کی وجہ سے خالی بھی نہ تھا غرضیکہ عمرو نہ اس مکان میں رہا اور نہ اقرار پورا کیا کہ رہن چھڑانے تک دوسری جگہ گروی رکھتا۔ اور گیارہ ماہ گذرنے کے بعد اس کے بدلہ میں کوئی جگہ دیتا ہے۔ لیکن ایام گذشتہ اور آنے والے کافی عرصہ تک کرایہ کا ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔ اور نہ زید نے ہی مطالبہ کیا۔ اب ساڑھے چار سال بعد زید نالش کرتا ہے کہ میرا مکان کرایہ پر ہے اور اس نے آج تک مجھ کو کچھ نہیں دیا۔ لہٰذا اس مدت کا کرایہ (چھ سو سات روپیہ آٹھ آنہ) دلایا جائے۔ عمرو جواب میں کہتا ہے کہ زید کے صغیر اور نابالغ ہونے کی بناء پر رہن ہی صحیح نہ ہوا تھا اور جب کہ دوسری جگہ مکان کے بدلہ میں گروی رکھ دی گئی تو مکان رہن نہ رہا۔ لہٰذا کرایہ اور کرایہ نامہ جو رہن کی صحت وبقاء پر متفرع تھے خود بخود باطل ہو گئے۔ اس پر زید کہتا ہے کہ بے شک میں اس وقت نابالغ ضرور تھا مگر میرے باپ بکر نے میرے ولی کی حیثیت سے میرے نفع کی خاطر میری طرف سے مکان گروی رکھ لیا۔ اور پھر میری ہی جانب سے عمرو کو کرایہ پر دیا۔ دونوں کے اقوال سننے کے بعد حاکم دیوانی نے اقرار نامہ اور کرایہ نامہ کی اس تحریر کو دیکھ کر رہن ختم ہونے تک کرایہ ہر ماہ ادا کروں گا۔ فیصلہ کر دیا کہ جب تک مکان کو رہن سے چھڑا کر دوسری جگہ اس کے بدلہ میں گروی نہیں رکھی گئی تھی اس وقت تک کا کرایہ عمرو کو دینا ہوگا اور اس کے بعد رہن اور اجارہ دونوں ختم ہو جائیں گے۔ اور چونکہ فک رہن اور تبدیلی گیارہ ماہ کے بعد ہوئی تھی اس لیے گیارہ ماہ کا کرایہ ایک سو تیئس روپے بارہ آنے عمرو کے ذمہ واجب الاداء ہے باقی کا دعویٰ غیر مسموع ہوگا۔

اب عمرو قاضی شرع کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گیا۔ چونکہ تمام معاملات شرعیہ کے لیے عقل وبلوغ شرط ہے اور زید اس وقت نابالغ تھا اور باپ کے تصرف کرنے کا ثبوت بھی نہیں ملتا۔ کیونکہ تحریر میں صرف زید کا نام مکتوب ہے۔ اس لیے رہنِ مذکورہ باطل تھا۔ اور پھر اس مکان میں خود رہن رکھنے والی ہندہ کی

سکونت کے باعث مرتہن کو قبضہ بھی نہیں ملا اور رہن مرتہن کے قبضہ کے زائل ہو جانے کے بعد باطل ہو جایا کرتا ہے اب کرایہ اور کرایہ نامہ بھی صحت رہن پر متفرع ہونے کی وجہ سے لغو اور بے کار ہو گئے لہٰذا زید ایک حبہ کا بھی حق نہیں رکھتا۔ گویا کہ قاضی نے حاکم دیوانی کے فیصلہ کو منسوخ اور عمرو کو دعویٰ سے بالکلیہ بری کر دیا۔ اب زید مستغیث بن کر صدر مرافعہ کی عدالت چیف کورٹ میں آیا اور حاکم نے تیسرے مفتی سے فتویٰ معلوم کیا جس کا خلاصہ یہ تھا۔ روئداد مثل اور گواہوں کے اظہار سے رہن وقبض دخل مرتہن اور عمرو کو گیارہ روپیہ چار آنہ ماہانہ کرایہ پر دینے کا جواز بخوبی ثابت ہو گیا۔ اور اجارہ کی صحت کے لئے مواجر کے لیے کوئی شرط نہیں۔ بلکہ مرتہن اگر شئی مرہونہ مقبوضہ کو بلا اجازت راہن اجارہ پر دیدے تو اجارہ صحیح اور نافذ ہو گا۔ اور مرتہن اجرت کا مستحق۔ اور قاضی شرع کہ مرتہن کے نابالغ ہونے کی وجہ سے رہن کو غیر صحیح اور معاملات شرعیہ کو صرف بالغوں کے درمیان منحصر سمجھتا ہے۔ غلط ہے اور نہ دستاویز میں باپ کی ولایت کا ذکر شرعاً ضروری ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک مدعی (زید) تمام مدعا علیہا (چھ سو سات روپیہ آٹھ آنہ) کا مستحق ہے۔ مذکورہ بالا فتووں کو دیکھ کر حاکم نے مدعی (زید) کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

یہ ہے صورت واقعہ اور خلاصہ۔ اس مسئلہ میں حکم شرعی کیا ہے اور تینوں میں سے کون سا حکم شریعت کے مطابق ہے اور رہن مذکور صحیح ہوا یا نہیں اور عمرو کے ذمہ کتنا کرایہ واجب ہو گا؟

جواب: صورت مذکورہ میں زید وہندہ کے درمیان جو رہن کا معاملہ ہوا۔ قبض مرتہن کے مفقود ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ قبض مرتہن جواز رہن کے لئے شرط ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ قال محمد فی کتاب الرهن لایجوز الرهن الامقبوضا فقد اشار الی ان القبض شرط جواز الرهن وقال الشیخ المعروف بخواهرزاده الرهن قبل القبض جائز الا انه غیر لازم وانما یصیر لازما فی حق الراهن بالقبض وکان القبض شرط اللزوم لاشرط الجواز کالقبض فی الهبة والاول اصح کذا فی المحیط انتهیٰ۔

اور کرایہ نامہ بھی صحت رہن پر متفرع ہونے کی وجہ سے لغو اور غیر معتبر ہو گا۔ زید اس کا حقدار نہ ہو گا۔ نیز کرایہ نامہ لکھنے والے نے معقود علیہ (مکان) پر قبضہ نہیں کیا۔ اس لئے زید کو کرایہ لینے کا حق ہے ہی نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے ومنها ای شرائط انعقاد الاجارة تسلیم المستاجر فی اجارة المنازل ونحوها اذا کان العقد مطلقا عن شرط لتعجیل حتی لو انقضت المدة من غیر تسلیم المستاجر لایستحق شیئاً من الاجرة انتهیٰ۔

اسی میں یہ بھی ہے:۔ ثم الاجرة تستحق باحدی الثلاثة اما بشرط التعجیل او بالتعجیل وباستیفاء المعقود علیه انتهیٰ اس کو دیکھتے ہوئے قاضی شرع کا حکم صحیح ہے اور حاکم دیوانی اور مفتی ثالث کا حکم قابل التفات نہیں۔

ارض مرہونہ کے منافع واپس کرنا۔

سوال (۵۸۴) زید نے اپنا ایک قطعہ زمین دس روپیہ کے عوض بکر کے پاس گروی کردی اور اس

زمین سے حاصل ہونے والے منافع بھی اس کے واسطے حلال کر دیئے۔ دس سال کے بعد زید نے رقم ادا کر کے زمین واپس لے لی۔ اس عرصہ میں بکر نے جو منافع حاصل کیئے وہ اس کے لیئے جائز تھے یا نہیں۔ اور عدم جواز کی صورت میں اگر بکر کے پاس اس زمین کے منافع مثلاً پانچ روپیہ موجود ہیں۔ اگر زید ان کو ایک روپیہ میں بکر کے ہاتھوں فروخت کر دے تو اس کے بعد بکر ناجائز فعل کے ارتکاب سے بری ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو تمام منافع دینے کے بعد بھی اس کی برات ممکن ہے یا غیر ممکن؟

جواب:۔ بکر کے لیئے ان منافع کا لینا جائز نہ تھا اور نہ زید اس کو بعوض ایک روپیہ فروخت کر سکتا ہے بلکہ تمام محاصل ومنافع کو واپس کرنا لازم وضروری ہے اور اسی صورت میں نجات ممکن ہے۔

کِتَابُ الاِجَارَۃ

زمین کو ٹھیکہ پر دے کر کچھ محصول معاف کر دینا

سوال (۴۸۶) زید اپنے مملوکہ موضع قاسم پور جس کی آمدنی تین سو روپیہ سالانہ تھی۔ خالد سے ایک ہزار روپیہ پیشگی لے کر اس کے نام سو روپیہ کا پٹہ لکھ دیا۔ اور اصل آمدنی کے دو سو روپیہ محض پیشگی روپیہ لینے کی وجہ سے معاف کر دیئے۔ تو خالد کے لیئے دو سو روپیہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زید اپنے مملوک موضع کے بارہ میں خود مختار ہے جس قدر چاہے ٹھیکہ دے، البتہ اگر یہ شرط کی گئی کہ ایک ہزار روپیہ پیشگی لینے کے عوض دو سو روپیہ چھوڑتا ہوں تو بے شک یہ ربا اور سود ہوگا جس کا لینا حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

علی محمد، صح الجواب محمد عبدالحیٔ

کھجور کے درختوں کو اجارہ پر دینا

سوال (۴۸۷) اکثر بلاد میں کھجور کے درختوں کو اجارہ پر دینے کے لیئے بولا جاتا ہے اور کرایہ دار اس کا ثمر کم اور نیرا (درخت کا پانی) فروخت کرتے ہیں اور پیتے بھی ہیں۔ اور بعض علماء اس میں سکر نہ ہونے کی وجہ سے حلت اور جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ نیرے میں دو تین پہر کے بعد آفتاب کی گرمی سے سکر پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ لوگ اس سے سرکہ بھی بناتے ہیں اور شراب بھی، تو اس صورت میں درختوں کا بونا، خرید وفروخت کرنا یا اجارہ پر دے کر نفع حاصل کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور جب کہ درخت کھجور اور تاڑ کے پانی اور اس میں سکر قطعاً نہ ہو تو اس کا پینا کیسا ہے؟۔

جواب:۔ حدیث صحیح میں مذکور ہے ما اسکر فقلیلہ حرام۔ رواہ احمد والدارقطنی وغیرھما یعنی جس شے کی کثیر مقدار مسکر (نشہ پیدا کرنے والی) ہو تو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے لہٰذا اگر نیرا کثیر مقدار میں بھی مسکر نہیں تو حلال ہوگا۔ ورنہ پھر قلیل مقدار بھی حرام ہوگی۔ اور صورت مذکورہ میں محض نیرے کی منفعت کے لیئے کھجور کا بونا، خرید وفروخت کرنا اور اجارہ پر

دینا درست نہ ہوگا۔

اجیرِ مشترک سے ضمان لینا

سوال (۴۰۸) ایک دریا سے کسی متعین جگہ لٹھے پہنچانے کے لئے گاڑیاں کرایہ پر لی گئیں۔ گاڑی بانوں نے مالک سے کہا کہ لٹھے ہماری گاڑیوں کے متصل کھولدو ہم اپنی گاڑیوں میں بھرلیں گے اس پر مالک نے کہا کہ اس جگہ لٹھوں کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لئے دوسری محفوظ جگہ پہ کھولے دیتے ہیں۔ وہاں سے تم بھرلینا۔ گاڑی بانوں نے پھر کہا کہ ہم کو سہولت اسی جگہ رہے گی اور اگر یہاں سے کوئی لٹھا ضائع ہوگیا توہم ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ ان کے کہنے پر لٹھے کھول کران کے سامنے شمار کرادیئے گئے۔ رات گذرگئی۔ صبح جب گاڑیاں بھری گئیں توان میں سے دو لٹھے گم تھے جو دریا میں بہہ گئے۔ تلاش کرنے کے بعد ایک تو مل گیا، مگر اس صورت میں گمشدہ لٹھے کی قیمت کا تاوان اور تلاش کے مصارف گاڑی بانوں سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں اور جواز کی صورت میں قیمت کس قدر لی جائے گی۔

جواب:۔ اگرچہ بقول امام اعظمؒ تاوان لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ گاڑی بان اجیرِ مشترک ہے جس کے بارہ میں حکم یہ ہے۔ اگر اجیر مشترک کے قبضہ سے غیر اختیاری طور پر شئی ہلاک ہوجائے توضمان اور تاوان نہیں آتا۔ خواہ ضمان کی شرط بھی کرلی گئی ہو کیونکہ وہ مال اس کے قبضہ میں امانت ہے اور امانت میں ضمان کی شرط لگانا باطل اور لغو ہے۔ اور اسی قولِ امام پر فتویٰ ہے۔ اصحابِ متون اور اکثر کتبِ معتبرہ میں اسی کو مذہب ٹھہرایا گیا۔ بخلاف روایت اشباہ کے۔

درمختار میں ہے:۔ ولا یضمن ما ھلک فی یدہ وان شرط علیہ الضمان لان شرط الضمان فی الامانۃ باطل کالمودع وبہ یفتی کما فی عامۃ المعتبرات وبہ جزم اصحاب المتون فکان ھو المذھب خلافا لما فی الاشباہ۔

اورعالمگیریہ میں ہے:۔ وحکم الاجیر المشترک ان ھلک فی یدہ من غیر صنعہ فلا ضمان علیہ فی قول ابی حنیفۃ وھو قول زفر والحسن وانہ قیاس سواء ھلک بامر یمکن التحرز عنہ کالسرقۃ والغصب او بامر لایمکن التحرز عنہ کالحرق الغالب والغارۃ الغالبۃ انتھیٰ۔

لیکن اس زمانہ میں قولِ صاحبین پر فتویٰ ہے یعنی ضمان لینا جائز ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے:۔

وبقولھما یفتی الیوم لتغیر احوال الناس وبہ یحصل صیانۃ اموالھم کذا فی التبیین انتھیٰ۔

اس صورت میں گاڑی بانوں سے گمشدہ لٹھے کی قیمت اور تلاش کرانے کے مصارف اسی جگہ کے حساب سے لیئے جائیں گے جس جگہ گم ہوا۔ لیکن جبر نہ کرنا اولیٰ وافضل ہے، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے:۔

وبعضھم افتوا بالصلح عملا بالقولین والشیخ الامام ظھیر المرغینانی یفتی بقول ابی حنیفۃ قال صاحب العری خفلت لہ یوما من قال منھم یفتی بالصلح ھل یجبر الخصم لو امتنع قال کنت افتی بالصلح فی الابتداء فرجعت لھذا انتھیٰ۔ واللہ اعلم۔ شجاعت علی

فی الواقع اجیر مشترک پر باوجود شرطِ ضمان امام صاحب کے نزدیک ضمان واجب نہیں اور صاحبین کے نزدیک

واجب ہے بشرطیکہ وہ اجیر اس مال کو ہلاکت سے محفوظ رکھنے پر قادر ہو۔
ردالمحتار میں ہے:۔ حاصل مافی فتاوی الطوری عن المحیط ان ضمان المشترک ماتلف مقید بثلثة شروط ان یکون فی قدرته رفع ذلک فلو غرقت بموج او ریح او صدمة جبل لا یضمن۔ انتہی۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

عوض اجارہ کی مقدار

سوال (۴۸۹) زمیندار اپنی طرف سے رعایا اور اسامیوں پر بطور اجارہ جو کچھ مقرر کرتے ہیں اس کی کوئی مقدار شرعاً متعین ہے یا دونوں کی رضامندی اور خوشنودی پر موقوف ہے۔

جواب:۔ اس کی کوئی حد متعین نہیں بلکہ اس کا مدار طرفین کی رضامندی پر ہے، ملتقی الابحر مع شرح مجمع الانہر میں ہے: هی ای الاجارة بیع منفعة معلومة بعوض معلوم دین ای مثلی او عین ای قیمتی انتہی۔

اجارہ میں مدت کا ذکر کرنا

سوال (۴۹۰) زمیندار اپنی زمین کاشتکاری کے لئے کسی شخص کو مقررہ اجرت پر دیتا ہے۔ مگر مدت کا ذکر نہیں کرتا تو یہ اجارہ صحیح ہوگا یا فاسد؟

جواب:۔ فاسد ہے۔ درمختار میں ہے:۔ کل ما افسد البیع یفسدها کجهالة ماجور او اجرة او مدة او عمل انتہی
اور عالمگیریہ میں ہے:۔ الفساد قد یکون بجهالة قدر العمل بان لا یعین محل العمل وقد یکون بجهالة قدر المنفعة بان لا یبین المدة وقد یکون بشرط فاسد مخالف لمقتضی العقد انتہی۔

فعلِ معصیت پر اجارہ کا حکم

سوال (۴۹۱) کسی فعلِ معصیت مثلاً غنا۔ و نوحہ پر اجارہ کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ صحیح نہیں۔ ہدایہ میں ہے:۔ ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح انتہی۔
اور عالمگیریہ میں ہے:۔ لا یجوز الاستیجار علی المعاصی لانه استیجار علی منفعة غیر مقدور الاستیفاء شرعاً

کنواں وغیرہ کھودنے کے لئے اجارہ

سوال (۴۹۲) کنواں یا تہہ خانہ کھودنے کے لئے جو اجارہ ہوتا ہے اس میں طول و عرض اور عمق کا بیان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ضروری ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ لو استاجره لیحفر له بئراً او سرداباً لا بد ان یبین الموضع وطول البئر وعمقه ودوره وفی السرداب یبین طوله وعرضه وعمقه کذا فی الغیاثیة انتہی۔

کنواں کھودنے کے اجارہ میں پانی کی شرط لگانا

سوال (۴۹۳) اگر کنواں کھودنے کے اجارہ میں یہ شرط لگائی کہ دس سال تک پانی کم نہ ہونا چاہئے تو شرط صحیح ہے یا فاسد؟

جواب:۔ فاسد ہے۔ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف اور طاقتِ بشری سے خارج ہے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

کنواں پختہ کرانے کے مصارف بذمۂ اجیر

سوال (۴۹۴) اگر کنواں کھودنے کا اجارہ اس شرط پر ہوا کہ پختہ کرنے کے لئے اینٹ اور چونہ کے مصارف بذمۂ اجیر ہوں گے تو صحیح ہے یا فاسد۔

جواب:- فاسد ہے عالمگیریہ میں ہے:- لو استاجرہ لیکری لہ نہرًا او قناۃ خارۃ مفتحھا ومصبھا وعرضھا وسمی لہ فھو جائز وان اشترط طیھا بالاجر والجص من عند الاجیر فھو فاسد انتہیٰ۔

اجارۂ فاسد کا حکم

سوال (۴۹۵) اجارۂ فاسد کا کیا حکم ہے؟

جواب:- اگر بوقت اجارہ اجرت متعین کردی گئی تھی تو اس صورت میں اجرت مثل دلائی جائے گی بشرطیکہ مقررہ اجرت سے زائد نہ ہو اور اگر پہلے کوئی اجرت ہی متعین نہیں ہوئی تو پھر اجرت مثل جس قدر بھی ہو دلائی جائے گی۔ عالمگیریہ میں ہے:- فالفاسد یجب فیہ اجر المثل ولا یزاد علی المسمی ان سمی فی العقد مالا معلوما وان لم یسم یجب اجر المثل بالغا ما بلغ انتہیٰ

بلا تعین اجرت کام کرنا

سوال (۴۹۶) اگر کسی صاحب حرفہ نے بلا تعین اجرت کسی شخص کا کوئی کام کر دیا تو اب کتنی اجرت لازم ہوگی؟۔

جواب:- اجرت مثل لازم ہوگی۔ اشباہ میں ہے:- لو عمل لہ شیئًا ولم یستاجرہ وکان الصانع معروفا بتلک الصنعۃ وجب اجر المثل علی قول محمد وبہ یفتی انتہیٰ۔

معقود علیہ سے اجرت دینا

سوال (۴۹۷) اگر کوئی شخص مزدور یا چوپایہ پر اپنا غلہ مکان پر لاتا ہے یا بھوننے کے لیے بھاڑ پر لے جاتا ہے اور اس کی اجرت اسی غلہ میں سے مقرر کرتا ہے تو یہ اجارہ صحیح ہوگا یا فاسد؟

جواب:- مکان پر غلہ لانے اور بھوننے کی صورت میں اسی غلہ سے اجرت مقرر کرنا صحیح نہیں اور یہ اجارہ فاسد ہوگا۔ اور اس وقت اجرت مثل دینی چاہیے۔ لیکن اگر مذکورہ صورتوں میں نقدی یا مطلقًا غلہ کو اجرت قرار دیا گیا تھا لیکن بعد میں اس کے بجائے مذکورہ غلہ سے ادا کرتا ہے تو صحیح ہوگا۔ اشباہ میں ہے:- استاجرہ بحمل طعام بقفیز منہ فالاجارۃ فاسدۃ ویجب اجر المثل لا یجاوز بہ المسمی انتہیٰ

اور درمختار میں ہے:- لو دفع غزلا لاخر لینسجہ بنصفہ او استاجر بغلا لیحمل طعامہ ببعضہ او ثورا لیطحن برہ ببعض دقیقہ فسدت فی الکل لانہ استاجرہ بجزء من عملہ والاصل فی ذلک نہیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عن قفیز الطحان والحیلۃ ان یفرز لہ الاجر اولا او یسمی قفیزًا بلا تعیینہ ثم یعطیہ قفیزا منہ فیجوز انتہیٰ

مقدار معین پر اجارہ کرنا

سوال (۴۹۸) زمین کو مدت متعینہ اور مقررہ اجرت پر بطور اجارہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اس کا نفع

مستاجر کے لیے حلال ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مدتِ معلومہ اور اجرت متعینہ پر اجارہ کرنا کافر مسلم سب سے جائز ہے۔ عالمگیریہ میں بھی یہی مذکور ہے اور نفع حاصل کرنا بھی جائز ہے۔ لان الاجارۃ ھی تملیك المنافع بعوض کذا فی الھدایۃ انتہیٰ۔

غلام کو اجارہ پر دینا

سوال (۴۹۹) اپنے غلام کو متعینہ مدت کے لیے اجرت مقررہ پر کسی کی خدمت کے لیے اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے، عالمگیریہ میں ہے:۔ عن محمد اعطیتك ھذا العبد سنۃ بخدمك ھکذا جاز ویکون اجارۃ کذا فی الخلاصۃ انتہیٰ۔

مرضعہ کو اجارہ پر رکھنا

سوال (۵۰۰) مرضعہ کو دودھ پلانے کے لیے اجارہ پر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ یجوز استیجار الظئر باجرۃ معلومۃ کذا فی الھدایۃ انتہیٰ۔

اولادِ کافر کی رضاعت کے لیے مسلمان عورت کا اجارہ

سوال (۵۰۱) کافر کے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے مسلمان عورت کا نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ لا بأس للمسلمۃ بان ترضع ولد الکافر باجر کذا فی فتاوی قاضیخاں انتہیٰ

کافرہ عورت کو ملازم رکھنا

سوال (۵۰۲) کافرہ یا ایسی زانیہ عورت کو جس سے ولدالزنا ہوچکا ملازم رکھنا مسلمان کے لیے جائز ہے یا نہیں

جواب:۔ جائز ہے ولا بأس بان یستاجر المسلم الظئر الکافرۃ والتی ولدت من الفجور کذا فی المبسوط انتہیٰ۔

کتابتِ قرآن پر اجرت دینا

سوال (۵۰۳) اگر کسی کاتب سے قرآن یا اشعار لکھا کر اس کو اجرتِ مقررہ دی جائے تو جائز ہے یا نہیں

جواب:۔ جائز ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ لو استاجر رجلا لیکتب لہ مصحفا او شعرا وبین الخط جاز وذکر شیخ الامام المعروف بخواھر زادہ انہ لا یکرہ ذلك کذا فی فتاوی قاضی خاں انتہیٰ

مزدور کو ادائے نماز کے لیے اجازت کی ضرورت

سوال (۵۰۴) مزدور جو یومیہ مزدوری پر کام کرتا ہے اس کو ادائے نماز کے لیے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ فرائض وواجبات اور سننِ مؤکدہ کے ادا کرنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں اور نوافل بلا اجازت نہ پڑھے۔ سراجِ منیر میں ہے:۔ لو استاجر یوما کان للاجیر ان یعمل کل الیوم ولا یشتغل بشئی سوی الصلوۃ المکتوبۃ انتہیٰ اور نصاب الاحتساب میں اجارات المحیط کے حوالہ سے مذکور ہے:۔ اذا استاجر رجلا یوما یعمل کذا فعلیہ ان

یعمل ذلک العمل الی تمام المدۃ ولا یشتغل بشئ آخر سوی المکتوبۃ انتہیٰ۔

اور فتاویٰ اہلِ سمرقند میں ہے:۔ وقد قال بعض مشائخنا لہ ان یؤدی السنۃ ایضا واجمعوا علی انہ لا یؤدی نفلا وعلیہ الفتویٰ انتہیٰ۔

کنواں بنانے والے اجیر کا کنویں میں گر جانا

سوال (۵۰۵) اگر کنواں کھودنے اور اینٹ و چونہ سے پختہ کرنے کے لیے اجارہ کیا گیا اور اجیر کھودنے یا پختہ کرنے کے بعد اس میں گر گیا تو اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اگر پختہ کرنے کے بعد گرا تو پوری اجرت کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ اجیر کا کام پورا ہوگیا۔ اور اگر پختہ کرنے سے پہلے گر گیا تو اپنے عمل کے مطابق اجرت کا مستحق ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ لو کان بئرماء فشرط علیہ مع حضرۃ وطیہا بالآجر والجص ففعل منہا ثم انہارت فلہ الاجر کاملا وان انہارت قبل ان یطویہا بالآجر فلہ الاجر بحساب ذلک کذا فی المبسوط۔ انتہیٰ۔

کپڑے خشک کرنے کے لیے درخت کرایہ پر لینا

سوال (۵۰۶) کپڑے خشک کرنے کے لیے درخت کرایہ پر لینا جائز ہے یا نہیں:

جواب:۔ جائز نہیں۔ کیونکہ عقدِ اجارہ کی صحت کی منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ منفعت مقصود ہو اور یہ عقد اجارہ سے اس نفع کی تحصیل معتاد و متعارف ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ ومنہا ان تکون المنفعۃ مقصودۃ معتاد استیفاؤہا بعقد الاجارۃ ویجری بہا التعامل بین الناس فلا یجوز استیجار الاشجار لتجفیف الثوب علیہا انتہیٰ

کفار کی ملازمت کرنا

سوال (۵۰۷) کفار کی ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ کفار کی ملازمت کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) جائز ہے بلا کراہت مثلاً حقوق کے ثابت کرنے، شر و فساد کو دفع کرنے، چور اور ڈاکوؤں سے حفاظت کرنے، پل اور مہمان سرائے اور دیگر مفید عمارتوں کے بنانے کے لیے ملازمت کی جائے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ وقت سے جو کافر تھا خزائنِ مصر کے داروغہ بننے کی درخواست کی تھی۔ تاکہ عدل و انصاف قائم کرسکیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰؑ کو دودھ پلانے کے لیے فرعون کی ملازمت کی تھی۔

(۲) جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ مثلاً ایسی نوکری کرنا جس میں کفار کے سامنے کھڑے رہنا اور تعظیم کرنا لازمی و ضروری ہو کہ جس سے مسلمان کی بے عزتی اور ہتکِ شان متصور ہوتی ہے جیسے سررشتہ داری وغیرہ۔

(۳) حرام ہے۔ مثلاً معاصی منہیات و ممنوعاتِ شرعیہ پر ملازمت کرنا۔ جیسا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جانے والی فوج اور پولیس میں ملازمت کرنا۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

کافر کی حفاظت کے لیئے ملازمت کرنا

سوال (۵۰۸) ساہوکار پرخطر راستوں میں مسلمانوں کی جماعت کو بطور بدرقہ ملازم رکھتے ہیں یہ ملازمت مسلمانوں کے لیئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے اور اس صورت میں اگر مسلمان ان کے ہمراہ مارا جائے تو اس کو نہ شہادت کا ثواب ملے گا اور نہ مستحق عقاب ہوگا لالہ ولا علیہ بلکہ من مات علی الفراش کے مانند ہوگا۔

طاعات پر اجرت لینا

سوال (۵۰۹) تعلیم قرآن اور اذان واقامت جیسی طاعات پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ متقدمین نے طاعات پر اجرت لینے کو ناجائز قرار دیا لیکن متاخرین نے امور دین کی ادائیگی میں کسل و سستی کی بنا پر جواز کا فتویٰ دیا۔ اور بعض متاخرین نے دونوں میں اس طرح تطبیق دی کہ بغیر تعیین زمان ومکان محض نفس تعلیم قرآن اور اقامت پر اجرت لینا درست نہیں اور کسی کے گھر پر جاکر صبح سے شام تک اس کے بچوں کو تعلیم دینا یہ ایسا کام ہے جس پر اجارہ منعقد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مسجد کی تعیین اور پنجوقتہ نماز کی حاضری کی پابندی اگرچہ تو پھر اذان وامامت پر بھی اجارہ صحیح ہو سکتا ہے۔

تعویذات پر اجرت لینا

سوال (۵۱۰) تعویذات قرآنی پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔

غبن فاحش کے ساتھ اجارہ کرنا

سوال (۵۱۱) اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ اجارہ غبن فاحش کے ساتھ ہوا ہے تو کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر اجارہ غبن فاحش کے ساتھ ہو تو حکم اصلی یہ ہے کہ اجرت مثل واجب کی جائے۔ مگر جب کہ دعوے قاضی کے یہاں پہنچ گیا تو قاضی ماہرین سے پوچھے کہ مدعی کا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔ اگر مدعی کی تصدیق کردیں تو اجارہ کو فسخ کردے۔ درمختار میں ہے:۔ ولو ادعی رجل انہا بغبن فاحش فان اخبر القاضی ذو خبرۃ انہا کذلک فسخہا انتہی۔ اور حاشیہ طحطاوی میں ہے:۔ ولو ادعی رجل انہا بغبن فاحش فالاصل صحتہا باجر المثل لا اذا اخبر القاضی یعنی لایحکم بعدم صحتہا بمجرد دعواہ انہا بغبن فاحش نظراً للاصل المذکور بل یرجع الی قول قول اھل البصر والامانۃ انتہی۔

اجرت مثل کی حقیقت

سوال (۵۱۲) اجرت مثل کس کو کہتے ہیں؟

جواب:۔ ہر ایک اجارہ میں یہ دیکھا جائے کہ اس اجیر جیسا دوسرا شخص بعینہٖ یہی کام کس اجرت پر کرتا ہے۔ پس جو اجرت دوسرا لیتا ہے وہی اجرت مثل ہے۔ حاشیہ طحطاوی میں ہے:۔ والمراد باجر المثل اجر شخص مماثل لہ فی

ذلك العمل ولو اختلف اجر المثل بين الناس فالوسط۔

گمشدہ جانور کا ضمان راعی پر

سوال (۵۱۳) اگر کوئی جانور راعی کی بے خیالی کی وجہ سے گم ہوگیا یا اس نے فروخت کردیا تو اس صورت میں اس پر ضمان آئے گا یا نہیں اور پہلی صورت میں ضمان قیمت کے ساتھ آئے گا یا مثل کے ساتھ اور اس حرکت کی وجہ سے مستحق تعزیر تو نہیں ہوگا؟۔

جواب :۔ راعی بھی اجیر ہے اور جانور اس کے قبضہ میں امانت ہیں قصداً تلف کرنے کی صورت میں ضمان لازم ہوگا اور چونکہ جانور ذوات القیم میں سے ہے لہٰذا اس کی قیمت دلائی جائے گی۔ اگر امام کی رائے ہو تو سیاستہً تعزیر بھی کرسکتا ہے۔

کتابُ الهبة

وظیفۂ یومیہ کا ہبہ کرنا

سوال (۵۱۴) بادشاہ کی طرف سے زید اور اس کے جملہ لڑکوں کے لیے کچھ یومیہ مقرر ہے اور زید نے وہ تمام کا تمام یومیہ صرف ایک لڑکے کے نام ہبہ کردیا تو ہبہ جائز اور نافذ ہوگا یا نہیں؟

جواب :۔ ہبہ مذکور جائز و نافذ نہیں۔ کیونکہ شیٔ موہوب (یومیہ) معدوم ہے آناً فاناً حادث ہوجاتا ہے اور موہوب معدوم پر قبضہ نہ ہوسکنے کی وجہ سے ہبہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ قبضہ ضروری ہے اور پھر جبکہ اس تحریر میں مع فرزندان موجود ہے تو اس یومیہ کے مستحق تمام لڑکے ہوگئے نہ صرف زید۔ لہٰذا اگر اپنے ایک لڑکے کے نام ہبہ کرکے دوسروں کا حق باطل کرتا ہے تو ہبہ جائز اور نافذ نہ ہوگا۔ اور زید کے مرنے کے بعد تمام لڑکے اس یومیہ میں برابر کے حقدار ہوں گے۔

ہبہ میں قبضہ کی ضرورت

سوال (۵۱۵) مسماۃ ہندہ کو باپ کے ترکہ سے کسی شے کے سات عدد ملے جس میں سے اس نے چار عدد اپنی حیات و صحت کی حالت میں اپنے بھائی عمرو کے نام ہبہ بالعوض کرکے اپنے ہی سامنے قابض بنادیا اور کچھ عرصہ کے بعد مریض ہوگئی اور بحالتِ مرض ترکہ کے بقیہ تین عدد اپنی بھانجی خدیجہ اور بھانجہ بکر کے نام ہبہ کردیئے مگر قبضہ دینے سے پہلے ہی فوت ہوگئی تو اس صورت میں اول و ثانی ہبہ کا کیا حکم ہوگا

جواب :۔ ہبہ اول نافذ ہوگا اور ہبہ ثانی موہوب لہما کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے نافذ نہ ہوگا۔ ہدایہ میں ہے ولابد في الهبة لاثبات الملك من القبض۔

صرف ایک لڑکے کے نام تمام املاک ہبہ کرنا

سوال (۵۱۶) زید کے ایک بیوی سے دو لڑکے ہیں۔ بلا وجہ ناراضگی کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کے

محروم کرکے اپنی تمام املاک دوسرے لڑکے کے نام ہبہ کرتا ہے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر ہبہ بالقبض کردیا تو جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں۔ علی محمد

درحقیقت ایسا ہبہ شئ موہوب پر قبضہ کامل ہوجانے کی صورت میں نافذ ہوگا۔ درمختار میں ہے:- ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم۔ محمد نعیم

الجواب صحیح محمد عبدالحی۔ صح الجواب محمد رحمۃ اللہ۔ اصاب المجیب محمد فضل اللہ۔

غیر وارث کے نام ہبہ کرنا

سوال (۵۱۷) ہندہ لاولد تھی جس نے اپنے بھانجہ زید کو متبنی بنالیا اور تمام جائداد اسی کو ہبہ کردی حالانکہ ہندہ کا بھتیجہ بکر بھی موجود تھا۔ اس ہبہ میں ہندہ ماخوذ عنداللہ ہوگی یا نہیں؟

جواب:- اس ہبہ سے ہندہ گنہگار ہوگی۔ کتب فقہ وحدیث میں تصریح موجود ہے کہ اگر بغیر کسی عذر شرعی کے بعض اولاد کو ہبہ میں فضیلت دی تو گناہ لازم آتا ہے۔ جیسا کہ سراج منیر میں ہے:- لو اعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادۃ رشدہ لاباس بہ ولو کانا سواء یجوز فی القضاء ولکن ھواثم کمافی الدر المختار

جب کہ اولاد کے بارہ میں یہ حکم ہے تو غیر وارث کے نام ہبہ کرنے کی صورت میں کس قدر گناہ ہوگا۔

مرض الموت میں وارث کے نام ہبہ کرنا

سوال (۵۱۸) فقہاء کے نزدیک مرض الموت کی تعریف کیا ہے۔ اگر زید نے مرض الموت میں چند لڑکوں میں سے صرف ایک لڑکے کے نام پوری جائداد ہبہ کرکے قبضہ دے دی تو ہبہ جائز ہوگا یا نہیں۔ اور اگر ثلث مال میں جائز ہوگا تو حکم وصیت میں ہوگا یا نہیں؟

جواب:- مرض الموت کی تعریف نزدیک فقہاء کے مختلف ہے۔ بعض کے نزدیک مرض الموت وہ مرض ہے جس میں مریض حوائج ضروریہ کے واسطے آمد ورفت نہ کرسکے اور بعضوں نے صاحب فراش ہونا معتبر کیا ہے اور مختار ومفتی بہ یہ ہے کہ جس مرض میں ظن غالب موت کا ہو وہ مرض الموت ہے۔ صاحب فراش ہو یا نہ ہو۔ فتاوی بزازیہ میں ہے

المریض الذی یکون تصرفہ من الثلث من یکون ذا فراش لایطیق القیام بحاجتہ ویجوز لہ الصلوۃ قاعدا ویخاف علیہ الموت ولوطال المرض وصار بحال لایخاف علیہ الموت کالفالج او صار مرضا اویابس السل لا یکون لہ حکم المرض اذا تغیر حالہ عن ذلک ومات من ذلک التغیر فما فعل فی حال التغیر فمن الثلث قال الفضلی لایخرج الی حوائج نفسہ وعلیہ اعتمد فی التجرید وقال الفقیہ کونہ صاحب فراش لایعتبر بل العبرۃ للغلبۃ لوکانت من الموت فھو مرض الموت وان خرج من البیت وبہ اخذ الصدر الشھید

اور جامع الرموز میں ہے:- قالوا اذا اضناہ المرض وصار صاحب فراش وعجز عن القیام بمصالحہ وازداد کل یوم فھو مرض الموت فالمسلول الذی طال ولم یطل الموت کالصحیح وقال المریض ان لایخرج الی حوائج نفسہ وعلیہ الاعتماد کما فی الخلاصۃ والمختار انہ ان کان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب الفراش

کما فی ہبۃ الذخیرۃ انتہی۔

اور مرض الموت میں ہبہ کرنا حکم وصیت میں ہے۔ زائد از ثلث نافذ نہیں ہوسکتی ہے۔ شمنی کی شرح مختصر وقایہ میں ہے:۔ واعتاقہ ای المریض مرض الموت ومحاباتہ ہبۃ وضمانہ وصیۃ ای کالوصیۃ فی انہا تعتبر من الثلث ویضرب بہا معہ اصحاب الوصایا۔ اور فصول عمادیہ میں ہے:۔ امام المریض یعتبر احکامہ فی وصیۃ وصدقۃ وہبۃ وعتقہ ومحاباتہ فی بیع او اجارۃ او کتابۃ او عتق علی مال من الثلث ولا یجوز الا من الثلث انتہی۔

اور وصیت کرنا کسی وارث کو مرض الموت میں اور ایسی ہبہ کرنا کہ حکم وصیت ہے مطلقاً ناجائز ہے۔ اگر کم از ثلث ہو مگر باجازت بقیہ ورثہ۔

تنقیح الفتاوی حامدیہ میں ہے:۔ ووہب شیئاً لوارثہ لا یجوز لانہا وصیۃ انتہی

اور خزانۃ المفتین میں ہے:۔ لو اوصی الواحد من الورثۃ فانہ لا یجوز الا باجازۃ سائر الورثۃ وہم اصحاء بالغون انتہی

اور جامع الرموز میں ہے:۔ ولا تصح الوصیۃ فی کثیر منہ ای من الثلث ولا یصح شئ لوارثہ الا باجازۃ ورثۃ الموصی الوصیۃ باکثر من الثلث لاجنبی او بشئ للوارث فانہا تصح لاسقاطہم حقہم انتہی۔ واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

سامانِ جہیز کا مستحق

سوال (۵۱۹) لڑکی کو سامان جہیز میں دیا جاتا ہے۔ اس کے مرجانے کے بعد سامان کا مستحق شوہر ہوتا ہے یا لڑکی کے والدین؟

جواب: جس ملک کا رواج اور عرف عام یہ ہے کہ لڑکی کو جہیز عاریتاً نہیں بلکہ ملک بنا کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ہندوستان میں ہے تو وہ چیزیں لڑکے کی ملک ہوں گی۔ درمختار میں ہے:۔ جہز ابنتہ ثم ادعی ان ما دفعہ لہا عاریۃ وقالت ہو تملیک او قال الزوج ذلک بعد موتہا لیرث منہ وقال الاب او ورثتہ بعد موتہا عاریتاً فالمعتمد ان القول للزوج ولہا اذا کان العرف مستمراً ان الاب یدفع مثلہ جہازاً لا عاریۃ انتہی۔

پس ان تمام اشیاء کی مستحق لڑکی ہوگی اور وفات کے بعد تمام ورثاء پر تقسیم ہوجائے گی۔

قرض کا ہبہ کرنا

سوال (۵۲۰) مسماۃ ہندہ نے زید وغیرہ پر واجب تمام قرضہ جس کا اندراج دستاویز میں ہے اپنے بیٹے بکر کے نام ہبہ بغیر عوض مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا:۔

"میں مندرجہ دستاویز تمام قرضہ ہبہ کرتی ہوں اور قبضہ دیتی ہوں"

اور اس کے بعد اپنے تمام حقوق مالکانہ ختم کردیئے، اور ایک ہندو کو بچہ کا والی بنا کر اسی دستاویز ہبہ نامہ میں ولی کو قرض وصول کرنے اور اس نابالغ بچہ کی پرورش اور تعلیم کا انتظام کرنے کا اختیار دے دیا، اور اسی دستاویز مذکور میں یہ بھی لکھا کہ اگر یہ لڑکا فوت ہوجائے تو تمام قرضہ میری اس وقت موجودہ چار لڑکیوں

کو مساوی تقسیم کر دیا جائے، اب ایسی صورت میں دستاویز مذکور ہبہ نامہ ہوگی یا وصیت نامہ، اگر وصیت نامہ ہو تو وصیت بمقابلہ وارث کے جائز ہے یا ناجائز اور اگر ہبہ نامہ ہو تو ایسے ہبہ والے کو حق رجوع حاصل ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:۔ جواب سے پہلے ایک امر کا گذارش کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ چونکہ ہبہ شرعی عبارت ہے تملیک عین سے یعنی عین کا مالک کر دینا جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے:۔ ھی تملیك العین مجاناً۔

اور جیسا کہ در مختار میں ہے:۔ الہبۃ ھی تملیك العین بلاعوض علی مانقل مولانا محمد عبد الحی اللکھنوی رحمہ اللہ القوی فی حاشیۃ الھدایۃ۔

اور عین غیر دین ہے بنا بر علیہ تملیک دین قیاساً باطل اور ناجائز ہوگی، لیکن اگر واہب دینِ موہوب لہٗ کو دین موہوب کے قبضہ کرنے پر مسلط کر دیوے اور موہوب لہ اس دین پر قبضہ کر لیوے تو اس نظر سے کہ اب دین مذکور بعد قبضہ کے عین ہو جائے گا اور تملیک عین متحقق ہو جائے گی، تملیک مذکور استحساناً صحیح اور جائز ہو جائے گی اور یہ ایسا تصور کیا جائے گا کہ گویا جب موہوب لہٗ نے دَین مذکور پر قبضہ کر لیا اس وقت واہب نے ہبہ کیا، چنانچہ در مختار میں ہے:۔ واما تملیك الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت لرجوعھا الی ھبۃ العین الخ

اور رد المحتار میں ہے:۔ قولہ (واما تملیك الدین الخ) جواب عن سوال مقدار وھو ان تقییدہ بالعین یخرج لتملیك الدین من غیر من علیہ الدین مع انہ ھبۃ فیخرج عن التعریف فاجاب بانہ کان عینا مآلا فالمراد بالعین فی التعریف اما کان عیناً حالا او مآلا الخ،

اور غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار میں ہے:۔ واما تملیك الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت لرجوعھا الی ھبۃ العین۔ اور دین کی تملیک غیر مدیون کو اگر صاحبِ دین نے اس دَین کو قبض کرنے کا امر کیا ہو تو ہبہ صحیح ہے، بسبب راجع ہونے ہبہ دین کے ہبہ عین کی طرف۔

یہ جواب ہے اس سوالِ مقدر کا کہ ہبہ کی تعریف میں تو تملیک عین داخل ہے تو چاہیئے کہ دَین مذکور کی تملیک کو ہبہ نہ کہیئے، اس کا جواب شارح نے یوں دیا کہ جب صاحب دَین نے اس کو قبض دَین کا امر کیا اور اس نے دین پر قبضہ کیا تو دین عین ہو گیا تو تملیک عین متحقق ہو گئی، آہ۔

اور جب یہ بات معلوم ہوئی تو اب اصل سوال کا جواب لکھا جاتا ہے۔ وھو ھذا۔ ہبہ مذکورہ صورتِ مسئولہ میں باطل اور ناجائز ہے اور دستاویز مذکورہ ہبہ نامہ نہیں ہے، اس لیئے کہ ہبہ مذکورہ تملیک دَین ہے غیر مدیون کو، اس واسطے کہ ہندہ واہبہ نے زرِ قرضہ مندرجۂ دستاویز جو ذمگی مدیون کے ہے اپنے بیٹے نابالغ کو ہبہ کیا ہے اور ایسے ہبہ کے صحیح اور جائز ہونے کے لیئے یہ شرط ہے کہ واہب موہوب لہٗ کو دینِ موہوبہ کے قبض کرنے پر صراحۃً مسلط کرے اور یہ شرط صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے، بناءً علیہ ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے، چنانچہ ایک عبارت در مختار کی اسی مضمون کی گذر چکی۔

اور نیز در مختار میں ہے:۔ تملیك الدین ممن لیس علیہ الدین باطل الا فی ثلث حوالۃ ووصیۃ واذا سلطہ

ای الملک غیر المدیون علی قبضہ ای الدین فیصح حینئذٍ الخ

اور رد المحتار میں ہے :- (قولہ ولا یجوز من غیرہ) ای لا یجوز تملیک الدین من غیر من علیہ الدین الا اذا سلّط علیہ والاستثناء فی الاشباہ من ذلک ثلث صور الاولی اذا سلطہ علی قبضہ فیکون وکیلاً قابضاً للموکل ثم لنفسہ الثانیۃ الحوالۃ الثالثۃ الوصیۃ الخ

اور نیز در مختار میں ہے :- ومنہ مالو وہبت من ابنہا ما علی ابیہ فالمعتمد الصحۃ للتسلیط وفی رد المحتار (قولہ وما علی ابیہ) ای وامرتہ بالقبض بزازیۃ منح (قولہ للتسلیط) ای اذا سلّط علی القبض کما یشیر الیہ قولہ ومنہ الخ وفیہ ایضاً فقول الشارح للتسلیط ای للتسلیط صریحاً لا حکماً کما فی السائحانی وغیرہ الخ۔

اور نیز در مختار میں ہے :- فی الخانیۃ وہبت المہر لابنہا الصغیر الذی من ہذا الزوج الصحیح انہ لا تصح الہبۃ الا اذا سلطت ولدہا علی القبض فیجوز ویصیر ملکاً للولد اذا قبض الخ۔

اور نیز در مختار میں ہے :- قال فی البحر عن المحیط ولو وہب دینا لہ علی رجل وامرہ ان یقبضہ فقبضہ جازت الہبۃ استحساناً وان لم یاذن بالقبض لم یجز الخ۔

اور محیط میں ہے :- واما ہبۃ ما علی الناس فہو ہبۃ الدین من غیر من علیہ الدین وہبۃ الدین من غیر من علیہ الدین اذا سلطہ علی القبض وقبض صحیحۃ استحساناً۔

اور فصول عمادیہ میں ہے :- ذکر فی الصغری فی کتاب الہبۃ ہبۃ الدین من علیہ الدین لا یصح الا اذا وہبہ واذن لہ بقبض فقبضہ جاز وذکر فی العدۃ وان لم یامر بالقبض لا یجوز والبنت لو وہبت مہرہا من ابیہا ان امرتہ بالقبض جاز الخ

اور فتاوی قاضی خاں میں ہے :- امرأۃ لہا مہر علی زوجہا ووہبت المہر لابنہا الصغیر الذی من ہذا الزوج الصحیح انہ لا تصح ہذہ الہبۃ لان ہبۃ الدین من غیر من علیہ الدین لا یجوز الا اذا وہبت وسلطت ولدہا علی القبض فیجوز ویصیر ملکاً للولد اذا قبض الخ

اگر یہ کہا جاوے کہ واہب نے ایک شخص کو موہوب لہٗ یعنی بکر نابالغ کا ولی اپنی جانب سے مقرر کر کے اس ولی کو دینِ موہوبہ کے قبضہ کرنے پر صراحۃً مسلط کیا اور حکم دیا ہے، اور ولی مذکور کو قبضہ کرنے پر صراحۃً مسلط کرنا اور حکم دینا عین موہوب لہٗ یعنی نابالغ مذکور کو مسلط کرنا اور حکم دینا ہے، پس شرط صحت وجواز ہبہ مذکور کو واہب کا موہوب لہٗ کو دینِ موہوب کے قبضہ کرنے پر مسلط کرنا ہے۔ صورتِ مسئولہ میں متحقق ہوئی، پس چاہیئے کہ ہبہ مذکورہ صحیح اور جائز ہو تو جواب اس کا اولاً یہ ہے کہ واہبہ نے جس شخص کو جن امور میں ولی نابالغ مذکور کا مقرر کیا ہے ان امور میں خود ولایت نہیں رکھتی ہے، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا تو ان امور میں دوسرے کو اپنی جانب سے کیونکر ولی مقرر کر سکتی ہے۔

اور ثانیاً یہ کہ واہبہ نے جس شخص کو ولی موہوب لہٗ یعنی نابالغ مذکور کا مقرر کیا ہے وہ شخص اس کا ولی نہیں ہو سکتا دو وجہ سے، ایک یہ کہ وہ شخص قوم ہنود سے ہے اور ہندو شخص مسلمان لڑکے کا ولی نہیں ہو سکتا، اس لیئے کہ کافر کو

مسلمان پر ولایت نہیں. چنانچہ ہدایہ میں ہے:- ولا ولایۃ للکافر علی مسلم لقولہ تعالیٰ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا، ولہذا لاتقبل شہادتہ ولا یتوارثان الخ

اور نیز ہدایہ میں ہے:- لانہ لاشہادۃ للکافر علی المسلم الخ

اور حاشیہ مولانا الہداد میں ہے:- قولہ لاشہادۃ للکافر الخ اذ لا ولایۃ لہ علیہ قال اللہ تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً الخ

اور نیز ہدایہ میں ہے:- وبخلاف شہادۃ الذی علی المسلم لانہ لا ولایۃ لہ بالاضافۃ الیہ الخ

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:- ولا ولایۃ لصغیر ولا مجنون ولا کافر علی مسلم ومسلمۃ کذا فی الحاوی الخ

اور قاضی خاں میں ہے:- لاولایۃ للصبی والمجنون ولا المملوک ولا الکافر علی المسلم الخ

اور مستخلص شرح کنز میں ہے:- لاولایۃ لعبد وصغیر ومجنون وکافر علی مسلمۃ اما العبد فلانہ لا ولایۃ لہ علی نفسہ والولایۃ علی الغیر بناء علی الولایۃ لنفسہ وکذلک الصغیر والمجنون لعدم الولایۃ علی النفس واما الکافر فلقولہ تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً۔

اور نیز شرح کنز میں مذکور ہے:- لاشہادۃ للکافر علی المسلم لقولہ تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا، فاللہ تعالیٰ نفی الولایۃ عن المسلمین والشہادۃ من باب الولایۃ الخ

اور رد المحتار میں ہے:- (قولہ لعدم الولایۃ) تعلیل للمفہوم یعنی ان الکافر لا یلی علی المسلمۃ وولدہ المسلم لقولہ تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً الخ۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:- ولا یصح ولایۃ القاضی حتیٰ یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ کذا فی الہدایۃ من الاسلام والحریۃ والتکلیف کذا فی النہر الفائق الخ

اور ہدایہ میں ہے:- لان حکم القضاء یستقی من حکم الشہادۃ لان کل واحد منہما من باب الولایۃ فکل من کان من اہل الشہادۃ یکون اہلاً للقضاء وما یشترط لاہلیۃ الشہادۃ ویشترط لاہلیۃ القضاء الخ

اور در مختار میں ہے:- واہلہ اہل الشہادۃ ای اداتہا علی المسلمین الی قولہ وشرط اہلیتہا شرط اہلیتہ فان کلامنہما من باب الولایۃ الخ

اگر یہ سوال کیا جاوے کہ گو ولایۃ اجبار بمعنی تنفیذ القول علی الغیر شاء او ابیٰ کافر کی ولایت مسلمان پر نہیں، لیکن صورت مسئولہ میں واہبہ نے جس شخص کو ولی مقرر کیا ہے اس کو ولی بمعنی سربراہ کار مقرر کیا ہے نہ ولی بمعنی مذکور، پس ولی بمعنی مذکور میں اسلام کی شرط ہونے سے لازم نہیں آتا کہ ولی بمعنی سربراہ کار میں بھی اسلام شرط ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں واہبہ نے جس شخص کو ولی مقرر کیا ہے، اس پر تعریف ولی بولایت اجبار کے صادق ہے، اس لئے کہ واہبہ نے جو اختیارات شخص مذکور کو نسبت نابالغ مذکور کے دیئے ہیں جیسے وصول کرنا زر قرضہ مندرجہ دستاویز کا مدیون سے اور اس میں تصرف کرنا اور اس کے محاصل سے پرورش وتعلیم نابالغ کی کرنا وہ سب اختیارات شخص مذکور کو واہبہ کے

اختیارات دینے سے نابالغ مذکور کے حق میں نافذ ہوں گے، خواہ نابالغ مذکور منظور کرے یا نہ کرے اور یہی معنی تنقیح القول علی الخیر شاء اوابی کے ہیں، پس تعریف ولی بولایت اجبار کے شخص مذکور پر بے شبہ صادق ہے، اب چاہو اس کا نام سربراہ کار رکھو یا اور کچھ رکھو، نام بدل دینے سے حکم نہیں بدل جاتا۔ اور جب تعریف ولی مذکور کی شخص مذکور پر صادق آئی تو اس میں اسلام کا پایا جانا بھی شرط ہوا اور ہر گاہ اسلام اس میں مفقود ہے تو ولی نابالغ مذکور کا نہیں ہوسکتا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ واہبہ نے شخص مذکور کو ولی فی المال ہی قرار دیا ہے اس لئے کہ زر قرضہ مندرجہ دستاویز مدیون سے وصول کرکے اس میں تصرف کرنے اور اس کے محاصل سے پرورش نابالغ کی کرنے کا بھی اس کو اختیار دیا ہے اور ولی مال چھ ہی شخص ہو سکتے ہیں، ان کے سوا اور کسی کو ولایت مال میں نہیں ہوسکتی، ایک باپ دوسرے اس کا وصی، تیسرے دادا، چوتھے اس کا وصی، پانچویں قاضی، چھٹے اس کا نائب، اور شخص مذکور ان چھٹوں سے نہیں ہے، پس شخص مذکور ولی نابالغ مذکور کا نہیں ہوسکتا، اور اسی سے معلوم ہوا کہ واہبہ بھی کہ ماں نابالغ مذکور کی ہے ولی مال میں نہیں ہوسکتی۔

درمختار میں ہے:۔ الولی فی النکاح لا المال العصبۃ بنفسہ الخ

اور ردالمحتار میں ہے:۔ قولہ (لا المال) فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ فقط الخ

اور فصول عمادیہ میں ہے:۔ ذکر فی باب المصراۃ من بیوع شرح الطحاوی عن الولایۃ فی مال الصغیر الی الاب ووصیہ ثم الی وصیٔ وصیہ فان مات الاب ولم یوص الی احد فالولایۃ الی اب الاب ثم الی وصیہ ثم الی وصیٔ وصیہ فان لم یکن فالقاضی ومن ینصب القاضی الخ

اور نیز فصول عمادیہ میں ہے:۔ لیس لغیر الاب والجد ووصیہما ولایۃ التصرف فی مال الصغیر الخ

اور نیز اسی میں ہے:۔ وللاب والجد ووصیہما اجارۃ عبد الصغیر وسائر املاکہ واموالہ فاما غیر ہؤلاء من الصغیر فی حجرہ لا یملک اجارۃ مال الصغیر لانہ لیس لغیر ہؤلاء ولایۃ التصرف فی مال الصغیر الخ

اور نیز اس میں ہے:۔ وذکر فی اذون شرح الطحاوی ویجوز اذن الاب والجد ووصیہما واذن القاضی ووصیہ للصغیر فی التجارۃ وعبد الصغیر ولا یجوز اذن الامام للصغیر واخیہ وامہ لان ہؤلاء لیس لہم ولایۃ التصرف فی مالہ فلا یکون لہم ولایۃ الاذن الخ

اور ثالثاً یہ کہ واہبہ کا ولی مذکور کو تسلیط صریحی کرنا عین موہوب لہ کی نسبت تسلیط صریحی ہونا ممنوع ہے اور غیر مسلم اور غایۃ الامر یہ ہے کہ تسلیط موہوب لہ کی نسبت تسلیط حکمی ہوئی اور تسلیط حکمی اس باب میں کافی نہیں تسلیط صریحی درکار ہے، جیساکہ عبارت مرقومۃ الصدر منقولہ ردالمحتار سے معلوم ہوا اور تسلیط صریحی یہاں مفقود ہے، پس شرط صحت وجواز ہبہ مذکور صورت مسئولہ میں مفقود ہے پس ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے، اگر یہ کہا جاوے کہ صورت مسئولہ میں واہبہ کہ ماں موہوب لہ کی ہے اگرچہ ولی فی المال نہیں ہوسکتی لیکن جب کہ موہوب لہ نابالغ اور ماں کے عیال میں ہو اور باپ یا دادا یا ان کے وصی میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ماں ایسی صورت میں درباب قبضۂ ہبہ کے ولی ہوسکتی ہے جیساکہ ردالمحتار میں ہے:۔ والوصی کالاب والام کذلک لو کان الصبی فی عیالہا ان وہبت لہ

او وھب لہ تملک الام القبض وھذا اذا لم یکن للصبی اب ولا جد ولا وصیہما۔

اور یہاں بھی یہی صورت واقع ہے کہ جب موہوب لہٗ نابالغ ہے اور ماں کی عیال میں ہے اور باپ اور دادا اور ان کے وصی میں سے کوئی موجود نہیں ہے پس ماں در باب قبضۂ ہبہ کے ولی ہوگی، اور ایسے ولی کا ہبہ نابالغ کو مجرد عقدِ ہبہ کے تام اور کامل ہو جاتا ہے، پس ہبہ مذکور بھی تمام اور کامل ہوگی اور حاجت شرطِ مذکور کی نہ ہوگی تو جواب اس کا یہ ہے کہ ولی کا ہبہ نابالغ کو اس صورت میں تام اور کامل ہوتا ہے جب کہ شئ موہوب واہب کے یا امین واہب کے قبضہ میں ہو اور صورتِ مسئولہ میں یہ شرط مفقود ہے، اس لیئے کہ دین موہوب نہ واہبہ کے قبضہ میں ہے اور نہ اس کے امین کے قبضہ میں بلکہ اس کے مدیونوں کے ذمہ ہے جو اس کے امین نہیں ہیں پس اس صورت میں ماں کی ولایت کافی نہیں ہوئی اور حاجت شرطِ مذکور کی باقی رہی اور ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز رہی۔

درمختار میں ہے :۔ وھبۃ من لہ الولایۃ علی الطفل فی الجملۃ الی قولہ تتم بالعقد لو کان الموھوب معلوما وکان فی یدہ او ید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ الخ۔

اور ہدایہ میں ہے :۔ واذا وھب الاب لابنہ الصغیرۃ ھبۃ ملکھا الابن بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن بعض الھبۃ ولافرق بین ما اذا کان فی یدہ او فی ید مودعہ لان یدہ کیدہ بخلاف ما اذا کان مرھونا او مغصوبا او مبیعا بیعًا فاسدًا لانہ فی ید غیرہ او فی ملک غیرہ الی قولہ وکذا اذا وھبت لہ امہ وھو فی عیالھا والاب میت ولا وصی لہ وکذلک کل من یعولہ الخ

الحاصل جب صورتِ مسئولہ میں ہبہ مذکورہ ہبہ دین کا غیر مدیون کو ہے، اور ایسے ہبہ کے صحیح اور جائز ہونے کے لیئے واہب کا موہوب لہٗ کو دین موہوب کے قبضہ کرنے کا صراحۃً حکم دینا شرط ہے، اور شرط ما نحن فیہ میں مفقود ہے۔ اور ولایت ولی مذکور کی متصور نہیں اور نہ تولیت واہبہ کی صحیح اور نہ خود واہبہ کی ولایت قبضِ ہبہ میں کافی ہے، جیسا کہ یہ سب امور وجوہ مذکورہ بالا سے معلوم ہوئے تو بے شبہ ہبہ مذکورہ باطل اور ناجائز ہے، اور جب ہبہ مذکورہ خود ہی باطل اور ناجائز ہے تو حاجت اس کے رجوع وعود کی نہیں اور اگر بالفرض ہبہ مذکورہ صحیح اور جائز بھی ہو جب بھی اس ہبہ سے بدیں وجہ کہ ہنوز قبضہ دین موہوب پر نہیں ہوا ہے، واہبہ کو اختیار رجوع اور عود کا حاصل ہے اور بدون حکمِ حاکم اور رضامندی یک دیگر کے رجوع اور عود کر سکتی ہے، اس لیئے کہ ایسی ہبہ میں بلکہ عام ہبہ میں بھی جب تک موہوب لہٗ شئے موہوب پر قبضہ نہ کر لیوے شئے موہوب نہ اس کی ملک ہوتی ہے اور نہ ہبہ لازم اور مستحکم ہوتا ہے، اور جب تک ہبہ لازم اور مستحکم نہ ہو واہب کو اس سے اختیار رجوع وعود کا بدون حکمِ حاکم اور رضامندی یک دیگر کے حاصل رہتا ہے، گو ہبہ دین ذی رحم محرم بلکہ ہبہ دین غیر مدیون میں واہب کو یہ بھی اختیار حاصل رہتا ہے کہ موہوب لہٗ کو دینِ موہوب پر قبضہ کرنے سے منع کر دیوے، قاضی خاں میں ہے :۔ ویصیر ملکا للولد اذا قبض الخ

اور اسی طرح ردالمحتار میں ہے :۔ نقلاً عن الخانیۃ نقلنا سابقا۔

اور فصول عمادیہ میں ہے :۔ وفی بعض الکتب الفقۃ الموثوق علیہ ھبۃ الدین من غیر من علیہ الدین

لا یجوز الا اذا سلّط علی قبضہ ویصیر کانہ وھبہ قبضہ ولا یستحکم الا بالقبض الخ

اور رد المحتار میں ہے :۔ قال بعض الفضلاء ولھذا لایلزم الا اذا قبض ولہ الرجوع قبلہ فلا یمنعہ حیث کان بحکم النیابۃ القبض الخ

اور نیز رد المحتار میں ہے :۔ قال فی الاشباہ صحت ویکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسہ ومقتضاہ عزلہ عن التسلیط قبل القبض الخ

اور محیط میں ہے :۔ الھبۃ انواع ھبۃ لاجنبی وھبۃ لذی رحم محرم وھبۃ لذی رحم لیس بمحرم وھبۃ لمحرم لیس بذی رحم وفی جمیع ذلک للواھب حق الرجوع قبل التسلیم لانہ بالرجوع قبل التسلیم یمتنع عن تمام القبض الخ

اور در مختار میں ہے :۔ صح رجوع المتصدق فیھا بعد القبض اما قبلہ فلم تتم الھبۃ الخ

اور قاضی خاں میں ہے :۔ وصدقۃ اذا تمت بالقبض لا یرجع فیھا کانت للقریب او للاجنبی وللواھب ان یرجع فی ھبتہ قبل ان یقبضہ الموھوب لہ کان الموھوب لہ حاضرًا او غائبًا اذن لہ فی قبضہ اولم یاذن یتفرد الواھب فی الرجوع قبل القبض وبعد القبض لا یرجع الا بقضاء او رضاء الخ

اور یہ قول سائل کا کہ واہبہ نے ہبہ کرکے قبضہ اور استحقاق مالکانہ اپنا اس جائداد سے اٹھالیا، قبضہ ہبہ کے لئے کچھ مفید نہیں، بلکہ یہ قول بے معنیٰ ہے، اس واسطے کہ مراد سائل کی اس جائداد سے کیا ہے؟

اگر زر قرضہ مندرجہ دستاویز ذگی مدیونان ہے، تو ہنوز واہبہ کے قبضہ میں نہیں کہ ہبہ کرکے اس سے اپنا قبضہ اٹھالیتی اور اگر مراد اس سے جائداد مستغرقہ ہے تو وہ موہوب نہیں اور نہ واہبہ کی ملک ہے، کہ اس کو ہبہ کرسکتی، اور نہ استحقاقِ مالکانہ اپنا اس پر رکھتی ہے کہ اس کو اٹھالیتی، پس یہ قول بے معنیٰ اور لغو ہے، اگر یہ کہا جاوے کہ جس دستاویز میں زرقرضہ مندرج ہے یعنی جس کو مدیونوں نے دائنہ کو لکھ کر دیا ہے، وہ دستاویز یا تو خود دائنہ کے قبضہ میں ہوگی، یا دائنہ نے موہوب لہ کے یا اس کے ولی کے قبضہ میں دے دیا ہوگا، اور ان سب صورتوں میں قبضہ ہبہ متحقق ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر خود دائنہ کے قبضہ میں ہوگا تو اس واسطے کہ دائنہ در باب قبضہ ہبہ نابالغ کے ولایت رکھتی ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا، اور قبضہ ولی کا بجائے قبضہ موہوب لہ کے ہے جیسا کہ یہ بھی معلوم ہوا، پس قبضہ ہبہ کا متحقق ہوا اور اگر موہوب لہ کے قبضہ میں دے دیا ہے، تو اس صورت میں تحقق قبضۂ ہبہ ظاہر ہے اور اگر ولی کے قبضہ میں دے دیا ہے تو اس واسطے کہ وہ امین واہبہ کا قبضہ بجائے واہبہ کے قبضہ کے ہے، اور واہبہ کا قبضہ بجائے موہوب لہ کے قبضہ کے ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، پس ان سب صورتوں میں قبضۂ ہبہ متحقق ہوا، اور جب قبضۂ ہبہ متحقق ہوا تو اب ہبۂ مذکور تام اور کامل ہوگا اور اس سے رجوع اور عود ناجائز ہوگا، اور اگر جائز بھی ہو تو بدون حکم حاکم یا رضامندی یک دیگر کے ناجائز ہوگا، تو جواب اس کا یہ ہے کہ کسی صورت میں صورتِ مذکورہ سے قبضۂ ہبہ متحقق نہیں ہوتا، اس لئے کہ دستاویز مذکور موہوب نہیں ہے، کہ اس کا قبضہ قبضۂ ہبہ ٹھہرے، بلکہ موہوب زر قرضہ مندرجۂ دستاویز ہے جو ذگی مدیونان ہے، اور زر قرضہ

مذکورہ نہ واہبہ کے قبضہ میں ہے نہ موہوب لہٗ کے قبضہ میں، اور نہ اس شخص کے قبضہ میں جس کو واہبہ نے ولی اُس کا مقرر کیا ہے بلکہ اگر زید مذکور پر بھی شخص مذکور کا قبضہ ہوگیا ہوتا جب بھی قبضہ ہبہ کے لئے کافی نہیں ہوتا، اس واسطے کہ شخص مذکور موہوب لہٗ کا ولی نہیں جیساکہ سابقاً معلوم ہوا اور اگر مجرد دستاویز مذکور کا قبضہ واہبہ میں ہوتا یا موہوب لہٗ کا اس پر قبضہ کرادینا قبضہ زر مندرجہ دستاویز کے لیئے کفایت کرتا تو جس وقت مدیون نے دستاویز مذکور لکھ کر دائنہ کو دے دی تھی اور اس پر اس کا قبضہ کرادیا تھا، تو یہی دستاویز مذکور کا دائنہ کو دے دینا اور اس پر اس کو قبضہ کرادینا ادائے زر قرضہ دائنہ مندرجہ دستاویز کے لیئے کفایت کرجاتا، اور یہی ادائے زر قرضہ دائنہ سمجھا جاتا اور پھر مطالبہ ادائے زر قرضہ مذکور کا ان سے ساقط ہوجاتا، کما تریٰ۔

اور جب ثابت ہوا کہ کسی صورت میں صور مذکورہ سے قبضہ ہبہ متحقق نہیں ہے تو ہبہ مذکورہ ناتمام اور نامکمل رہا، پس واہبہ کو اختیار رجوع اور عود کا ہبہ مذکورہ سے بلا حکم حاکم اور رضامندی یک دیگر کے باقی رہا، اگر یہ کہا جاوے کہ گو دستاویز مذکور پر موہوب لہٗ یا اس کے ولی کا قبضہ کرادینا قبضہ ہبہ کے لیئے مفید نہیں، لیکن حصول شرط صحت وجواز ہبہ مذکورہ کے لیئے تو ضرور مفید ہوگا، پس ہبہ مذکورہ صحیح اور جائز ہوگا تو جواب اس کا یہ ہے کہ شرط صحت وجواز ہبہ مذکورہ تسلیط صریحی ہے نہ حکمی اور دستاویز مذکور پر قبضہ کرادینے سے اگر تسلیط متحقق بھی ہو تو تسلیط حکمی متحقق ہوگی نہ تسلیط صریحی، اور تسلیط حکمی کافی نہیں، اور یہاں ثمہ تسلیط مانع رجوع نہیں۔ کما سلف مفصلاً

بلکہ ایسی ہبہ سے کہ واہبہ نے اس میں بے انصافی کی ہے کہ صرف بیٹے کو ہبہ کیا اور بیٹیاں بھی موجود ہیں ان کو محروم کیا، رجوع کرلینا اولیٰ اور بہتر ہے، چنانچہ صحیحین اور دیگر صحاح میں نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے ان کو ایک غلام ہبہ کیا تھا اور اپنی اور اولاد کو محروم کیا تھا، تب ان کی ماں نے ان کے باپ سے کہا میں راضی نہ ہوں گی یہاں تک کہ گواہ کرو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، تب ان کے باپ ان کو لے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس لڑکے کو ایک غلام ہبہ کیا تھا اور اس کی ماں نے مجھ کو حکم کیا ہے کہ میں آپ کو گواہ کروں، سو آپ گواہ رہیں، آپؐ نے پوچھا اسی طرح تو نے اپنی اور اولاد کو بھی کیا ہے؟ کہا نہیں، فرمایا کیا خوش آتا ہے تجھ کو تیری سب اولاد تیرے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں، کہا کیوں نہیں، فرمایا سو ایسا مت کر، اور پھیرلے اس غلام کو اور مت گواہ کر مجھ کو کہ میں ظلم پر گواہی نہیں کرتا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو، تب ان کے باپ نے اس ہبہ سے رجوع کیا، یعنی اس غلام کو پھیرلیا،

فی المشکوٰۃ عن نعمان بن بشیر ان اباہ اتی بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاماً فقال اکل ولدک نحلت مثلہ قال لا قال فارجعہ روایۃ انہ قال ایسرک ان یکونوا الیک فی البر سواء قال بلیٰ قال فلا اذا وفی روایۃ انہ قال اعطانی ابی عطیۃ فقالت عمرۃ بنت رواحۃ لا ارضی حتی تشھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی اعطیت ابنی من عمرۃ بنت رواحۃ عطیۃ فامرتنی ان اشھدک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطیت سائر ولدک مثل ھذا۔ قال

لا قال فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم قال فرجع فرد عطیۃ وفی روایۃ انہ قال لا اشہد علی جور متفق علیہ
اور دستاویز مذکور وصیت نامہ بھی نہیں ہے، اس لیے کہ وصیت اس تملیک کو کہتے ہیں جو مضاف بما بعد موت ہو
تنویر الابصار میں ہے :۔ ھی تملیک مضاف الی ما بعد الموت
اور تملیک مذکور دستاویز میں مضاف بما بعد موت نہیں ہے۔ پس دستاویز مذکور وصیت نامہ نہیں ہے۔ اور وصیت بمقابلہ وارث کے یعنی وصیت واسطے وارث کے ناجائز ہے۔
ہدایہ میں ہے :۔ لا یجوز لوارثہ لقولہ علیہ السلام ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث۔
خلاصہ جواب اصل سوال کا یہ ہے کہ ہبہ مذکورہ بوجہ فوت ہونے شرط صحت وجواز اس کی کے باطل اور ناجائز ہے اور دستاویز مذکور ہبہ نامہ نہیں ہے، اور بغرض صحت وجواز بوجہ عدم لزوم واستحکام اس کے بجہت عدم قبضہ کے واہبہ کو اختیار رجوع اور عود کا بلا حکم حاکم درضامندی یک دیگر کے حاصل ہے، اور بجہت وقوع بے انصافی کے رجوع اولیٰ اور بہتر ہے، اور دستاویز مذکور وصیت نامہ بھی نہیں، اور وصیت بمقابلہ وارث کے ناجائز ہے واللہ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبداللہ عفا عنہ۔
فی الواقع صورت مذکورہ میں ہبہ غیر نافذ ہے اور واہبہ کو اختیار رجوع کا ہے، بلکہ رجوع بہتر ہے، اور ولایت کافر کی مسلمان پر غیر معتبر ہے، واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

ہبہ کرنے کے بعد مرض میں تخفیف ہو جانا۔

سوال (۵۲۱) ایک مریض نے شدت مرض میں ہبہ کیا اور بعد میں افاقہ ہو گیا، اور خطرہ کی صورت نہیں رہی مگر مرض کا اثر باقی تھا، اور اسی حالت میں مرض جدید کا حملہ ہوا، اور فوت ہو گیا، تو یہ شخص بوقت ہبہ مریض بمرض الموت سمجھا جائے گا یا نہیں، اور مرض سابق کے اثر باقی رہنے کی وجہ سے ہبہ میں خلل تو نہیں آئے گا؟

جواب :۔ مرض ممتدہ میں ایک سال گذرنے سے قبل موت کا واقع ہونا نفاذ ہبہ سے مانع نہیں ہوگا، بلکہ صرف خوف ہلاکت کی صورت میں ہے، پس صورت مذکورہ میں وہ شخص واہب مریض بمرض الموت متصور نہ ہوگا، اور مرض سابق کے اثر کے باقی رہتے ہوئے ایک سال کے اندر اندر مرض جدید کے حملہ سے موت کا آجانا ہبہ میں مخل نہ ہوگا
وقایہ اور اس کی شرح ہروی میں ہے :۔ وھبۃ مقعد ومفلوج واشل ومسلول یجوز من کل مالہ کہبۃ الصحیح ان طالت مدتہ کل واحد من ھذہ الامراض وقدروہ بسنۃ کما فی الھدایۃ وغیرھا فانہ اذا طالت المدۃ صار بمنزلۃ طبع من طبائعہ ولم یخف موتہ منہ غالباً بان لا یحس ازدیادہ شیئاً فشیئاً کالحمی فکان صاحبہ فی التصرف بمنزلۃ الصحیح وان لا ای وان لم یطل مدتہ وکان بحیث یزداد حالا فحالا ویخاف فیہ الھلاک غالباً فمن ثلثہ انتہی ملخصاً۔
اور برجندی شرح مختصر وقایہ میں ہے :۔ مرض الموت ما یکون سبباً للموت وذلک اذا کان یزداد حالا

فی الاالی ان یکون آخرہ الموت فاذا استحکم ولا یزداد بعدہ لم یکن سبباللموت وصار صاحبہ فی التصرف بمنزلۃ الصحیح

اور عینی رمز الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں:۔ وان لا فمن ثلثہ ای ان لم یتطاول علیہ ذلک بحیث قد خاف منہ یکون کالمریض لانہ یکون سبباللموت غالبا انتہیٰ۔

اور زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں:۔ ای ان لم یتطاول یعتبر تصرفہ من الثلث اذا کان صاحب فراش ومات منہ فی ایامہ لانہ فی ابتدائہ یخاف منہ الموت ولہذا یتداوی فیکون مرض الموت انتہیٰ۔

اور منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے:۔ وہبۃ مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ ولم یخف موتہ منہ والا ای وان لم تطل المدۃ وخیف موتہ منہ فمن ثلثہ انتہیٰ۔

اور قہستانی شرح مختصر وقایہ میں ہے:۔ والا ای وان لم یطل مدتہ وخیف موتہ منہا ومات فمن ثلثہ لانہا فی ابتدائہا یخاف منہا الموت ولہذا یتداوی منہا فیکون مرض الموت انتہیٰ۔

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سال کے اندر فوت ہوجانے سے ہبہ ساقط نہ ہوگا، مگر جب کہ خوف ہلاکت غالب ہو اور موت مرض سابق سے واقع ہو۔

شاہی وظیفہ کے حقدار

سوال (۵۲۲) بادشاہ کی طرف سے زید کا وظیفہ مقرر ہے، مگر اس کے لڑکا کوئی، اب زید چاہتا ہے کہ وظیفہ میرے داماد کے نام سے جاری رہے، یا زید خود اس کو ہبہ یا رہن یا بخشش کرنا چاہتا ہے اور زید کے حقیقی یا چچا زاد بھائی دعویٰ کرتے ہیں کہ زید کا وظیفہ بھائی کو ملنا چاہیے، موجودہ صورت میں زید کو اپنے داماد کے نام ہبہ یا بیع وغیرہ کرنے کا حق حاصل ہے، یا بادشاہ کو اختیار ہے، اور اس وظیفہ میں بھائی زیادہ مستحق ہوں گے یا داماد؟

جواب:۔ جو وظیفہ تمام حقوق سے مجرد اور خالی ہے اس کا رہن، بیع یا ہبہ جائز نہیں، بلکہ اس میں بادشاہ کو اختیار کامل ہے کسی بھی مستحق کے نام جاری کردے، الاشباہ والنظائر میں ہے:۔ فی صلح البزازیۃ رجل لہ عطاء فی الدیوان مات عن ابنین فاصطلحا علی ان یکتب فی الدیوان اسم احدہما ویاخذ العطاء والآخر لاشئ لہ من العطاء ویبذل لمن کان العطاء لہ مالا معلوما فالصلح باطل ویرد بدل الصلح والعطاء الذی جعل الامام عطاء لہ لان الاستحقاق للعطاء باثبات الامام لا دخل فیہ لرضاء الغیر وجعلہ غیران السلطان ان منع المستحق فقد ظلم مرتین فی تضیۃ حرمان المستحق واثبات غیر المستحق مقامہ انتہیٰ

اسی میں دوسری جگہ مذکور ہے:۔ الحقوق المجردۃ لا یصلح الاعتیاض عنہا لحق الشفعۃ فلو صالح عنہ بمال بطلت ورجع بہ وعلی ہذا لا یجوز الاعتیاض عن الوظائف بالاوقات انتہیٰ۔

ہبہ بالمشاع یا اقرارنامہ

سوال (۵۲۳) حامد فوت ہوا اور دو لڑکے احمد ومحمود اور ایک مکان خاص پیدا کردہ اپنا ورثہ اور

متروکہ چھوڑا، اور اس کے بعد مابین احمد اور محمود برادران حقیقی کے متروکہ پدری انصافاً تقسیم ہوگیا، محمود نے بوجہ لاولدی کے مسعود برادر عم زاد حقیقی اور احمد نے محمود امجد وغیرہ نواسوں کو متروکہ اپنا اپنا دے کر ایک ایک اقرار نامہ حسب ضابطۂ شرعی بدیں مضمون کہ یہ مکان نصف مشاع وملک فلاں شخص ونصف مشاع حق وملک فلاں فلاں اشخاص کا ہے، ہم مقران عاریتاً اس میں قیام پذیر ہیں، مالکان مکان جب چاہیں ہم سے تخلیہ مکان کا کروالیویں ہم کو کچھ عذر نہ ہوگا، ۱۲۷۵ھ ہجری میں لکھ دیا، اور وہ اقرار نامہ بگواہی ومہر مکمل ہوگیا، اور اقرار نامہ میں مقران نے پہ نسبت مکان مذکورہ ملکیت اپنی اپنی نہ بروئے ارث ونہ بروئے خرید اور نہ کچھ اور ذکر مذکور دینے یا نہ دینے مکان کا بہ نسبت ورثہ مذکورین کے لکھا، پس اس سے صاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملکیت مقرلہم کی اس مکان پر کسی طریق دیگر سے ہے، کہ وہ مقران عاریۃً واجارۃً اس میں قیام پذیر ہیں، چنانچہ وہ دونوں مقران اقرار نامہ اسی مکان میں رہے اور مرتے دم تک انہی کا قبضہ رہا، مگر چونکہ بیع نامہ مکان مذکور موسومہ حامد مورث اعلیٰ تقسیم نہیں ہو سکتا تھا، پس بوجہ دوراندیشی ودفع مناقشہ آئندہ کے ہر دو مقران اقرار نامہ نے یہ اقرار نامہ بمہر ودستخط اپنے اپنے کے لکھ دیا، اور اصل بیعنامہ مکان موسومہ حامد پاس ورثہ مذکور کے اور اقرار نامہ مذکور پاس ورثہ محمود وامجد وغیرہ کے یعنی کہ ہر ایک فریق کے پاس دوسرے کا وثیقہ موجود نہیں ہے، دوم یہ کہ ابتدائے اقرار نامہ مذکور سے اب تک ورثائے محمود وامجد وغیرہ کا بوجہ اتفاق ویک جہتی باہمی وخصوصاً بنظر عدم بدنیتی وعدم بے ایمانی وغیرہ طرفین کے کسی طرح کا قبض وتصرف مکان مذکور پر نہیں ہوا، بدستور مثل ترتیب النسل ورثہ مسعود کا قبض وتصرف ہے، اب ورثہ محمود وامجد وغیرہ۔ بعد چندیں مدت مدیدہ وعرصہ بعید کے بموجب اقرار نامہ موجودہ ورثہ مسعود سے (کہ شرعاً کوئی میعاد دعوے کی مقرر نہیں ہے، اور ہر وقت مدعی کو اپنے دعوے کا اختیار ہے) نصف مکان کے مدعی ہوئے، تو ورثہ مسعود بہ نیت حق تلفی ونادہندی وعدم پابندی شریعت وایمان داری کے اقرار نامہ کو ہبہ بالمشاع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بحالت موجودگی پوتوں کے نواسگان کو کیونکر حق مل سکتا ہے، اگر کچھ حق بھی تمہارا ہوتا، تو دادا نانا تمہارے اب تک کیوں خاموش بیٹھے رہے، ورثہ محمود وغیرہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہبہ نامہ نہیں بلکہ اقرار نامہ ہے اور اس کی کسی عبارت سے ہبہ بالمشاع نہیں پایا جاتا ہے، اور اگرچہ ابتداء سے اب تک بوجہ اتفاق باہمی اور عدم بدنیتی اور بے ایمانی طرفین کے کوئی کسی طرح کا قبض وتصرف ہمارا نہیں ہوا، لیکن عند الشرع کوئی میعاد دعویٰ مقرر نہیں ہے اور نہ بطلان حق حقدار ہو سکتا ہے، اور ہم بموجب اقرار نامہ موجودہ نہ بموجب حق نواسگی یا عصوبت وغیرہ کے حصہ اپنا طلب کرتے ہیں، اور یہ اقرار نامہ ایسا تصور کرنا چاہیے جیسا کہ محمد امین تمہارے جد نے باوجود موجودگی عصبہ یعنی اپنے برادر زادہ حقیقی کے اپنا نصفی متروکہ صحرائی وسکنائی اپنے برادر زادہ حقیقی کو اور نصفی متروکہ صحرائی وسکنائی اپنا

مسماۃ ہندہ نواسی حقیقی محروم الارث کو بنظر دوراندیشی دین مہر زوجہ اپنی کے جو جدۂ صحیحہ مسماۃ ہندہ کی ہوتی ہے اور مسماۃ ہندہ باولاد برادر زادگان زوجہ کے کتخدائی ہوئی ہے، ایسا نہ ہو کہ نواسی کا خسر یا خاوند اپنی عمہ جو میری عصبہ ہے کا مدعی ہو جائے لکھدیا دیا، اس اقرار نامہ کو بھی تصور کرنا چاہیئے کہ واسطے دفع مناقشہ آئندہ کے احمد نے بدین مہر زوجہ اپنے کے بنام محمود و امجد وغیرہ کے یہ اقرار نامہ لکھدیا، ورنہ احمد موجودگی دختر کے نواسگان کو کیوں لکھدیا، علاوہ اس کے وہ لوگ عالم ذی فضل و فاضل و پابند شریعت جناب سلاطین اہل اسلام مقرر تھے ایسی بے ضابطگی برخلاف شریعت ان سے نہیں ہو سکتی تھی، اور تقسیم ہونا متروکہ پدری کا باہم ہر دو برادران مذکوران کے اور پہلے مرنا محمود کا اور بعد اس کے مرنا احمد کا اور دیدینا اپنا اپنا متروکہ مسعود و محمود وغیرہ کو کتاب اغصان الانساب مصنفہ جد تمہارے سے بخوبی ثابت اور مؤید ہے تو ایسی صورت میں کل متروکہ جائداد کا بوجہ تقدیم و تاخیر اموات کے احمد کی طرف شرعاً عود کرتا ہے، پس علمائے دین کے نزدیک آیا اقرار نامہ یا ہبہ نامہ المشاع متصور ہوگا اور یہ اقرار نامہ اور یہ کارروائی بعینہٖ کارروائی محمد امین جد ورثہ مسعود کے پائی جاتی ہے یا نہیں، اور یہ اقرار نامہ جائداد اور نیز قابضان جائداد پر شرعاً بعد چندیں مدت مدیدہ نافذ ہو سکتا ہے یا نہیں، اور ورثہ محمود و امجد وغیرہ بروئے اس اقرار نامہ کے دعویٰ ورثہ مسعود سے کر سکتے ہیں یا نہیں، اور چونکہ زوجہ محمد امین کے چار پانچ برادر زادگان حقیقی ہیں، اور محمد امین بدین مہر زوجہ اپنے کے تحریر جائداد صحرائی و سکنائی موسومہ نواسی محروم الارث اپنے کو باوجود برادر زادہ حقیقی اپنے کو دے چکا ہے، تو دیگر برادر زادگان حق دین مہر عمہ حقیقی اپنے کا بہ تعداد بائیس ہزار کے مقرر ہے، کس متروکہ محمد امین سے آیا متروکہ مقبوضہ مسماۃ ہندہ یا متروکہ مقبوضہ برادر زادہ حقیقی محمد امین یا دونوں کے مقبوضہ میں سے پاویں گے؛ جو کچھ کہ از روئے شرع شریف کتب فقہ سے ثابت ہو، بقید عبارت و نام کتاب جواب ہر ایک امورات مستفسرہ کا ارقام فرما دیں بینوا توجروا؟

جواب: تحریر دوست محمد و نور الحق اگرچہ بحسب ظاہر اقرار لملک للغیر ہے، نہ ہبہ ولیکن بیان مستفتی سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس الامر میں مکان مقر بہ ملک مقرین تھا، نہ ملک مقر لہم نور الحق ایک مقر نے اپنا حصہ نصف مشاع محمد احمد اپنے برادر عم زاد حقیقی کو اور دوست محمد دوسرے مقر نے اپنا نصف مشاع اپنے چار نواسوں محمد حفیظ اللہ وغیرہ کو دیکر بنظر دور اندیشی و دفع مناقشہ آئندہ کے اقرار ملک ان کے لئے لکھدیا اور باوجود اس اقرار کے تمام عمر خود وہ دونوں مقر اس پر قابض و متصرف رہے، اور مقر لہم کو تسلیم نہیں کیا، اور ورثہ محمد حفیظ اللہ وغیرہ بھی خود اس امر کے معترف ہیں اور معاملہ محمد امین کو بطور نظیر اور کتاب اغصان الانساب مؤلفہ رضی الدین محمود جد ورثہ محمد احمد کو بطور تائید اور شہادت کے پیش کرتے ہیں اور اس خاندان میں ایک کتاب کے موجود ہونے کے سبب سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگ اس قوم کے اس امر پر مطلع ہیں اس وجہ سے یہ اقرار تملیک عین بلا عوض یعنی ہبہ ٹھہرایا جاوے گا اور

شرائط ہبہ اس میں مرعی ہوں گے اور ہبہ مشاع اور ہبہ بغیر قبض نافذ نہیں ہوتے، پس ورثہ مقرلہم اس اقرار کی بنا پر دعویٰ مکان مقربہ کا نہیں کر سکتے، اور جبراً ان کو ورثہ مقرین کے لینا حرام ہے ہاں اگر وہ دونوں مقر بعد اقرار کے اس مکان مقربہ کو تقسیم کرکے ہر ایک مقرلہ کو موافق اقرار کے تسلیم کر دیتے تو اس صورت میں یہ اقرار ابتدائے ہبہ ٹھہرایا جاتا اور مقرلہم مالک ہو جاتے۔

فی الدر المختار اقر لآخر بمعین ولم یضفہ لکن من المعلوم لکثیر من الناس انہ ملکہ فہل یکون اقراراً او تملیکاً ینبغی الثانی فیراعی فیہ شرائط التملیک قراجوا انتہیٰ۔

وایضاً فیہ عن البزازیۃ حتی اقر کاذ بالم یحل لہ لان الاقرار لیس سبباً للملک نعم لو سلمہ برضاہ کان ابتداء ھبۃ وھو الاوجہ انتہیٰ

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ عن الخانیۃ رجل اقر فی صحتہ وکمال عقلہ ان جمیع ما ھو داخل منزلہ لامرأتہ ثم مات الرجل وترک ابنا فادعی الابن ان ذلک ترکۃ ابیہ قال ابو القاسم الصفار ان علمت المرأۃ ان جمیع ما اقر بہ الزوج کان بدلہا ببیع او ھبۃ کان لہا ان تمنع ذلک من الابن بحکم اقرار الزوج وان علمت انہ لم یکن بدلہا ببیع ولا ھبۃ لا یصیر ملکا لہا بہذا الاقرار انتہیٰ۔

اور چونکہ ورثہ محمد حفیظ اللہ وغیرہ نواسگان دوست محمد مالک اس مکان مقربہ کے بحکم اس اقرار کے نہیں ہو سکتے پس اگر محمد امین الدین وارث محمد احمد تنہا اس مکان کا مالک وراثۃً ہو تو سب تصرفات اس کے اس مکان میں شرعاً جائز ہیں اپنے بھتیجے اور نواسی کو اس کا دینا بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

حررہ محمد المدعو بعابد حسین عفا اللہ عنہ وعن شیخہ روز جمعہ دوازدھم شوال سنہ ۱۳۰۰ھ

تحریر محمود اور احمد کی اقرار نامہ متصور ہوگی نہ ہبہ نامہ جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہے۔

قال فی الخانیۃ رجل قال جمیع ما یعرف لی او ینسب الی فہو لفلان، قال ابو بکر الاسکاف ھذا اقرار ولو قال جمیع مالی او جمیع ما املکہ فہو لفلان فہو ھبۃ ولو قال جمیع ما فی بیتی لفلان فہو اقرار انتہیٰ

والاصل فی ذلک انہ ان اضاف المقربہ الی ملکہ کان ھبۃ لان قضیۃ الاضافۃ تنافی حملہ علی اقرار الذی ھو اخبار لا انشاء تنقیح الفتاوی الحامدیۃ اور ایسے ہی منح الغفار اور در مختار وغیرہ میں موجود ہے

پس صورت مذکورہ میں ہرگاہ مقران نے مقربہ کی نسبت اپنی ملکیت ذکر نہیں کی، بلکہ اس کو دوسروں کے واسطے اقرار کر دیا بر بنا رعلیہ شیوع وغیرہ اس میں مضر نہ ہوگا۔ اور دعویٰ محمود و امجد وغیرہ کا اس اقرار نامہ کی بنا پر ورثہ مسعود پر نافذ ہو سکتا ہے، اور دعویٰ برادر زادگان زوجہ محمد امین متروکہ مقبوضہ ہندہ پر نہیں ہو سکتا واللہ اعلم، حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

وصول یابی سے قبل وظیفہ کی ملکیت

سوال (۲۴۵) مسماۃ فاطمہ زوجہ شاہ مراد علی مرحوم نے ایک نوشتہ بایں مضمون لکھا کہ پہلے میں نے

ایک ہبہ نامہ بنام مسماۃ بدورن بی بی زوجہ شاہ قدرت اللہ کے لکھا تھا تو اس میں لفظ نسلاً بعد نسلٍ کے لکھے گئے تھے، اور یہ زر پنشن ہے کہ جس کی عذرداری ہمارے وارثان شوہر نے کی، لہٰذا اس ہبہ نامہ کو فسخ کرکے اس ہبہ نامہ ثانی میں مقررہ جو مبلغ ایک سو نو روپیہ چودہ آنہ سکہ چہرہ دار جو سالانہ بابت باقی تصفیہ محلہ سقران کے مقرر ہے، بقید حین حیات بنام مسماۃ بدورن بی بی زوجہ قدرت اللہ مذکور کے لکھے دیتی ہوں کہ بعد فوت میرے مسماۃ مذکور تا حیات اپنے قابض و دخیل زر پنشن مذکور کے ہو سال بسال یا جیسا کہ قاعدہ سرکار سے مقرر ہے وصول کرکے اپنے تصرف میں لایا کرے اور بعد فوت اس کے وارثان کریم الدین پسر و مسماۃ علیم النساء بی بی دختر اور اپنی بی بی بحصص مساوی ورثائے شوہری بھی پایا کریں لکھ دیا اور یہ زر پنشن عطائے سلطانی ایک شخص شاہ مراد علی کے نام سے ہے، اور مسمی کریم الدین پسر اور مسماۃ علیم النساء بی بی دختران شاہ مراد علی زوج اور زوجہ فاطمہ بی بی متوفی سے ہیں اور وارث متوفی کے بھی ہیں، پس ایسی صورت مذکور میں تملیک مضاف بعد الموت یعنی وصیت جائز ہوئی یا نہیں اور یہ وصیت بالشرط ہے یا نہیں، یا یہ کہ وصیت قرار نہ پائے گی بسبب لکھنے عبارت بالا کے اور نوشتہ مذکور کی نقل ہمراہ استفتائے ہذا ہے، ملاحظہ فرماکر جواب جلد قلمبند فرمانے سے ثواب ہوگا۔

جواب:- درمختار میں بحث مصارف بیت المال میں ہے:- العطاء صلة فلا تملك الا بالقبض انتهى

اور بھی اس میں کتاب الوصایا میں ہے اثنائے ذکر شرط جواز وصیت میں:- وکون الموصى به قابلا للتمليك بعد موت الموصى بعقد من العقود مالا او نفعا انتهى۔

اور اشباہ میں قاعدہ خامسہ میں ہے:- العطاء الذی جعل الامام العطاء لهم لان الاستحقاق للعطاء باثبات الامام لا دخل فيه لرضاء الغير وجعله انتهى۔

اور رد المحتار حاشیہ درمختار میں کتاب البیوع میں ہے:- قال فی البدائع الحقوق المفردة لا تحتمل التمليك ولا يجوز الصلح عنها۔ انتهى۔

ان عبارات سے یہ امر ثابت ہوا کہ وظیفہ مقررہ قبل وصول ہونے کے مملوک نہیں ہے، صرف حق صاحب وظیفہ متعلق ہے اور حق کی تملیک باطل ہے، بنا علیہ صورت مذکورہ میں وصیت مذکورہ کہ اس میں تملیک ہوتی ہے باطل ہوگی، واللہ اعلم، حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

رسید اور حقوق کا ہبہ

سوال (۵۲۵) اگر کوئی شخص بعد چھ مہینہ کے کچھ روپیہ گورنمنٹ سے پایا کرتا ہے وہ قبل وصول کرنے کے اس روپیہ کو ہبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص کسی شخص کو ہبہ کرے جس کے ذریعہ سے وہ روپیہ ایک میعاد معین پر وصول کیا کرتا ہے کیا اس کا اثر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ روپیہ جسے وہ اس میعاد پر وصول کرے گا ہبہ ہو جاوے گا، اگر کوئی صرف استحقاق کسی شے کا بلا بخشنے کے ہبہ کرے

تو یہ جائز تصور کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب: چٹھی کا ہبہ اور بیع اور ایسے ہی صرف حق واستحقاق کے ہبہ و بیع شرعاً لغو ہے، استحقاق اور چٹھی کے ہبہ سے یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ موہوب لہ وہ روپیہ وصول کر سکے اور ایسی ماہانہ یا سالانہ یا ششماہی کا ہبہ و بیع نادرست ہے کیونکہ ایسی تنخواہ قبل قبض وصول کے ملک میں داخل نہیں ہوتی ہے، اور بیع وہبہ غیر مملوک ومعدوم کی باطل ہے۔

خزانۃ الروایات میں ہے:- فی التجنیس من لہ وظیفۃ فی بیت المال اذا قسمتہ فی حال حیاتہ فقسمتہ باطلۃ لانہ بعد الموت یرد الی بیت المال۔ وفی جواہر الفتاوی علوی لہ مشاہرۃ من مال الخروج یوصل الیہ کل سنۃ فوہبہا لغیرہ ووکلہ لقبضہا لا یجوز لان العلوی لا یملکہا قبل القبض ولا یصح جعلہا ہبۃ لغیرہ لانہ لم یملکہا وفی القنیۃ قال نجم الائمۃ شری المبرات التی یکتبہا الدیوان علی العمال لا یصح انتہی۔

اور رسالہ احکام الاراضی میں ہے:- الاصل ان المعدوم لا یصح تملیکہ ولا التصرفات فیہ انتہی۔

اور بھی اس میں ہے:- لا یعلم لذلک ای للقول بالتملک فی غیر المقبوض من الوظیفۃ اصل من الکتب المشہورۃ المعتبرۃ۔ واللہ اعلم۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

بھتیجہ کی موجودگی میں کل جائداد زوجہ کے نام ہبہ کر دینا

سوال (۵۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو وارث ہیں بھتیجہ مسمی بکر اور ایک زوجہ غیر ذات الولد، زید نے اپنے کل مملوکات منقولہ وغیر منقولہ بعوض دین مہر کے اپنی زوجہ کو ہبہ کر دیا و ہنوز نوبت تحریر و تکمیل ہبہ نامہ نہیں آئی کہ دفعتہً زید بیمار ہو کر مر گیا، بعد مرنے زید کے فیما بین بکر اور اس کی چچی یعنی زوجۂ زید کے یہ قرارداد ہوا کہ اگر زوجۂ زید و بکر سے کسی قسم کی نزاع و پرخاش پیش نہ آوے تو اس وقت کل مملوکات جدی وموروثی زید پر زوجۂ زید تا حین حیات خود قابض و مالک ہے اذ لیس ہذا فلیس ذلک۔ اس صورت میں یہ قرارداد مبطل اس ہبہ بالعوض کا جو زید نے اپنی زوجہ کو بعوض دین مہر کے کر دیا تھا ہے یا نہیں؟

جواب: مبطل اس ہبہ بالعوض کا نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

ہبہ بغیر قبضہ

سوال (۵۲۷) موہوب لہ کے قبضہ کے بغیر ہبہ تمام ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں، جیسا کہ متون میں تصریح ہے۔

قبضہ دینے سے پہلے واہب کا مر جانا

سوال (۵۲۸) اگر تسلیم موہوب سے پہلے واہب کا انتقال ہو جائے تو ہبہ باطل ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ باطل ہوجاتا ہے۔ عالمگیریہ میں ہے ماذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت انتہیٰ۔

مریض کا ہبہ کرنا

سوال (۵۲۹) اگر زید نے مرض الموت میں ہبہ کیا اور قبضہ بھی کرادیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ یہ ہبہ بمنزلہ وصیت کے ثلث مال سے نافذ ہوگا، عالمگیریہ میں ہے:۔ لا یجوز ہبۃ المریض ولا صدقتہ الا مقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث انتہیٰ۔

ہبہ بلا ایجاب وقبول

سوال (۵۳۰) ہبہ بتعاطی یعنی بغیر ایجاب کے صحیح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بعض کے نزدیک صحیح ہوجاتا ہے، جامع الرموز میں ہے:۔ وفیہ اشارۃ الی انہا تصح بالتعاطی کما فی اول النساء من شرح التاویلات فان التملیک اعطاء الملک کما فی المقدمۃ لکنہ یوہم ان الایجاب لیس برکن وھو رکن بلا خلاف انتہیٰ

ہبہ بالعوض کا حکم

سوال (۵۳۱) ہبہ بالعوض بیع کے حکم میں ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ابتداءً اور انتہاءً بیع کے حکم میں ہوتا ہے، درمختار میں ہے:۔ لو قال وھبتک بکذا فھو بیع ابتداءً وانتہاءً انتہیٰ۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ لو قال الرجل لآخر وھبت منک ھذا العبد بالف درھم وقال الآخر قبلت صح البیع کذا فی الخلاصۃ انتہیٰ

قابلِ تقسیم مشترک چیز کا ہبہ بالعوض

سوال (۵۳۲) تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع رہنے والی چیز مثلاً زمینِ مشترک میں سے اپنا حصہ ہبہ بالعوض کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے، لیکن موہوب لہٗ کی ملکیت اسی وقت ثابت ہوگی جب کہ واہب ہبہ کرنے کے بعد تقسیم کرکے شیٔ موہوب پر موہوب لہٗ کا قبضہ کرادے اور خود واہب عوض پر قابض ہوجائے، اس سے پہلے نہیں، عنایہ میں ہے:۔ اذا وھب مشاعاً فیما یقسم ثم افرزہ وسلمہ صحت ووقعت مثبتۃ للملک فعلم بھذا ان ھبۃ المشاع فیما یقسم وقعت جائزۃ فی نفسہا لکن توقفت اثباتہا الملک علی الافراز والتسلیم انتہیٰ

مالک کے کہنے سے ہبہ کا انعقاد

سوال (۵۳۳) اگر زید نے خالد سے کہا میں نے تجھ کو اس گھر کا مالک بنادیا، تو اس کہنے سے ہبہ ہوجائے گا یا نہیں؟

جواب:۔ بعض کے نزدیک ہبہ ہوجائے گا اور بعض فقہاء کہتے ہیں اگر ہبہ پر کوئی قرینہ موجود ہو تو ہبہ صحیح ہوگا۔

رد المحتار میں ہے: بقی مالو قال ملکتک ھذا الثواب مثلا فان قامت قرینۃ علی الھبۃ صحت والا فلا لان التملیک اعم منہا الصدقۃ علی البیع والوصیۃ والاجارۃ وغیرہا وفی الکاذرونی انہا ھبۃ انتہی۔

ملکیت کی خبر دینے سے ہبہ کا انعقاد

سوال (۵۳۴) عمرو نے کہا یہ مال زید کا ہے، اس کہنے سے ہبہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب: ہبہ نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر عمرو یہ کہے کہ میرا یہ مال فلاں شخص کا ہے تو ہبہ ہو جائے گا۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے: قالوا اذا اضاف المال الی نفسہ اولا بان قال عبدی ھذا لفلان یکون ھبۃ علی کل حال وان لم یضف الی نفسہ بان قال ھذا المال لفلان یکون اقرارا انتہی۔

ایک کو ہبہ کرکے دوسرے کو محروم کردینا:

سوال (۵۳۵) اگر زید نے اپنا تمام مال اولاد میں سے کسی ایک کے نام ہبہ کرکے باقی کو محروم کردیا یا بوقت تقسیم کسی ایک کو حصے سے زائد دے دیا تو دونوں صورتوں میں ہبہ نافذ ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہبہ ہر دو صورت نافذ ہو جائے گا، مگر پہلی صورت میں واہب گنہگار ہوگا، اور ثانی صورت میں تارک اولی۔ مشکوۃ میں ہے: عن النعمان بن بشیر ان اباہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما فقال لکل ولدک نحلت مثلہ قال لا قال فارجعہ وقال الطیبی فیہ استحباب التسویۃ بین الاولاد فی الھبۃ فلا یفضل بعضھم علی بعض سواء کانوا ذکورا او اناثا قال بعض اصحابنا ینبغی ان یکون للذکر مثل حظ الانثیین والصحیح الاول ولو وھب بعضھم دون بعض فمذھب الشافعیؒ ومالکؒ و ابی حنیفۃؒ انہ مکروہ ولیس بحرام والھبۃ صحیحۃ وقال احمدؒ والثوریؒ واسحقؒ ھو حرام انتہی۔

اور بزازیہ میں ہے: الافضل فی ھبۃ للابن التثلیث کالمیراث وعند الثانی التنصیف وھو المختار ولو وھب جمیع مالہ ابنہ جاز قضاءً وھو اثم نص علیہ محمدؒ ولو خص بعض اولادہ لزیادۃ رشدہ لا باس بہ وان کانوا سواء لا یفضلہ انتہی۔

مکان کا حصہ ہبہ کرنا

سوال (۵۳۶) اگر کسی نے مکان کا کوئی حصہ ہبہ کردیا تو صحیح ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہبہ فاسد ہے، البتہ اگر تقسیم کرکے موہوب لہ کو سپرد کردے تو صحیح ہو جائے گا۔ ہدایہ میں ہے: ومن وھب شقصا فالھبۃ فاسدۃ لما ذکرنا فان قسمہ وسلمہ جاز لان تمامہ بالقبض وعندہ لا شیوع انتہی۔

باب القرض

سود کی رقم اور اصل قرض

سوال (۵۳۷) اگر کسی شخص نے سودی قرض لے کر سود کے حساب سے بقدر اصل رقم ادا کردی تو یہ شخص پورے

قرض سے بری الذمہ ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب: دار الاسلام میں سود دینا حرام ہے، جو رقم اس نے دی وہ اصل قرض سے محسوب ہوگی۔

کافر مقروض کا مر جانا

سوال (۵۳۸) اگر مسلمان کا قرضہ کافر پہ ہے اور مدیون بغیر ادا کیے مرگیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: بوقت محاسبہ مدیون کے اعمالِ حسنہ دائن کو دلا دیئے جائیں گے۔

مسلمان مقروض کی موت

سوال (۵۳۹) مسلمان مقروض کہ بغیر ادائے قرض مرگیا معذب ہوگا یا نہیں؟

جواب: مدیون اپنے دین میں مقید رہتا ہے اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور پروردگار سے وحشت و تنہائی قید و بند اور صلحاء و شفعاء کی صحبت سے بعد کی شکایات کرتا ہے۔ جیسا کہ براء بن عازب کی روایت کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

گندم یا آٹے کا قرض

سوال (۵۴۰) زید نے عمرو سے دس سیر گندم یا آٹا لے کر صرف کر لیا، اب اسی قدر واپس کرتا ہے تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ معاملہ قرض کا ہے اور استحسانا جائز ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:۔ القرض عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی الآخر یرد مثلہ وصح فی مثلی لا غیر انتہی۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ و فی نوادر ہشام عن ابی یوسفؒ انہ قال لا خیر و لا خیر فی قرض الحنطۃ الدقیق بالوزن و ذکر فی الاصل اذا استقرض الدقیق وزنا لا یردہ وزنا ولکن یصطلحان علی القیمۃ و عن ابی یوسفؒ فی روایۃ یجوز استقراضہ وزنا استحسانا اذا تعارف الناس ذلک و علیہ الفتوی کذا فی الغیاثیۃ۔

بمقابلہ مدت مال کی زیادتی

سوال (۵۴۱) زید نے عمرو سے مدتِ متعینہ کے لیئے ایک روپیہ قرض لیا اور طے کیا اگر مدت گذرگئی تو مدت کے عوض چار آنے زائد دیئے جائیں گے۔ تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حرام ہے۔ کفایہ میں ہے:۔ ان الشرع حرم ربوا النسئۃ ولیس فیہ الا مقابلۃ المال بالاجل فلان یکون مقابلۃ المال بالاجل حقیقۃ حراما اولی انتہی۔

مدت مقررہ سے قبل ادا دین کا مطالبہ

سوال (۵۴۲) قرض دینے والا مدت مقررہ پر راضی ہو چکا تھا۔ اب اس کو مدت سے پہلے ادا دین کے مطالبہ کرنے کا حق ہوگا یا نہیں؟

جواب: حق ہے۔ سراجِ منیر میں ہے:۔ و صح تاجیل کل دین عند العقد او بعدہ الا القرض ولا یثبت الاجل

فیہ وللمقرض ان یطالب حالاً کما فی المعدن انتہی۔

دین اور قرض کا فرق

سوال (۵۴۳) دین اور قرض میں کیا فرق ہے؟
جواب:۔ دین وہ کہلاتا ہے کہ بغیر کسی سے روپیہ لیے مدیون کے ذمہ واجب ہو جائے جیسے مہر اور مبیع کا ثمن وغیرہ اور قرض متعارف و مشہور ہے۔ سراج المنیر میں ہے:۔ الفرق بین القرض والدین ان الدین ما وجب فی الذمۃ کالمہر وثمن المبیع والقرض ھو العین الذی یقرضھا انسان کما فی النہایۃ انتہی

وفات دائن کے بعد دین کی ادائیگی

سوال (۵۴۴) زید نے عمرو سے قرض لیا اور ادائیگی سے پہلے عمرو مر گیا اور اس کا کوئی وارث بھی نہیں تو ادائے دین کی کیا صورت ہوگی؟۔
جواب:۔ مدیون کو چاہیے کہ وہ تمام رقم فقراء اور مساکین کو دے کر عمرو کی روح کو ایصالِ ثواب کر دے۔

بابُ الحَوالۃ

حوالہ میں محیل اور محتال علیہ کی موجودگی

سوال (۵۴۵) ہندہ اور مریم دائنان ہیں اور زید مدیون، زید نے بکر پر حوالہ کیا۔ و نیز عمرو باپ زید نے برضائے زید مدیون بحضور ہندہ اور مریم دائنان بخط خود رقعہ بنام بکر یہ تحریر کیا کہ اس قدر روپیہ ہندہ اور مریم کو دے دینا۔ زر مندرجہ رقعہ در حساب ذمگی زید مدیون ہندہ اور مریم دائنان مجرا کیا جائے گا چنانچہ حسب تحریر رقعہ مذکورہ بکر نے کل دین مریم بمقدار مندرجہ رقعہ بدفعات منجانب زید مدیون مریم کو ادا کر دیا اور جو مقدار دین ہندہ مندرجہ رقعہ تھی بعض اس کا بدفعات ہندہ کو ادا کیا اور بعض اس کا باقی ہے جس کا دعویٰ ہندہ کو بربنائے حوالہ بنام بکر ہے اور اقرار بکر نسبت ادائے بقیہ دین ہندہ بشہادت شہود ثابت ہے اب ہنگام مطالبہ ہندہ نسبت بقیہ دین خود بکر بعد ادائے کل دین مریم و بعض دین ہندہ نسبت ادائے دین ہندہ منکر حوالہ ہے بعد اظہار صورت نزاعی بخدمت مفتیان شرع متین یہ التماس ہے کہ از روئے روایات فقہ او رمسائل شرعیہ حضور محیل و محتال لہ و محتال علیہ ہنگام حوالہ شرط صحت حوالہ ہے یا نہیں اور اگر یہ صورت فرض کی جائے کہ جس وقت عمرو نے بحضور ہندہ اور مریم دائنان زید مدیون بہ مضمون دینے روپیہ مندرجہ رقعہ منجانب زید مدیون بنام بکر تحریر کیا تھا تو بلا رضا اور امر زید مدیون لکھا تھا اور نہ کچھ دین زید مذکور ذمہ بکر تھا اور نہ کوئی شے زید کی بطور ودیعت عند البکر تھی الا بکر نے موافق مضمون رقعہ نوشتہ پدر زید مدیون زر مندرجہ رقعہ بدفعات ہندہ اور مریم اس طرح کہ کل دین

مریم کا مریم کو اور بعض دین ہندہ کا ہندہ کو ادا کیا، من حیث الشرع عقد حوالہ منعقد ہے یا نہیں اور اگر محتال لہ بھی مجلس حوالہ میں موجود نہ ہو مگر اس کی جانب سے کوئی شخص فضولی حوالہ کو قبول کرے تو بصورتِ ہذا بحسب الشرع حوالہ منعقد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

جواب:- در باب صحت حوالہ حضور محیل و محتال علیہ بہ مجلس حوالہ شرط نہیں فقط حضور محتال لہٗ بہ مجلس حوالہ شرط ہے مگر جب کہ کوئی شخص از جانب محتال لہٗ حوالہ کو قبول کرے گا۔ تو اس وقت میں بلا حضور محتال لہٗ بھی حوالہ صحیح ہے، چنانچہ فتاویٰ حمادیہ میں مرقوم ہے:- وشرط حضور الثانی الّا ان یقبل ای الحوالۃ فضولی ای لاجل الغائب لاحضور الباقین۔

ونیز فتاویٰ عالمگیری میں دربارۂ عدم حضور محتال علیہ تصریح ہے:- وعبارتہ ہٰکذا ولا یشترط حضرتہ لصحۃ الحوالۃ حتی لو احالہ علیٰ رجل غائب ثم علم الغائب فقبل صحت الحوالۃ اور حوالہ بلا رضا وبلا علم محیل بھی صحیح ہے۔ چنانچہ روایت در مختار:- بہذا العبارۃ شرط بصحتہا رضی الکل بلاخلاف الّا الاوّل وھو المحیل فلا یشترط علی المختار شرنبلالیۃ عن المواھب۔

در روایت فتاویٰ حمادیہ:- بہذا العبارۃ واما رضاء المحیل وھو المدیون فلیس بشرط ذکرہ فی الزیادات

ونیز فتاویٰ احمدی مثبت اس کی ہے۔

ونیز بحالت عدم لزوم دین محیل بذمہ محتال علیہ وعدم وجود شئ محیل عند المحتال علیہ بھی حوالہ صحیح ہے۔ چنانچہ کافی میں مصرح ہے کہ حوالہ کی دو قسم ہے مقیدہ ومطلقہ، مقیدہ وہ ہے کہ محتال علیہ پر محیل کا دین ہو یا اس کے پاس کوئی عین ہو محیل کا بطریق غصب یا ودیعت یا اور اس طرح سے اور مطلقہ برخلاف اس کے ہے اور قول بعض فقہاء درباب تعریف حوالہ مطلقہ مقید اس کا ہے کہ محیل حوالہ کو مقید بدین یا عین نہ کرے، چنانچہ بفتاویٰ عالمگیری درباب تقسیم حوالہ مرقوم ہے:- وھی نوعان مطلقۃ ومقیدۃ فالمطلقۃ ان یرسل الحوالۃ ولا یقیدھا بشئ مما عندہٗ من ودیعۃ او غصب او دین او محیلۃ علی رجل لیس لہٗ علیہ شئ مما ذکرنا کذا فی التبیین باعتبار تعریف ثانی حوالہ مطلقہ محیل اپنا دین یا وہ شے جو پاس محتال علیہ کے ہے۔ محتال علیہ سے طلب کرسکتا ہے کما یفہم ھٰذا من روایۃ الوقایۃ وروایات اکثر الکتب الفقہیۃ۔

اور جب یاوا سے بعض ہندہ ونیز بشہادت شہود ورضامندی بکر محتال علیہ وقبول حوالہ ثابت ہے تو اب انکار بکر محتال علیہ نسبت عدم قبول حوالہ غیر مقبول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب،

فی الواقع حضور محتال علیہ شرط صحت حوالہ نہیں جیسا کہ در شرح غرر میں ہے:- الشرط قبول المحتال او نائبہ ورضی الباقین لاحضورھما انتہیٰ

بلکہ رضائے محیل بھی بمذہب مختار شرط نہیں، ردالمحتار میں ہے:- لا یخفیٰ ان اشتراط رضاء المحیل بناءً علیٰ روایۃ القدوری وھی خلاف المختار انتہیٰ۔

بناء علیہ صورت المسئول عنہا میں محتال علیہ پر ادائی بقیہ دین بھی واجب ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

کتاب الدعویٰ

فاسق گواہوں کی موجودگی میں مدعیٰ علیہ پر تحلیف

سوال (۵۴۶) مدعی کے دو گواہوں نے دعوے کے مطابق گواہی دی مگر شرعی وجوہ کی بناء پر قاضی نے ان کی گواہی قبول نہیں، اس صورت میں مدعیٰ علیہ پر قسم واجب ہوگی یا نہیں؟۔

جواب :۔ صورت مذکورہ میں اگر دعوئے مدعی صحیح ہے تو گواہوں کے مردود ہوجانے کی وجہ سے قسم لینے کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ حدیث مشہورہ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر میں بینۃ سے مراد مطلق مراد نہیں بلکہ ایسے بینۃ اور گواہ مراد ہیں جو شرعاً گواہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور جب تک مدعی ایسے گواہ پیش نہ کردے الیمین علی من انکر کا حکم باقی رہے گا اور چونکہ یہ بدیہی امر ہے اس لیئے فقہاء نے جزئیات بیان نہیں کئے اور تمام بلادِ اسلام عرب و عجم میں معمول بہا ہے محمد سعد اللہ

صح الجواب :۔ واللہ علیم بالصواب محمد نعیم

جب کہ قاضی کا تقرر و تعیین صرف ایصال اور ادائے حقوق کے لئے ہوتا ہے۔ خواہ بینۃ کے ذریعہ ہو یا یمین کے اور جبکہ گواہ کسی وجہ سے قابلِ قبول نہیں اور اگر قسم نہ لی جاوے تو مدعی کا حق بغیر کسی وجہ شرعی کے باطل ہوتا ہے لہٰذا مدعیٰ علیہ سے قسم لینا لازم و ضروری ہوگا۔ اور اگر مختصر قدوری کی عبارت مذکورہ :۔ اذا صحت الدعویٰ سأل القاضی المدعی علیہ عنہا فان اعترف قضی بہا فان انکر سأل المدعی البینۃ وان احضرہا قضی وان عجز عن ذلک وطلب الیمین خصمہ استحلف انتہی۔

اور جمہور فقہاء کی عبارتوں سے یہ خیال ہو کہ مدعیٰ علیہ پر قسم کا وجوب صرف اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ مدعی احضار بینۃ سے عاجز ہوجائے اور صورتِ مسئولہ میں جب کہ احضار بینۃ پایا گیا تو پھر مدعیٰ علیہ پر حلف کس طرح واجب ہوگا تو اس طرح کیا جائے کہ احضار بینۃ سے عجز کا مطلب یہ نہیں کہ مطلق بینۃ کے پیش کرنے سے عاجز ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ مثبت دعویٰ گواہوں کے پیش کرنے سے عاجز ہوجائے

اس کے علاوہ یہ مسلم ہے کہ فقہاء گواہوں کے لئے جرح اور عدم قبولیت کے اسباب سے حفاظت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اذا فات الشرط فات المشروط کے قاعدہ سے مجروح اور غیر مقبول بینۃ کو پیش کرنا بمنزلہ پیش نہ کرنے کے ہے اس قسم کا حق باقی رہے گا۔ نیز نظر دقیق سے معلوم ہوتا ہے البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر میں البینۃ اور الیمین پر الف و لام عہد کا ہے۔ جو اس کی اصلی حالت ہے۔ لہٰذا حدیث کا مفہوم یہ ہوگیا۔ البینۃ المثبتۃ لدعواہ علی

المدعی، فان لم یقم بینۃ کذلک فالیمین الشرعی علی من انکر۔ واللہ اعلم۔ محمد عبدالحی

مقدمہ کا خرچہ لینا

سوال (۵۴۷) زید نے بسلسلۂ قرض عدالت میں بکر کے نام سو روپے کا دعویٰ کیا اور مقدمہ میں اسٹامپ اور وکیل کی فیس وغیرہ میں زید کے پچیس روپیہ مزید صرف ہو گئے اور ایک سو پچیس روپیہ کی ڈگری ہو گئی اب زید کے لیے اصل رقم سے زائد پچیس روپیہ صرفہ کے لینا جائز ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ زر خرچہ لینا شرعاً جائز نہیں۔

بھائی کے مال میں حق دعویٰ

سوال (۵۴۸) شیخ بشارت اللہ، چار لڑکے منور، پیر محمد، امان علی، زور آور چھوڑ کر انتقال کر گئے اور ورثہ جدی یا کسبی بالکل نہیں چھوڑا۔ اور چار لڑکوں نے علیحدہ علیحدہ بود و باش اختیار کر لی۔ منور نے اپنے زور بازو سے روپیہ کما کر کاشتکاری اور ٹھیکہ داری کا سامان مہیا کر کے سب بھائیوں کو اپنے ساتھ کھانے پینے میں شریک کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد پیر محمد اور زور آور علیحدہ ہو گئے اور امان علی شروع سے اب تک منور علی کے لڑکوں کے ساتھ مل کر زراعت و کاشتکاری کرتا رہا اور اس مدت میں حاصل شدہ فائدہ سے شیخ منور نے بھائی کی شادی اور اپنے لڑکوں کی تقریبات میں کچھ روپے صرف کیے۔ اب نااتفاقی کی وجہ سے امان علی علیحدہ ہو کر نقد و جنس اثاث البیت اور منور کے لڑکوں کی بیویوں کے سامانِ جہیز اور زیور سب کے بارہ میں تقسیم کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا اس کا دعویٰ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو امان علی کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب:۔ صورتِ مذکورہ میں چونکہ مال منور علی کا حاصل کردہ ہے۔ امان علی کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ البتہ امان علی نے زراعت و کاشتکاری میں جس قدر محنت کی اس کی اجرتِ مثل دی جائے گی۔

مدعیٰ علیہ کا مدعی سے خراج لینا۔

سوال (۵۴۹) کیا ارشاد ہے اس باب میں کہ زید مدعی نے ایک دعویٰ عمرو مدعا علیہ پر کیا، عمرو نے اس نالش کی جواب دہی کے واسطے مجبوراً کچھ روپیہ مہاجن سے قرض لیا، چونکہ قرضہ بلا سود میسر نہ ہوا لہٰذا اس کو اپنے قرضہ کا سود بھی ادا کرنا پڑا۔ چنانچہ اصل روپیہ عمرو نے مدعی کی جواب دہی میں صرف کیا اور اس کا سود مہاجن نے عمرو کے دوسرے مال خالص سے وصول کیا۔ الغرض زید کی نالش نے عمرو کو ایک سو دس روپیہ کا زیر بار کیا۔ سو روپیہ صرف نالش کی جواب دہی میں ہوا اور دس روپیہ سود مہاجن کو دینا پڑا۔ اب اس زیر باری کے بعد زید نے عمرو کے ساتھ جز مدعا بہا پر اس طور سے مصالحت کی کہ کل مصارف جس کا عمرو زیر بار بوجہ نالش زید مدعی کے ہوا۔ اس کا معاوضہ زید نے اپنے ذمہ قبول کیا اور اس کو درج مصالحت کیا کہ کل مصارف ضروری اس نالش کے جس کا عمرو زیر بار ہوا اس کو زید ادا کرے گا

اس وقت میں قاضی کو عندالمخاصمہ دس روپیہ کا تاوان یا معاوضہ جو عمرو کو سود میں دینا پڑا، زید سے دلانا جائز ہے یا نہیں اور عمرو کو اس کا لینا مباح ہے یا نہیں اور نیز سود دینا قرض بلا سود کے نہ ملنے کے وقت عندالحوائج جائز ہے یا نہیں ؟۔

جواب:۔ خرچہ متعلقہ عدالت جو بحسب قوانین حکام لازم ہوتا ہے مدعی علیہ کو مدعی سے لینا درست نہیں۔ ہاں اگر مدعی بطیب خاطر دیوے، وہ مختار ہے مگر معاوضہ سود کا جو عمرو کو دینا پڑا مدعی سے دلانا حاکم کو نہیں جائز ہے اور نہ عمرو کو لینا درست ہے اور سود دینا کسی حالت میں درست نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

مقدمہ کے خرچ میں سود کی رقم شامل کرنا

سوال (۵۵۰) کیا فرماتے ہیں علمائے شرع شریف اس مسئلہ میں کہ زید نے جو مدعی ہے ایک دعوی بے جا بکر مدعا علیہ پر کیا۔ بکر نے اس جواب دہی کے واسطے مجبوراً کچھ مہاجن سے لیا۔ چونکہ قرضہ بلا سود میسر نہ ہوا لہٰذا اس کو اپنے قرضہ کا سود بھی ادا کرنا پڑا اور بکر نے جو روپیہ لیا تھا۔ اس کو زید کی نالش کی جوابدہی میں صرف کیا اور مہاجن نے اپنے زر سود کو بکر سے وصول کیا، الغرض زید کی نالش نے بکر کو اصل اور سود دونوں کا زیر بار کیا اور اب اس زیر باری کے بعد زید نے بکر کے ساتھ جز مدعا بہا پر اس طور پر مصالحت کی کہ کل مصارف جس کا بکر بوجہ نالش زید مدعی کے زیر بار ہوا، وہ زید نے اپنے ذمہ لیا اور اقرار کیا کہ کل مصارف اس نالش کے جس کا بکر زیر بار ہوا ہے، بکر کو ادا کر دیں گے اور اس خرچہ کی تعیین کے لیے ایک شخص غیر خالد برضاء فریقین صرف اس لیے ثالث مقرر کیا گیا کہ وہ مقدار اس کل خرچہ کی تشخص اور تعیین کرکے جس کا بکر مدعا علیہ بوجہ نالش زید مدعی کے زیر بار ہوا ہے عدالت میں داخل کر دے، اب ثالث مقدمہ کو مقدار خرچہ میں اس زر سود کا بھی شامل کرنا جائز ہے یا نہیں جس کا بکر بمجبوری زیر بار ہوا ہے۔ بینوا توجروا

جواب:۔ نہیں جائز ہے واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

بھائی کے مقبوضہ مال کو باپ کا مال سمجھ کر دعویٰ کرنا

سوال (۵۵۱) ہندہ اور زینب وغیرہ نے چند اشیاء از قسم نقد و غیر نقد مکانات اور دو زنجیر فیل کے بارہ میں ترکۂ پدری ہونے کا دعویٰ کیا جو اس وقت ان کے بھائی زید کے قبضہ میں تھیں اور ثبوت میں دو گواہ اس بات پر پیش کر دیئے کہ زید نے اشیاء موجودہ میں سے بہنوں کا حصہ دینے کا اقرار کیا تھا اور دو گواہ پیش کیے۔ اس بات پر مورث نے ہر دو زنجیر فیل اپنے پیسہ سے خریدی تھیں اور وہ فوت ہو چکا لیکن ان دونوں گواہوں میں قیمت خرید میں اختلاف ہے اور ان کے ماسوا کوئی ایسا گواہ ان عورتوں کے پاس نہیں جو زید کے مقبوضہ مال کو مورث کی ملکیت ثابت کر سکے اور زید نے دعویٰ کے

دفعیہ اور جواب میں تحریر کیا کہ یہ مال مورث کی ملکیت نہیں بلکہ میرا مملوکہ ہے اور خود مورث نے بحالتِ صحت میری ملکیت کا اقرار کیا تھا اور پھر زید نے اس چیز کو گواہوں سے بھی ثابت کر دیا۔

اب عالمگیری کی روایتِ مذکورہ وفی فتاوی رشید الدین ادعی میراثاً من ابیہ داراً واقام بینۃ واقام المدعی علیہ بینۃ ان اباک اقر حال حیوتہ انہا ملکی یسمع ہذا الدفع فلو اقام المدعی بینۃ انک اقررت ان ہذہ الدار ملک ابی وحقہ یقبل ہذا الدفع ایضاً وقد تعارضت الدفعان فتقبل بینۃ الارث بلا معارض انتہی کے مطابق حاکم اشیاء مذکورہ کو ترکہ مورث قرار دے کر مدعیات کو حصۂ دلا سکتا ہے یا نہیں ہے۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں حاکم اشیائے مذکورہ میں سے حصۂ فرائضی مدعیات کو نہیں دلوا سکتا۔ اس لئے روایت سے تو بخوبی یہ امر واضح ہے کہ اقرار مورث کا جو ثابت کیا مدعیٰ علیہ نے اپنے گواہوں سے اپنے حق میں اور اقرار مدعا علیہ کا نسبت میراث ہونے شے مدعی بہ سے جو ثابت کیا مدعی نے اپنے گواہوں سے دونوں بسبب تعارض کے ساقط ہوں گے اور اصل گواہ میراث کے مقبول و معتبر ہوں گے۔ پس اب جائے لحاظ یہ امر ہے کہ جب کہ اقرار مورث اور اقرار زید ہر دو بموجب روایت ہذا کے ساقط ہوں گے۔ پس ثبوت دیگر میراث کا اور گواہوں سے ہے نہیں اس واسطے کہ نہ ہونا دیگر گواہوں میراث کا نسبت مکانات وغیرہ سوائے ہر دو زنجیر فیل کے تو اظہر من الشمس ہے باقی نسبت ہر دو زنجیر فیل کے سوا اُن کا میراث ہونا بھی ان دو گواہوں سے ثابت نہیں ہے بسبب نہ ہونے نصاب شہادت کے ایک قیمت معین پر قال فی الہندیۃ ومن شہد لرجل انہ اشتری عبداً من فلان بالف وشہد آخر انہ اشتری بالف وخمسمائۃ فالشہادۃ باطلۃ لان المقصود اثبات السبب وہو العقد ویختلف باختلاف الثمن فاختلف المشہود بہ ولم یتم العدد علی کل واحد ولان المدعی یکذب احد شاہدیہ وکذلک اذا کان المدعی ہو البائع ولا فرق بین ان یدعی المدعی اقل المالین او اکثرہما لما بینا انتہی۔

پس جب کہ کسی شے میں اشیاءِ مذکورہ سے ثبوت ترکہ مورثہ نہ ہوا تو ان میں سے حصۂ فرائضی مدعیات مجردہ کو دلوانا شرعاً اصلاً متصور نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ المجیب محمد عبد القادر عفی عنہ۔

بے شبہ یہ روایتِ عالمگیری واسطے دلوانے حصۂ فرائض کے صورتِ مسئولہ میں کافی نہیں فقط العبد امداد حسین عفا عنہ

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب، محمد عنایت اللہ خاں۔

قد صحح الجواب واللہ اعلم بالصواب، محمد اعجاز حسین، نکل خندار آب

فی الواقع بمقتضائے روایتِ عالمگیری صورتِ مذکورہ میں بدون اقامتِ بینہ میراث کے حصۂ میراث نہیں مل سکتا ہے۔ واللہ اعلم، حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

مدعی سے حلف بالعلم لینا

سوال (۱۵۴۳): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ورثہ زید نے عمرو پر دعویٰ دین متروکہ مورث

کا کیا۔ عمرو نے جواب میں کہا کہ اس قدر تو میں نے مدعی کو اور اس قدر مدعی کے مورث کو دیدیئے اور اس نے حصر حلف پر کیا ہے۔ مدعی نے گواہان اقرار مدعا علیہ او پر وجوب مدعا بہ کے بعد زمانہ ایصال کے سنا دیئے اور مدعا علیہ مذکور مدعی سے حلف بالعلم نسبت نہ لینے موالی کے بعض مدعا بہ کو بموجب روایت عالمگیری کے جو کتاب القضا میں ہے لینا چاہتا ہے۔ پس آیا اس پر حلف واجب ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہرگاہ مدعی نے گواہان اقرار مدعیٰ علیہ وجوب مدعا پر بعد زمانۂ ایصال کے سنا دیئے۔ دعوی مدعا علیہ کا بابت ایصال کے مندفع ہوگیا۔ پس اب اس کو استحقاق حلف کا باقی نہ رہا۔

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:۔ کما یصح الدفع کذلک یصح دفع الدفع انتہیٰ۔

اور بھی اس میں ہے:۔ ان ادعی الایفاء قبل الاقرار لا یقبل انتہیٰ۔ واللہ اعلم حررہ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ عفی عنہٗ

دعویٰ کے متعلق چند سوالات

سوال (۵۵۳) چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان متین اندریں مسئلہ کہ:۔

سوال اوّل:۔ شیخ سبحانی وشیخ ہدا وشیخ عبداللہ تینوں حقیقی بھائی تھے اور بعد وفات شیخ سبحانی وشیخ ہدا دو بھائی کے شیخ رمضان وشیخ یوسف پسران شیخ ہدا مذکور نے زمین کو ملکیت خاص اپنے بزرگان کی قرار دے کر بدست شیخ عبدالغفور وشیخ جمن کے بیع قطعی کر ڈالا اور شیخ عبداللہ کو برادر مورثان کے پوتے احمد ومحمود نابالغان نے ان بیع ناموں پر گواہی کردی اور اس کو عرصہ بیس برس کا گذرا پھر اس میں سے جب کچھ زمین کسی طور پر اختیار میں وارثان شیخ سبحانی وشیخ ہدا دو برادران کے آگئی تو اس میں ورثا شیخ عبداللہ تیسرے بھائی کے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں یا نہیں کہ جو زمین مذکور ہمارے خاندان والوں میں پھر آگئی ہے اس میں بمقدار حصہ شیخ عبداللہ ہمارے مورث کی جو شیخ عبداللہ کو بطور عصوبت کے متروکہ شیخ سبحانی سے پہنچتا تھا ہم کو پانا چاہیئے۔

سوال دوم:۔ بعد وفات شیخ عبداللہ مذکور کے صرف اس کے دو پوتے محمود واحمد نابالغ جن کا باپ روبروئے عبداللہ مذکور کے مرگیا تھا وارث شیخ عبداللہ مذکور کے عصوبۃً ہوئے۔ لیکن ان نابالغوں کا کوئی ولی آبائی یعنی باپ دادا ودادی وچچا وغیرہ باقی نہیں رہا تو ان نابالغوں کی مادر مسماۃ فتحہ بی بی ولیہ قریبہ نابالغان مذکور کے شرعاً ہوگی اور اس کو بولایت اپنے پسران نابالغان کے اختیار انتقال جائداد پسران نابالغان مذکور کا واسطے ان کی پرورش کے بایام رضاعت وحضانت حاصل ہوگا یا نہیں وشرعاً میعاد ایام رضاعت وحضانت کے کیا ہے؟

سوال سوم:۔ فتحہ بی بی نے بولایت اپنے پسران نابالغان محمود واحمد کے جو زمین بدست روشن وجوہر وغیرہ خریداران کے بیع ڈالی اور اس پر خریداران مذکوران نے تعمیر مکانات کی کرلی اور اس کو عرصہ بیس برس کا گذر گیا۔ اب اتنے عرصہ کے بعد جو شیخ باسط علی نے بیع نامہ حق محمود واحمد نابالغان مذکور کا بابت زمین

مذکورکے لکھوالیاتو وہ دعویٰ واسطے انہدام و دورکراپائے تعمیرات مذکوراورخالی کراپائے زمین ماتحت تعمیرات مذکورکے بقدار حصۂ محمود واحمد نابالغان مسطورکے کرسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ اور اعزاز اہل اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟

الراقم محمد احمد اللہ ساکن محلہ عالم شہرجونپور

جواب:۔ (جواب سوال اول) اس صورت میں دعویٰ وارثانِ شیخ عبداللہ کا ساقط ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:۔ الرابعة والعشرون سکوتہ عند بیع زوجتہ او قریبہ عقارا اقرار بانہ لیس لہ علی ما افتی بہ مشائخ سمرقند انتہی اور بھی اس میں ہے:۔ الخامسة والعشرون رآہ یبیع ارضا اودارا فتصرف فیہ المشتری زمانا وھو ساکت یسقط دعواہ انتہی اور حاشیہ اشباہ میں ہے:۔ فی البزازیة جعل الفتوی علی عدم سماع الدعوی فی القریب والزوجة انتہی۔ اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے:۔ المسئلة فی کثیر من المعتبرات کالتنویر والکنز والملتقی والبزازیة والولوالجیة وعبارتھا رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل آخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولدہ انتہی

(جواب سوال دوم) ولایت مالی مادر کو حاصل نہیں اور بیع وشراء وغیرہ اس کی نافذ نہیں۔ مگر یہ کہ کوئی ولی مالی اذن دیوے یا خود طفل بعد بلوغ کے اس کے تصرف کو جائز کرے، جامع الفصولین میں ہے:۔ الولایة فی مال الصغیر الی الاب و وصیہ ثم وصی وصیہ ولو بعد فلو مات ابوہ ولم یوص فالولایة الی اب الاب ثم وصیہ ثم وصی وصیہ فان لم فالقاضی ومن ینصبہ انتہی

اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے:۔ الام اذا رھنت مال طفلھا فانہ لا یجوز الا ان تکون وصیة او تکون ماذونة من جھة من یلی الطفل۔

(جواب سوال سوم) ہرگاہ محمود واحمد نے بعد بلوغ کے تصرفاتِ مالیہ اپنے مادر کو جائز رکھا اور تصرفات خریداران سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اب اتنے عرصہ کے بعد دعویٰ اس کا باسط علی کا مسموع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

اپنی شہادت کے خلاف دعویٰ کرنا

سوال (۵۵۴) کوئی زمین یا مکان سالہا سال سے زید کے قبضہ اور تصرف میں ہے، کبھی بکر کے باپ دادا اور خالد کے باپ دادا نے زید سے کسی قسم کا اختلاف اور مزاحمت نہیں کی۔ اب بکر اور خالد کا باپ اور خود خالد نے زید کو اطلاع کئے بغیر اپنے اپنے اعزار کے مشوروں اور ان کی حمایت سے بالابالا ناجائز طور پر مرضی کے مطابق تقریری اور تحریری کارروائی کی۔ کافی عرصہ تک خود بھی خاموش رہے اور زید کو بھی خبر نہ کی۔ اس کے بعد اسی سابقہ کارروائی کے مطابق بکر اور خالد نے زید پر دعویٰ کیا کہ یہ تمام مملوکہ ہمارے مورثوں کا ہے۔ اور فلاں فلاں کارروائی کا فلاں فلاں آدمیوں کی گواہی کے ذریعہ ہمارے پاس ثبوت ہے۔ زید کہتا ہے کہ ہمارے اور تمہارے یکجا رہتے ہوئے مجھ کو اطلاع نہ دینا بغیر مشورہ اور گواہی کے کارروائی کرنا تمہارے لئے شرعاً جائز نہیں ہوگی اور میں اس شئ پر اپنے مورثوں سے نسلاً

بعد نسل برابر قابض و متصرف ہوں میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے موروثوں نے اس پر کس طرح قبضہ کرلیا اور تمہارے کسی مورث نے مزاحمت تک نہ کی۔ اور شروع سے آج تک میرے موروثوں اور میرا عمل درآمد رہا ہے۔ علاوہ اس سالہا سال کے قبضہ کے فلاں وثیقہ اقراری جو تمہاری اس کارروائی سے پہلے جاری ہوچکا تھا، بکر اور پدر خالد کی گواہی مع دستخط ہونے کی وجہ سے اس شئے میں میری ملکیت کو صاف اور صراحۃً ثابت کرتا ہے۔ اگر تمہارے موروثوں کی مملوکہ ہوتی تو نہ گواہی دیتے اور نہ عدالتوں اور پنچایتوں کی چارہ جوئی سے باز رہتے۔ اس پر بکر و خالد نے کہا کہ ہم اور ہمارے مورث ناخواندہ ہیں لاعلمی میں دستخط کردیئے۔ زید نے کہا بقول شخصے "نادان ہم بکار خود ہشیار"۔ ہر ناخواندہ بھی اپنے مطلب کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ اور پھر تم نے اور خالد کے باپ نے تو مجھ سے پورا وثیقہ حرف بحرف سن کر گواہی دے کر دستخط کیئے تھے۔ اب تم ناخواندگی اور نافہمی کی وجہ سے "تیر از کمان جستہ باز نمی آید و نوشتۂ خویش دست بریدہ خود را چہ می تواں کرد" کے مصداق ہو۔ لہٰذا تمہاری یہ سب کارروائی اور دعویٰ شرعاً باطل اور غیر مسموع ہے اور ارباب عدل و انصاف کے یہاں سند نہ ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ جبکہ زید کا قبضہ قدیم ہے۔ نیز بکر اور پدر خالد کی زید کے حق میں وثیقہ اقراری پر گواہی بدستخط خاص بھی ثبت ہے تو اب متنازعہ فیہ شئے میں صد سالہ قبضہ کے بعد زید کی ملکیت ثابت ہوگی یا نہیں اور بکر و خالد و پدر خالد کی کارروائی جو بغیر مہر و اطلاع اور بغیر گواہی زید ہے شرعاً جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب: - صورتِ مذکورہ میں زید کے خلاف بکر و خالد کا دعویٰ قابلِ سماع نہیں ہے۔ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:-
قال فی فتاوی الولوالجی رجل تصرف زمانا فی ارض اخر ورجل اخر رائی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوی ولده فتترك فی ید المتصرف لان الحال مشاهد ورایت فی فتاوی الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل ابیت فی دار یسکنه مدة تزید علی ثلاث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت هدما وعمارة مع اطلاع جاره علی تصرف فهل اذا ادعی البیت او بعضه تسمع دعواه ام لا فاجاب لم تسمع دعواه ما علی علیه الفتوی انتهی۔

تقادم زمانہ سے دعویٰ کا بطلان

سوال (۵۵۵) اگر کسی شخص نے دس بارہ سال تک اپنا دعویٰ دائر نہ کیا تو حق دعویٰ باطل ہوجائیگا یا نہیں؟

جواب: - تقادم زمانہ سے حق دعویٰ باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ اشباہ میں مذکور ہے۔ اگر قاضی زمانہ طویل گذرنے کی وجہ سے مدعی کے حق میں دعویٰ کو ساقط کردے تو اس کا فیصلہ اور حکم نافذ نہ ہوگا۔

مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف

سوال (۵۵۶) مدعی کس کو کہتے ہیں اور مدعیٰ علیہ کس کو؟-

جواب:۔ مدعی وہ شخص ہے کہ اگر دعویٰ نہ کرے تو اس پر جبر نہ کیا جا سکے اور مدعیٰ علیہ وہ شخص ہے جس پر جبر کیا جا سکتا ہو، عالمگیریہ میں ہے:۔ المدعی من لا یجبر اذا ترکہا والمدعی علیہ من یجبر علی الخصومۃ وھذا حد عام صحیح انتہی۔

مدعی اور مدعیٰ علیہ میں اشتباہ

سوال (۵۵۷) عمرو کہتا ہے کہ تنخواہ کے سو روپیہ بذمہ زید باقی ہیں اور زید کہتا ہے کہ میں نے ادا کر دیئے تو صورت مذکورہ میں مدعی کون شخص ہے اور مدعیٰ علیہ کون اور حلف زید پر ہوگا یا عمرو پر؟

جواب:۔ عمرو مدعی اور زید مدعیٰ علیہ ہے اور عمرو کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں زید پر حلف آئے گا۔ کیونکہ وہ عمرو کے سو روپیہ کی ادائیگی سے انکار کر رہا ہے۔ شارح ابوالمکارم فرماتے ہیں:۔ وقال محمدؒ فی الاصل المدعی علیہ ھو المنکر والآخر ھو المدعی فی الکافی ان ھذا الصحیح لکن الشان فی معرفتہ اذا العبرۃ للمعانی دون الصور والمبانی فان المودع اذا ادعی رد الودیعۃ فھو یدعی للرد صورۃ وفی المعنی ھو منکر للضمان ولذا یحلفہ القاضی انہ لا یلزمہ رد ولا ضمان ولا یحلف انہ ردہ اذا الیمین یکون علی النفی ابداً انتہی۔

اور اگر زید ہی عمرو سے انکار وصول پر حلف لینا چاہیے تو عمرو کی مرضی پر موقوف ہے۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو جائز ہے۔ درمختار میں ہے:۔ وادعی المدیون الایصال فانکر المدعی ذلک ولا بینۃ لہ علی مدعاہ فطلب یمینہ فقال المدعی اجعل حقی فی الختم ثم استحلفنی لہ ذلک فیہ انتہی۔

اقرار میں تناقض

سوال (۵۵۸) کسی شخص نے اولاً اقرار کیا کہ یہ مال زید کا ہے پھر دعویٰ کرتا ہے یہ مال میرا ہے، یا وکیل ہونے کی حیثیت سے دعویٰ کرتا ہے خالد کا ہے تو یہ دعویٰ مسموع ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:۔ نہیں، عالمگیریہ میں ہے:۔ التناقض کما یمنع صحۃ الدعوی لنفسہ یمنع صحۃ الدعوی لغیرہ فمن اقر بعین لغیرہ فکما لا یملک ان یدعیہ لنفسہ لا یملک ان یدعیہ لغیرہ بوصیۃ او وکالۃ وھذا اذا وجد منہ ما یکون اقراراً بالملک لہ۔

بلا وجہ مدعی کا سکوت

سوال (۵۵۹) جب کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ مدعی نے صاحب قبضہ کے تصرفات مالکانہ کو دیکھتے ہوئے بلا وجہ سکوت اختیار کر کے کوئی تعارض اس سے نہیں کیا تو اب اس کے بعد مدعی کا دعویٰ مسموع ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں۔ درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے:۔ متی ثبت ان الخصم عاین ذا الید یتصرف فی المتنازع فیہ تصرف الملک وھو ساکت عن المعارضۃ من غیر مانع کان ذلک مانعا من الدعوی انتہی۔

کتاب الشہادات

شہادت عدو کی تفصیل

سوال (۵۶۰) عداوت دنیوی میں جس عدو کی شہادت معتبر نہیں ہوتی وہ کونسا عدو ہے اور جس شخص نے زید کی زوجہ سے نکاح کرنے کی غرض سے یہ گواہی دی کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ شخص عدو مذکور میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب:- نہیں- طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:- قولہ بخلاف الدنیویۃ کشہادۃ المقذوف علی القاذف والمقطوع علیہ الطریق علی القاطع والمقتول ولیہ علی القاتل والمجروح علی الجارح والزوج علی امرأتہ بالزنا اذا کان قذفہا اولاً فالعداوۃ لیس کما یتوھم بعض المتفقھۃ او الشھود وان کل من خاصم شخصا او ادعی علیہ ان یصیر عدوہ فیشھد بینھما بالعداوۃ بل عداوۃ انما یثبت بنحو ما ذکرنا انتہی۔

شہادت کے الفاظ

سوال (۵۶۱) اگر گواہ نے کہا، میں جانتا ہوں، یا کہا، میں خبر دیتا ہوں، تو اس کی شہادت مقبول ہوگی یا نہیں؟

جواب:- اَشْہَدُ یا اس کے ہم معنیٰ لفظ کہنا شہادت کا رکن ہے۔ اگر لفظ اعلم سے ادار شہادت کرے تو مقبول نہ ہوگی کذا فی کتب الفقہ۔

لفظ اشہد پر اکتفا کرنا

سوال (۵۶۲) موجودہ زمانہ میں گواہوں سے حلف لینا اور لفظ اشہد پر اکتفا کرنا غلبۂ ظن حاصل ہونے کی وجہ سے قاضی کے لیۓ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جائز ہے الاشباہ والنظائر میں رائ قاضی کے بارہ میں لکھتے ہیں:- وفی تحلیف الشاھد ان رأہ جاز کما فی الصیرفیۃ۔

اور اسی میں ہے:- وفی التہذیب وفی زماننا لما تعذرت التزکیۃ لغلبۃ الفسق اختار القضاۃ استحلاف الشھود کما اختارہ ابن ابی لیلیٰ لحصول غلبۃ الظن انتہی۔

اور حموی شارح اشباہ بھی یہی تحریر فرماتے ہیں:- قال المصنف فی البحر ولا یضعفہ مافی الکتب المعتمدۃ کالخلاصۃ من انہ لا یمین علی الشاھد لانہ عند ظھور عدالتہ والکلام عند خفائھا خصوصًا فی زماننا ان الشاھد مجہول الحال وکذا المزکی غالبًا والمجھول لا یعرف المجھول انتہی۔

مسلمان کے خلاف کفار کی گواہی

سوال (۵۶۳) اگر مدعیٰ علیہ مسلمان ہو اور گواہ کافر تو ان کی گواہی مقبول ہوگی یا نہیں؟۔

جواب :- مقبول نہیں ہوگی۔

مدعیۂ طلاق کا گواہ سے نکاح کرنا

سوال (۵۶۴) اگر کسی شخص کی زوجہ نے طلاق کا دعویٰ کرکے دو گواہ پیش کر دیئے اور بعد میں کسی ایک شاہد سے نکاح کر لے گی تو اس کی شہادت باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب :- باطل ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے :- ولو شهد لها ثم تزوجها بطلت خانية انتهى۔

اور عالمگیریہ میں ہے :- اذا شهد رجل لامرأة بحق تزوجها بطلت شهادته كذا في فتاوى قاضي خان انتهى۔

شہادت کے لیے سماع کا کافی ہونا

سوال (۵۶۵) اگر گواہوں نے محض سنی سنائی بات پر گواہی دے دی کہ زید پسر بکر ہے تو گواہی مقبول ہوگی یا نہیں؟

جواب :- مقبول ہوگی۔ خلاصہ میں ہے :- وفي الاصل الشهادة بالسماع لا يجوز الا في اربعة مواضع الموت والنسب والنكاح والقضاء اما النسب فصورته اذا سمع من انسان ان فلان بن فلان الفلاني وسعه ان يشهد بذلك وان لم يعاين الولادة على فراشه الا ترى انا نشهد ان ابا بكر رضي الله عنه ابن ابي قحافة وما رأينا ابا قحافة واما النكاح اذا رأى رجلا يدخل دار امرأة وسمع من الناس يقولون فلانة زوجة فلان وسعه ان يشهد انها زوجته وان لم يعاين عقد النكاح انتهى۔

مدعیٰ علیہ کی جرح گواہوں پر

سوال (۵۶۶) مدعیٰ علیہ کہتا ہے کہ مدعی نے گواہوں کو کچھ دے کر گواہی دلائی ہے تو مدعیٰ علیہ کا یہ قول قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

جواب :- قابلِ سماع نہیں ہے اگرچہ مدعیٰ علیہ اپنی بات کو گواہوں سے بھی ثابت کر دے۔ ہدایہ میں ہے :- لو اقام رجل اي المدعى عليه البينة ان المدعي استاجر الشهود لم تقبل لانه شهادة على جرح مجرد انتهى۔

امر قدیم یا امر حادث پر شہادت

سوال (۵۶۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کا دروازہ ہے کہ مرور اس کا زمین عمرو میں واقع ہے عمرو وہ دروازہ بند کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دروازہ جدید ہے اور حق مرور زید کا اس زمین میں ثابت نہیں ہے اور زید کہتا ہے کہ دروازہ میرا قدیم ہے اور حق مرور ثابت ہے اور دونوں کے گواہ اپنے اپنے دعویٰ پر ہیں۔ آیا اس صورت میں گواہ زید کے نفی کے ہیں یا نہیں اور اگر گواہ نفی کے نہیں ہیں تو پھر گواہان عمرو پر ترجیح رکھتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب :- صورت مسئولہ میں گواہ عمرو کے اولیٰ و لائق قبول ہیں اس واسطے کہ گواہ مذکور مثبت امر حادث ہیں یعنی جدید ہونے دروازہ کے ہیں اور جو گواہ کہ مثبت امر حادث ہوتے ہیں ان کو تقدیم ہے اوپر گواہان مثبت اور قدیم کے بموجب روایات

معتبرات کتبِ فقہ اور قواعد اصولِ فقہ کے کہ درج جواب ہیں۔ فتاوی قنیہ کے باب بینتین متضادین میں مسطور ہے لکنف فی طریق العامۃ فزعم غیرہ انہ محدث وزعم صاحبہ انہ قدیم واقاما البینۃ فالبینۃ بینۃ من یدعی انہ محدث۔

اور فتاوی الانقرویہ کی فصل ترجیح بینۃ میں تحریر ہے:۔ قال احد الجارین للآخر هذا السباط الذی اخرجتہ محدث وقال الآخر کان کذلک فی القدیم فالقول للمدعی لکونہ متمسکا بالاصل (ع) البینۃ من یدعی انہ محدث (فعم) علی عکسہ قال رضی اللہ عنہ والصحیح هو الاول انتہی

اور تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں تحریر ہے:۔ فی رسالۃ الحجج والبینات ان الاصل فی ترجیح البینۃ علی ماذکر فی الاصول انما هو کونها مثبتۃ وخلاف الظاهر اذ البینۃ انما شرعت لاثبات امر حادث والیمین لابقائہ علی ما کان فعلی هذا بینۃ الحدوث تقدم واللہ اعلم اقول ان بینۃ الحدوث تقدم فی سورۃ السوال وکذا فی البناء والکنف لما ذکر من التعلیل الموافق لما ذکر من التاصیل فان الحدوث امر عارض والقدم اصل فلهذا کان القول قول مدعیہ وح یکون البینۃ المدعی الحدوث جار علی القواعد الفقهیۃ والاصولیۃ لاثباتها خلاف الاصل بلا فرق بین الکنف وغیرہ۔

اور فتاوی حامدیہ اور بحر الرائق میں بھی قاعدۂ اصول مطابق قواعد مذکورۂ بالا کے تحریر ہے:۔ ملك الانسان لایکون فی ید غیرہ الابعارض والبینۃ یکون علی مدعی العارض ولایکون علی صاحب الاصل۔

علاوہ اس کے گواہانِ زید کی شہادت جو مندرج سوال ہے مثبت دعویٰ حق مرور نہیں ہے گواہوں نے فقط کا دروازہ قدیم ہے بیان کیا ہے یہ نہیں بیان کیا کہ زید کا حق مرور فلاں زمین میں ہے۔ حالانکہ بدون ایسی تصریح کے حقِ مرور ثابت نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر گواہ بیان کرے کہ فلاں شخص کو دیکھا ہے کہ فلاں زمین مرور کیا تھا تو بھی حق مرور ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا روایتِ ہذا فتاوی عالمگیری سے ثابت ہے:۔ لو ادعی علی آخر حق المرور رقبۃ الطریق فی دارہ فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینۃ انہ کان یمر فی هذہ الدار ولم یستحق بهذا شیئاً کذا فی الخلاصۃ

روایت مذکورہ کی قریب تحریر ہے:۔ ولو شهد الشهود ان لہ طریقا فی هذا الدار جازت شهادتهم انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اور فتوی گذرانیدۂ زید میں مجیب نے زید کو خارج الید اور عمرو کو بنظر ملکیت رقبۂ زمین کے ذی الید قرار دے کر زید کے گواہوں کی اولویت تجویز کی ہے۔ تجویز مذکور سراسر بے محل مع اولویت گواہوں خارج الید کے ذی الید کے جو کتب فقہ میں مذکور ہے وہ دعوی ملک مطلق عقار وغیرہ میں ہے یہاں دعوی ملکیت عقار وغیرہ نہیں ہے اور نہ نسبت ملکیت رقبہ زمین کے زید اور عمرو میں اختلاف ہے بلکہ زید کو دعوی حق مرور کا زمین عمرو میں ہے اور نسبت حدوث اور قدم دروازہ کے آپس میں اختلاف ہے۔ پس اس صورت میں اگر عمرو کو خارج الید کہا جائے اور زید کو ذی الید تو بجا ہے نہ بالعکس اس واسطے کہ زید بذریعہ دروازہ کے متصرف زمین عمرو میں ہو گیا ہے تو زید ہی ذی الید ہوا۔ لہٰذا اُس کے

دست تصرف کا رفع عمرو نے حکام سے چاہا ہے اور اپنے گواہوں سے تصرف عارضی اور حادث زید کا اثبات کرایا ہے فقط واقعی اس صورت میں گواہ زید کے گواہان عمر پر ترجیح رکھتے ہیں نزدیک اصحاب بزازیہ اور خلاصہ اور شرح ملتقی کے واللہ اعلم۔ فی البزازیۃ وان اختلفا فرھین احدھما علی القدم والآخر علی الحدوث فبینۃ القدم اولی انتہی وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ اذا تعارضت بینۃ الحدوث والقدم ففی الخلاصۃ بینۃ القدم اولی وذا العلائی فی شرح الملتقی ان بینۃ القدم اولی فی البناء انتہی مختصرًا اور ترجیح نہیں رکھتے ہیں نزدیک برہان بخاری اور برہان صاحب المحیط کے جیسا کہ صاحب قنیۃ المنیۃ تتمیم الغنیۃ نے نقل کیا ہے اور یہی غازی زاہدی میں بھی منقول ہے:۔ فی العقود ونقلہ فی الحاوی الزاھدی بالحرف معللا بقولہ فالبینۃ بینۃ من یدعی انہ محدث لانہا تثبت ولایۃ النقض انتہی۔

اور قول اخیر کو صاحب عقود نے ترجیح دی ہے اور کہا ہے وبہ ظہر ترجیح ما فی الغنیۃ والحاوی علی ما فی البزازیۃ والخلاصۃ انتہی واللہ علیم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔ کتبہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم۔

فی الواقع صورت مذکورہ میں گواہان عمرو کہ مدعی حدوث ہے۔ گواہان زید پر ترجیح رکھتے ہیں۔ بحسب قول مرجح فقہاء محققین وموافق قواعد اصولیین واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

عدم علم اور علم عدم پر گواہی

سوال (۵۶۸) زید وعمرو میں ایک مسئلہ پر بحث ہے۔ زید تو کہتا ہے نفی متواتر کے گواہ شرعًا مقبول ہوں گے۔ مثلًا کوفہ کے کسانوں نے کسی شخص کے بارہ میں شہادت دی کہ وہ فلاں سال کوفہ میں تھا تو ان کی یہ گواہی بصرہ میں ہونے سے نفی کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان کسانوں نے بصرہ میں گواہی دی کہ وہ شخص فلاں سال بصرہ میں نہ آیا تھا۔ کیونکہ یہ گواہی عدم آمد پر نہیں، بلکہ آمد کے بارہ میں عدم علم پر ہے۔ اور زید اپنا استدلالی فتاوی ہندیہ کی روایت مذکورہ اقام امرأۃ رجلین ان فلانا طلق امرأتہ یوم النحر بالکوفۃ واقام فلان البینۃ انہ کان ذلک الیوم حاجا بمنی فالبینۃ بینۃ المدعی ولا یلتفت الی بینۃ المدعی علیہ الا ان تاتی العامۃ وتشھد بذلک فیوخذ بشہادتہم کذا فی الذخیرۃ انتہی سے کرتا ہے اور عمرو اس عدم علم کی گواہی کو بھی جائز کہتا ہے اور اپنے قول کا استدلال حموی کی روایت مذکورہ قال فی المحیط ان تواتر عند الناس وعلم الکل عدم کونہ فی ذلک المکان والزمان لاتسمع الدعوی علیہ ویقضی بفراغ ذمتہ لانہ یلزم تکذیب الثابت بالضرورۃ والضروریات مما لا یدخلہا الشک سے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ گواہی عدم علم پر نہیں بلکہ فلاں کی آمد کے بارہ میں علم عدم پر گواہی ہے۔ صورت مذکورہ میں زید کا قول استدلال صحیح ہے یا عمرو کا؟

جواب:۔ شہادت کی نفی کی دو صورتیں ہیں:۔

(۱) صورۃ اثبات مگر معنی نفی ہو مثلاً گواہی دی جائے کہ فلاں شخص فلاں سال کوفہ میں تھا۔ تو یہ گواہی متضمن ہو گی بصرہ میں ہونے کی نفی کو۔

(۲) صراحتاً نفی ہو یعنی صورۃً ومعنیً مثلاً گواہی دیں کہ وہ شخص بصرہ میں نہ تھا۔ دونوں صورتوں میں شہادتِ نفی مقبول نہ ہوگی۔ مگر جب کہ امر مشہود و متواتر ہو خواہ نفی صریح ہو یا ضمنی تو پھر مقبول ہوگی۔ فتاویٰ ہندیہ کی روایت ان میں سے ایک صورت کو متضمن ہے اور حموی کی روایت دوسری صورت کو۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ شهد انه استقرض من فلان فی یوم کذا فی بلد کذا فبرهن علی انه لم یکن فی ذلك المکان بل کان فی مکان آخر لا یقبل لان قوله لم یکن فیه نفی صورة ومعنی وقوله بل کان فی کذا نفی معنی واصله ما ذکر فی النوادر عن الثانی شهد علیه بقول او فعل یلزم علیه بذلك اجارة او کتابة او بیع او طلاق او عتاق او قصاص او قتل فی مکان وزمان وصفات فبرهن المشهود علیه انه لم یکن ثم یومئذ لا یقبل لکن قال فی المحیط ان تواتر عند الناس وعلم الکل عدم کونه فی ذلك المکان والزمان لا یسمع الدعوی ویقضی بفراغ الذمة لانه یلزم تکذیب اثبات بالضرورة والضروریات مما لا یدخلها الشك وکذا کل بینة قامت علی ان فلانا لم یفعل ولم یقل ولم یقرأ انتهی اور درمختار میں ہے:۔ شهادة النفی المتواتر مقبولة انتهی

اور ردالمحتار میں ہے:۔ بخلاف غیره فلا یقبل سواء کان نفیا صورة او معنی وسواء احاط به علم الشاهد اولا انتهی۔

شہادتِ نفی اور شہادتِ اثبات کا تقابل

سوال (۵۶۹) زید نے چھ سات آدمیوں کی شرکت اور اعانت سے عمرو کو دھار دار آلہ سے قتل کر دیا مقتول عمرو کے ورثاء نے معائنہ واثبات کے پانچ گواہ قاضی کے سامنے پیش کر دیئے، سب نے متفق اللفظ والمعنیٰ ہو کر شہادت ادا کی۔ نیز قاضی نے موقع قتل پر پہنچ کر اہلِ محلہ سے تحقیق کی۔ غرضیکہ زید کا عمرو کو خود اپنے ہاتھ سے دیگر رفقاء کی اعانت کے ساتھ دھار دار آلہ سے قتل کرنا ثابت ہوگیا۔ اور زید قاضی کے سامنے قتل سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ میں تو اس روز فلاں جگہ تھا۔ میرے حق میں نفی تواتر کے گواہ سن لیئے جائیں۔ زید کے ساتھ دیگر شرکاء نے بھی اسی طرح ظاہر کیا۔ مگر مدعا علیہم کا یہ قول قاضی کے یہاں قبول نہ ہوا اور نہ گواہانِ نفی کی شنوائی ہوئی۔ چنانچہ زید سے قصاص لیا گیا اور ساتھیوں کو چھ سات سال کے لیئے قید کر دیا گیا۔ اب ان قیدیوں نے قاضی کے حکم سے ناراض ہو کر دوسری عدالت میں نفی تواتر کے گواہوں کی شنوائی کی درخواست کی۔ ایسی حالت میں جبکہ قاضی نے معاینہ واثبات کے پانچ شاہدوں کی شہادت کے وثوق پر زید سے قصاص لے لیا اور مدعا علیہم کے گواہانِ نفی کو نہیں سنا تو اب قضاء قاضی کے بعد نفی تواتر کے گواہوں کی شنوائی بمقابلہ معاینہ واثبات کے گواہوں کے جن کی گواہی پر قصاص بھی لیا جا چکا، عندالشرع قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ جب کہ قاضی اول نے شہادت و معائنہ وغیرہ کے وثوق پر قصاص وغیرہ کا حکم صادر کر دیا بلکہ حکم کی تعمیل بھی ہوگئی اور مدعٰی علیہم نے اس سے پہلے نفی تواتر کی شہادت کے ساتھ جس کا اظہار اب کرتے ہیں مرافعہ نہیں کیا تو اب ان کا قول غیر معتبر اور شہادت غیر مقبول ہوگی۔ جیساکہ تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں کتاب الدعوی کی عبارت کا مقتضا ہے:۔ فی الکافی فی کتاب الشهادة اذا تضمنت الشهادة نقض قضاء ترد انتهی۔

قصاص کے لیے شہادتِ قتل

سوال (۵۷۰) دو شخصوں نے زید و بکر کے ہاتھ سے قتل عمرو کے سلسلہ میں قاضی کے سامنے بغیر اشہد کے گواہی دی اور چلے گئے اور یہ بھی بیان کیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اول زید نے عمرو کے سر پر تلوار کا وار کیا اور بعد میں بکر نے ہاتھ پر تلوار ماری۔ اور دونوں کے ہاتھ سے عمرو پر حملہ تلوار کے معائنہ کو ایک وقت ہی بیان کرتے ہیں، اور یہ ذکر نہیں کرتے کہ عمرو زید و بکر کے ہاتھوں کے لگائے زخموں سے ہلاک ہوا، اور اسی وقت جان دے دی۔ تو یہ گواہی قابل قبول اور زید پر وجوبِ قصاص کے لیے کافی ہوگی یا نہیں۔ اور قاضی کے لیے لازم ہوگا کہ گواہوں کو بلاکر دوبارہ لفظ اشہدُ کے ساتھ شہادت لے یا نہیں؟

جواب:۔ شہادتِ قتل میں گواہوں کے لیے یہ بیان کرنا ضروری نہیں کہ اسی ضرب سے ہلاک ہوا۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:۔ اذا شهد شاهدان علی رجل انه ضرب رجلا بالسیف فلم یزل صاحب فراش حتی مات فعلیه القصاص ولا ینبغی للقاضی ان یسأل الشهود مات من ذلك ام لا فی العمد والخطاء لكنهم ان شهدوا بل الك انه مات من ذلك لم تبطل شهادتهم انتهی۔

اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں بزازیہ کے حوالہ سے مذکور ہے:۔ لا یحتاج الشاهدان یقول انه مات من جراحته انتهی۔

لیکن لفظ اشہد یا ہم معنی دوسرا لفظ قبولِ شہادت کے لیے ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:۔ و رکنها لفظ اشهد لاغیر انتهی۔

اور اسی میں ہے:۔ ولزم فی الكل لفظ اشهد بلفظ المضارع بالاجماع

اور شرنبلالی اپنے رسالہ الاستفادہ من کتاب الشہادہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ من الشرائط لفظ الشهادة فلا یقبل بغیرها من الالفاظ كلفظ الاخبار والاعلام وان یكون بصیغة المضارع انتهی۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو لفظ اشہد کے ساتھ گواہی لے کر حکم کرنا ضروری ہے۔

نفی متواتر اور ورثۂ مقتول کے گواہوں کا اختلاف

سوال (۵۷۱) سوال اوّل:۔ زید کہتا ہے کہ عمرو جس شہر میں قتل کیا گیا میں تو اس روز دوسرے بعید شہر میں تھا اور میری اس بات کے دوسرے شہر کے کسان شاہد و گواہ ہیں کہ میں مقتل عمرو میں موجود نہ تھا بلکہ دوسرے شہر میں تھا تو نفی متواتر کے یہ گواہ قابل قبول ہوں گے یا ورثۂ عمرو کے گواہوں کے صدق اور قولِ زید کے کذب کا گمان کرتے ہوئے نفی متواتر کے گواہ شرعاً غیر مقبول ہو جائیں گے؟

سوال دوم :- زید مذکور کہتا ہے کہ ورثہ عمرو کے گواہ فاسق و فاجر اور ہمیشہ اجرت پر گواہی دینے والے اور سارق بھی ہیں، تو ایسی صورت میں گواہوں کی تفتیش و تحقیق کرنا ظاہراً یا باطناً قاضی کے لیے ضروری ہے یا نہیں؟

جواب :- جواب سوال اول :- نفی متواتر کے گواہوں کو قاضی قبول کرے۔

شرنبلالی اپنے رسالہ ایضاح الخفیات لتعارض البینۃ والاثبات میں تحریر کرتے ہیں :- اجاب صاحب البحر البینۃ الشاهدۃ بانہ لم یکن فی محل الضرب غیر مقبولۃ لانها بینۃ النفی الا اذا تواتر عند الناس و علم الکل عدم کونہ فی ذلک المکان والزمان لا تسمع الدعوی علیہ و یقضی بفراغ الذمۃ انتہی۔

فتاوی حامدیہ اور فتاوی بزازیہ میں بھی یہی مذکور ہے۔

جواب سوال دوم :- قصاص کے گواہوں کا تزکیہ کرنا ظاہراً و باطناً مدعیٰ علیہ کے طعن کرنے سے پہلے ہی لازم و ضروری ہے، چہ جائیکہ مدعیٰ علیہ کے طعن کرنے کے بعد۔

بحر الرائق میں مذکور ہے :- الحاصل انہ ان طعن سأل عنهم فی الکل والا سأل فی الحدود والقصاص انتہی

پردہ نشین عورت کے دعوے کی شہادت

سوال (۵۷۲) ایک پردہ نشین عورت نے دعویٰ کیا کہ میں نے فلاں پردہ نشین عورت کے واسطے اپنا زیور عاریت پر دیا اور گواہوں نے بھی بیان کیا کہ مدعیہ نے پس پردہ سے اپنا زیور فلاں عورت کے ہاتھ بھیجا اور مدعیٰ علیہ نے عاریت پر لیا اور پس پردہ مدعیہ کی آمد کا علم مدعیٰ علیہ کے اقرار اور اس کی آواز سے ہو گیا تھا اور مدت اعارۃ سات ماہ اور کم و بیش سات روز بھی بیان کی تو مذکورہ شہادت سے زیور عاریۃً دینے کا ثبوت شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں؟۔

جواب :- شہادت مذکورہ بالکل صحیح نہیں۔ لہٰذا اس عاریت کا شرعاً ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ پس پردہ سننے پر گواہی دینا جائز نہیں۔ مگر یہ کہ شاہد کو یقینی طور پر علم ہو جائے کہ پس پردہ مدعیہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہ صورت یہاں پر مفقود ہے۔ عالمگیری میں ہے :- لو سمع من وراء الحجاب لا یسعہ ان یشهد لاحتمال ان یکون غیرہ اذ النغمۃ تشبہ النغمۃ الا اذا کان فی الداخل وحدہ ودخل وعلم الشاهد انہ لیس فیہ غیرہ ثم جلس علی المسلک ولیس لہ مسلک غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لانہ یحصل بہ العلم و ینبغی للقاضی اذا فسرہ لہ لا یقبلہ کذا فی التبیین انتہی

دیگر کتب فقہ اور در مختار میں بھی یہی مذکور ہے۔ اور گواہوں نے جو یہ کہا کہ ہم نے پس پردہ مدعیہ کا آنا اور کھڑا ہونا مدعیٰ علیہ کے اقرار اور آواز سے بھی جان لیا تھا، ثبوت عاریت کے لیے کافی نہیں۔ کیونکہ پس پردہ مدعیہ کا آنا اور کھڑا ہونا نہ عین عاریت ہے اور نہ مستلزم عاریت۔ لہٰذا اس کے اقرار سے ثبوت عاریت کس طرح ہو سکتا ہے اور آواز سے شناخت کرنا فقہاء کے یہاں غیر معتبر ہے اور پھر گواہوں کا مدت اعارۃ سات ماہ اور سات دن کم و بیش کا بیان کرنا شہادت کی عدم صحت کا سبب ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے :- اذا ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درهم و شهد الشهود ان لفلان المدعی

علی ھذا المدعی علیہ دہ دوازدہ لا یقبل لمکان الجہالۃ وکذلک اذا ادعی دہ دوازدہ درھم لا یسمع دعواہ وکذلک اذا ذکر التاریخ فی الدعویٰ علیٰ ھذا الوجہ بان قال این عین ملک من است ازدہ دوازدہ سال فانہ لا یسمع دعواہ وکذلک اذا ذکر الشھود التاریخ فی شہادتہم علی ھذا الوجہ لا یقبل شہادتہم کذا فی الذخیرۃ انتہیٰ۔ محمد امداد حسین۔ صح الجواب:۔ محمد عبدالحی۔

شہادت کے بعد حکام کا اختلاف

سوال (۵۷۳) مسماۃ زینب بیگم مدعیہ نے دعویٰ عاریت دینے زیور طلائی معلوم القدر و معلوم القیمۃ کا بنام عمرو و بکر اصل مدعا علیہما و عجوبہ تیسری مدعا علیہا کے عدالتِ دیوانی میں دائر کیا اور منجملہ تین گواہوں مدعیہ کے دو گواہوں نے بالاتفاق حاکم عدالت کے روبرو اس خلاصہ بیان سے گواہی دی کہ عرصہ تقریباً سوا سات مہینے کا ہوا اور تیسرے گواہ نے کہا کہ بمرور مدت سوا سات مہینے کم یا زیادہ کے مسماۃ عجوبہ نے موافق اس کہنے عمرو و بکر اصل مدعا علیہما کے کہ مدعیہ بیگم صاحبہ سے کہو کہ ہمیں دو تین روز کے لیے اپنا طلائی زیور مستعار دے دیں۔ مدعیہ کے گھر کے اندر جاکے اندر سے اُسی قدر طلائی زیور لاکر عمرو مدعا علیہ کے ہاتھ میں دیا اور عمرو مدعا علیہ نے بکر کے ہاتھ میں دیا اور عجوبہ نے اسی وقت اصل مدعا علیہما سے کہا کہ بیگم صاحبہ بھی اندر ڈیوڑھی کے موجود ہیں۔ جو کچھ وہ کہتی ہیں تم سن لو۔ چنانچہ مدعیہ نے بآواز مدعا علیہما سے کہا کہ میں نے یہ زیور اپنا تم کو عجوبہ اور امراؤ کے سبب سے عاریت دیا ہے اور ہم سے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ یہ معاملہ مالیت کا ہے اس وقت اصل مدعا علیہما نے بجواب کلام مدعیہ کے کہا کہ زیور آپ کا دیا ہوا اسی قدر قیمتی ہے جو آپ نے ہم کو عاریۃً دیا اور بیان کیا ہے اور ہم لوگوں سے کہا کہ تم گواہ رہو کہ ہم نے یہ زیور مدعیہ کا عاریۃً لیا ہے اور مدعیہ بیگم صاحبہ پردے میں تھیں مگر عجوبہ مدعا علیہا نے اقرار کیا تھا کہ بیگم صاحبہ مدعیہ یہ کھڑی ہیں اور عمرو و بکر اصل مدعا علیہما نے قول مدعیہ سن کر ان کو تسلیم کرلیا تھا کہ یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں اور دو گواہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ پھر اصل مدعا علیہما نے بمرور عرصہ ڈیڑھ مہینے کم وبیش کے ہم سے کہا تھا کہ ہم وہی زیور مستعار لیا ہوا مدعیہ کا واپس دیں گے۔ فقط

اور حاکم عدالت دیوانی نے اس گواہی کی بنیاد پر فیصلہ ثبوت عاریۃ کا مدعیہ کے حق میں صادر کیا لیکن ہنگام مرافعہ دوسرے مجوز نے اس فیصلۂ حاکم عدالت دیوانی کو لائق استرداد تجویز کیا اور گواہانِ مدعیہ کو بوجہ پردے میں بیان کیے جانے مدعیہ کے باوجود شناخت و تمیز و تسلیم و تعریف خود دونوں اصل مدعا علیہما کے مدعیہ کی نسبت کہ یہ بیگم صاحبہ ہیں اور تم لوگ گواہ رہو اور نیز بوجہ سوا سات مہینے کم یا زیادہ کہنے تیسرے گواہ کے جہالت مدت ظاہر کرکے نامقبول تجویز کیا۔ فقط

اب دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا شرعاً اس صورت میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی جو بحق مدعیہ بنائے گواہی گواہان مذکور کے صادر ہوا ہے صحیح و قابلِ نفاذ ہے۔ یا تجویز دوسرے مجوز کی متضمن استرداد فیصلہ

عدالت دیوانی ونامقبول قرار دیئے گواہان مذکورین کے صحیح وقابلِ جواز ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا بالثواب

جواب:۔ شرعاً صورتِ مسئول عنہا میں فیصلہ حاکم عدالتِ دیوانی کا بحق مدعیہ گواہی مذکور ومقبول کی بنیاد پر بابت ثبوت عاریت اس قدر زیور طلائی مدعیہ کے جس کا دعویٰ ہے بے شبہ صحیح وقابلِ نفاذ ہے ہرگز غیر صحیح ولائق استرداد نہیں۔ ہاں تجویز دوسرے مجوز کی متضمن استرداد فیصلہ عدالت دیوانی باختیار ردو وجہ فرضی وقیاسی مندرجہ تجویز کے کہ صورتِ مسئول عنہا سے متعلق نہیں ہیں قطعاً غیر صحیح وقابلِ جواز ہے اس لیئے کہ گواہان مدعیہ محجبہ کے حلفی واتفاقی بیان سے ہے کہ شناخت وتمیز وتعریف مدعیہ مذکورہ کے خود ہردو اصل مدعا علیہمانے کی ہے جیساکہ ذکر کیا جائے گا بمطابق قواعد شرعیہ عاریت دینا مدعیہ کا اپنا زیور طلائی اصل مدعا علیہما کو اور اقرار کرنا ہردو اصل مدعا علیہما بابت عاریت لینے اسی قدر زیور طلائی مدعیہ کے عرصہ سوا سات مہینے بخوبی ثابت اور متحقق ہے:۔

والثابت بالبینۃ کالثابت مع البینۃ کذا فی الکفایۃ وغیرھا من شروح الھدایۃ۔

پس اس بیانِ گواہان سے کہ مدعیہ پردے میں تھیں بحالت شناخت وتمیز وتسلیم وتعریف خود دونوں اصل مدعا علیہما بلکہ ہرسہ مدعا علیہم نسبت مدعیہ کے یہ بیگم صاحبہ مدعیہ ہیں اور بیگم صاحبہ یہ کھڑی ہیں کچھ خلل ونقصان صحت گواہی وقبولیت گواہی میں پیدا نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ ہرگاہ شریعت غرا میں موافق مذہب مختار ومعتمد ومفتی بہ صاحبینؒ کے صرف اس قدر خبر دینا دو آدمی عدل کا نسبت عورت محجبہ ومنقبہ کے یہ فلاں عورت ہے بوجہ معلوم وتمیز ہوجانے مدعیہ مذکورہ کے بطریقِ اولیٰ صحت وقبولیت گواہی کے واسطے کافی ہے۔ اس صورت میں پسِ پردہ بیان کیا جانا مدعیہ کا کسی طرح صحت وقبولیت گواہی میں خلل ونقصان پیدا نہیں کرتا ہے ہاں اگر خود ہردو مدعا علیہما کے اقرار یا کسی دوسرے دو عدل کے اخبار سے تعریف وتمیز مدعیہ کی نہ ہوتی تو البتہ محل تردد تھا لہٰذا ایسی حالت اقرار وتسلیم وتعریف خود ہردو اصل مدعا علیہما میں کوئی اہلِ علم وماہر فقہ صحت شہادت کی بابت تامل نہیں کرسکتا ہے اس مسئلہ کی تحقیق وتشریح میں اکثر فقہار نے اختلافِ امام ابوحنیفہؒ وصاحبینؒ نقل کرکے ترجیح وتصحیح قولِ صاحبینؒ کی بابت جواز وصحت شہادت کی فرمائی ہے اور اسی قولِ صاحبینؒ کو بوجہ الیسر علی الناس ہونے کے مختار ومعتمد ومفتی بہ قرار دیا ہے۔ ازاں جملہ قدوۂ انام شیخ ابن ہمامؒ نے بتصریح صاحب بحر شارح کنز ومحقق شامی وغیرہ کے اہلِ ترجیح بلکہ اہلِ اجتہاد میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے:۔ وفی الفتاوی اذا اقرت المرأۃ من وراء حجاب لایجوز لمن سمع ان یشھد علی اقرارھا الا اذا رأی شخصھا فح یجوز اجمل فی ھذہ المسئلۃ ووضعھا فی الخلاصۃ وغیرھا ھکذا الشہادۃ علی امرأۃ سال محمد بن الحسن ابا سلیمان عنھا قال لایجوز حتی یشھد جماعۃ انھا فلانۃ اما عند ابی یوسف وعند ابیۃ فیجوز اذا شھد عندہ عدلان انھا فلانۃ وھل یشترط رویۃ وجھھا اختلف المشائخ فیہ فمنھم من لم یشترط والیہ مال الامام خواھرزادہ وفی النوازل قال یشترط رویۃ شخصھا وفی الجامع الاصغر رویۃ وجھھا وانت تعلم انہ لابد من معرفۃ یفید التمیز عند الاداء علیھا فاذا

ثبت ان التعریف یفید التمیز لزم ان لا حاجة الی رویة وجهها ولا شخصها کما اختارہ شیخ الاسلام خواهر زادہ الا اذا لم یوجد من یعرفها واذا وجد حینئذ یجری الخلاف المذکور انہ یکفی فی التعریف عدلان و لابد من جماعة ویوافقہ ما فی المجتبیٰ تحمل الشهادة علی امرأة فماتت فشهدا عندہ ان المقرة فلانة جاز لہ ان یشهد علیها نقلہ فی الخلاصة وفی المحیط شهدا علی امرأة سمیاها ونسباها وکانت حاضرة فقال القاضی اتعرفانها قالا لا تقبل شهادتهما ولو قالا تحملنا ها علی المسماة بفلانة بنت فلانة الفلانیة ولا ندری انها هذہ ام لا صحت الشهادة وکلف المدعی ان یاتی باخرین یشهدان انها فلانة بنت فلان بخلاف الاول لانهما هناک اقرا بالجهالة فبطلت الشهادة فهذا ونحوہ یفید ما قلنا انتهیٰ۔

اور فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے :۔ اختلف المشائخ فی تحمل الشهادة علی المرأة کانت منقبة بعض مشائخنا قالوا لا یصح التحمل علیها بدون رویة وجهها وبعض مشائخنا توسعوا فی هذا وقالوا یصح عند التعریف وتعریف الواحد یکفی والمثنی احوط والی هذا مال الشیخ الامام المعروف بخواهر زادہ والی القول الاول مال شیخ الاسلام الاوزجندی والشیخ الامام ظهیر الدین وحرب من المعقول یدل علی هذا فانا اجمعنا علی انہ یجوز النظر الی وجهها لتحمل الشهادة ثم عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ اذا اخبرہ عدلان انها فلانة فذلک یکفی وعلی قول ابی حنیفةؒ لا تحمل لہ الشهادة علی النسب مالم یسمع من جماعة لا یتصور تواطؤهم علی الکذب کذا فی الظهیریة۔

والفقیہ ابوبکر الاسکاف کان یفتی بقولهما فی هذہ المسئلة وهو اختیار نجم الدین النسفی وعلیہ الفتویٰ فان عرفها باسمها ونسبها عدلان ینبغی ان یشهد علی شهادتهما هؤلاء الشهود کما هو طریق الاشهاد علی الشهادة حتی یشهدوا عند القاضی علی شهادتهما بالاسم والنسب ویشهد باصل الحق بطریق الاصالة فیجوز ذلک بلا خلاف کذا فی المحیط انتهیٰ۔

اور محقق شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے حاشیہ میں لکھا ہے :۔ ذکر الفقیہ ابو اللیث عن نصر بن یحیی قال کنت عند ابی سلیمانؒ فدخل ابن محمد بن الحسن فسألہ عن الشهادة علی المرأة متی تجوز اذا لم یعرفها قال کان ابو حنیفة یقول لا تجوز حتی یشهد عندہ جماعة انها فلانة وکان ابو یوسف وابوک یقولان تجوز اذا شهد عندہ عدلان انها فلانة وهو المختار للفتوی وعلیہ الاعتماد ولانہ ایسر علی الناس اھ واعلم انهما کما یحتاجان للاسم والنسب للمشهود علیہ وقت التحمل یحتاجان عند اداء الشهادة الی من یشهد ان صاحبة الاسم والنسب هذہ۔ وذکر الشیخ خیر الدین انہ یصح التعریف ممن لا تقبل الشهادة لها سواء کانت الشهادة علیها اولها ما یحانی بزیادة من البحر وغیرہ انتهیٰ۔

اور فصول عمادی میں لکھا ہے :۔ ذکر فی شهادات المحیط وفی فتاوی قاضی ظهیر الدینؒ اذا اخبر الشاهدان عدلان ان هذہ المقرة فلانة بنت فلان فذلک یکفی للشهادة علی الاسم والنسب عندهما وهو اختیار الفقیہ ابی بکر الاسکاف ونجم الدین النسفی رحمهما اللہ وعلیہ الفتوی الا تری انهما لو شهدا عند القاضی یقضی شهادتهما

والقضاء فوق الشهادة فيجوز الشهادة باخبارهما بالطريق الاولى فان عرفها باسمها ونسبها عدلان ينبغي لهما اعني العدلين ان يشهد اعلى شهادتهما هؤلاء الشهود كما هو طريق الاشهاد على الشهادة حتى يشهد واعند القاضي على شهادتهما بالاسم والنسب ويشهدوا باصل الحق بطريق الاصالة فيجوز بلاخلاف انتهى۔

اور ایسا ہی لکھا ہے عامہ کتب معتبرہ فقہ میں اس تحقیق شرعی پر تامل کرنا صحت گواہی گواہان مدعیہ محجبہ میں جس کی تمیز و تعریف خود ہر دو مدعا علیہما کر چکے بحوالہ اس روایت درمختار کے:۔ ولا یشهد على محجب بسماعه منه الا اذا تبين القائل بان لم يكن في البيت غيره لكن لو فسر لا تقبل الخ

و نیز بحوالہ اس روایت فتاویٰ عالمگیری کے:۔ ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه ان يشهد لاحتمال ان يكون غيره اذا النغمة تشبه النغمة الخ

کہ یہ دونوں روایتیں صورت مسئول عنہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی ہیں بلکہ صورت غیر اخبار و عدل وغیرہ اقرار و تعریف دو مدعا علیہما سے متعلق ہیں۔ اہل علم کے نزدیک نہایت مستبعد ہے باقی رہا یہ امر کہ آیا بیان ایک گواہ منجملہ تینوں گواہوں مدعیہ کے کہ بمرور مدت سواسات مہینے کم یا زیادہ کی جہالت مدت ظاہر ہو کر نامقبول ہونا جملہ گواہوں مدعیہ کا متصور ہو سکتا ہے یا نہیں سو تحقیق اس کی یہ ہے کہ جب دو گواہوں مدعیہ نے بالاتفاق عرصہ سواسات مہینہ کا بیان کیا ہے تو تیسرے گواہ کے کم زیادہ کہنے سے ہرگز جہالت مدت ظاہر نہیں ہوتی ہے اور نہ سب گواہوں کی نامقبولی متصور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فقط دو ہی گواہوں کا اتفاقی بیان کہ نصاب کامل شہادت کا ہے در باب معلومیت سواسات مہینے اور ثبوت عاریت زیور مدعیہ کے کافی ہے۔ تیسرے گواہ کے بیان کی کچھ ضرورت ہی نہیں ہے مع ہذا مدعیہ کے تینوں گواہوں میں سے ایک گواہ نے اقرار اصل مدعا علیہما کا بابت مستعار لینے زیور طلائی مدعیہ کے اور دو گواہ نے ان کے مکرر اقرار واپس دینے اسی زیور طلائی مستعار کے صاف صاف گواہی دی ہے اس میں حالت اقرار مدعا علیہما مشہود بہ ہے اور وہ قطعاً معلوم اور منجملہ ان حجج شرعیہ کے ہے جن کے ساتھ عدالت میں حکم کیا جاتا ہے اور خود مقر کے نفس پر حجت ہوتا ہے۔

اشباہ میں لکھا ہے:۔ القاضي لا يقضي الا بحجة وهي البينة او الاقرار او النكول كما في وقف الخانية الخ

اور درمختار میں لکھا ہے:۔ اقرار الانسان حجة على نفسه الخ۔

اس واسطے اثبات اقرار کا گواہوں سے مشروع ہے جیسا کہ بزازیہ اور تاتارخانیہ وسائر کتب فقہ سے مستفاد ہے اور شرعاً اقرار کی گواہی میں جہالت مدت اقرار کی کیا کہ جہالت مشہود بہ و مقربہ کے بھی مانع صحت شہادت نہیں ہے۔

ہدایہ میں لکھا ہے:۔ وان اقر بذلك المدعا عليه دفعت على المدعي لان الجهالة في المقربه لا تمنع صحة الاقرار وان شهد شاهدان انه اقرانها كانت في يد المدعي دفعت اليه لان المشهود به ههنا الاقرار له وهو معلوم انتهى۔

اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے:۔ قوله وان اقر الخ يعني لو قال المدعا عليه بالدار التي في يده هذه الدار كانت في يد المدعي دفعت للمدعي لان حاصل ذلك جهالته في المقربه وهي لا تمنع صحة الاقرار بل يصح ويلزم البيان فانه لو قال لفلان على شئ صح ويجبر على البيان وكذا لو شهد شاهدان ان المدعا عليه اقر بانها كانت في

ید المدعی تقبل لان المشہود بہ الاقرار وہو معلوم وانما الجہالۃ فی المقربہ وہو لا تمنع صحۃ القضاء کما لو ادعی عشرۃ دراہم فشہدا علی اقرار المدعی علیہ ان لہ علیہ شیئاً جازت ویومر بالبیان انتہیٰ۔

اور درمختار میں لکھا ہے:۔ اقر المدعا علیہ بذلک او شہد شاہدان انہ اقرانہ کان فی ید المدعی دفع للمدعی بمعلومیۃ الاقرار وجہالۃ المقربہ لا تبطل الاقرار۔

اور جب کہ صورت مسئول عنہا میں اقرار مدعا علیہا کا بھی مشہود بہ ہے اور اقرار کی شہادت میں جہالت مدت اقرار کی کیا کہ عین مقربہ کی جہالت بھی بتصریح بالا مانع و مبطل شہادت نہیں تو نامقبول تصور کرنا گواہی اقرار مدعا علیہا کا بقرار داد جہالت مانعہ شہادت بحوالہ اس روایت فتاویٰ عالمگیری کے:۔ اذا ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درم وشہد الشہود ان لہذا المدعی دوازدہ درہم لا تقبل لمکان الجہالۃ وکذلک اذا ادعی دوازدہ درہم لا تسمع دعواہ وکذلک اذا ذکر التاریخ فی الدعویٰ علی ہذا الوجہ بان قال۔ ایں عین ملک من است از دہ دوازدہ سال۔ فانہ لا تسمع دعواہ وکذلک اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم علی ہذا الوجہ لا تقبل شہادتہم کذا فی الذخیرۃ انتہیٰ۔

صاف تر غیر صحیح و بے محل ناقابل التفات ہے۔ یہ روایت اس مشہود بہ کی جہالت سے علاقہ رکھتی ہے جو اقرار مدعیٰ علیہ کا نہ ہو نہ اس مشہود بہ کی جہالت سے جو مدعا علیہ کا اقرار ہو۔ حاصل یہ کہ صورت مسئولہ میں فیصلہ حاکم عدالت دیوانی کا بحق مدعیہ بمطابقت قواعد شرعیہ بے شبہ صحیح و نافذ و قابلِ اعتبار ہے اور تجویز دوسرے مجوز کی قطعاً غیر صحیح و غیر قابل اعتبار یہ ہے جواب صورت مسئول عنہا کا۔ واللہ اعلم۔ سید شاہ علی۔

مدعیٰ علیہ کے لئے حلف سے نجات

سوال (۵۷۴) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء حنفیہ ادام اللہ ظلہم۔ اس مسئلہ میں کہ مدعی نے بغرض دعویٰ کے عدالت میں بینہ پیش کیے اور وہ گواہ عدالت میں مقبول نہ ہوئے کسی وجہ سے منجملہ ان وجوہ کے جو باعث عدم مقبولیت کے معین ہیں یا مقبول ہوئے مگر شہادت ان کی مفید کامیابی مدعی نہ ہوئی کسی وجہ سے منجملہ ان وجوہ کے جو باعث ناکامی کے ہوتے ہیں۔ مثلاً اختلافِ بیانی یا عدم مطابقت دعویٰ وغیرہ۔ الغرض جبکہ مدعی نے اپنے گواہ پیش کیے خواہ دو گواہ لیے گئے یا نہ لیے گئے۔ بہرحال ان گواہوں کے باوجود عدالت میں پیش کرنے کے مدعی اپنے دعویٰ میں کامیاب نہ ہو سکا تو آیا پھر مدعی استحلاف مدعا علیہ سے کر سکتا ہے یا نہیں، اگر کر سکتا ہے تو آیا جملہ صور تہائے مذکورہ میں یا بعض صورتوں میں در صورتِ ثانی تفصیل اس کی کیا ہے۔ در صورت اولیٰ کیا مدعا علیہ کو کبھی حلف سے امن و نجات ممکن نہیں ہے۔ اگر ممکن ہے تو وہ کون صورت ہے، اور اگر نہیں کر سکتا ہے تو بھی بیان تفصیلی ضروری ہے کہ آیا جملہ صور تہائے مذکورہ یا بعض صورتوں میں در صورتِ ثانی تصریح اس کی کیا ہے امید کہ جواب مفصل بتصریح وجوہ فقہیہ ادا فرمایا جائے۔

جواب:۔ مدعا علیہ کو حلف سے نجات ہو سکتی ہے چند صورتوں میں ایک یہ کہ دعویٰ مدعی کا صحیح نہ ہو۔ فتاویٰ سراج المنیر میں ہے:۔ الاستحلاف یجری فی الدعاوی الصحیحۃ دون الفاسد انھا ان انکر المدعی علیہ انتہی۔

دوسرے یہ کہ مدعی گواہوں کا اسی شہر میں موجود ہونے کا اقرار کرے۔ مختصر وقایہ میں ہے:۔ وان قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ فی المصر وطلب حلف الخصم لا یحلف انتہی۔

تیسرے یہ کہ مدعی طلب حلف نہ کرے، درمختار میں ہے:۔ الیمین حق القاضی مع طلب الخصم۔

باقی اس صورت میں کہ مدعی نے گواہ قائم کیے اور وہ بوجہ عدم مطابقت دعویٰ یا اور کسی وجہ سے مقبول نہ ہوئے تو اگر مدعی طلب حلف کرے گا۔ مدعی علیہ پر حلف لازم ہوگی۔ جیسا کہ اس عبارت فتاویٰ قاضی خاں سے واضح ہوتا ہے رجل ادعی عبدا فی ید رجل وقال بعتنی ھذا العبد بالف درھم ونقد تک الثمن فانکر المدعی علیہ البیع وقبض الثمن فشھد للمدعی شاھدان علی اقرار البائع ثم بقبض الثمن وقالا لانعرف العبد ولکنہ قال لنا عبدی زید وشھد شاھدان اٰخران ان ھذا العبد اسمہ زید قال ایتم البیع بھذہ الشہادۃ ویحلف البائع فان حلف رد الثمن لان قبض الثمن ثبت لشہادۃ الشہود علی اقرار البائع بالقبض وان نکل البائع لزمہ البیع بنکولہ انتہی مختصراً اور مؤید اس کی عبارت اشباہ ہے:۔ الحجۃ بینۃ عادلۃ او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامۃ او علم القاضی بعد تولیتہ او قرینۃ قاطعۃ انتہی۔ واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

وارثِ زوج وبرادرِ زوجہ کے شاہدوں کا اختلاف

سوال (۵۰۵) زید نے اپنے چچا بکر کی متروکہ جائداد سے اپنا حصہ فرض لینے کی خاطر ہندہ زوجہ بکر کے بھائی خالد پر دعویٰ کیا۔ خالد کہتا ہے کہ تمام جائداد بکر کا ترکہ نہیں ہے بلکہ ہندہ نے بکر کے فوت ہونے کے بعد اپنے دین مہر میں یہ جائداد لے لی تھی۔ اور اس کو مالکانہ تصرفات حاصل تھے اور ہندہ کا وارث میں ہوں اس پر زید نے کہا ہندہ نے سترہ سال گذرے بکر کی زندگی میں مہر ہبہ کر دیا تھا۔ خالد ہبہ مہر سے منکر ہے اور کہتا ہے کہ پندرہ سال قبل بکر نے اپنے ذمہ ہندہ کے وجوب مہر کا اقرار کیا تھا۔ اس کے بعد بکر نے ہبہ مہر کا لوگوں کو اس طرح گواہ بنایا کہ ان کو ہندہ کے پاس لے جاکر ہندہ سے کہا ان کے سامنے مہر کا ہبہ یا ابراء کرنا چاہیئے۔ چنانچہ گواہوں کے روبرو ہندہ نے کہا کہ میں نے مہر ہبہ کر دیا۔ اور خالد کے گواہوں سے ثابت ہوا کہ پندرہ سال قبل ایک روز ہندہ شوہر بکر سے ناراض ہوکر اپنے بھائی خالد کے گھر آگئی۔ بکر نے آکر خالد سے زوجہ کی ناراضگی کی شکایت کی، اس پر خالد اندرونِ خانہ جاکر ہندہ سے بات چیت کرتا ہے جو گواہوں سے مستور تھی اور باہر آکر بکر سے کہتا ہے کہ ہندہ اپنے مہر کا مطالبہ کر رہی ہے۔ بکر نے کہا ہندہ کے مہر کا ایک لاکھ روپیہ میرے ذمہ واجب الادا ہے اور میں اس کا دیندار ہوں۔ اور اس کے دین کے عوض اپنی جائداد دے دوں گا یا کہا دیتا ہوں۔ اب موجودہ صورت میں متخاصمین میں سے کس کے گواہ ارجح

واولیٰ ہیں۔ اور بکر کا دین ہندہ کے وجوب مہر کا اقرار کرنا بعد ثبوت ہبہ کے مہر سابقہ ہی کے وجوب کا مستلزم ہوگا یا مہر جدید کے۔ یا مہر سابقہ اور مہر جدید کسی ایک کے بھی وجوب کے لیئے مستلزم نہ ہوگا۔

جواب:۔ موجودہ صورت میں زید کے گواہ ارجح واولیٰ اور قابلِ قبول ہیں۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:۔ بینۃ الزوج انہا ابرأتہ من المہر اولیٰ من بینۃ المرأۃ انہ کان مقرا بہ الی الان انتہیٰ۔

اور جب کہ زید کے گواہوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سترہ سال قبل زوجہ بکر نے مہر کا ہبہ اور ابراء کر دیا تھا اور بکر کی جانب سے اس ہبہ و ابراء کا قبول نہ کرنا ثابت نہیں تو لامحالہ صحت ہبہ کا حکم دیا جائے گا۔ خواہ ابراء اسقاط ہو یا ہبہ وتملیک کہا جائے اور بعد میں بکر کا اقرار کرنا وجوب اور بقاء مہر کا سو وہ ابراء کے رد کا سبب نہیں بن سکتا۔ اگر ابراء اسقاط ہو الساقط لا یعود کے قاعدہ سے معدوم کا اعادہ نہیں ہوسکتا اور اگر بطور ہبہ ہو تو وہ بھی مطابق مذہب جمہور اسقاط کے حکم میں ہوگا۔ ہاں اگر بوقتِ ابراء بکر کی جانب سے اس ہبہ کا رد و انکار پایا جاتا ہے تو ابراء غیر معتبر ہوگا اور عرصہ دراز کے بعد اقرار بکر رد ابراء کا باعث نہ بنے گا۔ قنیہ میں ہے:۔ ثم قالت لزوجہا ابرأتک ولم یقل الزوج قبلت اوکان غائبا فقالت ابرأت زوجی یبرأ الا اذا ردہ انتہیٰ۔

جب کہ خالد کے گواہوں سے معلوم ہوا کہ بکر اور اس کی زوجہ کے درمیان اختلاف ہوا تھا تو بکر نے مہر سابق ایک لاکھ روپیہ کے بارہ میں بقاء وجوب کا اقرار کیا تھا۔ لہٰذا یہ اقرار لزوم زیادت پر محمول نہ ہوگا۔ محمد عبدالحئی۔

صح الجواب:۔ محمد فضل اللہ۔

بابُ القضاء

سوال (۵۷۶) ہر قریہ اور محلہ میں کچھ لوگ خاندانی حیثیت سے مختلف امور مثلاً امامۃ، خطابۃ مجلسِ نکاح میں ایجاب وقبول اور نکاح کی رجسٹری کرنے، جنازہ کا اتباع کرنے اور اس پر نماز پڑھنے کے لیئے مامور و مقرر ہوتے ہیں اور ان میں سے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جیسا کہ ہمارے اطراف میں ہے تو کیا ایسے لوگ محض مامور و مقرر ہوجانے سے قاضی کے حکم میں ہوں گے اور ان کو چھوٹے یتیم بچوں کے نکاح کرنے اور اقامت جمعہ وعیدین کی ولایت حاصل ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ یہ ائمہ وخطباء قاضی نہیں ہیں۔ کیونکہ سلطان کے ماتحت بلاد میں وہ شخص قاضی ہوگا جو بادشاہ کا معین کردہ اور اسی کا تابع ہو۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے اور دیگر شہروں میں وہ شخص قاضی ہوجائے گا جس کے بارہ میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوجائے۔ رد المحتار میں ہے:۔ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیہم یجعلونہ والیا مسلما منہم انتہیٰ۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیئے ضروری ہے کہ اتفاق کرکے کسی کو والی بنالیں اور وہ قاضی بن جائے اور پھر وہی ان کے

فیصلے کیا کرے۔ مذکورہ تفصیل کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں باتیں سوالِ مذکور میں نہیں ہیں۔ اور یہ ائمہ مقرر و متعین ہیں اپنے آبا و اجداد کے وظائف پر۔ لہٰذا قاضی نہ ہوں گے۔ اور بلادِ غلبہ میں اہلِ بلدہ کے متفق علیہ والی و قاضی کی اجازت کے بغیر اقامتِ جمعہ ان کے لیئے جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ ردالمحتار میں ہے:۔ لا تصح اقامتها الالمن اذن له السلطان بواسطة او بدونها اما بدون ذلك فلا انتهى۔

اور والی ایسے موقع پر بمنزلہ سلطان کے ہے لہٰذا بغیر اذن والی کے بھی اقامتِ جمعہ صحیح نہ ہوگا اور سلطان سے اجازت لینا صرف پہلی مرتبہ شرط ہے۔ اگر کسی شخص کو اجازت دے دی تو وہ شخص دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے جیساکہ ردالمحتار میں ہے:۔ فلا یجوز اقامتها لکل خطیب الالمن اذن له السلطان او من اذن له فکذا ههنا والعید کالجمعة لان صلوٰۃ العید تجب علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها سوی الخطبة انتهى۔ جیساکہ درمختار وغیرہ میں بھی ہے۔

جب کہ مذکورین فی السوال کے لیئے اقامتِ جمعہ و عیدین صحیح نہیں تو چھوٹے یتیم بچوں کی ولایتِ نکاح بھی صحیح ہوگی لیکن بلادِ غلبہ کے قاضی اور والی کو چھوٹے یتیم بچوں کی ولایت نکاح کا حق حاصل ہونا اگرچہ میں نے صراحتاً کہیں نہیں دیکھا لیکن گذشتہ عبارت انه یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا و یکون هوالذی یقضی بینهم سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو حق حاصل ہے۔ واللہ اعلم

اور ردالمحتار میں ہے:۔ اذا ولی الکافر علیهم قاضیا و رضیه المسلمون صحت تولیته بلا شبهة

لہٰذا برضا مسلمین اس قاضی سے اقامتِ جمعہ و عیدین اور یتیم بچوں کا نکاح کرانا جائز ہوگا۔ اور قاضی کے لیئے ضروری ہے کہ اس کی عقل و فہم صلاح و عفت اور علم بالسنة والآثار اور وجود فقہ قابلِ اعتماد اور قابلِ اعتبار ہو اور غیض و غضب اور تیزی مزاج میں نہ ہو کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے۔ کمافی الدرر وغیرہ۔

لہٰذا ضروری ہے تمام اہلِ بلاد کو کہ کوشش سے تلاش کریں کسی والی کی اور اس پر اتفاق کریں تاکہ وہ اقامتِ جمعہ اور عیدین کی کرے اور یتیم بچوں کے نکاح کرائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:۔ من مات ولم یؤل علی نفسه اماما مات موتة جاهلیة او کما قال۔

نیز کسی سے مخفی نہیں۔ زمانہ قدیم میں ہمارے دیار کے ہر ایک بلدہ اور قریہ میں ایک والی اور رئیس ہوا کرتا تھا۔ لیکن دورِ حاضر میں اہلِ بلاد میں تخالف و افتراق پیدا ہوگیا۔ اور قضاء کا وجود شاذ و نادر ہی رہ گیا۔ لہٰذا ضروری ہے کسی ایک والی پر اتحاد و اتفاق کریں تاکہ وہ اقامتِ جمعہ اور عیدین کرائے اور یتیموں کے نکاح کرائے کیونکہ وہ بمنزلہ سلطان ہوتا ہے اس لیئے ایک ہی والی پر اتفاق ہونا چاہیئے۔

حدیث میں ہے اگر دو خلیفہ کی بیعت کی جانے لگے تو ان میں سے آخری کو قتل کر دو۔ اور والی بھی اسی حکم میں ہے لہٰذا والی آخر سے بھی احتراز کرنا چاہیئے۔ شیخ یوسف بن قادر احمد۔ صح الجواب۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

مدعی کو مدعا علیہ سے خرچہ لینا

سوال (۷۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو روپیہ بلا سود قرض دیا۔ بکر نے

روپیہ بعد وعدہ گزر جانے کے باوجود تقاضا ادا نہ کیا۔ جب زید روپیہ وصول نہ ہونے سے مایوس ہوا۔ مجبور ہو کر عدالتِ انگریزی میں دعویٰ کیا۔ اور مجبوراً عدالتِ انگریزی میں حسب قواعد مجریہ عدالت مذکور روپیہ نالش میں خرچ کیا۔ عدالت مذکور نے روپیہ زید کا مع خرچہ دلا دیا۔ پس زید کو زرِ خرچہ کہ جس کو اس نے علاوہ روپیہ متقرضہ کے بحالتِ مجبوری بسبب خلاف وعدگی بکر کے اپنے پاس سے صَرف کیا ہے اور حاکم وقت نے اس کو دلا دیا ہے بکر سے لینا درست ہے یا نہیں اور جو درست نہیں ہے تو حکم ربوا میں ہے یا نہیں اور اگر ایسا زرِ خرچہ لینا حرام ہے تو اس زمانہ میں وصول روپیہ کا طریقہ مقرض کو مستقرض سے شرعاً کیا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

جواب: زید کو مدعیٰ علیہ سے زرِ خرچہ لینا شرعاً جائز نہیں۔ محمد عبدالحی۔ صح الجواب۔ محمد ابراہیم صح الجواب محمد نعیم۔ الجواب صحیح۔ محمد اکرم۔ صح الجواب۔ نظام الدین۔ الجواب صحیح محمد عبدالوہاب۔

تمرد مدعا علیہ پر خرچہ عدالت

سوال (۸۰۵) عالمگیری کتاب ادب القاضی آخر الباب الحادی عشر جلد ثالث صفحہ ۴۱۲ چھاپہ کلکتہ واختلف العلماء فی اجرۃ الشخص بعضہم قالوا ھی فی بیت المال بعضہم قالوا علی المتمرد کذا فی الذخیرۃ ھو الصحیح کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ اما مؤنۃ المؤکل وھو الشخص الذی امر القاضی بملازمۃ المدعا علیہ لا خراجہ ذکر القاضی الامام صدر الاسلام انہا علی المدعا علیہ وعلیہ بعض الفقہاء وبعض مشائخنا علی انہ علی المدعی وھو الاصح رد المحتار یعنی حاشیہ شامی کتاب القضا جلد رابع صفحہ ۳۱ چھاپہ ہندوستان قبیل فصل حبس عبارت در مختار بر حاشیہ واجرۃ المحضر علی المدعی ھو الاصح بحر عن البزازیۃ وفی الخانیۃ علی المفرد ھو الصحیح۔ عبارت شامی (قولہ اجرۃ المحضر) بضم اولہ وکسر ثالثہ ھو من یحضر الخصم۔ وعبارۃ البحر ھکذا وفی البزازیۃ ویستعین باعوان الوالی علی الاحضار واجرۃ الاشخاص فی بیت المال وقیل علی المتمرد فی المصر من نصف درھم الی درھم وفی خارجہ لکل فرسخ ثلاثۃ دراھم او اربعۃ۔

ان سب عبارتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع میں کسی قدر خرچہ جیسے اجرائے ثمن کا بالکل رکھا گیا ہے اس وقت بھی تھا۔ اور جس قدر خرچہ قلیل یا کثیر تھا۔ بصورت تمرد مدعا علیہ کے مدعا علیہ پر بار ہوتا تھا۔ پس اس زمانہ میں میری دانست ورائے ناقص میں فقیہ کو تفقہ اور ایک طور پر اجتہاد کرنا ضرور ہے کہ بعض اشخاص روپیہ قرض لیتے ہیں باوجودیکہ یقینی جانتے ہیں کہ بصورت نالش خرچہ یقینی پڑے گا بصورت تمادی کے پھر نالش نہ ہو سکے گی تو ایسی صورت میں جو کچھ خرچہ پڑا اس مدعا علیہ کے سبب سے پڑا۔ ہاں اگر تمرد نہ ہو اور ادا کرنے کو کہتا ہو بسبب ناداری کے ادا نہ ہو سکے تو اس صورت

میں ہرگز خرچہ نہ لینا چاہیے اور جس صورت میں ادا کی استطاعت ہے اور صرف واسطے حیرانی مدعی کے نہیں دیتا ہو یا نیت ہضم کی ہو اور مدعی بدرجہ مجبوری کے عدالت میں آئے تو اس صورت میں ہماری رائے اسی طرف جاتی ہے کہ البتہ مدعیٰ علیہ سے زجراً یہ خرچہ دلوانا چاہیے اور اس کی بابت میں اور بھی بہت سی عبارتیں ہیں کہ اس جلدی میں سب کو میں لکھ نہیں سکتا مگر بعض عبارت کتاب فتاوی مختار الاخبار سے لکھی جاتی ہے ورق ۲۹ سطر اول کتاب فتاوی مختار الاخبار قلمی در کتب خانہ مولوی عبدالحی رح:-

"وگاہ قاضی فتان فرستد از برائے احضار مدعا علیہ و بروے عرض کند و وے امتناع کند و ثابت شود نزد قاضی امتناع وے و پیادہ سوئے وے فرستد پس مؤنۃ پیادہ در ابتداء بر مدعی ست و چون مدعیٰ علیہ امتناع کرد محتاج ثانیہ پیادہ فرستادن شد ان ہنگام ہنگام مؤنۃ پیادہ در ابتدا بر مدعیٰ علیہ است و این استحسانست کہ میل کردہ اند بداں از برائے زجر وے"

پس یہاں سے معلوم ہوا کہ ثانیاً پیادہ بسبب مدعا علیہ کے گیا اور دوبارہ جو پیادہ کا خرچہ ہوا اس کا سبب مدعا علیہ ہوا۔ لہٰذا اس صورت میں زجراً بقیاس استحسانی مدعا علیہ سے خرچہ لیا گیا پس جس صورت میں کہ اس زمانہ میں مدعا علیہ تمرد کرے اور اس کے سبب سے خرچہ پڑے تو دلیل استحسانی کا یہی اقتضا ہوتا ہے کہ مدعا علیہ کو دینا چاہیے۔ ہاں اس قدر البتہ ہے کہ زمانہ سابق میں خرچہ وغیرہ کم تھا اور اس زمانہ میں زائد ہے۔ مگر انگریزوں نے یہ اسٹام وغیرہ جو رکھا ہے درحقیقت اجرت قضا کے طور پر رکھا ہے اور اجرت قضا کی سابق میں بھی لینا بعض صورتوں میں درست معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۴۵ کتاب مختار الاخبار قلمی مذکور میں ہے:-

"و امام خواہرزادہ در اول کتاب قسمت آوردہ کہ اگر مؤنۃ قاضی از بیت المال کفایت نمی کند مراد راست کہ اجرت گیرد بر قسمت"

و از کتاب محیط نقل کردہ کہ جائز است مر قاضی را کہ اجرت قسمت گیرد اما مستحب آن ست کہ چیزے نگیرد و تمرتاشی گفتہ کہ اجرت بقدر رنج گیرد و از برجانی صغیر سوال کردند در مقدار اجرت اقسام کہ مثلاً درچند دینار چند است، جواب نوشت کہ دریں تقدیر شرعی نیست۔

و در خزانۃ الواقعات گفتہ کہ مختار آنست کہ حلال ست قاضی را اخذ اجرت بر کتاب قسمت۔

و از آداب القاضی محیط نقل کردہ اند کہ چوں قاضی خواہد کہ کتاب محاضر و سجلات بنفس خود کند و بر آن مزد بگیرد جائز است و آں مقدار مزد بگیرد کہ غیر او بگیرند۔

وکذا فی الخلاصۃ و اما مقدار اجرت از شیخ الاسلام ابوالحسن سعدی سوال کردند گفت وثیقہ اگر مالی باشد کہ رسیدہ باشد بہزار درہم در وے پنج درہم است و اگر دو ہزار درہم باشد در وے دہ درہم است

ہم چنیں تا دہ ہزار کہ در آں پنجاہ درہم ست بعد ازاں دو ہزار درہم کہ بر دہ ہزار زیادہ می شود یک درہم ست واگر وثیقہ کمتر از ہزار درہم باشد اگر آں مقدار مشقت دارد کہ بر وثیقہ ہزار درہم در آں نیز پنج درہم ست واگر ضعف آں مشقت دارد در آں دہ درہم است الخ۔

پس ان عبارتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر بیت المال سے مؤنۃ قاضی کفایت نہ کرے، تو مقدمات تقسیم وغیرہ میں اجرت لے گا۔ تمرتاشی کی رائے ہے کہ اجرت بقدر محنت کے لے گا۔ اور برجانی صغیر کی رائے ہے کہ اس میں کوئی مقدار شرعی مقرر نہیں ہے پس اس زمانہ میں تو بیت المال نہیں ہے اور اجرت جملہ مقدمات کی حکام نے اپنی رائے سے رکھی ہے اس میں مقدار شرعی بھی نہیں ہے جیسا کہ برجانی نے لکھا ہے اور بعضوں نے مثل شیخ الاسلام ابوالحسن کے لکھا ہے کہ باعتبار مال کے ہے تو ویسا اس زمانہ میں حکام نے بھی رکھا ہے کہ فی سینکڑہ اس قدر پس گو ہر صورت سے شرع میں نہ ملے لیکن بعض صورتوں پر قیاس کرکے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجرت لینا حکام کا بالکل بے اصل بھی نہیں ہے بلکہ شریعت میں بعض بعض صورت میں اجرت قضا کی ملتی ہے اگرچہ میں ان سب عبارتوں کو دیکھ کر اپنی طرف سے کچھ فتویٰ نہیں دیتا ہوں لیکن مستفتی کو چاہیئے کہ ان سب عبارتوں میں غور کرکے مفتی کو خوب متوجہ اس طرف کرے اور اس زمانہ کے حالات و قانون سے کماینبغی مفتی کو آگاہ کرے تو عجب نہیں کہ بصورت تمرد کے رائے مفتی کی ہو جائے گی کہ مدعا علیہ سے خرچ لیا جائے؟۔

جواب :- در بارہ خرچ عدالت جو کہ حکام نے مقرر کیا ہے ظاہر ہے کہ وہ اجرت قضاۃ نہیں حکام فیصلہ کنندگان کو وہ بحق فیصلہ نہیں ملتا ہے بلکہ ان کی تنخواہ سرکار سے مقرر ہے۔ قطع نظر اس کے اس میں بعض خرچ وہ ہے کہ یقیناً مدعی پر لازم ہے جیسے اجرت وکیل مدعی وغیرہ پس اس قسم کا خرچ کیونکر مدعا علیہ سے لیا جا سکتا ہے۔ واقف اصول فقہ پر مخفی نہیں کہ بسبب برضمان وغیرہ لازم نہیں آتا ہے۔ تمرد اس کا اور باوجود استطاعت کے قرض ادا نہ کرنا موجب گناہ کا ہوگا نہ موجب تاوان وغیرہ کا، فقہاء جو بعض صورتوں میں مدعیٰ علیہ متمرد پر اجرت پیادہ کا وجوب لکھتے ہیں وہاں متمرد سے یہ مراد نہیں کہ ادائے دین میں جو تکلف کرے یہاں تک کہ مدعی مجبور ہو کے نالش کرے بلکہ مراد وہ ہے جو دار القضاء میں حاضر نہ ہووے وجوب کسی قدر صرف کا بذمہ مدعیٰ علیہ خود ہی مختلف فیہ بین الفقہاء ہے اگرچہ وجوب اس کا مدعیٰ علیہ پر صحیح ہو تو وہ بھی نظیر ما نحن فیہ کی نہیں ہے۔

جرمانہ لینا

سوال (۵۷۹) پنچوں میں دستور تھا کہ نامناسب کام کرنے والے کو برادری سے خارج کر دیتے اور اس سے جرمانہ لے کر برادری میں شریک کر لیتے اور جرمانہ کے پیسہ سے سب پنچ برادری مل کر شیرینی کھاتے تھے تو اہل برادری سے کسی نامناسب حرکت کرنے کی وجہ سے جرمانہ لینا درست ہے یا نہیں۔ اور جرمانہ کے پیسوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ تنبیہ کے لیئے جرمانہ لینا جائز ہے ۔ ابوالحسنات محمد عبدالحئ ۔

قضاءِ شرعی

سوال (۵۸۰) شرعی قضا کی حقیقت کیا ہے ؟ ۔

جواب :۔ قضا کے معنیٰ ہیں مقدمات کا فیصلہ اور تنازعات کا ختم کرنا ۔ جیساکہ اس کی تصریح تنویرالابصار وغیرہ میں ہے ۔

مسجد میں فیصلے کرنا

سوال (۵۸۱) مقدمات کے فیصلوں کے لیئے مسجد میں بیٹھنا قاضی کے لیئے جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ جائز ہے ۔ ہدایہ میں ہے :۔ القضاء عبادۃ فیجوز اقامتها فی المسجد کالصلوٰۃ انتہیٰ

قضاء کا مستحق

سوال (۵۸۲) قضاء کی قابلیت ولیاقت کون شخص رکھتا ہے ؟

جواب :۔ ہروہ مسلمان کہ آزاد ، عاقل و بالغ ہو ۔ جامع الرموز میں ہے :۔ اہلہ اہل الشہادۃ ای المستحق للشہادۃ بالاسلام والحریۃ والعقل والبلوغ مستحق للقضاء بذلک انتہیٰ ۔

اور امام طحاوی ۔ کے نزدیک عدالت بھی شرطِ قضا ہے ۔ فاسق میں صلاحیتِ قضا نہیں ہے ۔ کذا فی فتاوےٰ قاضیخان

اور اکثر فقہاء کے نزدیک اجتہاد و عدالت افضلیت کی شرط ہے ۔ کذا فی المتون والشروح ۔

اختیار کردن عہدۂ قضا

سوال (۵۸۳) عہدۂ قضاء اختیار کرنا صحیح ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ مسلم و کافر عادل و ظالم کسی بھی بادشاہ کی جانب سے عہدۂ قضاء قبول کرنا جائز ہے ۔ مگر جبکہ بادشاہ عدل و انصاف کے ساتھ قضا سے ممانعت کردے تو اس صورت میں حرام ہے ۔ درمختار میں ہے :۔ ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم انتہیٰ ۔

اور عالمگیریہ میں ہے :۔ ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولکن انما یجوز تقلید القضاء من السلطان الجائر اذا کان یمکنہ من القضاء بحق ولا یخوض بقضایاہ بشر ولا ینہاہ عن تنفیذ بعض الاحکام کما ینبغی اما اذا کان لا یمکنہ من القضاء بحق ویخوض فی قضایاہ بشر ولا یمکنہ من تنفیذ بعض الاحکام کما ینبغی لا یتقلد منہ ۔

حنفی کا دوسرے امام کے مذہب پر فیصلہ کرنا

سوال (۵۸۴) اگر حنفی قاضی اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں ؟

جواب :۔ اگر مجتہد فیہ مسئلہ میں کہ کتاب و سنتِ مشہورہ اور اجماع کے مخالف نہ ہو حنفی قاضی عمداً اپنے مذہب کے خلاف یا بحالتِ فراموشی مذہب کے مطابق فیصلہ دے تو صاحبینؒ کے نزدیک فیصلہ نافذ نہ ہوگا ۔ اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک نافذ ہوجائے گا ۔ ابوالمکارم شرح نقایہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔ والقضاء فیہ علی خلاف مذہبہ اذا قضی الحنفی بجواز بیع المدبر ناسیا لمذہبہ او عامداً لا ینفذ عندهما لانہ قضی بما هو خطاء عندہ

فی الہدایۃ والمضمرات علیہ الفتویٰ واما عند ابی حنیفۃ فینفذ فی وجہی النسیان والعمد وفی روایۃ انہ لاینفذ فی الثانی انتہی۔

مجتہد قاضی کا فیصلہ اصحاب حنفیہ کے خلاف

سوال (۵۸۵) اگر مجتہد قاضی کا فیصلہ اقوال اصحاب حنفیہ کے خلاف ہو تو نافذ ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ نافذ ہوگا۔ سراجیہ میں ہے:۔ اذا قضی بقول مرجوح او بقول یخالف قول اصحابنا رحمہم اللہ تعالیٰ جاز اذا کان القاضی من اہل الرأی والاجتہاد انتہی۔

بَابُ الصُّلح

شفیع اور مشتری کی صلح

سوال (۵۸۶) اگر شفیع نے مشتری سے اس طرح صلح کی کہ مشتری مکان مشفوع پورا نہ لے بلکہ ربع یا ثلث یا نصف لے لے اور باقی حصہ میں شفیع ابراء شفع کردے تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ وان صالح علی ان یاخذ نصف المشتری او ثلثہ او ربعہ علی ان یسلم الشفعۃ فی الباقی کان جائزا انتہی۔

حق شفعہ کے عوض صلح کرنا

سوال (۵۸۷) اگر شفیع نے حق شفعہ کے عوض کوئی چیز لے کر اپنا حق چھوڑ دیا تو صلح جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں، حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور جو کچھ شفیع نے لیا وہ واپس کرے۔ وان صالح من شفعۃ علی عوض بطلت الشفعۃ ورد العوض لان حق الشفعۃ لیس بحق متقرر فی المحل بل مجرد حق التملک فلا یصح الاعتیاض عنہ انتہی۔

اور عنایۃ میں ہے:۔ حق الشفعۃ حق ان یتملک وذلک لیس بحق فی المحل قبل التملک فاخذ البدل اخذ مال فی مقابلۃ ما لیس بشیء ثابت فی المحل وذلک رشوۃ حرام انتہی۔

حقوق کے عوض صلح کرنا

سوال (۵۸۸) اگر شفیع نے دعویٰ حق شفعہ کے عوض یا دعویٰ دیگر حقوق کے عوض کسی چیز پر صلح کی تو یہ صلح جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ درمختار میں ہے:۔ صح الصلح عن دعویٰ حق الشرب وحق الشفعۃ وحق وضع الجذوع علی الاصح الاصل انہ متی توجہت الیمین نحو الشخص فی ای حق کان فافتدی الیمین بدراہم جاز حتی فی دعوی التعزیر مجتبیٰ انتہی۔

قاذف و مقذوف کی صلح

سوال (۵۸۹) اگر قاذف نے مقذوف کو کچھ دے کر اس بات پر صلح کر لی کہ مقذوف اپنا حق چھوڑ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ جائز نہیں۔ حموی شارح اشباہ تحریر فرماتے ہیں:۔ رجل قذف محصنا او محصنۃ فاراد المقذوف حد القاذف فصالحہ القاذف علی دراھم مسماۃ او علی شئ آخر ان یعفوہ عنہ ففعل لم یجز الصلح حتی لا یجب المال وھل یسقط الحد ان کان ذلک قبل المرافعۃ الی القاضی بطل ذلک۔ وان کان ذلک بعد المرافعۃ الی القاضی لا یبطل الحد انتہیٰ۔

میت کی لڑکی اور متبنیٰ میں صلح

سوال (۵۹۰) ایک شخص پرورش علی خاں سرکاری ملازم منصب دار تھا۔ ایک لڑکی دلآرا بیگم اور اس کا شوہر محمد فتح علی اور ایک اپنا متبنیٰ سرور علی چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ اور لڑکی نے اپنے شوہر کے چھوٹے لڑکے محمد جہانگیر علی کے نام سے مرحوم باپ کی منصب داری کی اجراء کرنے کے لیئے مرحوم کے متبنیٰ سرور علی سے صلح کر لی کہ جہانگیر علی کی تنخواہ میں سے روپیہ میں سے پانچ آنہ خود اور پانچ آنہ سرور علی اور دو آنہ جہانگیر علی اور چار آنہ مرحوم کے قرضہ کی ادائیگی کے لیئے لیا کریں گے اور بفضل خدا مرحوم کی اسامی محمد جہانگیر علی کے نام سے بحال بھی ہو گئی تو یہ صلح شرعاً جائز ہے یا نہیں اور مطابق صلح تنخواہ سے ہر شخص حصہ لے گا یا فقط جہانگیر؟

جواب:۔ سرور علی اور فتح علی شرعاً مرحوم کے وارث نہیں، صرف لڑکی ہی وارث ہے اور نوکری سرکاری عطیہ ہے جس کا بھی نام سرکاری رجسٹر میں درج ہوگا وہی تنخواہ کا مستحق ہوگا۔ اس میں لڑکی کا بھی کوئی حصہ نہیں ہے اور اگر یہ ملازمت بھی متروکہ ہو تو صرف لڑکی وارث ہوگی۔ متبنیٰ اور داماد دونوں محروم۔ اور صلح صحیح نہ ہوگی۔ البتہ جہانگیر علی کو حق محنت کے طور پر اگر علاتی والدہ کی طرف سے منصب داری کی تنخواہ سے کچھ دیا جاتا ہے تو اختیار ہے اس پر جبر نہیں کیا جائے گا اور ادائے دین مال متروکہ سے ہوا کرتا ہے اور ملازمت متروکہ نہیں۔ اولاً بغیر کسی اسراف اور فضول خرچی کے مرحوم کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جائے اور پھر باقی تمام مال سے دوسرے دین ادا کیئے جائیں۔ فرائض شریفیہ میں ہے:۔ اذا کان فی الدیوان عطاء مکتوب باسم رجل فنازعہ فیہ آخر وادعی انہ لہ فصالحہ المدعی علیہ علی دراھم او دنانیر حالۃ او الی اجل فالصلح باطل وکذا لو صالحہ علی شئ بعینہ فھو باطل کذا فی المبسوط والعطاء الذی جعل الامام العطاء لہ کذا فی الوجیز للکردری ۱۲ فتاویٰ عالمگیری۔

سید فخر الدین احمد۔ الجواب صحیح۔ محمد عبدالحی۔

بابُ الاقرار

اقرار سے استحقاق کا ثبوت

سوال (۵۹۱) مسماۃ ہندہ نے عمرو سے اقرار کیا اور لکھ دیا کہ والد مرحوم کے ترکہ سے میرا حصہ علیحدہ ہو جانے کے

بعد باپ اور دادا کا ملازم ہونے کی وجہ سے سات روپیہ ماہوار تا زندگی دوں گی اور میرے بعد میری اولاد تم کو اور تمہاری اولاد کو اسی طرح دیتی رہے گی۔ اور اس کے پانچ چھ ماہ بعد ہندہ نے اپنی تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی لڑکی کے نام ہبہ کر دی۔ اور ہبہ نامہ میں سات روپیہ ماہوار کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ نیز منجملہ دیگر گواہوں کے عمرو نے بھی اس پر گواہی دے دی۔ واہبہ ہندہ کا انتقال ہوگیا۔ اور ابھی تک اس کا پورا حصہ مشترکہ دیگر ورثاء کے حصوں سے کامل طریقہ سے علیحدہ نہیں ہوا تھا کہ عمرو مذکور موہوب لہا ہندہ کی لڑکی سے سات روپیہ ماہانہ کی ادائگی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اب موجودہ صورت میں جبکہ ہندہ کا پورا حصہ علیحدہ نہیں ہوا۔ اور نہ ہبہ نامہ میں اس کا ذکر ہے بلکہ خود عمرو نے بھی گواہی دیتے ہوئے ہبہ نامہ سے تعرض نہیں کیا تو عمرو کا دعویٰ شرعاً صحیح اور قابلِ سماع ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہندہ کا عمرو سے محض اقرار کرنا استحقاقِ عمرو کو ثابت نہیں کرتا۔ زیلعی نے شرح کنز میں اس کی تصریح کی اور فرمایا استحقاق بغیر عقد یا قبضہ کے نہیں ہوتا۔ یہی چیز فتاویٰ بزازیہ میں ہے، اس لیئے عمرو کا دعویٰ غیر مسموع ہوگا۔

اقرار کا پورا کرنا

سوال (۵۹۲) زید نے عمرو سے اقرار کیا اور لکھ دیا کہ اگر یہ میرا کام تیری سعی سے پورا ہو جائے گا تو میں اور میرے ورثہ تیرے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ دس روپیہ ماہوار کا سلوک کرتے رہیں گے، یا یوں اقرار کیا کہ میں نقد و جنس اس قدر تجھ کو دوں گا۔ اور پھر کام بھی پورا ہوگیا۔ بعد اس اقرار اور نوشت کے مقر اپنے اقرار سے پھر گیا یا وہ تو پھرا نہیں مگر قضائے الٰہی سے مرگیا اور اس کے ورثہ اس کا اقرار پورا نہیں کرتے ہیں۔ یا زید نے عمرو سے کسی چیز کے دینے کا بغیر لینے کسی کام کے وعدہ لیا اور پھر اقرار سے پھر گیا یا وہ تو نہیں پھرا مگر فوت ہوگیا۔ اور اب اس کی ممات کے بعد اس کے ورثہ ایفا اس وعدے کا نہیں کرتے، پس درصورت تعلیق و غیر تعلیق حکم شریعت مطہرہ کا کیا ہے درصورت تعلیق بعد رجوع یا موت مقر کے عمرو کا حق زید یا ورثاء زید سے عند القضاء بجبر و اکراہ دلایا جاوے گا یا نہیں اور درصورت غیر تعلیق زید کی حین حیات میں اس کے نفس خاص پر یا اس کی موت کے بعد اس کے ورثہ پر ایفائے وعدہ چاہیئے یا نہیں اور حاکم و قاضی بجبر دلا سکتا ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ دونوں صورتوں میں زید کو ایفائے وعدہ لازم ہے اور خلف وعدہ گناہِ کبیرہ ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے ثلاث من کن فیہ کان منافقا خالصًا و من کان فیہ خصلۃ منھا کان فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا حدث کذب و اذا اؤتمن خان و اذا عاھد غدر۔

اور اگر زید ایفائے وعدہ نہیں کرتا ہے، قاضی کو جبرًا دلانا نہیں پہنچتا ہے کیونکہ مجرد وعدہ سے عمرو کا استحقاق نہیں ہوتا ہے۔ بزازیہ میں ہے:۔ المراد من جواز الجعل من جانب واحد فی المسابقۃ الحل لا الاستحقاق فانہ لا یستحق بالشرط بشیٔ لعدم العقد والقبض انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجرد شرط کرنے سے یا وعدہ کرنے سے کسی چیز کے استحقاق ثابت نہیں ہوتا ہے اور بعد وفات زید کے اگر زید نے ورثہ کو وصیت درباره ایفائے وعدہ کے نہیں کی ہے ایفائے وعدہ مورث ان پر واجب نہیں۔ واللہ اعلم۔

سسرال میں رہنے کا اقرار

سوال (۵۹۳) زید نے نکاح ہندہ کے ساتھ کیا اور اس کے باپ عمرو سے اقرار کیا کہ ہندہ کو عمرو کے گھر سے اور کہیں نہ لے جاؤں گا۔ پس اس شرط کا ایفا واجب ہے یا نہیں۔ اور بصورت عدول عنداللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اس شرط کا ایفا قضاء واجب نہیں، اس کو اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے جانے کا اختیار ہے، لیکن فیما بینہ وبین اللہ ایفائے وعدہ لازم ہے اور خلف وعدہ باعث لزوم اثم ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے:۔ اٰیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف الخ۔

اور اشباہ میں ہے:۔ الخلف فی الوعد حرام کذا فی اضحیۃ الذخیرۃ انتہٰی۔ واللہ اعلم۔

کتاب الغصب

بیٹے کے مال میں باپ کا تصرّف

سوال (۵۹۴) لڑکے کے مال میں باپ کو تصرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بوقتِ ضرورت جائز ہے اور بلا ضرورت اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا اور حدیث انت ومالک لابیک کی مراد بھی یہی ہے کہ بوقتِ ضرورت حکم ہے۔ جیساکہ ہدایہ کی بعض عبارتوں سے مفہوم بھی ہوتا ہے۔

غصب کی حقیقت

سوال (۵۹۵) غصب کس کو کہتے ہیں؟

جواب:۔ مالک کے ہاتھ میں سے مال متقوم ومحترم کو اجازت ومرضی کے بغیر لے لینا۔ دُرر شرح غرر میں ہے:۔ الغصب شرعًا اخذ مال متقوم محترم من ید مالک بلا اذنہ لاخفیۃ انتہٰی۔

زمین میں غصب

سوال (۵۹۶) زمین میں غصب ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شیخین کے نزدیک صرف منقولہ میں غصب ہوتا ہے غیر منقولہ میں نہیں۔ اگر کسی شخص نے دوسرے کی زمین پر قبضہ کیا اور وہ کسی آفتِ سماوی سیلاب وغیرہ سے ہلاک ہوگئی تو شیخین کے نزدیک اس کا ضمان نہیں آئے گا۔ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک ضمان آئے گا کیونکہ ان کے نزدیک زمین کبھی غصب متحقق ہوتا ہے وقف کی زمینوں میں قول امام محمدؒ پر اور باقی زمینوں میں قولِ شیخینؒ پر فتویٰ ہے کذا فی جامع الرموز۔

اور درمختار میں ہے:۔ الغصب انما یتحقق فیما ینقل فلو اخذ عقارا وھلک فی یدہ بآفۃ سماویۃ

کغلبۃ سیل لم یضمن خلافا لمحمد وبقولہ قالت الثلاثۃ وبہ یفتی فی الوقف ذکرالعینی و ذکر…… ظہیرالدین فی فتاواہ الفتویٰ فی غصب العقار والدور الموقوفۃ بالضمان انتہیٰ۔

زمین مقبوضہ کی واپسی

سوال (۵۹۷) جب کہ شیخین کے نزدیک زمین میں غصب نہیں ہوتا تو اگر زید نے بکر کی زمین پر قبضہ کرلیا تو اس کی واپسی ضروری ہوگی یا نہیں؟۔

جواب:۔ شیخین کے نزدیک زمین میں عدم غصب کا حکم صرف ضمان کے لیے مخصوص ہے۔ یعنی اگر دوسرے کی زمین قبضہ کرنے کے بعد آفت سماوی کی وجہ سے ہلاک ہوگئی تو ضمان نہیں آئے گا لیکن اداء ضمان کے علاوہ بقیہ تمام امور یعنی مقبوضہ کی واپسی وغیرہ میں شیخین کے نزدیک بھی زمین میں غصب محقق ہوتا ہے۔

در مختار میں ہے:۔ وفی اجارۃ القبض انما لا یتحقق الغصب عندھما فی العقار وفی حکم الضمان اما فی ما وراء ذلک فتحقق الا تری انہ یتحقق فی الرد فکذا فی استحقاق الاجرۃ انتہیٰ۔

منافع کا ضمان

سوال (۵۹۸) کچھ زمینیں اور دکانیں کرایہ پر چلتی ہیں۔ کسی شخص نے ان پر غاصبانہ قبضہ کرکے منافع حاصل کیا تو اس پر منافع کا ضمان لازم ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اجر مثل لازم ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے:۔ منافع الغصب استوفاھا او عطلہا غیر مضمونۃ الا ان یکون وقفا او مال یتیم او معدًا للاستغلال انتہیٰ۔

اور قنیہ میں ہے:۔ الاصح ان المنافع تضمن فی ثلثۃ مواضع فی ربع الموقف وفی اموال الایتام وفی منہا للاجر کالدکاکین المعدۃ للاستغلال فان الاستعداد للاستغلال اقیم مقام العقد الفاسد فیلزم علی الغاصب اجر المثل للمالک ولا فرق بین الدار والارض والحمام والرحی وغیرذلک سواء فیہ استعملہا او عطلہا۔ انتہیٰ۔

اور سراجیہ میں ہے:۔ واذا سکن دارًا معدۃ للغلۃ من غیر استیجار یجب اجر المثل وعلیہ الفتویٰ انتہیٰ

کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ

بچہ کا نام کب رکھنا چاہیئے؟

سوال (۵۹۹) بچہ کا نام کس دن رکھنا چاہیئے؟

جواب:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفرالسعادت میں تحریر فرماتے ہیں:۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ بچہ کا نام ساتویں دن رکھا جائے جیسا کہ عقیقہ میں بھی یہی مسنون ہے۔ ترمذی ابن عمرؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کا نام ساتویں دن رکھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ انتہیٰ۔

اور کتب سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین رضی اللہ عنہما کے نام ولادت کے روز ہی رکھ دیئے تھے۔ ساتویں دن کا انتظار نہیں فرمایا۔ صاحب روضۃ الشہداء صراحتاً بیان کرتے ہیں:۔ وروی احمد فی مسندہ عن امیرالمؤمنین علیؓ قال لما ولد الحسن جاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلت سمیتہ حربا قال بل ھو حسن فلما ولد الحسین قال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلت حرباً قال بل ھو حسین فلما ولد الثالث قال ارونی ابنی ما سمیتموہ قلت حربا قال بل ھو محسن۔ اور یہ روایت طبرانی، دارقطنی، حاکم، بیہقی اور ابنِ عساکر نے بیان کی۔ کذا فی سرالشہادتین۔

عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا

سوال (۶۰۰) عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر عبدالنبی نام رکھنے والے کا عقیدہ یہ ہے کہ بچہ نبی کا بندہ ہے تو شرک ہوگا اور اگر عبد کے معنیٰ غلام ومملوک مراد ہوں تو بھی خلافِ واقعہ ہے۔ ہاں اگر مجازاً مطیع وتابعدار کے معنی لیئے جائیں تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی خلافِ اَولیٰ ہے۔ امام مسلمؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عباداللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولکن یقل غلامی وجاریتی وفتائی وفتاتی اوکما قال۔

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال (۶۰۱) چرمِ قربانی کی رقم دوسرے شہروں میں منتقل کرنے یا سادات کو دینے میں حکمِ زکوٰۃ کے مانند ہے یا کچھ فرق ہے؟۔

جواب:۔ ظاہراً چرمِ قربانی کا صدقہ قبیلِ تطوعات سے ہے اور بنی ہاشم کے لیئے اس کی حرمت کا حکم دینا صحیح نہیں کیونکہ اس قسم کے احکام زکوٰۃ کے لیئے مخصوص ہیں۔

ملاخسرو غرر الاحکام میں تحریر کرتے ہیں:۔ لا الی بنی ھاشم وان جازت التطوعات والاوقاف لھم ولا ذمی وان جاز غیرھا۔

اور جواہر نفیسہ شرح درالمنیفہ میں ہے:۔ جازت التطوعات والاوقاف الیھم ای الی بنی ھاشم وموالیھم لانتفاء العلۃ المذکورۃ فی الزکوٰۃ وھی کونھا من اوساخ الناس۔

اور فتح القدیر میں ہے:۔ قالوا لا یجوز صرف کفارۃ الیمین والظھار وجزاء الصید وغلۃ الوقف الی بنی ھاشم واما النافلۃ فقال فی النھایۃ یجوز صرفھا الیھم بالاجماع وصرح فی الکافی بدفع الوقف الیھم انتھی

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ نفلی بنی ہاشم پر صرف کرنا جائز ہے جیسا کہ مذہب جمہور ہے اور چرمِ قربانی کا صدقہ بھی نفلی ہے اس لیئے اس کا صدقہ بھی بنی ہاشم پر جائز ہوگا اور اسی طرح فقہاء کرام زکوٰۃ اور صدقہ

فطر کے دوسرے شہر میں منتقل کرنے کو مکروہ اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس مال میں اہل شہر کے مستحقین کا حق ثابت ہو گیا، لہٰذا اب منتقل کرنا مکروہ ہوگا۔ اور اسی وجہ سے نہر فائق وغیرہ میں مذکور ہے۔ اگر سال پورا ہونے سے پہلے مال زکوٰۃ دوسرے شہر کی طرف منتقل کردے تو مکروہ نہ ہوگا۔ کیونکہ سال کے پورا ہونے سے قبل مستحقین کا حق اس میں قائم نہیں ہوتا، اب چرمِ قربانی کا صدقہ چونکہ نفلی ہے کسی کا حق اس سے متعلق نہیں تو اس کا منتقل کرنا بھی مکروہ نہ ہوگا۔

قربانی کے لئے بکری کی عمر

سوال (۶۰۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکری چھ مہینے کی اگر توانا اور فربہ ہو تو قربانی اس کی درست ہے یا نہیں جیسا کہ دنبہ اور بھیڑ درست ہے اور اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بیان کرتا ہے کہ جس لڑکے کی طرف سے عقیقہ نہ ہوا اگر وہ لڑکا مرجائے تو اس کے ماں باپ مستحق شفاعت کے نہ ہونگے یعنی وہ لڑکا اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرے گا اور سند میں اس کے حدیث نقل کرتے ہیں:۔

الغلام مرتھن لعقیقۃ الخ پس حدیث شریف کا خلاصہ مطلب کیا ہے؟

جواب:۔ بکری چھ مہینے کی نہیں درست ہے اور دنبہ چھ مہینے کا اگر فربہ و توانا ہو درست ہے۔ یہی مذہب حنفیہ کا بلکہ جمہور علماء کا ہے اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ ہدایہ و بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:۔ ویجزی من ذلك كله الثنى فصاعدا الا الضان فان الجذع منه يجزى والتقييد بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لا يجزى بل لا يجزى منها الا الثنى انتهىٰ

منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے:۔ وصح الجذاع من الضان وصح الثنى فصاعدا من الثلاثة اى من الشاة اعم من ان يكون ضانا او معزا من البقر ومن الابل والجذع شاة لها ستة اشهر والضان مايكون صوف انتهى

اس سے صاف واضح ہے کہ بکری اور بھیڑ اور ایسی ہی گائے اور اونٹ چھ مہینے کا نہیں درست ہے، فقط دنبہ چھ مہینے کا درست ہے اور ایسے ہی اور کتب فقہ میں موجود ہے اور شرح مسند امام اعظم میں ہے:۔ فی صحیح مسلم عن جابر لا تذبحوا الا مسنة الا ان تعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان

اور حدیث الغلام مرتھن بعقیقۃ کے معنی محدثین کے نزدیک یہی ہیں کہ وہ لڑکا جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ والدین کی شفاعت کرنے سے محروم رہے گا۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی اپنی کتاب ارتیاح الاکباد فی فقد الاولاد میں لکھتے ہیں:۔ ذكر البيهقى عن سليمان بن حبيل حدثنا يحيىٰ بن حمزة قال قلت لعطاء الخراسانى مامعنى مرتهن بعقيقة فقال تحرم شفاعة والده وكذا قال الامام احمد انه مرتهن عن الشفاعة لوالده واستحسنه الخطابى حيث قال تكلم الناس فى هذا واجود ماقيل فيه ماذهب اليه احمد ان هذا فى الشفاعة يريد انه اذا لم يعق عنه فمات طفلا لم يشفع والديه انتهىٰ. والله اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز الله عن ذنبه الجلی والخفی۔

واقعی بکری چھ مہینے کی اگر فربہ ہو قربانی اس کی درست نہیں۔ فی جامع الرموز وانما قال من الضان لانه لا يجوز

من المعز وغیرہ بلاخلاف کما فی المبسوط ونحوہ انتہی۔

اور حدیث شریف کا خلاصہ نزدیک جناب امام ہمام شیخ اکمل مولانا احمد بن حنبلؒ کے یہی ہے نہ وہ لڑکا شفاعت نہ کرے گا۔ فی مفاتیح الجنان ومصابیح الجنان وعن سمرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الغلام مرتھن لعقیقتہ قیل معناہ انہ محبوس سلامۃ عن الآفات لعقیقتہ او انہ کالشئ المرھون لایتم الاستمتاع بہ دون ان یقال بالعقیقۃ وقیل معناہ ان شفاعۃ لابویہ معلق لعقیقۃ لایشفع لہما الطفل ان لم یعق عنہا انتہی۔

وفی کاشف حقائق السنن المحمدیۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح وقال صاحب النھایۃ معنی قولہ رھنیۃ بعقیقتہ ان العقیقۃ لازمۃ لہ لابد منہا فشبہہ فی لزومہا وعدم انفکا کہا منہ بالرھن فی ید المرتھن قد تکلم الناس فیہ واجود ما قالہ احمدؒ بن حنبل انہ اذا مات طفلا ولم یعق عنہ لم یشفع فی والدیہ وروی عن قتادۃ انہ یحرم شفاعتہم اقول ولاریب ان الامام احمدؒ بن حنبل ما ذھب الی ھذا القول الابعد ما تلقی من الصحابی والتابعین علی انہ امام من الائمۃ الکبار یجب ان یتلقی کلامہ بالقبول وبحسن الظن بہ انتہی مختصراً واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی گاؤ سے متعلق چند سوال

سوال (۶۰۳) سوال اوّل :۔ گائے کی عظمت بمقابلہ دیگر حیوانات کے کسی کتاب سے ثابت ہے یا نہیں؟

سوال دوم :۔ مادہ گاؤ کب تک جاری تھی اور کس وقت سے بند ہوئی؟

سوال سوم :۔ مادہ گاؤ کے ذبح کرنے کا حکم کون سی حدیث اور کن شرائط و تصریح کے ساتھ صادر ہوا اور یہ حکم صرف مادہ گاؤ کے لیئے ہے یا بیل کے لیئے بھی، اور ہمیشہ اس کا گوشت استعمال کرنے کے لیئے حکم مادہ کے ساتھ مخصوص ہے یا کوئی اور حکم ہے؟

سوال چہارم :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقر کا گوشت تناول فرمایا ہے یا نہیں؟

سوال پنجم :۔ عرب میں گائے کے ہوتے ہوئے اہل عرب اس کی قربانی کیوں نہیں کرتے؟

سوال ششم :۔ اگر گائے کی قربانی نہ کریں تو اسلام میں خلل تو واقع نہیں ہوتا۔ گائے کی قربانی یا گوشت کا استعمال ارکانِ دین میں سے ہے یا نہیں اور فرض و واجب کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

سوال ہفتم :۔ بنی اسرائیل کے زمانہ میں گائے کی پوجا ہوتی تھی یا نہیں اور ذبح گاؤ کا حکم قرآن سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے یا تاویلاً؟۔

سوال ہشتم :۔ کسی خاص دعا کے لیئے نماز اوراد و وظائف کے وقت گائے کے گوشت کو چھوڑنا کیسا ہے؟۔

جواب :۔ جواب سوال اوّل :۔ گائے کی عظمت بہ نسبت دیگر بہائم شرعاً ثابت نہیں بلکہ حدیث میں تو اس کی

ذات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ سنن ابو داؤد میں ہے :۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجہاد سلط اللہ علیکم ولا نزعہ عنکم حتی ترجعوا الی دینکم انتہی۔

اور حیوۃ الحیوان میں ہے :۔ فی نہایۃ الغرفی الحدیث ما دخلت السکتۃ دار قوم الا ذلوا والسکتۃ ھی التی یحرث بہا الزرع ای ان المسلمین اذا اقبلوا علی الزراعۃ سفلوا عن العز فیاخذ ھم السلطان بالمطالبات والجبایات و قریب من ھذا الحدیث قولہ صلے اللہ علیہ وسلم العز فی نواصی الخیل والذل فی اذناب البقر انتہی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زراعت کے لیے استعمال کی کثرت ذلت انسانیہ کا سبب ہے۔

جواب سوال دوم وھفتم :۔ بنی اسرائیل کے دور میں گائے کے تمثال کی پوجا بعض کفار کرتے تھے اور یہی چیز بعض بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا سبب بنی جس کی وجہ سے وہ سزا وعقاب کے مستحق ہوئے۔ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَّھُمْ قَالُوْا یَا مُوْسَی اجْعَلْ لَّنَا اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْھَلُوْنَ۔

اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پہنچے ایک قوم پر جو پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں کے کہنے لگے اے موسیٰ بنا دے ہماری عبادت کے لیے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں۔ کہا تم لوگ تو جہل کرتے ہو۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُھُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَذِلَّۃٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ۔

جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا، ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو۔

اور تفسیر در منثور میں ہے :۔ اخرج ابن جریر وابن المنذر عن ابن جریج فی قولہ تعالیٰ فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لھم قال تماثیل بقر من نحاس فلما کان عجل السامری شبہ لھم انہ من تلک البقرۃ فذلک کان اول شان العجل انتہی۔

جواب سوال سوم وھفتم :۔ نر و مادہ گاؤ کے ذبح اور استعمال گوشت کا جواز قرآن وحدیث سے صراحۃً ثابت ہے اور اجماع بھی ہے، باری تعالیٰ اپنے انعامات واحسانات کے ضمن میں فرماتے ہیں :۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَۃً وَّفَرْشًا کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ قُلْ آٰلذَّکَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْہِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ

اور پیدا کیے مواشی میں بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے، کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔ پیدا کیے آٹھ نر و مادہ بھیڑ میں سے دو۔ اور بکری میں سے دو، پوچھ تو کہ دونوں نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے

نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ الآیۃ۔ کے بتلائے مجھ کو سند اگر تم سچے ہو۔ اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ الخ

اور حیوۃ الحیوان میں ہے:۔ یحل اکلھا وشرب البانھا بالاجماع انتہٰی۔

اور صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی عن نسائہ بقرۃ یوم النحر انتہٰی

جامع ترمذی اور سنن نسائی میں ہے:۔ عن ابن عباس رض قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحیٰ فاشترکنا فی البقرۃ انتہٰی۔

جواب سوال چہارم: ۔ کتب حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے گائے کا گوشت کھایا ہے اور خدمت نبوی میں بھی پیش کیا گیا۔ صحیح مسلم میں مروی ہے:۔ عن عائشۃ قالت اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلحم بقر تصدق بہ علی بریرۃ فقال ھولھا صدقۃ ولنا ھدیۃ انتہٰی۔

جواب سوال پنجم: ۔ اہل عرب کا گائے کی قربانی نہ کرنا محض عادت اور عرف عام کی وجہ سے ہے۔ شرعی حیثیت کچھ نہیں۔ دوسرے بعض شہروں میں بھی قربانی گاؤ کا رواج نہیں ہے جیسا کہ بعض بلاد دکن میں۔ لہٰذا اہل عرب کے ذبح نہ کرنے کی وجہ سے ذبح گاؤ کی عدم حلت یا کراہت پر قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور فقہائے امت محمدیہ کے اجماع سے جواز کا ثبوت ہوتے ہوئے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

جواب سوال ششم: ۔ گائے کی قربانی نہ کرنے سے اسلام میں کوئی خلل ونقصان نہیں آتا۔ البتہ اگر اس کی عظمت یا عدم حلت وجواز کے خیال سے ترک کرے تو پھر ایسے شخص کے اسلام پر نقصان آئے گا۔

جواب سوال ہشتم: ۔ وظیفہ وغیرہ کے وقت گوشت کا چھوڑنا گائے کی عظمت اور عدم جواز کی وجہ سے نہیں بلکہ مشائخ کے تجربات کی وجہ سے ہے لہٰذا جائز ہے۔

اونٹ یا گائے کی قربانی

سوال (۶۰۴) قربانی اونٹ کی بہتر ہے یا گائے کی؟

جواب: ۔ اونٹ کی بہتر ہے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی الجواب صحیح۔ محمد عبدالوہاب

قربانی گاؤ سے ممانعت کے متعلق فتویٰ پر شبہ

سوال (۶۰۵) حضرات علماء سے جن کی مہریں اس پرچہ میں ثبت ہیں استفسار ہے کہ اس جواب میں آپ کی مراد اس جملہ سے کہ بقصد اثارت فتنہ گاؤ کشی نہیں چاہیے بلکہ ایسے مقام پر کہ جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو باوجود سلامت اعتقاد کے احتراز اولیٰ ہے کیا مراد ہے۔ آیا یہ مراد ہے کہ ابتدائے فتنہ اہل اسلام کی طرف سے نہ ہو یعنی جہاں عملداری ہنود کی ہو اور گائے ذبح نہ ہوتی ہو، وہاں مسلمان بقصد فتنہ انگیزی گاؤ کشی نہ کریں یا یہ کہ بلاد ہندوستان وغیرہ میں کہ جہاں ہمیشہ سے اہل اسلام گائے ذبح کرتے چلے آئے اور اس ذبح کرنے میں کبھی ان کو مقصود فتنہ انگیزی نہیں ہوئی بلکہ اجرائے حکم شریعت

اب اگر کوئی مسلمان ان بلاد میں گائے ذبح کرے اور ہندو بنظر تعصب مذہبی کے اس کو منع کریں تو وہ مسلمان اس سے باز رہے بتفصیل ارشاد ہو کہ ایسی صورت میں اہل اسلام کو ترک اولیٰ ہے یا کیا، بینوا توجروا؟

جواب: گائے ذبح کرنا اگرچہ فعل مباح ہے واجب نہیں مگر ایسا مباح نہیں کہ کسی زمانہ خاص یا کسی بلدہ خاص میں اس کا رواج ہو اور دوسرے زمانہ یا بلدہ میں نہ ہو بلکہ یہ ایک طریقہ قدیمہ ہے زمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تابعین و جملہ سلف صالحین سے تمام بلاد و امصار میں اور اس کی اباحت پر اجماع و اتفاق ہے تمام اہل اسلام کا ایسے امر شرعی ماثور قدیم سے اگر ہنود روکیں اور بنظر تعصب مذہبی منع کریں تو مسلمانوں کو اس سے باز رہنا نہیں درست ہے بلکہ ہر گاہ ہنود ایک امر شرعی قدیم کی ابطال میں کوشش کریں۔ اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس کے ابقا و اجرا میں سعی کریں اور اگر ہنود کے کہنے سے اس فعل کو چھوڑیں گے تو گنہگار رہوں گے اور مقصود اس جملہ میں جو جواب سابق میں مرقوم ہے یہ ہے کہ بقصد برانگیختہ کرنے فتنہ و فساد کے گاؤکشی نہ چاہیئے۔ مثلاً جہاں عملداری ہنود کی ہو اور گائے وہاں ذبح نہ ہوتی ہو وہاں مسلمان بقصد ابتدائے مردم آزاری خواہ مخواہ گائے ذبح کریں۔ یا عید الضحیٰ میں کسی ہندو کے مکان کے قریب جاکر بایں خیال ذبح کہ فتنہ قائم ہووے ایسی صورتوں کا ارتکاب نہ چاہیئے بلکہ ایسی حالت میں ترک اولیٰ ہے اور بلادِ ہندوستان جہاں ہمیشہ گائے ذبح ہوتی ہے اور مقصود اہلِ اسلام اس سے فتنہ انگیزی نہیں ہے بلکہ ابقائے شریعتِ قدیمہ ہے ایسی حالت میں اگر ہنود منع کریں تو ترک اس کا اولیٰ نہیں بلکہ اس کے ابقا میں سعی واجب و لازم ہے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

فی الواقع جن بلاد میں رواج گاؤکشی بے قصد فتنہ فساد کے جاری رہا اور اب کوئی قوم ہنود سے مانع ہے ان بلاد میں مسلمانوں کو رسم گاؤکشی کی باقی رکھنے میں کوشش لازم ہے اور مراد اس فقرہ مسئول عنہا سے یہ ہے کہ جہاں عملداری اور ریاست خاص ہنود کی ہے اور گاؤکشی وہاں زینہار نہیں ہوتی اور اس جگہ پر اعلان گاؤکشی کرنا بنظر قیام فتنہ اولیٰ نہیں ہے نہ یہ بات مطلقاً اولویت گاؤکشی کی ہر جگہ سے جاتی رہے بلکہ جن بلاد میں ہنود کو تشدد دربارہ گاؤکشی نہ تھا اور اب کیا جاتا ہے وہاں گاؤکشی کا ترک اولیٰ نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفا اللہ عنہ

ہو العلی الرب الحکیم الحلیم الجواب صحیح فی الواقع مقصود جملہ جواب سابق سے یہ ہے کہ بارادہ برانگیختہ کرنے فتنہ و فساد کے عملداری و ریاست خاص ہنود میں یا جہاں کہیں زمانہ قدیم سے گائے نہ ذبح ہوتی ہو بمصالح وقت رعایۃً گاؤکشی باعلان نہیں چاہیئے کہ رفع فساد بہتر ہے یا مثلاً بقرعید میں کسی ہندو کے ہمسایہ میں علانیہ ذبح کرنا گاؤ کا بایں ارادہ کہ فساد قائم ہو نہ چاہیئے۔ ہاں جن بلاد و امصار و قصبات و قریات و دیہات و مواضعات ہندوستان میں رواج گاؤکشی کا کہ طریقہ قدیمہ ہے بلا قصد فتنہ و فساد قدیم الایام سے چلا آیا ہے اور اب کوئی ہندو بپاس تعصب مذہبی مانع و مزاحم ہے۔ ایسے مواقع میں مسلمانوں کو بپاس حمیتِ اسلامی ابقائے رسم گاؤکشی میں کوشش بلیغ لازم ہے زینہار ترک نہ کریں اور فقرہ مسئول عنہا سے یہ مراد نہیں ہے کہ تقلید و اتباع ہنود میں قطعاً گاؤکشی کہ ماثور قدیم ہے اور جس کی اباحت پر اجماع و اتفاق جمیع اہلِ اسلام کا از سلف تا خلف رہا ہے اور رہے گا ممانعت و مزاحمت

ہنود سے ترک ہو جاوے۔ معاذ اللہ من ذلک۔ وہر گاہ فی زماننا ہنود کو اہلِ اسلام سے تعصب مذہبی وعداوت بہت ہے کہ شعائرِ اسلامیہ سے روکتے ہیں۔ پس دریں صورت مسلمانوں کو بپاس حمیت اسلامی روکنے سے ہنود کے واسطے قربانی وذبح گاؤ و کھانے گوشت گاؤ کے کہ طریقہ ماثورہ قدیم ہے رکنا نہ چاہیئے اور ان کی ممانعت کو تسلیم نہ کرنا چاہیئے۔

بہر حال گاؤ کشی کو کہ شعارِ مسلمانی ہے ترک نہ کریں احیاناً اگر کسی منازعت میں احتمال فساد فیمابین ہو تو بذریعہ حکام وقت دفع کرنا اس کا بابقائے رواج قدیم واجب ہے اور بخوف فساد ہنود قربانی وذبح گاؤ سے مسلمان لوگ باز نہ رہیں اس میں کوشش بلیغ کو کام فرمادیں ورنہ گنہگار رہوں گے۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم واللہ غالبٌ علی امرہ ھداکم اللہ الی سواء السبیل۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم۔ فقط حررہ عبدہ العاصی القسی الاثیم خادم العلماء والفقراء ابوالحیاء محمد عبدالحلیم عفا عنہ الکریم منمقام دار العلم فرنگی محل منمحلات البلدۃ لکھنؤ۔

ذبح گاؤ فعل مباح قدیم الرواج شعائر اسلام سے ہے اہمال اس کا بلاوجہ وجیہ جائز نہیں۔ ہاں شق اول یعنی ابتداء اثارۃ فتنہ وفساد نہ چاہیئے اور یہی معنی ہیں فقرہ جواب سابق کے پس جن بلاد میں ذبح گاؤ مروج ہے اور شیوہ اسلاف صالحین چلا آیا ذبح کرنا اثارۃ فتنہ وفساد پر قربانی کا کیونکر محمول ہو سکتا ہے بلکہ احیائے سنت قدیمہ پر محمول ہوگا بس شق ثانی بھی باطل ہوئی، اب اس صورت رواج میں منع کرنا ہنود کا ان کی جانب سے اثارہ فتنہ وفساد ہوگا اس کو دفع کرنا مسلمانوں کو ضرور ہے اور ایسی صورت میں اس آئین دیرین کو کہ شعائر اسلام سے ہے ترک کرنا نہ چاہیئے بلکہ اس طریقہ کے ابقاء میں سعی کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم حررہ ابوالغنا محمد عبدالمجید غفراللہ الوحید۔

قربانی گاؤ سے ہنود کا روکنا

سوال (۶۰۶) اگر کوئی مسلمان عیدالضحیٰ میں گائے کی قربانی کرنا چاہے، یا دوسرے ایام میں واسطے کھانے گوشت کے گائے ذبح کرنا چاہے اور ہنود بوجہ تعصب مذہبی یا اپنے تفخر کے یا بنظر توہین اسلام کے اس قربانی یا ذبح کو روکنا چاہیں تو اس حالت میں اس مسلمان کو از روئے شرع شریف کے گائے کی قربانی سے یا گائے کے ذبح سے باز آجانا چاہیئے یا کیا کرنا چاہیئے؟

(۲) اگر اس روک ٹوک میں از جانب ہنود فساد ہونے کا احتمال ہو مگر اس فساد کا دفعیہ بذریعہ حکام ملک ممکن ہو تو صرف بلحاظ فتنہ مذکور کے قربانی اور ذبح سے گائے کے باز آجانا چاہیئے یا کیا کرنا چاہیئے۔

(۳) یہ امر ظاہر ہے کہ اونٹ ان ملکوں میں بہت کم دستیاب ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو دستیاب بھی ہووے تو بہت قیمت دینے سے ہوتے ہیں اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ آج کل کے زمانہ میں سات عدد بھیڑی یا خصی کی قیمت بلحاظ تعداد ایک گائے کے زیادہ ہوتی ہے تو اس حالت میں اگر کوئی مسلمان بلحاظ کفایت بعوض سات قربانی کے ایک گائے کی قربانی کرنا چاہے اور ہنود بنظر تعصب مذہبی کے یہ کہیں کہ تم گائے کی قربانی مت کرو جس طرح سے ممکن ہووے تم اونٹ، خواہ بھیڑی یا خصی قربانی کرو تو ہنود کی اس مزاحمت

کو مان لینا مسلمان پر واجب ہے یا نہیں؟

جواب: از انجاکہ گائے کے ذبح کرنے کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے زمانہ آں حضرتؐ میں اور بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کو ذبح کیا ہے اور اس کے گوشت کے حلال ہونے پر اور ذبح کے جائز ہونے پر خواہ بروزِ عید ہو یا کسی اور روز ہو اتفاق ہے، تمام مسلمانوں کا، کوئی مسلمان اس کے جواز اور حلت میں شبہ نہیں کرتا ہے۔ بناءً علیہ جب کوئی مسلمان عید الضحیٰ کے روز خواہ کوئی اور روز گائے ذبح کرے اور کوئی ہندو اپنے مذہب کے اس کو روکے تو مسلمان کو باز آنا درست نہیں ہے اور ہندو کی ممانعت کو جو مبنی ہے ان کے اعتقاد باطل پر تسلیم کر لینا نہیں جائز ہے۔ ہماری شریعت میں گائے کی بہ نسبت اور جانوروں کے کچھ بھی عظمت نہیں ثابت ہے بلکہ یہ مثل اور جانوروں کے جوازِ ذبح میں ہے جو شخص اس کی عظمت کا خیال کرے اس کے اسلام میں فتور ہے پس ہندو کی ممانعت تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقادِ باطل کی تقویت اور ترویج کا ہوگا اور یہ کسی طرح شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور اونٹ کا ذبح کرنا اگرچہ گائے سے اولیٰ ہے۔ مگر کوئی شخص اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، علی الخصوص جب ہنود بغرض تعصب مذہبی اہلِ اسلام کو گاؤکشی سے روکیں اور کہیں خواہ مخواہ اونٹ یا بکری ذبح کرو، ایسے وقت ہنود کے قول کو مسلمان کا مان لینا واجب نہیں بلکہ مسلمانوں کو ضرور ہے کہ اس قولِ ہنود کو تسلیم نہ کریں اور گاؤکشی کے طریقہ کو اہلِ اسلام کا طریقہ قدیمہ ہے ترک نہ کریں اور اس منازعت میں اگر احتمال فساد کا ہنود کی طرف سے ہو تو اس کو بذریعہ حاکم وقت دفع کرنا واجب ہے اور بخوف فساد ہنود کے گائے کے ذبح کرنے سے رکنا نہیں چاہیے۔ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

ہو العلی الرب الحکیم الحلیم الجواب صحیح والمجیب نجیح فی الواقع فی زماننا ہنود کو اہلِ اسلام سے تعصب بہت ہے، دریں صورت مسلمانوں کو بپاس حمیت اسلامی روکنے سے ہنود کے واسطے قربانی و ذبح گائے و کھانے گوشت گائے سے رکنا نہیں چاہیے و ہنود کی ممانعت کو تسلیم نہ کرنا چاہیے۔ بہر حال گاؤکشی کے طریقے کو ترک نہ کریں۔ اگر اس منازعت میں احتمال فساد فیما بین کا ہو بذریعہ حکام وقت کے دفع کرنا اس کا واجب ہے اور بخوف فساد ہنود قربانی و ذبح گائے سے مسلمانوں کو رکنا نہ چاہیے۔ اللہ معکم اینما کنتم واللہ اعلم وعلمہ احکم۔ فقط۔

حررہ عبدہ العاصی القسی الاثیم خادم العلماء والفقراء ابو الحیاء محمد عبد الحلیم عفا عنہ اللہ الکریم
من مقام دار العلم فرنگی محل منحلات البلدۃ لکھنؤ۔

فی الحقیقۃ قربانی گائے کی ملتِ اسلامیہ میں شعار اسلام سے واقع ہوئی ہے۔ اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود کے موجب معصیت ہے بلکہ قائم رکھنے قربانی گائے میں مسلمانوں کو سعی و کوشش لازم ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الفقیر محمد عبد الوہاب عفا اللہ عنہ

واقعی ذبح گائے مروج شعائر دین متین سے ہے ترک اس کا بجہت فتنہ انگیزی ہنود بر خلاف آئین دیرین۔ چاہیے بذریعہ حکام وقت اس فساد حادث کو دفع کرنا چاہیے اور موافق اعتقاد سراسر فساد ہنود کے گائے کو حیوان ذی عز و شان

سمجھ کر یا بنا بر اس اعتقاد کے ان کے منع کرنے سے برخلاف دستورِ اسلاف ترکِ ذبح نہ کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم

حررہ ابوالغفار محمد عبدالمجید غفراللہ الوحید

واقعی مسئلہ اولیٰ میں مسلمانوں کو گائے کی قربانی و گائے کے ذبح سے بشرطِ امکان باز آنا نہیں چاہیئے اور مسئلہ ثانیہ میں صرف بلحاظ فتنہ مذکور کے قربانی اور ذبح سے گائے کی باز آنا نہیں چاہیئے اور مسئلہ ثالثہ میں ہنود کی اس مزاحمت کو مان لینا بشرط امکان مسلمانوں پر واجب نہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم غفرلہ العلی الرب الحکیم

درحقیقت گائے کے ذبح سے مجرد لحاظ فتنہ مذکورہ کے باز آنا اور ہنود کی مزاحمت تعصبی کو مان لینا مسلمان کو بشرط امکان نہیں چاہیئے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ابوالکرام محمد اکرم تجاوز اللہ تعالیٰ عما جرم

قربانی کے لیئے دنبہ کی عمر

سوال (۶۰۷) ضان سے چکتی والا دُنبہ مراد ہے یا مینڈھا اور بغیر چکتی والا دنبہ بھی اس میں شامل ہے اور جذع کس کو کہتے ہیں۔ اور جذع ضان (چھ ماہ کا دنبہ) کی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ روایات حدیث بکثرت مؤطا، سنن ابی داؤد و ابن ماجہ وغیرہ میں جذع ضان کے جواز کے بارہ میں وارد ہیں یعنی چھ ماہ کا دنبہ جائز ہے اس کے علاوہ تمام جانوروں میں ثنی کا ہونا ضروری ہے۔ جذع کہتے ہیں پورے چھ ماہ کے بچہ کو اور ضان سے صرف چکتی والا دنبہ مراد ہے۔ فتح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے:۔ صح الجذع من الضان الجذع شاة لها ستة اشهر والضان مایکون له الية قلت هذا مذهب الفقهاء واما عند اهل اللغة فالجذع من الشاة ما له سنة کذا فی النهاية والفقهاء انما جوزوها فی ستة اشهر اذا کانت بحیث لو خلطت بالثنايا تشبه على الناظرين من بعيد وانما جاز الجذع من الضان لقوله عليه الصلوٰة والسلام لاتذبحوا الامسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان رواه البخاری ومسلم واحمد وجماعة انتهى۔

شرعة الاسلام اور اس کی شرح مفاتیح الجنان میں ہے:۔ ومن سنن الاسلام التضحية بالانعام بالجذع من الضان وهو ماتم ستة الشهر وقيل سبعة اشهر وبالثنى فصاعداً من الشاة اعم من ان يكون ضانا او معزا ومن الابل والبقر مطلقاً وهو ای الثنى ابن خمس من الابل وحولين من البقر وحول من الشاة والمعز والجذع قيدناه بالضان وهو ماله الية لان الجذع من المعز لا يجوز به التضحية انتهى۔

عقیقہ کا گوشت کھانا

سوال (۶۰۸) عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن وغیرہ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قول معتبر یہی ہے کہ سب کے لیئے کھانا جائز ہے۔ کما فی نہایۃ البیان۔

ہدیہ بکری کی قربانی

سوال (۶۰۹) ہدیہ بکری کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جائز ہے۔ بلکہ کتب صحاح سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ثابت ہے۔

لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکرا

سوال (۶۱۰) لڑکے کے عقیقہ میں باوجود استطاعت کے اگر کوئی شخص ایک بکرا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ استطاعت وقدرت نہ ہونے کی صورت میں ایک پر بھی اکتفا درست ہے۔ نہایت البیان فی ما یحل ویحرم من الحیوان میں ہے :۔ درکنز العباد است چوں فرزند تولد شود عقیقہ دہندہ دختر یک گوسفند وپسر را دو گوسفند واگر یکے دہندہ ہم رخصت است کذا فی کیمیا السعادۃ۔

بلانیت قربانی کرنا

سوال (۶۱۱) زید نے قربانی کے خیال سے بکرا خریدا اور خیال تھا کہ کل ار ذی الحجہ کو ذبح کروں گا۔ مگر اس کے ملازم بکر نے اطلاع کیے بغیر بلانیت قربانی ذبح کردیا۔ موجودہ صورت میں زید کی طرف سے قربانی ہوگی یا نہیں؟

جواب :۔ زید کی طرف سے قربانی ادا نہیں ہوئی۔ اور بکر پر اس کی قیمت واجب الادا ہے۔

گھر کے پروردہ جانور کی قربانی

سوال (۶۱۲) اپنے گھر کی پروردہ گائے، بکری، بھیڑ، اونٹ وغیرہ کی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جائز ہے۔ بلکہ اگر وہ فربہ اور قیمتی ہو تو اولیٰ وافضل ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا رواہ احمد والحاکم۔

کتاب الصید والذبائح

ذابح کے معین ومددگار پر بسم اللہ پڑھنا

سوال (۶۱۳) جیساکہ ذبح کرنے والے پر بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور عمداً ترک کرنے سے ذبیحہ مردار ہوجاتا ہے۔ کیا اسی طرح معین ذابح پر بھی ضروری ہے یا نہیں۔ اور معین ذابح وہ شخص ہے کہ جو ذبح کے وقت جانور کے ہاتھ اور پاؤں وغیرہ پکڑتا ہے یا وہ شخص خود جو ذبح کرنے والے کے ساتھ خود بھی چھری وغیرہ پکڑ کر اس کی مدد کرتا ہے؟

جواب :۔ معین ذابح کا بھی بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور معین ذابح وہ شخص ہوتا ہے جو آلۂ ذبح کو پکڑ کر مدد کرتا ہو مذبوحہ کے ہاتھ اور پاؤں کے پکڑنے والے کو تو رسی وغیرہ کے مانند سمجھنا چاہیے:۔

عالمگیریہ کی کتاب الاضحیہ میں ہے :۔ رجل اراد ان یضحی فوضع صاحب الشاۃ علی السکین مع ید القصاب حتی تعاونا علی الذبح قال الشیخ الامام یجب علی کل واحد منھما التسمیۃ حتی لو ترک احدھما لا یجوز کذا فی الظہیریۃ انتھی

اور کتاب الصید میں ہے:- مسلم عجز عن مذبوحہ بنفسہ فاعانہ علی یدہ مجوسی لایحل اکلہ لاجتماع المحرم والمحلل فیحرم انتہیٰ۔

اور برجندی شرح نقایہ میں بیان فرماتے ہیں:- کما یشترط تسمیۃ الذابح یشترط تسمیۃ من اعان الذابح حیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترک احدھما التسمیۃ لایحل انتہیٰ

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:- رجل اراد ان یضحی فوضع صاحب الشاۃ یدہ مع ید القصاب علی المذبح واعان علی الذبح حتی صار ذابحا مع القصاب قال الشیخ الامام یجب علی کل واحد منھما التسمیۃ حتی لو ترک احدھما التسمیۃ لایحل الذبیحۃ انتہیٰ۔

مذبوح سے خون نہ نکلنا

سوال (۶۱۴) اگر صحیح وسالم زندہ بکری کو ذبح کیا گیا لیکن اس کی رگوں سے خون نہیں نکلا۔ یا خون تو نکلا مگر مذبوح نے بوقت ذبح کوئی حرکت وغیرہ نہیں کی تو یہ مذبوح حلال ہوگا یا حرام؟

جواب: حلال ہے۔ سراجیہ میں ہے:- شاۃ ذبحت وعلم حیاتھا وقت الذبح ولم یخرج منھا دم حلت حیوان ذبح وخرج منہ دم مسفوح ولم یتحرک فانہ یحل وان لم یخرج منہ دم مسفوح ولم یتحرک ایضا فان علم حیاتہ حل انتہیٰ۔

سرد ہونے سے پہلے ذبیحہ کا چمڑا اتارنا

سوال (۶۱۵) مذبوح کے سرد ہونے سے پہلے چمڑا اتارنا یا گردن علیحدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:- وکرہ کل تعذیب بلافائدۃ مثل قطع الراس والسلخ قبل ان یبرد ای یسکن من الاضطراب انتہیٰ۔

اور سراجیہ میں ہے:- ویکرہ ان ینخع الشاۃ وھو ان یکسر عنقھا قبل ان یموت وقیل ھو ان یبالغ فی الذبح حتی یبلغ النخاع وھو عرق فی الصلب الی اصل العنق۔ انتہیٰ۔

شیعوں کا ذبیحہ

سوال (۶۱۶) لکھنؤ شہر اور اس کے قرب وجوار کے شیعوں کے ہاتھ کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ زید نے غفلت وجاہلیت میں زنا کرلیا بعد میں کچھ ہوش آیا اور خوفِ خدا دل میں پیدا ہوا تو توبہ کرلی، توبہ کرنے سے جرمِ زنا سے بری ہوگا یا نہیں؟

جواب:- جو شیعہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں۔ جیسا کہ بعض حضرت علیؓ کو خدا مانتے ہیں اور بعض حضرت عائشہؓ پر اتہام لگاتے ہیں وہ کافر ہیں اور ان کا ذبیحہ ناجائز ہے۔ اور جو لوگ اس درجہ غالی نہیں۔ اگرچہ شیخینؓ کو سب وشتم کرتے ہیں وہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہیں اور ان کا ذبیحہ جائز ہے۔ اور جرمِ زنا توبہ نصوح سے معاف ہوجاتا ہے۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

بدعتی کے ہاتھ کا ذبیحہ

سوال (٧٠٦) زید کہتا ہے کہ ذبیحہ کسی مشرک و بدعتی و کافر کا حلال نہیں ہے سوائے موحد باللہ و متبع سنت رسول اللہ کے، اور عمر کہتا ہے مجھے تصدیق اس امر کی آیت کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ سے معلوم نہیں ہوئی کیونکہ اللہ فرماتا ہے فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ، ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ۔ پس اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے محض قید ذکر اسم اللہ کی کی نہ کافر کی، نہ مشرک کی، نہ بدعتی کی۔ پس میرے نزدیک بحکم عموم اس آیۂ کریمہ کے، اور مطابق حدیث حضرت عائشہ رضؓ کے جس کی تخریج نسائی و ابوداؤد و ابن ماجہ نے کی۔ ان قوما حدیث عهد بجاهلية یاتوننا بلحمان لا ندري ذكروا اسم الله عليها ام لم يذكروا.. انأكل منها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم سموا الله وكلوا۔

اور مطابق حدیث رافع بن خدیج کے کہ بلفظ ما انهر الدم وذكر اسم الله عليه فكلوا وارد ہے وموافق تحقیق علمائے محققین مثل مجتہد ربانی علامہ شوکانی وغیرہ کے حرمت اس کی معلوم نہیں پس مشرک ہو یا بدعتی یا کافر جب اس پر اللہ کا نام ذکر کرے گا تو میں اس کو کھالوں گا۔ پس علمائے محققین کی خدمت بابرکت میں عرض ہے کہ موافق کتاب و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فیصل مابین زید و عمر بیان فرماویں تا نزاع مرتفع ہو اور عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب :۔ عمرو کا قول قابل اعتبار کے نہیں ہے حق تعالیٰ جل شانہ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرماتا ہے :۔ وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم اور مراد یہاں طعام سے بالاتفاق ذبیحہ ہے۔ پس اگر ذبیحہ ہر شخص کا حلال ہوتا حتی کہ مشرکین کا بھی تو اہل کتاب کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ تھی اور اس آیت فکلوا مما ذکر اسم اللہ۔ اور آیت ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ۔ وغیرہ میں صرف شرط حلت ذبیحہ کی وقت ذبح کے بیان ہے اور مقصود ان سے فقط اسی قدر ہے کہ بدون بسم اللہ کے ذبیحہ حلال نہیں ہے اور ذابح کا عموم و خصوص اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور اگر ایسا ہی ان آیات کے اطلاق سے استناد کیا جاوے تو باب اطلاق مذبوح میں اس پر عمل کرنا پڑے گا کیونکہ کسی مذبوح کو ان آیات میں خاص نہیں کیا بلکہ جس پر اسم اللہ کا ذکر ہو اس پر حکم حلت کا ہو پس لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کتا یا سور یا اور جانور جس کا گوشت حلال نہیں ہے بسم اللہ کہہ کے ذبح کرے تو اس کا گوشت درست ہو جاوے۔ اس تقریر سے کہ اللہ نے ان آیات میں قید صرف اسم اللہ کی کی نہ کسی ذبیحہ خاص کی حالانکہ اس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے۔

الحاصل۔ ان آیات میں صرف کیفیت ذبح کا بیان اور شرط حلت کا بوقت ذبح کے بیان ہے۔ ذابح و مذبوح کے اطلاق و تخصیص سے ان میں کچھ غرض نہیں ہے۔ پس جس طرح سے تخصیص مذبوح اور آیات و احادیث سے ثابت ہوئی اسی طرح سے تخصیص ذابح کی بھی اور جگہ سے ثابت ہوئی۔

ایک تو آیت سابقہ، دوسری وہ حدیث جو مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس یعنی آتش پرست کے حق میں فرمایا ہے :۔ من اسلم منهم قبل ومن لم يسلم ضربت عليه الجزية غير ناكحي

نسائہم ولا آکلی ذبائحہم۔ یعنی جوان میں سے اسلام لاوے گا اس کا اسلام قبول ہووے گا اور جو اسلام نہ لاویگا اس سے جزیہ لیا جاوے گا۔ مگر ان کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جاوے گا اور نہ ان کا ذبیحہ کھایا جاوے گا۔ اسی طرح سے اور بھی احادیث اور آثارِ صحابہ اس باب میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیحہ کسی کافر کا سوائے اہلِ کتاب کے نہیں درست ہے اور حدیثِ عائشہ رض اس پر نہیں دلالت کرتی ہے کہ ذبیحہ ہر کافر و مسلم کا حلال ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں سوال ان لوگوں کے ذبیحہ سے ہوا ہے جو نئے مسلمان ہوئے تھے اور رسوم جاہلیت میں مبتلا تھے نہ ذبیحہ کافر سے۔ اور علامہ شوکانی کہ جن کا انتقال ۱۲۵۰ھ یا ۱۲۵۵ھ میں ہے۔ گو علم ادب میں تحقیق ان کی اچھی ہو۔ مگر اجتہاد اور فتوی ان کا مقابلہ میں اجتہاد اور فتوی ائمہ اربعہ وغیرہ مجتہدین سابقین کے قابل اعتبار کے نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ بلکہ اکثر مجتہدین بھی تحقیق کر گئے کہ سوائے مسلمان اور کتابی کے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ پس اب شوکانی کہ اس صدی کے علماء سے تھے، اگر اس کے مخالف لکھیں تو ان کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

شیخ سدو کے نام پر ذبح کرنا

سوال (۶۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا بنام شیخ سدو پرورش کیا بعد چندے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کیا، کیا وہ حرام ہے یا حلال۔ صورتِ دیگر یوں ہے کہ اس بکرے کو بنام اللہ پرورش کیا بوقتِ ذبح شیخ سدو کہہ کے چھری پھیری پس یہ ذبیحہ کیسا ہے۔ بینوا توجروا

جواب۔ یہ دونوں صورتیں ما اہل لغیر اللہ میں داخل ہیں جس صورت میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو وہ ذبیحہ حرام ہوگا اگرچہ بوقت ذبح بسم اللہ کہی جاوے۔ درمختار میں ہے:۔ ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم ولو ذکراسم اللہ علیہ انتہی۔

گونگے کا ذبیحہ۔

سوال (۶۱۹) گونگے کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟

جواب:۔ بلا کراہت حلال ہے۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:۔ ویحل ذبیحۃ مسلم وکتابی ذمی او حربی ولو امرأۃ او صبیا او مجنونا یعقلان او کان الذابح اخرس لان الاخرس عاجز عن الذکر فیکون معذوراً وتقوم الملۃ مقام التسمیۃ کالناسی بل اولی انتہی۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی، المجیب مصیب محمد ابراہیم، الحق ماھوالمحرر محمد ادریس

اہل کتاب کفار کا ذبیحہ

سوال (۶۲۰) کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ موافق کتاب کبری معلوم ہوتا ہے کہ ذبیحہ کفار اہل کتاب کا درست ہے۔ چنانچہ یہود و نصاری کا ذبیحہ اسی قاعدہ کے موافق علماء کبار نے درست فرمایا ہے۔ پس اہلِ تشیع کا فرقہ بھی داخل اہل کتاب ہے یا نہیں اور ذبیحہ روافض درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ صورت مسئولہ میں جو روافض ایسے ہیں کہ ان کے عقائد منجر بارتداد و کفر ہیں۔ مثلاً غلاۃ و فرقہ اسماعیلیہ

وغیرہما ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے اس لیے کہ ذبیحہ مرتد کا حرام ہے۔ کتب فتاویٰ اس امر سے مشحون ہیں اور ارتداد روافض کا عامۂ فتاویٰ میں مذکور ہے۔ چنانچہ شرح نقایہ للبرجندی میں ہے:۔ فهؤلاء خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين انتهى۔

بلکہ شاہ عبدالعزیزؒ کے تحفہ اثنا عشریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روافض تکفیر ابی بکر یا عمر یا عثمان رضوان اللہ علیہم کرتے ہوں یا انکار ان کے دخول جنت و قابلیت ولیاقت خلافت باعتبار اوصاف دین مثل علم وعدالت وتقویٰ وورع کے کرتے ہوں کافر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ بالجملہ اجماع اہل سنت است برآں کہ تکفیر کنندہ حضرت امیر یا منکر بہشتی بودن ایشاں۔ یا منکر لیاقت خلافت ایشاں باعتبار اوصاف دین مثل علم وعدالت وتقویٰ و ورع کافر است آنجا قول ومثلہ الاصحاب الکبار خصوصاً الثلثۃ۔ جو ایسے عقائد نہ رکھتے ہوں مثل تفضیلیہ ان کا ذبیحہ درست ہے واللہ اعلم۔ کتبہ العبد القیس محمد المدعو بادریس النجرامی عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

بیک تسمیہ دو بکریوں کو ذبح کرنا

سوال (۶۲۱) اگر زید نے دو بکریوں کو اوپر نیچے ڈال کر ایک ہی بسم اللہ سے یکبارگی ذبح کر دیا تو یہ ذبح اور اس کا گوشت کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔

تبرائی کے ہاتھ کا ذبیحہ

سوال (۶۲۲) رافضی تبرائی یعنی جو رافضی کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو سب وشتم کرتا ہے اور قسم قسم کے القاب دیتا ہے اس رافضی کے ہاتھ کا ذبیحہ درست اور حلال ہے یا حرام یا مکروہ۔ کون مکروہ اور کون درست اور عدم درست وغیر ذلک کی دلیل کیا ہے؟

جواب:۔ اکثر اصحاب فتاویٰ حنفیہ سب صحابہ وازواج مطہرات کو موجب کفر وارتداد لکھتے ہیں پس اس تقدیر پر ذبیحہ روافض کا حرام ہے اور محققین حنفیہ اس کو موجب کفر نہیں لکھتے ہیں بلکہ موجب فسق کما هو مصرح في تمهيد السلمي ومسائرة ابن الهمام وفتح القدير وشرح الفقه الاكبر لعلي القاري وشرح المسلم لبحر العلوم وشرح المسلم لمولانا ولي الله اللكهنوي وغيره۔ پس اس تقدیر پر ذبیحہ رافضی کا حلال ہے واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

واقعی اس رافضی کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔ بنا بر قول منقول از جمہور متکلمین وفقہائے فحول واللہ علیم حررہ ابوالاحیاء محمد نعیم عفی عنہ۔ صح الجواب هكذا في الكتب۔ محمد ابراہیم۔

شکاری کے لیے بسم اللہ پڑھنا

سوال (۶۲۳) اگر کوئی شخص بندوق و تیر و نیزہ و شمشیر وغیرہ بہ نیت شکار بسم اللہ کہہ کر جانور پر لگاوے اور وہ جانور اتنی جلد اس کی ضرب سے مرجاوے کہ نوبت ذبح کرنے کی نہ پہنچے تو کھانا ایسے جانور کا درست ہے یا نہیں؟

جواب:- تیر اور نیزہ وغیرہ کو اگر بہ نیت شکار کے لگا دے اور اس جانور میں زخم ہو جاوے اگرچہ وہ فی الفور مر جاوے تو جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:- اذا سمی الرجل عند الرمی اکل ما اصاب اذا جرح السہم فمات لانہ ذابح بالرمی لکون السہم آلتہ لہ فیشترط التسمیۃ عندہ ولابد من الجرح لیتحقق معنی الذکاۃ انتہی۔

اور ملتقی الابحر میں ہے:- ان وقع السہم بہ فتحامل او غاب ولم یقعد عن طلبہ ثم وجدہ میتا حل ان لم یکن بہ جراحۃ غیر جراحۃ السہم انتہی۔

اور بندوق سے شکار بمقتضائے فقہیہ بغیر ذبح حلال نہیں فان الاصل ان الموت اذا حصل بالجرح بیقین حل وان بالثقل لا یحل کذا فی التبیین

اور رد المحتار میں ہے:- لا یخفی ان الجرح بالرصاص انما ہو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذ لیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم انتہی واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبدالحئی عفا اللہ عنہ

بَابُ الایصَاء

ولی اور وصی کا فرق

سوال (۶۲۴) ولی اور وصی میں کیا فرق ہے؟

جواب:- اصطلاح فقہ میں ولایت کے معنی ہیں کسی غیر پر اپنا قول جاری کرنا خواہ اس کی مرضی کے مطابق ہو یا خلاف۔ اور ولی ایسے عاقل و بالغ کو کہتے ہیں جو دوسرے کے معاملات کا مالک و ذمہ دار ہو اور اس کی جانب سے وراثت کا بھی استحقاق رکھتا ہو یعنی اگر وہ مرجائے تو شرعاً یہ اس کا وارث بنتا ہو۔

بحر الرائق میں ہے:- الولایۃ فی الفقہ تنفیذ القول علی الغیر شاء او ابی۔

اور دوسری جگہ ہے:- الولی فی الفقہ البالغ العاقل الوارث فخرج الصبی والمعتوہ والکافر علی المسلمۃ انتہی

اور وصی اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کسی شخص نے موت سے پہلے اپنے مال اور اولاد کی حفاظت کرنے اور حسب مصلحت مال میں تصرف کرنے کا مالک بنایا ہو۔ ہدایہ میں ہے:- الوصایۃ خلافۃ یختص بحال انقطاع ولایۃ المیت فینتقل الولایۃ الیہ انتہی۔

اور مجمع البرکات میں ہے:- الوصی من فوض الیہ الحفظ والتصرف انتہی۔

وارث کو وصی مقرر کرنا

سوال (۶۲۵) اگر زید ورثاء میں سے کسی کو اپنا وصی بناتا ہے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جائز ہے، عالمگیری میں ہے:- رجل اوصی الی وارثہ جاز انتہی۔

ابو الحسنات محمد عبدالحئی

وصی کو معزول کرنا

سوال (۶۲۶) اگر ورثاء قاضی کے پاس جاکر وصی کی شکایت کریں تو قاضی معزول کرے یا نہیں؟

جواب:- بغیر ثبوت خیانت کے معزول نہ کرے۔ عالمگیریہ میں ہے:- اذا شکت الورثۃ او بعضھم الوصی الی القاضی فانہ لا ینبغی لہ ان یعزلہ حتی یبدو لہ منہ خیانۃ فان علم منہ خیانۃ عزلہ کذا فی الکافی انتہی۔

مقروض کی وصیت

سوال (۶۲۷) مقروض نے اپنے تمام مال کا وصیت نامہ زید کے لیئے لکھا اور کچھ عرصہ کے بعد مرگیا۔ اب ادا، قرض مقدم ہوگا یا اجرا، وصیت۔ اور وصیت کا نفاذ کل مال میں ہوگا یا ثلث میں؟

جواب:- سب سے پہلے ادا، دین کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اگر اس کا کوئی وارث نہیں یا ہیں۔ مگر انھوں نے کل مال میں نفاذ وصیت کی اجازت دے دی تو مابقی تمام مال میں وصیت جاری ہوگی ورنہ ثلث مال وصیت میں اور دو ثلث ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے:- ویقدم دیونہ التی لھا مطالب من جھۃ العباد ثم تقدم وصیۃ من ثلث مابقی بعد تجھیزہ ودیونہ وانما قدمت فی الآیۃ اھتماما لکونھا مظنۃ التفریط۔ انتہی۔

اور مجمع البرکات میں ہے:- ولاتجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیزہ الورثۃ بعد موتہ وھم اصحاء بالغون ولو اوصی بجمیع مالہ ولیس لہ وارث نفذت الوصیۃ ولا یحتاج الی اجازۃ بیت المال انتہی۔

متعین مسجد کی تعمیر کے لیئے وصیت کرنا

سوال (۶۲۸) زید نے وصیت کی تھی کہ میری یہ رقم فلاں متعین مسجد کی تعمیر میں صرف کرنی چاہیئے۔ لیکن وصی بکر نے دوسری مسجد کی تعمیر میں صرف کردی۔ اب کسی دوسرے آدمی کو بکر سے مطالبہ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب:- دوسرے کو حق نہیں۔ اگرچہ یہ جزئیہ صراحۃً تو نظر سے نہیں گذرا لیکن نذر اور وصیت مال کے سلسلہ میں فقہاء کی تحریرات سے جزئیہ مذکورہ کا حکم مفہوم ہوتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:- نذر ان یتصدق علی فقراء بلدۃ جاز الصرف لفقراء غیرھا انتہی۔

اور فتاوی سراجیہ میں ہے:- اذا اوصی لفقراء بلدۃ معینۃ فالافضل ان لا یعطی غیرہ ولو اعطی غیرہ جاز انتہی عالمگیری وغیرہ میں بھی یہی مذکور ہے

ان تمام تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کے متعین کرنے سے وہ مسجد متعین نہ ہوگی۔ لہذا اگر بکر نے دوسری مسجد کی تعمیر میں وہ رقم صرف کردی تو کسی دوسرے کو مطالبہ کا حق نہیں رہتا۔

ہمسایوں کے لیئے وصیت

سوال (۶۲۹) اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ میرے متروکہ مال میں سے اتنی مقدار میرے ہمسایہ لوگوں کو دی جائے تو ہمسایہ سے کون لوگ مراد ہوں گے؟

جواب:۔ وصیت کرنے والے کے مکان سے جن لوگوں کا مکان ملحق اور متصل ہو وہی ہمسایہ ہوں گے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ہمسایہ تمام اہل محلہ اور مسجد میں آنے والے لوگ ہیں۔ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے:۔ اوصی لجیرانہ فہی ای الوصیۃ للملاصقین خاصۃ عند ابی حنیفۃؒ وھذا ھو القیاس لان الجار عند الاطلاق انما یطلق علی الجار الملازق لانہ من المجاورۃ وھی الملاصقۃ حقیقۃ وزادا کل من سکن محلتہ ویجمعھم مسجد ھالان الکل یسمون جیرانا عرفا قال صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد انتہی ملخصًا۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ ومن اوصی لجیرانہ فھم الملاصقون بدارہ عند ابی حنیفۃؒ وزفرؒ وھذا قیاس وفی الاستحسان وھو قولھما الوصیۃ لکل من یسکن محلۃ الموصی ویجمعھم مسجد المحلۃ ویستوی فیہ الساکن والمالک والذکر والانثی والمسلم والذمی والصغیر والکبیر ولا یدخل فیہ العبید والاماء والمدبرون وامہات الاولاد والمکاتب یدخل کذا ذکر فی الزیادات والمحیط من غیر ذکر خلاف کذا فی الکافی انتہی۔

موت وصی کے بعد موصی اور وصی کے ورثا میں اختلاف

سوال (۶۳۰) زید نے بحالت صحت ذات وثبات عقل کے یہ وصیت نامہ لکھا اور عمرو اپنے بیٹے کو وصی مقرر کرکے قابض ودخیل اپنے ردبرو کل املاک اپنے پر کرادیا۔ بعد اس کے زید مرگیا۔ اس وقت مسماۃ ہندہ بنت زید نے بہ تسلیم وصیت نامہ قبضہ ودخیل عمرو کا بحال رکھا۔ اور عمرو مذکور قریب بیس سال کے قابض ودخیل رہ کر مطابق وصیت نامہ کے عمل درآمد کرتا رہا۔ اب عمرو مرگیا اور اس نے چھوڑا اصل موصی کی دختر ہندہ کو اور ہندہ کے بیٹوں یعنی موصی کے نواسوں کو اور تین بیٹے نابالغ اور تین لڑکیاں نابالغہ اور مسماۃ صالحہ ایک بیٹی بالغہ اور مسمی بکر ایک بیٹے بالغ کو بعدہ مسمی بکر کہ سعید وصالح ہے اور بہ نسبت جملہ ورثار کے لائق اہتمام امور وقف وغیرہ ہے۔ بذریعہ وصیت نامہ مذکورہ کے قابضِ املاک ہوا اور ساتھ امانت اور دیانت کے تعمیل امور مندرجہ وصیت نامہ کرتا ہے۔

سوال ۱:۔ بموجب وصیت نامہ کے وصی بہ نسبت چار آنہ کے اشخاص مذکورہ میں سے کون شخص ہوگا۔

سوال ۲:۔ اور جو شخص وصی ہوگا بہ نسبت چار آنہ کے وہی شخص وصی ومنتظم بہ نسبت بارہ آنہ کے بھی ہوگا۔

سوال ۳:۔ درحالے کہ وہی شخص وصی ہو تو ورثائے موصی کو اختیار انتزاع قبضہ کا اس شخص سے نسبت چار آنہ کے خواہ بارہ آنہ بقیہ کے حاصل ہے۔

جواب:۔ چونکہ دفعہ ۳ میں موصی نے تصریح کردی کہ امر انتظام وقف ہماری اولاد میں رہے گا۔ اس وجہ سے موصی کے نواسوں کو کچھ مداخلت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ لفظ اولاد سے اولاد بنت بقول مفتی بہ خارج ہیں۔

تنقیح الفتاوی الحامدیہ کے صفحہ ۱۵۶ جلد اول مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے:۔ قال الطرطوسی ما حاصلہ ان فی دخول اولاد البنات فی لفظ الاولاد اختلاف الروایۃ ففی روایۃ الخصاف وھلال یدخلون وفی ظاہر الروایۃ لا یدخلون وعلیہ الفتوی وذکر العلامۃ البیری انہ اختلف ھل یدخل ولد البنت فی قولہ علی ولدی

وولد ولدی قال فی المحیط لانہ یخلون فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتوی لانہم ینسبون الی الاب دون الام واعتمدہ فی التجنیس وکذا اعتمدہ المتاخرون منہم الشیخ قاسم الحنفی وقال ھو الذی یفتی بہ انتہی ملخصاً۔

اور جو ورثا بالغ نہیں وہ بھی تا در بلوغ لیاقت قابل وصایت و ولایت نہیں جیسا کہ بحرالرائق میں ہے:۔ فی الاسعاف لو اوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقا وفی الاستحسان ای باطلۃ ما دام صغیرا انتہی۔

اور ورثہ ان میں سے جو سعید صالح و لائق انجام امور وقف کے ہو وہ بحسب نص موصی امور وقف میں بابت چار آنہ کے وصی و منتظم ہوگا اور اگر چند ورثا سعادت و رشد میں برابر ہوں تو جو عالم ہوگا اور امور وقف کا اہتمام اچھی طرح سے ساتھ دیانت و امانت کے کر سکتا ہوگا وہ منتظم قرار دیا جائے گا۔

تنقیح الفتاوی الحامدیہ صفحہ ۱۸۲ میں ہے:۔ لو احدھما اورع والاخر اعلم بامور الوقف فھو اولی اذا امن خیانتہ ولو استویا رشدا وکان احدھما عالما فانہ یقدم انتہی۔

اور جو سعید صالح لائق انجام حسب نص موصی مہتمم اور وقف کا ہوگا وہی شخص بابت بارہ آنے کے وصی قرار دیا جاوے گا فتاوی قاضی خاں کے صفحہ ۲۱۴ جلد چہارم مطبوعہ کلکتہ میں ہے:۔ لو قال الواقف انت وصی فی امر الوقف خاصۃ قال ابو حنیفہؒ ھو وصی فی الاشیاء کلھا انتہی۔

اور بھی اسی کے صفحہ ۳۲۶ میں ہے:۔ اذا اوصی الی رجل فی نوع کان وصیا فی الانواع کلھا انتہی۔

اور بحرالرائق کی کتاب الوقف میں ہے:۔ لو جعلہ وصیا فی امر الوقف فقط کان وصیا فی الاشیاء کلھا عند ابی حنیفۃؒ ومحمد انتہی اور جامع الرموز کے صفحہ ۸۳۸ مطبوعہ مصطفائی کتاب الوصایا میں ہے:۔ اطلاقہ مشعر بانہ لو جعل رجلا وصیا فی نوع صار وصیا فی الانواع کلھا کما فی الذخیرۃ وغیرہ انتہی۔

اور مجتبی شرح مختصر قدوری اور منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے:۔ لو خصص لہ الوصیۃ فی مال لہ فھو وصی عند ابی حنیفۃؒ اور فتاوی سراجیہ اور مجمع البرکات میں ہے:۔ الوصی فی نوع یکون وصیا فی الانواع کلھا انتہی

اور عبارت دفعہ ۶ وصیت نامہ کی اور نہ نیلام سے حق و دخل مسمی عمرو خواہ ان کے جو قائم مقام ہوں فتور نہ آوے گا الخ۔ نص صریح اس امر پر ہے کہ بابت بارہ آنہ وصایت بعد عمرو کے ان کے قائم مقام کی طرف منتقل ہوگی اور ورثہ موصی کو یا حاکم کو اختیار نہیں ہے کہ بدون ثبوت خیانت کے انتزاع قبضۂ وصی سے مقدار چار آنہ یا بارہ آنہ کو کریں

جامع الرموز کے صفحہ ۸۳۹ میں ہے:۔ ویبقی وجوبا امین عن الخیانۃ یقدر علی القیام بھا انتہی

اور شرح مختصر وقایہ للشمنی میں ہے:۔ ویبقی وصی امین یقدر علی التصرف ولیس للقاضی ان یخرجہ عن الوصایۃ انتہی

اور ہدایہ کے باب الوصی میں ہے:۔ لو کان قادرا علی التصرف امینا فیہ لیس للقاضی ان یخرجہ وکذا اذا شکی الورثۃ او بعضھم الوصی الی القاضی فانہ لا ینبغی لہ ان یعزلہ حتی تبدو منہ خیانۃ انتہی۔ واللہ اعلم

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

املاک وصیت کا انتظام اولاد کے لیئے خاص کرنا

سوال (۶۳۱) زید نے اپنی املاک موقوفہ اور موصی بہا کا وصی اور منتظم اپنے پسر مسمی بکر کو کر کے املاک مذکورہ پر قابض ودخیل کرا دیا اور یہ شرط کی کہ بعد بکر کے ہمیشہ و ہر زمانہ میں ایک شخص ہماری اولاد میں سے کہ سعید ولائق ہو وصی و منتظم املاک مذکورہ کا ہوا کرے گا۔ شرعاً یہ شرط جائز اور واجب التعمیل ہر زمانہ ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ یہ شرط جائز اور واجب التعمیل ہر زمانہ میں ہے:۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:۔ فی فتاوی محمد بن الفضل سئل عمن شرط فی اصل الوقف الولایۃ لنفسہ ولا ولادہ قال یجوز بالاجماع انتہی۔

اور بھی اسی میں ہے:۔ ان شرط ان یلیہ فلان بعد موتی ثم بعدہ یلیہ فلان ثم بعدہ یلیہ فلان فھذا الشرط جائز کذا فی محیط السرخسی انتہی۔

اور فتاوی قاضی خاں میں ہے:۔ لو شرط الواقف فی الواقف ان یکون الولایۃ لہ ولا ولادہ فی تولیۃ القیم وعزلہ والاستبدال بالوقف وما ھو من انواع الولایۃ واخراجہ من یدہ الی المتولی جاز ذلک ذکرہ السیر انتہی۔

اور اشباہ میں ہے:۔ شرط الواقف کنص الشارع یجب اتباعہ انتہی

اور طحطاوی حاشیۂ درمختار میں لکھتے ہیں:۔ شرائط الواقف معتبرۃ کالنصوص فیراعی کالنصوص انتہی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحئی

ہبہ اور وصیت میں شک

سوال (۶۳۲) ہندہ نے زر قرضہ مندرجہ دستاویز جس میں جائداد غیر منقولہ مستغرق ہے یا فتنی اپنا ذمہ زید وغیرہ اپنے پسر نابالغ کے نام بتقرر ایک کافر شخص سربراہ کار و ولی کے اس عبارت سے ہبہ بلاعوض کیا کہ زر قرضہ مندرجہ دستاویز کو ہبہ کرتی ہوں اور قبضہ دیتی ہوں اور استحقاق اپنا اس سے اٹھا لیا۔ اور اس دستاویز میں ولی کو اختیار وصول زر مذکور کا اور اس کے محاصل میں پرورش وتعلیم نابالغ کا دیا اور یہ بھی لکھا کہ اگر پسر مذکور فوت ہو جاوے تو میری دختران میں جو اس وقت زندہ وقائم ہوں زر مذکور بحصہ مساوی تقسیم ہو تو اس صورت میں دستاویز مذکور ہبہ نامہ متصور ہوگی، یا وصیت نامہ اگر ہبہ نامہ متصور ہو تو ایسی ہبہ سے واہبہ کو اختیار فسخ کا ہوگا یا نہیں۔ اور ولایت غیر قوم ایک مسلمان نابالغ کے لیئے جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ چونکہ وصیت نام ہے اس تملیک کا جو منسوب مابعد الموت ہو۔ جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے:۔ ھی تملیک مضاف الی ما بعد الموت انتہی۔ اور عبارت ہبہ نامہ میں صاف لفظ ہبہ واعطا بغیر اضافت بعد موت کے موجود ہے۔ بنا رعلیہ یہ تحریر ہبہ نامہ متصور ہوگی لیکن چونکہ یہ تملیک دین غیر مدیون کو ہے اس لیئے ہبہ سے اختیار رجوع فسخ ہبہ کا ہوگا۔ جب تک کہ موہوب لہ اس دین پر قابض نہ ہو۔ درمختار میں ہے:۔ واما تملیک

الدین من غیر من علیہ الدین فان امرہ بقبضہ صحت لرجوعها الی ہبة العین انتہیٰ

ردالمحتار میں ہے:- ولهذا لایلزم اذا قبض ولہ الرجوع قبلہ فلہ منعہ حیث کان بحکم النیابة عن القبض انتہیٰ۔

ابوالحسنات محمد عبدالحئی

بیٹے کو بقید دوام وصی بنانا

سوال (۲۳۳) زید نے اپنے بیٹے بکر کو اپنا وصی کیا بقید دوام یعنی وصیت نامہ میں لفظ دائما کو مندرج کیا مگر کوئی قید نسلاً بعد نسل یا جو اس کے مترادف ہو وصیت نامہ میں مندرج نہیں کی بعد اس کے زید نے انتقال کیا اور اس کے بعد بکر نے بھی بغیر اس کے کہ کسی کو وصی مقرر کرے وفات پائی اب اولادِ بکر مدعی ہے اور کہتی ہے کہ میرا باپ بکر زید کا وصی تھا اور زید نے اس کو وصی کیا واسطے دوام کے چونکہ میں اس کا وارث ہوں اور لفظ دائما مفید اس امر کا ہے کہ یہ وصیت نسلاً بعد نسل بنام بکر رہے۔ لہٰذا ارث وصیت مجھ پر منتقل ہونا چاہیئے اور دوسرے ورثا شرعی زید کے دعوے دار ہیں اور کہتے ہیں کہ اب بعد مرنے بکر کے کوئی وصی زید کا باقی نہیں رہا۔ اور چونکہ وصیت نامہ میں لفظ نسلاً بعد نسل کا نہیں ہے صرف لفظ دائما ہے جو بکر کی حین حیات سے متعلق تھا۔ اور وصیت اس کے مادام الحیات تک تھی اور وصیت کوئی ارث شرعی نہیں ہے کہ جو موصی لہ کے ورثا کی طرف اس کی وفات کے بعد منتقل ہووے لہٰذا وہ وصیت بعد وفات بکر کے منقطع ہوگئی، اب جائداد جملہ ورثائے شرعی زید کی طرف منتقل ہونا چاہیئے اب ایسی حالت میں از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے آیا وصیتِ مذکورہ اولاد بکر کی طرف بطور ارث کے منتقل ہوگی یا نہیں اور بیان مذکورہ بالا جو اولاد بکر کا بیان کیا گیا ہے صحیح ہے یا نہیں اور قید دائما مفید نسلاً بعد نسل کو ہوگی یا نہیں۔ اور بیان دوسرے ورثا زید کا جو کہتے ہیں کہ وہ وصیت صرف بکر کی مادام الحیات تک متعلق تھی۔ اس کے مرنے کے بعد منقطع ہوگئی۔ از روئے شرع شریف کے صحیح ہے یا نہیں؟۔

جواب:- لفظ دائما جو وصی کے حق میں وارد ہو مراد اس سے بحسب استعمال قواعد فقہیہ اسی کی ذات کے ساتھ وصایت کا دائم ہونا ہے اور صرف اس لفظ سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وصایت نسلاً بعد نسل ہے جب تک کوئی لفظ اس مضمون پر دال نہ ہو اور وصایت ایسا امر نہیں کہ بطور وراثت منتقل ہو کہ بعد انتقال وصی اس کا پسر بدون تولیت کے بحق وراثت وصی ہووے۔ درمختار کی کتاب الوقف میں ہے:- لا ولایة لمستحق الا بتولیة انتہیٰ۔

اور ردالمحتار کی کتاب البیع ہے:- قال فی البدائع الحقوق المفردة لاتحتمل التملیك ولا یجوز الصلح عنها۔

اور بھی ردالمحتار میں بحث خیار الشرط میں ہے:- الحقوق المجردة لا تورث انتہیٰ۔

اور عنایہ شرح ہدایہ اور بنایہ شرح ہدایہ کی بحث خیار الشرط میں ہے:- الارث فیما یقبل الانتقال لانہ خلافة عن المورث بنقل الاعیان الی الوارث انتہیٰ ان مات القیم بعد موت الواقف اذا اوصی القیم الی رجل فوصیہ

اولی من القاضی وان لم یکن اوصی الی رجل فالرائی فیہ الی القاضی فتاوی حمادیہ کتاب الوقف ولایۃ النصب الی القاضی اذمات المتولی ولم یوص الی احد طحطاوی حاشیہ درمختار کتاب الوقف قال فی الذخیرۃ البرھانیۃ ان مات القیم بعد مامات الواقف فان کان القیم قد اوصی الی غیرہ فھو بمنزلۃ وان کان لم یوص الی احد غیرہ فولایۃ نصب القیم الی القاضی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت وقف کی امر موروث نہیں ہے ورنہ بعد مرنے متولی کے اس کی اولاد پر حکم متولی ہونے کا دیا جاتا۔ حالانکہ تمام فقہار لکھتے ہیں کہ اگر متولی نے خود اپنی حیات میں کسی کو وصی نہیں بنایا تو بعد اس کے مرنے کے قاضی کو اختیار رہو گا کہ جس کو چاہے متولی کر دے اور حکم وصی کا مثل حکم متولی وقف کے ہے کہ اسی کو عرف فقہار میں قیم و ناظر بھی کہتے ہیں۔ تنقیح الفتاوی الحامدیہ کے کتاب الوصایا میں ہے:۔ الوصی کالناظر لان الوصیۃ والوقف اخوان یستقی کل منھا من الآخر کما صرحوا بہ ثم اذا مات المشروط بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب للقاضی اذلا ولایۃ لمستحق الاتولیۃ قال فی الجزیۃ عن فتاوی رشید الدین لوکان الوقف علی رجل معین فھل یجوز ان یکون المتولی بغیر اطلاق القاضی ویفتی بانہ لایصح دعواہ لان حقہ اخذ الغلۃ لا التصرف فی الوقف تعالیق انوار حاشیہ درالمختار الارث یجری فی الاعیان واما الحقوق فمنھا مالایجری الارث فیہ کحق الشفعۃ وخیار الشرط وحد القذف لا تورث ولو کالارث والعواری والودائع لا تورث اشباہ والنظائر اعیان عبارت ہے اموال سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارث مال میں ہوتی ہے اور حقِ وکالت موروث نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ وصایت وکالت ہے من وجہ پس یہ بھی موروث نہ ہوگی طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے بحث وصی میں:۔ الوصی بمنزلۃ الوکیل والاوصاف لا تورث درمختار کتاب البیوع بحث خیار الشرط قولہ لان الاوصاف قال العلامۃ نوح لان وصف الشخص لا یمکن فیہ ذلک والارث فیما یمکن فیہ الانتقال وھوالاعیان لافیما لا یمکن فیہ الانتقال وھوالاوصاف۔

مراد اعیان سے ذوات اشیائے قائمۃ بنفسہا واموال ہے۔ رأیت فی فوائد شیخ الاسلام نظام الدین رجل وقف ارضا وجعل لھا متولیا وشرط المتولی من اولادہ واولاد اولادہ ھل للقاضی ان یجعل غیرہ متولیا وھل یصیر متولیا لو فعل ذلک قال لافصول الشروشی فصل ثالث عشر۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقف یوں کہے کہ اس وقف کے متولی میری اولاد پھر اولاد کی اولاد ہوگی تو یہ قول اس کا صحیح ہوگا۔ الحقوق المجردۃ لا تورث عنایہ بحث خیار شرط قال فی البدائع الحقوق المفردۃ لاتحتمل التملیک ولایجوز الصلح عنھا۔ رد المحتار کتاب البیوع۔

مراد حق مفرد سے وہ حق ہے جو مجرد وصف حق میں قائم ہو اور قبیل ذات منتقلہ مثل اموال کے نہ ہو جیسے حق خیار الشرط یا حق شفعہ یا حق وکالت و وصایت وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

بلوغ موصی لہم کے بعد وصی کی وصایہ

سوال (۶۳۴) زید نے اپنی کل جائداد میں سے کچھ حصہ وقف اور باقی کو اپنے ورثہ بحصص متفاوت تقسیم کیا اور یہ بھی بتصریح تحریر کردیا کہ ہر شخص ورثہ مذکورہ میں سے اپنے حصص مصرحہ کا بعد ہمارے مالک ہو اور ایک شخص منجملہ ورثہ موصی لہم کے جو مسمی بخالد ہے اس کو متولی وقف کیا اور یہ بھی تصریح کی کہ وہی خالد مہتمم بقیہ جائداد کا ہے۔ اس طور سے کہ محاصل زمین موصی بہ ہر موصی لہم کو بمقدار ان کے حصے کے دیتا رہے اور وقف کی نسبت یہ تصریح کردی کہ بعد خالد کے جو شخص ہماری اولاد میں لائق ہو وہ متولی وقف رہے لیکن وصیت کی نسبت کچھ تصریح نہیں کی اور ورثہ موصی لہم میں کچھ لوگ نابالغ ہیں اور بعض بالغ ہیں اور وصیت نامہ کو سب ورثہ نے اصالتاً اور ولایۃً قبول و منظور کیا۔ اب استفسار ہے کہ یہ تحریر زید کی وصیت نامہ ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ جب ورثہ نابالغ بلوغ کو پہنچیں تو اس وقت بھی ان کا حصہ جبراً خالد کے قبضہ اہتمام میں رکھا جائے گا اور ورثہ اپنے تصرف اور دست اندازی سے باز رکھے جائیں گے یا اپنے حصے پر قابض ہو سکتے ہیں؟

سوم یہ کہ وارث بالغ کے حق میں وصیت نامہ کا کیا اثر ہے۔ اپنی ملک موصی بہ کے قبضہ سے محروم رکھا جائے گا یا نہیں خصوصاً اس وقت خالد مرگیا اور اس کا بیٹا زبردستی قابض ہوگیا۔

جواب:۔ یہ تحریر زید کی وصیت نامہ ہے اور بعد بلوغ نابالغان کے وصایت وصی کی باقی رہے گی جب تک کہ اس سے خیانت ظاہر نہ ہو جامع الرموز میں ہے:۔ ویبقی وجوبا امین عن الخیانۃ یقدر علی القیام بھا انتہی۔ اور درمختار میں ہے:۔ اما عزل الخائن فواجب انتہی اور وارث بالغ کے حق میں وصایت کا اثر حفظ مال و انتظام نافع ہے۔

جامع الرموز میں ہے:۔ لا یجبر الوصی فی مالہ ای مال الغائب الکبیر لانہ لا یفوض الیہ سوی الحفظ انتہی اور بیٹا وصی کا بدون اس کے کہ وصی بنایا گیا ہو مستحق وصایت نہیں، اس صورت میں اور ورثہ قبضہ کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

وصی دائماً مقرر کرنے کا مطلب

سوال (۶۳۵) زید نے بکر کو اپنی جائداد کا وصی کیا اور جملہ انتظام جائداد کا موافق تفصیل مندرج وصایت نامہ کے اس کے مفوض کیا اور یہ نہیں ذکر کیا کہ بعد انتقال وصی کے یہ وصایت اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوگی۔ مگر وصی کے باب میں وصایت نامہ میں جابجا لفظ ابد و دوام و ہمیشگی کی تصریح کی کہ یہ انتظام متعلق بکر رہے گا، دائماً یا علی الدوام و تا ابد۔ پس آیا یہ الفاظ مفید اس امر کے ہوں گے کہ بعد انتقال وصی کے یہ وصایت اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوتی رہے گی یا دوام صرف ذات وصی کے ساتھ تا دام الحیات

متعلق ہوگا اور اس سے صرف دوام وصایت تابقائے بکر مفہوم ہوگا؟

جواب:۔ اس قسم کے الفاظ صرف بقائے وصایت مادام حیاۃ الوصی پر دلالت کرتے ہیں اور انتقال اس کا ورثہ و اولاد وصی پر نہیں سمجھا جاتا ہے۔ عرفاً و نقلاً و شرعاً لیکن عرفاً پس اس وجہ سے کہ اگر کسی سے زید کہے کہ تو میرا وکیل ہے دائماً و ابداً اس صورت میں اہلِ عرف یقیناً جانتے ہیں کہ یہ وکالت وکیل کی حیات تک ہمیشہ رہے گی اور اس کی اولاد کی طرف منتقل نہ ہوگی ایسے ہی اگر کسی سے کہے کہ تجھ کو اس شہر کا قاضی یا کوتوال ہمیشہ کے واسطے کیا اس سے یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ مناصب بعد انتقال اس شخص کے اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوں گے بلکہ صرف اس کی حیات سے تعلق ان عہدوں کا سمجھتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ عرفاً اس کے بہت نظائر ہیں ولیکن عقلاً پس اس وجہ سے کہ جب کسی ذات پر کوئی حکم کریں اور کوئی صفت اس کے واسطے ثابت کریں اور اس کے ساتھ علی الدوام وغیرہ کی قید متعلق کریں پس بالضرور یہ قید ثبوت حکم کی ہوگی اور مفید ثبوت حکم تابقائے ذات ہوگی اور جب ذات فنا ہوجاوے گی ثبوتِ حکم اور ثبوت صفت بھی فنا ہوجاویں گے پس بالضرور قید دوام بھی فنا ہوجاوے گی ورنہ لازم آتا ہے کہ دوام جس کے ساتھ متعلق ہے وہ تو باقی نہ ہو اور دوام باقی رہے مثلاً اگر یہ کہا گیا کہ زید ہمیشہ نماز پڑھتا ہے یا علی الدوام وہ عابد ہے یا ابداً روزہ دار ہے ان الفاظ سے عقل مقتضی ہے اس امر کو کہ دوام ان صفات کا تابقائے زید ہوگا۔ فقط ورنہ لازم آوے گا کہ زید تو موجود نہ ہو اور اس کی صفت موجود ہو۔ مگر مضمون دوام کا باقی رہے ولیکن شرعاً پس اس وجہ سے کہ فقہاء اس قسم کے الفاظ پر حکم مادام الحیاۃ کا دیتے ہیں اور جو احکام ان الفاظ کے ساتھ مقید ہوں ان کو موروث و باقی بعد فنائے ذات نہیں سمجھتے ہیں۔ جامع الرموز کی کتاب الوصایا میں ہے:۔ وصحت الوصیۃ بثمرۃ بستانہ وحینئذ ان مات الموصی وفیہ ای بستانہ ثمرۃ کان لہ ھذہ فقط لا ما یحدث وان ضم ابدا بان قال لہ ثمرۃ بستانہ ابدا فلہ ھذہ الثمرۃ الموجودۃ وما یحدث من الثمرۃ فی المستقبل کما فی غلۃ بستانہ او ارضہ فلہ ھذہ وما یحدث ما عاش الموصی لہ سواء ضم ابداً ولا انتہی اور فصیح الدین ہروی کی شرح وقایہ میں ہے:۔ ان قال اوصیت غلۃ بستانی ھذا لفلان یکون للموصی لہ الغلۃ القائمۃ وقت موت الموصی وما یحدث بعدہ ایضا ما عاش الموصی لہ ضم لفظ الابد اولم یضم انتہی۔

اور عینی شرح ہدایہ میں ہے:۔ ان قال لہ ثمرۃ بستانی ابدا فلہ ھذہ الثمرۃ وثمرۃ فیما یستقبل ما عاش انتہی واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔

باب المیراث

ترکۂ مشترکہ میں تصرف کرنا

سوال (۶۳۶) شرفائے ہند میں رواج ہے کہ میت کا ترکہ ورثہ تقسیم نہیں کرتے بلکہ تمام ورثہ اکل و شرب میں شریک رہ کر ہر شخص اپنے طور سے اس میں تصرفاتِ مالکانہ کرتا ہے۔ اب اگر کوئی وارث بعض ترکہ

کو اجارہ پر دے یا ہبہ و بیع کرے تو جائز ہے یا نہیں ہے؟
جواب:۔ بیع مشاع یعنی شئے مشترک کی بیع جائز ہے اور صرف بائع کے حصہ میں بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور قابلِ تقسیم مشترک شئی کا ہبہ کرنا تقسیم سے پہلے نافذ نہ ہوگا اور اسی طرح اجارۂ مشاع بھی فاسد ہے۔ کذا فی کتب الفقہ۔

زوجہ مطلقہ کا وارث ہونا

سوال (۶۳۷) زوجہ مطلقہ شوہر کے مال کی وارث ہوگی یا نہیں؟
جواب: مطلقہ کی عدت پوری ہو جانے کے بعد اگر شوہر مرا تو زوجہ کسی صورت میں بھی وارث نہ بنے گی۔ خواہ طلاق کسی قسم کی دی گئی ہو۔ کذا فی ذخیرۃ العقبیٰ۔

شرعی وارث نہ رکھنے والے کی میراث

سوال (۶۳۸) ہمارے بلاد میں بیت المال منتظم نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مرگیا جس کا کوئی وارث شرعی نہیں صرف رضاعی بہن ہے یا عورت مردہ کے لیئے شوہر کا بھائی وغیرہ ہے جس سے یک گونہ تعلق ضرور ہے مگر حق وراثت نہیں تو اس کا مال بیت المال کو دیا جائے یا رضاعی بہن وغیرہ کو؟
جواب:۔ تعلق رکھنے والے لوگوں کو دے دیا جائے۔ حموی شرح اشباہ میں زیلعی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں وبعض مشائخنا کانوا یقولون بالدفع الی بنت المعتق لا بطریق الارث بل لانها اقرب الناس الی المیت فکانت اولی من بیت المال الاتری انها لو کانت ذکرا کانت تستحقه ولیس فی زماننا بیت المال ولو دفع الی السلطان اوالقاضی لایصرفه الی المستحق ظاهراً انتهی۔
اور اشباہ میں ہے:۔ وکذا المال یکون للبنت رضاعاً بناءً علی انه لیس فی زماننا بیت المال لانهم لایضعونه موضعه انتهی ملخصاً۔

متعہ کی صورت میں میراث کا حکم

سوال (۶۳۹) نکاح متعہ کی صورت میں زوج و زوجہ ایک دوسرے کے وارث بنیں گے یا نہیں، یا اس نکاح سے ہونے والی اولاد اپنے باپ کی وارث ہوگی یا نہیں؟
جواب:۔ کوئی بھی دوسرے کا وارث نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ نکاح المتعة باطل لایفید الحل ولا ینفع علیها طلاق ولا ایلاء و ظهار ولا یرث احدهما من صاحبه هکذا فی فتاویٰ قاضی خاں فی الفاظ النکاح انتهیٰ

سنی کا وارث رافضی

سوال (۶۴۰) شیعہ اثنا عشریہ مسلمان ہیں یا ایسے کافر کہ دائرہ اسلام سے خارج اور مسلمانوں کے ساتھ نکاح و وراثت سے محروم اور واجب الجہاد ہیں؟
جواب:۔ فرقہ اثنا عشریہ کے کفر میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے شیخین کو سب وشتم کرنے کی وجہ سے ان کی تکفیر کی۔ اصحاب فتاویٰ اور صاحب درمختار و بحرالرائق کے اقوال یہی ہیں۔ لیکن قول اصح اور مفتی بہ عدم تکفیر ہے اور

شیخین کو سب وشتم کرنا سبب تکفیر نہیں ہے۔ اور یہی امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق ہے۔ اور فتاویٰ میں جو حکم کفر مکتوب ہے وہ تحقیقی نہیں۔

قال ملا علی القاری فی شرح الاکبر عند بسط الامام ابی حنیفۃؒ الکلام علی عدم تکفیر اهل القبلۃ مالفظہ فیہ دلالۃ علی ان سب الشیخین لیس بکفر کما صححہ ابوالشکور السلمی فی تمهیدہ وذلک لعدم ثبوت مبناہ وعدم تحقیق معناہ فان سب المسلم فسق کما فی الحدیث وح یستوی الشیخان وغیرهما فلو فرض انہ یسب الشیخین لایخرج عن الایمان نعم لو استحل السب او القتل فهو کافر لامحالۃ فالفسق والعصیان لا یزیل الایمان صغیرًا کان او کبیرًا وکذا البدعۃ لا تزیل الایمان کانکار المعتزلۃ رؤیۃ اللہ تعالیٰ وخلق افعال العباد لانہ مبنی علی التاویل انتہی ملتقطاً۔

اور مولانا ولی اللہ لکھنوی شرح مسلم الثبوت میں تحریر فرماتے ہیں :۔ المحققون من الحنفیۃ والمتکلمین ذهبوا الی عدم تکفیر الروافض بانکارهم خلافۃ ابی بکرؓ وعمرؓ الثابتۃ بالاجماع القطعی عندهم حتی قبلوا شهاداتهم وما وقع فی الخلاصۃ وغیرها من الفتاوی من صریح الکفر لم ینقل عن ابی حنیفۃؒ وانما هو من تفریعات المشائخؒ کالفاظ التکفیر المنقولۃ فی الفتاوی کیف وقد نص الامام ابوحنیفۃؒ والشافعیؒ بعدم تکفیر احد من اهل القبلۃ بکونہ علی تاویل فاحفظ ولا تسرع فی تکفیر فرق الاسلام انتہی ملخصاً۔

اور مولانا عبدالشکور سلمی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں :۔ کلام الروافض مختلفۃ فبعضہ یکون کفرا وبعضہ لا فلو قال ان علیا کان الٰها نزل من السماء کفر وقال بعضهم بانہ شریک لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی النبوۃ وقال بعضهم النبوۃ کانت لعلی وجبرئیل اخطأ ومنهم من قال ان علیا کان افضل من الرسول فهذا کلہ کفر اما قولهم الذی یکون بدعۃ لا کفرا فهو قولهم ان علیا کان افضل من الشیخین ومنهم من قال انہ یجب اللعن علی من خالف علیا کعائشۃؓ ومعاویۃؓ ومنهم من قال ان احب البیت اولی واحب وهذا کلہ وما یشبهہ بدعۃ لیس بکفر لانہ صادر عن تاویل۔

الحاصل سب شیخین کی وجہ سے شیعوں کی تکفیر کرنا مذہب محققین کے خلاف ہے اور علامہ شامیؒ نے رد المحتار اور اپنے رسالہ تنبیہ الولاۃ والحکام میں تفصیل کے ساتھ فرمایا۔ اور صاحب درمختار پر اعتراض کیا ہے۔ اور اصحاب حنفیہ کی جماعت کثیرہ نے اسی پر تصریح کی۔ اور یہی ہمارے عقیدہ کے مطابق ہے۔ لہٰذا مورث سنی کے ترکہ سے رافضی کو محروم کرنے کی کوئی وجہ شرعی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔ ہذا الجواب صحیح۔ محمد نور الحسین۔

وارث زوج و برادر زوجہ کے گواہوں کا اختلاف

سوال (۱۴۰۶) زید نے اپنے چچا بکر کی جائداد سے اپنا حصہ لینے ہندہ زوجہ بکر کے بھائی خالد پر دعویٰ کیا خالد کہتا ہے یہ بکر کا ترکہ نہیں ہے بلکہ ہندہ نے بکر کے فوت ہونے کے بعد اپنے مہر میں یہ جائداد لے لی تھی اور اس کو مالکانہ حقوق حاصل تھے اور ہندہ کا وارث میں ہوں۔ اس پر زید نے کہا کہ

ہندہ نے سترہ سال قبل بکر کی زندگی میں مہر ہبہ کر دیا تھا۔ خالد ہبہ مہر سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پندرہ سال قبل بکر نے اپنے ذمہ ہندہ کے وجوب مہر کا اقرار کیا تھا۔ اس کے بعد بکر نے ہبہ مہر کا لوگوں کو اس طرح گواہ بنایا کہ ان کو ہندہ کے پاس لے جا کر اس سے کہا ان کے مہر کا ہبہ یا ابراء کرنا چاہیئے۔ چنانچہ گواہوں کے روبرو ہندہ نے کہا کہ میں نے مہر ہبہ کر دیا اور خالد کے گواہوں سے ثابت ہوا کہ پندرہ سال قبل ایک روز ہندہ شوہر بکر سے ناراض ہو کر اپنے بھائی خالد کے گھر آ گئی۔ بکر نے آ کر خالد سے زوجہ کی ناراضگی کی شکایت کی۔ اس پر خالد اندرون خانہ جا کر ہندہ سے بات چیت کرتا ہے جو گواہوں سے مستور تھی اور پھر باہر آ کر بکر سے کہتا ہے کہ ہندہ اپنے مہر کا مطالبہ کر رہی ہے۔ بکر نے کہا ہندہ کے مہر کا ایک لاکھ روپیہ میرے ذمہ واجب الاداء ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اور اس کے دین کے عوض اپنی جائداد دے دوں گا۔ یا کہا دیتا ہوں۔ اب موجودہ صورت میں متخاصمین میں سے کسی کے گواہ ارجح واولیٰ ہیں۔ اور بکر کا دین ہندہ کے وجوب کا اقرار کرنا بعد زمانہ ثبوت ہبہ کے مہر سابقہ ہی کے وجوب کا مستلزم ہوگا۔ یا مہر جدید کے۔ یا مہر سابقہ اور مہر جدید کسی ایک کے بھی وجوب کے لیے مستلزم نہ ہوگا۔

جواب:- موجودہ صورت میں زید کے گواہ ارجح واولیٰ بالقبول ہیں۔ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:- بینة الزوج انها ابرأته من المهر اولیٰ من بینة المرأة انه کان مقرا به الی الآن انتهی۔

اور قنیة میں ہے:- اقامت المرأة البینة علی المهر علی ان زوجها کان مقرا بذلك الی یومنا هذا واقام الزوج البینة انها ابرأته من هذا المهر الذی تدعیه فبینة البراءة اولیٰ وکذا فی الدین لان بینة مدعی الدین بطلت باقرار المدعی علیه لما ادعی البراءة ولم تبطل بینة مدعی البرأة وهذا کشهود البیع والاقالة فان بینة الاقالة اولیٰ لبطلان بینة البیع باقرار مدعی الاقالة وینبغی ان یحفظ هذا الاصل فانه یخرج به کثیر من الواقعات انتهی۔

اور جبکہ زید کے گواہوں سے ثابت ہو گیا کہ سترہ سال قبل زوجہ بکر نے مہر ہبہ کر دیا تھا اور بکر کا اس ہبہ وابراء کو قبول نہ کرنا ثابت نہیں ہوا تو لامحالہ ہبہ وابراء کی صحت کا حکم دیا جائے گا۔ خواہ ابراء اسقاط ہو یا ہبہ وتملیک اور اس کے بعد وجوب اور بقاء مہر کے بارہ میں بکر کا اقرار کرنا رد ابراء کا سبب نہیں بن سکتا۔ اگر ابراء اسقاط ہو تو الساقط لا یعود کے قاعدہ سے اعادہ معدوم نہیں ہو سکتا اور اگر ہبہ ہو تو وہ بھی مطابق مذہب جمہور اسقاط کے حکم میں ہوگا۔ ہاں اگر بوقت ہبہ بکر کی جانب سے رد وانکار پایا جاتا تو ابراء غیر معتبر ہو جاتا۔ اور عرصہ دراز کے بعد بکر کے اقرار کرنے سے رد ابراء نہ ہوگا۔ قنیہ میں ہے:- ثم قالت لزوجها ابرأتك ولم یقل الزوج قبلت او کان غائبا فقالت ابرأت زوجی یبرأ الا اذا رده انتهی۔

اور جامع الفصولین کی بیسویں فصل میں ہے:- ادعی الزوج انها وهبتنی المهر فبرهن فشهد احدهما انها وهبته

والاخرانها ابرأته یقبل للموافقة لان حکم هبة الدین سقوط وکذا حکم البراءة انتہیٰ۔

اور منح الغفار میں ہے:۔ فی الصیرفیة رب الدین اذا وهب الدین من المدیون فلم یقبل ولم یرد حتی فترقا فجاء بعد ایام ورد الصحیح انه لا یرتد وهذا الاختلاف بناء علی ان الرجحان فی هبة الدین من المدیون بطرف الاسقاط ام بطرف التملیك قال یفتقر الجواب علی المجلس ومن قال للاسقاط قال لا یفتقر انتہیٰ۔

اور درمختار میں ہے:۔ هبة الدین ممن علیه الدین وابراءه عنه یتم من غیر قبول واذا لم یوجب انفساخ عقد صرف او سلم لکن یرتد بالرد فی المجلس وغیره لما فیه من معنی الاسقاط وقیل یتقید بالمجلس کذا فی العنایة لکن فی الصیرفیة لو لم یقبل ولم یرد حتی افترقا ثم بعد ایام رد لا یرتد فی الصحیح لکن فی المجتبیٰ الاصح ان الهبة تملیك والابراء اسقاط انتہیٰ۔

اور شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں:۔ قوله لکن فی المجتبی استدراك علی جعلهم کلا من الهبة والابراء اسقاط من وجه وانت خبیر بان هذا الاستدراك مخالف للمشهور۔ انتہیٰ۔

اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے:۔ سئل فی ما اذا کان لامرأة بذمة اخیها زید مبلغ معلوم من الدراهم فابرأته منه ومن کل حق ابراءً عاما شرعیا مقبولا من زید ثم اقر زید بالمبلغ المذکور فهل یکون الاقرار المذکور باطلا ولا یعود بعد سقوط الابراء الجواب نعم اقر بالدین بعد الابراء منه لا یلزمه اشباه فی الاقرار وفی الساقط لا یعود اقول وهذا بخلاف الاقرار بالعین بعد ان ابراءه خصمه ابراء عاما فان الاقرار صحیح فیؤمر بدفع ما اقر به من العین لامکان تجدد الملك فیها مواخذة له باقراره وتصحیحا لکلامه علی طریق الاقتصاد والعین قابلة لذلك بخلاف الدین لکونه وصفا قد سقط فلا یعود کذا افاد الشرنبلالی فی رسالة تنقیح الاحکام انتہیٰ۔

جب کہ خالد کے گواہوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بکر اور اس کی زوجہ کے درمیان تنازع ہوا تھا اور بکر نے مہر سابق ایک لاکھ روپے کے وجوب کا اقرار کیا تھا تو اسی لیے یہ اقرار لزوم زیادتی پر محمول نہ ہوگا۔

میراث کا ایک مسئلہ

سوال (۶۴۲) زید کا انتقال ہو گیا جس کے مندرجہ ذیل ورثہ ہیں حقیقی بہن رابعہ۔ تین برادر زادیاں زینب فاطمہ، کلثوم جن کا باپ اور کلثوم زید کے سامنے ہی فوت ہو گئے تھے۔ صرف کلثوم کی ایک لڑکی موجود ہے اور زید کا ایک برادر زادہ بکر ہے۔ اس کے باپ کا بھی زید کے سامنے انتقال ہو گیا تھا۔ اور زید کی ایک زوجہ خدیجہ ہے جس کو ترکہ کا آٹھواں حصہ مل گیا اب بقیہ ترکہ ان تمام ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

جواب:۔ وراثت سے مقدم حقوق ادا کرنے اور رفع موانع کے بعد زید کے ترکہ کے دو حصے کرکے ایک حصہ بہن کو اور ایک حصہ برادر زادہ کو دیا جائے۔ اور بقیہ ورثہ محروم ہو گئے۔

وارث کا امامیہ فرقہ میں داخل ہونا

سوال (۶۴۳) زید کا انتقال ہو گیا جس کے ایک زوجہ، ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے

ایک لڑکی نے زید کے مذہب حنفی کو چھوڑ کر امامیہ مذہب اختیار کر لیا تو اب وہ لڑکی محروم الارث ہوگی یا نہیں؟

جواب دختر مذکورہ وراثت سے محروم نہ ہوگی۔ وراثت سے مقدم حقوق ادا کرنے کے بعد زوجہ کو آٹھواں حصہ دیا جائے اور بقیہ مال کے چار حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ لڑکی کو دے دیا جائے۔

سجل نامہ کی شرعی حیثیت سے

سوال (۴۴۴) مولوی نادر زماں کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، ان میں سے بڑا لڑکا باپ کے سامنے تین لڑکے عبدالصمد، رشید احمد، سراج احمد اور ایک لڑکی چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ انتقال سے تیسرے روز مولوی نادر زماں نے رؤسائے قصبہ کے دستخطوں کے ساتھ ایک سجل نامہ لکھا کہ میرے بعد عبدالصمد رشید احمد، سراج احمد بھی دیگر ورثا کی طرح میرے وارث ہوں گے لیکن مولوی صاحب نے کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ان کے نام ہبہ نہیں کی۔ اور چند روز بعد مولوی صاحب نے اپنے تمام مال کو مہر زوجہ کے عوض بیع کر کے بیع نامہ کو رؤسائے قصبہ کی مہروں سے مؤکد کر دیا۔ اور مولوی صاحب کے انتقال کے بعد ان کی زوجہ نے بیع نامہ کے مطابق تمام جائداد پر قبضہ کر لیا، اب عبدالصمد، رشید احمد، سراج احمد دعویٰ شرکت کرتے ہیں تو یہ دعویٰ سجل نامہ کے مطابق صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:- سجل نامہ کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ اس کا وجود و عدم وجود برابر ہے۔ اس کی وجہ سے عبدالصمد وغیرہ کی حجت رد نہیں کی جا سکتی۔

میراث کا ایک مسئلہ

سوال (۴۴۵) دانشمند خاں، فتح اللہ خاں، فصاحت خاں، تین بھائی اور ایک بہن عظیمن حقیقی تھے اور ان کے پاس باپ کی جائداد مشترک تھی۔ اولاً دانشمند خاں نے ایک لڑکا نبی داد خاں اور ثانیاً فتح اللہ خاں نے ایک لڑکی بنو۔ اور ثالثاً فصاحت خاں نے ایک لڑکا احمد اللہ خاں۔ اور رابعاً عظیمن نے تین لڑکیاں اپنے بعد چھوڑیں۔ اب بقضائے الٰہی احمد اللہ خاں ایک زوجہ اور دو لڑکیاں شہزادی، نوازی چھوڑ کر فوت ہو گئے اور زوجہ مذکورہ شرکا کی مشترکہ جائداد پر دست تصرف دراز کرتی ہے اور کسی موروثی ترکہ سے حصہ نہیں دیتی تو ایسی صورت میں موروثی جائداد سے نبی داد خاں ولد دانشمند خاں۔ بنو بنت فتح اللہ خاں۔ شہزادی اور نوازی بنتان احمد اللہ خاں بن فصاحت خاں۔ زوجۂ احمد اللہ خاں اور عظیمن کی لڑکیوں کو علیحدہ علیحدہ کس قدر ترکہ کا شرعاً حق پہونچتا ہے؟

جواب: حقوق ما تقدم علی الارث کو ادا کرنے اور رفع موانع کے بعد باپ کی جائداد کے دو حصے تینوں بھائی دانشمند خاں و فتح اللہ خاں اور فصاحت خاں کو اور ایک حصہ عظیمن بہن کو پہنچ کر دانشمند خاں کا حصہ نبی داد خاں کو اور فتح اللہ خاں کے حصہ کا نصف بنو لڑکی کو اور بقیہ نصف کے تین حصے کر کے دو حصے اس کی تین لڑکیوں کو برابر اور باقی ایک ثلث نبی داد خاں اور احمد اللہ خاں برادر زادوں کو اور احمد اللہ خاں کے حصہ میں سے آٹھواں حصہ اس کی زوجہ کو اور دو

ثلث اس کی لڑکیوں شہزادی اور نوازی کو اور باقی نبی داد خاں کو دیا جائے گا۔

میراث کا ایک مسئلہ

سوال (۶۴۶) امام بخش کے تین لڑکیاں تھیں ان میں سے ایک لڑکی مسماۃ نصیرن والد کے انتقال کے بعد اور والدہ کے انتقال سے پہلے ایک لڑکا ثابت حسین اور ایک لڑکی مسماۃ قطبن چھوڑ کر فوت ہوگئی موجودہ صورت میں امام بخش کی جائداد میں نصیرن کے بچوں اور بہنوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

جواب:۔ وراثت سے مقدم تمام حقوق ادا کرنے اور رفع موانع کے بعد آٹھواں حصہ زوجہ کو اور باقی مال تینوں لڑکیوں کو برابر پہنچ کر نصیرن کے حصہ میں سے چھٹا حصہ ماں کو اور باقی مال کے دو حصے ثابت حسین کو ایک حصہ قطبن کو اور نصیرن کی ماں کے حصہ میں آنے والا مال نصیرن کی دونوں بہنوں کو برابر ملے گا۔ محمد نعیم

الجواب صحیح:۔ محمد عبدالحئی

عطیۂ شاہی میں میراث

سوال (۶۴۷) بادشاہ نے عمرو کو دو بیگہ زمین عطا کی تھی۔ عمرو دو لڑکے زید و خالد چھوڑ کر فوت ہوگیا زید چاہتا ہے کہ تمام زمین اپنے قبضہ و تصرف میں رکھے اور خالد کو بے دخل کردے تو کیا زید کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا زمین مذکورہ دونوں کی ہوگی؟

جواب:۔ زمین مذکورہ دونوں کی ہے۔ حمایت اللہ۔ صح الجواب محمد عبدالحئی۔

میراث کا ایک مسئلہ

سوال (۶۴۸) زید نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑ کر انتقال کیا۔ اب ترکہ کتنے سہام پر تقسیم ہوگا

ایک زوجہ۔ دو لڑکیاں۔ ایک اخیافی بھائی۔ ایک ماں۔

جواب: صورت مسئولہ میں بعد تقدیم ما تقدم علی الارث۔ کل ترکہ ستائیس سہام پر منقسم ہوگا۔ تین سہم زوجہ کو اور آٹھ آٹھ ہر ایک لڑکی کو۔ چار ماں کو اور چار اخیافی بھائی کو ملیں گے۔

نوٹ:۔ جواب مذکورہ میں کچھ تسامح ہے۔ کیونکہ دختر کی موجودگی میں اخیافی بھائی محروم ہوتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بعد تقدیم حقوق مقدمہ علی الارث کل ترکہ چالیس سہم پر تقسیم ہوگا۔ پانچ سہم زوجہ کو اور چودہ چودہ ہر ایک لڑکی کو اور سات ماں کو ملیں گے۔ اور اخیافی بھائی محروم رہے گا۔ خورشید عالم۔

میراث کا ایک مسئلہ

سوال (۶۴۹) زید نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ان میں ترکہ زید کتنے سہام پر تقسیم ہوگا۔

ایک زوجہ۔ دو لڑکیاں۔ ایک حقیقی بھائی۔ ایک ماں۔

جواب:۔ بعد ادائے حقوق مقدمہ علی الارث وعدم موانع ارث کل ترکہ چوبیس سہام پر منقسم ہوگا۔ تین سہم زوجہ کو اور آٹھ آٹھ ہر ایک لڑکی کو۔ چار سہم ماں کو اور ایک سہم حقیقی بھائی کو دیا جائے گا۔

جاگیر کی وراثت

سوال (۶۵۰) زید سند جاگیر دار فوت ہوگیا اور دو لڑکے بکر و خالد اور دو پوتے ولید و قاسم جن کا باپ صالح زید کے سامنے ہی فوت ہوگیا تھا اور ایک بھتیجی جس کے ماں اور نانا دونوں زید کے سامنے فوت ہوگئے تھے، چھوڑے، اب تقسیم عصبہ باعتبار مناسخہ شرعیہ متروکہ ذاتی کے مطابق ورثا پر ہوگی یا صرف زندوں پر تقسیم ہوگی؟

جواب:۔ رسالہ احکام الاراضی میں واقعات سے منقول ہے:۔ الانعام المخلد والموہب بمنزلۃ الملک یجوز بیعہ وشراؤہ علی الصحیح انتہی۔

اور اسی میں ہے:۔ الانعام المخلد یدخل فی الملک فیباع ویوھب ویورث انتہی۔

اور ذخیرہ میں ہے:۔ رجل لہ وظیفۃ فی بیت المال یوصل الیہ کل سنۃ لوکان بحیث لا یاخذ منہ السلطان بعد موتہ ولا یعطیہا لغیرہ صار فیہا دلیل الملک ویصیر ملکا فیجوز التوریث بین الورثۃ والھبۃ والبیع والوصیۃ انتہی

اور فتاوی کبری میں ہے:۔ لو اعطی الامام او دونہ مستحق ارضا یکون ملکا لہ ولاولادہ وبہ یفتی وعلیہ اکثر المشائخ انتہی ان عبارات سے واضح ہے کہ شاہی عطیہ جو معطی کی ملک ہوجاتا ہے اس کی دیگر املاک کے مانند ہے، لہذا موت زید کے بعد وہ جاگیر بھی دیگر املاک کی طرح تقسیم ہوگی اور دونوں لڑکوں کو ملے گی۔ بقیہ ورثا محروم رہینگے

میراث سے متعلق چند سوال

سوال (۶۵۱) زید فوت ہوا اور شخص متوفی نہایت صاحب رشد وارشاد تھا اور صدہا خلق اللہ اس کی معتقد اور مرید تھے اور صاحب جائداد منقولہ تھا اور اس کے دو لڑکے مثلاً عمرو و خالد تھے۔ عمر بالغ تھا اور خالد نابالغ اور چار دختر ہیں تین بالغ اور ایک نابالغ ہمشیرہ حقیقی خالد اور دو زوجہ تھیں۔ زید نے پانچ چھ روز قبل از فوت جملہ قرض خواہاں کو طلب کرکے جس قدر قرضہ تھا تحریر کروایا۔ پانچ ہزار پانچ سو ہوا متوفی نے اپنی حیات میں بعد تحریر ہذا دو سو اٹھارہ روپے ادا کیے اور باقی روپیہ کی نسبت فرزند کبیر عمرو سے بمقابلہ چند اشخاص کہا کہ بعد تجہیز و تکفین پہلے قرضہ میرا ادا کرنا بعد ازاں دیگر کاموں میں شروع ہونا اور اس بارہ میں اشد تاکید کی اور ایک ہزار میری قبر پر لگانا اور کہا کہ میں نے ہر ایک وارث کا حصہ ادا کرکے رکھی کیا ہے محافظ مال مثلاً (یہ ورثا میں نہیں تھے) ہندہ سے کہا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ عمرو کو دیدینا کہ اس کا حصہ ہے۔ اور پانچ سو روپیہ واسطے زیور دختر کلاں عمرو اور تین سو واسطے کپڑے اور دیگر اخراجات متعلقہ شادی کے جو ہے وہ بھی دے دینا۔ پھر عمرو کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ تو بھی اپنی جانب سے ایک سو روپیہ دختر ہندہ محافظ مال کو دینا۔ اور بھائی تیرا خالد صغیر سن ہے اس کی تربیت کرنا اور خدمت گذاری ہر دو والدہ اور باقی ورثا کو سعادت دارین تصور کرنا۔ مگر اراضی اور مکانات مسکونہ کی نسبت اور جو کسی وارث کے پاس زیورات یا پارچہ ہائے پشمینہ وغیرہ یا برتن مسی یا دیگر اشیا تھیں بوقت وصیت ہذا کچھ

نہ کہا۔ مگر زید نے اپنی حیات میں حویلی کلاں پختہ علیحدہ علیحدہ ورثاؤں کو دے رکھی تھی۔ چنانچہ خالد اور اس کی والدہ کو جانب شرقی قدرے کم جو سب اطراف سے بڑی تھی دے رکھی تھی اور عمرو اور والدہ عمرو کے پاس دیگر مکانات و ہر سہ جوانب تھیں۔ مگر والدہ ثانیہ عمرو کو قلیل سا مکان دیا تھا حسب گذارہ اس کے اور باقی جوانب عمرو کے پاس تھیں اور کچھ مکان میں وہ محافظ مال رہتی تھی جہاں توشہ خانہ تھا۔ جب محافظ بیت اللہ کو چلے گئے تو وہ مکان قبضہ عمرو میں آ گئے اور دو تین گھڑی قبل از انتقال عمرو کو حکم دیا کہ دروازوں کا قفل لگا دو تو گویا اس سے مراد یہ تھی کہ جس مکان میں زید ہے وہ اور دیگر مکان جو فارغ ہیں ان میں قبضہ عمرو کا متحقق ہو جاوے کہ کل کو ان مکانات میں دوسرا شخص دعوے دار نہ ہو اور دوسرے یہ تھی کہ توشہ خانہ پر جہاں محافظ تھے اس کا قفل ہو گیا تو مال غبن باہر نہ جا سکے گا۔ عمرو اگرچہ اٹھا اور سب جگہ قفل لگائے۔ مگر جس میں زید بیمار تھا اور وہی توشہ خانہ تھا بسبب طعن طاعنین اور قرب وقت ہو جانے سے قفل نہ لگایا کہ ایسے والد کا جہان سے چلا جانا اور اولاد اس وقت فکر مال و اسباب میں ہو اکثر خلق اللہ کے نزدیک بہت نامناسب ہے۔ اسی فکر میں تھا۔ زید کا انتقال ہو گیا تو عمرو تجہیز و تکفین میں شروع ہو گیا۔ محافظ مال کا داؤں لگ گیا اور سب مال ایسی ایسی جگہ رکھ دیا جہاں عمرو کا زور نہ پڑ سکتا تھا۔ چند روز بعد انتقال زید کے عمرو نے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ کہ ضرورت ہے۔ ہندہ نے کہا کہ میرے پاس تو وہی آٹھ سو روپیہ ہے۔ اور کچھ نہیں تب عمرو نے نہایت متحیر ہو کر کہا کہ وہی لے آؤ کہ مصارف میں صرف کیا جاوے پھر ادا کیا جاوے گا۔ جب وہ لائی تو عمرو نے بموجب وصیت ایک سو روپیہ اور پچاس اپنی طرف سے زیادہ کر کے ہندہ کو دیئے کہ شاید اس زیادہ کرنے سے باقی جو روپیہ ہے دیوے۔ محافظ نے ایک سو پچاس لے کر کہا کہ زید نے دو سو کہا تھا۔ ناچار پھر وہی لحاظ کر کے پچاس اور بھی دیئے اور چھ سو اپنے مصارف میں صرف کیا اور اس امر کے دو شخص گواہ کیئے مگر اس محافظ نے اور چیز سوائے برتن مسی کے جن کی قیمت بیس روپیہ یا کم و بیش ہو گی عمرو کو کچھ نہ دیا اور خود بیت اللہ کو چلی گئی اور وہیں مر گئی اور اشیاء داده اس کی فہرست اور گواہ ہیں۔ اور عمرو نے بموجب وصیت والد قرضہ والد کا مع اس قرضہ کے جو بعد انتقال زید متحقق ہوا ادا کیا۔ اور بعد ازاں سب ورثا، کو جو بالغ تھے اور جو نابالغ تھے ان کی والدہ کو کہا کہ حصہ جائداد منقولہ وغیرہ کا لے چکی ہو جیسا کہ زید نے کہا ہے، اب جو جائداد زید نے تقسیم نہیں کی وہ بھی حسب حصہ لے لو اور موافق حصہ کے قرضہ دو یا ذمہ دار اس کے ہو کہ مجھ سے قرض خواہ متقاضی نہ ہوں اور تم سے وصول کریں تو سب نے کہا کہ نہ ہم حصہ لیتے ہیں اور نہ قرضہ دیتے ہیں۔ پھر عمرو نے کہا کہ کل میں اگر غریب ہو گیا اور تم مالدار تو پھر یہ ہو سکے گا کہ تم قرضہ کا روپیہ ادا کرو اور خواستگار حصہ کے ہو تو اس صورت میں بھی کچھ نہ کہا اور حسب وصیت تعمیر خانقاہ شروع کرائی۔ چنانچہ اب تک کہ ثلث ناتمام ہے پچہتر ہزار کے قریب صرف ہو گیا ہے چونکہ عمرو کو زید نے قبل از رحلت پانچ چھ سال مجاز طریقہ

علیہ صوفیہ کرام کیا تھا اور جمیع علوم میں فارغ التحصیل تھا۔ اور مجاز علم حدیث بھی تھا تو بہت خلفاء اور مریدین خاندان نے بعد چہلم اسے سجادہ نشین بجائے باپ مقرر کیا اور ہر ایک نے بطور قبول خلافت عمرو، عمرو سے بیعت کی اور دو ہزار پانچ سو روپیہ دستار بندی کا ہوا جو چہلم کے خرچ اخراجات میں صرف ہوا اور تقدیر ایزدی سے حویلی کلاں پختہ کی جانب شرقی کل اور قدرے قدرے جانب جنوب و شمال جل گئی تو عمرو نے چاہا کہ تعمیر کراوے تب والدہ خالد اور ننھیالی اس کے مانع آئے کہ ہمارے حصہ کی طرف جانب شرقی نہ بناؤ کہ ہم اس قدر زر کثیر ادا نہیں کر سکتے، اب تم بناؤ اور کل کو ہم سے خواستگار زر صرف شدہ کے ہو تو ہم کہاں سے ادا کر سکیں گے جو تمہارا حصہ ہے بنالو۔ تب عمرو نے حسب وصیت بسبب بے پردگی کے کہا کہ بالس یار ہونے دو تاکہ پردہ ہو جائے پھر دیکھا جاوے گا۔ تب بعد رد و قدح کے اجازت تعمیر اپنے حصہ کی والدہ خالد نے دی تو عمرو نے قرضہ اور اپنی آمدنی تعویذ گنڈے سے اور دیگر اشخاص اور مریدین سے لے کر تیار کی جب ایک مسقف اہتمام سے باقی ہی تھی تو کثرت بارش سے کل تیار شدہ گر گئی، پھر دوبارہ اسی طرح کی آمدنی اور قرضہ سے تیار کی اور حسب وصیت والد اپنے چھوٹے علاتی بھائی خالد کی زمان انتقال زید سے تربیت شروع کی۔ چنانچہ وقت انتقال زید خالد پانچ سال کا تھا اور اب تک کہ عمر اس کی تیئیس سال کی ہے سوائے پڑھنے کے اور کچھ کام نہ تھا اس کو استاد گھر پر رکھ کر اور دہلی بھجوا کر جمیع علوم عربیہ سے فارغ کروا دیا۔ علیٰ ہذا اس کا اور اس کی والدہ حقیقی اور ہمشیرہ حقیقی اور ہمشیر زادی اور خدمت گذاران زناں و برادران ہا خرچ نان و پارچہ و دیگر اخراجات خانگی کا عمرو متکفل رہا اور علیٰ ہذا ایک والدہ ثانی اور ایک ہمشیرہ اور دو ہمشیرہ زادگی ہمشیرہ متوفیہ مع خدمتگزاران زنان و مردان ان کے نان و پارچہ اور دیگر اخراجات کا بھی کفیل رہا اور مسافران آئندہ و روندہ اور درویشان مقیمین وقت زید اور جدید کو جو قریب ڈیڑھ سو کے ہیں برابر آج تک نان و پارچہ وغیرہ دیتا رہا۔ اور خالد اور اس کی ہمشیرہ حقیقی کا بیاہ بھی کر دیا۔ غرضکہ علاوہ سب اخراجات کے صرف خرچ غلہ روز مرہ کا تین من پختہ کا ہے اور اراضیات جو زید کے وقت کی ہیں سوا اٹھارہ گاؤں مع ناقص و کامل مزروعہ ہے گویا اس کی آمدنی علاوہ خرچ مردمان کارندگان زراعت و معاملہ سرکار اگر حساب کیا جاوے اور بہت بڑھ کر تخمینہ لگایا جاوے تو تین ماہ خرچ غلہ کا بھی نہیں نکال سکتے۔ مگر عمرو نے حسب وصیت والد آمدنی روزمرہ تعویذ گنڈا اور دیگر وارث مریدین سے ہر ایک وارث کے خرچ کا اور درویشان اور مسافران کا خبرگیراں رہا۔ اور آج تک جو کچھ کسی وارث کے مرید یا دیگر اشخاص نے خدمت کی اس نے اپنے مصارف میں صرف کی اور جو کچھ عمرو کو آمدنی تعویذ گنڈے یا دیگر مریدین سے ہوتی تھی۔ اس نے مصارف مذکورہ بالا اور حوائج خانگی میں صرف کی اور آج تک کسی وارث کو سوائے پڑھنے اور ذکر اذکار کے زراعت یا تجارت یا دیگر کاروبار سے تعلق نہیں تھا، بجز پڑھنے اور بیٹھنے

کے کسی طرح کا کوئی کام نہیں کرتے ہیں اور عمرو نے اپنی آمدنی مذکورہ سے آراضیات خرید کی ہیں بعض جگہ غیر مریدین بلکہ غیر ملت اور بعض جگہ مریدین سے اور بعض جگہ اپنے گھر والوں کے زیور فروخت کرکے خرید کی ہیں اور بعض جگہ برادری وغیر مریدین سے رہن کروائے ہیں اور بعض جگہ مریدوں نے اور بعض جگہ غیر مریدین نے اراضیات ہبہ کی ہیں اور بعض جگہ جو زید کو لوگوں نے ہبہ کی مگر بسبب عدم قبضہ یا کاغذات ہبہ مکمل نہ ہوا، بعد انتقال زید عمرو نے ان کے کاغذات کو مکمل کیا اور قبضہ کیا اور علیٰ ہذا مثل اسپان و نرگاوان و گاؤمیشان و شتران وخران و پارچہ ہائے پشمینہ وغیرہ و برتن وغیرہ اشیاء عمرو کو ہبہ یا شراء مرید یا غیر سے پیدا ہوئے ہیں اور بہت کتب عمرو اور زید کے خرید کیئے ہوئے ہیں اور فراشخانہ اور ایک باغ اور حمام ہے اور ایک طرف حویلی کلاں پختہ دوبارہ تیار شدہ کی عمرو نے ایک خورد مکان مشترکہ میں تیار کی ہے اور بہت جگہ مکانات پختہ و خام زمین مشترکہ میں تیار کیئے ہیں اور باغات اور چاہات اور دیگر اشجار مثمرہ وغیر مثمرہ بہت جگہ زمین مشترکہ میں نصب کرادیئے ہیں اور سرکار کی طرف سے وہ معافیات جو زید کے وقت تھیں اور بعد انتقال زید اور بسبب قید حین حیات ضبط ہوگئیں تھیں، عمرو کے نام پھر واگذار ہوئی ہیں بلکہ بعض جدید اس کے نام ہوئی ہیں۔ مگر کل معافیات متعلق مکان اور سجادہ نشین بجائے متوفی عبارات کاغذات معافیات سے مفہوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ عبارات کاغذ معافیات سے ہے (تا تعمیر خانقاہ آبادی مکان و نیک چلنی معافی دار تا مرضی سرکار و بعض تا دوام رہیں)۔ اور ایک حویلی خام زید نے مسافروں درویشوں کے لیئے تیار کی تھی جو اب تک انہی کے واسطے ہے اور دیگ اور برتن جو مسافر خانہ میں ہیں وہ اسی جگہ کام دیتے ہیں۔ اس سال خالد نے تقسیم آراضیات اور مکانات وغیرہ اشیاء کی عدالت میں عرض کی ہے اور فریقین کو فیصلہ شرعی منظور ہے۔ لہذا عدالت ان امورات کی علماء شریعت سے تنقیح طلب کرتی ہے۔ کتب معتبرہ سے مع اسناد کتب جواب تحریر فرمادیں۔ امورات تنقیح طلب۔

نمبر ۱۔ جو آراضیات اور پارچے اور مویشیات وغیرہ اشیاء عمرو کو شرعاً ہبہ یا رہن مریدین یا غیر سے حاصل ہوئے ہیں ان میں باقی ورثاء شریک ہیں یا نہیں؟

نمبر ۲۔ حویلی کلاں پختہ دوبارہ تعمیر شدہ جس طرح زید نے ہر ایک وارث کو دے رکھی تھی۔ چنانچہ والدہ خالد نے کہا تھا کہ ہمارے حصہ کی طرف تعمیر نہ کراؤ اُسی طرح رہے یا دیگر طرح تقسیم ہونی چاہیئے

نمبر ۳۔ حویلی خورد متصل حویلی کلاں اور دیگر مکانات تیار کردہ عمرو زمین مشترکہ میں کس طرح تقسیم ہونی چاہیئے

نمبر ۴۔ آمدنی خدمت مریدین اولاد پیر کو اور آمدنی تعویذ گنڈا یا دیگر اشخاص جس کی خدمت کریں اس کی ہوتی ہے یا دیگر اولاد کو بھی اس میں اشتراک ہے۔

نمبر۵۔ خدمتِ مریدین اولاد پیر کو اور آمدنی تعویذ گنڈا اور دیگر اشخاص جو خدمت سجادہ نشین کی کرتے ہیں، شرع کیا مقرر کرتی ہے؟

نمبر۶۔ جو کچھ جائداد مثل زیورات اور پارچہ اور برتن مسی اور مال مویشی جس وارث کے پاس بالقبضہ وقت زید سے ہے لاکن ہبہ قطعی کی اطلاع نہیں ہے اسی کی ہے یا تقسیم ہونی چاہیئے؟

نمبر۷۔ کتب اور فرش اور حمام اور باغ تقسیم ہونی چاہیئے یا نہیں؟

نمبر۸۔ جو باغات اور اشجار ثمرہ وغیر ثمرہ و چاہات بنوائے ہوئے عمرو کی زمین مشترکہ میں ہیں ان کی تقسیم کس طرح ہونی چاہیئے؟

نمبر۹۔ معافیات جو منجانب سرکار معاف ہیں واسطے مصارف فقراء کے متعلق مکان رہنی چاہیئے یا تقسیم ہونی چاہیئے؟

نمبر۱۰۔ جو زمین زید کو بطور ہبہ غیر مکملہ بسبب عدم قبضہ یا کاغذات ملی ہے اور تکمیل کا غذات اور قبضہ عمرو نے کیا ان کی تقسیم کیسی ہونی چاہیئے؟

نمبر۱۱۔ دیوان خانہ مسافرین کے برتن کی تقسیم ہونی چاہیئے یا نہیں؟

نمبر۱۲۔ حویلی خام جو زید نے مسافروں اور درویشوں کے لیئے بنائی تھی تقسیم ہونی چاہیئے یا نہیں؟

نمبر۱۳۔ جو چیز اولاد عمرو کو ہبہ ہوئی ہے یا انھوں نے خرید کی ہے اس سے عمرو کو یا دیگر ورثاء زید کو حیات ان کی میں تعلق ہے یا نہیں؟

نمبر۱۴۔ حسب اقرار ورثاء وقت جہلم کہ نہ ہم حصہ لیتے ہیں اور نہ قرضہ دیتے ہیں۔ وہ اس جائداد سے لادعوی ہیں یا نہیں، اگر جائداد کے مستحق ہیں تو مبلغ ادا کردہ عمرو بابت قرضہ ان کے دینے ہوں گے یا نہیں اور قول عمرو کا کہ کل کو میں غریب ہو گیا اور تم مالدار تو پھر یہ نہیں ہو گا کہ تم قرضہ کا روپیہ دو اور خواستگار حصہ کے ہو عدم استحقاق ان کے میں شرعاً مؤثر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جواب سوال اول:۔ ورثہ زید ترکہ زید سے حصہ پا سکتے ہیں۔ اور ترکہ عبارت ہے اس مال سے جو میت بوقتِ موت اپنی ملک میں چھوڑے۔ حواشی فرائض میں ہے:۔ التركة ما تركه الميت من مملوكه شرعا كالاراضي المقبوضة والذهب والفضة وغيرها من مملوكه مما يتعلق به حقوق الورثة انتهى۔

اور اشباہ والنظائر میں ہے:۔ الميت لا يملك بعد الموت انتهى۔

پس جو چیزیں خاص عمرو کی ملک میں آئی ہیں اس میں ورثہ زید کا حق نہیں ہو سکتا ہے۔

جواب سوال دوم:۔ حویلی کلاں کی ہر گاہ زید نے حین حیات تقسیم کر کے ہر ایک کا قبضہ کرا دیا تھا اور ہبہ مع القبض جو بموجب ملک موہوب لہ ہے ہو گیا تھا پس وہ ترکہ زید سے نہ رہی اس کی تقسیم جدید نہیں ہو سکتی ہے وہی تقسیم بحال خود رہے گی۔

جواب سوال سوم :۔ زمین مشترکہ میں بدون اجازت شریک اگر کچھ تعمیر کرے تو وہ بنائے خالص اس کی ہوتی ہے اور زمین مشترک رہتی ہے۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے :۔ سئل فیما اذا بنی زید قصرا بمالہ فی دار مشترکۃ بینہ وبین اخوتہ بدون اذنہم فہل یکون البناء ملکا لہ الجواب نعم۔

اور درصورت اجازت حق رجوع ہوتا ہے۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے :۔ سئل فی دار مشترکۃ بین زید وعمرو وطینہا زید ورعہا بلا اذن من شریکہ ولا وجہ شرعی ویرید الرجوع علی عمرو فہل لیس لہ ذلک الجواب نعم دار مشترکۃ المذھب فبنی احدھما بغیر اذن شریکہ فانہ لا یرجع علی شریکہ بشئ عمادیہ ومثلہ فی جامع الفصولین اقول ای عمرھا قبل الاستیذان وان امتنع من عمارتہا معہ فلا یخالف شیئا مما نبی انتہی۔

جواب سوال چہارم وپنجم :۔ خدمت مریدین اولاد پیر کو اور ایسی ہی خدمت اور اشخاص کی سجادہ نشین کو اور آمدنی تعویذ گنڈا وغیرہ حکم ہبہ واجرت میں ہے پس کرنے والا جس کو دے گا وہ موہوب اسی کی ہوگی دوسرے شخص کا اس میں کچھ حق نہیں ہبہ کا حکم یہی ہے اور ایسی ہی اجرت وغیرہ کا فتاوی عالمگیریہ میں ہے :۔ واما حکمہا فثبوت الملک للموہوب لہ انتہی

جواب سوال ششم :۔ زید نے جو چیز کسی کو ہبہ کر کے قبضہ کرا دیا وہ اسی کی ہوگی ترکہ زید سے خارج رہے گی اور ماسوا اس کے تقسیم میں داخل ہوگی۔

جواب سوال ہفتم :۔ ان سب چیزوں کی تقسیم ہوگی اس وجہ سے کہ یہ سب ترکہ میں داخل ہیں۔

جواب سوال ہشتم :۔ زمین مشترک کی قسمت باعتبار قیمت کے ہوگی اور اشجار وغیرہ عمرو کے ہوں گے۔ اگر اس نے اپنے مال خاص سے نصب کئے ہیں۔

جواب سوال نہم :۔ ہر گاہ بعد مرنے زید کے وہ معافیات ضبط ہوگئی تھیں اور پھر عمرو کے نام پر عطا ہوئیں، ان میں اور ایسی ہی ان معافیات میں جو ابتداءً عمرو کو عطا ہوئی ہیں تقسیم نہیں جاری ہوگی۔ عطائے سرکاری اسی شخص کی ہوتی ہے جس کے نام پر مقرر ہوئی ہو، رد المحتار علی الدر المختار میں بحث مصارف بیت المال میں ہے :۔ ما یجری علی الداری عطاء مستقل خاص بالداری لا عطاء المیت بطریق الارث بین جمیع الورثۃ انتہی۔

اور رسالہ احکام الآراضی میں ہے :۔ فی النوازل العبرۃ لمن اعطاہ الامام بشخصہ فقط انتہی۔

اور بھی اس میں ہے :۔ رجل لہ عطاء فی الدیوان مات عن ابنین فاصطلحا علی ان یکتب فی الدیوان باسم احدھما ویاخذ العطاء ھو والآخر لا شئ لہ من العطاء ویبذل من کان لہ العطاء مالا معلوما فالصلح باطل ویرد بدل الصلح والعطاء للذی جعل الامام العطاء لہ لان الاستحقاق باثبات الامام لا دخل لہ لرضاء الغیر وجعلہ کذا فی البزازیۃ انتہی اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے :۔ العطاء لصاحب الاسم انتہی۔

جواب سوال دہم :۔ جو زمین زید کو ایام حیات میں کسی نے ہبہ کی تھی مگر قبضہ نہیں ہوا تھا وہ ملک زید میں نہیں آئی، اس وجہ سے کہ ہبہ بدون قبض کے مفید ملک نہیں ہوتا ہے پس وہ ترکہ سے خارج رہے گی۔

جواب سوال یازدہم ودوازدہم :۔ جو چیز ان میں سے زید نے بطور وقف کے قائم رکھی ہیں اس میں تقسیم جاری

نہیں ہو سکتی ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:۔ فاذا تم ولزم لا یملك ولا یملك ولا یرھن ولا یعار انتہیٰ۔
جواب سوال سیز دہم:۔ ایسی چیزوں میں عمرو کو اور سوائے اس کے اور ورثا، زید کو کچھ تعلق نہیں وہ چیزیں انھیں کی ہیں جن کی ملک میں بذریعہ کسی سبب کے اسباب ملک سے داخل ہوئی ہیں۔
جواب سوال چہاردہم:۔ وہ اقرار ورثا، کا مبطل ان کے حق کا نہ ہوگا اور ان کو دعوی حصص کا پہنچ سکتا ہے مگر جب وہ حصہ لیں گے تو قرضہ ذگی زید سے موافق حصص کے دینا پڑے گا اور جو قرضہ عمرو نے ادا کیا ہے۔ وہ ان پر بقدر ان کے حصص کے عود کرے گا۔ فصول عمادیہ میں ہے:۔ فی واقعات الناطفی الوصی والورثۃ اذا نقدوا ثمن کفن المیت من مال القسم یرجعون بہ فی الترکۃ ولا یکونون منطوعین وکذا اذا قضی الوصی اوالوارث دین المیت من مالھا انتہیٰ اور بھی اس میں ہے الوارث اذا قال ترکت حقی لا یبطل حقہ لان الملك لا یبطل بالترك انتہیٰ
اور تنقیح فتاویٰ حامدیہ کی کتاب الدعویٰ میں ہے:۔ الارث جبری لا یسقط بالاسقاط قد افتی بہ العلامۃ خیر الرملی کما ھو محرر فی فتاواہ من الاقرار نقلا عن جامع الفصولین وغیرہ انتہیٰ۔ واللہ اعلم۔
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحئی

عصبہ بنفسہ اور عصبہ بالغیر کا اجتماع

سوال (۶۵۲) عصبہ بنفسہ اور عصبہ بالغیر میں کس کو ترجیح ہے۔ امثال ام بنت اخت ابن الاخ زوجہ ام بنت اخت ابن الاخ زوج ام بنت اخت ابن الاخ۔
جواب:۔ ان صورتوں میں عصبہ بالغیر بوجہ قرب کے مقدم ہے اور عصبہ بنفسہ محجوب ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے العصبۃ مع غیرھا اذا کانت اقرب الی المیت من العصبۃ بنفسھا کانت العصبۃ مع غیرھا اولی بیانہ اذا ھلك الرجل وترك بنتا واختا لاب وام وابن اخ لاب فنصف المیراث للبنت والنصف للاخت ولا شئ لابن الاخ لان الاخت صارت عصبۃ مع البنت وھی اولی الی المیت من ابن الاخ وکذلك اذا کان مکان ابن الاخ اخا لاب لاشئ للاخ کذا فی المحیط انتہیٰ۔ محمد عبدالحئی۔ اصاب المجیب محمد فضل اللہ

میراث کا ایک مسئلہ

سوال (۶۵۳) زید کا انتقال ہوگیا اور ایک برادر زادہ، ایک نواسا۔ ایک نواسی، ایک پوتا، دو پوتی چھوڑیں اور برادر زادہ کے باپ یعنی زید کے بھائی اور نواسا، نواسی کی ماں یعنی زید کی لڑکی اور پوتا پوتی کے باپ یعنی زید کے لڑکے کا انتقال زید کے سامنے ہی ہوگیا تھا، تو اب ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟۔
جواب:۔ بعد تقدیم حقوق مقدمہ علی الارث و رفع موانع ارث کل ترکہ چہار سہام پر منقسم ہوگا۔ دو سہام پوتے کو اور ایک ایک ہر ایک پوتی کو مل جائے گا اور باقی محروم رہیں گے۔

ترکہ خنثیٰ مشکل کی تقسیم

سوال (۶۵۴) ایک خنثیٰ ہے یعنی اس میں عورت و مرد دونوں کی علامتیں موجود ہیں۔ اس نے مرد ہونے

کی حیثیت سے شادی کی اور اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ اور اسی خنثی کے ساتھ ایک مرد نے شادی کی، اور شادی کے بعد خنثی کے بطن سے بھی لڑکا پیدا ہوا اور بقضاء الٰہی خنثی کا انتقال ہوگیا۔ اب دونوں لڑکے دعویٰ کرتے ہیں ایک کہتا ہے کہ میت میرا باپ تھا لہٰذا اس کا ترکہ مجھ کو ملنا چاہیئے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میت میری ماں تھی اس کا ترکہ مجھ کو ملنا چاہیئے۔ ایسی صورت میں خنثی کا ترکہ کس کو ملے گا۔ آیا ایسی صورت میں شرعاً ممکن ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا واقعہ ممکن ہے۔ عبدالنبی احمدنگری حواشی فرائض شریفیہ میں تحریر فراتے ہیں:۔ انی سمعت ممن یوثق بہ ان النصیر الطوسی کان لہ فرجان فرج الرجل وفرج المرأة وکان متلذذاً بللذتین وتعشق علی رجل جسیم قوی طویل اللحیة کثیر الجماع فکان مشغوفاً ومحفوظاً لیلاً ونہاراً ینیکہ وکانت لہ امرأة ینیک بہا انتہی۔

اور سید احمد حموی حواشی اشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:۔ من غرائب المسائل المتعلقة بالخنثی المشکل ماذکرہ فی الفصول المہمة فی مناقب الائمة وذلک ان علیا کرم اللہ وجہہ وقعت لہ واقعة حار علماء وقتہ فیہا وھی ان رجلا تزوج بخنثی لہا فرج کفرج النساء وفرج کفرج الرجال واصدقہا جاریة کانت لہ ودخل بالخنثی واصابہا فحملت وجاءت بولد ثم ان الخنثی وطیت الجاریة فحملت عنہ بولد واشتہرت ورفع امرھما الی امیر المؤمنین علی فسأل عن الخنثی فاخبر انہا تحیض وتطاء وتوطأ وتمنی من الجانبین وقد حبلت واحبلت فصار الناس متحیر الافہام فی جوابہا وکیف الطریق الی حکم قضائہا وفصل خطابہا فاستدعی علی احد غلامیہ برقاء وقنبر وامرھما ان یذھبا الی ھذا الخنثی ویعدا اضلاعہا من الجانبین فان کانت مساویة فہی امرأة وان کان الجانب الایسر انقص من الجانب الایمن بضلع واحد فہی رجل فذھبا الی الخنثی وعدا اضلاعہا فوجدا اضلاع الجانب الایسر انقص من الجانب الایمن فجاءا واخبرا بذلک وشہدا انہ عندہ فحکم علی الخنثی بانہا رجل وفرق بینہا وبین زوجہا والدلیل علی ذلک ان اللہ تعالی لما خلق آدم علیہ السلام وحواء اراد الاحسان الیہ فجعل لہ زوجا من جنبہ لیسکن کل واحد الی صاحبہ فلما نام آدم خلق اللہ من ضلعہ القصری من جانبہ الایسر حواء فانتبہ فوجدہا لہ الی جانبہ کاحسن مایکون من الصورة فلذلک صار الرجل ناقصا من جانبہ الایسر عن المرأة بضلع والمرأة کاملة الاضلاع من الجانبین والاضلاع الکاملة اربعة وعشرون ضلعا فی المرأة واما فی الرجل فثلثة وعشرون اثنی عشر فی الایمن واحدی عشر فی الایسر انتہی۔

صورت مسئولہ میں اگرچہ کسی طریقہ پر بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ خنثی عورت ہے یا مرد پھر بھی اس کا ترکہ دونوں لڑکوں کو برابر دیا جائے گا۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

کتاب الحظر والاباحة

باب الاکل والشرب

خرگوش اور جھینگے کی حلّت

سوال (۶۵۵) خرگوش کا گوشت اور جھینگا کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ خرگوش کا گوشت کھانا حلال ہے۔ عینی شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں:۔ حل الارنب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر اصحابہ ان یاکلوہ رواہ احمد والنسائی انتہیٰ۔

اور جھینگا جس کو اربیان بھی کہتے ہیں جیسا کہ صحاح سے مفہوم ہے حلال ہے۔ کیونکہ یہ بھی مچھلی کی ایک قسم ہے اور مچھلی بجمیع انواعہ بالاتفاق حلال ہے اور جن لوگوں نے اس کو حرام قرار دیا محض اس کو مچھلی کی انواع سے خارج شمار کرتے ہوئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

حمادیہ میں ہے:۔ الدود الذی یقال لہ جھینگہ حرام عند بعض العلماء لانہ لایشبہ السمک فانما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک وھذا لایکون کذلک وقال بعضھم حلال لانہ یسمی بالسمک واللہ اعلم۔

نوٹ:۔ چونکہ اس بارہ میں نوع سمک ہونے اور نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا احتیاط اولیٰ ہے۔

خورشید عالم

اوجھڑی اور کچی پیاز کھانا

سوال (۶۵۶) اوجھڑی اور کچی پیاز کھانا کیسا ہے اور جالی دار کپڑے پہننا مرد و عورت دونوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اوجھڑی کھانا مکروہ ہے اور کچی پیاز کھانے کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے اور کھانا مکروہ ہے کیونکہ منہ سے بدبو آتی ہے۔

جالی دار یا ململ وغیرہ کا باریک کپڑا پہننا عورت کے لیے حرام ہے اور گناہ کبیرہ۔ کیونکہ ستر واجب ہے جو اس میں نہیں ہوتا۔ اور بعض کے نزدیک مرد و عورت دونوں کے واسطے مکروہ۔ کما فی الزواجر

اخرج مسلم وغیرہ صنفان من اھل النار لم ارھما قوم معھم سیاط کاذناب البقر یضربون بھا الناس ونساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات رؤسھن کاسنمة البخت المائلة لایدخلن الجنة ولایجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد من مسیرة کذا وکذا انتہیٰ۔ وابن حبان فی صحیحہ واللفظ لہ والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم یکون فی اٰخر امتی رجال یرکبون علی سروج کاسنام الرجال ینزلون علی ابواب

المساجد نساؤھم کاسیات عاریات علی رؤسہن کاسنمۃ البخت العجاف العنوھن فانہن ملعونات۔ ذکر ھذا فی الکبائر لظاھر ما فیہ من الوعید الشدید انتہی۔

اور عالمگیریہ میں ہے :- واما اذا کان رقیقا لا یصلح للبس فان ذلک مکروہ بالاجماع انتہی۔ علی محمد

واقعتہً اوجھڑی کھانا مکروہ ہے۔ ابوداؤد حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اکل ثوما او بصلا فلیعتزلنا ویعتزل مسجدنا۔

اس حدیث سے پیاز کھانے کی کراہت تحریمی ثابت ہوئی۔ اور روایات سے ثابت ہے کہ عورت کے لیے ایسا باریک کپڑا پہننا جو ستر میں مخل ہو حرام ہے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

ہنود کے تہوار کی مٹھائی کھانا

سوال (۶۵۷) ہنود اپنے تہوار کے موقعہ پر مسلمانوں کے لیے بطور مروت یا بسبب رعیت، مٹھائی لاتے ہیں تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- جائز ہے۔ عبدالسلام۔ صح الجواب، محمد شکر اللہ۔ الجواب صحیح، حمایت اللہ۔

زمیندار ہونے کی صورت میں رعایا سے مقررہ مقدار سے زائد لینا جائز نہیں۔ ہاں اگر بخوشی رعایا پیش کرے تو مسلمان کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ محمد امانت اللہ۔

واقعی ان اشیاء کا کھانا جو ہنود اپنے تہوار کے موقعہ پر برضا و رغبت پیش کرتے ہیں جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ تہوار کے دنوں میں ہدایا قبول نہ کریں تاکہ موافقت کا شبہ نہ رہے۔ ذخیرہ میں ہے :- لا ینبغی للمؤمن ان یقبل ہدیۃ کافر فی یوم عیدھم ولو قبل لا یعطیہم ولا یرسل الیہم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

ہندو کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا

سوال (۶۵۸) ہندو کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا شرعاً جائز ہے اور اسی طرح اس کا ہاتھ لگے ہوئے پانی سے وضو کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب :- جائز ہے۔ محمد نعیم۔

چمار کا مٹی کے برتن کو ہاتھ لگانا

سوال (۶۵۹) اگر کسی شخص نے مٹی کے برتن میں کھانا بھر کر ٹوکری میں رکھ کر چمار کے سر پر رکھ کر کہیں بھیجا۔ یا کسی کے پاس کھانا اسی طرح آیا تو اس میں کسی قسم کی کراہت شرعی ہے یا نہیں اور اسی طرح اگر گھڑے میں پانی بھر کر مسلمان نے اپنے ہاتھ سے بہنگی میں رکھا اور اس کو ہندو کہار اٹھا لائے اور مسلمان نے گھر اتار کر رکھ لیا تو اس پانی کی طہارت و پاکی میں کوئی شبہ ہوگا یا نہیں؟

جواب :- نہیں۔ محمد نعیم۔

صحت ہذہ الاجوبۃ۔ محمد عبدالحی۔

ہُدہُد کی حلّت

سوال (۶۶۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین در مقدمہ حلت و حرمت ہدہد کے صاحب کتاب حیوۃ الحیوان وصاحب فتاوی برہنہ اس کو حرام اور مکروہ لکھتے ہیں اور صاحب غایۃ الکلام وتمیز الکلام نے ہدہد کو حلال لکھا ہے پس مذہب امام اعظمؒ میں یہ حلال ہے یا حرام، فتوی جس پر ہو اس سے اطلاع فرمایئے

جواب:- ہدہد بمذہب حنفیہ حلال ہے اور کتب معتبرہ میں حرمت یا کراہت مذکور نہیں۔ خزانۃ المفتین میں ہے:- اکل الخطاف والھدھد وکل ذی طوق لاباس بہ انتہی۔

اور بزازیہ میں ہے:- اکل الھدھد لابأس بہ ولاباس بالخطاف والقمری وکل مالیس لہ مخلب یختطف بہ انتہی

اور ظہیریہ میں ہے:- اکل الخطاف والصلصل والھدھد لاباس بہ لانہا لیست من الطیور التی ھی ذوات مخلب

اور قنیہ میں واقعات ناطقی سے منقول ہے:- لاباس باکل الھدھد انتہی۔

اور رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے:- اتفق الائمۃ الثلثۃ علی تحریم کل ذی مخلب من الطیور وکذا ما یاکل الجیف واما غیر ذالک من الطیور فکلہ مباح بالاتفاق والمشہور انہ لاکراھۃ فی مانہی عن قتلہ کالخطاف والھدھد والخفاش والطاؤس الاعند الشافعیؒ انتہی۔

پس ان عبارات سے صاف واضح ہوا کہ ہدہد بمذہب حنفی حلال ہے بغیر کراہت، اور مصنف حیوۃ الحیوان شافعی ہے اُس نے موافق اپنے مذہب کے تحریم لکھی ہے۔ اور فتاوی برہنہ کا مقابلہ کتب معتبرہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا ہے۔ جب کہ کتب معتبرہ سے حلت ثابت ہے، کراہت کہ فتاوی برہنہ میں ہے غیر مقبول ہوگی، واللہ اعلم۔

حررہ محمد عبدالحی عفا عنہ۔

ہنود کا کھانا خشک اور تر کھانا

سوال (۶۶۱) طعام ہنود کے تر وخشک میں کچھ فرق ہے یا نہیں لیکن تر مثل خشکہ وخشک مثل نان د حلوہ وغیرہ کے، بینوا توجروا؟۔

جواب:- کچھ فرق نہیں، نصاب الاحتساب میں ہے:- ما ابتلینا بہ من شراء السمن والخل واللبن والجبن وسائر المعائعات من الھنود علی احتمال تلوث اوانیھم فان نسائھم لایتوقین من السرقین فعلی المحتسب ان لم یجد بدا منہم ان یستوتق علیھم ان یجتنبوا من السرقین والمیتۃ فان شق علیھم یامرھم ان یاتوا اوانیھم مسلما یغسلھا ویغسلوا ایدیھم برائ من المسلم والا فالاباحۃ فتوی والتحرز تقوی وکذا

لہ طحطاوی میں ہے:- یوکل القمری والسوادین زولہ والصلصل والھدھد۔

ودرمیزان شعرانی میں ہے:- من ذلک قول الائمۃ الثلاثۃ فی المشہور عنہم انہ لاکراھۃ فیما ماضی عن قتلہ کالخطاف والھدھد والخفاش والبوم والبسغا والطاؤس مع قول الشافعیؒ فی ارجح القولین انہ حرام الخ

لاباس بطعام المجوس کلہ الا الذبیحۃ انتہی۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

ہنود کے ہاتھ کا چھوا کھانا

سوال (۶۶۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوا ہنود کا وطعام پختہ ہنود جو کہ باحتیاط پکایا گیا ہے مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں، بفحوائے ھذہ العبارۃ۔ فی الفتاوی الغرایبۃ لایکرہ للمسلمین ان یغزالکافرین ویعود مرضاھم ویاکل طعامہم وفی السراجیۃ لاباس بطعام المجوسی الا الذبیحۃ انتہی۔

جواب:۔ جائز ہے جیسا کہ خزانۃ الروایات میں ہے:۔ فی متفرقات دستور القضاۃ عن الینابیع لاباس بعیادۃ اھل الذمۃ وحضور جنائزھم واکل طعامہم والمعاملۃ معھم وفی المضمرات لایکرہ للمسلمین ان یغزیہم ویعود مرضاھم ویاکل من طعامہم۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

نومسلم کا جھوٹا مسلمان کے لیئے

سوال (۶۶۳) زید نے ایک عورت قوم پارسن کو کلمہ واستغفار پڑھا کر مسلمان کیا، کسی مسلمان نے کوئی اعتراض اس کے اسلام لانے اور زید کے مسلمان کرنے پر نہ کیا تھا۔ بلکہ زید نے خود بخود اپنے ہی پیالے میں پانی منگا کر مسماۃ کو دیا کہ نصف اس میں سے پی لے، ما بقی چھوڑ دے، مسماۃ نے نصف پیا، ما بقی چھوڑ دیا، اس پانی کو زید نے پیا اور عمرو نے اسی طرح سے حاضرین جماعت نے تھوڑا تھوڑا تبرکاً پیا جس قدر کم ہوتا تھا، زید پانی ملاتا تھا بعدہٗ جلسہ برخاست ہوا، صرف یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ آیا یہی قاعدہ ہے اور اسی طرح مسلمان ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی ملت وقوم کا ہو یا اسی قوم کے واسطے یہ خاص قاعدہ ہے حسب شرع شریف کے یا اگر اس قاعدہ کا برتاؤ نہ ہو تو مسلمان ہونے میں شک ہوتا ہے یا نہیں، یا اگر بلا اعتراض کسی مسلمان کے اور بدون کسی کے شک، لائے ہوئے اس کے مسلمان ہونے اور زید کے مسلمان کرنے پر اگر بلا سبب اور بلا وجہ ایسا فعل کیا گیا تو یہ فعل داخل جہالت وحماقت ولغویت کے ہے اور زید سے سرزد ہوا ہے مانہیں جس کا کوئی نتیجہ نہیں تھا۔ بحالیکہ وہ کلمہ پڑھ کر استغفار کر کے پاک وطاہرہ بروئے شرع شریف

[illegible]

نفرت نہیں، بجائے کہ زید کا تقوی ایسا تھا کہ کسی کا لوٹا خود واسطے وضو کے نہیں لیتا تھا حتی کہ نماز جمعہ میں خطبہ ختم ہوگیا اور رکعت اول ختم ہوگئی اور لوٹا خاص زید کا خالی نہ تھا مروت مانع تھی، لے نہ سکا، جب لوٹا خاص ملا تب وضو ہوا اور شرکت نماز میں ہوئی، کسی کے ظرف کو پاک نہیں سمجھ کے کمال کراہت سے زید پانی پیتا ہے تو زید سے دفعتاً ایسا شخص اگر وقوع میں آیا تو بتعلق غرض وجاہلیت ولغویت وحماقت ہوا یا نہیں؟۔

جواب:۔ کسی کے مسلمان کرنے میں یہ ضرورت نہیں کہ اس کا جھوٹا پانی پیا جاوے اور پلایا جاوے اور یہ عمل بلا موجب وبلا ضرورت شرعی داخل لغویت ہے۔ علی الخصوص جب کہ بعض کتب فقہ میں مثل درمختار وغیرہ کے مرقوم ہے کہ جھوٹا اجنبی عورت کا مرد اجنبی کو۔ اور مرد اجنبی کا عورت اجنبیہ کو اگرچہ پاک ہے لیکن مکروہ ہے اور رد المحتار میں مرقوم ہے کہ کراہت اس وقت ہے کہ جب مقصود استلذاذ ہو۔ عبارت درمختار یہ ہے:۔ نعم یکرہ سورھا للرجل کعکسہ للاستلذاذ واستعمال ریق الغیر وھو لا یجوز مجتبی انتہی۔

اور رد المحتار میں مرقوم ہے:۔ قال الرملی ویجب تقییدہ لغیر الزوجۃ والمحارم انتہی۔

اور بھی اس میں ہے:۔ والذی یظہر ان العلۃ الاستلذاذ فقط ویفہم انہ حیث لا استلذاذ لا کراھتہ لا سیما اذا کان یعافہ انتہی۔

پس بربنا عبارت درمختار یہ فعل زید یعنی اجنبیہ کا جھوٹا پانی پینا اور پلانا مکروہ ہوا اور بربنا تحریر صاحب رد المحتار حاشیہ درمختار اگر استلذاذ حاصل ہوا تو مکروہ ہوا اور بر تقدیر عدم استلذاذ اگرچہ مکروہ نہیں ہوا لیکن اجتناب [illegible] سے بہتر تھا۔ واللہ اعلم۔
ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

مرغ کی کھال اور گائے کے پائے کھانا

سوال (۳۴۴) کھال مرغ کی کھانا از روئے شرع شریف کے حلال ہے یا حرام ہے یا مکروہ کدام مکروہ اور پائے گائے یا بھینس کے جو فی زماننا ایام سرما میں کھائے جاتے ہیں کھانا درست ہے یا نہیں اور کھال مرغ اور پایہ [illegible] وغیرہ میں کس قدر فرق ہے؟

جواب:۔ درستفہ [illegible] نہایۃ البیان فیما یحل ویحرم من الحیوان میں بحث ذکر احکام شاۃ میں ہے:۔ ولیوست دنبہ قبل دباغت حلال است باین طور کہ شور بابیاں کردہ بخورد ووقتیکہ مدبوغ شد از خوردن بیروں باشد لیکن انتفاع دیگر درست است کذا فی مطالب المومنین۔

ودر [illegible] مذکور است اگر سر گوسفند خون آلودہ سوختہ شود زائل شود از آں خون پس گرفتہ شود از آں شوربا جائز است و سوختش مانند غسل است انتہی۔ واللہ اعلم۔
ابوالحسنات محمد عبدالحی

کھانے [illegible] نکلنا

سوال (۳۴۵) ایک [illegible] کی پلاؤ کی دیگ یا شیر برنج میں سے نکلے تو وہ کل نجس ہے

یا کسی قدر اور کسی نے لاعلمی سے کھایا تو کھانے والا عاصی ہو گا یا نہیں اور روٹی کا کیا حکم ہے جس روٹی میں مینگنی نکلے وہی نجس ہے یا کل روٹیاں اس آٹے کی؟

جواب: جس روٹی میں مینگنی نکلے اگر وہ مینگنی ثابت ہے تو وہ پھینک دی جاوے اور روٹی کھائی جاوے اور بالکل مخلوط ہو گئی اور ریزہ ریزہ ہو کر مل گئی تو وہ روٹی نہ کھائی جاوے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:۔ خبز وجد فی خلالہ سرقین فان کان علی صلابتہ یرمی ویوکل الخبز انتہی۔

باقی صرف ایک روٹی میں نکلنے سے اور روٹی اس آٹے کی کھانا منع نہیں ہے۔ در شیر برنج وغیرہ میں اگر مینگنی سخت نکلے اور بالکل مخلوط نہ ہوئی ہو تو بعض متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ پھینک دی جائے اور وہ کھایا جائے مگر مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ نہ کھایا جاوے۔ خزانۃ الروایات میں مذکور ہے:۔ فی العتابیۃ خرء الفارۃ بعض من المتاخرین من رخص فی الدھن وفی الطعام ان کان قلیلا لایفسد کا مالم یوجد ریحہ او طعمہ انتہی۔

واللہ اعلم۔   ابو الحسنات محمد عبدالحی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحم بقر تناول فرمانا

سوال (۶۶۶) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لحم بقر کا کھایا ہے یا نہیں؟

جواب: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بقر کو ذبح کرنا اپنے ازواج کی طرف سے حجۃ الوداع میں اور آپ کے ازواج کے پاس اس گوشت کا آنا صحیح مسلم و صحیح بخاری میں موجود ہے اور کھانا آپ کا صراحۃً کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرا۔ اور شیخ دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے:۔

وخوردہ است آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لحم شاۃ وخوردن لحم بقر بخصوص معلوم نشدہ جز آنکہ در حدیث آمدہ است کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کرد از ازواج مطہرہ خود گاوے را ظاہر آن ست کہ ازاں خود ہم خوردہ باشد۔ انتہی۔

اور صحیح مسلم میں آخر کتاب الزکوۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:۔ قالت اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلحم بقر فقیل ھذا ما تصدق بہ علی بریرۃ فقال ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔ اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تناول فرمایا اور محتمل ہے کہ آپ نے خود نہ کھایا ہو ازواج کو دے دیا ہو۔ واللہ اعلم۔   ابو الحسنات محمد عبدالحی

انگریزی دوا میں شراب کی آمیزش

سوال (۶۶۷) کوئی عرق انگریزی جس میں ڈاکٹروں کے بیان سے شراب کا ملا ہونا معلوم ہوتا ہے اس مقدار سے کہ جز اس کی پائداری کا ہو سکے اور نشہ نہ لاوے اور رنگ و بو اس دوا میں محتمل ہیں ایسے ناواقف کو شبہ میں ڈال سکتے ہیں اور مزہ اس کا تلخ یہ کھٹا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ شراب کا یہی مزہ ہے یا کچھ اور، خلاصہ یہ کہ تغیر ان تینوں چیزوں کا کما حقہٗ ثابت نہیں ہو سکتا پینا ایسی دوا کا عند الشرع درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جس دوا میں شراب کا ملنا اگرچہ ایک قطرہ بھی ہو یقینی یا ظنی ہو اس کا پینا حرام ہے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحئی

وطی کردہ جانور کا گوشت

سوال (٦٦٨) اگر کسی شخص نے حلال جانور کے ساتھ وطی کی اور اپنا ذکر اس کی فرج میں داخل کیا اور انزال کے وقت باہر نکال لیا جس کی گواہی دو عادل مسلمانوں نے دی تو اب وطی کردہ جانور کا گوشت کھانا اور دودھ پینا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ حلال جانور کے ساتھ کسی انسان کے وطی کر لینے کی بنا پر اس کا گوشت حرام نہیں ہوتا۔ البتہ اس جانور سے بحالت حیات وممات انتفاع مکروہ ہے بلکہ اس کو قتل کر کے جلا دینا مناسب ہے۔

منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے:۔ ولا حد لو وطی بھیمۃ لانہ لیس فی معنی الزنا فی کونہ جنایۃ وفی وجود الداعی الیہ لان الطبع السلیم ینفر عنہ والحامل علیہ نہایۃ السفہ او فرط الشبق الا انہ یعزر والذی یروی انہ تذبح البھیمۃ وتحرق فذالک لقطع التحدث بہ ولیس بواجب قالوا ان کانت الدابۃ مما لا یوکل لحمھا تذبح وتحرق لما ذکرنا وان کانت مما یوکل لحمھا تذبح ویوکل عند ابی حنیفۃؒ وقال تحرق ھذہ ایضا اذا کانت البھیمۃ للفاعل وان کانت لغیرہ کان لصاحبھا ان یدفعھا الیہ بالقیمۃ وفی مبین الکنز یطالب صاحبھا ان یدفعھا الیہ بالقیمۃ ثم تذبح ھکذا ذکروا ولا یعرف الا سماعا فیحمل علیہ انتھی۔

اور مجتبی میں ہے:۔ ذبحت ویکرہ الانتفاع بھا حیا تھا وموتھا واطلق الطحاوی انھا اذا کانت لا ذبحت ولم توکل وعن ابی یوسفؒ انھا لا تحرق اذا کانت توکل وکان ابو عبداللہ الجرجانی یقول قول اصحابنا تذبح وتحرق علی وجہ الاستحباب واتی ابن عمر برجل اتی بھیمۃ فلم یجلدہ وامر بھا واحرقت بالنار انتھی۔

ملاقات یا نکاح کے وقت کوئی چیز کھلانا

سوال (٦٦٩) مکان پر آنے والے مہمان کے بارہ میں صاحب مکان کی خواہش ہوتی ہے کہ کچھ ماحضر جو بھی موجود ہوں پیش کر دے اور اس طرح نکاح کے روز تمام اقربا لڑکی والے کے مکان پر جمع ہوتے ہیں تو قبل النکاح یا بعد میں لڑکی والے کچھ میٹھا یا نمکین مہمانوں کو پیش کرتے ہیں تو یہ فعل قریب سنت ہے یا بدعت

جواب:۔ یہ فعل بدعت نہیں بلکہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ مدارج النبوۃ اور [illegible] میں مذکور ہے۔

غیر اللہ کے نام پر نذر کردہ اشیاء

سوال (٦٧٠) زید کہتا ہے کہ جو اشیاء از قسم غلہ وشیرینی وترکاری وغیرہ کہ شوالوں میں یا قبروں پر چڑھائی جاویں یا تعزیوں اور علموں کے سامنے رکھی جاویں جیسا کہ ہندوستان میں اہل اسلام کا دستور ہے۔ ان کل اشیاء کا کھانا حرام ہے۔ پس زید کا قول صحیح ہے یا غلط۔ حکم اس کا بنقل عبارت وحوالہ اسم کتاب معتبر مفصلاً تحریر فرمایئے؟۔

جواب :۔ غلہ وشیرینی وغیرہ جو عوام شوالوں اور تعزیوں اور قبروں وغیرہ پر چڑھاتے ہیں مقصود ان کو نذر لغیر اللہ ہوتی ہے اور فقہا نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے اور اس چیز کا کھانا بھی حرام ہے۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے :۔ قال الشیخ قاسم فی شرح الدرر واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد کان یکون لانسان غائب ومریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فیاتی قبر بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی راسہ ویقول یا سیدی فلان ان رد اللہ غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب کذا اومن الفضۃ کذا اومن الطعام کذا اومن المال کذا ومن الشمع کذا ومن الزیت کذا فھذا النذر باطل بالاجماع بوجوہ منھا انہ نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لایجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لاتکون لمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت لایملک ومنھا انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقادہ ذلک کفر اللھم الا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی ھذا او رددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم للفقراء الذین بباب السیدۃ نفیسۃ والفقراء الذین بباب الامام الشافعیؒ والامام ابی اللیث او اشتری حصر المساجد او زیتا لوقودھا او دراھم فمن یقوم بشعارھا الی غیر ذلک مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر للہ تعالیٰ وذکر الشیخ انما ھو محل صرف النذر لمستحقیہ القاطنین برباطہ اومسجدہ او جامعہ فیجوز بھذا الاعتبار ومصرف النذر الفقراء وقد وجد المصرف ولایجوز ان یصرف ذلک لغنی ولالشریف منسب لانہ لایحل لہ الاخذ مالم یکن محتاجا فقیرا ولالذی نسب لاجل نسبہ مالم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف الی الاغنیاء للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولاینعقد ولاتشتغل الذمۃ بہ وانہ حرام بل سحت ولایجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ الا ان یکون فقیرا ولہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وھم مضطرون الیہ فیاخذونہ علی سبیل الصدقۃ المبتداۃ واخذہ ایضا مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ وصرفہ الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ فاذا علمت ھذا فما یوخذ من الدراھم والشمع والزیت وغیرھا وتنقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیھم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصدوا بصرفھا الفقراء الاحیاء قولا واحدا انتھی۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ۔

ہنود کی دعوت کھانا

سوال (۱۷۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی ہندو بے دین بت پرست نے اپنے کسی تہوار یا تقریب شادی یا غمی میں کسی مسلمان دیندار پرہیزگار یا مسلمان بے نمازی زناکار، شراب خور بدعتی کی دعوت کی اور ان مسلمانوں نے اس کی دعوت قبول کی اور کوئی چیز مثل کھانے کے کھائی و یا کھانے کا سامان یا نقد روپیہ لیا اور اپنے ہاتھ سے پکایا اور کھایا تو اس طرح ہندوؤں کا کھانا اور دعوت لینا درست ہے یا نہیں ؟

سوال دوم :۔ اگر اس طرح کا کھانا ہندوؤں کا درست ہو تو خیر ورنہ ان کھانے والوں کی کیا سزا ہے؟

جواب:۔ جواب سوال اول:۔ ہندو کے تہوار کے دن ہدیہ یا دعوت لینا مسلمان کو نہیں درست ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ ذخیرہ میں ہے:۔ لا ینبغی للمؤمن ان یقبل ھدیۃ الکافر فی یوم عیدھم ولو قبل لا یرسل الیھم شیئا انتہی
اور خزانۃ الروایات میں ہے:۔ فی الفصول والتاتارخانیۃ فی المحیط ما یاتی المجوس فی یوم نیروزھم من الاطعمۃ الی الاکابر والسادات من کانت بینہ وبینھم معرفۃ وذھاب وجی فقد قیل من اخذ ذلک علی وجہ الموافقۃ یضرہ ذلک بل ینہر انتہی۔
باقی تقریب شادی اور غم میں اگر ہندو دعوت کرے تو اس کا قبول کرنا درست ہے بعض فقہاء کے نزدیک، اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے جیسا کہ خزانۃ الروایات میں ہے:۔ فی مفید المستفیین من الواقعات لا باس بالذھاب الی ضیافۃ اھل الذمۃ ھکذا ذکر محمد لکن المذکور فی النوازل یخالف ھذا فانہ کرہ الاجابۃ انتہی۔
اور بر تقدیر جواز قبول ضیافت مشروط ساتھ اس امر کے ہے کہ مجلس دعوت غنا و مزامیر و بت پرستی و شراب خوری واطوار کفر و شرک و محرمات سے خالی ہو اور اگر اس مجلس میں ایسے امور ہوں تو جانا درست نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے:۔ دعی الی ولیمۃ وثمہ لعب او غناء قعد واکل والمنکر فی المنزل ولو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج فان قدر علی المنع فعل والا صبروان علوا ولا باللعب لا یحضرا صلا سواء کان ممن یقتدی بہ اولا ملخصا۔
جواب سوال دوم:۔ جس شخص نے دعوت ہندو کے تہوار کی قبول کی یا ضیافت تقریب میں باوجود موجود ہونے منکرات شرعیہ کے تو اس پر توبہ استغفار لازم ہے۔ واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی۔

سود خوار کی دعوت کھانا

سوال (۶۷۲) مسلمان معتقد یا شیعہ سود خوار و رشوت خوار و شراب خوار کے گھر مسلمان دیندار کو کھانا اور نوکری کرنا درست ہے یا نہیں باوجودیکہ اُس کے گھر کھیتی بھی ہوتی ہے اور مال حلال بھی ہے
جواب:۔ اگر مال حلال غالب ہے تو اس کے یہاں کھانا کھانا اور نوکری کرنا درست ہے اور اگر حرام غالب ہے تو نہیں درست ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کھانا یا یہ تنخواہ مال حلال ہے۔ اشباہ میں ہے:۔ اذا کان غالب مال المھدی حلالا فلا باس بقبول ھدیۃ واکل مالہ مالم یتبین انہ من حرام وان کان غالب مالہ الحرام لا یقبلھا ولا یاکل الا اذا قال انہ حلال ورثہ او استقرضہ انتہی۔ واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی

باب ما یحل اکلہ وما لا یحل

جریث مچھلی کا حکم

سوال (۶۷۳) جریث جو سیاہ قسم کی مچھلی ہوتی ہے حلال ہے یا حرام؟
جواب:۔ حلال ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔ لا باس باکل الجریث والمارماھی۔ انتہی۔

جھینگا مچھلی کا حکم

سوال (٦٧٤) جھینگا حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ بعض فقہاء نے اس کو مچھلی کی قسم شمار نہیں کیا بلکہ دریائی کیڑا سمجھ کر حرام قرار دیا اور بعض فقہاء مچھلی شمار کرکے حلال کہتے ہیں۔ کیونکہ حنفیہ کا ضابطہ ہے کہ مچھلی کے ماسوا کوئی دریائی جانور حلال نہیں اور مچھلی بجمیع انواع حلال ہے۔

منتہی الارب میں ہے:۔ اربیان نوعے از ماہی ست کہ آں را بہندی جھینگا می گویند۔

اور صراح میں ہے:۔ اربیان نوعے از ماہی ست۔

مردار کا چمڑا کھانا

سوال (٦٧٥) مردہ جانور کا چمڑا کھانا کیسا ہے اور بکری کے سر کے بارہ میں جو مشہور ہے کہ چمڑا علیحدہ کیے بغیر ہی بھون کر لوگ کھاتے ہیں صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مردار کا چمڑا خواہ مدبوغ ہو اور مذبوح درندوں کا چمڑا جائز نہیں ہے لیکن مذبوحہ بکری کا چمڑا کھانا جائز ہے۔ زیلعی لکھتے ہیں:۔ جاز بیع لحوم السباع وشحومھا وجلودھا بعد الذکاۃ کجلود المیتۃ بعد الدباغ حتی یجوز بیعھا والانتفاع بھا غیر الاکل لطھارتھا بالذکاۃ انتہی ملخصا

اور منح الغفار میں ہے:۔ ویباع جلد المیتۃ وینتفع بہ لطھارۃ بعد الدبغ بغیر الاکل فانہ لایجوز اکلہ وان کان طاھرا قال فی السراج الوھاج مسألۃ جلد المیتۃ بعد الدباغ ھل یجوز اکلہ اذا کان من حیوان ماکول اللحم قال بعضھم نعم لانہ طاھر کجلد الشاۃ المذکاۃ وقال بعضھم لایجوز اکلہ وھو الصحیح انتہی۔

اور ہدایہ میں ہے:۔ ثم ما یمنع النتن والفساد فھو دباغ وان کان تشمیسا او تتریبا انتہی۔

تاڑی اور شراب کا سرکہ

سوال (٦٧٦) تاڑی اور شراب کا سرکہ بنا کر استعمال کرنا حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ جب کہ تاڑی اور شراب کی حقیقت ختم ہوگئی اور سرکہ بن گیا تو حلال ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعم الادام الخل انتہی۔

اوجھڑی کھانا

سوال (٦٧٧) گائے اور بکری کی اوجھڑی حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ حلال ہے۔

جگر اور طحال کھانا

سوال (٦٧٨) بکری یا گائے کا جگر اور طحال حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ حلال ہے۔ دار قطنی، ابن ماجہ، احمد بروایت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں:۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احلت لنا المیتتان والدمان المیتتان الحوت والجراد والدمان الکبد والطحال انتہی۔

مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت

سوال (۶۷۹) مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

جواب :۔ نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں مچھلی کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔ حلال است و بے ذبح و شکار کردن و بر آوردن آں از دریا حکم ذبح دارد انتہی۔

مجوسی کی شکار کردہ مچھلی

سوال (۶۸۰) اگر کافر یا مجوسی شکار کرکے دریا سے مچھلی لایا تو حلال ہے یا نہیں؟

جواب :۔ حلال ہے۔ کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری الشافعی نے حیاۃ الحیوان میں حسن بصریؒ کا قول نقل فرمایا ہے فرماتے تھے کہ میں نے ستر صحابہ کو دیکھا جو مجوسیوں کا شکار کھاتے تھے۔

اور ابو المکارم شرح نقایہ میں فرماتے ہیں :۔ وفی المحیط لا باس باکل سمکۃ اصطادھا المجوسی لانھا تحل بدون التسمیۃ فالمجوسی وغیرہ فیہ سواء انتہیٰ۔

گرڑول کا حکم

سوال (۶۸۱) گرڑول یعنی ڈھینگ حلال ہے یا حرام؟

جواب :۔ گرڑول بھی کرگس کی ایک قسم اور مردار خوار پرندہ ہے جو حرام ہے۔

قبروں پر شیرینی چڑھانا

سوال (۶۸۲) بتوں یا قبروں اور تعزیہ پر شیرینی چڑھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب :۔ اگر صدقہ مقصود نہ ہو بلکہ ان کی خوشامد و چاپلوسی اور نیت تقرب ہو تو حرام ہے ورنہ بہر صورت کراہت ضرور ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی بعض سوالات کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :۔ نہادن طعام پیش تعزیہ وغیرہ تمام شب بلکہ پیش قبور حقیقۃً تشبہ بکفار و بت پرستان است پس ازیں جہت کراہت پیدا می کند انتہیٰ۔

گھوڑے کی حلت وحرمت

سوال (۶۸۳) ائمہ اربعہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ امام شافعیؒ و احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک حلال ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے :۔ نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ واذن فی لحوم الخیل انتہیٰ۔

اور امام اعظمؒ اور امام مالکؒ مکروہ فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور بعض اصحاب حنفیہ کراہت تحریمی کے قائل ہیں اور بعض کراہت تنزیہی کے۔ صاحب کافی نے کراہت تنزیہی کو صحیح لکھا۔ اور مطالب المومنین میں کراہت تحریمی کو صحیح کہا گیا ہے۔

اور تفسیر احمدی میں ہے مفتی کو چاہیے کہ گھوڑے کے تندرست ہونے کی حالت میں جواز کا فتویٰ نہ دے، کیونکہ آلۂ جہاد میں قلت واقع ہوگی۔ لیکن اگر گھوڑا قریب الہلاک ہو تو جواز کا فتویٰ دے دے تاکہ مال مومن ضائع نہ ہو۔

اور کفایۃ المنتہی میں ہے۔ بعض لوگوں نے نقل کیا کہ امام صاحبؒ نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت سے تین روز قبل رجوع کرلیا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کذافی جامع الرموز۔

پان میں چونہ کھانا

سوال (۶۸۴) پان میں کھانے والے چونہ کی مقدار حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ جائز ہے۔ نصاب الاحتساب میں ہے:۔ یباح اکل النورۃ مع الورق الماکول فی دیار الھند لانہ قلیل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذکور لا یحصل بدونہا انتہیٰ۔

چمگادڑ کی حلت وحرمت

سوال (۶۸۵) چمگادڑ حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ اس کا حکم مختلف فیہ ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:۔ ولا یوکل الخفاش لانہ ذوناب انتہیٰ

اور عینی شرح ہدایہ میں ہے:۔ وفیہ نظر لان کل ذی ناب لیس بمنہی عنہ اذا کان لا یصطاد بنابہ انتہیٰ۔

ریشم کے کیڑے کا حکم

سوال (۶۸۶) ریشم کا وہ کیڑا جس میں ابھی تک جان نہیں پڑی حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ حلال ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:۔ ولا باس بدود الزنبور قبل ان ینفخ فیہ الروح لان ما لا روح لہ لا یسمی میتۃ انتہیٰ۔

گردہ کھانا

سوال (۶۸۷) گردہ مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مکروہ نہیں۔ مدارج النبوۃ میں ہے:۔ در حدیث عبدالرحمٰن بن ابی بکر آمدہ است بودیم ما باآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدوسی تن ذکر کرد کہ خمیر کردہ شد یک صاع از طعام وساختہ شد کہ سرگوسفند پس بریاں کردہ شد سواد بطن شاۃ یعنی جگرو دل وگردہ وآنچہ درمیان شکم باشد وبخدا سوگند نبود ہیچ یکے ازیں صدوسی تن مگر آنکہ برید آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازاں پارہ برائے وے پس گردانید ازاں شاۃ دو کاسۂ بزرگ از طعام پس خوردیم ما ہمہ وباقی ماند آنچہ در دو کاسہ بود پس برداشتیم آں را بر شتر انتہیٰ۔

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ مذکور ہے:۔ در حدیث ترمذی آمدہ است کہ گفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطیب اللحم وبعضے گفتہ اند کہ محبت لحم ذراع ازاں جہت بود کہ ابعد است از مواضع نجاست ومویداں توجیہ است آنچہ روایت کردہ شدہ است کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکروہ پنداشت کلیتین یعنی گردہا را از جہت قرب آنہا بمکان بول اما حافظ عراقی گفتہ کہ اسناد ایں حدیث ضعیف است انتہیٰ۔

فیل مرغ کا حکم

سوال (۶۸۸) فیل مرغ حلال ہے یا حرام؟۔

جواب:- حلال ہے۔ کیونکہ دانہ کھاتا ہے۔ ایسا شکاری نہیں کہ پنجہ سے شکار کرنے کا عادی ہو اور نہ مردار خوار ہے اور محض مشابہت صوری سبب حرمت نہیں ہو سکتی۔ خرگوش اور گورخر بھی اسی وجہ سے حلال ہے۔

جریث مچھلی اور جھینگے کا فرق

سوال (۶۸۹) جریث مچھلی جھینگے ہی کو کہتے ہیں یا دوسری قسم ہے اور جھینگے کا کیا حکم ہے؟

جواب:- جریث اور جھینگہ دو علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں۔ صاحب در مختار جریث کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ سمک اسود انتہی۔ اور اصحاب لغت کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اربیان یعنی جھینگہ مچھلی کی ایک نوع ہے مثل دود۔

صحاح میں ہے:- الاربیان بکسر الھمزۃ ضرب من السمک بیض کالدود یکون بالبصرۃ انتہی

اور صراح میں ہے:- اربیان نوعے از ماھی انتہی۔

اور صاحب منتہی الارب تحریر فرماتے ہیں:- اربیان نوعے از ماہی است کہ آنرا بہندی جھینگا می گویند۔ لہذا نوع سمک ہونے کی وجہ سے بمقتضائے قاعدہ متون اور حلت جمیع اقسام سمک بغیر ذبح کیے حلال ہوگا مگر بعض فقہاء نے حرام قرار دیا اور کہا کہ مچھلی کے ساتھ مشابہ نہیں بلکہ ایک دریائی کیڑا ہے۔

پیلو کھانا

سوال (۶۹۰) پیلو پرندہ کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب: تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ پیلو پرندہ ہے جس کو حیدرآباد دکن میں پیلک بھی کہتے ہیں۔ قد میں سارک کے برابر، زرد رنگ ہوتا ہے اور دونوں بازوؤں پر سیاہی ہوتی ہے اصل غذا دانہ ہے اور حشرات الارض سے کھٹملوں کو بھی کھاتا ہے۔ پنجہ سے شکار نہیں کرتا اور نہ مردار خوار ہے اس لیئے اس کے حلال ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

کافر کے ساتھ کھانا کھانا

سوال (۶۹۱) دسترخوان کے ایک طرف مسلمان کھانا کھا رہے ہیں اور اسی دسترخوان کے دوسری جانب ایک کافر بھی بیٹھا ہوا اپنے برتن میں کچھ کھا رہا ہے۔ موجودہ صورت سے مسلمان کے اسلام میں کوئی نقص آئے گا یا نہیں؟

جواب:- نقصان نہیں آنے کا۔ مگر ہمیشہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ عالمگیریۃ میں ہے:- ولم یذکر محمدؒ الاکل مع المجوس ومع غیرہ من اھل الشرک انہ ھل یحل ام لا وحکی عن الحاکم الامام عبد الرحمٰن الکاتب ان ابتلی بہ المسلم مرۃ او مرتین فلاباس بہ واما الدوام علیہ فیکرہ کذا فی المحیط انتہی۔

افیون کھانے کا حکم

سوال (۶۹۲) سراج المنیر میں افیون کو حلال قرار دیا ہے۔ اس بارہ میں تحقیقی حکم کیا ہے؟

جواب: افیون بلا عذر کھانا حرام ہے۔ اباحت اور جواز کی ایک روایت ہے مگر غیر معتبر، در مختار میں ہے: ویحرم اکل البنج والحشیشۃ وھی ورق القنب والافیون لانہ مفسد للعقل ویصد عن ذکر اللہ تعالیٰ وعن الصلوٰۃ

لکن دون حرمۃ الخمر فان اکل شیئاً من ذلک لاحد علیہ وان سکر منہ بل یعزر بما دون الحد کذا فی الجوھرۃ انتھی

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ ولا یجوز اکل البنج والحشیش والافیون وذلک کلہ حرام لانہ یفسد العقل لکن تحریم ذلک دون تحریم الخمر فان اکل شیئاً من ذلک لاحد وان سکر منہ کما اذا شرب البول او اکل الغائط فانہ حرام ولاحد علیہ فی ذلک بل یعزر بما دون الحد کذا فی الجوھرۃ النیرۃ انتھی۔

اور شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری نے بحث مسواک میں حدیث بیان فرمائی:۔ ان فی الافیون سبعین مضرۃ اقلھا نسیان الشھادۃ عند الموت انتھی۔

افیون مریض کے لیئے

سوال (۶۹۳) بیمار کے لیئے افیون کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر یقین ہو جائے کہ افیون کے ماسوا کسی حلال دوا سے شفا یاب نہ ہوگا اور افیون سے آرام ہو جائیگا تو پھر بلا کراہت کھانا جائز ہے اور اگر دوسری شفا بخش دوائیں بھی موجود ہیں تو پھر مکروہ ہے لیکن اگر افیون سے شفا پانے کا یقین نہ ہو تو جائز نہیں۔ نصاب الاحتساب میں ہے:۔ التداوی بالخمر او بحرام اخر ان لم یتیقن فیہ بالشفاء فلا یجوز بلا خلاف لان الحرمۃ یتیقن لا تترک بالشک وان یتیقن بالشفاء فیہ ولہ دواء سواہ ایضا لا یجوز ایضا لعدم تحقق الضرورۃ وان یتیقن بالشفاء فیہ ولا دواء لہ سواہ قیل لا یجوز لقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان اللہ تعالیٰ ما جعل شفاءکم فیما حرم علیکم وقیل یجوز قیاسا علی شرب الخمر حالۃ العطش والجواب عن الاثر انہ لم یبق محرماً فلا یکون الشفاء فی الحرام انتھی۔

کھجور اور نارجیل کی تاڑی

سوال (۶۹۴) سیندھی اور نارجیلی تاڑی حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ تاڑی سیندھی ہو یعنی درخت کھجور سے نکلی ہوئی یا نارجیلی بقدر نشہ آور حرام ہے۔ ابوداؤد ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں:۔ قالت نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر انتھی

اور امام اعظم حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں:۔ انہ قال علیہ السلام کل مسکر حرام ان علی اللہ عھداً لمن یشرب المسکر الحدیث انتھی۔

یہ قاعدہ ہے کہ جس شے کی کثیر مقدار مسکر ہوتی ہے تو قلیل مقدار بھی حرام ہوتی ہے خواہ نشہ پیدا نہ کرے۔ احمد، ابن ماجہ، دارقطنی بیان کرتے ہیں:۔ عن ابن عمرؓ انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام انتھی۔

اور عینی شارح کنز فرماتے ہیں:۔ قال محمدؒ والثلثۃ کل ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان انتھی۔

جائفل کھانا

سوال (۶۹۵) جائفل کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ حرام ہے۔ درمختار میں ہے:۔ وکذا تحریم جوزۃ الطیب لکن دون حرمۃ الحشیش انتھی۔

نوٹ:۔ جائفل کو مخدر عقل کہا جاتا ہے مسکر نہیں ہے اس لیے تھوڑی مقدار حرام نہ ہوگی۔ بلکہ اگر کثیر مقدار میں کھائی جائے جس کی وجہ سے طبیعت میں کسل اور سستی محسوس ہونے لگے تو حرام ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم، خورشید عالم۔

بھنگ پینا

سوال (۶۹۶) بھنگ جس کو فقہاء ورق القنب اور حشیشہ کہتے ہیں حلال ہے یا حرام۔ اور اسی طرح پاک ہے یا ناپاک؟

جواب:۔ حرام ہے یا اس وجہ سے کہ مخدر اور مفتر عقل ہے۔ امام احمدؒ اپنی مسند میں اور ابو داؤد اپنی سنن میں روایت بیان کرتے ہیں:۔ عن ام سلمۃؓ قالت نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر انتہی اور یا اس کے سکر کی وجہ سے۔

اور امام نووی فرماتے ہیں کہ بھنگ کی تھوڑی مقدار جو نہ مخدر عقل ہے اور نہ مسکر، حرام نہیں ہے اور زرکشی امام مسلم کے پیچھے پڑ گئے اور کہا حدیث صحیح میں وارد ہے:۔ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔

اور ابن دقیق العید فرماتے ہیں افیون اور بھنگ کے پاک ہونے پر اجماع ہے اور جوز الطیب بھی پاک ہے۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ

گانجا پینا

سوال (۶۹۷) افیون، گانجا اور تاڑی پینا حرام ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ مذکورہ تینوں چیزیں مسکر اور حرام ہیں۔ احادیث صحیحہ میں وارد ہے:۔ کل مسکر حرام

اور دوسرا قول:۔ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ قال محمدؒ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام وھو نجس ایضا قالوا وبقول محمدؒ ناخذ انتہی

تاڑی اور شراب پینا

سوال (۶۹۸) تاڑی اور ہر وہ شراب جس کی کثیر مقدار مسکر ہو پینا اور نان پاؤ کھانا جس کا خمیر تاڑی سے بنتا ہے حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ مذکورہ تینوں چیزیں حرام ہیں، اگرچہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بعض شرابوں کی صرف نشہ آور مقدار حرام ہے اور نشہ نہ پیدا کرنے والی حرام نہیں مگر امام محمدؒ کے نزدیک مسکر کی کثیر و قلیل مقدار مطلقاً حرام ہے اور یہی قول معتبر ہے روایۃً بھی اور درایۃً بھی۔

خزانۃ المفتین میں ہے:۔ ذکر فی شرح مجمع البحرین الصحیح ما ذھب الیہ محمدؒ انتہی۔

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ الفتویٰ علی قول محمدؒ انتہی۔

اور ملتقی الابحر میں ہے:۔ والکل حرام عند محمدؒ وبہ یفتی والخلاف انما ھو عند قصد التقوی ولما عند قصد التلھی فحرام اجماعا انتہی۔

اور زیلعی تبیین شرح کنز میں فرماتے ہیں :۔ الفتوی الیوم علی قول محمدؒ حتی یحد من یسکر من الخمر المتخذۃ من الحبوب والعسل واللبن والتین انتہی

اور رمز الحقائق شرح کنز میں ہے :۔ قال محمدؒ والثلثۃ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام من ای نوع کان لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وکل خمر حرام رواہ مسلم وعن ابن عمرؓ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ رواہ احمد وابن ماجۃ والدارقطنی وصححہ والفتوی علی قول محمدؒ والاختلاف فیما اذا قصد بہ التقوی دون التلہی۔ وان قصد بہ التلہی فھو حرام بالاجماع انتہی۔

اور فتاوی بزازیہ میں ہے :۔ قال محمدؒ قلیلہ وکثیرہ حرام قالوا وبقول محمدؒ ناخذ انہ حرام ومذھب محمدؒ انہ حرام ونجس کما ھو مذھب مالکؒ والشافعیؒ واحمدؒ وابی داؤد واذا کان شربہ للھو فقلیلہ وکثیرہ حرام اتفاقاً کما ھو المعتاد فی ھذا الزمان بین الانام یجتمعون علی ھذہ المسکرات کاجتماعھم علی الخمر انتہی۔

اور ابوالمکارم شرح مختصر وقایہ میں فرماتے ہیں :۔ قال الفقیہ ابواللیث وبقول محمدؒ ناخذ وفی الخلاصۃ ان الفتوی علی قول محمدؒ۔

اور کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے :۔ ذکر فی الفتوی ان الفتوی علی قول محمدؒ کذا ذکرہ الامام المحبوبی انتہی

اور فصیح الدین ونظامی ہروی شرح وقایہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔ ثم ان فی مجمع البحرین ان الصحیح فی کل اشربۃ قول محمدؒ وفی النھایۃ ان الفتوی علی قول محمدؒ فی الخلاصۃ قال الفقیہ ابواللیث وبقول محمدؒ ناخذ وعلیہ الفتوی وفی الواقعات الحسامیۃ وبقول محمد ناخذ انتہی

اور جامع الرموز میں ہے :۔ ان شرب نبیذ الحبوب والحلاوات بشرط حلال عند الشیخین فلا یحد السکران منہ ولا یقع طلاقہ وحرام عند محمدؒ فیحد ویقع کما فی الکافی وعلیہ الفتوی کما فی الکفایۃ

اور شرح مختصر وقایہ میں الیاس زادہ رومی لکھتے ہیں :۔ الشیخ الخسروانی ذکر ان الفتوی علی قول محمدؒ انتہی

اور تنویر الابصار میں ہے :۔ وحرمھا محمدؒ مطلقا وبہ یفتی انتہی۔

اور در مختار میں ہے :۔ قولہ غیرہ کصاحب الملتقی والمواھب والکفایۃ والنھایۃ والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقھستانی والعینی حیث قالوا الفتوی فی زماننا بقول محمدؒ لغلبۃ الفساد انتہی۔

اس کے علاوہ بھی دیگر کتب معتبرہ متون وشروح اور فتاوی میں اس قسم کے مؤیدات ہیں۔ جبکہ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بمذہب مفتی بہ ہر مسکر کی کثیر وقلیل مقدار حرام ہے تو تاڑی کے ایک قطرہ اور زائد مسکر مقدار کی حرمت میں کوئی شبہ نہ رہا اور اسی طرح تاڑی کی نجاست اور نان پاؤ کی حرمت میں کوئی شبہ نہ رہا جس کا خمیر تاڑی سے بنتا ہے۔ اور بعض علماء کے ذہن میں جو راسخ ہے کہ اس مسئلہ میں قول شیخین معتبر ہے وہ محض اس بنا پر کہ متون میں اس کا ذکر ہے اور اصحاب متون کا قول اصحاب شروح وفتاوی کے قول پر مقدم ہوتا ہے۔ یہ خیال ان کا باطل ہے۔ کیونکہ مسئلہ مذکورہ متون حنفیہ کے میں تین مسلک ہیں :۔

(۱) اصحاب متون نے قولِ شیخینؒ اور قولِ محمدؒ دونوں کو ذکر کیا۔

(۲) اور بعض اصحاب متون نے قولِ محمدؒ پر فتوی کو صراحۃً ذکر کیا۔

(۳) اور بعض نے صرف قولِ شیخین کے ذکر پر اکتفا کیا یہ جو مشہور ہے کہ قول اصحاب متون مقدم ہے وہ بھی مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ شراح وغیرہ نے اس کے خلاف فتوی نہ دیا ہو اور اسی طرح مشہور ہے کہ مسائل ظاہر الروایہ مقدم ہوا کرتے ہیں مسائل نوادر پر لیکن وہ بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے

تنقیح فتاوی حامدیہ میں مرقوم ہے:۔ قد ذکروا ان ما فی المتون مصحح التزاما ای التزام اصحاب المتون ان یذکروا فیہا الصحیح وان تصحیح الصحیح اقوی من التصحیح التزاما انتہی

اور رد المحتار میں ہے:۔ فیکان احد القولین ظاہر الروایۃ والاخر غیرہا فقد صرحوا اجمالا بانہ لا یعدل عن ظاہر الروایۃ فہو ترجیح ضمنی فلا یعدل عنہ بلا ترجیح صریح لمقابلہ وکذا لو کان احد القولین فی المتون او الشروح او کان قول الامام او کان ہو الاستحسان انتہی۔

لہٰذا مسئلہ مذکورہ میں اگرچہ قولِ شیخینؒ کتب ظاہر الروایۃ اور متون میں مذکور ہے لیکن جب شراح معتبرین اور مشائخ معتمدین نے قولِ محمدؒ پر فتوی دیا تو اربابِ متون کے ذکر کرنے کی وجہ سے ترجیح ضمنی کا کوئی اعتبار نہ رہا۔ اور بعض مشائخ کا یہ قول کہ یہ فتوی خلاف رسم مفتی ہے کا بالکل لغو ہے۔ قاضی خاں کی موجودہ عبارت:۔ان کانت المسئلۃ مختلفا فیما بین اصحابنا فان کان مع ابی حنیفۃؒ احد صاحبیہ یاخذ بقولہما لوفور الشرائط واجتماع ادلۃ الصواب فیہما، بالکل لغو ہو جاتا ہے چند وجوہ کی بنا پر:۔

وجہ اول:۔ صرف شیخینؒ یا طرفینؒ کے مذہب پر افتا کا التزام کر لینا صرف اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ دونوں مساوی فی الدلیل ہوں لیکن اگر کسی ایک قول کی دلیل قوی ہوگی تو اس قول پر فتوی دینا لازم وضروری ہے خواہ شیخین کے خلاف ہو یا طرفین کے۔ ہاں اگر کوئی مفتی نظر فی الدلیل کی اہلیت ہی نہیں رکھتا تو اس کے لیے بجز اختیار ترتیب کے کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:۔ الاصح کما فی السراجیۃ وغیرہا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن بن زیاد وصحح فی الحاوی القدسی قوۃ المدرک انتہی۔

دوسری جگہ ہے:۔ قال الحلبی الذی یظہر فی التوفیق ای بین ما فی الحاوی وما فی السراجیۃ ان من کان لہ قوۃ ادراک لقوۃ المدرک یفتی بالقول القوی المدرک ای الدلیل والا فالترتیب انتہی۔

اور یہی مفہوم ہے سراجیہ کی عبارت کا:۔ والاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتہداً فہو صریح فی ان المجتہد یعنی من کان اہل النظر فی الدلیل یتبع من الاقوال ما کان اقوی دلیلا والا اتبع الترتیب السابق انتہی۔

اور معلوم ہے کہ مسئلہ مذکورہ میں قولِ محمدؒ کی دلیل قوی ہے۔ لہٰذا قولِ محمدؒ پر مشائخ کا فتوی دینا رسم مفتی کے موافق ہے کیونکہ اکثر مشائخ نظر فی الدلیل کی اہلیت رکھتے تھے اور دلائلِ طرفینؒ کی تنقیح کرنے اور ادلہ قولِ محمدؒ کی قوت کے ظاہر ہونے کے بعد فتوی دیا ہے۔

وجہ ثانی۔ اگر رسم مفتی مذکور علی الاطلاق درست ہو تو لازم آتا ہے کہ امام اعظمؒ کے خلاف قولِ زفرؒ پر بھی مشائخ کا فتویٰ معتبر نہ ہو حالانکہ یہ خلاف اجماع ہے۔ ردالمحتار میں ہے:۔ وعن هذا تراهم قد يرجحون قول بعض صحابه على قوله كما رجحوا قول زفر وحده في سبع عشرة مسئلة۔ فنتبع ما رجحوه لانهم اهل النظر في الدليل انتهى۔

وجہ سوم:۔ اربابِ نظر وترجیح مشائخ کے فتویٰ دینے کے بعد مفتیوں کو چون وچرا کرنے کی مجال نہیں بلکہ سر تسلیم خم کردینا ان کے لیے لازم وضروری ہے۔ درمختار میں ہے:۔ واما نحن فعلينا اتباع ما رجحوه وصححوه كما لو افتوا في حياتهم انتهى۔

اور علامہ قاسم ابن قطلوبغا اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ الناس بين مقلد محض ومقلد له اهلية النظر فعلى الاول اتباع ما صححه المشائخ والثاني له الترجيح والتصحيح انتهى۔

اور بعض اہل علم کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ ہر مسکر کی کثیر وقلیل مقدار کی حرمت کے بارہ میں مشائخ کا فتویٰ صرف قولِ محمدؒ پر نہیں بلکہ بقولِ شیخین بھی ہے۔ کیونکہ یہ فتویٰ ان لوگوں کے حق میں ہے جو محض لہو ولعب اور سکر کے لیے پیتے ہیں لیکن جو لوگ علاج یا تقویت کے لیے پیتے ہیں ان کے لیے نہیں۔ یہ خیال بہت عجیب وغریب ہے کیونکہ رمز الحقائق اور ملتقی الابحر وغیرہ کی عبارتوں سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ تلہی وسکر کے ارادہ سے پینا بالاتفاق حرام ہے لہٰذا اس صورت میں قولِ محمدؒ پر فتویٰ دینے کے کیا معنیٰ۔ امام محمدؒ اور شیخینؒ کا اختلاف بقصد تداوی وتقوی پینے میں ہے۔ اور اسی اختلافی صورت میں مشائخ نے قولِ محمدؒ پر فتویٰ دیا۔ لہٰذا یہ فتویٰ قولِ شیخینؒ کے خلاف پر دیا گیا۔ اور یہ حقیقت ہر ایک ادنیٰ طالب علم پر واضح ہے چہ جائیکہ اساتذہ اور شیوخ پر اور بعض مدعیانِ علم کا دعویٰ کہ فتویٰ ہمیشہ نرمی اور سہولت پر اور عمل آسانی پر ہوا کرتا ہے اس لیے قولِ امام محمد ضیق وتنگی کی وجہ سے غیر معتبر ہے بالکل غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ اگر یہ مراد ہے کہ ہر جگہ فتویٰ اور عمل آسانی پر ہونا چاہیے خواہ دلیل ضعیف ہی ہو تو یہ عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ حاوی قدسی کی عبارت میں گذر چکا کہ افتا میں قوتِ دلیل کا اعتبار رہتا ہے۔

ابن ہمام فتح القدیر میں اور حلبی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں تحریر فرماتے ہیں:۔ لا ينبغي ان يعدل عن الدراية اذا وافقها رواية انتهى

اور بیری زادہ شرح اشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:۔ قال ابن الشحنة في شرح الهداية اذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث ويكون ذلك مذهبه ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا فقد صح عن الامام ابي حنيفةؒ اذا صح الحديث فهو مذهبي انتهى۔

اور اگر مراد یہ ہو کہ اکثر جگہوں میں فتویٰ اور عمل رفق وسہولت پر ہونا چاہیے تو یہ معنیٰ مفید نہیں۔ کیونکہ اس جگہ سہولت نہ ہونے سے تمام جگہ کی نفی نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اگر ہر جگہ رفق وسہولت کا اعتبار ہو تو لازم آئے گا کہ جماعت کو مستحب کہا جائے۔ واجب یا سنتِ مؤکدہ نہ کہا جاوے۔ اور اشعار حجاج کے مسئلہ میں اشعار بدنہ کی کراہت کے لیے امام صاحبؒ کا قول اختیار کیا جائے اور دف کے علاوہ بھی تمام مزامیر، طبلہ، عود وبربط وغیرہ میں حلت وجواز کا قول

اختیار کیا جائے۔ اور یہ قول وہی شخص کر سکتا ہے جو سید المرسلین ؐ کے اقوال سے معرض اور دنیا کے لہو و لعب میں مشغول ہو۔ علاوہ ازیں عسر و یسر کا اعتبار اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ ایک مسئلہ میں اقوال مختلفہ غیر مرجحہ جمع ہو جائیں لیکن جس صورت میں مشائخ نے کسی ایک قول کو ترجیح دے دی ہو تو اس وقت ان کے فتوی کو معتبر ماننا لازم و ضروری ہے۔

در مختار میں ہے:۔ ومانحن فیہ فعلینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کما لو افتوا فی حیاتھم فان قلت قد یحکون اقوالا بلا ترجیح قلت یعمل بمثل ما عملوا بہ من اعتبار تغیر العرف واحوال الناس وما ھو الارفق وما ظھر علیہ التعامل وما قوی وجھہ انتہی۔

اور جو لوگ اعتبار رفق و یسر پر بقول صاحب قنیہ ینبغی للمفتی ان یفتی للناس بما ھو اسھل علیھم اور بقول صاحب کشف بزدوی یستحب للمفتی الاخذ بالرخص تیسیرا علی العوام انتہی استدلال کرتے ہیں وہ علمائے حنفیہ کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ ان کی اصطلاح میں مفتی بمعنی مجتہد ہوتا ہے۔

قاسم بن قطلوبغا اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:۔ اعلم ان مشایخنا یطلقون لفظ المفتی علی من لہ نوع اجتھاد فی المذھب ویطلقون علی اشالھا لفظ المتفقہ انتہی۔

اور بعض فضلاء جو کہتے ہیں کہ مسئلہ مذکورہ میں حنفیہ کی ایک جماعت نے قول شیخین کو صحیح قرار دیا۔ چنانچہ خزانۃ المفتین میں ہے:۔ وفی الھدایۃ والنھایۃ وفتاوی قاضی خان وظھیر الدین والخلاصۃ وفتاوی الکبری وفتاوی اھل سمرقند والحمیدی ان الاصح ما علیہ ابو حنیفۃ وابو یوسف انتہی۔

لہذا اس تصحیح کا اعتبار کرنا چاہیے نہ تصحیح قول محمد ؒ کا۔ فضلاء کا یہ قول باطل ہے بچند وجوہ:۔

وجہ اول:۔ قول محمد ؒ کو ترجیح دینے والے کثیر ہیں۔ بہ نسبت مرجحان قول شیخین کے چنانچہ کتب فقہیہ کے ماہرین پر مخفی نہیں لہذا قول محمد ؒ کے مرجحین پر اعتبار کرنا لازم ہے۔

اور تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے:۔ القیاس ان یعمل بما علیہ الاکثر کما نقلہ الشرنبلالی فی شرح امداد الفتاح من باب صلوۃ المریض انتہی

وجہ دوم:۔ قول شیخین ؒ کے مرجحین اکثر اصحاب فتاوی اور قول محمد ؒ کے مرجحین اکثر اصحاب متون ہیں اور ظاہر ہے کہ اصحاب متون و شروح کے اقوال مقدم ہیں اصحاب فتاوی کے اقوال پر۔

وجہ سوم:۔ ترجیح قول محمد ؒ کے الفاظ مثلاً وبہ یفتی وعلیہ الفتوی وغیر ذلک یہ زیادہ مؤکد ہیں ترجیح قول شیخین کے مثل اصح وغیرہ کے مقابلہ میں۔ پس لامحالہ ترجیح قول محمد ؒ مرجح ہوگی۔

اور یہ جو مشہور ہے کہ تصحیح مشائخ کے اختلاف کے وقت مفتی کو اختیار ہوتا ہے یہ صرف اس صورت میں ہے جب کہ دونوں تصحیح مساوی درجہ کی ہوں اور در مختار کے قول من وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسئلۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما انتہی کے تحت رد المحتار میں ہے:۔ ھذا المحمول علی ما اذا لم یکن لفظ التصحیح فی احدھما آکد من الآخر کما افادہ الحلبی ای فلا یخیر بل یتبع الآکد اقول وینبغی تقیید التخییر

اذا لم یکن احد القولین فی المتون اولی وکذا لو کان احدھما فی الشروح والآخر فی الفتاوی لما صرحوا من ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح وما فی الشروح مقدم علی ما فی الفتاوی انتھی۔

اور شرح مقدمہ غزنویہ میں تحریر ہے:۔ ولفظہ الفتوی آکد وابلغ من لفظ المختار انتھی

اور کتاب الہنۃ تنقیح فتاویٰ حامدیہ میں ہے:۔ لفظ الفتوی آکد من لفظ الصحیح انتھی۔

اور رد المحتار میں ہے:۔ مقابل الصحیح والاصح ونحوہ قد یکون ھو المفتی بہ لکونہ ھو الاحوط والارفق بالناس اوالموافق لتعاملھم وغیر ذلک مما یراہ المرجحون فی المذھب داعیا الی الافتاء بہ فاذا صرحوا بلفظ الفتوی فی قول علم انہ الماخوذ بہ ویظھر لی ان لفظ وبہ ناخذ وعلیہ العمل مساو بالفظ الفتوی انتھی۔

فتاویٰ خیریہ میں بھی اسی مضمون کے الفاظ موجود ہیں۔

وجہ چھارم:۔ تصحیح وترجیح کے اختلاف کے بعد قولِ محمدؒ کو قوتِ دلیل اور نصوص صریحہ کے ساتھ ان کی موافقت اپنی جگہ ثابت ہے اس لیے لامحالہ ترجیح قولِ محمدؒ کا اعتبار کرنا ہوگا۔ رد المحتار میں ہے:۔ والحاصل انہ اذا کان لاحد القولین مرجح علی الاخر ثم صحح المشائخ کلا من القولین ان یکون الماخوذ بہ ما کان لہ مرجح لان ذلک المرجح لم یزل بعد التصحیح فتبقی فیہ قوۃ لم توجد فی الآخرۃ انتھی۔

خلاصہ کلام مذکورہ تمام بحث فقہ سے متعلق تھی اور احادیث اس بارہ میں بکثرت موجود ہیں جو ہر مسکر کی قلیل وکثیر مقدار کی حرمت پر دال ہیں بعض صراحۃً اور اشارۃً۔ ان میں سے ایک حدیث کل مسکر خمر وکل خمر حرام بخاری ومسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، بیہقی، مسند احمد، مسند ابویعلی، صحیح ابن حبان، مصنف عبدالرزاق، دارقطنی وغیرہ میں اسانید کثیرہ معتبرہ کے ساتھ مروی ہے۔

اور بعض علماء کا یہ قول کہ اس حدیث پر ابراہیم نخعیؒ نے طعن کیا جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں مذکور ہے:۔ قال ابراھیم النخعی ما یرویہ الناس کل مسکر خمر خطأ لم یثبت انما الثابت کل مسکر حرام وکذا ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام لیس بثابت انتھی۔

اور یحیی ابن معینؒ نے بھی طعن کیا جیسا کہ عنایہ میں مذکور ہے:۔ روی عن یحیی بن معین انہ قال حدیث الثلثۃ لیس بثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی قولہ الثابت کل مسکر حرام انتھی مردود ہے کیونکہ یحیی بن معین کا یہ طعن اگرچہ ہدایہ وعنایہ میں موجود ہے مگر جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی محدث حنفی احادیث ہدایہ کی تخریج میں اس کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔ ھذا الکلام کلہ لم اجدہ فی شئی من کتب الحدیث انتھی۔

نیز نخعی کا طعن مذکورہ ثابت ہونے کے باوجود بھی قادح اور جارح نہیں کیونکہ انھوں نے کل مسکر خمر کا انکار اور کل مسکر حرام کا اثبات کیا ہے اور اتنا ہی استدلال کے لیے کافی ہے۔ علاوہ ازیں جبکہ یہ حدیث اصح الکتاب بخاری اور مسلم میں موجود ہے تو پھر اس کے عدم ثبوت کے کیا معنی۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ نخعی اور ابن معین کو یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ نہ پہنچی ہو اس لیے انکار کردیا۔ لہٰذا حدیث کی متعدد کتابوں سے بروایات معتبرہ حدیث کے

ثابت ہوجانے کے بعد نخعی اور یحییٰ کے اقوال سے احتجاج کرنا علماء کی شان نہیں۔ منجملہ دیگر احادیث کے ایک حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام کہ نسائی ابن ماجہ مصنف عبدالرزاق میں مروی ہے اور اسی قسم کی ایک روایت ابوداؤد و ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے اور ترمذی نے اس کو روایت کرکے حسن کہا ہے۔

اور ایک حدیث سعد ابن ابی وقاصؓ سے نسائی میں مروی ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ما اسکر کثیرہ۔ اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا۔ اور حافظ عبدالعظیم منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں تحریر فرمایا:۔ اجود احادیث الباب حدیث سعد انتہی۔

اور امام نسائی نے روایت کرنے کے بعد فرمایا:۔ فی ھذا الحدیث دلیل علی تحریم المسکر قلیلہ وکثیرہ و لیس ما یقول المخادعون لانفسہم بتحریمہم آخر الاشربۃ وتحلیلہم ما تقدمہا انتہی

اور حضرت علیؓ کی حدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر حرام وما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام جو دارقطنی میں مروی ہے۔ اور ابوداؤد، صحیح ابن حبان، مسند احمد اور ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل مسکر حرام وما اسکر الفرق منہ فملاء الکف منہ حرام۔

اور مسند اسحٰق بن راہویہ اور معجم طبرانی میں ابن عمرؓ سے اور مستدرک حاکم اور دارقطنی میں خوات بن جبیر کی حدیث ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔

احادیث مذکورہ کی ہر مسکر شراب کی قلیل وکثیر مقدار کی حرمت صراحۃً دلالت کرنے کے بعد چون وچرا کی مجال باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ صاحب الشریعۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد کسی کے قول کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور وہ حدیث کہ فقہاء مذہب شیخین کے اثبات کے لیے اس کو پیش کرتے ہیں:۔ حرمت الخمر لعینہا والسکر من کل شراب۔ زیلعی نے احادیث ہدایہ کی تخریج کرتے ہوئے اس کو ضعیف قرار دیا۔ اب صاف طور سے معلوم ہوگیا کہ بعض فقہاء نے حدیث کل مسکر حرام کا جو جواب دیا، مراد اس سے وہ مقدار ہے جس سے سکر پیدا ہوجائے۔ احادیث صریحہ کے ثبوت کے بعد ہر مسکر کی قلیل وکثیر مقدار کی حرمت قابل اعتبار ہے۔ پھر ترجیح قول محمدؒ کے دلائل قواعد فقہیہ وحدیثیہ کے مطابق واضح ہوجانے کے بعد کسی عالم کے لیے جائز نہیں کہ تاڑی کی مقدار اور نان پاؤ کی علت کا فتویٰ دے۔ جب کہ نان پاؤ کا خمیر تاڑی سے بنا ہوا ہو۔ فکل مسئول عنہ یوم القیام لاسیما من اوتی العلم والفقاہۃ

رشوت لینا یا اعانت کرنا

سوال (۹۹۹) رشوت لینے والے اور راشی کو مقرر کرنے والے، مال رشوت لے جانے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اور سبب دخول نار۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی میں عبداللہ

ابن عمرؓ سے روایت ہے:۔ لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی یعنی لینے اور دینے والے کے درمیان جو شخص کمی زیادتی کے لیئے آتا جاتا ہے جس کو عربی میں رائش کہتے ہیں۔ اس کے بارہ میں بھی بیہقی شعب الایمان میں حضرت ثوبانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رائش پر بھی لعنت کی ہے۔ اسی طرح اگر مالِ رشوت اٹھانے والا جانتا ہے کہ یہ مال حرام ہے اور میں فعلِ حرام میں مدد کر رہا ہوں تو وہ بھی ماخوذ ہوگا۔ ارشادِ باری ہے:۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ ہاں اگر اس کو علم نہیں تو پھر مواخذہ نہ ہوگا۔

باب ما یحل استعمالہ وما لا یحل

جھنڈے کا کپڑا استعمال کرنا

سوال (۷۰۰) جھنڈے کا کپڑا سالار مسعود غازیؒ کا اپنے کام میں لے آئے یا صدقہ کرے؟

جواب:۔ بظاہر پارچہ مذکور کا اپنے کام میں ایسے طریقہ پر صرف کرنا کہ موجبِ گناہ ہو مناسب نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ مساکین کو دے دے۔

عورتوں کے لیئے پازیب پہننا

سوال (۷۰۱) عورتوں کے لیئے پازیب پہننا جائز ہے یا نہیں اور آیت:۔

ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن۔ (ترجمہ "اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگھار")

کا شانِ نزول کیا ہے۔ اور اگر عورت ایسے طریقہ پر استعمال کرتی ہے کہ آواز نہیں نکلتی تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ چاندی کا ہر قسم کا زیور زینت کے لیئے پہننا عورت کے لیئے جائز ہے۔ البتہ وہ زیور جس کو پہن کر چلنے سے آواز نکلتی ہو، فتنہ کے خوف سے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اور آیۃ مذکورہ کا نزول بھی اسی بارہ میں ہے۔

معالم التنزیل میں ہے:۔ المرأۃ اذا مشت ضربت برجلھا یسمع صوت خلخالھا فنھیت عن ذلک انتھی

اور تفسیر احمدی میں ہے:۔ روی انہ کانت المرأۃ فی الارض تضرب الارض برجلھا اذا مشت لیعلم الناس انھا ذات خلخال او تضرب احدی رجلیھا علی الاخری فنھاھا اللہ عن ذلک وقال لا یضربن الخ ای لا یضربن علی الارض بارجلھن او باحدی رجلیھا علی الاخری لیتقعقع خلخالھا فیعلم انھا ذات خلخال فان ذلک یورث میلا فی الرجال انتھی۔

اور تفسیر کبیر میں ابن عباسؓ اور قتادہؒ کا تغیر الفاظ کے ساتھ یہی قول مذکور ہے۔

اور سیوطی کی در منثور میں ہے:۔ اخرج عبد بن حمید عن مجاھد ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن

قال الخلخال نہی ان یضرب برجلہا لیسمع صوت الخلخال واخرج ابن ابی حاتم عن ابن مسعود لیعلم ما یخفین من زینتہن قال الخلخال انتہی۔

اور نصاب الاحتساب میں ہے:۔ ما یحتسب علی النساء اتخاذ الجلاجل فی ارجلھن لان اتخاذ الجلاجل فی رجل الصغیرۃ مکروہ ففی المرأۃ البالغۃ اشد کراھۃ لان مبنی حالھن علی الستر وفیہ اظہارھن مع ان من اسباب اللھو۔

اور ابو داؤد ایک حدیث بیان کرتے ہیں نبانہ مولاۃ عبدالرحمن بن حیان انصاری سے:۔ انہا کانت عند عائشۃ اذا دخلت علیہا بجاریۃ علیہا جلاجل یصوتن فقالت لاتدخلہا علی الا ان تقطعن جلاجلہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہا جرس انتہی۔

اور تفسیر احمدی میں عبارتِ مذکورہ کے بعد تحریر ہے:۔ وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یستجیب دعاء قوم یلبسون الخلخال نساء ھم انتہی۔

ناک میں نتھ پہننا

سوال (۷۰۲) ناک میں نتھ پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ درمختار میں ہے:۔ قلت وھل یجوز الخزام فی الانف لم ارہ۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:۔ لم ارہ قلت ان کان مما یتزین النساء بہ کما ھو فی بعض البلاد فھو فیہا کثقب القرط الخ وقد نص الشافعیۃ علی جوازہ مدنی۔

بڑے پائنچہ والا پائجامہ پہننا

سوال (۷۰۳) بڑے پائنچہ والا پائجامہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جیسا کہ بعض بلاد میں یہ فساق کا شعار ہے اگر پہننے سے مقصود فساق کے ساتھ تشبہ اور تکبر وغیرہ نہ ہو اور اسبال بھی نہ ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

کانچ کی چوڑی پہننا

سوال (۷۰۴) عورتوں کو بقصد زینت کانچ کی چوڑی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے کوئی وجہ ممانعت کی نہیں۔

سونے اور چاندی کی بالیاں پہننا

سوال (۷۰۵) کانوں میں سونے یا چاندی کی بالیاں پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سونے اور چاندی کا زیور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ جیسا کہ ابو موسیٰ اشعری کی حدیث سے ثابت ہے اور ابو موسیٰ کی جس حدیث سے سونے کی بالی اور ہار کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہو گئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:۔ نہی در ابتدا بود پس ازاں منسوخ گشت۔ داؤد در سنن خود آوردہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر النساء اما لکن فی الفضۃ ما تحلین بہ انتہی۔

رنگ سرخ وغیرہ کا استعمال

سوال (۷۰۶) بانات سرخ وکھاروا اور پیازی رنگ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا رنگ حرام نہیں بلکہ صرف معصفر حرام ہے۔

باب الانتفاع بعظام المیتۃ وجلدھا

مردار جانوروں کی ہڈیوں سے نفع حاصل کرنا

سوال (۷۰۷) مردار جانوروں کی ہڈیوں سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سلف سے منقول ہے کہ وہ مردار جانور مثلاً ہاتھی کی ہڈیوں اور ان کے اجزاء سے انتفاع کرتے تھے اور کنگھے بناتے تھے۔ بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عاج (ہاتھی دانت) کا کنگھا تھا۔ اور منقول ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے لیے ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید فرمائے۔ عاج کے مختلف معنی کیے جاتے ہیں۔ ہاتھی دانت، دریائی جانور، کچھوا۔ کذا قال الشیخ عبدالحق دھلوی فی جامع البرکات۔

مردار کا چمڑا استعمال کرنا

سوال (۷۰۸) دباغت کے بعد مردار کے چمڑے سے انتفاع جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مردار کا چمڑا دباغت کے بعد پاک اور قابل انتفاع ہو جاتا ہے۔ مگر کھانا جائز نہیں ہوتا، درمختار میں ہے:۔ وینتفع بہ لطھارۃ بغیرالاکل ولو جلد ماکول علی الصحیح سراج لقولہ تعالیٰ حرمت علیکم المیتۃ وھذا جزؤھا انتھی۔

اور طحطاوی تحریر فرماتے ہیں:۔ قولہ ولو جلد ماکول علی الصحیح وقال بعضھم یجوز اکلہ لانہ طاھر کجلد الشاۃ المذکاۃ اما جلد غیر الماکول کالحمار لایجوز اکلہ اجماعا لان الدبغ فیہ لیس باقوی من الذکاۃ وذکاتہ لاتبیح فکذا دبغہ افادۃ المصنف۔

باب اللبس والزینۃ

کامدانی کا کپڑا پہننا

سوال (۷۰۹) استعمال کپڑے کا جو کامدانی سے بنایا جاوے جبہ یا پائجامہ یا کرتا کہ سفید کپڑے پر خالص چاندی کے بوٹے ہوں درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس قسم کا کپڑا پہننا جائز ہے دو شرط سے ایک یہ کہ بوٹے کی لمبائی چار انگشت سے زائد نہ ہو جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:۔ بل المراد قدر اربع اصابع طولاً وعرضاً بان لایزید طول العلم وعرضہ علی ذلک اوالمراد

عرضها فقط وان زاد طوله والمتبادر من کلامهم الثانی۔

دوسرے یہ کہ اس قدر بوٹے کثرت سے قریب نہ ہوں کہ اصل کپڑا اس سے چھپ جاوے اور متوسط مقام سے بالکل کام معلوم ہو جیسا کہ درمختار میں ہے:۔ ظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ولو فی عمامة کما بسطه فی القنیة انتهی۔ ردالمحتار میں ہے:۔ ای الا اذا کان خط منه قزا و خط منه غیره بحیث یری کله قزا فلا یجوز ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحریر تطریزا ونسجا اذا لم تبلغ کل واحدة من نقوشه اربع اصابع وان زادت بالجمع مالم یر کله حریرا قال الطحطاوی وحل حکم المتفرق من الذهب والفضة کذالک تحریرا انتهی۔

یعنی جس کپڑے میں ایسا کامدانی کا کام کثرت سے ہو کہ زمین کپڑے کی معدوم ہو گئی ہو یا کوئی بوٹا چار انگشت سے زائد ہو وہ ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔

زرد اور سنہرے رنگ کا استعمال

سوال (۱۰۱) لباس زرد رنگ یا سنہرے رنگ کا سوائے کسم و زعفران کے رنگے ہوئے کپڑے کے مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں اور بشرط جواز حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے پہنا ہے یا حکم پہننے کا دیا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ زرد رنگ سوائے کسم اور زعفران کے درست ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بعض صحابہ رضی سے زرد کپڑا پہننا ثابت ہے بلکہ بعض روایات میں وارد ہے کہ بعد بیاض کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک رنگِ زرد زیادہ تر محبوب تھا۔

سنن ابوداؤد ونسائی وغیرہ میں مروی ہے:۔ ان ابن عمر رض کان یصبغ لحیته بالصفرة حتی تمتلی ثیابه من الصفرة فقیل لم تصبغ بالصفرة فقال انی رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یصبغ بها ولم یکن شئ احب الیه منها وقد کان یصبغ بها ثیابه کلها حتی عمامته انتهی۔

اور عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریر میں مرقوم ہے:۔ مرد کو سنہرا زعفرانی زرد رنگ کا کپڑا مکروہ تحریمی ہے اور مراد زرد سے مائل بہ سرخی ہے اس لیے کہ پہننا زرد کا وہ حضرت ؐ سے اور بعض صحابہ ؓ سے منقول ہے۔ کذا قال مولانا محمد اسحٰق الدہلوی۔

اور روایت ہے امام محمد رح سے کہ ایام شادی میں زرد رنگ کی رخصت ہے انتہی۔

اور بھی اس میں ہے دوسرا قسم کسم کے رنگ کا وہ جو مخلوط ہو ساتھ زردی کے پس اگر زردی کم ہو اور سرخی کسم کی غالب ہو جیسے نارنجی یا زردی بہ نسبت نارنجی کے زیادہ مگر سرخی سے کم ہو جیسے سنہرہ یا زردی اور سرخی برابر ہوں۔ یہ تینوں درجے حرام ہیں اور اگر زردی غالب اور سرخی کسم کی مغلوب ہو مانند طلائی اور کیسری وغیرہ کے تو درست ہے۔ انتہی۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

نتھ کا پہننا

سوال (۱۱۷) ناک میں نتھ کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ خزام جس کو اہل عرب آجکل زمام کہتے ہیں جائز ہے۔ کیونکہ دیگر لباس اور زیورات کے مانند اس کے بھی پہننے کی عادت ہوگئی اس لیے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگرچہ یہ بعد کی ایجاد ہے جس کو بدعت کہتے ہیں۔ جو عبادات اور دینی امور میں مذموم ہوتی ہے۔ مگر امور عادیہ اکل و شرب وغیرہ میں مذموم نہیں ہوتی۔ کیونکہ کرنے والے کا مقصد تقرب الی اللہ نہیں ہوتا۔ بلکہ محض استعمال مقصود ہوتا ہے۔ هکذا فی الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ۔ وقال الطحطاوی ثقب الانف علی ثقب الاذن للقراط کما نقلہ صاحب ردالمحتار تحت قول صاحب الدر وھل یجوز الخزام فی الانف لمارہ قلت ان کان مما تزین النساء بہ کما ھو فی بعض البلاد فھو فیھا کثقب القراط۔

ان مذکورہ عبارات سے ناک میں سوراخ کرنے اور نتھ پہننے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ محمد حسن

ناک میں سوراخ کرنے سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے اور علماء نے جواز کو صراحۃً بیان کیا۔ درمختار میں ہے:

ولا بأس ثقب اذن البنت استحسانا ملتقط قلت وھل یجوز الخزام فی الانف لمارہ انتھیٰ۔

اور ردالمحتار میں عبارۃ طحطاوی کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔ ونص الشافعیۃ علی جوازہ انتھیٰ

ابوالحسنات محمد عبدالحی

عورتوں کے لیے سونے کی حرمت

سوال (۷۱۲) ابوداؤد اور نسائی نے باب الذھب للنساء کے تحت جو حدیثیں بیان کیں جن سے عورتوں کے لیے سونے کے استعمال کی حرمت معلوم ہوتی ہے وہ صحیح ہیں یا نہیں۔ اور اگر صحیح ہیں تو جمہور کے پاس ان کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ روایات صحیحہ معتبرہ کثیر مقدار میں سونے کے استعمال کی حلت و جواز کو ثابت کرنے والی ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری کی حدیث نسائی، احمد، طبرانی، ترمذی نے بیان کی:۔ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حرم لباس الذھب والحریر علی ذکور امتی واحل لاناثھم۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا۔

حضرت علیؓ کی حدیث، احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے روایت کی: ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اخذ حریرًا فجعلہ فی یمینہ واخذ ذھبا فجعلہ فی شمالہ ثم قال ان ھذین حرام علیٰ ذکور امتی۔

اور روایت ابن ماجہ میں ہے:۔ وھی حل لاناثھم۔

اور عبدالحق نے ابن المدینی سے نقل کیا:۔ ھذا حدیث حسن ورجالہ معروفون۔

اور ایک حدیث عقبۃ بن عامر کی سنن بیہقی میں ہے:۔ سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول الحریر والذھب حرام علیٰ ذکور امتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص الحبیر میں فرمایا :۔ اسنادہ حسن۔
منجملہ احادیث کے ایک حدیث عبداللہ بن عمرؓ کی مسند بزار، مسند ابویعلی، سنن ابن ماجہ اور معجم طبرانی میں اور ایک حدیث زید بن ارقم کی معجم طبرانی وکتاب الضعفاء للعقیلی وکتاب الضعفاء لابن حبان میں اور ایک حدیث واثلہ بن اسقع کی معجم طبرانی میں اور عبداللہ بن عباسؓ کی مسند بزار میں مروی ہے۔ اور یہ تمام احادیث اس بات پر دال ہیں کہ سونے کی حرمت صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ اور بعض اسانید کا ضعف طرق سابقہ کے حسن وصحت کے بعد کوئی مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ اور وہ احادیث جو ممانعت اور عدم جواز پر دال ہیں ان کے ذکر کرنے کے بعد حافظ عبدالعظیم منذری فرماتے ہیں :۔ ھذہ الاحادیث التی ورد فیھا النھی والوعید عن تحلی النساء بالذھب یحتمل وجوھا احدھا انہ منسوخ فانہ قد ثبت اباحۃ تحلی النساء بالذھب الثانی ان ھذا حق من لایودی زکاتہ دون من اداھا ویدل علیہ حدیث عمرو بن شعیب وعائشۃ واسماء الثالث انہا فی حق من تزینت بہ واظہرتہ ویدل علیہا ما رواہ النسائی وابوداؤد عن اخت حذیفۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا معشر النساء اما لکن فی الفضۃ ما تحلین بہ اما انہ لیس منکن امرأۃ تحلی ذھبا وتظہرہ الا عذبت الرابع من الاحتمالات انہ انما منع منہ فی حدیث الاسورۃ والفتخات لما رای من خلط فانہ مظنۃ الفخر والخیلاء وبقیۃ الاحادیث محمولۃ علی ھذا انتہی۔

بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا

سوال (۱۳۱۷) عمدۃ التحریر کی عبارت ہے :۔ اور کبھی آپؐ ٹوپی کو عمامہ کے نیچے رکھتے اور کبھی عمامہ بے ٹوپی کے باندھتے تھے جس سے دونوں طریقوں کا ثبوت اور جواز معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ حدیث ہے فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس انتہی۔ جس کا مفہوم ہے کہ بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا مشرکین کا طریقہ ہے۔ اب مسئلہ کا اصل حکم کیا ہے؟۔

جواب :۔ عمدۃ التحریر میں مذکورہ عبارت منقول ہے اور ناقل پر تصحیح نقل کے ماسوا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوتا۔
سفر السعادۃ میں ہے :۔ وآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گاہ عمامہ بے کلاہ می پوشید وگاہ با کلاہ انتہی۔
اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رسالہ احکام اللباس میں تحریر فرماتے ہیں :۔ وگاہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لاطیہ را بزیر عمامہ پوشیدے وگاہ عمامہ بے لاطیہ بستے۔ انتہی
اور سوال میں ذکر کردہ حدیث صحاح کی ہے اور ابوداؤد اور ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ لیکن اس کے بارہ میں ترمذی کا خیال ہے :۔ ھذا حدیث غریب واسنادہ لیس بالقائم انتہی۔
اور علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں :۔ قال السخاوی ھو واہ انتہی۔
اس کے باوجود حدیث کی دلالت اس معنی پر کہ عمامہ بغیر کلاہ مشرکین کا لباس ہے اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ فرق ما بیننا الحدیث کا مفہوم یہ لیا جائے کہ ہم عمامہ ٹوپی پر اور مشرکین بغیر ٹوپی کے باندھتے ہیں۔ چنانچہ طیبی شرح

مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :۔ نحن نتعمم علی القلانس وھم یکتفون بالعمائم انتہی۔

اور اگر حدیث کا یہ مفہوم لیا جائے اور فرق اس طرح بیان کیا جائے کہ ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں اور وہ لوگ صرف ٹوپی اوڑھتے ہیں تو عمدۃ التحریر کی عبارت سے مخالفت نہ رہے گی اور اسی دوسری صورت کو صاحب فتح الودود نے اختیار کیا، فرماتے ہیں :۔ ای انھم یکتفون بالقلانس وبہ صرح القاضی ابوبکر فی شرح الترمذی ویحتمل عکسہ انتہی۔

اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں فرمایا :۔ وقال ابن العربی ای ان المسلمین یلبسون القلنسوۃ و فوقھا العمائم اما لبس القلنسوۃ وحدھا فزی المشرکین انتہی۔

اور امیر المومنین حضرت علیؓ سے بروایت ابن ابی شیبۃ ایک حدیث اسی معنی کی مؤید ہے فرماتے ہیں :۔ ان العمامۃ حاجز ای ممیز بین المسلمین لانھم یتعممون والمشرکین لاعمائم لھم کذا قال الزرقانی انتہی۔

عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا

سوال (۱۴۱) عورتوں کو پیشانی کے بال چننا اور کاٹنا زینت وکشادگی پیشانی کے خاطر اور مردوں کا لباس قمیص وصدری وغیرہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ عورت کے لیئے سر کے بال چننا اسی طرح ناجائز ہیں جیسا کہ مرد کے لیئے ڈاڑھی کے بال چننا۔ اور زینت اگرچہ عورتوں کے لیئے جائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اصل تخلیق اور صورت کو بھی بدل دیا جائے اور مردوں کا مخصوص لباس عورتوں کے لیئے پہننا تشبہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

نصاب الاحتساب میں ہے :۔ وذکر فی النوازل فی کتاب النکاح سئل ابوبکر عن امرأۃ قطعت شعرھا قال علیھا ان تستغفر اللہ وتتوب ولا تعود الی مثلہ قیل فان فعلت ذلک باذن زوجھا قال لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق قیل لہ لم لا یجوز ذلک لھا قال لانھا شبھت نفسھا بالرجال وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال ولان الشعر للمرأۃ بمنزلۃ اللحیۃ للرجل فکما لا یحل للرجل ان یقطع لحیتہ فکذلک لا یحل للمرأۃ ان تقطع شعرھا۔

اور مجمع البرکات میں ہے :۔ تشبہ المرأۃ بالرجال مکروہ کذا فی الکبری والظھیریۃ انتہی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

ڈاڑھی کی جگہ استرہ لگانا

سوال (۱۵۰) بال نکلنے سے پہلے ڈاڑھی کی جگہ استرہ لگانے اور پھیرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ بال نکلنے سے پہلے دیگر اعضاء کی طرح یہاں بھی اجازت ہی ہوگی، البتہ ترک اولیٰ ہے۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

باب السلام والمصافحة

ہاتھوں کو بوسہ دینا

سوال (۱۶۷) کسی شخص کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- تعظیم وتبرک کے طور پر عالم، متقی، سلطانِ عادل اور حاکم متدین کے ہاتھوں کو بوسہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ان کے ماسوا مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے:- ولا بأس بتقبیل ید العالم والمتورع علی سبیل التبرک ونقل المصنف عن الجامع انہ لابأس بتقبیل ید الحاکم المتدین والسلطان العادل ولا رخصۃ فیہ ای فی تقبیل الید لغیرہما ای لغیر عالم وعادل ھو المختار کذا فی المجتبیٰ وفی المحیط ان لتعظیم اسلامہ واکرامہ جاز وان لنیل الدنیا کرہ انتہیٰ۔

رخسارہ یا پیشانی پر بوسہ دینا

سوال (۱۶۷) کسی کے سر یا منہ اور رخسارہ یا پیشانی پر بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر شہوت سے مامون رہ کر محض تعظیم وتکریم کے لئے ہو تو جائز ہے۔

درمختار میں ہے:- وکرہ تحریما قہستانی تقبیل الرجل فم الرجل او یدہ او شیئا منہ وکذا تقبیل المرأۃ المرأۃ عند لقاء او وداع (قنیہ) وھذا لو کان عن شہوۃ واما علی وجہ البر فجائز عند الکل (خانیہ) وفی الاختیار عن بعضہم لا بأس بہ اذا قصد بہ البر وامن الشہوۃ کتقبیل وجہ وخد فقیہ ونحوہ انتہیٰ۔

اور عالمگیریہ میں ہے:- اما الکلام فی تقبیل الوجہ عن الفقیہ ابی جعفر الہندوانی انہ قال لا بأس ان یقبل الرجل وجہ الرجل اذا کان فقیہا او عالما او زاہدا یرید ذلک اعزاز الدین وقد ذکر فی الجامع الصغیر ویکرہ ان یقبل الرجل وجہہ او جبہتہ او راسہ کذا فی المحیط انتہیٰ۔

شرابی یا فاسق کو سلام کرنا

سوال (۱۶۸) شرابی یا فاسق کو ابتداءً سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب:- پہل نہیں کرنی چاہیے۔ عالمگیریہ میں ہے:- واختلف فی السلام علی الفساق فی الاصح انہ لا یبدأ بالسلام کذا فی التمرتاشی انتہیٰ۔

اور مجمع البرکات میں ہے:- واذا مر بقوم وھم یشربون الخمر او اشتغلوا بمعصیۃ من المعاصی فعلی قول ابی حنیفۃ ومحمد یسلم علیہم وعلی قول ابی یوسف لا یسلم علیہم کذا فی مطالب المؤمنین ناقلا عن کفایۃ الشعبی۔

جواب میں علیکم السلام کہنا

سوال (۱۶۹) سلام کے جواب میں علیکم السلام کہنا چاہیے یا وعلیکم السلام اور لفظ حضرت سلامت

کہہ دینے سے جواب ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:- آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں "وعلیکم السلام" واو کے ساتھ فرماتے تھے کذا فی الصراط المستقیم اور اگر بغیر واو "علیکم السلام" کہہ دیا جائے تو بھی کافی ہے لیکن حضرت سلامت، الفاظ جواب میں سے نہیں۔ مجمع البرکات میں ہے:- ویاتی بواو العطف فی قولہ وعلیکم السلام وان حذف واو العطف فقال علیکم السلام جزاہ

جواب سلام میں زیادتی کرنا

سوال (۷۲۰) سلام کے جواب میں صرف "وعلیکم السلام" کہنا چاہیئے یا اس میں زیادتی کرنا چاہیئے؟

جواب: مستحب ہے کہ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا۔ (ترجمہ) جب تم کو دعا دے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر۔

سلام کے لیئے سر پر ہاتھ رکھنا

سوال (۷۲۱) بعض جگہ زبان سے سلام کرنے کو سوء ادبی سمجھ کر سر پر ہاتھ رکھنے اور جھک کر آداب بجالانے ہی کو سلام تصور کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں سنت ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: سنت ادا نہیں ہوتی۔ صراط مستقیم اور اس کی شرح میں ہے:- چوں سلام کہ از اعظم شعار اسلام ست و دریں بلاد ہندوستان بغایت مہجور و متروک و اتخاذ کہ شعار اہل بدعت است قائم مقام آں شدہ و در بعض بلاد آں دست بر سر نہادن و انگشت بر زمین نہادن شائع گشتہ و تکلم بلفظ سلام نزد بیشتر خلائق از سوء ادب و عدم تمیز معدود شدہ بر ذمہ ارباب ولایت و حکام منصب ریاست لازم و متعین کہ در افشائے آں سعی بمنتہی رسانند و بذل مجہود باقصی الغایات کنند و در احیاء ایں شعار عظیم از اشعار دیں تلطف نمایند و آں را از اعظم قرب و اشرف وسائل نجات و اکبر اسباب قرب رب الارباب شمارند انتہی۔

البتہ زبان سے لفظ سلام کے ساتھ ہاتھ اٹھانے یا سر اور سینہ پر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مصافحہ کا وقت

سوال (۷۲۲) مصافحہ کس وقت مسنون ہے؟

جواب:- دو مسلمانوں کی باہم ملاقات کی صورت میں سلام کے بعد دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مسنون ہے کنز العباد میں الشرعہ کے حوالہ سے مذکور ہے:-

ویصافح بعد السلام من لقی من الاخوان فانہا من تمام التحیۃ وتزید فی المحبۃ وعن کفایتہ الشعبی ان ھذہ المصافحۃ التی ھی الیوم بین المسلمین انما ھی اعلام انا علی ذلک المیثاق الذی اخذہ اللہ تعالیٰ حیث اخرجنا من صلب آدم علیہ السلام وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال صافح مسلما تناثرت ذنوبہ کما تناثرت ورق الشجرۃ انتہی۔ ابوالحسنات محمد عبدالحئی

معانقہ کرنا

سوال (۷۲۳) معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ سفر سے آنے والے کے ساتھ معانقہ کرنا مسنون ہے اور اس کے ما سوا بھی مسلمان کی تعظیم کے لیے جائز ہے کنز العباد میں عمدۃ الابرار کے حوالہ سے مذکور ہے:۔ فی الکافی المعانقۃ علی وجہ الکرامۃ جائز انتہیٰ۔
لیکن اگر معانقہ کرنے والوں کے بدن پر تہبند کے علاوہ دوسرا کپڑا نہ ہو تو بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔
کنز العباد میں ہے:۔ والخلاف فیما اذا لم یکن علیہما غیر الازار اما اذا کان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بہ انتہیٰ
اور کمال الدرایہ میں ہے:۔ قید بالازار لوحدہ لانہ لو کان علیہ قمیص او جبۃ او رداء مع الازار لم یکن باس بہ بالاتفاق۔

باب النذر

نذر کا مصرف

سوال (۷۲۴) نذر کا مصرف غنی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نذر کا مصرف فقیر ہے، غنی کو نذر مباح دینا جائز نہیں۔ بحر الرائق میں ہے:۔ لا یجوز ان یصرف النذر الی غیر محتاج ولا شریف ذی منصب لانہ لا یحل لہ الاخذ مالم یکن محتاجا فقیرا ولا لذی النسب لاجل نسبہ مالم یکن فقیرا ولا لذی علم لاجل علمہ مالم یکن فقیرا فلا یثبت الشرع جواز الصرف للاغنیاء وھکذا فی العالمگیریۃ وغیرھا۔

نذر کو خاص شرط کے ساتھ مشروط کرنا۔

سوال (۷۲۵) زید نے نذر مانی اگر مجھ کو حاکم کے حکم سے دس روپیہ مل گئے تو دو روپیہ خیرات کردوں گا اب اس کو صرف تین روپیہ ملے تو اداء نذر واجب ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ واجب نہیں، کیونکہ شرط نہیں پائی گئی۔ تنویر الابصار میں ہے:۔ فان علقہ بشرط یریدہ کان قدم غائبی یوفی ان وجد الشرط انتہیٰ۔
اور سراجیہ میں ہے:۔ اذا قال ان شفی اللہ مریضی او رد غائبی ونحو ذلک مما یرید کونہ فللہ علی کذا فکان ذلک فعلیہ الوفاء انتہیٰ۔

نذر لغیر اللہ کا حکم

سوال (۷۲۶) غیر اللہ کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں، کیونکہ نذر بھی عبادت ہے۔ بحر الرائق میں ہے:۔ النذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ لا تکون

للمخلوق انتہی۔

صحت نذر کے لیے شرائط

سوال (۷۲۷) صحتِ نذر اور لزوم وفا کی کتنی شرطیں ہیں؟

جواب:۔ عالمگیریہ وغیرہ کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ شرطیں ہیں:۔

(۱) نذر کردہ فعل کی کوئی نظیر فرض ہونے کی حیثیت سے شریعت میں موجود ہو۔

(۲) نذر کردہ فعل عبادت مقصود ہو وسیلہ اور ذریعہ نہ ہو جیسا کہ وضو کی نذر جائز نہیں۔

(۳) وہ فعل ایسا ہو کہ نذر کے بغیر واجب نہ ہو مثلاً نماز ظہر کیونکہ بغیر نذر کے بھی واجب ہے اس لیے اس کی نذر جائز نہیں ہوگی۔

(۴) کسی معصیت کی نذر نہ کی جائے۔

(۵) وہ فعل محال نہ ہو۔ مثلاً روز گزشتہ کے روزہ کی نذر کرنا جائز نہیں۔

وقف کتب کی نذر کرنا

سوال (۷۲۸) اگر کسی شخص نے مصحف یا کتابوں کے وقف کی نیت کی تو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ضروری ہے۔ درمختار میں ہے:۔ ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وکان من جنسہ واجب ای فرض کما سیصرح بہ تبعا للبحر والدرر وعبادۃ مقصودۃ خرج بہ الوضوء وتکفین المیت ووجد الشرط المعلق بہ لزم الناذر لحدیث من نذر وسمی فعلیہ الوفاء بما سمی کصوم وصدقۃ وصلوٰۃ ووقف واعتاق رقبۃ وحج ولو ماشیا فانہا عبادات مقصودۃ ومن جنسہا واجب لوجوب العتق فی الکفارۃ والمشی للحج علی القادر من اہل مکۃ والقعدۃ الاخیرۃ فی الصلوٰۃ وہی لبث کالاعتکاف ووقف مسجد للمسلمین واجب علی الامام من بیت المال والا فعلی المسلمین انتہی۔

نذر کردہ چیز بدل دینا

سوال (۷۲۹) اگر کسی شخص نے نذر کی تھی کہ دس درہم کی روٹی خیرات کروں گا۔ اگر وہ دس درہم کا آٹا خرید کر صدقہ کردے تو نذر پوری ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ پوری ہوجائے گی۔ درمختار میں ہے:۔ نذر ان یتصدق بعشرۃ دراہم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدق بثمنہ انتہی۔

ذبح شاۃ کی نذر کا ادا کرنا

سوال (۷۳۰) کسی نے کہا اگر اللہ نے میرے مریض کو آرام کردیا تو بکری ذبح کروں گا یا کہا علی ان اذبح شاۃ یا کہا مسلمانوں کی ضیافت کروں گا تو ایسی صورت میں نذر لازم ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ انعقاد نذر کی شرائط میں سے ایک شرط نذر کردہ فعل کا جنس واجب بلکہ جنس فرض سے ہونا ضروری

ہے (کذا فی تنویر الابصار)
اور صاحب درمختار نے کتاب الیمین میں بحر کی متابعت کرتے ہوئے واجب سے فرض مراد لیا۔ فرماتے ہیں
وکان من جنسہ واجب ای فرض۔
اور صاحب غرر نے فرض کا ہم جنس ہونے کی تصریح کی اور فرمایا:۔ المنذور اذا کان لہ اصل فی الفروض
لزم الناذر کالصوم والصلوٰۃ انتہی۔
جب کہ نذر کردہ فعل کا فرض کے ساتھ ہمجنس ہونا ضروری ہے تو ذبح شاۃ کی نذر اگرچہ لفظ اللہ علیّ
کے ساتھ ہو منعقد نہ ہوگی اور نذر کرنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ ذبح جنس فرض سے نہیں بلکہ جنس
واجب (قربانی) سے ہے اور اسی بناء پر صاحب درمختار فرماتے ہیں:۔ ولو قال ان برئت من مرضی ھذا
ذبحت شاۃ او علیّ شاۃ اذبحھا فبرئ لایلزمہ شئ لان الذبح لیس من جنسہ فرض بل واجب کالاضحیۃ فلا
یصح الا اذا زاد التصدق بلحمھا فیلزمہ لان الصدقۃ من جنسھا فرض وھی الزکوٰۃ۔ انتہی۔
فقہاء کی ایک جماعت جنس فرض ہونے کو ضروری نہیں کہتے بلکہ جنس واجب کو کافی سمجھتے ہیں اور واجب
کے ایسے معنی عام مراد لیتے ہیں جس میں واجب اصطلاحی اور فرض دونوں داخل ہیں۔ اور ابن عابدین شامی نے
ردالمحتار میں اسی کو اصح کہا اور عالمگیریہ میں ہے:۔ الاصل ان النذر لا یصح الا بشروط احدھا ان یکون الواجب
من جنسہ شرعاً انتہی۔
اور صاحب درمختار نے اسی عموم کو آخر کتاب الاضحیہ میں مصنف سے نقل کرکے حفظ کی وصیت کی اور شارح
وہبانیہ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ درمختار میں ہے:۔ نذر عشر اضحیات لزمہ ثنتان لمجئ الاثر بھما خانیۃ والاصح
وجوب الکل لایجابہ باللہ من جنسہ ایجاب شرح (وھبانیۃ) قلت ومفادہ لزوم النذر بما من جنسہ واجب
اعتقادی او اصطلاحی قالہ المصنف فلیحفظ انتہی۔
موجودہ صورت میں جبکہ جنس فرض ہونا ضروری نہیں۔ مگر جنس واجب ہونا شرائط انعقاد میں سے ہے اب
ذبح شاۃ کی نذر کرنا بغیر لفظ علیّ کے گیا سا وعدہ پر محمول ہوگا۔ کیونکہ نذر کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ اور اگر یہی
نذر لفظ علیّ کے ساتھ ہو تو نذر متحقق ہو جائے گی۔ اور اس کا ہم جنس واجب بھی موجود ہے۔ لہذا انعقاد نذر کا
حکم لگا دیا جائے گا۔ اسی بناء پر خانیہ میں ہے:۔ ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرئ لایلزمہ شئ الا ان
یقول للہ علیّ ان اذبح شاۃ انتہی
اور عالمگیریہ، فتاوی قاضی خاں اور غرر میں یہی مضمون قدرے تغیر الفاظ کے ساتھ مذکور و منقول ہے اور
صاحب درر شارح غرر اس کی وجہ تحریر فرماتے ہیں:۔ لان اللزوم لایکون الا بالنذر والدال علیہ الثانی
لا الاول انتہی۔
صاحب درر کی یہ تعلیل قیاس پر مبنی ہے اور بعض فتاوی بھی اسی قیاس پر مبنی ہیں اور ظاہری نظر میں فقہی

کلیات اور جزئیات میں تخالف پیدا کرتے ہیں۔ چنانچہ بزازیہ میں ہے ان سلم ولدی اصوم ما عشت فھذا وعد۔
اور ذخیرہ میں ہے :۔ فی نوادر ھشام عن محمد فی من قال ان شفی اللہ مریضی او قال ان رد اللہ تعالیٰ غائبی صمت شھرا او قال حججت حجۃ ثم عوفی مریضہ ورد علیہ غائبہ فھذا عدۃ وان وفا بھا فھو افضل وان لم یوف فلا حرج انتہیٰ۔
لیکن استحسان اس قیاس کے مخالف ہے اس لیئے استحسانا اس صورت میں نذر منعقد ہوجائے گی۔ چنانچہ بزازیہ میں ہے :۔ وقال ان عوفیت صمت کذا لم یجب ما لم یقل للہ علیّ وفی الاستحسان یجب۔ ولو قال ان فعلت ھذا فانا احج ففعل یجب علیہ الحج انتہیٰ۔
بہر حال نذر کردہ فعل کے لیے جنس فرض ہونا ضروری ہو یا جنس واجب لفظ ضیافت و دعوت مسلمین سے نذر منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ شرط اس میں موجود نہیں۔
قاضی خاں میں ہے :۔ رجل قال ان فعلت کذا فللہ علی ان اضیف جماعۃ قربی فحنث لا یلزمہ شئی انتہیٰ۔
اور عالمگیریہ میں ہے :۔ رجل قال ان فعلت کذا فللہ علی ان اضیف جماعۃ قرابتی فحنث لا یلزمہ شئی انتہیٰ۔
باقی رہی یہ بات صاحب غرر نے اولا نذر کردہ فعل کے لیئے جنس فرض ہونے کو شرط قرار دیا تھا اور پھر تصریح کی کہ ذبح شاۃ کی نذر، اگر لفظ للہ علیّ کے ساتھ ہو تو منعقد ہوجائے گی حالانکہ وہ جنس فرض سے نہیں بلکہ جنس واجب سے ہے۔
ان کے کلام میں تناقض پیدا ہوگیا اور اسی وجہ سے درمختار میں ہے :۔ ففی متن الدرر تناقض انتہیٰ۔
مگر تناقض کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہ صاحب غرر کی مراد فرض سے فرض علمی ہے جو واجب کو بھی شامل ہوتا ہے۔ اب تناقض نہ رہا۔

ذبح ولد کی نذر پوری کرنا

سوال (۳۱) اگر کسی نے اپنے لڑکے کو ذبح کرنے کی نذر کی تو اس کا ایفا کس طرح کرے ؟

جواب :۔ ایک لڑکے کے عوض ایک بکری ذبح کردے ایفا ہوجائے گا جیسا کہ حضرت اسمٰعیل علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے عوض کیا گیا۔ کذا روی عن مسروق۔

نذر کے مصرف میں تبدیلی کرنا

سوال (۳۲) اگر نذر کے مصرف خاص کا تذکرہ کیا۔ مثلاً کہا کہ فقراء مکہ کو فلاں چیز دوں گا اور بعد میں کسی دوسرے شہر کے فقراء کو وہی چیز دے دی تو نذر پوری ہوجائے گی یا نہیں ؟

جواب :۔ پوری ہوجائے گی۔ عالمگیریہ میں ہے :۔ رجل قال مالی صدقۃ علی فقراء مکۃ ان فعلت کذا فحنث و تصدق علی فقراء بلخ او بلدۃ اخریٰ جاز ویخرج عن النذر انتہیٰ۔

غیر اللہ کی نذر کی شیرینی کھانا

سوال (۳۳) غیر اللہ کی نذر اور منت ماننے کی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ غیر اللہ کی نذر و منت حرام ہے اور منذور غیر خدا کا شیرینی ہو یا غیر کھانا ہر امیر و فقیر پر حرام ہے، اور کسی حاجت

کے وقت ذبح جانور یا اطعام طعام یا تقسیم شیرینی اللہ کے واسطے ماننا درست اور بعد حصول مقصد کے وفا اس کی واجب ہے مگر مصرف اس کا محتاج و فقیر ہے ناذر کو اور فقیر کو اس کا کھانا روا نہیں۔

بحرالرائق میں علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی کی شرح درر البحار سے منقول ہے:۔ النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع حرام بوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق ومنھا ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک ومنھا انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقادہ ذلک کفر اللھم ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی او رددت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدۃ نفیسۃ او الامام الشافعی او الامام ابی اللیث حصیر المساجد ھم او زیتا لوقودھا او دراھم لمن یقوم بشعائرھا الی غیر ذلک مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر للہ وذکر الشیخ انما ھو محل تصرف النذر لمستحقیہ القاطنین برباطہ او شرقیہ او مسجدہ فیجوز بھذا الاعتبار ولا یجوز ان یصرف ذلک لغنی ولا لشریف منصب او ذی نسب او علم ما لم یکن فقیرا ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للاغنیاء للاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل الذمۃ بہ ولانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ الا ان یکون فقیرا او لہ عیال فقراء عاجزون فیاخذونہ علی سبیل الصدقۃ المبتداۃ واخذہ ایضا مکروہ ما لم یقصد الناذر التقرب الی اللہ وصرفہ الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ انتہی ملخصا۔

اور اصل اس باب میں حدیث انما النذر فیما ابتغی بہ وجہ اللہ ہے جو مسند احمد میں مروی ہے اور سنن ابوداؤد میں ہے:۔ لا نذر الا فیما ابتغی بہ وجہ اللہ۔

اور بھی ابوداؤد نے روایت کی ہے:۔ ان رجلا نذر ان ینحر ابلا فی موضع سماہ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل فیہ وثن من اوثان الجاھلیۃ تعبد قال لا قال اوف بنذرک واللہ اعلم۔

بَابُ الشُّوْمِ وَالطِّیَرَۃ

نحوست کی ابتداء

سوال (۷۴۳) شریعت کے نزدیک کون کون سی چیزوں میں نحوست ہے اور کس وجہ سے؟

جواب: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔ بری فال لینے کے بارے میں اکثر احادیث سے نفی تاثیر اور اعتقاد مفہوم ہوتا ہے اور بعض سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نحوست تین اشیاء عورت، گھر گھوڑے میں ہے۔

بخاری و مسلم میں حدیث ہے:۔ انما الشوم فی ثلث الفرس والمراۃ والدار۔

اور بعض احادیث سے مذکورہ تینوں چیزوں میں مثل دیگر اشیاء انکار نحوست مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ ابن ابی ملیکہ کی حدیث عن ابن عباسؓ میں ہے۔ دونوں میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ تاثیر بالذات منفی ہے اور اس کا اعتقاد دور جاہلیت میں تھا۔ درحقیقت تمام اشیاء میں مؤثر اللہ تعالیٰ ہے اور سب اسی کی مقدور و مخلوق ہے اور ان اشیاء میں عادۃ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نحوست پیدا کردی اور ان کو اسباب عادیہ بنا دیا۔ اور ان اشیاء کو مخصوص کرنے کی وجہ اور علت مفوض الی اللہ ہے۔ لہٰذا نفی تاثیر ذاتی کی ہے اور اثبات سبب عادی کا۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورت کی نحوست سے مراد اس کا ناموافق ہونا ہے اور وہ عورت کہ جس کے اولاد نہ ہو، شوہر کی تابعداری نہ کرے یا شوہر اس کو پسند نہ کرتا ہو۔ اور گھر کی نحوست جگہ کی تنگی اور ہمسایہ کی برائی اور گھوڑے کی نحوست گراں قیمت ہونا اور غرض و مصلحت کے ناموافق ہونا ہے اور خادم میں بھی یہی چیز ہے۔

ایام و تواریخ کی نحوست

سوال (۷۳۵) نحوست و سعادت کی تاریخیں سفر کے لئے مقرر ہیں یا نہیں، اور روز چہارشنبہ منحوس تو نہیں؟۔

جواب:- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح صراط مستقیم میں فرماتے ہیں۔ ایام کی نحوست و سعادت کے بارہ میں احکام نجوم کا اتباع کرنا نہ سلف کا طریقہ تھا اور نہ اہل دین کا شیوہ ہے۔ مسنون طریقہ اختیار کرکے توکل علی اللہ کرنا چاہیے اور آداب سفر کے لئے منقول دعاؤں سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔ اور وہ جو مشہور ہے کہ روز شنبہ فلاں جگہ نہ جانا چاہیے اور یکشنبہ کو فلاں جگہ اس کی کوئی حقیقت نہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ سے بعض کتب میں روایت مذکور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایام بھی خدا کی طرف سے ہیں لیکن بعض ان میں سے سعید اور بعض منحوس ہیں، اور ہر ایک ماہ میں سات روز منحوس ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے سات دنوں کو شمار کرایا تیسرا۔ پانچواں۔ تیرھواں۔ سولھواں۔ اکیسواں۔ چوبیسواں پچیسواں۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ قرآن میں واقع لفظ یوم نحس مستمر سے چہارشنبہ مراد ہے۔ واللہ اعلم بصحتہ۔

اور حضرت علیؓ کے بارہ میں مشہور ہے کہ لشکر کی طرف متوجہ ہوئے کسی نے کہدیا آج نہیں جانا چاہیے فلاں روز چلیں گے، یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو اس سے تیری گردن مار دیتا۔ اتنی عمر ہم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اور کبھی آپ سے نہیں سنا کہ فلاں روز جانا چاہیے اور فلاں روز نہیں۔ انتہی ملخصاً۔

فال لینا

سوال (۷۳۶) فال لینا صحیح ہے یا نہیں؟۔

جواب:- فال نیک تو سنت ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فال نیک بہت لیا کرتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا، فال نیک کی صورت کیا ہے۔ ارشاد فرمایا، ہر اچھی بات تم میں سے جو شخص بھی

سے اس سے فال لے۔ مثلاً کوئی چیز تلاش کرنے والا یا واجد اور کوئی گمراہ شخص یا راشد اور مریض یا سالم سے لیکن فالِ بد لینا ممنوع اور مذموم ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ سے امید منقطع کرلینا اور مایوس ہونا اور بداندیش ہونا امرِ مذموم ہے۔ ابوداؤد عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الطیرۃ شرک، اوکما قالؐ

کتابُ المناقب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا

سوال (۴۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے یا نہیں اور امی ہونا آپ کا معجزہ ہے یا نہیں اور جو شخص کہے آپ نبوت سے قبل تمام علوم سے باخبر اور واقف تھے تو اس کا قول قرآن وحدیث کے مخالف تو نہیں، اور اگر وہ اس پر مصر ہو تو کیا حکم ہوگا؟

جواب: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر امی کا اطلاق قرآن مجید میں ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ۔ (ترجمہ:۔ وہ لوگ کہ اتباع کرتے ہیں ایسے رسول کا جو نبی امی ہیں)

اور معالم التنزیل میں ہے کہ النبی الامی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ابن عباسؓ کا قول ہے:۔ نبیکم امیا لا یکتب ولا یقرأ ولا یحسب وھو منسوب الی الام ای ھو علی ما ولدتہ امہ وقیل ھو منسوب الی امتہ اصلہ امتی سقطت التاء فی النسبۃ کما سقط فی الملی والمدانی وقیل ھو منسوب الی ام القری انتہیٰ۔

اور شریعت محمدیہ میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشیاء ماضیہ ومستقبلہ جزئیہ وکلیہ تمام علوم سے واقف وباخبر تھے۔ الا ما شاء اللہ۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی۔ صح الجواب محمد یوسف

حضرت ھاجرہؓ کا جاریہ ہونا

سوال (۴۸) شرع محمدی میں شاستر ہنود میں لونڈیاں دو ہی قسم کی قرار پائی ہیں ایک وہ جو زرخرید ہو، دوسری وہ جو جدال وقتال کر کے معرکہ جہاد میں ہاتھ آئے۔ سو بی بی ہاجرہ زوجہ ثانیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان دو صورتوں سے بری ہیں کہ ہماری تحقیقات سے یہ بات ہے۔

خلاصہ انبیاء میں یوں لکھا ہے کہ سنان بن علوان ایک بادشاہ تھا مقام مصر میں اس نے جبکہ شہرۂ حسن بی بی سارہ زوجہ اولیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سنا تو بی بی صاحبہ موصوفہ کو پیش خود طلب کیا اور دست دراز کیا، پس ہاتھ اس ناپاک کا خشک ہوگیا، تب وہ خائف ہوا اور مستدعی اس جناب طاہرہ سے دعا کا ہوا، آپ نے دعا کی، ہاتھ اس کا اچھا ہوگیا، تب اس نے شکریہ میں بی بی ہاجرہ کو دیا اور کہا ہذا اجرتک یعنی یہ تیری اجرت ہے لہٰذا

بسبب تمادیٔ ایام کے یہ مخفف ہو کر ہاجرہ رہ گئی۔

اور بتیان کہ قدیم تفسیر ہے اور اب کتب خانۂ نواب منذر اس کے یہاں موجود ہے اس میں بیٹی لکھا ہے مگر توریت میں لفظ جاریہ لکھا ہے تو اب اگر لفظ جاریہ پر خیال کیا جاوے تو لغت میں اس کے معنی چند قرار پائے ہیں بلکہ جاریہ کشتی و آفتاب و دختر و کنیزک۔ غیاث اللغات اور قاموس میں بھی ہے تو اب خیال کرنا چاہیئے کہ جب ایک لفظ کے چند معنی قرار پائے تو پھر جو معنی جہاں چسپاں ہوں بولنا چاہیئے۔ اور مقام مذکورہ بالا میں بہر صورت بیٹی کے ہی معنی موزوں ہو سکتے ہیں کیا وجہ کہ جب اتنا بڑا معجزہ اتنے بڑے بادشاہ نے برئ العین مشاہدہ کیا تو وہ اس کے عوض میں لونڈی دیتا ہو کبھی عقلِ سلیم قبول نہ کرے گی، لہٰذا امیدوار ہوں کہ ثبوت دختر ہونے کا یا لونڈی ہونیکا ازروئے کتاب معتبر و روایاتِ معتبرہ اہلِ اسلام سے تحریر کیجیئے۔

جواب:- درحقیقت کنیزک نہ تھیں۔ چنانچہ تفسیر کشاف و معالم و مدارک وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اور کسی تفسیر سے لونڈی ہونا ثبوت نہیں، جو کہے وہ کاذب ہے۔ واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

عباراتِ مفسرین اور مؤرخین سے اشارۃً اور صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کنیزک تھیں کیونکہ جمہور مفسرین قصہ بادشاہِ مصر میں یہ عبارت لکھتے ہیں:- فوھبھا ھاجرا۔

اور علامہ مجیرالدین حنبلی مورخ انسِ جلیل فی تاریخ القدس والخلیل میں لکھتے ہیں:- لما سار ابراھیمؑ الی مصر ومعہ سارۃ زوجتہ ووھبھا فرعون مصر ھاجر فلما قدم الی الشام واقام بین الرملۃ وایلیا وکانت سارۃ لا تحبل ووھبت ھاجر لابراھیم فواقعھا فحملت وولدت اسمٰعیلؑ انتھیٰ

پس لفظ وہبہا اشارہ کالصراحۃ ہے اس طرف کہ ہاجرہؓ کنیزک تھیں، اولاد اس بادشاہ کی نہ تھیں، پھر جب سارہؓ کے ملک میں آئیں، انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کو ہبہ کر دیا کیونکہ ہر کس پر ظاہر ہے کہ ہبہ عرف اور شرع میں عبارت ہے اپنی ایک شئے مملوکہ کو دوسرے کو دینے سے، پس اگر ہاجرہ بیٹی ہوتیں لفظ ہبہ کا اطلاق جائز نہ ہوتا۔

اور مؤرخ حسین دیارنگری تاریخ خمیس میں لکھتے ہیں:- قال ابن لھیعۃ ھاجر من ارض العرب من قریۃ کانت امام القریٰ من ارض مصر کذا فی سیرۃ ابن ھشام ویقال ان ھاجر کانت قبل الرق بنت ملک من ملوک القبط فاخذھا ایاھا وخلی وقال ھذہ المعو کان لا یولد لابراھیم من سارۃ فوھبت سارۃ ھاجر انتھیٰ

یہ عبارت صریح ہے اس باب میں کہ ہاجرہ کنیزک تھیں، بادشاہِ مصر کی بیٹی نہ تھیں۔ بلکہ قبلِ کنیزک ہونے کے وہ ایک بادشاہ کی بادشاہانِ قبط سے بیٹی تھیں اور زیادہ تر صریح اس سے یہ عبارت ہے کہ اسی تاریخ خمیس میں ہے دوسرے مقام میں:- فی معالم التنزیل ولد لابراھیم ثمانیۃ بنین اسمٰعیل وامہ ھاجرۃ القبطیۃ ام ولد انتھیٰ

اور ہر کس پر روشن ہے کہ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں کہ مولیٰ اس سے صحبت کرے اور اس کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہو اس کو اپنی طرف منسوب کرے۔

اور جلال الدین سیوطی المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں لکھتے ہیں:- قال ابن عبد الحکیم حدثنا عمر بن

صائغ اخبرنا مروان القصاص قال صاهر الی القبط من الانبیاء ثلثۃ ابراہیم تسری ھاجر و یوسف اتزوج بنت صاحب عین شمس و نبینا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تسری ماریۃ انتہیٰ۔

پس لفظ تسری صاف دال ہے کہ وہ کنیزک تھیں اگر کسی کو شک ہووے کہ لونڈی بہ نسبت حرہ کے رذیل اور بے قدر ہوتی ہے، پس حضرت اسمٰعیل نبی جلیل القدر اور نبی آخر الزماں کے اجداد میں ہیں چونکہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہوئے ان کی ذات میں نقص آگیا، پس اس کو یوں دفع کرے کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک قدر اور عزت بحسب تقویٰ کے ہے نہ بحسب رقیت اور حریت کے، قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور حضرت ہاجرہ اگرچہ کنیزک تھیں مگر بہ نسبت حضرت سارہ کے نہایت متقی اور پرہیزگار تھیں کما لا یخفی علی من طالع کتب التفسیر والحدیث۔

پس کسی طرح کا نقصان ذاتِ اسمٰعیلی میں نہیں آیا بلکہ کمال عارض ہوا، اسی واسطے فقہا لکھتے ہیں کہ جو شخص حضرت اسمٰعیلؑ کی حقارت کی نیت سے کہے کہ وہ لونڈی کی اولاد سے ہیں وہ کافر ہے لان تذلیل الانبیاء کفر اور اگر بالفرض تسلیم کیا جاوے کہ ہاجرہ والدہ اسمٰعیل رذیل تھیں، پس اس سے ذاتِ اسمٰعیلؑ میں ہرگز نقصان نہیں آتا، غور کرنا چاہئے کہ اصلِ تمام بنی آدم کی حتی کہ جملہ انبیاء کی ایک قطرۂ منی ہے کہ وہ نجس اور خراب ہے پھر اس سے نقصان ذاتِ آدمی میں نہیں ہوتا ہے اور بقول جمہور مفسرین کے باپ حضرت ابراہیمؑ کے یعنی آذر کافر تھے لیکن اس سے ذاتِ ابراہیمی میں نقصان نہیں آیا۔ واللہ اعلم

محمد عبد الحی

والدین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان

سوال (۴۹۰) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان لانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور جو شخص دونوں کی طرف تحریراً یا تقریراً نسبتِ کفر کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، بعض ایمان بعد الاحیاء کے قائل ہوئے ہیں، اور بعض احادیث احیاء کو موضوع کہتے ہیں اور عدم ایمان کے قائل ہیں اور بوجہ ہونے ان کے ارباب فطرت سے نجات کے قائل ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس باب میں سات رسالے تحریر کئے ہیں اور بشدومد نجات ثابت کرتے ہیں اور ملا علی قاری اور ابراہیم حلبیؒ ان کے بعض رسائل کے رد لکھ چکے ہیں، لیکن چونکہ اس باب میں دلائل متعارض ہیں اسی وجہ سے سکوت اسلم ہے اور یہ کہنا کہ والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر ہیں یا فی النار ہیں بڑی بے ادبی اور موجب اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حموی شرح اشباہ میں لکھتے ہیں:۔ اعلم ان السلف اختلفوا فی ابوی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ھل ماتا علی الکفر ام لا فذھب الی الاول جمع منھم صاحب التیسیر وذھب الی الثانی جماعۃ ونقرض الجمع الاول قالوا انجاھما من النار وسئل القاضی ابو بکر ابن العربی احد الائمۃ المالکیۃ عن رجل قال ان ابا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النار فاجاب بانہ ملعون لان اللہ تعالیٰ قال ان الذین یؤذون اللہ و

رسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة ولا اذی اعظم من ان یقال عن ابیه انه فی النار۔

وقال السهیلی فی الروض الانف لیس لنا نحن ان نقول ذلك فی ابویه لقوله صلی الله علیه وسلم لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات الله یقول ان الذین یؤذون الله ورسوله الآیة۔ وامرنا ان نمسك الحلق اذا ذکر اصحابه بشیٔ یرجع ذلك الی العیب فیهم فلان نمسك عن ابویه احق واحری فجملة الکلام فی هذه المسألة ان هذه المسألة لیست من الاعتقادات فلا حظ للقلب منها واما اللسان فحقه الامساك عما یتبادر منه النقصان انتهی۔

بالِ مبارک کی زیارت کرنا

سوال (۱۰۴۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے موئے مبارک کی زیارت کی نسبت اور نیز اس محفل زیارت میں شرکت کی بابت جو بغیر اسناد صحیح کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جبکہ اس مجلس زیارت میں بعض منہیات شرعیہ اور بدعات سیئہ کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے۔ یعنی شب زیارت کو کثرت سے چراغ روشن کیے جاتے ہیں نوبت و شہنائی بہ نوبت بجائی جاتی ہے آتشبازی بھی چھوٹتی ہے، راگ بھی مع مزامیر وغیرہ کے ہوتا ہے، غرض کہ جملہ رسومات شادی کی اس محفل زیارت میں ادا ہوتے ہیں۔ اور اسباب عیش وطرب پھیلائے جاتے ہیں۔ جو بعد زیارت کو ملیدہ پر آنحضرت کی روح پر فتوح پر فاتحہ مرسومہ کرنا بھی واجبات سے خیال کیا جاتا ہے اور نیز ارشاد ہو کہ شیفتگان موئے مبارک اکثر نقد وجنس بطور نذر ونیاز کے موئے مبارک پر چڑھاتے ہیں اس کا لینا کیسا ہے اور کس کو لینا چاہیئے اور کسی قدر آراضی وغیرہ بطور اعانت عرس موئے مبارک کے سلاطین اہل اسلام کے عہد سے معاف چلی آتی ہے اس پر خادمان موئے مبارک کا متصرف ہونا اس میں سے اپنا اپنے اہل وعیال کا نفقہ چلانا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ جاننا چاہیئے کہ ہر مسلمان کو کہ جن چیزوں کو ذات بابرکات حضرت رسول الثقلین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا علاقہ ہے، خواہ موئے مبارک ہو، خواہ جبہ مبارک ہو، خواہ نعلین پاک ہوں، خواہ اور کوئی چیز ہو جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مس فرمایا ہو اور کسی طرح آں حضرت سے اس کو علاقہ پیدا ہوا ہو، ایسی تمام چیزوں کی تعظیم کرنا اور ان سے برکت حاصل کرنا نشان کمال ایمانی اور دلیل غایت محبت نبوی ہے اور جملہ آثار محمدی پر جان نثار کرنا ایک عمدہ علامت علامتہائے اسلام سے ہے اس باب میں کسی عاشق جناب نبوی کلام اور کسی اہل ایمان کو اس سے انکار کی مجال نہیں ہے اور اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے آثار ومشاہد کی تعظیم و تکریم اور ان سے برکت حاصل کرنا دراصل تعظیم وتکریم جناب احمدی کی ہے جو راس الایمان ہے اور ثبوت اس کا اکثر احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کرام سے ہوتا ہے چنانچہ موئے مبارک کی تعظیم اور برکت حاصل کرنے کی نسبت عثمان ابن عبداللہ بن موہب سے روایت ہے:۔ ارسلنی اهلی الی ام سلمة بقدح من ماء وکان اذا اصاب الانسان

عین او شیءٌ بعث الیہا مخضبۃ فاخرجت من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت تمسکہ فی جلجل من فضۃ فخضخضۃ لہ فشرب منہ قال فاطلعت فی الجلجل فرأیت شعرات حمراء رواہ البخاری۔

ترجمہ:- عثمان بن عبداللہ بن موہوب فرماتے ہیں کہ بھیجا مجھ کو میرے گھر والوں نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس ایک پیالہ پانی کا دے کر اور عادت سب کی یہ تھی کہ جب کسی آدمی کو نظر لگتی یا اور کچھ بیماری ہوتی تو وہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیا کرتا۔ ام سلمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک نکالتیں اور وہ اس کو ایک چاندی کی ڈبیا میں رکھا کرتی تھیں۔ پس اسی موئے مبارک کو اسی پانی میں ڈال کر ہلا دیا کرتی تھیں اور وہ اس کو پی لیا کرتا تھا پس میں نے جھانک کر ڈبیہ میں دیکھا تو اس میں چند بال تھے، سُرخ رنگ کے، روایت کیا اس کو بخاری نے۔

اور جبہ مبارک کی تعظیم اور اس سے برکت حاصل کرنے کی نسبت حضرت اسماء بنتِ ابی بکر ہمشیرہ خاص حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے:- انہا اخرجت جبۃ طیالسۃ کسروانیۃ لہا لبنۃ دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج وقالت ہذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت عند عائشۃ فلما قبضت قبضتہا وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضی نستشفی بہا رواہ مسلم۔

ترجمہ:- حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے نکالا ایک جبہ طیلسان کا کسروانی کہ اس کے گریبان پر ریشمی سنجاف تھی اور دونوں چاکوں پر اس کے ریشمی سنجاف تھی اور کہا کہ یہ جبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ کے پاس رکھا تھا۔ پس جب عائشہؓ نے انتقال کیا تو یہ جبہ میں نے لے لیا اس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے اور اب ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں کہ اس کی برکت سے شفا حاصل کریں۔ روایت کی مسلم نے۔

اور اس سے بڑھ کر یہ ثابت ہے کہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے آثارِ مبارک کو تبرکاً اوروں کو عطا فرمایا ہے اور بطریق تبرک اس کا استعمال کرایا ہے۔ چنانچہ باب حجۃ الوداع میں حضرت انس سے مروی ہے:- قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی منی فاتی الجمرۃ فرماہا ثم اتی منزلہ بمنی ونحر نسکہ ثم دعا بالحلاق وناول الحلاق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا ابا طلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ ابا طلحۃ فقال اقسمہ بین الناس رواہ الشیخان۔

ترجمہ:- حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے منیٰ میں پس جمرہ کی آکر رمی کی پھر آپ نے اپنی قیام گاہ پر مراجعت فرما کر قربانی کی پھر حجام کو بلا کر جانب یمین سر مبارک اس کی طرف کی، اس نے حلق کیا۔ پھر ابوطلحہ انصاری کو بلا کر وہ موئے مبارک دے دیے، پھر حلاق کو دوسری شق یسار کی دی اور فرمایا حلق کر چنانچہ اس نے حلق کیا تو فرمایا ابوطلحہ کو دے کر کہ یہ سب کو بانٹ دے۔

اور ایسے ہی مروی ہے حضرت ام عطیہ سے، حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور تکفین کے قصہ میں:- انہا قالت فالقی حقوہ فقال اشعرنہا ایاہ۔

ترجمہ:۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ حضرتؐ نے اپنا تہہ بند ہماری طرف پھینکا اور فرمایا کہ اس کپڑے کو سب کپڑوں سے پہلے پہنا کر کفن دو یعنی اس کو بدن سے متصل رکھو اور یہ حدیث دلیل ہے برکت حاصل کرنے میں صلحاء کے آثار سے۔ چنانچہ صاحبِ لمعات نے اس کے تحت افادہ فرمایا ہے۔ وھذا الحدیث اصل فی التبرک بآثار الصالحین ولباسھم۔

ترجمہ:۔ صاحب لمعاتؒ نے افادہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث اصل ہے صلحاء کے لباس و آثار کے ساتھ حاصل کرنے کے لیے۔ اور اسی طرح جن چیزوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مس فرمایا ان کی برکت ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت کبشہ روایت فرماتی ہیں:۔ قالت دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشرب من فی قربۃ معلقۃ قائما فقمت الی فیھا فقطعتھا۔

ترجمہ:۔ حضرت کبشہ روایت فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے اور ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے منہ لگا کر آپ نے پانی پیا۔ پس میں نے اس مشکیزہ کے دہانے کو تراش رکھا۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں افادہ فرمایا ہے:۔ ومن اعظامہ اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنتہ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ وما لمسہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وایضا قال کانت فی قلنسوۃ خالد بن الولید شعرات من شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم فسقطت قلنسوۃ فی بعض حروبہ فشد علیھا شدۃ انکر علیہ اصحابہ لکثرۃ من قتل فیھا فقال لم افعلھا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمنت من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لئلا اسلب برکتھا وتقع فی ایدی المشرکین الخ

ترجمہ:۔ اور قاضی عیاض نے کہا کہ منجملہ تعظیم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعظیم ہے آپ کے تمام اسباب کی اور بزرگی آپ کے تشریف لانے کی مقامات اور مکانوں کی مکہ میں ہوں یا مدینہ میں اور آپ کے عبادت کرنے کے مقامات کی اور جن چیزوں کو آپ نے ہاتھ لگایا، رحمت ہو اللہ کی آپ پر اور سلام۔ نیز کہا عیاض نے کہ حضرت خالدؓ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے، پس گر گئی ٹوپی ان کی ایک لڑائی میں، پس دوڑے اس ٹوپی کے واسطے کہ اس موقع پر ان کے ساتھیوں نے ناپسند کیا اس جگہ کے قتل و قتال کے اندیشے سے تو حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ میں کچھ اس ٹوپی کے لیے نہیں گھبرایا تھا بلکہ اس لیے کہ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے۔ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا وہ مشرکین کے ہاتھ لگے اور میں اس کی برکت سے محروم ہو جاؤں۔

وایضا قال القاضی وحکی عن عبد الرحمن السلمی عن احمد بن فضلویۃ الزاھد وکان من الغزاۃ الرماۃ انہ کان ما مسست القوس بیدی الا علی طھارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ۔

اور نیز کہا قاضی نے کہ مروی ہے عبد الرحمن سلمی سے وہ روایت کرتے ہیں احمد بن فضلویہ زاہد سے اور وہ منجملہ غازیوں تیر اندازوں کے تھے انھوں نے کہا کہ جب سے میں نے یہ سنا کہ میری کمان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے چھوا، میں نے اس کو کبھی بے وضو نہیں چھوا

وایضا قال رأیٰ ابن عمرؓ واضعا یدہ علی مقعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعہا علی جبہتہ الخ۔

اور کہا قاضی نے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو لوگوں نے دیکھا کہ جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تھے اس جگہ ہاتھ لگا کر پیشانی پر مس فرماتے تھے۔

پس ان تمام احادیث اور روایات سے اہل ایمان کی نظر میں بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جملہ آثار و مشاہد نبوی سے برکت حاصل کرنا اور ان کی تعظیم عمدہ نعمائے الٰہی سے ہے اور اس قسم کی برکت اور تعظیم کا ثبوت خود آں حضرت و صحابہ کرام کے افعال مبارک سے ظاہر ہوتا ہے لیکن مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اس بات پر نظر کرے کہ جس طرح ان احادیث سے آثار نبویؐ کی برکت و تعظیم کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح تعظیم و برکت حاصل کرنے کا طریقہ بھی انہیں احادیث سے ثابت ہوتا ہے پس جس طرح وہ شخص جو منکر برکت آثار نبویہ ہو بددین اور گنہگار ہے اسی طرح وہ شخص جو خلاف طریقہ مرویہ حدیث کے کوئی خاص طریقہ تعظیم کا اپنی طرف سے اختراع کرے وہ مبتدع اور مخالف سنت سمجھا جاوے گا۔ اس لیے کہ مخالفت سنت میں دونوں برابر ہیں اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس طریقہ مخترعہ میں کوئی خاص امر صریح منہیات شرعیہ اور محرمات یقینیہ سے شامل نہ ہو اور اگر اس طریقہ مخترعہ میں کوئی امر محرمات شرعیہ سے بھی شامل کیا جائے تو ایسی حالت میں دو نقصان ہونگے۔ ایک تو طریق خاص کا احداث اور دوسرے محرمات شرعیہ کا ارتکاب اور ان دونوں باتوں کا حکم یہ ہے کہ ان کا مرتکب غیر مستحل فاسق اور مستحل کافر ہے۔

دوسرے اس بات پر نظر رکھنی چاہیئے کہ جو تعظیم اور برکت آں حضرت کے آثار کے واسطے ثابت ہے وہ آں حضرتؐ کے آثار کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو آں حضرتؐ کے آثار کے ساتھ مخصوص ہے حرام ہے۔ پس ضروری ہوا کہ جب کسی خاص جبہ اور خاص لباس اور خاص موؐ کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاوے کہ یہ آں حضرتؐ کے آثار ہیں تو اول اس بات کا یقین حاصل کیا جاوے کہ یہ آثار فی الواقع آں حضرتؐ کے آثار ہیں یا دوسرے شخص کے ہیں جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی طمع سے منسوب کر دیا ہے تاکہ اس یقین سے غیر کے آثار کے ساتھ آں حضرتؐ کے آثار کا سا برتاؤ لازم نہ آوے اور اس قسم کے یقین کا حصول ایسے امور کی نسبت بغیر اس طریقہ کے متعذر ہے جس کو ہمارے محدثین رحمہم اللہ نے روایت حدیث میں اختیار کیا ہے کیونکہ اثبات آثار نبوی بھی حدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور حدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہی طریقہ مسلوک ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب ان آثار کا ثبوت ایسے طریق روایت پر موقوف ہو تو اس کی صحت و عدم صحت بھی صحت اسناد اور عدم صحت اسناد پر موقوف ہو گی اور جس صورت میں اس کے واسطے سند ضعیف بھی میسر نہ ہو تو صرف چند جاہلوں کے مخترعہ سے کب اس کو ثابت کر سکتے ہیں۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ بلاشبہ تعظیم آثار نبویؐ علامات ایمانی میں سے ہے جس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہوتا ہے

لیکن وہ تعظیم اور تبرک منحصر ہے انہیں طرق میں جو احادیث سے ثابت ہیں اور یہ تعظیم فرع ہے اس بات کی کہ ان آثار و تبرکات کا انتساب آں حضرتؐ کی ذات پاک کی طرف صحیح ہو، اور صحت انتساب موقوف ہے صحت روایت پر پس جو آثار بصحت روایت ثابت ہیں بلا شبہ ان کی تعظیم صحابہ کرام کے طریقہ کے بموجب کرنی چاہیئے اور ان سے برکت حاصل کرنے میں کوئی شبہ نہیں، اور جو بصحت روایت ثابت نہیں ہیں ان کے ساتھ بلا تحقیق وہ معاملہ کرنا جو آں حضرتؐ کے آثار ثابتہ کے ساتھ کرنا چاہیئے ایسا ہے جیسا کہ بلا سند کسی کے کلام کو حدیث کہنا اور اس پر عمل کرنا جس کی نسبت سخت وعید وارد ہے۔ قال ابن عباس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار رواہ الترمذی۔

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ تم میری طرف کسی بات کے منسوب کرنے سے خوف خدا کرو اور بغیر تحقیق کے مجھ سے کوئی روایت مت کرو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے جان بوجھ کر وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کرے۔

پس واجب ہے ہر مسلمان پر جو بات کہ جب تک اس کو اس بات کا علم نہ ہو کہ جس امر کی نسبت آں حضرتؐ کی طرف کی جاتی ہے وہ نسبت صحیح ہے یا نہیں اس وقت تک اس کی روایت نہ کرے، اور جب روایت جائز نہیں تو عمل بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگا، البتہ ایسی صورت میں احتیاط کا مقتضا یہ ہے کہ جب کوئی شئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعویٰ کے ساتھ منسوب کی جاوے تو قبل تحقیق کے جیسے ان کا اقرار جائز نہیں ہے انکار بھی اصرار نہ کرے چنانچہ ایسی صورت میں حدیث نبوی سے بھی توقف ثابت ہوتا ہے۔ صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کے تحت میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم و قولوا امنا باللہ وما انزل الینا الخ۔ رواہ البخاری۔

ترجمہ:۔ مت تصدیق کرو تم اہل کتاب کی اور نہ تکذیب کرو ان کی، اور کہو تم کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو اس نے ہم پر اتاری۔ روایت کیا اس کو بخاری نے

لکھا ہے:۔ لا تصدقوا اھل کتاب ای فیما لم یتبین لکم صدقہ لاحتمال ان یکون کذبا و ھو الظاھر من احوالھم قولہ ولا تکذبوھم ای فیما حدثوا من التوراۃ والانجیل ولم یتبین لکم کذبہ لاحتمال ان یکون صدقا وان کان نادرا لان الکذوب قد یصدق و فیہ اشارۃ الی التوقف فیما استشکل من الامور والعلوم الخ

غرضیکہ اسی طرح ایسے واقع پر بھی توقف کا طریقہ اسلم ہے۔

ترجمہ:۔ نہ تصدیق کرو اہل کتاب کی یعنی اس بات میں جس کی تم کو بخوبی تصدیق نہیں ہوتی، واسطے احتمال اس بات کے کہ شاید وہ جھوٹ ہو اس لیئے کہ ان کا ظاہر حال جھوٹ ہی کو مقتضی ہے اور نہ تکذیب کرو ان کی ان باتوں میں جو توراۃ اور انجیل سے روایت کرتے ہیں جب تک ان کی تکذیب ظاہر نہ ہو جاوے اس لیئے کہ شاید سچے ہوں گو سچ ان سے نادر ہے اس واسطے کہ کبھی جھوٹا بھی سچ بول دیتا ہے اور اس میں اشارہ ہے اس بات کا کہ جو امور مشتبہ ہوں اعتقادی اور عملی معاملات میں سے تو ان میں توقف چاہیئے الخ

پس جب یہ تمام امور مرکوزِ خاطر ہو چکے تو اب سائل کو دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ موئے مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت طریقۂ مذکورہ سوال کے بموجب کراتے ہیں بدعات اور مخترعات کے پابند ہیں۔ دیکھو روایتِ بالا کے بموجب جب موئے مبارک کا پانی مریض کے واسطے حضرت ام سلمہ سے طلب کیا تو انھوں نے ڈھول تاشے نہیں بجوائے، پنج آیت اور قرآن خوانی نہیں کرائی، ترتیبِ مجلس اور تعیینِ وقت اور تاریخ نہیں کیا۔ غرضیکہ کسی قسم کے تعینات خاصہ سے اس کو مقید نہیں فرمایا بلکہ اس کی برکت کو ہر حالت میں قابلِ استفادہ تصور فرمایا۔ بخلاف اس صورت کے جس کو سائل نے بیان کیا ہے جس میں تعیینِ ماہ و یوم و تاریخ کو امرِ ضروری اور مؤثر فی ازدیاد الثواب خیال کیا ہے جس کی سنتِ نبویہ میں کچھ بھی اصل نہیں ہے، اور تداعی اور انعقادِ محافل خاصہ کو لابد خیال کیا ہے اور اس میں نوبت و نقارہ و جملہ مزامیر مہیا کیئے جاتے ہیں جو سراسر افعالِ شیاطین سے ہیں۔ مالیدۂ موئے مبارک بھی بطور نذر لغیر اللہ کیا جاتا ہے اور بطور تبرک کے تقسیم، حالانکہ اس سے انتفاع حرام قطعی ہے، غزلیں گاتے ہیں، حالانکہ ایسے راگ بالاتفاق حرام ہیں۔ پس برکت حاصل کرنا جو غایۃ الامر مستحب ثابت ہوگی باعث ہوتی ہے ایسے محرماتِ شرعیہ کے ارتکاب کی جن سے اجتناب واجب ہے اور ظاہر ہے کہ جس امر مستحب کے ارتکاب سے ترکِ واجب لازم آوے اس مستحب کا ترک واجب ہے۔ پس اس صورت میں ہرگز شریعت غرائے محمدیہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایسے بدعات کے ساتھ اس امر مستحب کا ارتکاب صحیح ہو اور نفس استحباب اس کا بھی اس صورت میں مسلم ہے جبکہ یہ بخوبی ثابت ہو جاوے کہ فی الواقع یہ موئے مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے اور یہ امر پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے تو ایسے جلسہ میں بقصد تبرک حاضر ہونا بھی جائز نہیں ہے، اور جو لوگ نذر مانتے ہیں موئے مبارک کی اور اس پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں وہ حرام ہے۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت لغیر اللہ حرام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نذر لغیر اللہ ہے پس یہ حرام ہے۔

چنانچہ لکھا ہے صاحب بحرالرائق نے:۔ والنذر للمخلوق لایجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لایکون لمخلوق۔

یعنی نذر مخلوق کی ناجائز ہے اس لیے کہ وہ عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کے لیئے نہیں ہوتی الخ

اور جس طرح یہ فعل حرام ہے اور ایسی نذر منعقد نہیں ہوتی اور ذمہ پر اس کا ادا واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی بحرالرائق میں ہے:۔ الاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولاینعقد ولایشتغل الذمۃ بہ وانہ حرام بل سحت ولایجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ الخ

ترجمہ:۔ یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ نذر مخلوق کی حرام ہے اور وہ نذر منعقد بھی نہیں ہوتی اور ذمہ پر اس کا وجوب نہیں ہوتا اور مجاوروں کو اس کا لینا اور کھانا اور کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو اوقات موئے مبارک کے خدام کے واسطے مقرر ہیں اگر وہ اوقات اس غرض سے مقرر کیئے ہوئے ہیں کہ وہ تمام بدعات و شرکیات جو سوال میں مذکور ہیں اس وقف کے ذریعے سے رائج کیئے جاویں اور ایسے بدعات میں ان اوقاف سے صرف کیا جاوے تو فی نفسہ یہ وقف ہی باطل ہے اور ان کا واقف گنہگار ہے کیونکہ منجملہ شرائط صحت وقف کے ایک یہ شرط

ہے کہ وہ کام جس کے لیۓ وقف کیا ہے فی نفسہ قربت اور عبادت معلوم فی الدین ہو جو ظاہر ہے یہ امور نعوذ باللہ منہا عبادت نہیں ہیں۔

چنانچہ عالمگیریہ میں ہے:۔ ومنہا ای من شرائط صحتہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ وعند التصرف الخ

ترجمہ:۔ اور منجملہ شرائط کے ایک یہ شرط ہے کہ وہ امر فی نفسہ قربت ہو اور وقت تصرف کے الخ

اور اگر اس نے صرف یہ نیت کی ہے کہ جو فقراء ومساکین یہاں حاضر ہوں ان پر صرف کیا جاوے اور جو شخص اس کے متولی ہوں وہ بھی بقدر حاجت اس میں سے لیا کریں تو وقف صحیح ہے! اور بقدر حاجت خود لینا اور باقی فقراء پر صرف کرنا حلال ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد اسمعیل

اجاد من اجاب۔ محمد لطف اللہ

فی الواقع برکت لینا ایسی چیزوں سے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بانتساب صحیح بطریق صحیح منسوب ہیں جائز ومستحسن ہے لیکن ایسی مجلس میں جانا جس کو سائل نے ذکر کیا، بوجہ اشتمال ان کے بدعات مستقبحہ اور افعال محرمہ پر شریک ہونا نہیں جائز ہے اور نہ ایسے آثار سے جن کا انتساب بطریق صحیح ثابت نہیں ہے برکت لینا جائز ہے اور جو اشیاء عوام کالانعام موۓ مبارک پر چڑھاتے ہیں ان کا لینا بوجہ منذور لغیر اللہ ہونے کے نہیں جائز ہے۔ وللہ در المجیب حیث اتی بفضل رائق وھو فیہ مصیب۔ واللہ اعلم ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔

پیتل کو سونا یا چاندی بنانا

سوال (۱۳۱)، علم کیمیا کے ذریعہ پیتل کا سونا یا چاندی بن جانا کیا ممکن ہے؟

جواب:۔ علماء حکمت کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض حکماء شیخ الرئیس وغیرہ اس کو محال قرار دیتے ہیں لیکن دلیل قوی ان کے پاس نہیں ہے۔ اور ایک جماعت امکان کی قائل ہے اور دلائل استحالہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

اور یہ اختلاف کشف الظنون میں اسامی الکتب والفنون سے منقول ہے:۔ حاصل ما ذکرہ الصفدی فی شرح لامیۃ العجم ان الناس فیہ علی طریقین فقال کثیر منہم ببطلانہ منہم الشیخ الرئیس ابن سیناء ابطلہ بمقدمات من کتاب الشفاء والشیخ تقی الدین ابن تیمیۃ صنف رسالۃ فی الکیمیا فی انکار وصنف یعقوب الکندی ایضا رسالۃ فی ابطالہ لکنہم لم یوردا شیاء یفید الظن لامتناعہ فضلا عن الیقین وذھب الاخرون الی امکانہ منہم الامام الرازی فانہ فی المباحث المشرقیۃ عصقلا فی بیان امکانہ والشیخ نجم الدین ابن ابی الدار البغدادی رد علی الشیخ ابن تیمیۃ وزیف ما قالہ فی رسالۃ ورد ابوبکر بن محمد زکریا الرازی علی یعقوب الکندی واستدل الامام فی الملخص علی امکانہ فقال الامکان العقلی ثابت لان الاجسام مشترکۃ الجسمیۃ فوجب ان یصح علی کل واحد ما یصح فی الاخر وحکی ابن ماجۃ الاندلسی فی بعض تالیفہ عن الشیخ ابی نصر الفارابی انہ قال قد بین ارسطو فی کتابہ من المعاون ان صناعۃ الکیمیاء داخلۃ تحت الامکان الا انہا من الممکن الذی یعسر وجودہ بالفعل انتہی ملخصا۔

اور اکثر علماء شریعت بھی امکان کے قائل ہیں۔ ابن حجر مکی ہیثمی تحفۃ المحتاج شرح منہاج کے باب الانجاس میں لکھتے ہیں:۔ اختلف فی انقلاب الشئ عن حقیقۃ کالنحاس فی الذھب ھل ھو ثابت فقیل نعم لانقلاب العصا ثعبانا حقیقۃ والا لبطل الاعجاز وقیل لا لان قلب الحقائق محال والحق الاول انتہی ملخصا۔

اور بھی لکھتے ہیں:۔ کثیرا ما یسئل عن تعلم علم الکیمیاء وعملہ ولم نر لاحد کلاما فی ذلک والذی یظھر انہ یبتنی علی الخلاف فعلی الاول من علم العلم الموصل لذالک القلب علما یقینیا جاز لہ علمہ وتعلیمہ اذ لا محذور فیہ بوجہ ولن قلنا بالثانی اولم یعلم الانسان ذلک بالعلم الیقین کان ذلک وسیلۃ الی الغش فالوجہ الحرمۃ انتہی ملخصا۔

رد المحتار میں اس عبارت کے بعد مذکور ہے:۔ حاصلہ انا اذا قلنا باثبات قلب الحقائق وھو الحق جاز العمل بہ وتعلمہ لانہ لیس بغش لان النحاس ینقلب ذھبا او فضۃ حقیقۃ وان قلنا انہ غیر ثابت لا یجوز لانہ غش کما یجوز لمن لا یعلمہ حقیقۃ لما فیہ من اتلاف مال المسلمین وغش المسلمین والظاھر ان مذھبنا ثبوت الحقائق بدلیل ما ذکروہ فی انقلاب العین فی النجاسۃ کانقلاب الخمر والدم مسکا ونحو ذلک انتہی۔

روح کا مسکن

سوال (۳۴۲) اکثر علمائے دین تحریر فرماتے ہیں کہ روح میت ایک چلہ یا کم وزیادہ اپنے گھر میں رہتی ہے بعدہ ایک سال تک قبر پر رہ کر مقام علیین وغیرہ کو جاتی ہے۔ پس صحیح تر نزدیک اہل سنت کے کیا ہے؟۔

جواب:۔ ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد قبض کے روح علیین کو جاتی ہے۔ روایت بزازیہ میں ہے فاذا خرجت روحہ وضعت علی ذلک المسك والریحان وذھب بہ الی علیین۔

اور یہ امر کہ ایک چلہ گھر میں اور ایک سال قبر پر رہ کے علیین کو جاتی ہے نہیں ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ

جنت میں اقرباء کے ساتھ رہنا

سوال (۳۴۳) آپ نے فرمایا کہ بہشت میں ملاقات ہوگی۔ مگر یہ نہ ظاہر ہوا کہ جورو خصم ولڑکے وغیرہ مانند یہاں کے یکجا رہیں گے یا نہیں؟

جواب:۔ جب سب جنت میں جاویں گے تو مانند یہاں کے سب یکجا رہیں گے اور اگر مراتب درجات مختلف ہوں گے تو ایک کے درجے میں دوسرے جا کے یا پاس پہنچ کے ملاقات کر سکیں گے۔ تفصیل اس کی بدور سافرہ فی احوال الآخرہ میں موجود ہے۔

ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ مبوب

ابلیس کا قرآن پڑھنا

سوال (۳۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ابلیس لعین قراءت قرآن پر قادر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ لقط المرجان فی اخبار الجان میں جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔ سئل ابن الصلاح عن رجل یقول

ان الشیطان یقدر ان یقرأ القران ویصلی ہو وجنودہ فاجاب ظاہر المنقول ینفی قراءتہم القران وقوعا ویلزم منہ انتفاء الصلوٰۃ منہم اذ منہا قراءۃ القران وقد ورد ان الملائکۃ لم یعطوا فضیلۃ قراءۃ القران وہی حریصۃ لذلک علی استماعہ من الانس فاذن قراءۃ القران کرامۃ اکرمہ اللہ بہا الانس غیر ان المؤمنین من الجن بلغنا انہم یقرؤنہ انتہی۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جنات میں سے مسلمان اور نیک جن تو قراءۃ قرآن پر قادر ہیں مگر ابلیس قادر نہیں، واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیٰ

کوچہ غیر نافذہ میں تصرف کرنا

سوال (۷۴۵) کسی کوچۂ غیر نافذہ میں فقط حامد و محمود کا راستہ ہے۔ ایک تیسرا شخص زید اس کوچہ میں نیا دروازہ کھول کر راستہ میں شریک ہونا چاہتا ہے اور حامد و محمود مانع ہیں، اب زید کے لیے دروازہ کھولنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں۔ ابوالحبیش محمد مہدی۔ صح الجواب محمد رحمت اللہ

حامد و محمود کے منع کرنے کی صورت میں زید کو دروازہ بنانے کا حق نہیں ہے۔ درمختار میں ہے:۔ زائغۃ مستطیلۃ تنشعب عنہا سکۃ مثلہا یمنع اہل الاولیٰ عن فتح باب للمرور فی القصویٰ الغیر النافذۃ علی الصحیح اذ لاحق لہم فی المرور انتہی۔ محمد نعیم۔ اصاب من اجاب علی محمد۔

سکۂ غیر نافذہ میں بلا اجازت اہلِ سکہ کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر شرکاء سکہ میں سے بھی کوئی شخص نیا دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو دوسروں کی اجازت کے بغیر نہیں کھول سکتا۔ بزازیہ میں ہے:۔ سکۃ غیر نافذۃ بین عشرۃ لکل منہم دار غیر ان لاحدہم دارا فی سکۃ اخری لاطریق لہا فی ہذہ السکۃ غیر ان حائطہا فی ہذہ السکۃ قال ابوالقاسم لیس لہ ذلک وبہ افتی ابوجعفر وبہ ناخذ انتہی ملخصًا۔

جب شریک کو حق نہیں تو غیر شریک کو اہلِ سکہ کی اجازت کے بغیر کیسے حق ہوگا، اور ان کی ممانعت کے ہوتے ہوئے نیا دروازہ نہیں کھول سکتا۔

منح الغفار میں ہے:۔ وفی غیر النافذۃ لا یتصرف فیہ احد مطلقا اضر بہم اولا الا باذنہم لان الطرق التی لیست بنافذۃ مملوکۃ لاہلہا والتصرف فی الملک المشترک من الوجہ الذی لم یوضع لا یملک الا باذن الکل۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٰ

ہمسایہ کو تصرفات سے روکنا

سوال (۷۴۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید کے مکان میں دروازہ پر کٹہر کیاں نصب ہیں اور مکانِ زید سے مکانِ خالد محض علیحدہ ہے بلکہ درمیان میں شارعِ عام فاصل ہے اور ایک تیلی کا مکان درمیان میں واقع ہے۔ چونکہ ایک دیوار مکان خالد کی بقدر ایک گز کے طول میں اور نصف گز کی

بلندی عرض میں کم ہے اس وجہ سے کسی قدر اس کا مکان کھڑکیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ زید اس قدر پردہ ہونے پر بھی راضی ہے، لیکن خالد ان کھڑکیوں سے مزاحمت کرتا ہے۔ پس از روئے شرع خالد کو تعرض پہنچتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مسئلہ مذکورہ میں اختلاف ہے۔ بعض متاخرین نے کہا اگر کسی شخص کے اپنے ملک تصرف کرنے سے ہمسایہ کو نقصان پہنچتا ہے تو اس کو منع کرنے کا حق ہوگا۔ درمختار میں ہے:۔ علیہ الفتوی واختارہ فی العمادیہ وافتی بہ قارئ الہدایۃ حتی یمنع الجار من فتح الطاقۃ وھذا جواب المشائخ استحسانا انتہی۔

اور نصاب الاحتساب میں ہے:۔ لو فتح کوۃ حتی وقع نظرہ منہا الی نساء جارہ علی روایۃ کتاب القسمۃ لا یمنع والفتوی علی انہ یمنع انتہی۔

اور فتاوی قاضی خاں میں ہے:۔ ومثلہ فی خزانۃ المفتین لو اراد الجار ان یمنعہ من الصعود حتی یتخذ سترۃ قالوا ان کان فی صعودہ یقع بصرہ فی دار جارہ کان لہ ان یمنعہ من الصعود حتی یتخذ سترۃ وان کان لا یقع بصرہ علیہم اذا کانوا علی السطح لا یمنعہ من الصعود انتہی۔

اور اکثر فقہاء نے ظاہر روایت کا اعتبار کرکے فتوی دیا کہ ہمسایہ کو ممانعت کا حق نہیں ہے اگرچہ اس کو نقصان ہو۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:۔ کل ما ذکر فی جنس ھذہ المسائل قول مشایخ بلخ وانہ یخالف قول ابی حنیفۃ من تصرف فی ملکہ لا یمنع منہ وان اضر بجارہ وفی الدر المختار جواب ظاہر الروایۃ عدم المنع مطلقا وبہ افتی طائفۃ کالامام ظہیر الدین وابن الشحنۃ ووالدہ ورجحہ فی الفتح وفی قسمۃ المجتبی وبہ افتی واعتمدہ المصنف ثم قال قد اختلف الفقہاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ انتہی۔

وفی حاشیۃ لو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ کوۃ یلی صاحب الساحۃ منعہ بل لہ ان یبنی ما یستر جہتہ الی ان قال والامام ظہیر الدین کان یفتی بقول الامام والحاصل ان الذی علیہ غالب المشائخ من المتاخرین ھو الاستحسان فی جنس ھذہ المسائل وافتی طائفۃ بجواب القیاس المروی واختارہ فی العمادیۃ المنع اذا کان الضرر بینا وظاہر الروایۃ خلافہ وذکر العلامۃ ابن الشحنۃ ان فی حفظہ ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن انہ لا یمنع من التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ وھو الذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی شیخ الاسلام انتہی۔

اور فتح القدیر میں بھی ظاہر روایت کو راجح کہا گیا ہے۔ انور علی

صاحب خانہ کو اپنے مکان میں ہر قسم کے تصرف کرنے کا حق ہے یا نہیں۔ خواہ اس میں دوسرے کا نقصان ہو یا نہ ہو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ متاخرین کی ایک جماعت اور اکثر مشائخ کا مسلک ہے جس تصرف میں دوسرے کا ضرر بین ہو تو جائز نہیں اور جس کا بھی نقصان ہو اس کو منع کرنے کا حق ہے ہمسایہ ہو یا غیر ہمسایہ۔

منح الغفار میں ہے:۔ فی المجتبیٰ لو وقع فی نصیب احدھما دارًا وفی الآخرۃ ساحۃ فاراد صاحب الساحۃ ان یبنی فیھا ویسد الریح والشمس علی الآخر فلیس لہ المنع فی ظاھر الروایۃ وبہ یفتی وقال نصیر الصغار لہ المنع وعلی ھذا الوارا والجار تنویرا وفی فتاوی قاری الھدایۃ الفتوی علی انہ ممنوع من التصرف علی وجہ یتضرر بہ الجار وان کان فی ملکہ واجاب قاری الھدایۃ بان الجار یمنع ان یفتح کوۃ یشرف منھا علی جارہ فقد اختلف التصحیح وینبغی ان یعول علی ظاھر الروایۃ انتھی ملخصًا۔

اور صاحب خزانۃ الفقہ تحریر فرماتے ہیں:۔ لو اراد الرجل ان یبنی فی دارہ اودوکانہ تنورًا او حماما او بنا قاق القصارین لم یجز قال الصدر الشھید کان والدی یفتی بانہ اذا قال التضرر قال وبہ یفتی وھذا جواب المشائخ وجواب ظاھر الروایۃ لا یمنع انتھی۔

اور فتاوی خیریہ میں ہے:۔ مسئلہ فتح الکوۃ فیھا قیاس واستحسان والاستحسان المنع وعلیہ الفتوی کما نقلہ فی التاتارخانیۃ وشرح القدوری المسمی بالمضمرات عن التھذیب وقال فی التاتارخانیۃ قبیل مسئلۃ الکوۃ الحاصل فی جنس ھذہ المسائل ان القیاس ان کل من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع وان کان یودی الی الضرر بالغیر لکن ترک القیاس فی موضع یتعدی ضرر تصرفہ الی غیرہ ضررًا بینا وقیل بالمنع مطلقا وبہ اخذ کثیر من مشائخنا وعلیہ الفتوی ومثلہ فی الفصول العمادیۃ من الکتب انتھی۔

اور مفتی شام ملا حامد اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:۔ فتاوی علی ان الکوۃ حیث کانت للنظر والموضع موضع لنساء تسد بلا فاصل بین الطریق الفاصل وغیرہ کما فی المضمرات وغیرہ انتھی۔

اور اسی فتاویٰ معروف بہ مغنی المفتی عن سوال المستفتی میں دوسری جگہ مذکور ہے:۔ لا فرق بین القدیم والحادث حیث کان الضرر بینا انتھی۔

اور علامہ ابن عابدین تنقیح فتاوی حامدیہ میں فرماتے ہیں:۔ وفی حاشیۃ البحر من القضاء للشیخ خیر الدین لا فرق بین القدیم والحادث حیث کانت العلۃ الضرر البین انتھی۔

صورت مسئولہ میں اگر زید کے اپنے مکان میں کھڑکیاں کھولنے سے خالد کو ضرر بین پہونچتا ہے اور بے پردگی ہوتی ہے تو مشائخ بلخ کے مسلک مختار کے مطابق اس کو منع کرنے کا حق ہے، اور زید کو چاہیئے کہ پردہ کی دیوار بنائے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحئی

ہمسایہ کو کواڑ لگانے سے روکنا

سوال (۷۴۰) زید کی ایک آراضی مملوکہ مقبوضہ ہے اور اسی آراضی میں مرور مکان مسکونہ زید کا ہے، اب اس آراضی کے دروازہ پر کہ قبل اس سے چند عرصہ سے بلا چوکھٹ وکواڑ کے تھا، زید نے چوکھٹ وکواڑ بعض مصالح کے پیش نظر لگائے ہیں۔ ایک غیر شخص کہ زمانہ قدیم سے اس کا مکان مرور اس آراضی میں نہ تھا اب چند عرصہ سے اسی آراضی میں اس کا مرور ہے اس نصب چوکھٹ وکواڑ سے مانع ہے۔ حالانکہ زید مالک آراضی بعد نصب چوکھٹ وکواڑ کسی طرح اس غیر شخص کو مرور سے نہیں روکتا اور نہ کوئی حق اس غیر شخص

کا سوائے مرور کے اس آراضی میں ثابت ہے آیا زید مالک قابض کو اس زمین پر چوکھٹ اور کواڑ قائم کرنے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں اور غیر شخص کا منع کرنا صحیح ہے یا نہیں، اور اگر وہ شخص غیر ملکیت زید سے بہ نسبت اس اراضی کے جس میں دروازہ لگایا ہے انکار کرے تو حاکم کو تحقیقات اس کی ملکیت کی بہ نسبت اس آراضی کے چاہیئے یا نہیں؟۔

جواب:۔ زید قابض مالک کو غیر کا ضرر بین نہ ہونے کی صورت میں چوکھٹ اور کواڑ لگانے کا حق پہنچتا ہے۔ شرعاً ممتنع نہیں اور جب زید اس غیر شخص کو مانع مرور سے نہیں تو اس دروازہ سے کچھ حرج اس شخص غیر کا ثابت نہیں اور منع شخص غیر کا صحیح اور درست نہیں، اور مراد ضرر بین سے یہ ہے کہ ہمسایہ کے حوائج اصلیہ بند ہو جاویں جیسے مثلاً کسی شخص کے مکان میں سے ہمسایہ کے مکان میں روشنی آتی تھی)۔ اب اس شخص نے اپنا مکان بنایا کہ روشنی بالکل مکان ہمسایہ کی بند ہو گئی اور اگر ایسا نہ ہو یعنی ہمسایہ اپنے حوائج اصلیہ سے بند نہ ہوا ضرر بین نہ ہوگا اور جب مالک و قابض مانع مرور ہمسایہ نہیں ہے اور دروازہ اور چوکھٹ لگانے سے مرور مسدود نہیں ہوتا تو ہمسایہ کو حق ممانعت نصب چوکھٹ و کواڑ سے شرعاً نہیں پہنچتا۔

قال فی الدر المختار ولا یمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ الا اذا کان الضرر بجارہ ضرراً بیناً فیمنع من ذلک وعلیہ الفتوی وقال فی رد المحتار والحاصل ان القیاس فی جنس ھذہ المسائل ان یفعل المالک مابدا لہ مطلقا لانہ متصرف فی خالص ملکہ لکن ترک القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا فاحشا وھو المراد بالبین وھو ما یکون سبب للھدم ویخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو ما یمنع الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ واختارہ والفتوی علیہ فاما التوسع الی منع کل ضرر فیسد باب انتفاع الانسان بملکہ کما ذکرنا قریبا انتہی۔

اور حاکم کو تحقیق ملکیت زید کی بہ نسبت آراضی مذکورہ کے چاہیئے کہ بناء جواز نصب دروازہ برملکیت زید کے ہے اور عدم جواز بر تقدیر عدم ملکیت کے وہو ظاہر۔ محمد حسین

الجواب ہو الصواب محمد عنایت اللہ۔ ذلک کذلک، فدائے احمد۔ الجواب صحیح محمد عبدالقادر خاں۔

اصاب من اجاب حامد حسین۔ الجواب ہو الجواب۔ محمد ریاست علی خاں۔ قد صح الجواب۔ ابوالقاسم محمد مزمل۔

فی الواقع ضرر بین نہ ہونے کی صورت میں ہمسایہ کو حقِ ممانعت نہیں یہی مفتی بہ اور مختار ہے۔ در مختار کی عبارت بھی اس کی مؤید ہے۔ محمد عبدالحیٔ

ہذا الجواب صحیح محمد اکبر علی خاں۔ الجواب ہو الجواب محمد عبداللہ۔ ذلک کذلک محمد نظیر علی

الاجوبۃ المذکورۃ صحیحۃ بتقدیر صحۃ ما قال لہ المستفتی۔ حافظ محمد شعیب۔

بعد تحقیق اس امر کے کہ وہ زمین ملکِ زید ہے۔ زید کو چوکھٹ وغیرہ لگانے سے منع نہ کیا جاوے گا۔ مگر یہ کہ نہ ہمسایہ کو اس سے ضرر ظاہر پہنچے۔

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:۔ فی حواشی الاشباہ لبیری زادہ ما نصہ لہ التصرف فی ملکہ وان تضرر جارہ فی ظاہر الروایۃ والذی استقر علیہ رای المتاخرین ان الانسان یتصرف فی ملکہ وان اضر بغیرہ مالم یکن

ضررا بینا والفتوی علیہ انتہی

اور منح الغفار میں ہے :۔ فی فتاوی قاری الھدایۃ الفتوی علی انہ ممنوع من التصرف علی وجہ یتضرر بہ الجار وان کان فی ملکہ انتہی۔

اور تاتارخانیہ میں ہے :۔ الاصل فی جنس ھذہ المسائل ان القیاس ان کل من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع وان کان یودی الی الضرر بالغیر لکن ترک القیاس فی موضع یتادی ضرر تصرفہ الی غیرہ ضررا بینا انتہی محمد عبدالحیؒ

پیغمبر آخرالزماں کا وکیل

سوال (۴۸۷) کوئی شخص مرد ہندی ناخواندہ قوم افغان دعویٰ نبوت کا اس پردے میں کرے کہ میں وکیل پیغمبر آخرالزماں ہوں، اور واسطے تردید کتب نصاریٰ کے پیغمبر خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ یک مطبع محمدی قائم کرکے کتب تردید دین نصاری تصنیف کرکے چھپوادوں تا دین نصاریٰ باطل اور رد ہوجاوے۔ پس اس قول کو مرد ہندی ناخواندہ سے باور کرنا اور اس پر اعتقاد دلانا کہ بے شبہ یہ وکیل مختار فرستادہ نبی آخرالزماں کا ہے یا اس کی مدد خرچ کرنا بنام مطبع دینا روا ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ اگر وہ شخص اپنی وکالت پر اس امر کو سند بلاتا ہے کہ میں نے آں حضرتؐ کو خواب میں دیکھا ہے تو خواب کی تحقیق و تفتیش کے بعد اس کی تصدیق ہوسکتی ہے، ورنہ قول اس کا پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ محمد عبدالحیؒ عفا عنہ

عبدالرسول، عبدالحسین نام رکھنا

سوال (۴۸۹) کسی کا نام عبدالرسول یا عبدالحسین وغیرہ رکھنا درست ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ ایسا نام جس میں اضافت عبد کی طرف غیر خدا کے ہو شرعاً درست نہیں ہے اور اگرچہ صرف اس قسم کے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو بسبب احتمال اس کے کہ عبد سے مراد خادم و مطیع ہے مگر بوئے شرک سے ایسا نام رکھنا خالی نہیں ہے قرآن و حدیث اس قسم کے نام رکھنے کی ممانعت پر دال ہیں اور علمائے امت محمدیہ نے بھی جابجا اس کی تصریح کی ہے۔

تفسیر جلالین میں ہے :ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ آدم وجعل خلق منھا زوجھا حواء لیسکن الیھا فلما تغشاھا حملت حملا خفیفا ھوالنطفۃ فمرت بہ ذھبت وجاءت لخفتہ فلما اثقلت بکبر الولد فی بطنھا واشفقا ان یکون بھیمۃ دعوا اللہ ربھما لئن اتیتنا صالحا سویا لنکونن من الشاکرین فلما اتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما اعطاھما بتسمیۃ عبدالحارث ولا ینبغی ان یکون عبدا الا للہ ولیس باشراک فی العبودیۃ لعصمۃ آدم وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما ولدت حواء طاف بھا ابلیس وکان لا یعیش لھا ولد فقال سمیہ عبدالحارث فانہ یعیش فسمتہ فعاش فکان ھذا من وحی الشیطان وامرہ رواہ الحاکم وقال صحیح والترمذی وقال حسن غریب انتہی ملخصا۔

اور جمل کے حواشی جلالین میں ہے:۔ ولیس الجعل المذکور باشراک فی اللہ بل ھو شرک فی التسمیۃ وھذا لا یقتضی الکفر انتھی۔ اور شرعۃ اسلام میں ہے:۔ ولا یسمہ حکیماً ولا اباعلی ولا عبد فلان انتھی۔
اور ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے:۔ اما الاشتھار من التسمیۃ بعبد النبی فظاھرہ کفر الا ان اراد بالعبد المملوک انتھی۔
اور ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ میں ہے:۔ ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا غیرہ ولا ما شاع بین الناس انتھی۔
اور ابن حجر مکی کی شرح منہاج میں ہے:۔ ویحرم ملک الاملاک لان ذالک لیس لغیر اللہ وکذا عبد النبی وعبد الکعبۃ او الدار او علی او الحسن لایھام التشریک انتھی۔ واللہ اعلم۔

محاکمہ ـــــ سکان حرمین کی فضیلت پر محاکمہ۔

استفتاء (۵۰۰) محاکمہ در تقریرات فریقین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مسئلہ فضیلت سکان حرمین فریقین کے باب میں ہم نے مولوی عبدالحیؒ صاحب کو منصف قرار دیا ہے۔ الراقم **محمد عبدالعزیز**
میں نے مولوی عبدالحیؒ صاحب کی منصفی مسئلہ فضیلت سکان حرمین میں تسلیم کی۔ **محمد حسین عفا اللہ عنہ**
سوال:۔ آپ فضیلت کلی ساکنان حرمین کے مدعی ہیں اور ہر صفت میں ان کو افضل بتلاتے ہیں یا کسی وصف خاص میں۔ **محمد حسین**۔ آپ نے مراد کلی فضیلت سے کیا رکھا ہے اور آپ وصفِ خاص کس کو کہتے ہیں اور تمسک اس مسئلہ میں آپ کس دلیل سے پکڑو گے؟
جواب:۔ میں وصفِ کلی سے شرح کر چکا ہوں کہ ہر وصف میں یعنی علم و فہم و تقویٰ و فضل سکونت اور وصفِ خاص سے میری مراد ایک صفت ان صفتوں سے ہے اور میرا تمسک کرنا ابھی آپ کو کہاں معلوم ہوا، میں تو سائل ہوں تمسک کام مدعی کا ہے۔ سو آپ ہی جس دلیل سے آپ تمسک کریں گے میں اس کا جواب دوں گا۔ (محمد حسین)
جواب:۔ جب تک آپ کوئی دلیل ادلہ شرعیہ میں سے منظور نہ کرو گے پس جواب متعذر ہے۔ کیونکہ جس دلیل کو خصم تسلیم نہیں کرتا اس کا بیان بے فائدہ ہے اس لیے آپ کو لازم ہے کہ اپنا متمسک بیان کریں تاکہ جواب دیا جائے اور آپ نے جو کل قرآن کی آیت مذمت اہل مدینہ اور عرب کے بیان فرمائی تھی اس کو مذمت مذکورہ میں سند جانتے ہو یا اس سے انکار ہے۔
جواب:۔ میرے سامنے دلیل پیش کرنے کی اس وقت حاجت ہوگی جب میں آپ کے دعویٰ فضیلت کا منکر ہوں گا۔ اور چونکہ ابھی تک محل نزاع مقرر نہیں ہوا اور سرا پا تسلیم پایا نہیں گیا تو ابھی دلیل پیش کرنے کی کچھ حاجت نہیں، شاید میں آپ کے دعویٰ فضیلت کو مان جاؤں جس وقت میں آپ کے دعویٰ کا منکر ہوں گا دلیل طلب کروں گا اس وقت آپ دریافت کرنا کہ دلیل کون سی مانگے گا۔ اور جو آیت میں کل پکڑی تھی وہ مذمت میں ان لوگوں کی پکڑی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں منافق تھے۔ چنانچہ میں نے تقسیم کی

تھی کہ مکے و مدینے کے لوگ کئی قسم کے ہیں ایک وہ جو پہلے حضرت کے کافر تھے، اور دوسرے وہ جو حضرت کے وقت میں کافر تھے اور کہا تھا کہ آں حضرت کے وقت میں بھی مدینہ میں منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پیش کی تھی سو میں اب تک اسی تمسک پر قائم ہوں اور ان منافقوں کی مذمت میں وہ آیت پڑھتا ہوں (محمد حسین)

آپ نے جو کل آیت کو مقابل ہمارے مناظرہ میں بیان کیا اگر مراد آپ کی وہی تھی جو آپ فرما رہے ہو۔ پس ظاہر ہے کہ آپ خطائے فاحش اور غلطی عظیم میں گرفتار ہوئے کیونکہ جو حدیثیں ہم نے مقابل میں بیان کی تھیں ان کا یہ مضمون نہ تھا کہ قبل تقرر اور نصرت اسلام کے ثبوت فضیلت کا ہو اگر مضمون اس حدیث کا آپ نے یہی خیال کیا ہے پس یہ امر اہل علم اور فراست سے دور اور بعید ہے اور اگر مراد آپ کی بعد تقرر اسلام کے بھی ہو پس اس سے تکذیب احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم آتی ہے اعاذنا اللہ سبحانہ من ذلک کلہ۔

اور آپ دو تین روز سے جو انکار فضیلت کر رہے تھے اس لیے آپ سے دریافت متمسک کی ضرورت ہے آپ نے دعویٰ کیا یعنی لکھا کہ آپ کس زمانہ کے لوگوں کی فضیلت کے مدعی ہیں اس لیے میں نے جواب میں تفصیل تقسیم کیا تھا اور یہ میں نہیں کہتا کہ جو مضمون احادیث سے فضیلت ثابت ہے وہ مسلم نہیں اور تقرر کی حد بیان کرنا آپ پر لازم ہے کہ کس وقت سے وہ تقرر پایا گیا جس وقت سے مدینہ میں منافق نہ رہے جس وقت حد بیان کریں گے اس وقت میرا اقرار یا انکار آپ کو ثابت ہوگا پہلے ہی سے آپ کیوں فرماتے ہیں کہ تم بعد تقرر اسلام منافقوں کا وجود مدینہ میں تجویز کرتے ہو اور احادیث کا خلاف کرتے ہو۔ جواب دو اتنی بات کا، میں دو تین دن سے مطلق فضیلت کا منکر نہیں جس کا منکر ہوں اب بھی ہوں، آپ فضیلت معین کریں کہ آپ کس فضیلت کے مدعی ہیں۔ شاید میں اس فضیلت کا منکر نہ نکلوں۔ جب منکر پاویں اس وقت آپ مجھ سے دلیل لائق تمسک کا سوال کریں۔

جواب:۔ امر عجب العجائب ہے کہ آپ کے سامنے جب حدیثیں فضائل کی بیان ہوئیں اور مضمون احادیث کا صریحاً دلالت کرتا ہے کہ مراد زمانہ نفاق اور کفر کا نہیں، پھر بھی ایسی آیت کو مقابل میں ان احادیث کے بیان کرنا صریح غلطی ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ دعویٰ فضیلت کا کل سکان حرمین کا بعد استیلاء و تقرر اسلام کے ہے نہ زمانہ کفر اور نفاق میں، خیر اب چونکہ آپ ادعائے مذکورہ سے کوئی وجہ نکال کر انکار کیا چاہتے ہیں، اس انکار کو آپ کے ہم نے بجائے توجہ قرار دیا کیونکہ الانکار من الخطاء توبۃ اور فضائل سکان حرمین شریفین کے بالفعل بھی جو احادیث سے ثابت نہیں کئی قسم کے ہیں۔ لیکن مابین اس مناظرے کے مدعا اور مقصود یہ ہے کہ علمائے اطراف اور دیار میں کسی مسئلہ کا اختلاف ہو تو پس اس صورت میں یہ امر افضل اور بہتر ہے کہ حرمین شریفین کے علماء کو منصف قرار دیا جاوے۔ چنانچہ مجموعہ احادیث مشتمل استفتاء جو پیش کیا جاتا ہے اس امر پر دال ہے۔

جواب:۔ آپ نے دعویٰ عام کیا تھا اور دلیل خاص و فضیلت زمانہ تقرر اسلام کی لائے تھے۔ اس لیے میں نے آپ کے عام دعوے کے مقابلہ میں تقسیم کی اور عام کے انھیں افراد کو توڑا اور وہ آیت میری متمسک بمقابلہ آپ کے عموم دعوے کے ہے نہ بمقابلہ خصوص احادیث کے، پس آپ کا سمجھنا کہ ہماری احادیث کے سامنے آیت پڑھی،

آپ کی غلطی فہم ہے اور وہ پیدا ہوئی اس غلطی سے کہ آپ نے دعویٰ میں ابہام اور تعمیم کی تھی، خیر اب تو آپ اس تمام دعویٰ کو چھوڑتے ہیں تو میں آپ کے اس امر کو بجائے توبہ قرار دیتا ہوں اس لیئے کہ انکار خطا سے توبہ ہے اور جو آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم اس وصفِ خاص میں فضیلت کے مدعی ہیں کہ منصفی مقدماتِ دین میں وہ افضل ہیں اور اس دعوے پر آپ نے احادیث متضمنہ فتویٰ پیش کی ہیں۔ سو میں کہتا ہوں کہ آپ کے اس دعویٰ میں اولاً یہ بات تعین طلب ہے کہ کس زمانہ کے لوگ اس فضیلت کے محل ہیں، آیا ہر زمانہ کے یا خاص قرونِ ثلٰثہ کے یا آج کل کے، اسے تعین فرمادیں تو آپ کا فتویٰ دیا جاوے گا کہ وہ آپ کے دعویٰ کا مثبت ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ ہمارا دعویٰ اول یہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین کو اس زمانہ میں منصف قرار دینا بوقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے کے۔ چاہیئے واسطے اس امر کے۔ شرط ۳ ہماری شرائط مشمولہ مثل جو قبل انعقاد شرائط مرکار کے داخل کی گئی تھی شاہد عدل ہے۔ کیونکہ بسبب نہ ملنے اس شرط کے یہ بحث شروع ہوئی تھی اور اس شرط کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضار مجلس اور ناظرین کا غذات پر ظاہر ہو کہ تو یہ کس کی طرف عائد ہوتی ہے۔ شرط سوم بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہے تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو منصف مقرر کیا جاوے آپ کو لازم ہے کہ آپ یا تو منصفی علمائے حرمین کی منظور فرماویں یا ایک فتویٰ واسطے ثبوت مذمت مکان حرمین یعنی جو علماء اور اتقیاء اور مومنین وہاں کے موجود ہیں تحریر فرماویں کیونکہ آپ کا اول روز سے یہی دعویٰ سب کے روبرو ظاہر اور عیاں ہے "تاکہ فتویٰ طرفین کے منصف کے پاس ارسال کیئے جاویں۔

جواب: بے شک جناب نے اپنی شرط میں علماء کی منصفی کا ذکر کیا تھا۔ ولیکن جب آپ نے دعویٰ کیا تو عام ساکنان مکہ کی فضیلت کے مدعی ہوئے اور بہت ظاہر ہے کہ شرط اور شے ہے اور دعویٰ مشروط یعنی جس کے لیئے شرط مقرر کی گئی ہے اور یہ لازم نہیں کہ شرط میں تصریح فضیلت علماء کی ہونے سے مشروط میں بھی وہی تصریح سمجھی جاوے خصوصاً جب کہ الفاظِ دعویٰ میں تعمیم ہو، اس سے ثابت ہوا کہ آپ اپنے دعویٰ عام سے رجوع کرتے ہیں۔ خیر میں اس بات کو انصاف ناظرین رقعات طرفین پر چھوڑتا ہوں اور مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں۔ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو اس فضیلت کا جو احادیث فتویٰ سے ثابت ہے، محل قرار دیتے ہیں۔ ہر زمانہ کے لوگوں کو یا قرون ثلٰثہ کے یا آج کل کے، آپ نے اس بات کا جواب دیا نہیں اور مجھ سے درخواست کی کہ تم منصفی علمائے حرمین کی منظور کرو یا ان کی مذمت میں فتویٰ لکھو جو کہ محض اجنبی بات ہے، میں ابھی نہ منصفی مذکور کی تسلیم یا انکار کو زبان پر لاتا ہوں نہ اس کے خلاف میں کچھ لکھتا ہوں۔ جب آپ تعین ان لوگوں کی کریں گے جو آپ کی احادیث متضمنہ فتویٰ کے مصداق ہیں تو اس وقت میں نظر کروں گا۔ اگر وہ لوگ واقعی آپ کی احادیث فتویٰ کی مصداق ہوئے تو میں مان جاؤں گا ورنہ اس میں عذر کروں گا، آپ بھی مجھ سائل سے تسلیم اپنے مجمل دعویٰ یا انکار کی کیوں چاہتے ہیں۔ آئندہ جواب بحرف واحد دیں کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے باب منصفی میں آپ مدعی ہیں اور احادیث سے ان کی فضیلت باب منصفی میں ثابت فرمایئے۔ جانبین کی عبارات کو منصف تحقیقات کرے گا

اور یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے کلام لاطائل ہے جس امر کے آپ مدعی تھے دلیل اس کی پیش نہ کرسکے، آپ کو اختیار ہے جواب میں بھی التماس کرتا ہوں کہ لاطائل ہونا کلام ہر شخص کا سپرد ناظرین ہونا چاہیئے اور جو مجھے آپ مدعی بناکر مجھ سے دلیل طلب کرتے ہیں محل تعجب ہے وہ کون سا لفظ میری اس تحریر میں ہے جس سے میرا مدعی ہونا کسی امر میں ثابت ہوتا ہے، مہربانی فرماکر نشان دیں، میں تو اب تک سائل ہوں اور مدعی آپ ہیں پس آپ پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک فتویٰ بھی دکھایا تھا۔ اب اس کو کیوں چھپاتے ہو آئندہ دعوے میں تعین کردو اور اس پر کوئی آیت یا حدیث اسی فتویٰ کی شاہد ٹھہراکر پیش کردو پھر مجھ سے دریافت کرو کہ تو اس کو مانتا ہے یا اس میں منع پیش لاتا ہے یا معارضہ کرتا ہے۔

جواب:۔ لاطائل ہونا کلام کا سپرد ناظرین کے کرنا نہایت انصاف ہے۔ لہٰذا وجوہ لاطائل ہونے آپ کے کلام کے بیان کیے جاتے ہیں۔ ناظرین کاغذات اور ماہرین علوم پر خوب واضح ہو جاوے۔

وجہ اوّل:۔ یہ قول آپ کا رد لیکن جب آپ نے دعوے کیا تھا تو عام ساکنان مکہ معظمہ کی فضیلت کے مدعی ہوئے، محض بے سند ہے بلکہ وقت اول ملاقات کے جو سردار صاحب کے حضور میں ہوئی تھی، اور شرائط جانبین علیحدہ علیحدہ سردار صاحب کو حوالہ کی گئی تھیں اور ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط ستہ کے یہ تھی (شرط سوم بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہی تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ اور مدینہ کو منصف مقرر کیا جاوے) اس کو آپ نے نامنظور فرمایا بلکہ سکان حرمین شریفین کو فاسق وغیرہ الفاظ ہتک آمیز سے یاد فرمایا، اور میں نے جواب میں کئی حدیثیں مثبت فضیلت پیش کیں کہ ہم بموجب ان احادیث کے علمائے حرمین کو منصف قرار دیتے ہیں، آپ سے اس کے جواب میں بجز واقعات کے کوئی حدیث پیش نہیں ہوسکی تھی۔ دوسرے روز روبروئے تھانہ دار اور سردار صاحب کے مجمع عام میں پھر اسی شرط کا شروع ہوا۔ اس روز بھی آپ سکان حرمین کی مذمت کے مدعی ہوئے، میں نے کھڑے ہوکر مجمع عام میں احادیث فضائل کی بیان کیں۔ آپ نے اس کے جواب میں آیۃ الاعراب اشد کفرا ونفاقا الآیۃ ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق الآیۃ۔ اور چند واقعات استدلال مذمت اہل حرمین کے پڑھیں اور میں نے روبروئے تھانہ دار اور سردار صاحب کے ہرچند آپ سے التجا کی کہ آپ ان آیات کو مثبت مذمت جان کر تحریر کردیجیے، آپ نے بالکل نہ مانا۔

وجہ دوم:۔ اور قول آپ کا کہ شرط اور شے ہے اور مشروط یعنی دعویٰ اور بر حق ہے۔ لیکن شرط مذکور واسطے بحث مسائل مختلفہ کے کی گئی تھی جب جانبین نے اس شرط کو بحث قرار دیا بعینہ وہی شرط دعویٰ ہوگئی پس اس دعویٰ کا غیر شرط ہونا محالات سے ہے۔ لان سلب الشئی عن نفسہ محال۔

وجہ سوم:۔ اور قول آپ کا کہ دعویٰ کے الفاظ میں تعمیم ہوئی محض افترا ہے ورنہ ان الفاظ پر کو اغذات مثل میں نشان دو۔

وجہ چہارم:۔ اور قول آپ کا (آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ کن لوگوں کو آہ)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ عبارت ہماری سراسر دال ہے اوپر تعین مدعا کے، اس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا اب آپ ارشاد فرمادیں کہ تعیین مدعا اگر کسی جسم کا نام ہے تو اس جسم کو حاضر کردیں۔

وجہ پنجم:۔ مذمت سکان حرمین کا جو آپ کئی روز سے ورد کر رہے تھے۔ اب جب آپ سے دلیل اس کی طلب کی گئی تو اس کو اجنبی بات فرمانے لگے۔ اس کی مثل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے لڑکے سے بر وقت آپڑنے کسی واردات کے منکر اس کی ولدیت کا ہوجاوے اور اب جو آپ لکھتے ہیں کہ آپ کو دلیل پیش کرنا لازم برحق وجہ سو ہم دو روز سے دلیل اپنی پیش کر رہے ہیں لیکن آپ کا مدعی مذمت زبانی ہونا اور دلیل پیش نہ کرنا بعید مناظرہ سے ہے کیونکہ مناظرہ میں یہ شرط نہیں کہ جس چیز کا دعوی زبانی ہو اس کے واسطے دلیل بیان نہ کرے اور آپ کئی جگہ اپنے آپ کو سائل سے تعبیر کرتے ہیں اور حالانکہ مراد سائل سے علم مناظرہ میں وہ شخص ہے کہ جو مقابلہ مدعی کا بعد قائم ہونے دلیل کے کرے تسلیم کرنا دعوے کا بعد اقامت دلیل کے شان سائل سے نہیں۔ قال فی الرشیدیۃ السائل من نصب نفسہ لنفی الحکم۔

پس آپ کا سائل ہونا خبر نہیں کہ کس علم سے مستنبط ہے اس سے آگاہ کریئے اب آپ کو لازم ہے کہ مذمت کی دلیل پیش کریں اور فضیلت اہل حرمین کی دلیل جو آپ کے روبرو کئی دفع بیان ہوچکی تحریری طور پر دیں اور نیز تحریر میری لے لینا تاکہ دونوں مصنف کے پاس روانہ کیا جائے اور ہر مسلمان کو لازم ہے کہ صدق کو ہاتھ سے نہ دے خصوصًا مناظرہ شرعیہ میں قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم الاحصائد السنتہم واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

جواب:۔ اگر آپ نے انصاف لاطائل کلام ہونے کا سپرد ناظرین کیا تھا تو بیان وجوہ ایک لاطائل امر تھا اس لیے ان کا جواب ضروری تو نہ تھا لیکن بہ نظر اس کے کہ عوام الناس دھوکا نہ کھاویں لکھا جاتا ہے:۔

جواب وجہ اول:۔ باوجود اس کے کہ آپ نے احادیث فضائل مدینہ پڑھی ہیں اور شرط ثالث ہیں منصفی علماء کی چاہتے تھے۔ ولیکن دعویٰ آپ کا یہ تھا کہ مکہ ایسی جگہ ہے جہاں خبیث رہنے نہیں پاتا۔ وہاں کے سبھی لوگ اچھے ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی اور کہا کہ مکہ اور مدینہ پر کئی زمانے آئے، ایک زمانہ قبل نبوت یا ہجرت ہونے کا کہ اس میں کفر ظاہر تھا پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ کہ اس وقت بھی بعض منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پڑھی تھی۔ پھر وہ زمانہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا اس میں بھی بعض اطراف کے لوگ مرتد ہوگئے تھے جن کو حضرت صدیق اکبرؓ نے مارا اور بعض نے اکابر صحابہ کو جیسے حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کو شہید کیا۔ پھر خلفاء کے مابعد کا زمانہ ہوا جس میں یزید پلید کے لشکر سے حرکتیں بے جا زنا و قتل مدینہ میں سرزد ہوئیں اور مکہ میں عبدالملک نے چڑھائی کی۔ ان دلائل سے میں نے آپ کے اس عام دعوے کو توڑا جو آپ فرماتے ہیں کہ مکہ میں جو رہتے ہیں اچھے ہوتے ہیں۔ میرا صریح کلام یہ ہے کہ ہمارے دین و ایمان کا رکن ہے ولیکن وہاں کے سب ہی لوگ ہمیشہ یکساں نہیں رہے اب فرمایئے آپ کی درخواست منصفی سے یہ کہاں لازم آتا یا سمجھا جاتا ہے کہ آپ بر وقت بیان فضائل ساکنان

کے ان ساکنان میں قید علماء و فضلاء کی لگادی ہو اور میرا نہ لکھنا ان آیات کو جو میں منافقوں کی مذمت میں بیان کی تھیں اس لیے تھا کہ بدون تقرر مشروط اور تقرر بحث مقصود کے لکھنا لکھانا محال اب جو آپ پہلے اپنے دعوے کا ثبوت لکھ چکیں گے اور مجھے آپ کے خلاف میں کچھ دعوے ہوگا تو پھر وہی آیتیں لکھدوں گا۔

جواب وجہ دوم: وہ شرط اگرچہ پیچھے کر ایک دعوے ہوگئی ہے۔ ولیکن بوقت اول دعوے کے وہ مغائر تھی۔

جواب وجہ سوم: آپ کا افترا کہنا محض افترا ہے اور جو آپ کا غذات شل میں اس کا نشان چاہتے ہیں محل تعجب ہے وہ تو گفتگو زبانی تھی شل کہاں ہے جس سے نشان دوں شل تو وہی ہوئی جس میں آپ مدعی فضیلت ساکنان حرمین کے باب منصفی میں ہوئے۔

جواب وجہ چھارم: آپ کے کسی لفظ سے تمام تحریر میں بو بھی اس بات کی نہیں آتی ہے کہ آپ حرمین کے ساکنان ہر زمانہ کی بہتری کے باب منصفی میں مدعی ہیں یا خاص قرون ثلثہ کے یا آج کل کے لوگوں کے جس سے میرا سوال ہے جس جگہ وہ عبارت ہے جس سے یہ بات سمجھی جاوے وہاں سے ایک سطر تحریر فرمادیں۔

جواب وجہ پنجم: میں مذمت عام ساکنان حرمین کا مدعی نہیں ہوا کہ سبھی وہاں کے برے ہیں۔ تمام لوگ مسلمان و ہنود حاضرین مجلس جانتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ وہاں بھلے لوگ بھی ہیں اور برے بھی ہیں اور کہتا ہوں کہ اس جگہ کے اچھے ہونے سے وہاں کے سبھی لوگوں کا اچھا ہونا لازم نہیں آتا، اور یہ بھی میرا کہنا بطور دعوے کے نہیں تھا بلکہ بطور نقض کے آپ کے دعوے میں تھا اور وہ بھی پہلے زبانی گفتگو میں ہوچکا اور جب سے گفتگو تحریری شروع ہوئی ہے میں کسی امر کا مدعی نہیں، آپ سے تعین دعوی اور اس کی دلیل کا سوال کرتا ہوں اور اس بات پر مستعد ہوں کہ جب آپ دعوے پر دلیل قائم کریں تو پھر میں نظر کروں کہ آپ کے کلام میں تقریب تمام ہے یا نہیں۔ اگر دلیل سے آپ کا دعوی ثابت پاؤں تو مان جاؤں ورنہ سائل بن جاؤں اور اس کے نفی کے درپے ہوجاؤں اور اس کا رد لکھوں اس اعتبار سے میں سائل مصطلح ہوسکتا ہوں۔

جناب من! جب میں آپ کے دعوے کے اکھاڑنے کے درپے ہوگیا تو سائل ہوں گا یا نہیں۔ علاوہ یہ کہ وہ تعریف سائل مصطلح فن مناظرہ کے ہے اور لغتًا ہر بات پوچھنے والے کو سائل کہتے ہیں۔ جیسا کہ میرا سوال اولی اسی اطلاق سے سوال ہوسکتا ہے اور ایسی ہی سائل سے بھی مجیب کو دلیل طلب کرنا نہیں آتا اور جو آپ نے کہا ہے کہ تسلیم کرنا دعوے کا بعد قائم ہونے دلیل کے شان سائل سے نہیں ہے، معلوم نہیں میری کس بات کے جواب میں ہے، میرا سائل رہنا بعد قائم ہونے دلیل اور تسلیم دعوے میرے کس کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہ تو جواب ہے آپ کے اعتراض کا اگر آپ کے کلام کے ضمیمہ کو دیکھتا ہوں تو اس میں بھی مجھے کئی وجہ سے کلام ہے ولیکن میں اس جگہ اس بحث نوعی کو فضول جانتا ہوں۔ اسی واسطے جب آپ نے جملہ السائل من نصب نفسہ بین سین سے پڑھا تھا اور ترجمہ بھی اس کا یہ کیا تھا کہ نسبت کرے تو در گذر کرکے زبانی آپ کو اس غلطی پر متنبہ کردیا اور آپ ہی کے قلم سے سین کو صاد ہوا یا، اگر مجھے لفظی بحث منظور ہوتی تو خاموش رہتا، ورآپ کی تحریر کے جواب میں تفصیل و تطویل کرتا، یہ جو بات

آپ کے وجوہات کے ہیں۔ اب مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں، آپ نے پھر وہی بات کی اور اپنے دعوے کی دلیل پیش نہ کی اور مجھ سائل سے دلیل مانگی اور جو آپ فرماتے ہیں کہ ہم دو تین دن سے دلیل پیش کر رہے ہیں، یہ بڑی دلاوری کی بات ہے کہ آپ برملا خلافِ واقعہ اظہار کرتے ہیں اس کی کیا مثال دوں شرم آتی ہے۔ میں دلیل مانگتا ہوں آپ اپنے فتوے کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر دوسرے دیتے ہیں۔ ہر چند آپ سے بھی لوگ یہاں تک کہ سردار صاحب بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ فتویٰ دیں اور اپنے دعوے کا ثبوت پیش کریں، آپ فتویٰ میرے ہاتھ دیتے نہیں پھر کس طرح فرماتے ہیں کہ میں دو تین روز سے دلیل پیش کر رہا ہوں اور مجھ سے دلیل مذمت چاہتے ہیں۔ یہ محال ہے میں اس گفتگو میں جس میں تحریر ہوتی ہے مذمت کا مدعی نہیں جو پیچھے زبانی کہتا تھا سو دوسری بات ہے جس کی تشریح جواب دفعہ اول میں گذری، اس گفتگو تحریری کو اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ اور باوجود اس کے میں اسی کے جواب میں اس اپنی دلیل کو بھی لکھ چکا ہوں۔ اب تو ضد چھوڑیئے اور اپنے دعوے کا ثبوت تحریری دیجئے جس کا آپ نے وعدہ آخر تحریر میں کیا ہے اس کو دیکھ کر تسلیم کروں یا رد کروں پھر اس کو منصف کی طرف پہنچا دیں۔ اگر اس امر کے سوا کوئی اور بات پیش کریں گے یعنی پھر وہی باتیں لاطائل کریں گے اور اپنا ثبوت پیش نہ کریں گے تو میری طرف سے اس بات میں خطاب سے اعراض ہے۔ میں ایسی باتوں کو لائق جواب نہیں جانتا، اس بات کا انصاف ناظرین پر رہے اور جو آپ نے آخر تحریر میں آیت اور حدیث لکھی ہیں اسی پر خود بھی عمل کرتے تو اتنی فضول باتیں بعید از مطلب اور مخالف واقع زبان قلم سے نہ نکالتے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم بھی قرآن ہی کی آیت ہے اور اگر اس مسئلہ میں سوائے ایسے قیل وقال کے آپ کو کوئی بات نہیں آتی تو آپ دوسرے مسئلہ میں بحث کریں جیسے رفع یدین وآمین بالجہر اور مثل اس کے اور اگر وہ بھی منظور نہیں تو میری طرف سے سلام ہے۔

جواب:۔ اگرچہ جواب دینے کی حاجت نہیں لیکن بنظر فائدہ عام کے جواب بطور اختصار لکھا جاتا ہے۔ لکھنا وجوہ کا واسطے اصل لاطائلیت کے نہیں ہوا بلکہ واسطے وضاحت لاطائلیت کلام خصم کے لکھی گئیں ہم نے کہیں تحریراً یا تقریراً یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ساکنانِ حرمین شریفین قبل اسلام سے بھی بہتر تھے ورنہ کوئی تحریر سند میں پیش کرو یا حضار مجلس سے گواہی دلوا دو جیسا کہ ہم نے گواہ تحریری شرط ثالث کے پیش کیے اور جو واقعات قتل ابن زبیرؓ اور یزید کے پیش کیے ان کا مقابل میں احادیثِ نبویہ کے مثل ان الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیۃ الی جحرھا وغیرہ کے جو صحاح ستہ اور مشکوٰۃ میں موجود ہیں پیش کرنا شانِ محمدیہ سے بعید ہے، آپ تو فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بجز قرآن وحدیث اور اجماع صحابہؓ کے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اب واقعات کو کیوں بیان کرتے ہو۔ علاوہ بریں آنکہ واقعاتِ مذکورہ سے بجز مظلومیت ان کی کے اور کچھ ثبوت نہیں ہوتا یعنی عبدالملک وغیرہ نے مکہ اور مدینہ پر چڑھائی کر کے سکنائے حرمین کو بہت ستایا بلکہ ان شدائد سے فضیلت سکنائے حرمین کی عند اللہ ثابت ہوئی لقولہ علیہ السلام اشد البلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ ہم ان کی عصمت کے مدعی نہیں

ہوئے تاہم پر کوئی اعتراض لازم آوے اور جو آپ نے حدیث زنا کرنے ماعز کی بطور اہانت سکنائے حرمین کے بیان کی تھی جو حقیقت میں طعن صحابہؓ پر ہے اس کے جواب میں میں نے بھی کہا تھا کہ ہم ان کی معصومیت کا دعویٰ نہیں کرتے اور اب آپ جو فرماتے ہیں کہ بعض لوگ وہاں کے اچھے ہیں اگر اس سے مراد علماء ہیں تو ان کی منصفی سے منحرف کیوں ہوتے ہو۔ اگر ذی علم مراد نہیں تو اس کی سند قرآن و حدیث سے پیش کرو۔

۳ اگر دعویٰ سے آپ نے اپنی عبارت میں دعویٰ عام فضیلت کا مراد لیا ہے تو اس کا مشروط ہونا ساتھ شرط ثالث ہمارے کے محالات سے ہے للزوم شرطیۃ الشئ لنفسہ ولغیرہ وان اختلج فی صدرک بعد ذلک شئ فاقرا قولہ ان اللّٰہ علیٰ کل شئ قدیر فلیتامل فانہ دقیق وبالتامل حقیق۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ دعویٰ سے میں نے دعویٰ تقریر کا عام مراد رکھا ہے۔ باوجودیکہ یہ افترا محض ہے لیکن واسطے ہمارے سند کامل مل گئی یعنی اب آپ دعویٰ تقریر کے سند ہونے کے مقر ہوئے پس اب آپ پر دلیل دعویٰ مذمت تقریری آپ کی تحریر واسطے ملاحظہ منصف کے ضروریات سے ہوئی لان المرء یوخذ باقرارہ۔

۴ اور آپ جو فرماتے ہیں کہ ایک سطر واسطے تعین دعویٰ لینے کے نشان دو۔ سو چھٹی تحریر ہمارے میں یہ درج ہے دیکھ لو، ہمارا دعویٰ اول سے یہی ہے کہ علمائے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا اس زمانہ میں منصف ماننا وقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے ہمارے کے چاہیے۔

۵ اطلاق کرنا لفظ سائل کا مقابل لفظ مدعی کے لغویت کو لغو کرتا ہے اور کہنا آپ کا کہ شاید میں تسلیم کر لوں آپ کے سائل ہونے کو باعتبار ما یؤل الیہ کے باطل کرتا ہے والا ہر محارب کو قتیل کہنا اگرچہ وہ مقتول نہ ہو درست ہوتا۔ وھو کما تری ۔ اور آپ جو لکھتے ہیں کہ میں نے سین کو صاد بنوایا۔ آپ حلفاً بیان کیجیے کہ جب آپ نے ہماری تحریر سے نقل کی تھی تو اس میں ص تھا یا سین، اس میں تو صاف ص ہی تھا۔

۶ اور آپ جو فرماتے ہیں کہ فتویٰ ہمارے ہاتھ میں نہیں دیتے کہ کس علم مناظرہ کی کتاب میں درج ہے کہ جو شخص دلائل اپنے زبانی بیان کر چکا ہو اس کو تحریر کر کے بھی دینا خصم کو ضروریات سے ہے جب آپ نے بمقابلہ احادیث فضیلت کے جو میں نے مجمع عام میں پڑھی تھیں معارض بن کر دلائل مذمت کے موافق زعم اپنے کے بیان کیے پس تحریر دلائل کے واسطے ملاحظہ منصف کے ضرور درکار ہے۔ سو ہم کئی دن سے کہہ رہے ہیں کہ مذمت کا فتویٰ مدلل کر کے تم بھی کرو تا دونوں شامل مسل ہو کر منصف کے پاس روانہ کیے جاویں آپ جو بار بار زبان پر لاتے ہیں کہ گفتگوِ فضیلت حرمین کی فضول ہے، یہ بات آپ کی بالکل بے سند ہے کیونکہ اکثر فساد عوام کالانعام میں اس واسطے زیادہ برپا ہوتے ہیں۔ کیونکہ متبعین مذاہب سند عمل در آمد علمائے اور اتقیائے سکنائے حرمین شریفین کی پکڑتے ہیں اور آپ کے فرقہ کے لوگ سکنائے مکہ کی مذمت کر کے لوگوں کی طبیعت کو اشتعال دلاتے ہیں اگر آپ کو دینا فتویٰ مذمت کا واسطے ملاحظہ منصف کے منظور نہیں تو ہم فتویٰ اپنا شامل مسل کر کے منصف کے پاس روانہ کر دیتے ہیں اور ختم گفتگو کر کے حضار مجلس کو پیام سلام کا دیتے ہیں۔ مدعی فضیلت

ساکنان حرمین شریفین مولوی عبدالعزیز صاحب ۔ سائل مقابل محمد حسین صاحب لاہوری ۔
خلاصۂ تنازع یہ ہے کہ مدعی نے فضیلت ساکنانِ حرمین کا دعویٰ کیا۔ سائل نے اس کے جواب میں کہا کہ حرمین کے لوگ منافق و کافر بھی تھے چنانچہ آیہ ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق و آیہ الاعراب اشد کفرا و نفاقًا ۔ اس پر دال ہے ۔ بروز مباحثہ سائل نے استفسار کیا کہ آپ فضیلت کلی کے مدعی ہیں یا کسی خاص وصف میں اس کے جواب میں مدعی نے کہا کہ مراد فضیلتِ کلی ہے اور وصف سے کیا ہے اور آپ تمسک اس مسئلہ میں کس دلیل سے پکڑو گے سائل نے شرح کی کہ فضیلت کلی عبارت ہے فضیلت سے ہر وصف میں جیسے علم و فہم و تقویٰ و فضل و سکونت وغیرہ اور وصف خاص ایک صفت ان صفتوں سے اور یہ کہا کہ میرا تمسک کرنا آپ کو ابھی کہاں معلوم ہوا میں تو سائل ہوں آپ مدعی ہیں، آپ جس دلیل سے تمسک کریں گے میں جواب دوں گا ۔ مدعی نے کہا کہ جب تک آپ کوئی دلیل ادلہ شرعیہ میں سے منظور نہ کریں گے جواب متعذر ہے اس لیے آپ کو لازم ہے کہ آپ اپنا تمسک بیان کریں تا جواب دیا جاوے اور آپ نے جو کل آیت مذمت اہل مدینہ اور مذمتِ عرب میں پڑھی تھی اس کو بھی مذمت میں سند جانتے ہیں یا اس سے رجوع ہے ۔ سائل نے کہا کہ میرے سامنے دلیل پیش کرنے کی اس وقت حاجت ہوگی جب میں آپ کے دعوے فضیلت کا منکر ہوں گا ۔ اور چونکہ ابھی تک محل نزاع مقرر نہیں ہوا اور میرا انکار یا تسلیم مانا نہ گیا تو ابھی دلیل پیش کرنے کی حاجت نہیں، شاید میں آپ کے دعوے کو مان لوں، جس وقت میں آپ کے دعوے کا منکر ہوں گا اس وقت آپ دریافت کیجیے کہ تم کون سی دلیل مانگتے ہو اور آیت سے جو میں نے کل دلیل پکڑی تھی وہ مذمت میں ان لوگوں کے تھی جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں منافق تھے ۔ چنانچہ میں نے تقسیم کی تھی کہ مکہ و مدینہ کے لوگ کئی قسم پر ہیں ۔ ایک وہ جو پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر تھے ۔ دوسرے وہ جو حضرتؐ کے زمانہ میں کافر تھے اور یہ کہا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی مدینہ میں منافق موجود تھے جس پر وہ آیت پیش کی تھی ۔ مدعی نے کہا کہ آپ نے جو آیت مقابل ہمارے مناظرہ میں بیان کی تھی، اگر مراد آپ کی وہی تھی، جو آپ فرما رہے ہیں پس آپ سے خطا ہوئی کیونکہ جو حدیثیں ہم نے فضائل میں بیان کی تھیں ان کا یہ مضمون نہ تھا کہ قبل زور اور نصرت اسلام کے ثبوت فضیلت کا ہو پس یہ اہل علم سے بعید ہے اور اگر مراد آپ کی بعد تقررِ اسلام کے بھی ہو پس اس سے تکذیب احادیث کی لازم آتی ہے اور آپ دو تین روز سے جو انکار فضیلت کا کر رہے ہیں اس لیے آپ سے دریافت تمسک ضرور ہے ۔ سائل نے کہا کہ چوں کہ آپ نے دعویٰ معین نہ کیا تھا کہ کس زمانہ کے لوگوں کی فضیلت کے مدعی ہیں اس لیے میں نے تفصیل و تقسیم کی تھی ۔ اور یہ میں نہیں کہتا کہ جو مضمون احادیث سے ثابت ہے مسلم نہیں اور تقرر اسلام کی حد بیان کرنا آپ پر لازم ہے کہ کس وقت سے وہ زمانہ پایا گیا ۔ جب آپ حد بیان کریں گے اس وقت میرا اقرار یا انکار آپ کو ثابت ہو گا پہلے سے آپ کیوں فرماتے ہیں کہ تم بعد تقررِ اسلام کے منافقوں کا وجود مدینہ میں تجویز کرتے ہو ۔ میں دو تین روز سے مطلق فضیلت کا منکر نہیں، آپ وصف معین بیان کریں کہ کس فضیلت کے مدعی ہیں، شاید اس کا میں منکر نہ ہوں، جب آپ منکر پاویں اس وقت مجھ سے دلیل و تق

تمسک کا سوال کریں۔ مدعی نے کہا کیا یہ عجب العجائب ہے کہ آپ کے سامنے جب حدیثیں بیان ہوئیں اور مضمون احادیث
کا صریحاً دلالت کرتا ہے کہ مراد زمانہ نفاق و کفر کا نہیں، پھر ایسی آیت مقابل احادیث کے بیان کرنا صریح غلطی ہے
اور یہ امر ظاہر ہے کہ دعویٰ فضیلت کا کل سکان حرمین کی بعد استیلاء و تقرر اسلام کے ہے نہ زمانہ کفر و نفاق میں، خیر
اب چونکہ ادعاء مذکور سے انکار کیا چاہتے ہیں انکار کو بجائے توبہ کے قرار دیا اور فضائل حرمین شریفین کے بالفعل
بھی جو احادیث سے ثابت ہیں کئی قسم کے ہیں لیکن مقصود ہے کہ جب علماء اطراف و دیار میں کسی مسئلہ کا اختلاف
ہو پس اس صورت میں یہ امر افضل و بہتر ہے کہ حرمین کے علماء کو منصف قرار دیا جاوے۔ چنانچہ مجموعہ احادیث
مشتملہ استفتاء جو پیش کیا جاتا ہے اس امر پر دال ہیں۔ سائل نے کہا چوں کہ آپ نے دعویٰ عام کیا تھا اور دلیل
خاص فضیلت زمانہ تقرر اسلام کے لائے تھے۔ اس لیئے آپ کے دعوے کے مقابلہ میں میں نے تقسیم کی اور وہ
آیت بمقابلہ آپ کے عموم دعویٰ کے تھی۔ نہ خصوص دعوے کی۔ خیر آپ اس دعوے عام کو چھوڑتے ہیں تو میں آپ
کے اس امر کو بجائے توبہ قرار دیتا ہوں اور جو آپ نے اب دعویٰ کیا ہے کہ ہم اس وصف میں مدعی ہیں کہ منصفی
مقدمات دین میں وہ افضل ہیں اور اس دعوے پر آپ نے احادیث متضمنہ فتویٰ پیش کی ہیں، سو میں کہتا ہوں
کہ اس دعوے میں یہ بات تعین طلب ہے کہ کس زمانہ کے لوگ افضلیت کے محل ہیں۔ ہر زمانہ کے یا خاص قرون
ثلثہ کے، یا آج کل کے۔ آپ تعین فرمادیں تو آپ کا فتویٰ دیا جاوے گا۔ مدعی نے کہا ہمارا دعویٰ اول سے
یہی ہے کہ علماء حرمین کا اس زمانہ میں منصف قرار دینا بروقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے ہمارے کے
چاہیئے واسطے اس امر کے شرط تیسری ہماری منجملہ شرائط مشمولہ مسل جو قبل انعقاد شرائط سرکار کے داخل کی گئیں تھیں
شاہد عدل ہے کیونکہ بہ سبب نہ ماننے اس شرط کے یہ بحث شروع ہوئی تھی اور وہ یہ تھی (شرط سوم بعد گفتگو
کے اگر تکرار باقی رہی تو واسطے انفصال علمائے مکہ اور مدینہ کو منصف قرار دیا جاوے) اب آپ کو لازم یا منصفی علمائے
حرمین کی منظور کریں یا ایک فتویٰ ثبوت مذمت سکان حرمین میں یعنی جو علماء اور اتقیاء اور مؤمنین وہاں کے موجود
ہیں تحریر فرمادیں۔ سائل نے کہا بے شک آپ نے شرط میں منصفی کا ذکر کیا تھا لیکن جب آپ نے عام دعویٰ کیا
تو عام ساکنانِ مکہ کی فضیلت کے مدعی ہوئے اور بہت ظاہر ہے کہ شرط اور امر ہے اور مشروط یعنی دعویٰ جس
کے لیئے شرط مقرر کی گئی تھی اور امر یہ لازم نہیں کہ شرط میں تصریح فضیلت علماء کی ہونے سے مشروط میں بھی وہی تصریح
سمجھی جاوے اس سے سب کو ثابت ہو گا کہ آپ اس دعویٰ عام سے رجوع کرتے ہیں۔ خیر میں اس بات کو
انصاف ناظرین پر چھوڑ کے مطلب کی بات کا جواب دیتا ہوں کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ آپ
کن لوگوں کو اس فضیلت کا جو احادیث فتویٰ سے ثابت ہے محل قرار دیتے ہیں، ہر زمانہ کے لوگوں کو یا قرون
ثلثہ کے یا آج کل کے، جب آپ تعین کیجئے گا، میں نظر کروں گا۔ اگر وہ لوگ واقعی آپ کی احادیث فتویٰ
کے مصداق ہیں تو میں مان جاؤں گا ورنہ اس میں عذر کروں گا۔ آپ ابھی مجھ سائل سے تسلیم اپنے مجمل دعوے
کی بار دگر کیوں چاہتے ہیں۔ مدعی نے کہا کہ جانبین کی عبارت کو منصف خود تحقیقات کرے گا اور جو کچھ آپ سے

لکھا ہے کلام لاطائل ہے، جس امر کے آپ مدعی تھے اس کی دلیل پیش کیجئے، ورنہ آپ کو اختیار ہے۔ سائل نے کہا میں ابھی التماس کرچکا ہوں کہ لاطائل ہونا کلام ہر شخص کا سپرد ناظرین ہونا چاہیئے اور جو مجھے آپ مدعی بناتے ہیں اور مجھ سے دلیل طلب کرتے ہیں محل تعجب ہے وہ کونسا لفظ میری اس تحریر میں ہے جس سے میرا مدعی ہونا کسی امر میں ثابت ہوتا ہے۔ میں تو اب تک سائل اور آپ مدعی ہیں پس آپ پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک فتویٰ بھی دکھایا تھا اب اس کو کیوں چھپاتے ہو۔ آئندہ دعویٰ میں تعین کرو اور اس پر ایک حدیث فتویٰ کی شاہد ٹھہراؤ پھر مجھ سے دریافت کرو کہ تو اس کو مانتا ہے یا نہیں۔

بعد ازاں مدعی نے وجوہ لاطائلیت کلام سائل کا بیان کرنا شروع کیا۔ چند وجوہ سے ایک یہ کہ قول سائل کا ولیکن جب آپ نے دعویٰ کیا تھا تو عام کیا تھا، محض بے سند ہے۔ کیونکہ جب اول ملاقات سردار صاحب کے حضور میں ہوئی تھی۔ اور شرائط جانبین علیحدہ علیحدہ سردار صاحب کو حوالہ کی گئیں تھیں اور ہماری تیسری شرط منجملہ شرائط ستہ کے یہ تھی کہ شرط سوم بعد گفتگو کے اگر تکرار باقی رہے تو واسطے انفصال کے علماء مکہ اور مدینہ منصف مقرر کیے جاویں اس شرط کو آپ نے نامنظور فرمایا بلکہ سکان حرمین کو فاسق وغیرہ الفاظ سے یاد فرمایا۔ میں نے جواب میں کئی حدیثیں فضیلت کی پیش کیں کہ ہم بموجب ان احادیث کے علمائے حرمین کو منصف قرار دیتے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں بجز واقعات کے کوئی حدیث پیش نہیں کی دوسرے روز روبرو سردار صاحب کے مجمع عام میں احادیث فضائل کے بیان کیے گئے آپ نے اس کے جواب میں آیۃ الاعراب اشد کفرا ونفاقا، آیۃ ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق۔ اور چند واقعات بیان کیے۔ دوسرے یہ کہ قول آپ کا شرط اور شے ہے اور مشروط اور ہے احق ہے لیکن شرط مذکور واسطے بحث مسائل مختلفہ کے کی گئی تھی۔ جب جانبین نے اس شرط کو مبحث قرار دیا بعینہ وہی شرط دعویٰ ہو گئی۔ تیسری وجہ یہ کہ قول آپ کا کہ دعویٰ کے الفاظ میں تعمیم تھی محض افترا ہے ورنہ ان الفاظ کو مسل میں نشان دیجئے۔ چوتھی وجہ یہ کہ قول آپ کا کہ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو عبارت ہماری سراسر دال ہے اوپر تعین مدعی کے، اس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا۔ پانچویں وجہ یہ کہ مذمت سکان حرمین کا جو آپ کئی روز سے ذکر کر رہے تھے، اب جب دلیل آپ سے طلب کی گئی تو اس کو اجنبی بات فرمانے لگے اور اب کئی جگہ آپ اپنے آپ کو سائل سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ مراد سائل سے علم مناظرہ میں وہ شخص ہے جو مقابلہ مدعی کا بعد قائم ہونے دلیل کے کرے تسلیم کرنا دعویٰ کا بعد اقامت دلیل کے شان سائل نہیں۔ قال فی الرشیدیۃ السائل من نصب نفسہ لنفی الحکم۔

اب آپ کو لازم ہے کہ مذمت کی دلیل پیش کیجئے اور فضیلت کی دلیل جو بیان ہو چکی تحریری میری لے لینا تا دونوں منصف کے پاس روانہ کی جاویں بعد اس کے سائل نے جواب میں کہا کہ آپ کی وجہ اول کا جواب یہ ہے کہ اگر شرط ثالث میں منصفی علماء کی چاہتے تھے لیکن دعویٰ آپ کا یہی تھا کہ مکہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی خبیث رہنے نہیں پاتا۔ وہاں کے سب ہی لوگ اچھے ہوتے ہیں جس کے مقابلے میں میں نے تقسیم کی تھی اور کہا تھا کہ مکہ اور مدینہ

پر کئی زمانہ آئے۔ ایک زمانہ قبل نبوت کہ اس میں کفر ظاہر تھا پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ کہ اس میں بعض منافق موجود تھے جس پر یہ آیت پڑھی تھی پھر وہ زمانہ جو حضرت کے بعد ہوا اس میں بھی بعض اطراف کے لوگ مرتد ہو گئے تھے پھر خلفاء کے مابعد کا زمانہ ہوا جس میں یزید پلید کے لشکر سے حرکتیں بے جا سرزد ہوئیں۔ اور مکہ پر عبدالملک نے چڑھائی کی۔ ان دلائل سے میں نے آپ کے دعویٰ عام کو توڑا۔

اور جواب وجہ دوم یہ کہ اگرچہ شرط پیچھے کو ایک دعویٰ ہو گئی تھی۔ ولیکن اول دعوے کے وہ مغایر تھی۔

اور جواب وجہ سوم یہ ہے کہ آپ کا افترا کہنا محض افتراء ہے وہ گفتگو زبانی تھی کہ جس میں دعویٰ عام تھا مسل کہاں تھی جس میں نشان دیا جائے مسل تو پیچھے ہوئی جس میں آپ مدعی فضیلت مکان حرمین کے باب منصفی میں ہوئی۔

اور وجہ چہارم کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کی کسی لفظ سے تمام تحریر میں بو بھی اس بات کی نہیں آتی کہ آپ حرمین کے ساکنان ہر زمانہ کے بہتری کے باب منصفی میں مدعی ہیں یا خاص قرونِ ثلٰثہ کے یا آج کل کے لوگوں کی۔

اور جواب وجہ پنجم کا یہ ہے کہ میں مذمت عام ساکنانِ حرمین کا مدعی نہیں ہوا۔ تمام لوگ حاضرینِ مجلس جانتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ وہاں بھلے لوگ بھی ہیں اور بُرے بھی ہیں اور کہتا ہوں کہ اس جگہ کے اچھے ہونے سے وہاں کے سبھی لوگوں کا اچھا ہونا لازم نہیں آتا اور یہ بھی میرا کہنا کچھ بطور دعوے کے نہ تھا بلکہ بطور نقض کے آپ کے دعوے میں تھا۔ اور جب سے گفتگو تحریری شروع ہوئی ہے کسی امر کا مدعی نہیں ہوا آپ سے تعینِ دعویٰ اور دلیل کا سوال کرتا ہوں اور سائل لغۃً ہر بات پوچھنے والے کو کہتے ہیں۔ اس نظر سے اطلاق سائل کا مجھ پر ہو سکتا ہے اور جو آپ فرماتے ہیں کہ میں دو تین روز سے دلیل پیش کر رہا ہوں۔ بڑی دلاوری کی بات ہے کہ آپ برخلاف واقع اظہار کرتے ہیں۔ جب میں دلیل مانگتا ہوں آپ اپنے فتویٰ کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر دور سے دکھا دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ فتویٰ مجھے دیجئے میں اس کو قبول کروں یا رد کروں۔ آپ نہیں دیتے ہیں۔ بعد اس کے مدعی نے کہا کہ ہم نے کہیں تقریراً یا تحریراً یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ساکنانِ حرمین قبل تقرر اسلام بھی بہتر تھے اور واقعات قتلِ ابن زبیرؓ اور یزید کے مقابل احادیثِ نبویہ پیش کرنا شانِ محمدیہ سے بعید ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بجز قرآن و حدیث و اجماع صحابہ کے کوئی دلیل نہیں، پھر واقعات کو کیوں بیان کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے ان واقعات سے بجز مظلومیت اہلِ حرمین کے اور کچھ ثابت ہوتا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ ہم ان کی عصمت کے مدعی نہیں ہوئے تا ہم پر کوئی اعتراض لازم آوے اور اب جو آپ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ وہاں کے اچھے ہیں، اگر مراد اس سے علماء ہیں تو ان کی منصفی سے منحرف کیوں ہوئے اور ہمارا دعویٰ اول سے یہی ہے کہ علمائے مکہ اور مدینہ کا اس زمانہ میں منصف ماننا وقت اختلاف اور تکرار باقی رہنے ہمارے کے چاہئے۔ اور آپ جو فرماتے ہیں کہ فتویٰ ہمارے ہاتھ نہیں دیتے، یہ کس کتاب میں مناظرہ کے درج ہے کہ جو شخص اپنے دلائل زبانی بیان کرے اس کو تحریر کر کے بھی خصم کو دینا ضرور ہے۔ فقط۔

تقریر فیصلہ: چونکہ متخاصمین اس فقیر سراپا تقصیر کے انصاف و محاکمہ پر راضی ہوئے یقین ہے کہ جو امر میں انصافاً بلا لحاظ احد الجانبین تحریر کروں گا اس کو دونوں پسند فرمادیں گے اور بعد نظر غائر و فکر وافر کے میری تحریر کو

محض انصاف واظہارِ حق تصور فرماویں گے۔ بناء علیہ امتثالاً للامر میں متوجہ انصاف ہوتا ہوں اور امرِ مکنون کو ظاہر کرتا ہوں مخفی نہ رہے کہ متخاصمین کے تقریرات امورِ زائدہ پر کہ بمراحل آداب مناظرہ سے دور ہیں مشتمل ہیں۔ ان سب سے قطع نظر کر کے بعد معائنہ تقریرات طرفین کے جو امور واضح ہوئے اس کو درج صحیفہ ہذا کرتا ہوں:۔

اول مدعی کو لازم تھا کہ اولاً دعویٰ کی تنقیح کما حقہ فرماتے اور دعویٰ فضیلت سکانِ حرمین کا علی سبیل التعیین عموماً یا خصوصاً وہاں کے اور سکان کے تقیید کے ساتھ علماء کے اور فضیلت کا تعین کہ غرض باب انصاف میں ہے اور تعین زمانہ فضیلت کرتے، تا سائل کو موقع تطویل بحث کا نہ ملتا اور بوجہ صرف ہو جانے زمانہ تقریر کے امورِ غیر مقصود میں امرِ مقصود فوت نہ ہوتا۔

دوم اگرچہ مدعی نے بوقت تقریر دعویٰ عامہ بلا تعین کیا ہو مگر قرائن حالیہ و مقالیہ تقریرات سابقہ و شرائط سابقہ کے لحاظ سے یہ امر بدیہی ہے کہ غرض ان کی اثبات فضیلت علماء اسلام حرمین تھی اسلام مسلم و دلیل ساطع اس امر پر ہے کہ وہ کفار اور منافقین اہلِ حرمین کو افضل نہیں کہہ سکتا اور عقل عاقل مقتضی اس امر کی ہے کہ یہ دعویٰ سوائے مجنون یا زندیق و ملحد کے کسی سے نہیں ہو سکتا۔ پس گو دعویٰ مدعی عام ہو کہ شامل جملہ ساکنان حرمین ہو مگر قرائن واضحہ عقلیہ دال اس امر پر ہیں کہ وہ خاص ساتھ ساکنان حرمین بعد تقررِ اسلام کے ساکنین مسلمین کے بلکہ علمائے مسلمین حرمین کے ہے علی الخصوص مابین متخاصمین کے قبل اس تقریر کے مذاکرہ شروط ہو چکا تھا اور شرط ثالث میں یہ مضمون مندرج تھا کہ بعد گفتگو کے اگر تکرار جانبین باقی رہے تو واسطے انفصال کے علمائے مکہ و مدینہ کو منصف قرار دیا جائے اور اگرچہ وہ شرط محلِ بحث واقع ہو گئی اور وقت مباحثہ کے مدعی نے دعویٰ مطلقاً کیا لیکن قرینہ سابقہ سے ظاہر ہے کہ غرض اس کی اس دعوے سے اجرائی شرط کا تھا پس بالضرورۃ دعویٰ اس کا خاص ہوا اگرچہ اس نے بوقت دعویٰ برخلاف آداب مناظرہ اجمال کیا پس ایسی حالت میں سائل کو ہرگز نہیں لازم تھا کہ بغرض نقض دعویٰ عامہ کے آیہ الاعراب اشد و من اھل المدینۃ وغیرہ کی تلاوت کریں یا قصص فتنہ بیان کریں اس واسطے کہ سائل کو مدعی سے تعین دعویٰ و تعریفات مفردات دعویٰ وغیرہ اس وقت کرانا چاہیے جب علم اس کا نہ ہو اور اگر باوجود علم کے طلب کرے گا تو یہ مکابرہ یا مجادلہ ہو گا جیسا کہ اجابتِ باقیہ وغیرہ میں مصرح ہے اور مانحن فیہ میں علم اس امر کا دعویٰ خاص ساتھ علمائے حرمین کے ہے بدلالت حال و مقال ہر کس و ناکس کو حاصل ہے پس مقابلہ سائل کا ایسی صورت میں خارج از مناظرہ ہے۔

سوم۔ ہرگز سائل کو بمقتضائے مناظرہ نہیں لائق تھا کہ آیات مذمت کفار و منافقین حرمین کے تلاوت کرتے مگر بعد اس کے کہ ان سے یہ امر خلاف داب مناظرہ ہوا۔ مدعی دلیل مذمت سکان حرمین سائل سے طلب کرنا اور سائل کو مدعی مذمت ٹھہرانا خلاف داب مناظرہ ہے۔ اس وجہ سے کہ ہر ذی عقل اس امر کو جانتا ہے کہ غرض سائل کی اس تلاوت وغیرہ سے صرف نقض عموم و اطلاق دعویٰ مدعی تھا نہ ادعائے مذمت سکان حرمین یا منقصت علمائے حرمین۔

چہارم۔ یہ کہ سائل نے جو بمقابلہ اطلاق دعوی کے وقایع یزید وعبدالملک بن مروان بیان کیے وہ خارج از بحث ہیں اس وجہ سے کہ ان وقایع میں کوئی امر شرارت وخباثت کا اہل حرمین سے نہیں ہوا تھا بلکہ ان پر غلبہ مفسدین کا ہوا تھا۔

پنجم تعیین دعوی جو مدعی نے بعد چند تقریرات کے کیا یعنی یہ کہ دعوی فضیلت علمائے حرمین کا باب انصاف میں ہے اگرچہ یہ امر ان کی شرط سابق سے معلوم ہوتا تھا۔ مگر وقت بحث کے ابتدا سے اس کی توضیح ضرور تھی کہ سائل کو موقع سوال نہ ہوتا اور وقت دعوے کے اس کا اجمال اس غرض سے ہے کہ جب خصم انکار اس دعوے کا کرے گا حضار مجلس سے کہدیا جاوے گا کہ دیکھیے یہ مکہ اور مدینہ کے لوگوں کی فضیلت سے جو نصوص صریحہ سے ثابت ہے انکار کرتے ہیں اور خلاف احادیث اعتقاد رکھتے ہیں، شان ارباب مناظرہ سے نہیں ہے۔

ششم۔ باوجود استفسار سائل کے مرۃ بعد اخری مدعی نے صاف بیان نہ کیا کہ دعوی فضیلت علمائے حرمین کا من حیث الانصاف آج کل کے علماء کے باب میں ہے یا قرون ثلثہ کے علماء کے باب میں یا بہ نسبت ہر زمانہ کے ہے یہ امر خلاف داب مناظرہ ہے جب سائل استفسار امر ضروری کا کرے مدعی پر اس کا جواب صاف دینا لازم ہے اور اس میں لیت ولعل کرنا خالی مجادلہ ومکابرہ سے نہیں ہے مدعی نے اس کا حوالہ اپنی تقریرات سابقہ پر کیا حالانکہ کسی تقریر مدعی سے اس کا حال نہیں معلوم ہوتا ہے۔ البتہ شرط ثالث کے عنوان سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ کے علمائے حرمین کے افضلیت انصافیہ کے قائل ہیں مگر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ آیا یہ امر خاص اسی زمانہ کے ساتھ ہے یا ہر زمانہ میں از ابتدائے تقرر اسلام پایا گیا یا قرون ثلثہ میں یہ وصف ہو کے معدوم ہو گیا پھر اس زمانہ میں اعادہ معدوم ہوا جب تک کہ مدعی تعیین دعوی صاف صاف نہ کرے، دعوی کیونکر متقرر ہوگا اور سائل کس طرح دلیل میں نظر کر سکے گا۔

ہفتم بحث کرنا اس امر میں کہ سائل سائل نہیں خارج از مناظرہ ہے اگر اصطلاحاً سائل نہیں تو لغۃً سائل ہونے میں شبہ نہیں۔

ہشتم۔ سائل کا یہ قول کہ مکہ ومدینہ میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں لیکن منصفی میں افضل ہونا اس امر کا ثبات ذمہ مدعی کے ہے سائل کے اس کہنے سے یہ نہیں لازم ہے کہ افضلیت من حیث الانصاف کا بھی قائل ہووے۔

نہم۔ فضیلت عرب بحیثیت عرب ہونے کے اور فضیلت اہل حرمین شریفین کی عموماً اور علمائے حرمین کی خصوصاً بحسب تضاعف ثواب عبادت وکثرت قبولیت حسنات ومغفرت سیئات وبحسب فضیلت موطن ومسکن متفق علیہ ہے اور اس کا ثبوت بہت سی احادیث صحیحہ واخبار صریحہ سے ہوتا ہے کسی مسلم کی شان سے نہیں ہے کہ ان فضائل کا انکار کرے اور کثرت ثواب طاعات ومغفرت خطیئات وقبولیت عبادات وفیضان رحم الٰہی قرب جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وافضلیت مسکن وموطن میں کسی اہل حرمین پر فضیلت دے، باقی امر انصاف

وتحقیق مسائل خلافیہ میں اور تنقید وتدقیق دلائل متخالفہ میں پس یہ موقوف ہے اوپر جودت طبیعت وفرط ذکاوت و وسعت نظر وحسن فکر و وسعت علم وکمال فہم وترک تعصب مذہبی وقطع تعلق ہوائے قلبی کے، پس جب تک یہ ثابت نہو کہ علمائے حرمین ہر زمانہ کے یا کسی زمانہ خاص کے ان سب صفات کے ساتھ متصف رہے ہیں ثبوت افضلیت بحسب الانصاف مشکل ہے اور ماہران کتب تواریخ حرمین شریفین مثل العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین وتاریخ المدینہ وغیرہ و ناظران تراجم علمائے متقدمین ومتاخرین پر مخفی نہ رہے گا کہ اجتماع ان سب صفات کا ہمیشہ تمام علمائے حرمین میں نہیں پایا گیا بلکہ بعد قرون صحابہ رضی اللہ عنہم کے جس قدر شیوع علم وقوت فہم بلاد شام ومصر وغیرہ میں پایا گیا، حرمین میں اس قدر نہیں پایا گیا۔

دہم مدعی نے جو احادیث اثبات دعویٰ کے واسطے ذکر کی ہیں۔ ثبوت دعویٰ اُن سے محل تامل ہے۔

حدیث اول:۔ صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فی ما سواہ الا المسجد الحرام۔ ثبت فضیلت مسجد نبوی ومسجد حرام ہے اور اس سے فضیلت ساکنان حرمین بحسب تضاعف ثواب عبادت وبحسب شرافت سکونت ثابت ہے اور اس میں کسی مسلم کو نزاع نہیں، اور اس فضیلت سے فضیلت من حیث الانصاف لازم نہیں ہے بلکہ من حیث العلم بھی ضروری نہیں ہے۔

اور حدیث دوم سے یعنی ان اللہ حبس عن مکۃ الفیل الحدیث شرافت ذاتیہ بلدہ مکہ معظمہ کی ثابت ہے نہ فضیلت علمیہ سکان۔

اور حدیث سوم یعنی واللہ انک لخیر ارض اللہ الی اللہ الحدیث بھی فضیلت ذاتیہ زمین حرم مکہ کی اور فضیلت اہل حرمین بجہت شرافت مسکن ثابت ہے نہ فضیلت علمیہ

اور حدیث چہارم یعنی ان الدین لیارز الی الحجاز بحسب تصریح شراح حدیث اس زمانہ سے خبر ہے کہ جس میں استیلائے کفر تمام اقالیم میں ہو جاوے گا اور قوت دین تمام بلاد میں منتفی ہو جائے گی اس وقت دین حجاز کی طرف مائل ہوگا اور وہاں سے زائل نہ ہوگا۔ اور بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ دین حرمین میں قوی رہے گا اور جس مداہنت سے امور دینیہ واستحداث بدعت شرعیہ اور بلاد میں ہوگا اس قدر حرمین میں نہ ہوگا علیٰ کل تقدیر۔ اس حدیث سے فضیلت علماء من حیث الانصاف نہیں ثابت ہوگی کیونکہ بقائے دین اور قلت مداہنت دین شئے دیگر ہے اور فضیلت انصاف امر دیگر ہے۔

اور حدیث پنجم میں یعنی لا یرید اہل المدینۃ بسوء الا اذابہ اللہ فی النار وعید ہے اس پر جو اہل مدینہ کو ایذا پہنچاوے جیسے عسکر یزید وعبد الملک بن مروان سے سرزد ہوا، فضیلت علماء سے کچھ بحث نہیں اور مجرد افضل نہ سمجھنا اہل حرمین کو من حیث العلم والانصاف کسی طرح سے داخل ایذا نہیں، ہاں جو شخص اہل مدینہ سے عداوت کرے اور ان کو ایذا دے اور تحقیر اہل حرمین کی کیا کرے اور ان کی مذمت کے بیان میں سرگرم رہے وہ البتہ اس وعید میں داخل ہے۔

اور حدیث ششم یعنی لایدعہا احد رغبۃ عنہا الخ میں مدینہ سے نکل جانے کا اور مدینہ میں رہنے پر شفاعت ہونے کا ذکر ہے مبحث سے کچھ علاقہ نہیں۔

اور حدیث ہفتم یعنی ان ابراھیم الخ ذکر برکت مکہ و مدینے کا تول و ناپ وغیرہ میں ہے فضیلت علمیہ سو اس کو کیا علاقہ ہے۔ اور حدیث ہشتم ہے یعنی من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیفعل فضیلت موت کی مدینے میں ثابت ہے اور یہ فضیلت علمیہ پر موقوف نہیں۔

اور حدیث نہم ہے یعنی انما المدینۃ کالکیر شرافت مدینے کی اس طور کی ثابت ہوئی کہ وہ ایسی جگہ ہے کہ وہاں منافق اور خبیث الباطن بعد تقرر اسلام کے نہیں رہ سکتا اور یہ نہیں ثابت ہے کہ وہاں کا ہر عالم علمائے بلاد سے من حیث العلم افضل ہوتا ہے اور بعض شراح حدیث نے اس حدیث کو بھی زمانۂ ظہور علامات قیامتِ کبریٰ پر محمول کیا ہے کہ اس وقت مدینے میں سوائے مسلم کامل کے کوئی نہ رہ سکے گا بس عموماً فضیلت نہ ثابت ہوئی۔

اور حدیث دہم یعنی ان اللہ سمی المدینۃ طابۃ کو کچھ دخل مقصود میں نہیں نام مدینے کا طابہ ہونا اور چیز ہے اور وہاں کے سکان کا افضل ہونا اور چیز ہے۔

اور حدیث یازدہم یعنی آخر قریۃ من قری الاسلام خرابا المدینۃ بھی مقصود سے بے گانہ ہے کیونکہ خبر اس امر کی ہے کہ بوقت خراب عالم و قرب قیامت مدینہ دوسرے بلاد کے بعد خراب ہو گا اس کو فضیلت سے کیا علاقہ ہے اور حدیث تبغض العرب فتبغضنی اور حدیث من غش العرب لم یدخل شفاعتہ اور حدیث لایجتمع دینان فی جزیرۃ العرب اور احبوا العرب لثلاث ایسی ایجاب حب عرب و حرمت ایذاء و طہارت ملکِ عرب نجاست شرک سے ثابت ہے اصل مقصود سے اس کو کچھ ربط نہیں۔ اور احادیث جو فتویٰ مدعی میں فضائلِ یمن اور شام کے مذکور ہیں وہ بھی بالکل مطلب سے بے گانہ ہیں۔ کہاں فضیلت علمائے حرمین من حیث الانصاف، کہاں فضیلت یمن و شام۔

الحاصل جو احادیث مدعی نے پیش کیں، کوئی ان میں سے مثبتِ دعویٰ نہیں ہے البتہ فضیلتِ ذاتیہ بلادِ حجاز و قوتِ دین و بقائے اسلام در مدینہ تا زمانہ آخر و فضیلت اہلِ حرمین بجہت تضاعف و الزام محبت اہلِ حرمین و وعید موذی ایشاں ثابت ہوتی ہے اور اس میں کسی مسلم کو انکار نہیں ہو سکتا ہے۔

یازدہم۔ ناظرین کتب فقہ و حدیث پر ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ رضؓ سے تا ایں زمان مجتہدین و فقہاء و محدثین مسائل فرعیہ و دلائل حدیثیہ میں مختلف رہا کیے اور فیما بین اصحاب مذاہب کے مناظرات ہوا کیے مگر کہیں یہ نہیں ثابت ہے کہ مختلفین نے رفع خلاف کے واسطے اہلِ حرمین کو منصف مقرر کیا ہو اور ان کی تحقیق کو لازم التسلیم سمجھا ہو۔

دوازدہم، کتب اصول میں مصرح ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک اجماع اہلِ مدینہ حجت ہے اور عمل صحابہؓ و تابعین مدینہ ان کے نزدیک سند مستند ہے اور سوائے ان کے اور ائمہ مثل امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے اس میں مخالفت کرتے ہیں اور مجتہدین اہلِ مدینہ کو مساوی باقی مجتہدین کے سمجھتے ہیں پس اگر فضیلتِ اہلِ حرمین من حیث الانصاف و التحقیق

احادیث سے ثابت ہوتی تو اس مسئلہ میں مخالفت نہ ہوتی۔

الغرض دعوی اس امر کا کہ علمائے حرمین تمام علمائے بلاد سے من حیث العلم والانصاف افضل ہیں۔ قرون ثلثہ میں یا ہر زمانہ میں اب تک خبر ثبوت تک نہیں پہنچا یا ہاں وہاں کے علمار کی بلکہ کل سکان کی فضیلت من حیث الثواب والشرافۃ وغیر ذلک کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں اس قدر ثابت ہے کہ دو طائفہ علمار کے فرض کیے جاویں کہ مساوی وسعت علم وتحقیق وانصاف وتدقیق میں ہوں اور ایک طائفہ ان میں سے حرمین کا ہو تو وہ افضل دوسرے طائفہ سے ہے مگر یہ امر خارج از مقصد ہے۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

زمینداری کے متعلق چند سوال

بخدمت شریف جناب مولانا بحرالعلوم مولوی عبدالحئی صاحب دام فیضہ السلام علیکم

سوال (۱۵۰) سوالِ اول:۔ زید قدرے زمین کا زمین دار ہے اور خراج اس کا حاکمِ وقت کو دیتا ہے اور زید کو اس قدر اختیار ہے کہ اس زمین کو خود کاشت کرے یا کسی دوسرے کو دیوے یا اس میں درخت نصب کرے یا کسی اور مصرف میں لاوے یا بیع اور رہن کرے، مگر جب کسی کو کاشت کرنے کو دی اور قبضہ اس کا مدت دراز یعنی بارہ برس تک اس زمین پر رہا تو اس کو زمیندار کسی طرح بے دخل نہیں کر سکتا ہے اور اگر قبضہ اس کا بارہ سال سے کم ہے تو اس کو بھی از خود بے دخل نہیں کر سکتا بلکہ جب اس پر اطلاع نامہ بے دخلی جاری کرے گا اور بعد تحقیقات عدالت جب قبضہ اس کا بارہ سال سے کم پایا جاوے گا تب زمیندار کو از جانب حاکم دخل دلایا جاوے گا۔ اور حاکم وقت اس کا رد و بدل نہیں کر سکتا تو اس صورت میں زمیندار زمین کا مالک ہے یا نہیں؟

سوال دوم:۔ اگر زمیندار ایسی زمین کو کہ جس پر اختیارات مذکور حاصل ہو خود کاشت کرے تو اس کو پیداوار غلہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس قدر یعنی دسواں حصہ یا بیسواں حصہ یا چالیسواں حصہ؟۔

سوال سوم:۔ غلہ کے وجوب زکوٰۃ کا وقت کونسا ہے وقت درو دفصل یا جب تمام سال کے خرچ سے فاضل بچے۔

سوال چہارم:۔ جو اسامی کہ زمین کو زمیندار کی جانب سے کاشت کرتے ہیں اور محصول اس کا زمیندار کو دیتے ہیں اس میں دو صورت ہیں۔ اولاً یہ کہ قبضہ اس کا بارہ سال سے ہے اور زمیندار اس کو بے دخل نہیں کر سکتا ہے۔ ثانیاً وہ کہ قبضہ اس کا کم از بارہ سال ہے اور زمیندار اس کو بذریعہ اجرائے اطلاع نامہ بے دخلی بے دخل کر سکتا ہے تو اس زمین کی پیداوار غلہ پر ذمہ اسامی میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؛ اور اگر ہے تو کس قدر؟

سوال پنجم:۔ مالک ایسی زمین کا آسامی ہے یا زمیندار یا حاکمِ وقت اور تعریف ملک کی کیا ہے؟
اور بموجب آیۂ کریمہ ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ۔ مالک زمین بجز خداوندِ
کریم کوئی نہیں ہے البتہ وارث اس کے حاکمِ وقت ہیں، زمیندار وارث نہیں ہو سکتا، اس
واسطے کہ زمیندار باجازت حاکمِ وقت اس زمین پر قابض ہے۔

جواب:۔ جوابِ سوالِ اول وپنجم:۔ مالکِ زمینِ مذکور کا زمیندار ہے نہ اسامی وکاشتکار۔ دلیل یہ ہے کہ اس
زمین میں تصرف مالکانہ جیسے بیع ہبہ، رہن وغیرہ زمیندار کر سکتا ہے نہ کاشتکار اور نہ کوئی اور۔ ردالمحتار میں ہے:
قد قالوا ان وضع الید والتصرف من اقوی مایستدل بہ علی الملک ولذا تصح الشہادۃ بانہ ملکہ انتہی
اور حاکمِ وقت اگر باعتبار سلطنت وغلبہ کے مالک اس کا کہا جاوے تو ممکن ہے لیکن ہرگاہ حاکم نے
وہ زمین زمیندار کے قبضہ میں دے دی اور تصرفات مالکانہ کا مجاز کر دیا وہ زمین مملوک حاکم نہ ٹھہرے گی
بلکہ مملوک زمیندار۔

ردالمحتار میں فتاویٰ ابن حجرؒ سے منقول ہے:۔ من فی یدہ شئ فہو ملکہ لایحل لاحد الاعتراض علیہ
ولا یکلف اثباتہ ببینۃ انتہی۔

جواب سوال دوم:۔ اور جو شخص اپنی زمین میں زراعت کرے اس پر اداکرنا اور مصارف زکوٰۃ میں صرف کرنا
دسواں حصہ غلہ کا واجب ہے۔ اگر زراعت بذریعہ پانی برسات یا نہروں وغیرہ کے ہو اور اگر کنویں سے
پانی نکلوا کے اور خرچ کرکے زراعت کی ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے لیکن جس صورت میں کہ خراج اس زمین کا
حاکمِ وقت کو دینا پڑتا ہو اس وقت ادائے عشر وغیرہ ساقط ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ لا یجمع
العشر مع الخراج انتہی۔

جوابِ سوالِ سوم:۔ غلہ کے وجوب زکوٰۃ کے لئے حولان حول شرط نہیں ہے، بلکہ کھیتی کٹنے کے بعد ہی جب غلہ
ہاتھ میں آجائے، مقدار واجب ادا کر دے۔ (درمختار علی ہامش الشامی ص۲ ج۲)۔

جوابِ سوالِ چہارم:۔ اور جو کاشتکار اس زمین کا ہے اس میں خلاف ہے کہ درصورت اجارہ عشر مستاجر
پر واجب ہے یا مالکِ زمین پر، بعضوں نے فتویٰ مستاجر پر واجب ہونے کا دیا ہے اور بعضوں نے مالکِ زمین پر
اور یہی مختار ہے اکثر متاخرین کا۔ درمختار میں ہے:۔ والعشر علی الموجر وقالا علی المستاجر وفی الحاوی
القدسی بقولہما ناخذ انتہی۔

اور ردالمحتار میں ہے:۔ قلت لکن افتی بقول الامام جماعۃ من المتاخرین کالخیر الرملی فی فتاواہ وکذا
تلمیذ الشارح الشیخ اسمعیل وکذا حامد آفندی العمادی وقال فی فتاواہ قلت عبارۃ الحاوی القدسی
لا تعارض عبارۃ غیرہ فان قاضی خان من اھل الترجیح ومن عادتہ تقدیم الاظہر والاشہر وقد قدم قول

۱؎ اس سوال کا جواب فتاویٰ عبدالحیؒ میں نہیں تھا قدیم نسخوں سے بھی مراجعت کی گئی لیکن وہاں پر بھی جواب نہیں ملا۔ اس لئے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
سے جواب حاصل کرکے درج کیا گیا ہے (مختار علی ڈائریکٹر مسلم اکیڈمی دیوبند)

الامام وکان ھوالمعتمد وافتی بہ غیر واحد واقتصر علیہ فی الاسعاف والخصاف انتہی۔

الحاصل بقول مختار کاشتکار پر عشر واجب نہیں اور نہ زمیندار پر بسبب ادائے خراج کے۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

کثیر الازواج عورت جنت میں

سوال (۷۵۲) اگر ایک عورت نے مختلف اوقات میں چند نکاح کیے۔ بشرط جنتی ہونے تمام شوہروں اور عورت کے، یہ عورت کون سے شوہر کو ملے گی؟

جواب: بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو اختیار دیا جائے گا تو وہ دنیا میں جس شوہر کے ساتھ زیادہ موافقت تھی اس کو اختیار کرلے گی۔

معجم طبرانی میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے:۔ قلت یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المرأۃ تتزوج الزوجین والثلثۃ والاربعۃ فی الدنیا ثم تموت فتدخل الجنۃ ویدخلون معہا من یکون زوجہا منہم قال انہا تخیر فتختار احسنہم خلقا فتقول یا رب ان کان ھذا احسنہم خلقا فی دار الدنیا فزوجنیہ یا ام سلمۃؓ ذھب حسن الخلق بخیر الدنیا والاخرۃ انتہی۔

اور مسند بزار اور مکارم اخلاق خرائطی اور معجم طبرانی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے:۔ ان ام حبیبۃ قالت یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المرأۃ تکون لہا الزوجان فی الدنیا تموت ویموتان منہا فیجتمعون فی الجنۃ لایہما تکون فقال لاحسنہم خلقا کان عندھا فی الدنیا انتہی۔

اور بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آخری شوہر کو وہ عورت دی جائے گی۔ طبقات ابن سعد میں ابوالدرداءؓ سے مروی ہے:۔ سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول ان المرأۃ لاخر ازواجہا فی الاخرۃ انتہی۔

بظاہر یہ صورت اس وقت ہوگی جبکہ تمام شوہر حسنِ اخلاق اور حسنِ صحبت میں مساوی ہوں گے۔

شرکت فی الکسب کا حکم

سوال (۷۵۳) مولانا مولوی محمد عبدالعزیز صاحب خلف الصدق شاہ محمد عیسیٰ صاحب مرحوم و برادر زادہ حقیقی شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت نے صرف ایک جگہ سے علوم دینی سے فراغ حاصل کیا اور بعد فراغ علوم کے چندے جابجا نوکر رہے اور نوکری سے جو کچھ حاصل ہوا مکان پر بھیجا اور بشمول مال یکجائی کے سب کے صرف میں آیا یعنی خرید زمینداری نام سے ان کی بی بی اور زوجہ شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت کے ہوئی۔ کسی قسم کی علیحدگی باہم نہ رہی اور حالت یکجائی میں مولانا موصوف نے وفات پائی۔ اب عرصہ پانچ چھ مہینے سے باہم محمد یعقوب و محمد فصاحت چچا و مظاہر الحق برادر ربے بابت مولانا ممدوح کے علیحدگی ہوگئی۔ تو اب مال متروکہ میں مولوی صاحب کی چیزیں جو مثل کتاب وغیرہ کے ہیں اس میں استحقاق شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت چچاؤں کا بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس قدر ہے اور کتنا کتنا ہر ایک شخص کو پانا چاہیے۔ بینوا توجروا۔

جواب: ایسی حالت میں وہ مال درمیان مولوی عبدالعزیز و محمد یعقوب و محمد فصاحت کے مشترک سمجھا جاوے گا اور اثلاثاً تقسیم ہوگی۔ ایک حصہ محمد یعقوب کو اور ایک محمد فصاحت کو اور ایک محمد عبدالعزیز کا۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے:۔ ما حصله الاخوة الخمسة بسعيهم يسهم ويكون بينهم اخماسا انتهى والله اعلم۔

محفلِ میلاد میں قیام کرنا

سوال (۴۵۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ محفلِ مولد شریف میں جو مستنبط بعض صوفیہ صافیہ وبعض محدثین سے ہے اور اس میں علماء مختلف ہیں کما هو مصرح فی موضعه اکثر عوام وخواص اس کو کرتے ہیں یعنی وقت ذکر ولادت باسعادت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے ہیں اور اس کھڑے ہونے کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سمجھتے ہیں اور آپ کے افرادِ تعظیمیہ میں داخل کرتے ہیں۔ آیا اس قیام کا کوئی ثبوت واستنباط اصول شرعیہ معتمدہ سے ہے یا نہ۔ بر تقدیر اول کے جو اکثر علماء فرماتے ہیں هذا القيام بدعة لا اصل لها چنانچہ سیرت شامیہ وسیرت حلبی وغیرہا میں مندرج ہے اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی ہے یہ کیسا ہے۔ اور بر تقدیر آخر مباح ہے یا بدعت حسنہ یا بدعت سیئہ اور جو بعض لوگ یہ زعم کرتے ہیں کہ وقت ذکر ولادت شریف روح پاک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف لاتی ہے یہ زعم زاعمین صحیح ہے یا نہ اور جو بعض لوگ کہ متبع سنت نبویہ صلی اللہ علے صاحبہا وسلم ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو فرض عین مثل دیگر فرائض جانتے ہیں وہ بنظر اس امر کے کہ جناب سید الانام نے خود حیاتِ صوریہ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو ایسے قیام سے منع فرمایا ہے اور صحابہؓ نے کبھی نہیں کیا کما هو مصرح فی الاحادیث اور موافق قولِ مسطور یعنی هذا القيام بدعة لا اصل لها کے اس قیام کو نہیں کرتے، ان کو اکثر لوگ بخصوص ترک ایسے قیام کے تارک تعظیم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہتے ہیں اور ان پر طعن تشنیع کرتے ہیں پس اس طعن میں وہ لوگ مصیب ہیں یا مخطی؟

جواب:۔ قیام جو بوقت بیان ولادت نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کیا جاتا ہے اس کی کوئی اصل معتمد شرعاً نہیں ہے اور یہ گمان کہ قیام تعظیم نبوی ہے فاسد اس وجہ سے کہ تین حال سے خالی نہیں یا یہ کہ قیام تعظیم نام پاک محمدی کے ہے یا واسطے تعظیم ہیئت ولادت وتصور وقائع ولادت کے ہے یا واسطے تعظیم نام پاک محمدی کے جسداً وروحاً یا روحاً فقط شق اول باطل ہے اولاً اس وجہ سے کہ نام پاک کی تعظیم قیام یا انحناء وغیرہ کے ساتھ کہیں نہیں وارد ہے بلکہ بدعت ہے تعظیم نام یہی ہے کہ وقت نام لینے یا سننے کے درود بھیجا جاوے۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ اگر نام لینے کی تعظیم قیام کے ساتھ ہو تو لازم ہے کہ تمام بیان مولد کھڑے ہوکے کیا جاوے اور جب نام پاک آپ کا لیا جاوے غیر بیان مولد میں اس وقت قیام کیا جاوے ولا قائل به اور شق دوم بھی باطل ہے اس وجہ سے کہ مجرد تصور ہیئت کی تعظیم اس طرح سے نہیں وارد ہے۔ باقی رہی شق ثالث

وہ موقوف اس امر پر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت بیان ولادت میں جسداً اور روحاً تشریف لاتے ہیں اور یہ امر شرع میں ثابت نہیں ہے

اور اگر بالفرض والتقدیر آپ کا تشریف لانا ثابت بھی ہو تو یہ ثابت ہونا محال ہے کہ بوقت بیان ولادت فقط تشریف لاتے ہیں نہ ابتدائے بیان مولد سے بلکہ بر تقدیر ثابت ہوئے تشریف لانے کے ظاہر یہ ہے کہ ابتدائے مجلس سے تشریف لاتے ہوں گے پس لازم ہے کہ از ابتدا تا انتہا قیام کیا جاوے

علاوہ ازیں کتب احادیث میں یہ امر ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم حیات میں اپنے واسطے صحابہؓ کے کھڑے ہونے کو منع کرتے تھے اور صحابہؓ آپ کے واسطے قیام نہیں کرتے تھے پس جو امر کہ آپ اپنے حق میں بحالت حیات پسند نہیں فرماتے تھے بلکہ صحابہؓ کو اس سے منع کرتے تھے۔ وہ بعد وفات کے آپ کے تشریف لانے کے وقت کیونکر جائز ہوگا اور اگر بالفرض والتقدیر قیام مولد مشروع بھی ہو تو غایۃ الامر یہ ہے کہ مستحب ہوگا نہ واجب و نہ فرض اور علمائے نے تصریح اس امر کی کی ہے کہ جس مندوب پر اصرار مثل فرائض و واجبات کے کیا جاوے اور اس کے تارک پر ملامت کی جاوے وہ مکروہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں لکھا ہے پس اصرار کرنا اس فعل پر اور اس کے تارک پر ملامت کرنا اور اس کو بدنام کرنا اور اس کی تذلیل کی فکر میں رہنا درجۂ کراہت تک پہنچاتا ہے۔

الحاصل یہ قیام افراد تعظیم نبوی سے جو ہر مسلمان پر فرض...... نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی اصل معتدبہ شرعاً پائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ بدعت ہے اور تارکین قیام پر ملامت کرنے والے مرتکب گناہ کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔

بیٹوں سے ضمان وصول کرنا۔

سوال (۷۵۵) زید از مدت مدید وسالہائے دراز اس صورت سے بسر اوقات اپنی اور جملہ متعلقین ووابستگین کی کیا کرتا ہے کہ مال نیشکر دیہات کا مالگذاران دیہات سے زر مکسوبہ خاص خرید کے شکر وغیرہ تیار کرا کے فروخت کیا کرتا ہے اور زید مذکور کے دو پسر ہیں عمرو فرزند اکبر و بکر خلف اصغر چنانچہ زید مذکور بمقتضائے الفت پدری کاغذ بیع نامہ بنام فرزند اکبر واحیاناً باسم خلف اصغر تحریر کرا دیتا ہے مگر خرید مال وجملہ مصارف ضروریہ میں زر مکسوبہ ذاتی اپنا صرف کرتا ہے و درحقیقت بوجہ صرف اپنے زر مکسوبہ ذاتی کے زید مسطور اصل مالک کل مال کھنڈسار ہے ویا باجازت زید فرزند کے جس کے نام سے وہ مال خرید کے بیع نامہ جات موسومہ شان تحریر کرا دیتا ہے اہتمام وانتظام جملہ کاروبار وکھنڈسار اپنے بیٹوں سے لیا کرتا ہے اور شروع سے برخاست کھنڈسار تک جملہ حساب وکتاب جمع وخرچ سمجھ کر کل زر آمدنی معرفت فرزندوں کے حاصل کرتا ہے اس صورت میں کل کھنڈسار مملوکہ خاص زید مذکور ہے اور اگر وہ کل مال مملوکہ محصلہ زید مذکور ہے تو اس کے

فرزند کاروبار اور اہتمام کھنڈرسہار کرنے کی وجہ سے اجر مثل پانے کے مستحق ہیں اور جو کچھ فرزندان زید نے بلا اجازت زید از رد ئے نقدی خورد برد یا ہلاک اور صرف بے جا کیا ہو اس کا ضمان فرزندان زید پر شرعاً عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اس صورت میں کل مال مذکور مملوک زید ہے اور فرزندان زید کو استحقاق اجر مثل کا ہے اور ضمان تعدی کا ان پر عائد ہے واللہ اعلم۔ ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ۔

فرسخ اور میل کی تحدید

سوال (۷۵۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرسخ اور میل کی تحدید معتبر کیا ہے؟

جواب :۔ اس باب میں حنفیہ کے چند اقوال ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدار میل میں اختلاف ہے اور فرسخ بقدر تین میل کے اتفاقاً ہوتا ہے ایک یہ کہ میل تین ہزار گز کا ہے پس فرسخ نو ہزار گز کا ہوگا لیکن اس قول کے معنی یہ ہیں کہ گز موافق قدمائے اہل حساب بتیس انگشت کا ہے۔ دوسرا قول وہ جو عینی اور مسکین اور ابن نجیم نے شرح کنز میں نقل کیا ہے کہ میل چار ہزار خطوہ ہے اور ہر خطوہ بقدر ایک و نیم گز اور گز چوبیس انگشت کا۔ پس فرسخ بارہ ہزار خطوہ اور اٹھارہ ہزار گز ہوگا اور میل چھ ہزار گز۔ اور اس قول کو خیر الدین رملی وغیرہ نے لکھا ہے کہ غیر معتبر ہے۔ تیسرا قول وہ جو ذخیرہ میں ابو شجاع سے منقول ہے کہ میل تین ہزار اور پانچسو گز بحساب چوبیس انگشت ہے۔ چوتھا قول وہ جو زیلعی نے شرح کنز اور حدادی نے جوہرہ شرح مختصر قدوری وغیرہ میں ذکر کیا کہ میل چار ہزار گز اور فرسخ بارہ ہزار گز بحساب چوبیس انگشت ہے اور یہی قول مشہور ہے بین الحنفیہ۔ اور خیر رملی نے اسی کو معتبر لکھا ہے واللہ اعلم ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ۔

ظالم باپ یا شوہر کی اطاعت نہ کرنا

سوال (۷۵۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ اور لڑکے کو سوائے ظلم کے کبھی شفقت شوہرانہ و پدرانہ سے نہیں دیکھا اور نہ پرورش کیا اس لئے وہ زوجہ اور لڑکا اس سے دور ہو گیا اور اب کسی طرح پرورش پا کر ہشیار ہوا۔ چونکہ شوہر اور پدر واجب الاطاعت ہیں اور یہ دونوں بسبب بے مہری اس کی اطاعت سے محروم رہے پس اس میں گنہگار کون ہے اور کون کس کے واسطے پوچھا جائے گا۔ باوجودیکہ زوجہ اور لڑکا اپنی خواہش سے اطاعت سے محروم نہیں رہے۔

جواب :۔ ایسی صورت میں نافرمانی کی ابتداء و زیادتی پسر و زوجہ کی جانب سے نہ ہو وہ ماخوذ نہ ہوں گے واللہ اعلم۔

زنا سے توبہ کرنے کا طریقہ

سوال (۷۵۸) چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت مثلاً زید نے فعل شنیع ہمراہ ہندہ کے

سہواً یا قصداً کیا، بعد حرکت فعل مذکور کے جب خیال آیا کہ یہ حرکت نہایت بے جا تھی۔ بہت نادم ہو کر عذاب الٰہی سے خوف زدہ ہوا، ہندہ مذکور شوہر دار تھی مگر شوہر اس کا چار سال سے مفقود الخبر ہے۔ اب زید مذکور توبہ استغفار چاہتا ہے تاکہ مغفرت ہو، کیا کرے کیونکر کرے کہ گناہ سے نجات پاوے؟۔

جواب:۔ وہ شخص اچھی طرح سے وضو کر کے دو رکعت نماز نفل خشوع سے ادا کرے اور بعد نماز کے نہایت آہ وزاری سے آنسو بہا کے عاجزی ظاہر کرے جیسے کوئی غلام مجرم اپنے آقا سے قصور معاف کرتا ہے دعائے مغفرت کرے اور دل میں اس گناہ سے ندامت رکھے اور یہ قصد کرے کہ آئندہ مجھ سے ہرگز ایسی حرکت نہ ہوگی۔ پروردگار عالم اس گناہ کو معاف فرمائے گا اور اس عورت کے حق میں بھی دعائے مغفرت کرے اور اگر وہ عورت ابتداء میں راضی نہ تھی تو اس سے عفو قصور کرالے تاکہ محشر میں وہ دامن گیر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

سوال (۷۵۹) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دارِ فانی سے رخصت ہوتے ہوئے اہل سنت والجماعۃ کے عقیدہ کے مطابق کسی کو خلیفہ متعین نہیں فرمایا تھا۔ اور اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ میں خلفاء نے جو کچھ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ فعل صواب تھا یا خطا اور خطا کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی یا صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف؟۔

جواب:۔ علماء اہل سنت والجماعت کا مسلک بالکل صحیح اور درست ہے اور اس کی مخالفت ضلالت وگمراہی ہے۔ کیونکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں تعین خلافت کے لیے نص جلی ثابت نہیں۔ اور نہ کسی صحابی نے اس قسم کا دعویٰ کیا کیونکہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی شخص کے حق میں وصیتِ خلافت کا ثبوت نصِ جلی سے ہوتا تو یقیناً وہ نص مستور و پوشیدہ نہ رہتی۔ بلکہ متواتر یا مشہور کے درجہ پر ضرور پہونچتی اور وجوہِ کثیرہ کی بناء پر اس کا اظہار لازمی وضروری ہوتا اور اخفا باعثِ خطر۔ جیسا کہ شرحِ مواقف میں ہے:۔ ثم عدم نص جلی معلوم قطعًا لانہ لو وجد التواتر لم یمکن ستره عادة اذ ھو مما یتوفر الدواعی الی نقلہ وایضا لو وجد نص جلی علی امامۃ علی رضی اللہ عنہ لمنع بہ غیرہ کما منع بہ ابوبکر الانصار لقولہ علیہ السلام الائمۃ من قریش مع کونہ خبرا واحدا فاطاعوہ وترکوا الامامۃ شانھم فی الصلابۃ فی الدین ما یشھد بہ بذلھم الاموال والانفس ومھاجرتھم لاھل الوطن وقتلھم الاولاد والآباء والاقارب فی نصرۃ الدین ثم لا یحتج علی علیھم بذلک النص الجلی بل ولا یقول احد عند طول النزاع فی الامامۃ مالکم تنازعون فیھا قد عین فلانا لھا انتھی۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بذاتہ کسی کو خلیفہ مقرر نہ کرنا سراسر صواب ہے اس میں خطاء کا احتمال تک بھی نہیں کیونکہ آپ پر نصب امام واجب نہ تھا کہ عدم تعین کی وجہ سے خطا کی نسبت کی جا سکے۔ جیسا کہ خود قرآن کی آیت یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (ترجمہ) اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی

طرف سے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ الآیۃ اور اگر ایسا نہیں کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اس کا پیغام سے عرف احکامِ الٰہیہ کی تبلیغ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اگر نصب امام بھی واجب ہوتا ما انزل میں داخل ہونے کی وجہ سے تو اس کا اظہار آپ کے لیئے ضروری تھا ورنہ عصیان لازم آتا ہے۔ حالانکہ آپؐ باجماعِ امت معصوم ہیں اور آپؐ سے نصب امام ثابت نہیں جبکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نصب امام واجب نہیں تو تعیین وصی نہ ہونے کی صورت میں آپؐ کی طرف خطا کی کیسے نسبت کی جا سکتی تھی اور صحابہ کرام نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ کیا وہی عین صواب اور ادار واجب تھا۔ کیونکہ بیعت امام اور نصب امام احکام اسلام کے نافذ کرنے اور قیام امور خاص و عام کے اہتمام کرنے کے لیئے اصحاب امام پر واجب و ضروری تھی۔

ارشادِ نبوی ہے مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے: من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاھلیۃ انتہیٰ ظاہر ہے کہ ادار واجب کو خطا کیسے کہا جا سکتا ہے اور صحابہ کرامؓ کو خطا کہنا کیسے صحیح ہو گا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تعیین وصی نہ کرنا کیونکہ وہ آپ پر واجب ہی نہ تھی سبب خطا نہیں ہے۔ نیز صحابہ کا نصب امام ان پر واجب ہونے کی وجہ سے سبب خطا نہیں۔ لہٰذا نہ فعلِ رسول خطا ہے اور نہ عمل صحابہؓ۔ محمد گوہر علی

الجواب صحیح محمد ارشاد حسین۔ الجواب صحیح محمد عبدالقادر۔ الجواب صحیح محی الدین محمد عبدالقادر احمدی۔ اصاب من اجاب محمد عبداللہ۔ الجواب ہو الجواب محمد اعجاز حسین۔ قد صح الجواب محمد عبدالغفار۔ الجواب صواب محمد ریاست علی۔ الجواب صحیح محمد امداد حسین۔ قد صح الجواب حیدر حسین۔ المجیب مصیب تفضل حسین خاں۔

جواب درست ہے۔ واقعۃً خلافت کا ثبوت نص جلی سے تواتر کے ساتھ نہیں ہے۔ البتہ صحیحین کی احادیث سے اشارۃً اور دلالتہً ہے جیسا کہ ملا علی قاری شارح فقہ اکبر فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو بکرؓ کو امامت نماز کا خلیفہ بنانے میں اشارہ تھا ان کی مطلق خلافت کے بارہ میں اور جب آپ نے سمجھ لیا کہ صحابہؓ میرے اشارہ کو سمجھ گئے تو تحریر اور وصیت نامہ کا ارادہ ترک فرما دیا اور صحابہ کرامؓ نے بھی شدتِ مرض کی بنار پر تحریر کی تکلیف دینے کو مناسب نہ سمجھا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خلافت صلوٰۃ کے اجرار کے بعد کسی تحریر کی ضرورت باقی نہیں رہتی ورنہ آپ کی معصوم و مقدس ذات پر ترک تبلیغ کا اتہام لازم آئے گا۔ اب ایسے مقام پر کہ بظاہر انبیار علیہم السلام اور صحابہ کرام و سلف صالحین کے اقوال و افعال پر بظاہر کوئی شبہ ہو ہر ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ مناسب تاویل کر کے شبہ کو زائل کرنے کی کوشش کرے نہ یہ کہ معاند و منافق لوگوں کی طرح اعتراض کرنے لگے۔ جیسا کہ روافض کو صحابہ کرامؓ کے عناد نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی پر مجبور کر دیا اور سائل معاند خطا کی نسبت وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر رہا ہے اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو گی۔ (نعوذ باللہ منہ)

شرح فقہ اکبر کی عبارت ملاحظہ ہو:۔ وفی الصحیحین عن عائشۃؓ انہا قالت دخل علیّ رسول اللہ ﷺ فی الیوم بدیٔ فیہ المرض ادعی لی اباک واخاک حتی اکتب لابی بکر کتابا ثم قال یابی اللہ والمسلمون الا ابابکر

واما قول عمران استخلف فقد استخلف من هو خیر منی یعنی ابابکر وان لا استخلف فلم یستخلف من هو خیر منی یعنی النبی فلعل مراده لم یستخلف بعهد مکتوب وکتب عهدًا اکتبه لابی بکر بل قد اراد کتابه ثم ترک وقال یابی الله والمسلمون الا ابابکر فکان هذا ابلغ من مجرد العهد فانه علیه السلام والمسلمین علی استخلاف ابی بکر بالفعل والقول واختاره لخلافته اختیار راض بذلک وعزم علی ان یکتب بذلک عهدا ثم علم ان المسلمین یجتمعون علیه فترک الکتابة اکتفاءً بارادة الله واختیاره الامامة ثم عزم علی ذلک فی مرضه یوم الخمیس فحصل بعضهم شک هل ذلک القول من جهة المرض او هو قول یجب اتباعه ترک الکتابة اکتفاء بما سبق فلو کان التعیین مما یشتبه علی الامة بعینه بیانا قاطعا للمعذرة لکن لما دلهم دلالات متعددة علی ان بایع ابابکر الاسعد بن عبادة لکونه هو الذی کان یطلب الولایة ولذا لما بایع عمر وابو عبیدة ومن حضر من الانصار قال قائل قتلتم سعدا فقال عمر قتله الله ولم یقل احد من الصحابة ان النبی صلی الله علیه وسلم نص علی غیر ابی بکر من علی وعباس وغیرهما ولو کان لاظهره انتہیٰ۔

اور صحابہ کرام نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں بسلسلہ تعیین خلیفہ جو کچھ مشورہ کیا بالکل صحیح ہے شروع میں تو منا امیر ومنکم امیر کہہ رہے تھے لیکن جس وقت حضرت عمرؓ کی زبانی ارشادِ مبارک سنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابابکر ان یؤم الناس وایکم تطیب نفسہ وان یقدم ابابکر تو سب متفق ہو کر کہنے لگے (نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر) اخرجہ نسائی۔ ابویعلی۔ حاکم، واللہ اعلم بالصواب۔ محمد لطف اللہ عفی عنہ۔

صح الجواب۔ تفتازانی شرح المقاصد میں فرماتے ہیں۔ اگر تعیین خلافت کے بارہ میں کوئی نص جلی ہوتی تو دورِ صحابہؓ میں تواتر و شہرت کے درجہ میں ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔ عبارت شرح المقاصد درج ذیل ہے:۔

لو کان نص جلی ظاهر المراد فی مثل هذا الامر الخطیر لتواتر واشتهر فیما بین الصحابة وظهر علی اجلتهم الذین لهم زیادة قرب بالنبی صلی الله علیه وسلم واللازم منتف والا لم یتوقفوا علی الانقیاد ولم یترددوا حین اجتمعوا فی سقیفة بنی ساعدة لتعیین الامام ولم یقل الانصار منا امیر ومنکم ولم تمل طائفة الی ابی بکرؓ واخری الی علیؓ واخری الی العباسؓ فان قیل علموا ذلک وکتموه لاغراض لهم فی ذلک کحب الریاسة والحقد علی علیؓ وظنهم ان النص قد لحقه النسخ الی غیر ذلک وترک علی المحاجة بہ تقیة وخوفا من الاعداء وقلة وثوق بقبول الجماعة قلنا من کان له حظ من الدیانة والانصاف علم قطعًا براءة اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم عن مخالفة امره فی مثل هذا الخطب الجلیل انتہیٰ۔

ہندوستان دار الحرب نہیں ہے

سوال (۶۰) ہندوستان میں جہاں تک عمل داری انگریزوں کی ہے دار الحرب ہے یا نہیں اور اگر ہے تو صرف مطابق مذہب صاحبینؒ کے یا برطبق مذہب ابو حنیفہؒ کے بھی؟ بینوا توجروا۔

جواب :۔ ہندوستان دارالحرب نہیں ہے بلکہ دارالاسلام ہے چنانچہ ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے۔

خزانۃ المفتیین میں ہے :۔ دارالاسلام لاتصیر دارالحرب الا باجراء احکام الشرک فیھا وان یکون متصلا بدارالحرب لایکون بینھا و بین دارالحرب مصر اٰخر للمسلمین وان لا یبقی فیھا مسلم وذمی اٰمنا بالامان الاول فما لم توجد ھذہ الشرائط لاتصیر دارالحرب ومعنی قولنا ان لایبقی مسلم او ذمی اٰمنا بالامان الاول ان لایبقی فیھا مسلم او ذمی اٰمنا علی نفسہ الا بامان المشرکین وقالا اذا اجروا فیھا احکام الشرک فانھا تصیر دارالحرب سواء کانت متصلۃ بدارالحرب اولم تکن بقی فیھا مسلم او ذمی اٰمنا بالامان الاول ولم یبق بدارالحرب تصیر دارالاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا وان زال غلبۃ اھل الاسلام کذا فی شرح سیرالاصل وفی سیرالاصل لابی الیسر ان دارالاسلام لاتصیر دارالحرب مالم یبطل جمیع ما صارت بہ دارالاسلام لان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی من العلۃ شیٔ یبقی ببقائہ وفی المنثور دارالاسلام باجراء احکام فما بقی علقۃ من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام انتہی۔

اور بزازیہ میں ہے :۔ قال السید الامام والبلاد التی فی ایدی الکفرۃ الیوم لاشک انھا بلاد الاسلام بعد ایصالھا ببلاد الحرب ولم یظھروا فیھا احکام الکفر بل القضاۃ مسلمون بالبلاد التی علیھا وال مسلم من جھتھم فیجوز فیھا اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاۃ وتزویج الایامی والارامل لاستیلاء المسلم علیہ اما البلاد التی علیھا ولاۃ کفار فیجوز فیھا ایضاً اقامۃ الجمع والاعیاد والقاضی قاض بتراض المسلمین وقد تقرر ان ببقاء شئ من العلۃ یبقی الحکم وقد حکمنا بلاخلاف بان ھذہ الدیار قبل استیلاء التتار کان من دیار الاسلام بعد استیلائھم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی و التدریس شائع بلانکیر من ملوکھم فالحکم بانھا دارالحرب لاجھۃ لہ نظرا الی الدراسۃ والدرایۃ واعلان بیع الخمور واخذ الضرائب والمکوس والحکم من النقص برسم التتار کاعلان بنی قریظۃ بالیھود وطلب الحکم من الطاغوت فی مقابلۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عہدہ بالمدینۃ ومع ذلک کانت بلدۃ اسلام بلاریب وذکر الحلوائی انہ انما تصیر دارالحرب باجراء احکام الکفر وان لایحکم فیھا بحکم من احکام الاسلام و ان یتصل بدارالحرب وان لایبقی فیھا مسلم ولاذمی اٰمنا بالامان الاول فاذا وجدت الشرائط کلھا صارت دارالحرب وعند تعارض الدلائل والشرائط یبقی ما کان او یترجح جانب الاسلام احتیاطاً انتہی ملخصاً۔

اور شرح زیادات للعتابی میں ہے :۔ دارالاسلام انما تصیر دارالحرب بثلاث احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتہار والثانی ان تکون متاخمۃ بدارالحرب ای متصلۃ لایتخلل بینھما بلدۃ من بلاد المسلمین والثالث ان لا یبقی فیھا مسلم او ذمی اٰمنا بالامان الاول فشرط ھذہ الشرائط لیکون علما علی تمام القھر والاستیلاء اذ دارالاسلام یحتاط لاثباتہ لھا وعندھما یصیر دارالاسلام دارالحرب

باجراء احکام الکفر فیھا انتہٰی۔

اور طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے:۔ قولہ باجراء احکام الشرک ای علی الاشتہار وان لایحکم فیھا بحکم اہل الاسلام ہندیۃ وظاھرہ انہ لو اجریت احکام المسلمین و احکام اہل الشرک لاتکون دار حرب انتہیٰ۔

ان عبارات سے اور ان کی امثال سے واضح ہے کہ دارالحرب ہونے میں دارالاسلام کی شرط یہ ہے کہ احکامِ کفر علی سبیل الاشتہار جاری ہوں اور احکامِ اسلام بالکلیہ موقوف کردیئے جاویں اور شعائر اسلام و ضروریاتِ دین میں کفار مداخلت کرنے لگیں اور یہ شرط اتفاقی ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے اس کے سوا اور بھی دو شرطیں اضافہ کیں ایک یہ کہ بلدہ میں اور دارالحرب میں کوئی بلدہ مملکت اہلِ اسلام کا باقی نہ رہے۔

دوسرے یہ کہ امانِ اول مرتفع ہوجائے اور بامانِ کفار نوبت اقامت کی آئی ہو اور یہ ظاہر ہے کہ بلادِ ہندوستان میں یہ مفقود ہے اس وجہ سے کہ شعائر اسلام میں ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت و ممانعت نہیں ہے اور اگرچہ قضاۃ کفار ہیں اور احکام خلافِ اسلام جاری کرتے ہیں مگر بہت سے امور میں انقیاد فتاویٰ اہلِ اسلام کا بھی کرتے ہیں اور موافقِ شرع فیصلہ کرتے ہیں۔ پس یہ بلاد دارالحرب نہ ہوں گے نہ بمذہب امامؒ نہ بمذہب صاحبینؒ۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

زوالِ علت سے حکم کا ختم ہوجانا

سوال (۱۶۷) اگر شارع نے کسی علت سے کوئی حکم بیان کیا بعد مدت کے وہ علت جاری نہ رہی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکم باقی نہ رہے۔ چنانچہ ابنِ عباسؓ نے طواف میں رمل کے سنت ہونے کا انکار کیا لیکن حضرت عمرؓ نے باوجودیکہ زوالِ علت کا یقین تھا پھر فرمایا کہ جو ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کرتے تھے اسے نہ چھوڑیں گے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ زوالِ علت سے زوالِ حکم ہوتا ہے یا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ کلیہ ہے یا اس کا کوئی خاص موقع ہے۔ انتہیٰ۔

جواب:۔ احکام شرعیہ کے مناشی و بواعث شرعیت کے ارتفاع سے احکام کا ارتفاع نہیں ہوتا اور اکثر مناشی علل کے ساتھ مشتبہ ہوتے ہیں، اس وجہ سے بعض احکامِ شرعیہ کے بقاء و عدم بقا میں اشتباہ ہوتا ہے نظائر اس کے بہت ہیں منجملہ اس کے حکمِ رمل ہے کہ منشاء اس کی شرعیت کا مشرکین کا دفع خیال تھا مگر بعد اس کے ارتفاع کے بھی یہ حکم باقی رہا۔ اس وجہ سے حجۃ الوداع میں بھی رمل کیا گیا۔ باوجودیکہ منشاء باقی نہ رہا اور منجملہ اس کے حکمِ غسل روزِ جمعہ ہے کہ بعد ارتفاع اس منشاء شرعیت کے جو کہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں مروی ہے باقی رہا اور علل احکام کے ارتفاع سے ارتفاع حکم بالضرور ہوگا مگر بدو شرط ایک یہ کہ شرعاً یہ امر ثابت ہو کہ اس حکم کی یہ علت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بھی معلوم ہو کہ اس حکم کی اس کے سوا کوئی اور علت نہیں ہے ورنہ ممکن ہے کہ ایک شئے معلول بعلت شتیٰ ہو۔ پس ایک علت کے عدم سے عدم اس کا نہ لازم آوے گا اور اگر علت کی علیت قطعی نہ ہو بلکہ اجتہادی ظنی ہو اس کے ارتفاع سے ارتفاع حکم بھی ظنی ہوگا۔ ہٰذا ہو الاصل، واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

امہات المومنین رضؓ جن کا انتقال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا

سوال (۷۶۲) امہات المومنین رضؓ جن کا انتقال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ہوا، ان کی تعداد کیا ہے اور اسماء مبارکہ کیا؟

جواب:- ایسی ازواج مطہرات نو تھیں:-

(۱) حضرت سودہ بنت زمعہ وفات ماہ شوال ۵۴ھ بمقام مدینہ۔

(۲) حضرت عائشہ رضؓ جن کا نکاح مکہ معظمہ میں ہجرت سے دو یا تین سال قبل ماہ شوال میں چھ سال کی عمر میں ہوا اور نو سال کی عمر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ میں ہم بستر ہوئیں۔ اور ۱۷ رمضان ۵۷ھ یا ۵۸ھ مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(۳) حضرت حفصہ رضؓ بنت عمر فاروق رضؓ جن کا نکاح ۳ھ میں اور انتقال ۴۵ھ میں ہوا۔

(۴) حضرت ام حبیبہ رضؓ بنت ابی سفیان۔ نکاح کے وقت حبشہ میں تھیں اور ان کا مہر چار سو دینار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی بادشاہ نے ادا کیا۔ اور ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

(۵) حضرت ام سلمہ رضؓ ان کی وفات ۶۲ھ میں ہے۔ اس لحاظ سے تمام ازواج مطہرات رضؓ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ ابن حجرؒ کا خیال ہے کہ ان کا انتقال ۵۹ھ میں ہے۔

(۶) حضرت زینب رضؓ بنت جحش ان کی وفات مدینہ منورہ میں تمام ازواج سے پہلے ۲۰ھ میں ہے۔

(۷) حضرت جویریہ رضؓ بنت حارث۔ وفات ۵۶ھ میں ہے۔

(۸) حضرت صفیہ رضؓ جو غزوہ خیبر میں اسیر ہو کر آئیں تھیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا اور اسی آزادی کو مہر قرار دے کر نکاح کیا۔ ان کی وفات ۵۰ھ میں ہے۔

(۹) حضرت میمونہ رضؓ۔ وفات ۵۱ھ۔

امہات المومنین رضؓ جن کا وصال حضورؐ کے سامنے ہوا

سوال (۷۶۳) ازواج مطہرات میں سے آپؐ کے سامنے کس کس کی وفات ہوئی

جواب:- تین کی۔ (۱) حضرت خدیجہؓ بنت خویلد جن سے نکاح کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۲۵ سال دو ماہ اور دس روز تھی۔ اور ان کی وفات ہجرت سے قبل ہے۔

(۲) حضرت زینب بنت خزیمہ جن کا نکاح ۳ھ میں ہوا لیکن نکاح سے دو یا تین ماہ بعد ہی وصال ہو گیا۔

(۳) حضرت بنت الصلت۔ ان سے نکاح تو ہوا مگر قربت سے پہلے ہی انتقال ہو گیا۔

ابو الحسنات محمد عبدالحی

امہات المومنین جن کو طلاق دی گئی

سوال (۷۶۴) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج کو جدا کیا تھا، ان کی تعداد کیا ہے؟

جواب:۔ آٹھ۔ (۱) فاطمہ بنت ضحاک۔ ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دے دیا تھا۔ انھوں نے دنیا کو اختیار کیا تو آپ نے جدا فرما دیا۔

(۲) شراف خواہر دحیہ کلبی۔

(۳) خولہ بنت ہزیل

(۴) اسماء جونیہ۔

(۵) عمرہ بنت یزید۔

(۶) قبیلہ غفار کی ایک عورت

(۷) عالیہ بنت ظبیان۔ ان تمام کو قبل دخول طلاق دی گئی

(۸) ایک منکوحہ سے بوقت قربت آپؐ نے فرمایا۔ اپنا نفس مجھ کو دے دے۔ اس پر وہ عورت کہتی ہے کہ کوئی شریف عورت اپنے نفس کو بازار میں نہیں دے سکتی۔ اس جواب پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جدا کر دیا۔

چند شوہروں والی عورت جنت میں کس کو ملے گی؟

سوال (۷۶۵) جس عورت نے دنیا میں دو شادیاں کیں تو وہ جنت میں کون سے شوہر کو ملے گی۔

جواب:۔ بعض علماء کا مسلک ہے کہ عورت کو اختیار دے دیا جائے گا، کسی ایک کو پسند کرلے اور بعض کے نزدیک آخری شوہر کو ملے گی۔ غرائب میں ہے:۔ اختلف الناس فی المرأۃ التی یکون لها زوجان فی الدنیا لایهما تکون فی الآخرۃ قیل تکون لاٰخرها وقیل تخیر فتختار ایهما شاء۔

باکرہ عورت جنت میں

سوال (۷۶۶) جو عورت شادی سے پہلے ہی مرگئی تو جنت میں کس کے حوالے کی جائے گی؟

جواب:۔ جس مرد کو بھی وہ پسند کرے گی اس کے ساتھ نکاح ہو جائے گا۔ اور اگر موجودہ لوگوں میں سے کسی کو بھی پسند نہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک اور مرد پیدا کریں گے جو اس کے ساتھ نکاح کرے گا۔ غرائب میں ہے:۔ ولو ماتت قبل ان تتزوج تخیر ایضا ان رضیت بآدمی زوجت منه وان لم ترض فالله یخلق ذکرا من الحور العین فیزوجها منه انتهی۔

گانے والی عورت کی کمائی

سوال (۷۶۷) گانے اور ماتم کرنے والی عورت کو اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مکروہ تحریمی ہے۔ جیسا کہ مجمع البرکات میں ہے:۔ ویکره کسب المغنیة والنائحة کذا فی جوامع الفقه انتهی

حرام مال کا مصرف

سوال (۷۶۸) حرام مال کا کیا کرنا چاہیئے؟

جواب :۔ اگر اصل مالک معلوم ہو تو اس کو واپس کر دینا چاہیے ورنہ مستحقین پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ قال الشرنبلالی ان الخبیث واجب التصدق فلا یاخذ الامن یجوز له الصدقة انتہی۔

اور عالمگیریہ میں ہے :۔ امرأة نائحة او صاحب طبل او مزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابہ ان عرفھم یرید بقولہ علی الشرط ان شرطوا لھا فی اولہ بازاء النیاحة او بازاء الغناء وھذا لانہ اذا کان الاخذ علی الشرط کان المال بمقابلة المعصیة فکان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردھا وذلک ھٰھنا برد الماخوذ ان تمکن ردہ بان عرف صاحبہ وبالتصدق فردہ منہ ان یعرفہ لیصل الیہ نفعہ ان کان لایصل الیہ اما اذا لم یکن الاخذ علی شرط لم یکن الاخذ معصیة والدفع حصل عن المالک برضاہ فیکون لہ ویکون حلالا لہ انتہی۔

طبل بجا کر کسب کرنا

سوال (۶۹) سائل کہ طبل بجا کر در در بھیک مانگتے ہیں۔ ان کا کسب جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ جائز نہیں۔ مدارج النبوۃ میں ہے :۔ نباید داد سائل را کہ طبل زدہ بر در ہا می گردد و مطرب از ہمہ فحش است۔ انتہی۔

دعوتوں کا قبول کرنا

سوال (۷۰) دعوتِ ولیمہ کرنا اور اس کے قبول کرنے کا کیا حکم ہے۔ نیز ہنود اور شیعوں کی دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں اور اپنے تہوار پر کفار کو ہدایا بھیجنا یا ان کے تہوار پر ان کے ہدایا قبول کرنا کیسا ہے؟

جواب :۔ بعض حضرات کے نزدیک دعوت قبول کرنا واجب ہے لیکن اکثر کے نزدیک سنت ہے۔ عالمگیریہ میں اسی اختلاف کو ذکر کیا :۔ اختلف فی اجابة الدعوة قال بعضھم واجبة لایسع ترکھا وقالت العامة ھی سنة انتہی۔

اور فاسق معلن اور سود خوار اور ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کی جائے جس کا اکثر مال حرام ہو۔ البتہ اگر وہ یہ کہے کہ حلال مال سے دعوت کر رہا ہوں جو مجھ کو وراثت میں ملا ہے یا قرض لیا ہے تو اس وقت قبول کر لینا جائز ہے اور اگر اس کا مال مخلوط تو ہے مگر اکثر مال حلال ہے اور یہ بھی یقین ہے کہ دعوت مالِ حلال سے کی جا رہی ہے تو اس وقت بھی قبول دعوت جائز ہے ورنہ نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے :۔ ولا یجیب دعوة الفاسق المعلن لیعلم انہ غیر راض بفسقہ وکذا من کان غالب مالہ من حرام مالم یخبر انہ حلال و بالعکس یجیب مالم یتبین عندہ انہ حرام کذا فی التمرتاشی انتہی۔

اور ولیمہ کی دعوت سنت ہے جس کا وقت مجامعت اور صحبت کے بعد ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک عقد نکاح کے وقت۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کے بعض حواشی میں ہے۔ اور مجمع البرکات میں ہے :۔ تا سہ روز وقت ولیمہ است وقبول کردن دعوت ولیمہ ہم سنت است بشرطیکہ از منکرات شرعیہ خالی باشد۔

اس کے علاوہ اپنے اطراف کی مروجہ دعوتوں کا قبول کرنا بھی صحیح ہے جیسا کہ شادی سے پہلے لڑکے یا لڑکی والوں

کی طرف سے دعوتیں دی جاتی ہیں۔ کذا فی الاربعین۔

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ ولا یجیب الی طعام صنع ریاء و سمعۃ کذا فی شرعۃ الاسلام انتہیٰ۔

اور کافر کی دعوت کرنا یا اس کی دعوت قبول کرنا بھی جائز ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ و فی التعالیق لا بأس بان یضیف کافرا لقرابۃ او لحاجۃ کذا فی التمرتاشی ولا بأس بالذہاب الی ضیافۃ اہل الذمۃ ہکذا ذکر محمدؒ انتہیٰ

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مجمع البرکات میں تحریر فرماتے ہیں:۔ ومستحب است خویشاں و ہمسایگاں و دوستاں طیار نمودن طعام برائے اہل میت و بعض گفتہ اند کہ فرستادن برائے اہل مصیبت روز اول بغیر کمہ است از جہت شغل بتجہیز میت و روز دوم مکروہ اگر زنان نوحہ گر جمع شوند از جہت بودن آں اعانت برائم و عدوان و اختلاف کردہ اند در اکل غیر اہل مصیبت آں طعام را و ابوالقاسم گفتہ کہ باک نیست مر کسے را کہ مشغول ست تجہیز میت کذا فی مطالب المؤمنین انتہیٰ۔

اور اگر اہل مصیبت فقراء کے لیے کھانا تیار کریں تو بہتر ہے بشرطیکہ تمام ورثاء بالغ ہوں۔ اور اگر کوئی نابالغ ہو تو میت کے ترکہ سے تیار نہ کریں۔ عالمگیریہ میں ہے:۔ وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذ و اذلک من الترکۃ کذا فی التاتارخانیۃ انتہیٰ۔

اور ایام مصیبت میں تعزیت کرنے والوں کے لیے تین روز تک کھانا تیار کرنا جائز نہیں۔ اور اگر تیار کر لیا گیا تو دور سے آنے والوں کے لیے کھانا جائز ہوگا۔ جیسا کہ مجمع البرکات میں ہے:۔ ولا یباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام للمصیبۃ انتہیٰ اور کتاب الوصایا درمختار میں ہے:۔ ویحل من طال مقامہ او مسافتہ لا لمن لم یطل انتہیٰ۔

اور کافروں کے تہوار پر اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے ان کے پاس ہدایا بھیجنا کفر ہے اور اگر ہدیہ مسلمان کو بھیجا، مگر تعظیم پیش نظر نہیں تو کفر نہ ہوگا۔ مگر نہ بھیجنا زیادہ اچھا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان اس دن کسی کافر کا ہدیہ اس کی خوشی میں شرکت کی خاطر قبول کرے تو اس سے دین میں نقصان آئے گا۔ ہاں اگر خوشی میں شرکت منظور نہ ہو تو کوئی حرج نہیں مگر نہ لینا اور احتراز کرنا بہتر ہے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:۔ والاعطاء باسم النیروز والمہرجان لا یجوز ای الہدایا باسم ہذین الیومین حرام وان قصد تعظیمہ کما یعظمہ المشرکون یکفر قال ابو حفص الکبیر لو ان رجلا عبد اللہ خمسین سنۃ ثم اہدی لمشرک یوم النیروز بیضۃ یرید تعظیم یومہ فقد کفر وحبط عملہ انتہیٰ۔

ولو اہدی مسلم ولم یرد تعظیم الیوم بل جری علی عادۃ الناس لا یکفر وینبغی ان یفعلہ قبلہ او بعدہ نفیا للشبہۃ ولو شری فیہ لم یشترہ قبلہ ان اراد تعظیمہ فقد کفر وان اراد الاکل والشرب والتنعم لا یکفر انتہیٰ۔

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ وما یاتی المجوس فی نیروزہم من الاطعمۃ الی الاکابر والسادات ومن کان معہم معرفۃ من ذہاب وجی لا یحل اخذ ذلک وہل یضر الدین الاخذ فقد قیل من اخذ ذلک علی وجہ الموافقۃ لفرحہم یضر ذلک لدینہ وان اخذ لا علی ذلک الوجہ لا باس بہ والاحتراز عنہ اسلم کذا فی مطالب المؤمنین ناقلا من الذخیرۃ والمحیط۔

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔

پنشن کا حکم

سوال (۷۷۱) دورِ حاضر میں کچھ عرصہ ملازمت کرنے کے بعد بشرط نیک نامی وحسنِ کارکردگی نصاریٰ کی طرف سے بغیر کسی خدمت کے جو پنشن دی جاتی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ یہ پنشن درحقیقت تنخواہ اور کسی خدمت کا معاوضہ نہیں بلکہ ایک تبرع اور احسان ہے۔ نیز نصاریٰ اور یہود کی طرف سے کوئی ایسا صلہ قبول کرنا جس میں توہینِ اسلام نہ ہو جائز ہے۔ جیساکہ عالمگیری میں ہے:۔ هذا هو الكلام فی صلة المسلم المشرك وجئنا الى صلة المشرك المسلم فقد روى محمد فی السير الكبير اخبارًا متعارضة فی بعضها ان النبی صلی الله علیه وسلم قبل هدايا المشرك وفی بعضها انه لم يقبل فلابد من التوفيق واختلف عبارات المشايخ فی وجه التوفيق فعبارة الفقيه ابوجعفر الهندوانی ان ماروى انه لم يقبلها محمول على انه لم يقبلها من شخص غلب على ظن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه وقع عند ذلك الشخص ان رسول الله صلی الله علیه وسلم انما يقاتلهم طمعًا للمال لا لاعلاء كلمة الله ولايجوز قبول الهدية من مثل هذا الشخص فی زماننا وماروى انه قبلها محمول على انه قبلها من شخص غلب على ظن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه وقع عند ذلك الشخص ان رسول الله صلی الله علیه وسلم انما يقاتلهم لاعزاز الدين ولاعلاء كلمات الله العليا لا لطلب المال وقبول الهدية من مثل هذا الشخص جائز فی زماننا ايضًا ومن المشائخ من وفق من وجه آخر وقال لم يقبل من شخص علم انه لو قبل يقل صلابته وعزته فی حقه ويلين له بسبب قبول الهدية وقبل من شخص علم انه لا يقل صلابته وعزته فی حقه ولا يلين بسبب قبول الهدية كذا فی المحيط انتهی۔

تلاوتِ قرآن مجید کے بعد کوئی چیز لینا

سوال (۷۷۲) اگر کوئی شخص قاری قرآن کو تلاوت کے بعد محض تبرع اور احسان کے طور پر کچھ دیدے تو قاری کے لیے اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مذکورہ صورت میں کوئی قباحت اور ممانعت نہیں۔ نیز موجودہ صورت:۔

لَاتَشْتَرُوْا بِآيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا　　(ترجمہ) اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا۔

میں داخل نہیں۔ تفسیر مدارک میں ہے:۔ لا تشتروا ای لا تستبدلوا بآیاتی بتغیرها وتحریفها ثمنًا قليلا قال الحسن هو الدنيا بحذافيرها وقيل هو الرياسة التی كانت لهم فی قومهم خافوا عليها الفوات لو اتبعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

مالِ حرام سے دعوت کرنا

سوال (۷۷۳) اگر کوئی شخص مالِ حرام سے اشیاء خرید کر کسی کی دعوت کرے تو قبول کرنا کیسا ہے اور اگر یہی مال کسی کو ہبہ کرے تو اس کا لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ مال کے خبث کی وجہ سے دعوت کا قبول کرنا اور ہدیہ لینا جائز نہیں۔ البتہ اس کا ایک حیلہ یہ ہے کہ سامان قرض لاکر دعوت کردے تو اس کا قبول کرنا جائز ہوگا اور بعد میں ادائے قرض کرتا رہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے مہر البغی خبیث. رواہ مسلم۔ محدثینؒ فرماتے ہیں کہ بغی سے مراد زانیہ عورت اور مہر سے مراد وہ اجرت جو زانی دیا کرتا ہے۔

اور شارح ہدایہ علامہ عینی ابن تیمیہ کے حوالہ سے کتاب الکراہیۃ میں نقل کرتے ہیں:۔ من السحت ما یاخذہ المغنیۃ والنائحۃ ومہر البغی انتہیٰ۔

اور عالمگیریہ میں ہے:۔ وعن محمد فی کسب المغنیۃ ان قضی بہ دین لم یکن لہ لصاحب الدین ان یاخذہ وان ما فی القضاء فیجبر علی الاخذ والحیلۃ فی ہذہ المسائل ان یشتری شیئاً ثم ینقد ثمنہ من ای مال شاء وقال ابو یوسفؒ سألت اباحنیفۃؒ عن الحیلۃ فی مثل ہذا فاجابنی بما ذکرنا فی الخلاصۃ انتہیٰ۔

دیوالی یا ہولی پر ہنود سے ہدایا لینا

سوال (۷۰۴) اگر ہندو دیوالی یا ہولی کے دن باعزت مسلمانوں کے پاس مٹھائی وغیرہ لے کر آئیں تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے مگر کفار کے ساتھ ان کے تہوار اور خوشی میں موافقت نہ کرنی چاہیئے:۔ وما یاتی المجوس فی نیروزہم من الاطعمۃ الی الاکابر والسادات ومن کان لہ معہم من ذہاب ومجیٔ ہل اخذ ذلک وہل یضر للدین الاخذ فقد قیل من اخذ ذلک علی وجہ الموافقۃ لفرحہم یضر ذلک لدینہ وان اخذ لا علی ذلک الوجہ لا بأس بہ والاحتراز عنہ اسلم کذا فی مطالب المؤمنین ناقلاً عن الذخیرۃ انتہیٰ۔

شطرنج کھیلنا

سوال (۷۰۵) شطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ امام شافعیؒ کے دو قول ہیں (۱) جائز ہے (۲) مکروہ تنزیہی ہے۔ اور امام مالکؒ کے یہاں بھی جائز ہو (کفایہ) حنفیہؒ کے یہاں قدرے تفصیل ہے اگر شطرنج قمار کے ساتھ ہے تو بالاتفاق حرام ہے۔ اور کھیلنے والا فاسق ساقط العدالت، مردود الشہادۃ ہے۔ اور اگر بغیر قمار کے ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء مکروہ تحریمی فرماتے ہیں اور بعض کا مسلک ہے کہ شطرنج کھیلنے سے جنگ کے اندر فریب دہی میں مدد ملتی ہے اس لیئے جائز ہے۔ مگر تین شرطوں کے ساتھ۔ (۱) بغیر قمار کے ہو (۲) کھیل کی وجہ سے فریضہ نماز وغیرہ میں تاخیر واقع نہ ہو (۳) جملہ فواحش سے مبرا ہو۔ اگر ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو جائز نہیں ہے۔ ان دونوں میں سے قولِ اول مختار ہے جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ الذی یلعب بالشطرنج ہل تسقط عدالتہ وتقبل شہادتہ فان قامر بہ سقطت عدالتہ ولم یقبل شہادتہ وان لم یقامر لم یسقط عدالتہ وتقبل انتہیٰ۔

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ واختلفوا فی اللعب بالشطرنج فرخص بعضہم لانہ ینتصر فی امر الحرب ومکیدۃ العدو ولکن بثلث شرائط ان لا یقامر ولا یوخر الصلوۃ عن وقتہا وان یحفظ لسانہ عن الفحش فاذا فعل شیئاً منہا فہو مردود الشہادۃ وکرہ الشافعیؒ اللعب بہ کراہۃ تنزیہۃ لا غیر کذا فی مطالب المؤمنین وذکر الامام

الغزالی فی خلاصتہ انہ مکروہ وعند الشافعی ایضا مکروہ فلعل ما وقع فی کتبنا قولہ الاول کذا فی نصاب الاحتساب وذکر الشیخ ابوحامد فی الاحیاء فی باب السماع اللعب بالشطرنج مباح لکن المواظبۃ علیہ مکروہ کراھۃ شدیدۃ کذا فی مطالب المؤمنین انتہیٰ۔

درمختار باب من لایقبل شہادتہ میں ہے:۔ او یقامر بالشطرنج او یترک بہ الصلوٰۃ حتی یفوت وقتہا او یحلف علیہ کثیرًا او یلعب بہ علی الطریق او یذکر علیہ فسقا اشباہ او یداوم علیہ ذکرہ سعدی انتہیٰ۔

نور تنویر الابصار میں ہے:۔ کرہ تحریما اللعب بالنرد وکذا الشطرنج انتہیٰ۔

بیہقی شعب الایمان میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں ارشاد ہے:۔ لا یلعب بالشطرنج الا خاطئ۔

مصائب کربلا پر آنسو بہانا

سوال (۷۷۶) اگر کربلا کے مصائب اور حضرت امامؓ کے حالات کا خیال کر کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

جواب:۔ کوئی حرج نہیں بیہقی اور حاکم روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک اس آنے والے واقعۂ غم سے اشکبار ہو گئیں تھیں۔ اور واقعۂ کربلا کے دن حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں پراگندہ بال اور غبار آلود دیکھا۔ چنانچہ احمد و بیہقی نے اس مضمون کو بیان کیا اور یہ رونا غیر اختیاری ہے جب بھی یہ مادہ جمع ہو جاتا ہے تو اشک کی صورت میں نکلتا ہے۔

لایعنی باتیں سننا

سوال (۷۷۷) مسلمان کے لیئے لایعنی اور بے فائدہ باتیں سننے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حرج ہے۔ لغو باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنا حرام ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم یہود سے بہت سی ایسی حکایات سنتے ہیں جو اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ کیا ہمارے لیئے ان کے لکھنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس پر آپ نے زجر و توبیخ فرمائی اور اجازت نہیں دی (بیہقی شعب الایمان)

اشیاء کا نرخ متعین کرنا

سوال (۷۷۸) حاکم کے لیئے اشیاء کا نرخ متعین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بغیر کسی ضرورت شدیدہ حاکم کو یہ حق نہیں ہے بلکہ اصل مالک کو اختیار ہے جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

مسجد میں پنکھا لگانا

سوال (۷۷۹) مسجد میں نمازیوں کے آرام کی خاطر انگریزی پنکھا لگانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر دیکھا جائے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا تو ایک اعتبار سے اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے۔ مگر غیر مذموم، کیونکہ بدعت مذمومہ وہ کہلاتی ہے جس کا وجود بعد میں ہوا اور اس کو دین سمجھ کر اختیا

کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر یہ صورت نہیں۔ لہٰذا نمازیوں کے آرام کے لیے پنکھا لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور تشبہ بالنصاریٰ کی وجہ سے ناجائز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی امر مذموم میں نصاریٰ کے ساتھ قصداً تشبہ کیا جائے تو ناجائز ہوگا ورنہ نہیں جیسا کہ صورت موجود ہے۔ حاشیہ طحطاوی میں ہے: قال فی البحر ثم اعلم ان التشبہ باھل الکتاب لایکرہ فی کل شیئ فانا ناکل ونشرب کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموما وفیما یقصد بہ التشبہ خانیۃ انتہی وھکذا فی الدر المختار۔

مال مشکوک سے نفع حاصل کرنا

سوال (۴۸۰) مال مشکوک سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر مال مشکوک اس طرح ہو کہ ایک طریقہ سے حلال ہونا اور ایک طریقہ سے حرام ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ اور اگر شک اس وجہ سے ہوا کہ دونوں قسم کے مال مخلوط ہو گئے آپس میں کوئی امتیاز نہیں رہا تو پھر صدقہ کر دینا چاہیے

طحطاوی حاشیہ درمختار میں بیان کرتے ہیں:۔ الذی فی البزازیۃ انہ ان علم المال الحرام بعینہ لایحل لہ اخذہ وان لم یعلم بعینہ اخذ حکما واما فی الدیانۃ فانہ یتصدق افادہ الحموی انتہی۔

بیت اللہ اور روضۂ اقدس کے نقشہ کا مرتبہ

سوال (۴۸۱) بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ مبارکہ واجب التعظیم ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شریعت محمدیہ میں نقشہ کی تعظیم واجب نہیں۔ اگر کوئی اس کو چاک بھی کر دے تو ماخوذ نہ ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقشۂ روضۂ اقدس کے بارہ میں کوئی حکم ثابت نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص حج کرلے اور روضۂ اقدس کی زیارت کرنے کے بجائے صرف نقشہ کی زیارت کرلے تو بقول آنحضرت کہ جفائی یہ زیارت بھی کافی نہ ہوگی اسی طرح نقشۂ بیت اللہ پر بیت اللہ کا حکم نہیں ہوگا اور نقشہ کی زیارت اجابت دعا کا وقت نہیں اور اس نقشہ کے طواف کی بھی کوئی حقیقت نہیں اور اگر کسی نے نقشہ کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھ لی تو درست نہ ہوگی دونوں نقشہ بمنزلہ آئینہ کے ہیں جس سے کعبۂ مکرمہ اور روضۂ اقدس کی ہیئت وصورۃ معلوم ہو جاتی ہے اس سے زائد کچھ نہیں۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔

حقہ پینا

سوال (۴۸۲) حقہ پینا حلال ہے یا حرام؟ کہ جس کی ابتدا مطابق تحریر مجالس الابرار گیارھویں صدی ہجری ہے

جواب:۔ ملا سعد رومی نے مجالس الابرار میں حرام لکھا اور دلیل میں فرمایا کہ دخان چونکہ آلۂ عذاب ہے اور آلۂ عذاب کا استعمال کرنا درست نہیں۔ انتہی۔ مگر یہ دونوں مقدمات قابل احتجاج نہیں، کیونکہ عود بہشت میں جلائی جائے گی، اور باوجود دخان کے ایک نعمت ہے اور اسی طرح قوم نوحؑ کے لیے آلۂ عذاب پانی تھا۔ حالانکہ پانی کا استعمال بلاشک وشبہ جائز ہے۔ درمختار میں ہے:۔ ثم قال شیخنا النجم والتتن الذی حدث وکان حدوثہ بدمشق

فی سنۃ خمس عشر بعد الالف یدعی شاربہ انہ لا یسکر وان سلم لہ فانہ مفتر وھو حرام بحدیث احمد عن ام سلمۃؓ قالت نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن کل مفتر ومسکر ولیس من الکبائر تناولہ مرۃ او مرتین ومع نہی ولی الامر عنہ حرام قطعا علی ان استعمال مثلہ ربما اضر علی البدن نعم الاصرار علیہ کبیرۃ کسائر الصغائر انتہی

اور حموی شارح اشباہ حلال قرار دیتے ہیں اور بعض نے پیاز خام کی طرح مکروہ تنزیہی لکھا۔

درمختار میں ہے:۔ وقد کرھہ شیخنا العمادی فی ھدیتہ الحاقا لہ بالثوم والبصل بالاولی فتدبر انتہی

اور شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی فرماتے ہیں:۔ تمباکو ایسے طریقہ پر پینا کہ دھواں بھی اندر کھینچ لیا جائے۔ تین وجہ سے مکروہ ہے:۔

(۱) منہ میں بدبو رہتی ہے۔

(۲) اہلِ نار کے ساتھ تشبیہ ہوتا ہے جو علتِ کراہت ہے۔

(۳) اس طرح استعمال کرنے سے ایک مسلمان کا تعلق اور قرب نار سے ہوتا ہے جو عذاب کی صورت ہے اسی وجہ سے داغ دینے کو بھی مکروہ کہا گیا۔

مذکورہ تین وجوہ میں سے ہر ایک کراہت تنزیہی کا سبب ہے اور تینوں کے اجتماع سے کراہتِ تحریمی پیدا ہو جائے گی۔ (انتہی کلامہ)

حقہ پی کر مسجد میں جانا

سوال (۴۸۳) حقہ پی کر بدبودار منہ کے ساتھ مسجد میں جانا یا اسی حالت میں تلاوتِ کلام اللہ کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ مکروہ تحریمی ہے۔

پیاز کھا کر مسجد میں جانا

سوال (۴۸۴) پیاز اور لہسن خام کھانا یا کھا کر مسجد میں جانا کیسا ہے؟

جواب:۔ خام پیاز اور لہسن کھانا مکروہ تنزیہی اور کھا کر مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ سراج منیر میں ہے:۔ ولا یاکل النبی منہما فانہ موذی الملائکۃ انتہی

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

تمباکو کھانا

سوال (۴۸۵) تمباکو پان میں کھانا یا ناس میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ جائز ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی فرماتے ہیں کہ تمباکو کے پتے میں کوئی وجہ حرمت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ نباتات میں علتِ حرمت صرف دو چیزیں ہیں۔ سمیت اور سکر۔ اور تمباکو دونوں سے محفوظ ہے لہذا جائز ہے۔

تصورِ شیخ کا حکم

سوال (۴۸۶) شیخ و مرشد کا تصور کرنا جیسا کہ صوفیاء کا معمول ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ اکابر حضرات بہ نیت پاک یہ عمل کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ القول الجمیل میں تحریر

فرماتے ہیں :- والرکن الاعظم ربطا لقلب بالشیخ علی وصف المحبۃ والتعظیم وبلاحظہ صورتہ قلت ان اللہ تعالیٰ مظاہر کثیرۃ فما من عابد غبیا کان اوذکیا الا وقد ظہر بحث انہ صار معبود الہ بمرتبۃ ولھذا السر نزل الشرع باستقبال القبلۃ وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم فلا یبصق قبل وجہہ فان اللہ تعالیٰ بینہ وبین قبلۃ فلا علیک ان لا تتوجہ الا الی اللہ ولا ترتبط قلبک الا بہ ولو بالتوجہ الی العرش وتصور النور الذی وضعہ علیہ او بالتوجہ الی القبلۃ انتہیٰ ملخصا۔

قیدی کی رہائی کے لیئے کوشش کرنا

سوال (۷۸۷) اگر کوئی شخص مقدمۂ قتل یا کسی دوسرے جرم میں گرفتار ہو تو کچھ مال خرچ کر کے ایسے شخص کی رہائی کے لیئے کوشش کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- جائز ہے بلکہ باعثِ اجر و ثواب ہے۔ کیونکہ کسی کی مصیبت و تکلیف کو دور کرنا باعثِ اجر ہے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے واسطے سے روایت ہے :- قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ ومن فرج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ ومن ستر مسلما سترہ اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ انتہیٰ۔

ہاں البتہ اگر وہ قیدی بے حیا و بے شرم اور مفسد ہے اور علی الاعلان معصیت کا مرتکب ہوتا رہتا ہے تو اس کو سزا ہی ملنا بہتر ہے (کذا یفہم من اشعۃ اللمعات)

عید کے دن کافر کو ہدیہ دینا

سوال (۷۸۸) کافر رئیس کو عید کے موقعہ پر اگر مسلمان ہدیہ دے تو کیا حکم ہے؟

جواب :- محض محبت اور دوستی کی وجہ سے دے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر اس میں کافر کی تعظیم ملحوظ ہو تو جائز نہیں کیونکہ کافر کی تعظیم مسلمان کے قلب سے نورِ ایمان کو نکال دیتی ہے جیساکہ حمادیہ میں احیاء العلوم کے حوالہ سے منقول ہے من تجمل منکم کافرا ذھب اللہ عن قلبہ نور الایمان وعن وجہہ بہاء الاسلام۔

کافر کی اطاعت کرنا

سوال (۷۸۹) اگر کوئی کافر اپنے مسلمان ملازم کو نمازِ عید سے روکتا ہے تو ملازم کو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب :- ملازمت چھوڑ دے، کیونکہ معصیتِ خالق میں غیر خدا کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ فتح العزیز میں ہے۔ جیساکہ غیر اللہ کی عبادت کفر و شرک ہے، اسی طرح سے غیر اللہ کی بالاستقلال اطاعت کرنا بھی کفر ہے اور اطاعت بالاستقلال سے مراد یہ ہے کہ اس کو مبلغ احکام سمجھ کر تابعداری کا طوق گردن میں ڈال لے کہ اس کی تقلید کو لازمی اور ضروری سمجھے، باوجود مخالفت احکام الٰہی کے اس کے اتباع کو نہ چھوڑے۔ اور یہ بھی اتخاذ انداد کی ایک قسم ہے۔

موت کی تمنا کرنا

سوال (۷۹۰) موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ حرام ہے اور حدیث صحیح میں ممانعت موجود ہے۔ کیونکہ اگر بدکار ہے تو آئندہ توبہ کی امید ہے اور اگر نکوکار ہے تو آئندہ اس میں اضافہ کی توقع ہے۔
اور بعض روایات میں جو مذکور ہے لا یتمن احد کم الا ان یثق بعملہ تو وہ تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے کیونکہ اپنے اعمال پر بھروسہ اگرچہ محال عقلاً تو نہیں، مگر عادۃً ضرور محال ہے اور محال شرعاً بھی ہے لقولہ علیہ السلام لم ینج احد امنکم عملہ قالوا ولا انت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ۔
اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ما یخاف النفاق الا مؤمن ولا یأمنہ الا منافق۔

کفار کے ساتھ دوستی کرنا

سوال (۹۱) کفار کے ساتھ موالات اور دوستی کرنا کیسا ہے؟
جواب:۔ اگر ان کے دین کو اچھا سمجھ کر دوستی کی جائے تو کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔
وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (ترجمہ جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔
اور اگر محض دنیاوی اعتبار سے ہے۔ اگر اختیاری ہے تو مؤاخذہ کا امکان ہے۔ لہٰذا اس کو کم کرنا چاہیئے۔
قرآن میں ہے:۔
لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (ترجمہ یعنی مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے بھائی مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔
اور اگر یہ دوستی طبعی ہے مثلاً کافر بیٹے کے ساتھ یا کافرہ زوجہ کے ساتھ۔ تو محل مؤاخذہ نہیں۔

والدین کو امر بالمعروف کرنا

سوال (۹۲) کیا لڑکے کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے والدین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے؟
جواب:۔ حاصل ہے۔ اگر والدین قبول کریں فبہا ونعمت ورنہ سکوت اختیار کرے اور ان کے لیئے استغفار کرے۔ نصاب الاحتساب میں ہے:۔ اعلموا ان الامر بالمعروف والنہی عن المنکر لا یسقط عن الابوۃ والامومۃ لان فی الامر بالمعروف والنہی عن المنکر المنفعۃ للمامور بہ والاب والام احق بان یوصل الولد الیہما المنفعۃ والسنۃ فی امر الوالدین بالمعروف ان یامرھما مرۃ فان قبلا فبہا وان کرھا سکت عنہما واشتغل بالدعاء والاستغفار لہما انتہی۔

سات آسمانوں کا وجود شرعی حیثیت سے

سوال (۹۳) فیثاغورث کے نظریہ کے مطابق قواعد حرکت ارضی کو ترجیح دینا (کہ جس سے آسمانوں کی جسمانیت کثیفہ کی نفی لازم آتی ہے اور اجسام کثیفہ کے باہم تداخل کا اقرار کرنا پڑتا ہے) شرعاً معذور ہے یا نہیں۔ اور جس صورت میں فیثاغورث کا نظریہ تسلیم کرنے کی بناء پر انکار سماء مطلقاً تو نہیں ہوتا، مگر جسمانیت کثیفہ کا انکار ضرور ہوتا ہے۔ مذکورہ صورت کا تسلیم کرنا شرعاً کیسا ہے اور نیز اس نظریہ کا قائل مثل حکماء فرنگ یہ کہے کہ خدا کی حکمت کاملہ کے آثار یہ بتاتے ہیں کہ کرۂ ارضیہ کے مانند اجرام سماویہ

بھی ذی روح مخلوق کا مسکن ہیں تو اس قول کی وجہ سے اس کے عقیدہ میں کوئی نقصان تو نہ آئے گا؟

جواب:۔ اس مسئلہ میں نہ فیثاغورثی ہیئت کا اعتبار ہے اور نہ بطلیموسی کا۔ بلکہ قرآن و حدیث اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہونے والی ہیئت پر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً۔

(ترجمہ) اے لوگو! بندگی کرو، اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا، اور آسمان کو چھت۔

وقال اللہ تعالیٰ:۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ۔

(ترجمہ) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر قصد کیا آسمان کی طرف، سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:۔

اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ

(ترجمہ) اللہ نے بنائے سات آسمان اور زمین انہی جیسی۔

وَقَالَ تَعَالٰی:۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ

(ترجمہ) اور ہر کوئی ایک چکر میں پیرتے ہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰی:۔

تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ

(ترجمہ) اُتارا ہوا ہے اس کا جس نے بنائی زمین، اور آسمان اونچے، وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔

وَقَالَ تَعَالٰی

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ۔

(ترجمہ) سورج اور چاند کے لئے ایک حساب ہے اور جھاڑ اور درخت مشغول ہیں سجدہ میں اور آسمان کو اونچا کیا اور رکھی ترازو۔

وَقَالَ تَعَالٰی:۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ۔

(ترجمہ) قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی۔ اور زمین پھوٹ نکلنے والی کی، بے شک یہ بات ہے دو ٹوک۔

وَقَالَ تَعَالٰی:۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

(ترجمہ) اور اس کی شان سب سے اوپر ہے آسمان اور زمین میں

وَقَالَ تَعَالٰی:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(ترجمہ) سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین

وَقَالَ تَعَالٰی:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔

(ترجمہ) سب تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں جس نے پیدا کیئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا۔

وَقَالَ تَعَالٰی:-

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

(ترجمہ) فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔

وَقَالَ تَعَالٰی:-

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا۔

(ترجمہ) پھر کر دیئے وہ سات آسمان دو دن میں اور اتارا ہر آسمان میں حکم اس کا۔

وَقَالَ تَعَالٰی:-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔

(ترجمہ) تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں۔

وَقَالَ تَعَالٰی:-

اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا

(ترجمہ) کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان...... تہہ بہ تہہ۔

اس کے علاوہ قرآن کی بہت سی آیات آسمانوں کے وجود اور ان کا عدد سات ہونے پر دلالت قطعیہ کرتی ہیں۔ لہذا وجود آسمان کا انکار درحقیقت قرآن کا انکار ہے۔

بیہقی ایک روایت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کرتے ہیں:- انہ نظر الی السماء فقال تبارک ما اشد بیاضها والثانیة اشد بیاضا منها ثم کذلک حتی بلغ سبع السمٰوٰت وخلق فوق السابعة الماء وجعل فوق الماء العرش

اسحٰق بن راہویہ اپنی مسند میں ابن المنذر اور ابن ابی حاتم وطبرانی اوسط میں ربیع بن انسؓ سے روایت کرتے ہیں:- قال سماء الدنیا موج مکفوف والثانیة مرمرة بیضاء والثالثة حدید والرابعة نحاس والخامسة فضة والسادسة ذهب والسابعة یاقوتة حمراء وما فوق ذلک صحاری من نور ولا یعلم ما فوق ذلک الا اللّٰہ۔

ابن ابی حاتم وابو الشیخ اور ابن مردویہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:- قال قال رجل یارسول اللّٰہ ما هذہ السماء قال هذا موج مکفوف عنکم۔

مذکورہ احادیث سے اہل علم کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ سما کثیف و غلیظ ہے ہوا کی طرح لطیف نہیں، اور

لطیف کہنا حدیث کا انکار ہے۔ اب رہا سموات میں مخلوق کا ہونا اس کا ثبوت شریعت سے نہیں ملتا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ کا مسکن ہے۔

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ اور بیہقیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی:۔ قال خلق فی کل خلقا من الملائکة والخلق الذی فیہا من البحار وجبال البرد و مالا یعلم۔

اور محض عقل سے ثابت کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ اس بارہ میں جو کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس پر اعتقاد ویقین کرنا چاہیئے۔ فیثا غورث اور بطلیموس کے وہ عقائد ومسائل کہ شریعت ان کی تکذیب کرتی ہے ان پر یقین نہ ہو بلکہ اس کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کی بیان کردہ صورت کو صحیح سمجھ کر یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ قرآن وحدیث ان کے غلط نظریات کو رد کرنے کے لیئے نازل کیا گیا اور ان کو صحیح سمجھ کر اختیار کرنا مسلمان کی شایانِ شان نہیں۔　ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

واقعی سموات کے وجود اور ان کے کثیف ہونے کی نفی کرنے میں شرعی قباحت لازم آتی ہے اور سموات کا مخلوق کے لیئے مسکن بننا شریعت سے ثابت نہیں۔　محمد نعیم

اپنی زوجہ کو اجنبی کے سامنے کرنا

سوال (۷۹۴) زید اور اس کے رشتہ داروں کی خواہش ہے کہ زید کی بیوی ہندہ ایسے شخص کے سامنے آئے جو نہ قرابتِ قریبہ رکھتا ہے اور نہ بعیدہ بلکہ اجنبی محض ہے لیکن ہندہ اور اس کے رشتہ دار اس بات پر راضی نہیں تو اب ہندہ کو شوہر کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:۔ صورتِ مذکورہ میں اجنبی مرد کے لیئے جائز نہیں کہ اجنبیہ عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کو بلاضرورت دیکھے باوجودیکہ شہوت سے مامون ومحفوظ ہو۔ خصوصاً موجودہ زمانہ میں خوفِ فتنہ کی بنا پر البتہ بوقتِ ضرورت دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً قاضی یا شاہد اور طبیب ہو یا نکاح کرنے کا ارادہ ہو۔ ایک روایت ہے:

وینظر من الاجنبیة الی وجہہا وکفیہا فقط للضرورة فان خاف الشہوة او شک امتنع نظرہ الی وجہہا فحل النظر مقید بعدم الشہوة والا فحرام ھذا فی زمانہم واما فی زماننا فمنع من الشابة قہستانی وغیرہ الا النظر لا المس لحاجة کقاض وشاھد یحکم ویشہد علیہا (درمختار)

قولہ اما فی زماننا الخ لا لانہ عورة بل لخوف الفتنة (ردالمحتار)　محمد مسیح الدین خاں

الجواب صحیح والمجیب نجیح فانہ لاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق واللہ اعلم۔　ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ

محفلِ میلاد کا مستحب ہونا

سوال سے پہلے چند تمہیدی مقدموں کا ذکر کرنا ضروری ہے:۔

پہلا مقدمہ:۔ مستحسن صفت مامور بہ ہے خواہ لعینہ ہو یا لغیرہ اور استحسان بعد الامر ہوتا ہے دلیل ہے لان الآمر حکیم والحکیم لا یامر بالفحشاء کما ذکر فی الاحوال۔ لہٰذا غیر مامور بہ کا استحسان

معلوم نہیں۔

دوسرا مقدمہ:۔ حدیث میں ہے:۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ یعنی جس نے ہمارے امر میں کوئی بات ایسی زائد کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔

اور امرنا سے مراد دین ہے اور دینی اصول وفروع ادلہ اربعہ کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور جو شخص ائمہ اربعہ کی طرح مجتہد نہیں، وہ قابلِ تقلید بھی نہیں اور نہ اس کا قیاس صحیح ہوگا۔ اسی طرح اجماع کے لیئے ضروری ہے کہ مجتہدینِ عصر کا کلیتہً اتفاق ہو یا بعض کا فتوی اور دوسرے بعض کا اطلاع ملنے کے بعد تین دن تک سکوت اور غیر مجتہدین کے اجماع کا قطعاً اعتبار نہیں، خصوصاً کسی مسئلہ قیاسی میں۔ لہٰذا جو بات ادلہ اربعہ سے ثابت نہ ہو، بدعت ہے جیساکہ صورتِ مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا مقدمہ:۔ تمام اجزاء کے فرداً فرداً جزء ہونے سے مجموعہ کی جزئیت لازم نہیں آتی، کیونکہ افراد کا حکم اور مجموعہ کا حکم جداگانہ ہوا کرتا ہے۔

چوتھا مقدمہ:۔ ایک غیر مجتہد مفتی کسی قولِ مجتہد پر فتویٰ تو دے سکتا ہے مگر مسائل کلیات کا استخراج اس کے لیئے جائز نہیں۔

پانچواں مقدمہ:۔ قولِ باری وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ اور كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ الآیۃ اور جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا الآیۃ اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتجتمع امتی علی الضلالۃ اور قولِ ثانی ماراٰہ المسلمون حسنا فھو حسن عند اللہ اور قولِ ثالث من سن سنۃ حسنۃ الخ وغیرہ میں لفظ مومنین اور امت سے مجتہدین مراد ہیں۔ جیساکہ کتبِ اصول سے ثابت ہے اور سن بمعنی رواج ہے۔ احداث اور رواج کا فرق ظاہر ہے اس لیئے علماء غیر مجتہدین خواہ کسی حیثیت کے ہوں ان کا اجماع حجت نہ ہوگا۔

چھٹا مقدمہ:۔ حق سے سکوت کرنا علماء کی شان نہیں۔ لہٰذا امرِ حق سے ہدایت فرمائیں۔

تمہیدی مقدمات کے بعد اصل سوال:۔

سوال (۷۹۵) یہ ہے کہ زید کچھ لوگوں کو جمع کرکے محفلِ میلاد اس طرح کرتا ہے کہ ذکرِ میلاد کے ساتھ ساتھ دیگر حالاتِ نبویؐ بھی بیان کرتا ہے اور محض جمع کرنے کے علاوہ کوئی کام خلافِ شرع نہیں کرتا تو اس کا یہ فعل ادلہ اربعہ کے لحاظ سے مستحسن ہے یا بلحاظ مقدماتِ مذکورہ بدعت وضلالت؟

جواب مع حوالہ کتب مطلوب ہے۔

جواب:۔ جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات درج ہیں:۔

پہلا مقدمہ:- امر محدث وہ کہلاتا ہے جس کا وجود اس مخصوص طریقہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں نہ ہو، جن کے بہتر ہونے کی شہادت آپؐ نے فرمائی ہے اور نہ اس کی اصل ادلۂ اربعہ سے ثابت ہو۔ علامہ سید شریفؒ حاشیہ مشکوٰۃ پر حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد کی تشریح میں فرماتے ہیں:- المعنی ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاھر وخفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیہ۔

یعنی اگر دینِ اسلام میں بغیر کسی دلیل کے کوئی بات نکالے تو یہ مردود ہے۔ انتہی

اور فاضل معین بن صفی شرح اربعین نووی میں لکھتے ہیں:- فان قلت قد اشتھر ان البدعۃ نوعان حسنۃ وسیئۃ فکیف یکون کل بدعۃ ضلالۃ بلا تخصیص قلت المراد من البدعۃ فی الحدیث البدعۃ الشرعیۃ وھو ما لیس لہ دلیل شرعی وکل ما فعلہ الشارع او امر بہ فلیس ببدعۃ شرعیۃ انتہی۔

حافظ ابن حجرؒ ساری مقدمہ فتح الباری کی فصل خامس میں لکھتے ہیں:- قولہ من احدث حدثا ای فعل فعلا لا اصل لہ فی الشرع یعنی جس نے ایسا کام کیا جس کی اصل شرع میں نہ تھی۔ انتہی۔

اور فتح الباری میں ہے:- قولہ محدثاتھا بفتح الدال جمع محدثۃ والمراد بھا ما احدث ولیس لہ اصل فی الشرع سمی فی عرف الشرع بدعۃ وما کان لہ اصل فی الشرع فلیس ببدعۃ والبدعۃ فی عرف الشرع مذمومۃ بخلاف اللغۃ یعنی محدث وہ امر ہوتا ہے جس کی اصل شرع میں نہ ہو اور اس کو بدعت کہا جاتا ہے اور جس کی اصل ہو بدعت نہیں ہوتا اور بدعت عرفِ شرع میں مذموم ہے لغت میں نہیں۔

ابن حجر مکیؒ فتح المبین شرح اربعین میں لکھتے ہیں:- المراد من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ ما ینافیہ او لا یشھد لہ قواعد الشرع وادلتہ العامۃ یعنی من احدث سے وہ چیزیں مراد ہیں جو شرع کے منافی ہوں یا قواعدِ شرع اور اس کی دلیلیں ان کی شہادت نہ دیں۔ اور اسی چیز کو ملا علی قاریؒ نے شرح اربعین میں اور ابن مالکؒ نے شرح مصابیح میں، اور بیضاویؒ نے بیان کیا۔ مذکورہ تفصیل کے بعد یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس امر کا ثبوت ازمنہ ثلاثہ میں ہو یا اس کی تائید ادلۂ اربعہ میں سے کسی ایک دلیل سے ہو تو وہ بدعۃ ضلالۃ نہ ہوگا۔

دوسرا مقدمہ:- یہ نہ سمجھو کہ استحسان شرعی صرف ایسے مامور بہ کی صفت ہے جس کا امر ادلۂ اربعہ میں سے کسی دلیل سے صراحۃً وارد ہے بلکہ ہر مامور بہ کی صفت ہوتا ہے خواہ امر صراحۃً ہو یا اس کی سند قواعد کلیہ شرعیہ سے ملتی ہو واجب ہو یا مندوب۔ اور کتبِ اصول میں مندوب و مامور بہ کے اطلاق میں جو نزاع ہے وہ محض لفظی ہے جس کی تصریح ابن ہمامؒ نے تحریر میں کی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جس طرح مامور بہ کا اطلاق واجبات پر ہوتا ہے اسی طرح مندوب پر بھی ہوتا ہے اور صفت استحسان بھی دونوں کے لئے یکساں ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ امر محدث جس کا خصوصی وجود ازمنہ ثلاثہ میں نہ ہو مگر اس کی سند ادلۂ اربعہ میں سے کسی ایک دلیل سے پائی جائے تو وہ بھی مستحسن ہوگا جیسا کہ مدارس کا وجود

زمانہ نبوی میں نہ تھا۔ مگر تمام علماء اس صورت کو مستحسن سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی اصل اس حدیث سے ملتی ہے جس کو بخاری مسلم، ترمذی، ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا۔ حدیث :۔

اذا مات ابن آدم انقطع الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔

یعنی مرنے کے بعد صرف تین چیزوں سے تعلق باقی رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ۔ علم نافع۔ ولد صالح ہے۔

اس کی سند چونکہ حدیث سے ملتی ہے لہٰذا اس کو مستحسن قرار دیا اور بدعت ضلالہ میں داخل نہیں کیا۔

تیسرا مقدمہ :۔ مفتی کا فرض ہے کہ پیش آنے والے واقعہ میں کتاب و سنت، اجماع اور قیاس کی روشنی میں فتویٰ دے اور اگر کسی دلیل سے اس کا حکم صراحۃً نہ ملے تو پھر قواعد شرعیہ کلیہ کو سامنے رکھ کر جس کلی کے تحت میں یہ واقعہ آجائے اس کے مطابق فتویٰ دے۔ جیساکہ علماء مجتہدین اور فقہاء کا یہی طرز رہا ہے۔ البتہ جو مفتی کہ نقل عبارت کے علاوہ استنباط کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے عبارات کتب اور اقوال مجتہدین کی نقل کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔

سعدالدین تفتازانی شرح عضدی میں لکھتے ہیں :۔ المراد باھل النظر بعض اصحاب المذھب من لہ ملکۃ الاقتدار علی الاستنباط من الاصول التی مھدوھا وھو المسمی بالمجتھدین فی المذھب کالغزالی و نووی من اصحاب الشافعی وھو فی المذھب بمنزلۃ المجتھدین المطلق فی الشرع واما الذین یفتون بما حفظوہ او وجدوہ فی کتب الاصحاب فھم بمنزلۃ النقلۃ والرواۃ۔

اور علامہ عمر حنفیؒ نے فقہاء کی سات طبقوں کا ذکر جواہر نفیسہ میں کیا، فرماتے ہیں :۔

اعلم ان الفقھاء والعلماء علی سبع طبقات الاولیٰ طبقۃ المجتھدین فی الشرع کالائمۃ الاربعۃ

الثانیۃ :۔ طبقۃ المجتھدین فی المذھب کابی یوسفؒ ومحمدؒ والاساتذۃ من اصحاب ابی حنیفۃ القادرین علی استخراج الاحکام من الادلۃ علی مقتضی القواعد التی مھدھا اساتذتھم فانھم وان خالفوہ فی بعض الفروع لکنھم موافقون لھم فی الاصول۔

الثالثۃ :۔ طبقۃ المجتھدین فی مسائل التی لا روایۃ فیھا عن صاحب المذھب کالخصافؒ والطحاویؒ والکرخیؒ والحلوائیؒ والسرخسیؒ والبزدویؒ وقاضی خانؒ۔

الرابعۃ :۔ طبقۃ اصحاب التخریج من المقلدین کالرازی واحزابہ فانھم لا یقدرون علی الاجتھاد اصلا لکنھم باحاطتھم بالاصول وضبطھم بالمذھب یخرجون الاقوال

الخامسۃ :۔ طبقۃ اصحاب الترجیح من المقلدین کالقدوری وصاحب الھدایۃ وشانھم تفضیل بعض الروایات علی بعض یقولون ھذا اولی وھذا اصح درایۃ وھذا اوضح روایۃ وھذا اوفق بالقیاس وھذا ارفق بالناس۔

السادسۃ :۔ طبقۃ المقلدین القادرین علی التمیز علی الاقوی والقوی والضعیف وظاھر المذھب وغیر ظاھر المذھب وظاھر الروایۃ والروایۃ النادرۃ کاصحاب المتون المعتبرۃ من المتاخرین کصاحب

الکنز والمختار والوقایۃ والمجمع وشان کل منہم ان لا ینقل فی کتابہم الاقوال الضعیفۃ والمردودۃ والروایات الضعیفۃ۔

السابعۃ: طبقۃ المقلدین الذین لا یقدرون علی ما ذکر ولا یعرفون الغث والسمین ولا یمیزون الشمال عن الیمین بل یجمعون ما یجدون کحاطب لیل وھذا مذکور فی طبقات الفقہاء مع تطویل لا یسعہ ھذا المختصر۔

مقدمات کی تمہید کے بعد جواب دیا جائے گا کہ نفس ذکرِ میلاد بدعت ضالہ نہیں جس کی دو وجہ ہیں:۔

(۱) ذکرِ میلاد ولے سے کہا جاتا ہے کہ ذاکر کوئی آیت یا حدیث پڑھ کر اس کی شرح میں کچھ فضائل نبویہ اور معجزات احمدیہ اور آپؐ کی ولادت، نسب کے حالات پیدائش سے قبل اور بعد کے خوارق عادات بیان کرے۔ جیسا کہ ابن حجر مکیؒ نے نعمۃ الکبریٰ علی العالم بمولد سید ولد آدم میں اور دیگر علماء نے لکھا ہے۔ اور اس کا وجود زمانہ نبویؐ اور زمانہ صحابہؓ میں بھی تھا اگرچہ اس نام سے نہ ہو۔ ماہرینِ فنِ حدیث کو معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ مجالس وعظ اور تعلیم علم میں فضائلِ نبویہ اور کیفیت ولادتِ محمدیہ کو بیان فرمایا کرتے تھے۔

اور صحاح میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابتؓ کو اپنی مسجد میں منبر پر بٹھلاتے اور وہ حضورؐ کی مدح میں قصائد پڑھتے، پھر آپ ان کو دعائے خیر دیتے اور فرماتے: اللھم ایدہ بروح القدس یعنی اللہ ان کی مدد کر بذریعہ جبرئیل امین۔ انتہیٰ۔

اور دیوانِ حسانؓ کے قصائد میں معجزات اور ولادت و نسب شریف کے حالات موجود ہیں۔ لہٰذا محفل میں ایسے اشعار پڑھنا یہی ذکرِ میلاد ہے۔ اور حضرت حسانؓ کے مسجد میں اشعار پڑھنے کا قصہ بخاری میں مصرح ہے۔ درحقیقت ذکرِ میلاد اور اس قصہ میں کوئی معتد بہ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ اس ذکر کا نام مجلسِ میلاد نہیں رکھا گیا تھا اور اگر کسی کو خلجان ہے کہ مذکورہ تقریر سے نفس ذکرِ میلاد و فضائل تو ثابت ہوگیا۔ مگر اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اور گھر سے بلانا تو ثابت نہیں ہوتا، تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ علم کی نشر و اشاعت کے لیے گواہ بلانا حدیث سے ثابت ہے۔

فقیہ ابو اللیثؒ تنبیہ الغافلین میں لکھتے ہیں:۔ حدثنا ابی قال حدثنا ابوبکر محمد بن احمد حدثنا ابو عمران حدثنا عبد الرحمن حدثنا داؤد حدثنا عباس بن الکثیر عن عبد خیر عن علیؓ بن ابی طالب قال نزلت اذا جاء نصر اللہ فی مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما بعث ان خرج یوم الخمیس فرقی المنبر وجلس علیہ ثم دعا بلالا وقال ناد فی المدینۃ ان اجتمعوا لوصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنادی بلال فاجتمع صغیرھم وکبیرھم وترکوا ابواب بیوتہم مفتحۃ حتی خرجت العذاری من خدورھن حتی غص المسجد باھلہ والنبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم یقول وسعوا لمن وراءکم وسعوا لمن وراءکم ثم قام فحمد اللہ واثنی علیہ وصلی علی الانبیاء ثم قال انا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم العربی الحرمی المکی لا نبی بعدی الحدیث۔ حدیث مذکورہ بتا رہی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو مقرر فرمایا تا کہ

وہ لوگوں کو جمع کرنے کے لیئے منادی کردیں۔ انتہی۔

علاوہ ازیں کلام نفس ذکر میلاد میں ہے اور تخصیصات عرفیہ اگر بالفرض اس اجتماع سے ثابت نہ ہوں تو نفس ذکر میلاد کا عدم جواز لازم نہیں آتا۔

(۲) اگر ہم مان بھی لیں کہ ذکر ولادت کا وجود ازمنہ ثلثہ میں سے کسی ایک زمانہ میں بھی نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ ایک قاعدہ شرعیہ مسلمہ ہے کل فرد من افراد نشر العلم فهو مندوب یعنی اشاعت علم کا ہر طریقہ مندوب ہے انتہی۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے

قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم مما يلحق المؤمن من حسناته بعد موته علم نشره۔

(ترجمہ) موت کے بعد حسنات سے ملحق ہونے والی نیکی علم ہے جو اس نے پھیلایا ہو گا۔

بخاریؒ نے کتاب العلم میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کی:۔

وليفشوا العلم وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهلك حتى يكون سرا۔

(ترجمہ) یعنی علم کو پھیلانا چاہیئے اور اس غرض سے بیٹھنا چاہیئے تاکہ جاہل علم حاصل کریں کیونکہ غیر پوشیدہ علم ضائع نہیں ہوتا۔ انتہی۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنے بعض رسائل میں حدیث اذا مات ابن آدم الخ کی تشریح میں لکھا ہے:۔

حمل العلماء الصدقة الجارية على الوقف والعلم المنتفع به على التصنيف والتعليم

یعنی علماء نے صدقہ جاریہ وقف پر محمول کیا ہے اور علم منتفع بہ سے تصنیف و تالیف مراد لی ہے۔ انتہی۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ذکر مولد کی اوپر بیان کردہ تحقیق نشر علم کا ایک فرد ہے۔ لہذا کل فرد من افراد نشر العلم مندوب کے قاعدہ سے ذکر میلاد بھی مندوب ہو گا۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابی وائلؓ سے روایت کی:۔ قال كان عبد الله بن مسعود يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل يا ابا عبد الرحمن لوددت انك ذكرتنا كل يوم قال اما انه يمنعني من ذلك اني اكره ان امِلّكم واني اتخولكم بالموعظة كما كان النبي صلے الله علیه وسلم يتخولنا بها مخافة السآمة علينا۔

نیز کسی کو یہ وہم بھی نہ ہونا چاہیئے کہ جب ذکر مولد ازمنہ ثلثہ میں نہ تھا اور نہ مجتہدینؒ کے دور میں اس کا نشان ہے تو پھر اس کے جواز کا فتویٰ دینا کیسے صحیح ہے کیونکہ اس کا ذکر آگے آئیگا کہ مفتی کو فتویٰ استفتاء کر کے دینا چاہیئے۔

پس اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ازمنہ ثلثہ میں ذکر مولد نہیں تھا اور نہ مجتہدین سے اس بارہ میں کوئی قول منقول ہے لیکن چونکہ شریعت میں یہ قاعدہ مسلمہ ہے: کل فرد من افراد نشر العلم فهو مندوب اور ذکر مولد بھی اس قاعدہ کے تحت میں ہے۔ لہٰذا اس کے مندوب ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

اور اسی لیئے فقہاء متاخرین اور اہل افتاء مستنبطین جیسے ابو شامہؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ سیوطیؒ اور شامیؒ وغیرہ نے ذکر میلاد کے مندوب ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد سائل کے بیان کردہ مقدمات کا جواب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

جواب مقدمۂ اولیٰ:- جو ماموربہ نہیں۔ اس کا استحسان معلوم نہیں۔ اگر اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شے صراحۃً ماموربہ نہیں اس کا استحسان معلوم نہیں تو وہ غلط ہے۔ کیونکہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ صراحۃً ماموربہ نہیں۔ مگر فقہا تخریج قواعد سے استنباط کر کے ان کو مندوب کہا ہے اور اگر مطلب یہ لیا جائے کہ جو کسی درجہ میں بھی ماموربہ نہیں نہ صراحۃً اور نہ کنایۃً تو صحیح ہے لیکن مسئلہ مذکورہ میں کوئی مضر بھی نہیں۔ کیونکہ ذکر میلاد باوجود ازمنہ ثلثہ میں موجود نہ ہونے کے قاعدہ شرعیہ میں مندرج اور داخل ہے لہذا ماموربہ ہوگا جس کا استحسان ظاہر ہے۔ جیسا کہ مقدمہ ثانیہ میں تفصیل بیان کی جاچکی اور مقدمہ ثانیہ بھی ضرر رساں نہیں کیونکہ ما احدث اور امر محدث سے مراد وہ امر ہے جس کی سند ادلۂ اربعہ سے نہ ملے جس کی تفصیل میں نے مقدمۂ اولیٰ میں بیان کی اور ذکر مولد ایسا امر محدث نہیں لیکن مقدمۂ ثالثہ میں اگرچہ فرد فرد کی جزئیت سے مجموعہ کی جزئیت لازم نہیں آتی۔ مگر جب کہ مجموعہ کی جزئیت قاعدہ شرعیہ کے تحت میں اس کے اندراج کی وجہ سے معلوم ہوئی تو چون و چرا کا محل باقی نہیں رہا لیکن مقدمۂ رابعہ بالکل غلط محض ہے۔ جیسا کہ میں نے مقدمہ ثالثہ میں اس کی وضاحت کر دی۔

حاصل کلام اور خلاصہ مقام یہ ہے کہ ذکر مولد فی نفسہ مندوب ہے خواہ خیر الازمنہ میں وجود کی بنا پر ہو یا سند شرعی کے تحت اندراج کی وجہ سے۔ اور کسی نے اس کے مندوب ہونے سے انکار نہیں کیا۔ مگر ایک گروہ نے جن کا امیر تاج فاکہانی مالکی ہے مگر اس میں علماء مستنبطین کے مقابلہ کی طاقت نہیں جنہوں نے ذکر میلاد کے مندوب ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ لہذا اس کا قول قابل اعتبار نہیں۔ اگر ذکر مولیٰ کے ساتھ غیر مشروع اور غیر ماموربہ افعال ملا دیے جائیں تو پھر مندوب ہونے کا حکم باقی نہ رہے گا۔ مگر اس کی وجہ سے نفس میلاد کے جواز میں کوئی شک نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

ابو الحسنات محمد عبد الحی

علی محمد

اصاب المجیب جزاہ اللہ خیر الجزاء

واقعی زید کا یہ فعل بدلالت ادلہ شرعیہ جو کہ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد میں مذکور ہیں مستحسن اور مندوب ہے۔ عجالات اور فتاویٰ الشیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی مکی میں لکھا ہے:- الموالید والاذکار التی تفعل عندنا اکثرها تشتمل علی خیر کصدقة وذکر والصلوٰة والسلام علی رسول اللہ ومدحه علی تنزیل وشرور بعضها لیس فیها شر ولا شك ان النوع الثانی سنة وتشمله الاحادیث الواردة فی الاذکار المخصوصة والعامة کقوله صلی اللہ علیه وسلم لا یقعد قوم یذکرون اللہ تعالیٰ الا حفتهم الملائکة وغشیتهم الرحمة وذکرهم اللہ تعالیٰ فیمن عنده رواه مسلم وروی ایضا انه صلی اللہ علیه وسلم قال لقوم جلسوا یذکرون اللہ تعالیٰ ویحمدونه علی ان هداهم الاسلام لنا فی خبر جبرئیل علیه السلام فاخبرنی ان اللہ تعالیٰ یباهی بکم الملائکة فی الحدیثین اوضح دلیل علی فضل الاجتماع علی الخیر والجلوس له وان الجالسین علی خیر کذالك یباهی اللہ بهم الملائکة وتنزل علیهم السکینة وتغشاهم الرحمة ویذکرهم اللہ تعالیٰ بالثناء علیهم بین الملائکة انتهی۔

یعنی مولود و اذکار جو ہمارے زمانے میں ہوتے ہیں، ان میں سے اکثر میں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً صدقہ وذکرِ آں حضرت پر صلوٰۃ وسلام اور مدح نیز کوئی شرکھی اس میں نہیں ہوتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری قسم سنت ہے جس پر ان احادیث کا مضمون صادق آتا ہے جو آپ نے اذکارِ عامہ ومخصوصہ کے بارہ میں ارشاد فرمائیں مثلاً آں حضرت کا ارشادِ مبارک ہے۔ خدا کا ذکر کرنے جو گروہ جمیع ہوتا ہے اس کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں، رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ملائکہ اور مقربین سے فرماتے ہیں (کما رواہ مسلم)

نیز روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے فرمایا جو خدا کا ذکر، دینِ اسلام کی دولت حاصل ہونے پر اس کی حمد کر رہی تھی، کہ میرے پاس جبرئیل آئے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے سامنے تم لوگوں پر فخر کرتا ہے۔

مذکورہ دونوں حدیثیں مجلسِ ذکر کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ نیکی کے لیئے جمع ہونے والوں پر خدا تعالیٰ ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے اور ان پر امن وسکون نازل کرتا ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ ملائکہ میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا فضائل ہو سکتے ہیں۔ رہا سائل کا یہ قول کہ یہ اجتماع جائز ہے یا نہیں، تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ جائز ہے۔ واللہ علیم۔ ابوالاحیار محمد نعیم۔

جادو، شعبدہ، معجزہ اور کرامت کی حقیقت

سوال (۷۹۶) سحر کی کیا حقیقت ہے۔ آیا بعض اشیاء اور ادویہ کے امتزاج سے جو عجیب امر پیدا ہو وہ سحر ہے۔ یا کلمات خبیثہ شیطانیہ کی تاثیرات کا نام سحر ہے۔ کہ ان کلمات کے ذریعہ خباثت اور شیاطین سے استغاثہ کرتے ہیں اور تعجب خیز امر ظاہر ہوتا ہے۔ سحر، طلسم۔ شعبدہ میں کیا فرق ہے۔ اور ان میں سے کون سا حرام اور کفر ہے۔ اور سحر معجزہ وکرامت میں کیا فرق ہے اور کیا ہر جسم انسانی کے لیئے حدوثِ ایذاء ومرض کا سبب موت اور مضر وقاتل ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:- سحر کی بہت سی قسمیں ہیں اور اس کا اطلاق اکثر ان امورِ عجیبہ پر ہوتا ہے جو تقرب الی الشیاطین کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ کی تفسیر میں بیضاوی نے لکھا ہے:-

المراد بالسحر ما یستعان فی تحصیلہ بالتقرب الی الشیاطین مما لا یستقل بہ الانسان وذلک لا یستتب الا لمن یناسبہ فی الشرارۃ وخبث الباطن فان التناسب شرط فی التضامر والتعاون۔

یعنی سحر سے وہ امور مراد ہیں جن کے حاصل کرنے میں شیاطین سے مدد لینی پڑے اور انسان ان پر قدرت نہ رکھے اور یہ سحر کامل طور پر صرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جسے شرارت اور خبثِ باطنی میں شیطان سے مناسبت ہو۔ کیونکہ مدد کے لیئے تناسب شرط ہے۔

علامہ ابن حجر مکی نے زواجر فی اقتراف الکبائر میں سحر کی سات قسمیں بیان کی ہیں فرماتے ہیں:-

السحر علی اقسام اولھا سحر الکلدانیین الذین کانوا فی قدیم الدھر یعبدون الکواکب ویزعمون انھا

المدبرة للعالم ومنها یصدر کل مظهر خیر و شر وهم الذین بعث الیهم ابراهیم علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام۔

النوع الثانی سحر اصحاب الاوهام والنفوس القویة

الثالث۔ الاستعانة بالارواح الارضیة والقول بالجن مما انکرہ بعض متاخری الفلاسفة والمعتزلة واما اکابر الفلاسفة فلم ینکروہ الا انهم سموها الارواح الارضیة۔

الرابع۔ التخیلات والاخذ بالعیون۔

الخامس۔ الاعمال العجیبة التی تظهر من ترکیب آلات علی النسب الهندسیة مثل صورة فرس فی یدہ بوق فاذا مضت ساعة من النهار صوت البوق من غیر ان یمسه احد وکان سحر سحرة فرعون من هذا القبیل

السادس۔ تعلیق الاستعانة بخواص الادویة المزیلة للعقل ونحوها

السابع۔ تعلیق القلب وهو ان یدعی انسان انه یعرف الاسم الاعظم مثلا فاذا کان السامع ضعیف القلب اعتقد انه حق وحصل فی نفسه انه نوع من الرعب ثم انه یتمکن الساحر فیه من ان یفعل ما یشاء

یعنی سحر کی چند قسمیں ہیں:۔

(۱) سحر کلدانیین جو پہلے زمانہ میں ستاروں کی پوجا کرتے تھے کہ یہی عالم کا انتظام کرتے ہیں۔ تمام خیر و شر انہی سے صادر ہوتے ہیں اور یہ وہی قوم ہے جن کی طرف ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا گیا۔

(۲) وہمی اور قوی النفس لوگوں کا سحر۔

(۳) ارواحِ ارضیہ سے مدد لینا، اور جنات کا قائل ہونا جن کا بعض متاخرین فلاسفہ اور معتزلہ نے انکار کیا ہے اور اکابر فلاسفہ اس کے قائل تھے مگر وہ ان کا نام ارواح ارضیہ بتاتے ہیں۔

(۴) تخیلات اور آنکھوں سے اثر ڈالنا۔

(۵) وہ عجیب کام جو علم ہندسہ کے مطابق آلات کی ترکیب دینے سے ظاہر ہوں۔ مثلاً گھوڑے کی شکل جس کے ہاتھ میں بڑی بانسری ہو اور ایک حصہ پر گذرنے کے بغیر کسی کے ہاتھ لگائے اس سے آواز نکلنے لگے، جیسا کہ فرعون کے ساحروں کا سحر اسی قسم کا تھا۔

(۶) مزیلِ عقل دواؤں وغیرہ کے خواص سے مدد لینا۔

(۷) قلب پر اثر ڈالنا۔ مثلاً کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میں اسم اعظم جانتا ہوں، یہ سن کر ضعیف القلب سامع یقین کر لیتا ہے اور اس پر ایک رعب طاری ہو جاتا ہے اور یہ کہ ساحر جو چاہے اس سے کرالے گا۔

جواب سوال دوم:۔ ہر نفسِ انسانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تاثیر عنایت ہوئی ہے جو کسی دوسرے نفس میں نہیں ہوتی اور ہر ایک نفس کے لیے حسب استعداد ایک خاصیت ہوتی ہے وہ بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔ اور ہر ایک سحر، طلسم، شعبدہ بھی انہیں تاثیرات کے قبیل سے ہے۔ اور باہم فرق ہے۔ اگر نفوس کی تاثیر

دوسرے میں باستعانت ارواحِ خبیثہ وغیرہ ہو۔ بلا استعانت تاثیر کواکب وخواص اعداد وغیرہ تو اس کو سحر کہتے ہیں، اور جو تاثیر ان جیسی چیزوں کی استعانت سے ہو اس کو طلسمات کہتے ہیں۔ اور جو تاثیر دوسرے شخص کی قوتِ تخیلہ سے ہے اس کو شعبدہ کہا جاتا ہے۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔ مفہوم درج ذیل ہے۔ سحر وطلسمات ان استعدادوں کی کیفیات کو جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ سے عالمِ عناصر میں نفوسِ بشریہ تاثیر کرسکیں۔ بغیر کسی کی مدد کے یا امورِ سماویہ میں سے کسی کی مدد سے، اول کا نام سحر اور ثانی طلسمات ہے اور یہ اس لیئے کہ نفوسِ بشریہ اگرچہ ایک ہی نوع کے افراد ہیں مگر خواص کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ چنانچہ نفوسِ انبیاء میں ایسی خاصیت ہے جس کے لیئے وہ معرفتِ ربانیہ کے لیئے مستعد ہوتے ہیں اور کاہنوں کے نفوس میں ایسی خاصیت ہے جس کی بدولت وہ بذریعہ قوائے شیطانیہ غائب اشیاء کو جان لیتے ہیں۔ اور نفوسِ ساحرہ کے تین درجے ہیں:۔

(۱) جو خود اپنے زور سے اثر کرتے ہیں۔ بلا کسی آلہ مددگار کے، اور اسی کو فلاسفہ سحر کہتے ہیں۔

(۲) جو مزاج عناصر وافلاک یا خواص اعداد کی مدد سے ہو تو فلاسفہ اس کو طلسمات کہتے ہیں۔

(۳) جو قوائے متخیلہ میں تاثیر کے ذریعہ ہو کہ صاحبِ تاثیر قوتِ متخیلہ میں جب تصرف کرنا چاہے تو کسی قسم کا تصرف کرے اور اس میں کسی قسم کے خیالات ڈال دے۔ پھر اسی ذریعے سے دیکھنے والوں کی حس میں خود اپنی قوتِ موثرہ سے اسی طرح اتار دے کہ دیکھنے والے اسے خارج میں موجود دیکھیں، حالانکہ وہاں کچھ بھی موجود نہ ہو۔ اسی کو شعوذہ یا شعبدہ کہتے ہیں۔ اور سحر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ حقیقۃً یہ کوئی چیز ہے یا محض تخیل ہے۔ جو لوگ حقیقت پر محمول کرتے ہیں وہ پہلے دونوں مرتبوں کا خیال کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی حقیقت نہیں مانتے وہ صرف آخر کے مرتبہ کے قائل ہیں (انتہیٰ کلامہ ملخصاً)

اور مصباح اللغۃ میں مذکور ہے جس کا مضمون درج ذیل کیا جاتا ہے۔ انسان کا شعوذہ یا شعبدہ ایک کھیل ہے جس سے انسان اس چیز کو دیکھتا ہے جو حقیقت میں نہیں ہوتی۔ (انتہیٰ کلامہ)

اور علامہ ابراہیم لقانی نے شرح جوہر التوحید میں لکھا ہے، طلسمات اجسام میں چند مخصوص اسماء کا نقش بنانا ہے جنھیں اس علم کے لوگوں کے نزدیک افلاک وکواکب سے تعلق ہے ان سے وہ خاصیتیں پیدا ہوتی ہیں جو عادۃً ان سے متعلق ہیں

جواب سوال سوم:۔ علماء کا اتفاق ہے کہ سحر گناہِ کبیرہ اور حرام ہے بلکہ بعض ائمہ فقہاء نے اس پر کفر کا بھی اطلاق کیا ہے یہاں تک کہ تفتازانی حواشی کشاف میں کفر پر اجماعِ امت نقل کرتے ہیں السحر مزاولۃ النفوس الخبیثۃ لافعال واقوال تترتب علیہا امور خارقۃ للعادۃ ولایری خلاف فی کون العمل بہ کفراً انتہیٰ۔

اور محققین کے نزدیک اصح مسلک یہ ہے کہ جو سحر امور کفریہ پر مشتمل ہو کفر ہے اور جو ایسا نہ ہو اس کا سیکھنا اور کرنا کفر نہیں۔ البتہ اس کے استقلال کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ تفتازانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے:۔

لاکفر فی تعلم السحر بل فی اعتقاد ترتب الاثر علیہ — یعنی سحر سیکھنا تو کفر نہیں لیکن اس کی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔

اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں :-

اتفق کلھم علی ان ما کان من جنس دعوۃ الکواکب السبعۃ او السجود لھا والتقرب الیھا بما یناسبھا کفر وھو من اعظم ابواب الشرک۔

یعنی وہ سحر جس میں دعوۃ کواکب اور سجود کواکب ہو، یا ایسے امور جن سے ان کا تقرب مقصود ہو تو وہ کفر اور شرک کا اعظم ابواب ہے۔

اور ابن حجر نے زواجر میں لکھا ہے جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔ فقہاء کے نزدیک سحر کی نوع اول میں کچھ خلاف نہیں جو شخص اعتقاد رکھے کہ اس عالم میں کواکب اثر کرتے ہیں یا یہ کہ انسان تصفیہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کا نفس خود دوسرے جسم کے بنانے میں اثر رکھے۔ لیکن اگر یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا نفس اس قدر صاف ہو گیا کہ جنت اس کی مطیع ہے تو صرف معتزلہ اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ سحر کی بقیہ دوسری قسمیں بعض علماء سب کو مطلقا کفر کہتے ہیں اور اگر کوئی شخص تیسری اور بعد والی اقسام کو جائز سمجھے تو کفر کی وجہ سے اس کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ حرام کو حلال کہنا کفر ہے۔ انتہی کلامہ

اور علامہ اردبیلی فتاوی انوار میں لکھتے ہیں جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔ یعنی مالکیہ اور ایک دوسرے گروہ نے ساحر کو مطلقاً کافر کہا اور یہ اجمالاً قریب صحت ہے لیکن جزئیات میں فتویٰ دینے کے وقت اس میں بڑی غلطی واقع ہوگی۔ کیونکہ جب فقیہ سے سحر کی حقیقت اور اس کے کفر کے فتویٰ دینے کی وجہ معلوم کی جائے گی تو جواب میں بڑی دشواری ہوگی، میں نے تمام عمر میں کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو ان امور میں فرق بیان کر سکے (انتہی کلامہ)

اور ابن ہمامؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں :-

السحر حرام بلا خلاف واعتقاد اباحتہ کفر الخ

یعنی متفقہ طور پر سحر حرام ہے اور اس کے جواز کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔

امام مالک، امام احمد اور ہمارے اصحاب سے مروی ہے کہ ساحر کافر ہے اس وجہ سے کہ اس نے سحر سیکھا اور سکھایا۔ اور اسی وجہ سے وہ قتل کیا جائے گا۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا قتل واجب نہیں اور اس کو کافر بھی نہ کہا جائے گا، تاوقتیکہ وہ اس کو جائز نہ سمجھے، اور ساحر کی تکفیر میں امام شافعیؒ کے قول سے عدول نہ کرنا چاہیئے۔ البتہ جب سحر کرتے رہنے کا علم ہو تو قتل کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ فساد ارض کی کوشش کر رہا ہے۔ باقی رہا طلسمات اور شعبدہ کا حال تو صاحب درمختار نے علم طلسمات اور شعبدہ کو علم سحر کی طرح مذموم اور حرام لکھا ہے۔ انتہی کلامہ

اور ابن خلدون لکھتے ہیں جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔ شریعت نے سحر اور طلسمات میں کچھ فرق نہیں کیا بلکہ سب کو ایک ہی باب میں رکھا ہے کیونکہ ہمارے لیئے شرع نے وہی افعال حلال کیئے ہیں جو دین یا دنیا میں کام آئیں۔ پس اگر کسی کام میں ضرر ہو تو وہ ممنوع ہے مثلاً سحر اور طلسمات بھی اسی کے ساتھ ملحق ہے۔ پس شریعت نے سحر، طلسمات اور شعبدہ سب کو ایک ہی باب میں شامل کر دیا۔ انتہی کلامہ۔

جواب سوال چہارم :- معجزہ ایسے خارق عادات امر کو کہا جاتا ہے جو منکرین کے مقابلہ میں مدعی نبوت سے

صادر ہو اور کوئی دوسرا اس کو نہ کر سکے۔ اور کرامت ایسے خارق امر کو کہا جاتا ہے جو کسی ولی سے صادر ہو بغیر کسی دعویٰ کے۔ اور سحر وہ ہے جو ایسے نفوس سے صادر ہو جو نفوسِ خبیثہ یا نفوسِ شیطانیہ سے مناسبت رکھتے ہوں اور اس کا مثل دوسرا شخص بھی پیدا کر سکے۔ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:۔

المعجزة امر خارق للعادة مقرون للتحدی مع عدم المعارضة واحترز بقید المقارنة للتحدی عن کرامات الأولیاء وبقید عدم المعارضة عن الشعبدة والسحر۔

یعنی معجزہ خارق عادت ایسے امر کو کہا جاتا ہے جو انکار کے مقابلہ میں کیا گیا ہو اور جس کا معارضہ نہ ہو۔ مقابلہ انکار کی قید سے کرامات اولیاء، اور عدم معارضہ کی قید سے سحر اور شعبدہ خارج ہو گئے۔

جواب سوال پنجم:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ساحر جس کام کے لیئے چاہے اس کا سحر اثر کرتا ہے لیکن یہ استقلالِ ساحر نہیں بلکہ باعتبار جریان عادۃ اللہ جیسا کہ ابن حجر مکیؒ نے قرطبیؒ سے نقل کیا:۔

قال العلماء ولا ینکران یظهر علی ید الساحر خرق العادات بما لیس فی مقدور البشر من مرض وزوال عقل وتعویج عضو ولا یکون السحر علة لذالك ولا موجبا له بل یخلق الله هذه الاشیاء عند وجود السحر۔

یعنی علماء کا قول ہے کہ ساحر سے خرقِ عادت کے اظہار کا انکار نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جو انسان کی قدرت میں نہیں ہوتے، مثلاً کسی کو بیمار یا دیوانہ بنا دینا وغیرہ۔ لیکن سحر اس کی علت اور سبب نہیں ہوا کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ وجودِ سحر کے وقت ان اشیاء کو پیدا کر دیتا ہے۔ انتہیٰ کلامہ۔

اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:۔

الأکثرون یقولون ان السحر قد یوثر فی موت المسحور ومرضه من غیر وصول شئ ظاهر الیه۔

یعنی اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ بعض اوقات سحر سے مسحور کی موت ہو جاتی ہے یا وہ بیمار ہو جاتا ہے بغیر کسی دوسرے ظاہری سبب کے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

مسجد کے اندر چارپائی پر سونا

سوال (۹۷) مسجد میں چارپائی ڈال کر اس پر سونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے زمانۂ اعتکاف میں آرام کرنے کے لیئے مسجد میں چارپائی بچھائی جاتی تھی کما فی سفر السعادۃ۔

اور ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی:۔

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا اعتکف طرح له فراشه او یوضع له سریره وراء اسطوانة التوبة۔ والله اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

مردار ہاتھی کے دانت کی کنگھی بنانا

سوال (۷۹۸) مردار ہاتھی کے دانت یا مردہ گائے وغیرہ کے سینگ سے کنگھی بنانا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب :۔ جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔ لاباس ببیع عظام المیتة وصوفها وقرنها وشعرها ووبرها والانتفاع بها لانها طاهرة لایحلها الموت لعدم الحیوة والفیل کالخنزیر نجس العین عند محمدؒ وعندهما بمنزلة السباع حتی یباع عظمه وینتفع به انتهی۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں ابوداؤد کی ایک حدیث یا ثوبان اشتر لفاطمة قلادة من عصب وسوارین من عاج اوکما قال کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔ المعروف بین العامة ان العاج سن الفیل وقیل هو عظم ظهر السلحفاة البحریة او عظم دابة بحریة غیرها اسمها الذبل یتخذ منه السوار والمشط۔ وفی القاموس العاج الذبل وعظم الفیل وقال التوربشتی ذکر الخطابی فی تفسیره انه الذبل ونقل ذلک عن الاصمعی والعجب العدول عن اللغة المشهورة الی ما یشتهر بین اهل اللسان انتهی۔

اور فتح القدیر میں ہے:۔ قیل روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه اشتری لفاطمة سوارین من عاج وظهر استعمال الناس له من غیر نکیر ومنهم من حکی اجماع العلماء علی جواز بیعه وفی صحیح البخاری قال الزهری ادرکت ناسا من سلف العلماء یمتشطون بعظام المیتة نحو الفیل ونحوه ویدهنون فیها ولایرون به باسا وقال ابن سیرین وابراهیم لاباس بتجارة العاج انتهی۔

ہندوؤں کے اوتار پر لعنت کرنا

سوال (۷۹۹) رام چندر اور کرشن چندر جن کو اہل ہنود اوتار (رسول) کہتے ہیں مگر وہ خود اپنے آپ کو عبد سمجھ کر صحیح کام کرتے اور مخلوق کو ہدایت کرتے تھے تو ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ اگر اوصاف مذکورہ واقعتاً ان میں موجود تھے تو پھر لعنت کرنا جائز نہیں۔ والله اعلم بالصواب۔

عالم کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا

سوال (۸۰۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید عالم علم دین خالد کی محفل میں آیا اور خالد اور جملہ حاضرین مجلس نے واسطے تعظیم زید کے قیام کیا اور رخصت کے وقت تعظیماً قیام کیا۔ پس ایسا قیام شرعاً درست ہے یا نہیں اور اگر درست ہے تو کس دلیل سے درست ہے

جواب :۔ قیام واسطے تعظیم علماء اور رئیس قوم اور سادات کے درست ہے بدلیل اس کے کہ روایت کیا بخاری اور مسلم نے ابو سعید خدریؓ سے ان اناسا نزلوا علی حکم سعدؓ بن معاذ فارسل الیه فجاء علی حمار فلما بلغ قریبا من المسجد قال قوموا الی خیرکم او سیدکم الحدیث۔

اسی واسطے امام غزالی احیاء العلوم کی کتاب آداب السماع میں لکھتے ہیں:۔ القیام عند دخول الداخل

لم یکن من عادۃ العرب بل کان الصحابۃ لا یقومون لرسول اللہ فی بعض الاحوال کما رواہ انس رضؓ ولکن لم یثبت فیہ نہی عام ولا نری بہ باسًا فی البلاد التی جرت العادۃ فیہا باکرام الداخل بالقیام فان المقصود منہ الاحترام والاکرام وتطییب القلب بہ وکذلک سائر انواع المساعدات اذا قصد بہا تطییب القلب واصطلح علیہا جماعۃ فلا باس بمساعدتہم علیہ بل الاحسن المساعدۃ الا فی ما ورد فیہ نہی لا یقبل التاویل انتہی۔

آدمی قیام سے محبت رکھنا اور اس امر کو چاہنا کہ لوگ ہماری تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاویں، البتہ مکروہ ہے بدلیل اس کے کہ روایت کیا ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت معاویہؓ سے:۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یمثل لہ الرجال قیامًا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔

امام نوویؒ رسالہ قیام میں تحریر کرتے ہیں:۔ معناہ الصریح الظاہر الزجر والوعید الشدید للانسان ان یحب قیام الناس لہ ولیس فیہ تعرض للقیام بنہی ولا غیرہ انتہی۔

اور قنیہ میں مشکل الآثار سے منقول ہے:۔ القیام لغیرہ لیس بمکروہ لعینہ انما المکروہ محبۃ القیام من الذی یقام لہ فان لم یحب القیام قاموا لا یکرہ لہم انتہی۔

اگر کسی کو شک ہو وے کہ ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے ابوامامہ باہلیؓ سے روایت کی ہے:۔ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متکئا علی عصا فقمنا الیہ فقال لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضہم بعضا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ قیام تعظیمًا ممنوع ہے تو اس کو یوں دفع کرے کہ اس حدیث میں مطلق قیام کی نہی نہیں ہے بلکہ اس قیام کی کہ عجم کیا کرتے تھے اور ان کا قیام بطور التزام کے تھا یعنی وہ لوگ قیام تعظیمی کو امر ضروری جانتے تھے اور محبت رکھتے تھے۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قیام سے منع فرمایا کہ بالتزام ومحبت قیام نہ ہو، نہ مطلق قیام سے کیونکہ بیہقیؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے:۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجلس معنا یحدثنا فاذا قام قمنا حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ۔

پس مطلقًا قیام تعظیمًا ممنوع ہوتا تو صحابہؓ ہرگز بوقت برخاست قیام نہ کرتے۔ علاوہ اس کے یہ ہے کہ قیام عجم کا بنظر تعظیم کے ہوتا تھا۔ جیسا کہ ان میں سلاطین کے واسطے سجدہ تعظیمًا مروج تھا۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قیام تعظیمی سے منع کیا۔ خلاصہ حاشیہ طیبی میں ہے:۔ قال النووی القیام للقادم من اہل الفضل مستحب وقال الغزالی المنہی القیام للتعظیم لا علی سبیل الاکرام انتہی۔

زیادہ بریں این ست کہ قیام خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ اور نسائیؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے:۔ قالت ما رأیت احدا اشبہ سمتا ولا ہدیا برسول اللہ من فاطمۃ فی قیامہا وقعودہا وکانت اذا دخلت علیہ قام الیہا وقبلہا واجلسہا فی مجلسہ الحدیث۔

الحاصل قیام کی محبت رکھنا یا اس کا التزام کرنا جیسا کہ امر ضروریہ کا التزام ہوتا ہے یا بنظر تعظیم عجمی کے

قیام کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن قیام واسطے اکرام آنے والے کے مطلقاً ممنوع نہیں اور اس کی نہی میں کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ احادیث اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ وھذا ھو مذھب العلماء المحققین و مسلک الفقہاء والمحدثین۔ واللہ اعلم۔

ڈاڑھی کو اوپر چڑھانا

سوال (۸۰۱) ٹھوڑی پر ڈاڑھی کو اوپر چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ جائز نہیں۔ ابو داؤدؒ اور نسائیؒ رویفعؓ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں:۔ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول یا رویفع لعل الحیوۃ ستطول بک بعدی فاخبر الناس من عقد لحیتہ او تقلد بہ وترا او استنجی برجیع دابۃ او عظم فان محمدًا بریٔ منہ۔

ابن الاثیرؒ نہایۃ غریب الحدیث میں لفظ عقد کی شرح بیان فرماتے ہیں:۔ قیل کانوا یعقدونہا فی الحرب فامرھم بارسالھا کانوا یفعلون ذلک تکبرًا و تعجبًا انتہی۔

اور مطالب المؤمنین وغیرہ میں ہے:۔ زاد الشیخ محی الدین النووی فی مکروھات اللحیۃ عقدھا وتصفیفھا طاقۃ فوق طاقۃ انتہی۔

چرٹ پینا

سوال (۸۰۲) چرٹ پینا جائز ہے یا نہیں اور بصورت جواز من تشبہ بقوم فھو منھم کا مصداق تو نہ ہوگا۔ اور بصورت مصداق بننے حدیث مذکورہ کے مستحق سزا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ چرٹ پینا مثل حقہ کے مکروہ تحریمی ہے۔ بلکہ چرٹ میں مشابہت نصاریٰ کی بنا پر کراہت زیادہ ہے۔

فاتحہ مروجہ کا شرعی ثبوت

سوال (۸۰۳) موجودہ زمانہ میں فاتحہ کا طریقہ رائج ہے کہ مٹھائی یا کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر سورۂ فاتحہ واخلاص وغیرہ پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرتے ہیں تو کیا یہ طریقہ جائز ہے۔ اور میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ بمذہب اہل سنت میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا بھی رفع درجات کا باعث ہے۔ لیکن جو مروجہ طریقہ کہ شیرینی وغیرہ سامنے رکھ کر کھڑے ہو کے فاتحہ دیتے ہیں، شرعاً ثابت نہیں واللہ اعلم۔

دارالحرب میں سود لینا

سوال (۸۰۴) دارالحرب کس کو کہتے ہیں اور دارالحرب میں کافروں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دارالحرب میں کافروں سے سود لینا جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ جائز

نہیں قرار دیتے۔ (کذا فی فتح القدیر)۔

اور دار الحرب کافروں کے ایسے ملک کو کہا جاتا ہے، جہاں تمام احکام وقوانین کفریہ ہوں، کوئی حکم اسلامی نہ ہو، بلکہ احکام اسلام کے اجراء سے کفار مانع ہوں اور ان کی بلا اجازت و بغیر امان کے کوئی مسلمان نہ ٹھہر سکے (کذا یفہم من تقریر الامام محمد فی الزیادات)۔

یوم عاشورہ کو عید کی طرح تزیین کرنا

سوال (۸۰۵) عاشورہ کے روز ایام عید کی طرح زینت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- بدعت ہے۔ اور بعض حضرات جواز کے قائل ہیں اور تائید میں احادیث پیش کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھو جواز پر دلالت کرنے والی تمام احادیث موضوعہ ہیں۔ علامہ زماں احمد ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں:- مایذکرون فی فضائل عاشوراء وما ورد من التوسعۃ علی العیال وفضائل المصافحۃ والحناء والخضاب والاغتسال ونحو ذلک ویذکرون فیہا صلوٰۃ کل ہذا کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یصح فی عاشوراء الا فضل صیامہ انتہیٰ۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:- قد یروج علی کثیر ممن ینتسب الی السنۃ احادیث یظنونہا من السنۃ وہی کذب باتفاق اہل المعرفۃ کالاحادیث المرویۃ فی فضائل عاشوراء وفضل الکحل فیہ والاغتسال والخضاب والمصافحۃ ونحو ذلک انتہیٰ۔

علامہ شمس الدین السخاویؒ نے مقاصد حسنہ میں حدیث کحل کو موضوع قرار دیا۔ چنانچہ حرف المیم کے اندر بیان کرتے ہیں:- من اکتحل بالاثمد یوم عاشوراء لم ترمد عینہ ابداً الحاکم والدیلمی من حدیث جویبر عن الضحاک عن ابن عباس بہ مرفوعاً قال الحاکم انہ منکر قلت بل موضوع اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات من ہذا الوجہ من حدیث ابی ہریرۃ انتہیٰ۔

اور توسع فی العیال کی حدیث کو حسن لکھ کر فرماتے ہیں:- من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ السنۃ کلہا الطبرانی والبیہقی فی الشعب وفضائل الاوقات وابو الشیخ عن ابن مسعودؓ والاولان فقط عن ابی سعیدؓ والثانی فقط عن ابی ہریرۃؓ وجابرؓ العراقی فی امالیہ لحدیث ابی ہریرۃؓ لہ طرق صحح بعضہا ابن ناصر الحافظ انتہیٰ۔

غرضیکہ یوم عاشورہ میں روزہ کی سنت تو احادیث صحاح سے ثابت ہے اور وسعت فی العیال کی سنیت حدیث حسن سے ہے لہٰذا روزہ اور وسعت فی العیال کے علاوہ دوسرا کام مسنون سمجھ کر نہ کرنا چاہیے واللہ اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ۔

ناچ اور گانوں کی مجلسوں میں شریک ہونا

سوال (۸۰۶) ایک شخص قوم چمار سے ہے اور اب تک وہ اپنے آبا و اجداد کے دین پر ہے لیکن

مالدار ہے۔ اس نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور اس میں تمام رسومات مثلاً شراب خوری و باجا و ناچ و آتشبازی و پوجا اپنے دیوتاؤں کی وغیرہم بڑی دھوم دھام سے کی، چنانچہ صرف شراب دو ہزار روپیہ کی آئی تھی۔ وقس علیٰ ہذا سب سامان مہیا کیا اور چند اہل ایمان کی بھی دعوت کی اور مسلمانوں نے انکار کیا۔ تب اُس نے ایک مولوی صاحب کی کچھ نذر کی۔ مولوی صاحب نے اپنا پیٹ بھر کر کہدیا کہ اس کی دعوت میں شرکت کرنا درست ہے۔ ان کے حسب ارشاد ان کے ساتھ چند اور مسلمانوں نے بھی دعوت قبول کی اور اس کے ہاں جا کر کھانا کھایا، باوجودیکہ اشیاء مذکورہ موجود تھیں۔ اب عوام الناس میں بڑا فساد برپا ہے بعض کہتے ہیں کہ ایسی دعوت لینی درست ہے۔ ورنہ فلانے مولوی صاحب کیوں لیتے، بعض کہتے ہیں کہ نادرست ہے کیونکہ ایک تو وہ چمار ہے۔ دوسرے وہاں پوجا و رقص و سرود و شراب خوری وغیرہ موجود تھا۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں گذارش یہ ہے کہ بلند جس قدر جلد ہو سکے موافق اصول دینیہ آپ رقم فرمائیے کہ مولوی صاحب مذکور کا کہنا حق تھا یا ناحق۔ اگر حق تھا تو اس کی حقیقت اور دلیل، اگر ناحق تھا تو ان پر کیا لازم ہے۔ اور چمار کی دعوت قبول کرنی مسلمانوں کو درست ہے یا نہیں اور جو شخص اس کی اس قسم کی مجلس میں جاوے اور کھاوے اور اس کی مجلس کو زینت دے وہ فاسق ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ ایسی مجلس دعوت میں کہ وہاں ناچ و باجا و شراب خوری و پوجا وغیرہ افعال محرمہ و اطوار شرکیہ موجود ہوں اور ان امور کا ہونا پہلے سے معلوم ہووے، کسی مسلمان کو جانا اور شرکت کرنا درست نہیں ہے بلکہ ایسے امور میں برضا و رغبت شرکت کرنا فسق ہے۔ اور اگر ان امور کا ہونا پہلے سے معلوم نہیں تھا بلکہ بعد جانے کے صاحب دعوت کے مکان پر معلوم ہوا پس اگر محرمات اسی مقام پر ہوں جہاں کھانا کھایا جاتا ہے۔ وہاں سے واپس آنا لازم ہے اور شریک ہونا اور اس مجلس میں دعوت کھانا نہیں درست ہے اور اگر اس مقام پر نہ ہوں بلکہ دوسرے درجے میں ہوں اس صورت میں اگر یہ شخص جس کی دعوت کی گئی ہے مقتدا ہے مثلاً عالم یا مفتی ہے اس کو دعوت کھانا درست نہیں ہے، اگر مقتدا نہیں ہے تو اس کو شریک ہونا درست ہے مگر بشرط قدرت منکرات سے منع کرنا لازم ہے۔ در مختار میں ہے:۔ دعی الی ولیمۃ وثمہ لعب او غناء قعد واکل لو المنکر فی المنزل فلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضاً فان قدر علی المنع فعل والا صبر ان لم یکن ممن یقتدی بہ فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع خرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین وان علم اولاً باللعب لا یحضر اصلاً سواء کان ممن یقتدی بہ اولا لان حق الدعوۃ انما یلزمہ بعد الحضور لا قبلہ انتہی ملخصا۔

جمعۃ الوداع میں الوداع یا الفراق کے الفاظ کہنا

سوال (۲۰۰۷) خطبہ آخر جمعہ رمضان میں الوداع یا الفراق پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال ۲ :- مردے کو قبر میں جمالِ مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دکھایا جاتا ہے یا نہیں؟
جواب :- الوداع یا الفراق کا خطبہ رمضان میں پڑھنا اور کلمات حسرت و رخصت کے ادا کرنا فی نفسہ امر مباح ہے۔ بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت و توبہ سامعان ہوئے تو امید ثواب ہے، مگر اس طریقہ کا ثبوت قرون ثلثہ میں نہیں ہے البتہ آخر شعبان میں خطبۂ استقبالِ رمضان احادیث میں وارد ہے جیساکہ درمنثور میں ہے اخرج العقیلی وضعفہ ابن خزیمۃ والبیہقی والخطیب والاصبہانی عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخر یوم من شعبان فقال الحدیث بطولہ۔
اور شاید جس نے اس طریقہ کا ایجاد کیا اس نے خطبۂ آخر رمضان کو خطبۂ استقبال پر قیاس کیا لیکن اہتمام کرنا خطبہ وداع کا جیساکہ اس زمانہ میں مروج ہے اور اس کو حد التزام تک پہنچانا خالی ابتداع سے نہیں علمائے معتمدین کو لازم ہے کہ اس طریقہ کے التزام کو چھوڑیں تا عوام اعتقاد و استحباب و سنیت بلکہ ضروری ہونے اس طریقہ خاص سے نجات پاویں۔
جواب ۲ :- اور مُردے کو قبر میں جمال مبارک کا دیکھنا نہیں ثابت ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ کے رسالہ شرح الصدور میں مرقوم ہے:- سئل الحافظ ابن حجر هل یکشف للمیت حتی یری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجاب لم یرد هذا فی حدیث وانما ادعاه بعض من لا یحتج به بغیر مستند سوی قوله فی هذا الرجل ولا حجة فیه لان الاشارة الی الحاضر فی الذهن انتهی واللہ اعلم۔

کفار سے احتراز کرنا

سوال (۸۰۸) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو تم سے احتراز کرے تم بھی اس سے احتراز کرو۔ کیا یہ احتراز صرف اکل و شرب میں ہے یا تمام امور موانست و مشاورت وغیرہ میں
جواب :- تمام امور موانست و مشاورت اور محبت میں کفار سے احتراز کرنا اولیٰ و افضل ہے

کتا پالنا

سوال (۸۰۹) کتا جو بہت ہی پلید اور نجس العین ہے اس کا پالنا کیسا ہے۔ اور اس کے گھر میں ہوتے ہوئے ملائکۂ رحمت کو گھر میں آنے سے روکتے ہیں یا نہیں؟
جواب :- اگر شکار یا زراعت اور جانوروں کی حفاظت یا گھر کی چوکیداری کے لئے بوقت ضرورت پالا جائے تو بوقت ضرورت جائز ہے ورنہ بغیر ضرورت پالنا ناجائز اور اعمالِ صالحہ و ثواب کے بطلان اور محرومی کا سبب ہوگا۔ مؤطا امام محمد میں ہے: اخبرنا مالک اخبرنا یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید

لہ ولا نعلم حدیثا صحیحا مرویا فی ذلک والقائل به اسند بمجرد ان الاشارة لا تکون الا للحاضر قبل ان تکون الاشارة طاف الذهن فتکون مجازا کذا فی ارشاد الساری۔

اخبرہ انہ سمع سفیان بن ابی زھیر یحدث وانا سامعہ وھو عند باب المسجد قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول من اقتنی کلبا لا یغنی بہ زرعا ولا ضرعا نقص من عملہ کل یوم قیراط قال محمد یکرہ اقتناء الکلب بغیر منفعۃ واما کلب الزرع او الضرع او الصید او الحرس فلا باس اخبرنا مالک عن عبد الملک بن میسرۃ عن ابراھیم النخعی قال رخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لاھل بیت القاصی فی الکلب یتخذ و نہ قال محمد فھذا للحرس اخبرنا مالک اخبرنا عبد اللہ بن دینار عن ابن عمرؓ قال من اقتنی کلبا الا کلبا ماشیا او ضاریا نقص من عملہ کل یوم قیراطان انتہی ملخصا۔

اور احادیثِ صحاح میں ہے کہ کتے کا پالنا اور اس کا گھر میں ہونا ملائکۂ رحمت کو گھر میں آنے سے روک دیتا ہے۔ علامہ سیوطی اپنے رسالہ الحبائک فی اخبار الملائک میں لکھتے ہیں:۔

اخرج ابن ماجۃ عن علی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الملائکۃ لا تدخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ واخرج احمد ومسلم وابو داؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تصحب الملائکۃ رفقۃ فیھا کلب ولا جرس واخرج ابو داؤد والنسائی والحاکم عن علی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب انتہی۔

عورت کے لیئے اپنے شوہر اور والدین کی اطاعت

سوال (۸۱۰) اگر عورت اپنے شوہر کی بات نہ مانے اور باوجود فہمائش کے اطاعت نہ کرے تو شوہر کیا صورت اختیار کرے۔ اور عورت کے لیئے والدین کی اطاعت مقدم ہے یا اپنے شوہر کی؟۔

جواب:۔ شوہر کی اطاعت مقدم ہے اور جو عورت شوہر کی نافرمانی کرنے میں جری ہو تو شوہر اولاً زبانی فہمائش کرے اور اگر یہ مؤثر نہ ہو تو ترکِ کلام اور ترکِ مجامعت کردے تاکہ اس کو تنبیہ ہو جائے۔ اور اگر یہ نسخہ بھی کارآمد نہ ہو تو پھر ضرورت کے مطابق مارنا بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَ اھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا۔

(ترجمہ) اور جن کی بدخوئی کا تم کو ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو۔ پھر اگر وہ کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی۔

اور حکیم ترمذیؒ نوادر الاصول میں حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں:۔ ان رجلا انطلق غازیا واوصی امرأتہ ان لا تنزل من فوق البیت وکان والدھا فی اسفل البیت فاشتکی ابوھا فارسلت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخبرہ وتستامرہ فارسل الیھا اتقی اللہ واطیعی زوجک ثم ان والدھا توفی فارسلت الیہ تستامرہ فارسل الیھا بمثل ذلک۔

بزار اور طبرانی اوسط میں حضرت عائشہؓ سے تخریج کرتے ہیں:۔ سألت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ای الناس اعظم حقا علی الرجل قال امہ۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی اپنی سنن میں ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:۔ قولہ تعالیٰ والّٰتی تخافون نشوزھن قال تلک المرأۃ تنشز وتستخف بحق زوجھا ولاتطیع امرہ فامر اللہ ان یعظھا ویذکرھا باللہ فان قبلت والا یھجرھا فی المضاجع ولا یکلمھا من غیران یذر نکاحھا فان رجعت والا ضربھا ضربا غیر مبرح ولا یکسر لھا عظما ولا یجرح جرحا (کذا فی الدر المنثور لجلال الدین السیوطی)

سیاہ رنگ کا خضاب لگانا

سوال (۸۱۱) سیاہ وسمہ سے ڈاڑھی کے سفید بالوں پر خضاب کرنا حرام محض ہے اور اس کا مرتکب صرف خاطی ہے یا مرتکب گناہ؟

جواب:۔ خضاب برنگ سیاہ خالص ممنوع و گناہ کبیرہ ہے۔ ابن حجرؒ مکی نے زواجر میں اس کو کبائر میں شمار کیا ہے اس وجہ سے کہ حدیث میں وارد ہے:۔

یکون فی اٰخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ۔ رواہ ابوداؤد والنسائی۔

یعنی آخر زمان میں ایسے لوگ ہوں گے کہ سیاہ خضاب کریں گے مانند رنگ پوٹوں کبوتروں کے، وہ نہ پاویں گے بوئے جنت کو۔

اور طبرانی نے روایت کیا:۔

من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیٰمۃ۔

یعنی جو شخص سیاہ خضاب کرے گا بروز قیامت حق تعالیٰ اس کو روسیاہ کرے گا۔

اور ملا علی قاری شرح شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں:۔ ذھب اکثر العلماء الی کراھۃ الخضاب بالسواد وجنح النوری الی انھا کراھۃ تحریم وان من العلماء من رخص فیہ للجھاد ولم یرخص فیہ لغیرہ انتھی۔

پس برگ نیل سے اگر سیاہ خضاب ہووے وہ ممنوع ہے مثل اس کے کہ پہلے بالوں کو مہندی سے رنگین کرے اور اس کے بعد استعمال نیل کا کرے، اس صورت میں رنگ سیاہ ہوتا ہے اور اگر رنگ خالص سیاہ نہ ہووے نیل کے ساتھ مہندی وغیرہ شریک کی جاوے جس سے رنگ مائل بہ سرخی ہو تو درست ہے، جیسا امام محمدؒ مؤطا میں لکھتے ہیں:۔ لا نری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرۃ باسا انتھی واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیؒ۔

سانڈ کا گوشت کھانا

سوال (۸۱۲) غیر مملوکہ سانڈ کو خدا کے نام پر ذبح کرکے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں جائز ہوگا جب تک کہ مالک اس کا اجازت نہ دیوے اس وجہ سے کہ چھوڑ دینا کسی جانور کا بغیر اجازت اس شخص کے جو پاوے ملکِ مالک سے اس کو نہیں نکالتا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:۔ المختار فی الصید انہ لا یملکہ اذا لم یجد وکذا فی الدابۃ اذا سیبھا کما بسطہ الشرنبلالی انتھی۔

اور درمختار میں ہے:۔ ان کان مرسلا فھو مال الغیر فلا یجوز تناولہ الا باذن صاحبہ زیلعی انتھی واللہ اعلم

شیر کی چربی سے مالش کرنا

سوال (۸۱۳) کسی علاج میں شیر کی چربی سے مالش کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بغیر دھوئے نماز ہوجائیگی یا اس کو دھونا پڑے گا؟

جواب:- چربی شیر کی حرام اور نجس ہے اور تداوی بالمحرم میں اختلاف فقہاء کا ہے بعض ممنوع کہتے ہیں اور بعض بشرط ضرورت اس طرح پرکہ باخبار طبیب حاذق مسلم کے یہ معلوم ہوکہ اس مرض کی کوئی اور دوا نہیں ہے اور اس میں شفاء مظنون ہے جائز رکھتے ہیں جیساکہ درمختار میں ہے:- اختلف فی التداوی بالمحرم فظاھر المذھب المنع کمافی رضاع البحر لکن نقل المصنف عن الحاوی قیل ترخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان وعلیہ الفتوی انتھی وبرتقدیر استعمال بغیر دھوئے ہوئے کوئی نماز نہیں جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

سرخ اور سیاہ خضاب

سوال (۸۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خضاب کرنا مسنون ہے توکس چیز کا، اور کس حدیث سے ثابت ہے جس چیز کا مسنون ہے اس کے سوا دوسری چیز کا خضاب جیسے وسمہ نیل کا یا دوسرا نسخہ ہو توکیا حکم ہے۔ اگر ممانعت ہے توکس حدیث سے، اور جائز ہے توکس حال میں یعنی روزگار پیشہ کو یا ہر شخص کو اور اگر ممانعت ہے توکس طرح سے اور اس کے خلاف روی میں کس طرح کا عذاب ہوگا یا کس نعیم جنت سے محروم رہے گا صاف صاف بیان فرمائیے اور اس کا جواز اور حرمت متفق علیہ یا مختلف فیہ ہو تو ویسا ارقام فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

جواب:- خضاب کرنا سرخ یا زرد یا اور کسی کا سوائے سیاہی خالص کے مستحب ہے اور خضاب نہ کرنا اور سفیدی قائم رکھنا بھی جائز ہے اور سیاہ خضاب ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے:- الخضاب بالحناء حسن۔

اور صحیح مسلم میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:-

غیروا ھذا الشیب واجتنبوا السواد — یعنی تغیر کرو سپیدی کو اور اجتناب کرو سیاہی سے۔

اور سنن ابی داؤد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:-

یکون فی اٰخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لایجدون رائحۃ الجنۃ۔ — یعنی آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے کہ خضاب سیاہ کریں گے مثل رنگ کبوتر کے پوٹوں کے، وہ لوگ نہ پاویں گے بوئے جنت کو۔

اور معجم طبرانی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:-

من خضب بالسواد سود اللہ — یعنی جو شخص سیاہ خضاب کرے گا۔ قیامت کے روز

وجھہ یوم القیمۃ انتہی۔ رو سیاہ محشور ہوگا۔

اور شیخ دہلویؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔ خضاب بحنا باتفاق جائز است ومختار در سواد حرمت است انتہی۔ اور خضاب وسمہ یعنی نیل کا اگر بغیر اشتراک مہندی وغیرہ کے ہو کہ جس سے سیاہی خالص حاصل نہیں ہوتی بلکہ سیاہی مائل بسبزی ہو تو وہ درست ہے جیسا کہ امام محمدؒ موطا میں لکھتے ہیں:۔ لا نری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرۃ باسا وان ترکہ ابیض فلا باس بذلک کل حسن انتہی۔

اور اگر بشرکت مہندی ہو یا اور کوئی نسخہ ہو جس سے رنگ بالکل سیاہ ہو تو وہ حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

حشرات الارض کو دوا استعمال کرنا

سوال (۵۱۵) کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ذی علم ہے جس کو فی الجملہ تمیز کتاب وسنت کی، اور کتب فقہ میں مثل علما اس زمانہ کے نظر وقدرت رکھتا ہے۔ وہ شخص ایک عارضہ سخت میں بیمار ہے اور علاج بقدر امکان بہت کیا ہے مگر اطبا وہاں کے دوا اس عارضہ کی ایسی مجرب اور قوی العمل نہیں دے سکے جس سے صحت ہو مگر اس کے واسطے بعض جانور حشرات الارض سے تجویز کرتے ہیں وہ بحسب تصریحات کتب اور تجربۂ اطبا اس زمانے کے بہت مجرب ہیں، پس بنظر اختلاف فقہا بمسئلہ تداوی بالحرام وبنظر عبارت مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد کے اور بنظر اختیار صاحب ہدایہ کے جو تجنیس میں لکھا ہے وہ شخص دوائے مذکور کو حالت موجودہ مصرحۂ صدر میں اکلاً استعمال کر سکتا ہے یا نہیں، حکم اس مسئلہ کا بملاحظہ رد المحتار حاشیۂ شامی وہدایہ وشرح ہدایہ وغیرہ وملاحظہ صحاح درخصوص حدیث عرنیین بمادۂ استعمال شتر کے بسند کتاب ارقام فرمایا جاوے عبارت مرقاۃ الصعود کی یہ ہے:۔ قولہ ولا تداووا بالحرام قال البیہقی فی سننہ ھذا الحدیث وحدیث النہی عن الدواء الخبیث ان صحا محمولان علی النہی عن التداوی بالمسکر وعن التداوی بکل حرام فی غیر حال الضرورۃ لیکون جمعا بینھما وبین حدیث العرنیین۔

جواب:۔ ہرچند کہ اس باب میں فقہار کا بڑا اختلاف واقع ہے اور فتویٰ بھی مختلف ہے۔ ایک جماعت فقہا، کی مطلقاً عدم جواز تداوی کے فتویٰ دیتی ہے اور ایک جماعت بضرورت تداوی بالمحرم جائز رکھتی ہے لیکن بظاہر اگر کوئی شخص موافق فتویٰ جم غفیر علما عبارت محض محدثین عند الضرورت استعمال اشیاء محرمہ کا کرے گا مواخذہ نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں:۔ اجابوا عن حدیث العرنیین بانہ قد کان للضرورۃ فلیس فیہ دلیل علی انہ مباح فی غیر حل الضرورۃ لانہ ثمہ اشیاء ابیحت فی الضرورات ولم تبح فی غیرھا کما فی لبس الحریر فانہ حرام للرجال وقد ابیح لبسہ فی الحرب اوللحکۃ اولشدۃ البرد اذا لم یجد غیرہ ولہ امثلۃ کثیرۃ فی الشرع وقال ابن حزم صح یقینا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما امرھم بذلک

علی سبیل التداوی من السقم الذی کان اصابھم والتداوی منزلہ ضرورۃ وقد قال اللہ تعالیٰ الا ما اضطررتم الیہ فما اضطرالیہ فھو غیر محرم علیہ من الاکل والشرب انتھیٰ۔ واللہ اعلم۔

واقعہ شہادتِ حسین بیان کرنے کے لیے مجلس منعقد کرنا

سوال (۸۱۶) سوانح اور وقائع شہادت امام حسینؓ وغیرہا میں سامان کرنا اور اس پر رونا اور رُلانا اور اس کے واسطے انعقاد مجلس تعزیت کرنا موجبِ ثواب ہے یا باعثِ عقاب علی قول مفتی بہ اور نوحہ اور مرثیہ خوانی کہ جس پر وعید نازل ہوئی اس کی یہی حقیقت ہے کہ موتی کے مصائب و تکالیف بیان کی جاویں یا کچھ اور؟ بینوا مستندین بالکتاب۔

جواب:۔ میت کے محاسن کو ذکر کرنا اور اس پر اظہارِ افسوس کرنا ممنوع نہیں بلکہ بلاقصد وارادہ بآوازِ بلند رونا بھی ممنوع نہیں۔ البتہ عمداً آواز بلند کرنا یا اس کے مصائب ومناقب بیان کرکے رونا ممنوع اور داخلِ نوحہ ہے۔ شیخ الاسلام محدث کشف الغمۃ میں فرماتے ہیں:۔

گریستن بنوحہ بلند کہ آں را در احادیث آوازِ شیطان خواندہ خصوص کہ با ذکر مناقب مردہ جمع کنند چنانچہ عادت جاہلیت ست۔ در قنیہ گفتہ مذکور در کتب آں ست کہ حرام است مطلقاً اما اصل ثنا و ذکر محاسن مردہ بروجہ جائز است بلاکراہت وہمچنیں اصل گریستن کہ ناشی از رقت قلب باشد بے جزع واضطراب لاباس بہ است بلکہ آں را در احادیث رحمت خواندہ وازاں حضرت در وقائع متعددہ وقوع یافتہ انتہیٰ۔

اور شہادت کے محض واقعات بیان کرکے رونا بشرطیکہ نوحہ وغیرہ سے خالی ہو اور عقدِ مجلس بھی نہ ہو جس میں روافض کے ساتھ تشبہ ہوتا ہے تو درست اور صحیح ہے اور محض اس کے لیے مجلس منعقد کرنا تشبہ اور کراہت سے خالی نہیں۔

جامع الرموز میں ہے:۔ اذا اراد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابۃ لئلا یشابہ الروافض کما فی العون۔

اور صراطِ مستقیم میں ہے:۔ ذکر قصہ شہادت بعقد مجلس بایں طور کہ مردم بشنوند وتاسفہا نمایند وگریہ وزاری کنند ہر چند در نظرِ ظاہر خللے در آں ظاہر نمی شود، اما فی الحقیقت آں ہم مذموم ومکروہ است۔

اور مجالس الابرار میں ہے:۔ قد روی احمد وابن ماجۃ عن فاطمۃ بنت الحسین عن ابیہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مسلم یصاب المصیبۃ فیذکرھا وان قدم عہدھا فیحدث لہا الاسترجاع الاکتب لہ اجر مثلہا یوم اصیب وھذا الحدیث رواہ الحسین وعنہ ابنتہ التی شہدت مصرعہ وقد ثبت فی علمہ ان مصیبۃ الحسین یذکر مع تقادم العہد وکان من سنۃ الاسلام ان تجری ھذہ السنۃ کلما ذکر تلک المصیبۃ بان یسترجع لہا فیکون للانسان من الاجر الذی کان لمن استرجع یوم اصیب المسلمون لہا انتہیٰ۔

کسی تحریر کو شیطان کی آنت کیساتھ تشبیہ دینا

سوال (۸۱۷) زید نے ایک عبارت دوسرے کے اخبار سے اپنے اخبار میں بغرضِ اعلان اور اشاعت کے نقل کر کے چھاپی وہی ہذہ عبارت لفافہ خط کی مختصر ہونی چاہیئے نہ طول طویل مثل شیطان کی آنت کے مثلاً انشاء اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ لفافہ ہذا درخاص شہر فلاں ومحلہ فلاں ٹکٹ لگایا گیا وغیرہ اس کو عمرو نے دیکھ کے کہا، آپ ایسے ثقہ اور دیندار کے اخبار میں نسبت الفاظ معظمہ انشاء اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ کے شیطان کی آنت لکھنا سوء ادبی بلکہ منجر بکفر ہے کہ توہین استعانت باری تعالیٰ شانہ نکلتی ہے، ایسے امور کا لحاظ رکھیئے۔ زید نے اس کے جواب میں کہا کہ ہرگز اس میں سوء ادبی اور انجرار بکفر لازم نہیں آتا اس واسطے ہم نے حکم طول طویل شیطان کی آنت کا نسبت کل عبارت مذکور کے دیا ہے اور جو حکم کل کا ہووے وہی اس کے اجزاء کا ہو ضروری نہیں، اگر بالفرض تحریر اس فقرہ کی منجر بکفر اور بے ادبی کے ہو تو ناقل اس کا بری ہے کہ نقلِ کفر کفر نباشد۔ انتہی پس تاویل اور توجیہ کرنے والا اس کا از روئے آداب شریعت محمدیہ کے کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر مقصود توہین اسم باری عزشانہ ہوتی، اس قسم کی عبارت موجب کفر ہو جاتی اور ہرگاہ مقصود توہین نہیں اور حکم ساتھ اس عبارت قبیحہ کے مجموع من حیث المجموع پر ہے صرف انشاء اللہ پر نہیں، اس وجہ سے کفر نہ ہوگا مگر چونکہ ظاہر عبارت سے ایہام خلاف مقصود کا بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ایسی عبارت کے ساتھ تکلم منع ہے اور خالی سوء ادبی سے نہیں ہے اور توجیہ اور بیان مقصود رافع سوء ادبی کا نہیں ہوسکتا۔ ردالمحتار علی الدر المختار میں تحت قول صاحب درمختار میں ہے:۔ ذکرہ قولہ فی دعائہ بمعقد عز من عرشک ھی مجرد الایھام کاف فی المنع عن التکلم بھذا الکلام وان احتمل معنی صحیحا ولنا علل المشائخ بقولھم لانہ یوھم تعلق عزہ بالعرش ونظیرہ ما قالوا فی انا مؤمن ان شاء اللہ فانھم کرھوا ذلک وان قصد التبرک دون التعلیق لما فیہ من الابھام انتہی اور بھی ردالمحتار میں تحت قول صاحب درمختار کے کذا قول شیئ للہ قیل یکفرہ مرقوم ہے:۔ لعل وجھہ انہ طلب شیئا للہ واللہ غنی عن کل شیئ والکل مفتقر ومحتاج الیہ وینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانہ یمکن ان یقول اردت ان اطلب شیئا اکراما للہ۔ شرح الرھبانیۃ قلت فینبغی او یجب التباعد عن ھذہ العبارۃ انتہی۔

یہاں سے معلوم ہو کہ اس قسم کی عبارتیں محتمل معنی غیر مشروع کو ہوں اگرچہ مراد ان سے معنی صحیحہ ہوں تکلم کے ساتھ ان کے ناجائز ہے اور نقلِ کفر اگرچہ کفر نہیں لیکن سوء ادبی سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

طالبِ اسلام کو مسلمان نہ بنانا

سوال (۸۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کے پاس ایک مسماۃ قوم ہنود سے آئی اور بیان کیا کہ میں مسلمان ہوں، یعنی مسلمان کے ساتھ، گھر سے خاوند کو ترک کر کے رہتی ہوں، مجھے دین محمدیؐ میں آنا منظور ہے۔ اچھی طرح مجھے کلمہ پڑھا دو۔ زید نے محض انکار کر کے جواب دیا کہ بخوف سرکار ہم لیا

نہیں کریں گے۔ مسماۃ نے زید سے کہا۔ میں ایک سال سے پاس مسلمان کے ہوں جس کو زید جانتا تھا اگر دعویٰ ہے خاوند کو تو وہ زیور کا مدعی ہے عدالت میں نہ میرا، کیونکہ میں اس کے کام کی کسب ہوں، اور میں دوسرے مذہب میں آگئی ہوں، مگر زید نے جواب وہی دیا۔ ہرگز کلمہ نہ پڑھایا، واقعی جب وہ مسلمان کے گھر ہے اور اس کے خاوند کو دعویٰ عورت کا نہیں بلکہ زیور کا ہے اور اس کا علم ہے تو جواب دینا اور اس کو باقاعدہ کلمہ نہ پڑھانا کیسا ہے؟

جواب:۔ مذکورہ صورت میں کلمہ نہ پڑھانا اور مسلمان نہ بنانا حرام ہے۔

خائن اور سود پر روپیہ لینے والے کا حکم

سوال (۸۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے بکر سے پچاس روپیہ قرض لے کر سودی ایک روپیہ ماہواری پر صاف تمسک لکھدیا، چند سال تک تبدیلی تمسک کرتا رہا، بعدہٗ عزم بیت اللہ شریف کیا۔ زید نے بکر سے درخواست حج کو جانے اور تہیدستی ادائے قرضہ مذکورہ کی بیان کی۔ بکر نے وہ قرضہ مع سود کے معاف کیا۔ زید روانہ حج کو ہوا صرف بیت اللہ شریف جا کر حج کر کے مکان پر واپس آیا۔ زید جہاز پر سوار ہوا۔ ایک شخص مسافر اس طرف کا جانے والا جس مقام پر مکان زید کا تھا۔ جہاز پر ساتھی ہوا وہ علیل ہوا۔ اس نے دو اشرفی دیں کہ میرے مکان میں لڑکے کو دینا، وہ مسافر مر گیا۔ جب زید مکان پر پہنچا، مسافر کے لڑکے کو خبر ہوئی وہ متقاضی ہوا۔ بمشکل تمام نصف سے کم ادا کیا، مابقی کا عذر ہے آرے، بلے ہوتا ہے۔ اس نے تقاضا ترک کیا محول بقیامت کردیا اور اب بھی زید سودی روپیہ اپنے صرف میں لاتا ہے۔ بروئے حکم شرع شریف کیا ہے؟

جواب:۔ زید اس صورت میں بوجہ ارتکاب ان امور کے فاسق ہے۔ اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔ ایک تو بوجہ خیانت کے کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا۔

اور حدیث صحیح میں وارد ہے:۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ۔

دوسرے بوجہ سود دینے اور سودی قرضہ لینے کے۔

حدیث صحیح میں وارد ہے:۔ لعن اللّٰہ اٰکل الربا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدہ۔

اور قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ الخ فی سورۃ البقرۃ۔ واللّٰہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔

زانیہ اور رقاصہ کی آمدنی کا حکم

سوال (۸۲۰) ایک عورت نے زنا اور رقص کے ذریعہ سے روپیہ پیدا کیا، اس میں سے خیرات کر کے اگر امیدوار ثواب کی ہو تو کافرہ ہو جاوے گی یا مسلمان رہے گی؟

(۲) ایسی عورت کے ہاتھ کوئی چیز بیچ کر اس کے روپے میں سے قیمت لینا حلال ہے یا حرام؟

(۳) کوئی ڈاکٹر یا طبیب عورتِ مذکورہ کا علاج کرے تو حق العلاج اس کے روپیہ میں سے لینا درست ہے یا نہیں؟
(۴) عورتِ مذکورہ کو اپنے گھر میں کرایہ پر رکھ کر اس کے روپیہ میں سے کرایہ لینا کیسا ہے؟
(۵) وہ عورت اگر بلّٰہ کسی کو نذر کرے تو اس کی نذر لینا حلال ہے یا حرام؟
(۶) جو روپیہ اس نے حرامکاری سے پیدا کیا اور جو ناچ گا کے، ان دونوں میں کچھ فرق ہے، یا حرمت میں برابر ہے اُس کے واسطے اور نذر لینے کے واسطے؟
(۷) وہ عورت اگر دعوت کرے یا کچھ تحفہ بھیجے تو اس کو قبول کرنا درست ہے یا نہیں؟
(۸) وہ عورت جس کے پاس مالِ حلال بالکل نہیں، فقط زنا اور رقص کی اجرت کا روپیہ ہے اگر وہ خیرات کرنا چاہے تو کیونکر کرے؟
(۹) اگر وہ عورت قرض لے کر خیرات کرے، اور پھر اپنے روپیہ سے ادا کرے تو ثواب خیرات کا پائے گی یا نہیں؟
(۱۰) اگر قرض لے کر وہ عورت کسی کو نذر دے تو وہ نذر قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۱۱) زنا اور رقص کے صلہ میں اس کی ایک رقم تنخواہ مقرر ہے اس کے سوا بھی اور روپیہ وہ اپنی خوشی سے دیتا ہے جس کی وہ نوکر ہے یہ دونوں رقمیں حرمت میں برابر ہیں یا نہیں؟

جواب:- زنا اور رقص اور غنا کے ذریعہ سے جو مال پیدا ہو وہ خبیث اور حرام ہے اور اس باب میں زنا اور ناچ گانا سب برابر ہیں اور ایسی ہی بذریعہ اجرت کسی معصیت کے جو حاصل ہووے وہ خبیث ہے۔ ہاں وہ مال جو مغنیہ یا زانیہ کو کسی نے بغیر اجرت و بغیر شرط کے ابتداءً تبرع کیا وہ خبیث نہیں ہے اور مالِ خبیث کا حکم یہ ہے کہ کل مال واپس کر دینا اصل مالک کو، اگر معلوم ہو واجب ہے اگر نہ معلوم ہو تو تصدق کل کا واجب ہے۔ لیکن نہ بہ نیت ثواب کے بلکہ بہ نیت فراغ ذمہ کے اور اگر ایسے مال کے تصدق میں نیت طلب ثواب کی جاوے گی، پس اگر حرمت اس مال کی قطعی ہے جیسا کہ مال غصب وغیرہ تو وہ شخص کافر ہو جاوے گا اور اگر قطعی نہیں ہے یعنی دلائل قطعیہ سے نہیں ثابت ہے تو وہ کافر نہ ہوگا جیسے مالِ زنا و رقص کہ اس کی حرمت دلائلِ ظنیہ سے ثابت ہے مگر اس نیت سے وہ شخص قابلِ مؤاخذہ ہوگا اور صدقہ اس کا مقبول نہ ہوگا۔ فان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب رد المحتار۔

حاشیہ درمختار میں کتاب الاجارہ کے باب الاجارۃ الفاسدۃ میں ہے:- فی المنتقی امرأۃ نائحۃ او صاحبۃ طبل او زمر اکتسبت مالا ردتہ علی اربابہ ان علموا والا تتصدق بہ وان من غیر شرط فھولھا وقال الامام الاستاذ لا یطیب والمعروف کالمشروط انتہی قلت وھذا مما یتعین الاخذ بہ فی زماننا لعلمہم انہم لا یذھبون الا باجر البتۃ طحطاوی انتہی۔

اور درمختار کے کتاب الاجارہ کے باب الاجارۃ الفاسد میں ہے :۔ ولا تصح الاجارة لعسب التيس وهو نزوه على الاناث ولا لاجل المعاصي مثل الغنا والنوح والملاهي ولو اخذ بلا شرط يباح انتهى۔

اور بھی اس کی کتاب الزکوٰۃ میں ہے :۔ في شرح الوهبانية عن البزازية انما يكفر اذا تصدق بالحرام القطعي انتهى

ردالمحتار میں ہے :۔ قوله اذا تصدق بالحرام القطعي اي مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله۔

اور شرنبلالی کے رسالہ حفظ الاصغرین عن اعتقاد ان الحرام لا یتعدی الی ذمتین میں ہے :۔ لا يقصد به اي بالتصدق من المال الخبيث تحصيل الثواب بل تفريغ الذمة۔

اور ایسی عورت جس کے پاس مالِ حرام ہے اگر اور مالِ حلال بھی اس کے پاس ہے اور وہ بہ نسبت حرام کے زائد ہے تو اس کی نذر قبول کرنا اور اس کی دعوت کھانا اور اس کا صدقہ اور ہدیہ لینا اور اجرت کرایہ مکان، یا اُجرت علاج وغیرہ لینا درست ہے بشرطیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ یہ جو اس نے دیا ہے عین مالِ حرام سے ہے اور اگر یہ معلوم ہو یا یہ کہ مال حرام ہو تو کچھ نہیں درست ہے۔

اشباہ والنظائر میں ہے :۔ اذا كان غالب مال المهدي حلالاً فلا باس بقبول هديته اكل ماله ما لم يتبين انه من حرام وان كان غالب ماله الحرام لا يقبلها ولا ياكل الا اذا قال انه حلال ورثه او استقرضه انتهى۔

اور حفظ الاصغرین میں ہے :۔ فان قلت كيف ساغ الفقير تناول ما فيه خبث قلت محله عدم علمه بحقيقة الحال وان علم به فهو كغيره لا يحل له انتهى۔

اور خزانۃ الروایات میں ہے :۔ في ملتقط الناصري اكل الربا وكاسب حرام اهدى اليه او اضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا ياكل ما لم يخبره ان ذالك المال حلال ورثه او استقرضه وان كان غالب ماله حلالا لا باس بقبول هديته والاكل منه انتهى۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر وہ شخص کہ کل مال اس کا حرام ہے وہ اگر خیرات کرنا چاہے تو قرض لے کے کرے اور اپنے مالِ خبیث سے اس قرض کو ادا کرے اور قرض لے کر جو وہ دے گا اس کا ثواب اس کو ملے گا اور نذر تحفہ وغیرہ بھی اس سے لینا بھی درست ہونا حفظ الاصغرین میں ہے :۔ في الخلاصة قال في شرح حيل الخصاف لشمس الائمة ان الشيخ ابا القاسم كان من ياخذ جائزة السلطان وكان يستقرض جميع حوائجه ويقضي دينه بما ياخذه من الجائزة انتهى۔ والله اعلم۔

ذکرِ الٰہی کے ساتھ وجد اور رقص کرنا

سوال (۱۱۲۸) عوام وخواص بعض اوقات ذکرِ الٰہی کرتے کرتے وجد و رقص کرنے لگتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں تو کیا ایسا کرنا ان کے لیئے جائز ہے؟

جواب۔ اللہ کا ذکر تو بہر حال مستحسن ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر اللہ کرتے تھے اور باری تعالی اولوا الالباب کا وصف بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں :۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ. (ترجمہ) وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

لیکن وجد و رقص کرنا اور تالیاں بجانا اگر انتہائی خوشی اور غلبۂ شوق اور غیر اختیاری طور پر ہو تو وہ شخص معذور سمجھا جائے۔ البتہ اختیاری طور پر ہو تو وہ شخص معذور نہ سمجھا جائے گا۔ اور اختیاری طور پر کرنے کی شرعاً ممانعت ہے۔

نصاب الاحتساب میں ہے:۔ لا یجوز الرقص والسماع ومن اباحہ من المشائخ فذالذین صارت حرکاتہ حرکات الارتعاش وانہ لیس ایۃ فی الشرع رخصۃ وذکر فی العوارف انہ لایلیق بمنصب المشائخ الذین یقتدی بھم لانہ یشبہ اللھو انتہٰی۔

جعفر بن مقلب الاموی الشافعیؒ کی کتاب الامتاع فی احکام السماع میں ہے:۔ ذھبت طائفۃ الی التفرقۃ بین ارباب الاحوال الذین یقومون بوجہ فیجوز لھم الرقص ویکرہ لغیرھم وھذا ما اوردہ الاستاذ ابو منصور واشار الیہ القاضی حسین فی تعلیقہ والغزالی فی الاحیاء انتہٰی۔

ابن القیم الحنبلیؒ کی کتاب اغاثۃ اللھفان عن مکائد الشیطان سے مختصر کردہ کتاب تبعید الشیطان میں ہے:۔ قال ابن عباسؓ کانت قریش یطوفون بالبیت عراۃ ویصفرون ویصفقون وقال مجاھد کانوا یعارضون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الطواف ویصفرون ویصفقون ویخلطون علیہ طوافہ وصلاتہ فالمتقربون الی اللہ بالصفیر والتصفیق اشباہ النوع الاول والمخلطون بہ علی اھل الصلوٰۃ والذکر والقراءۃ اشباہ النوع الثانی انتہٰی

اور اسی میں یہ بھی مکتوب ہے:۔ لم یشرع اللہ التصفیق للرجال عند الحاجۃ فی الصلوٰۃ بل امروا بالعدول الی التسبیح فکیف اذا فعلوہ لا لحاجۃ انتہٰی۔

الدرۃ المنیفۃ شرح الجواہر المنیفۃ۔ بزازیہ اور رد المحتار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے:۔ الرقص والغناء الذی یفعلہ متصوفۃ زماننا عند الذکر حرام انتہٰی۔

ہدایت علی نام رکھنا

سوال (۸۲۲) کسی شخص کا نام ہدایت العلی تھا مگر اس نے اسماء شرکیہ کے ابہام کی وجہ سے اس کو بدل کر ہدایت علی کر لیا۔ اب ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ لفظ ہدایت مشترک ہے ارارۃ طریق اور ایصال الی المطلوب کے معنی میں۔ اور اسی طرح لفظ علی مشترک ہے اسماء الٰہیہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان۔ اس پر ہدایت علی یہ جواب دیتا ہے کہ تو نے تو میری تائید کر دی۔ کیونکہ جب لفظِ ہدایت دو معنی میں مشترک ہے تو اس اعتبار سے چار صورتیں نکلتی ہیں:۔

(۱) ہدایت سے مراد ارارۃ طریق اور علی سے مراد اسم باری ہے

(۲) ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب اور علی سے مراد اسم باری۔

(۳) ہدایت سے مراد ارائۃ طریق اور علی سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔
(۴) ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب اور علی سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔
مذکورہ احتمالات اربعہ میں سے پہلے تین کے بارہ میں تو کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ احتمال رابع ممنوع ہوگا کیونکہ اسماء شرکیہ کا ایک فرد مفہوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا اسم جس میں اسم شرکیہ اور غیر شرکیہ ہونے کا احتمال ہو اس سے احتراز کرنا واجب و ضروری ہے اور اگر کوئی شخص متنازع فیہ اسم پر لفظ عبد اللہ کو قیاس کرکے اسم شرک بتلائے یا وہ یا علی کہنے سے منع کرے تو اس کا اعتراض اور قیاس صحیح ہے یا نہیں اور بصورت صحت اعتراض جواب مجیب کا صحیح رہتا ہے یا نہیں؟

جواب: لفظ علی کہ اسماء الٰہیہ میں سے ہے اس پر الف لام تعظیم کے لیے زائد ہوا کرتا ہے جیسا کہ الفضل اور النعمان میں ہے۔
رضی شرح کافیہ میں لکھتے ہیں:۔ و قد یزاد اللام فی العلم و قال الکوفیون قد یکون اللام للتعظیم کما فی اللہ والاعلام ولا یعرفھا البصریون۔
اور ابن مالک نے الفیہ اور شرح الفیہ میں اعلام پر الف لام کی زیادتی کا ذکر کرکے الفضل ونحو ذلک کے ساتھ مثال پیش کی۔
بہر حال اسماء الٰہیہ میں لفظ اللہ کے ماسوا کسی جگہ بھی لام علم کا جزو نہیں بنتا۔ اور لفظ علی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم ہے اس پر لام داخل نہیں ہوتا۔
بحر العلوم حواشی میر زاہد ملا جلال میں لکھتے ہیں کہ لفظ محمدؐ اور لفظ علیؓ کے ماسوا ہر ایک علم پر لام کا دخول صحیح ہوتا ہے۔ انتہیٰ کلامہ۔
اس تفصیل کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہدایت العلی نام اولیٰ بہ نسبت ہدایت علی کے ہے کیونکہ پہلی صورت میں العلی میں اشتباہ نہیں کہ اس سے مراد کون ہے اور صورت ثانیہ میں علی کہنے میں امر ممنوع کا اشتباہ موجود ہے لہٰذا اشتباہ کی صورت میں احتراز کرنا ہی اولیٰ و افضل ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء حضرات عبد النبی جیسے نام رکھنے سے منع فرماتے ہیں۔ البتہ عبد اللہ وغیرہ میں امر غیر مشروع کا اشتباہ نہیں ہوتا بلکہ یہ نام عبد اللہ محبوب و پسندیدہ ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور اسی طرح یا علی کے ساتھ اگر خدا کو ندا دینا مقصود ہو تو کوئی حرج نہیں بالکل صحیح ہے۔

کسی جانور کا پالنا

سوال (۸۲۳) کسی جانور چرند یا پرند کا پالنا گناہ ہے یا نہیں اور بصورت گناہ اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ اور شکار کرنا کیسا ہے؟۔

جواب: جانور پالنا بطور شوق کے درست ہے بشرطیکہ اس کو تکلیف نہ دے۔ مجتبیٰ شرح مختصر قدوری میں ہے:۔

لاباس بحبس الطیور والدجاج فی بیتہ ولکن یجلفہا انتہی۔
اور ردالمحتار میں فتاوی قاری الہدایہ سے منقول ہے:۔ یجوز حبسہما للاستیناس انتہی۔
اور جامع الرموز میں ہے:۔ لاباس بحبس الطیور والدجاج فی بیتہ ولکن یعلفہا وھو خیر من ارسالہا فی السکک
انتہی اور شکار کرنا جائز ہے بشرطیکہ محض تلعب وایذائے حیوانات مقصود نہ ہو۔ اور بعضوں نے حرفہ بنالینا
مکروہ لکھا، مگر صحیح یہ ہے کہ نہیں مکروہ ہے۔
بزازیہ میں ہے:۔ الصید مباح الا للتلہی او حرفۃ انتہی۔
اور حواشی اشباہ للحموی میں ہے:۔ فیہ نظر لانہ نوع اکتساب بما ھو مخلوق لذلک والاکتساب مباح فصار
کالاحتطاب انتہی۔ واللہ اعلم۔

پرانی قبر کی جگہ مکان بنانا

سوال (۸۲۴) کسی قبرستان میں پچیس تیس برس کی پرانی قبریں ہیں جن میں سے بعض بالکل نیست
ونابود ہوگئیں اور بعض باقی ہیں تو ایسی جگہ کو برابر کرکے مکان وغیرہ بنانا درست ہے یا نہیں؟
جواب:۔ درست ہے بحرالرائق میں ہے:۔ وفی التبیین لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ
وزرعہ والبناء علیہ انتہی۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے کھانے سے پرہیز کرنا

سوال (۸۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مقام لکھنؤ رحمکم اللہ ان مسائل میں
کہ یہاں ہر شہر وقصبے میں سلطانی قصاب ہیں وے مسلمان کہلاتے ہیں اور احکام وارکان دین د
اسلام میں ہم مسلمانوں کے ساتھ شریک رہتے ہیں یعنی کلمہ شہادتین پڑھتے اور ہمارے ساتھ جماعت
سے جمعہ وعیدین وصلوٰۃ پنجگانہ مکتوبہ گذارتے ہیں اور رمضان شریف کے روزے رکھتے اور ختنہ
کرواتے اور نکاح پڑھواتے ہیں مگر مسلمانوں کے آب وطعام سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ مسجد کے
پانی سے وضو تک نہیں کرتے مسلمانوں نے کہا کہ ہم تم پر شرعی حکم کرتے ہیں کہ تم مسجد کے پانی سے
وضو کرلو، انھوں نے کہا کہ یہ ہماری قدیم سے عادت نہیں، بنا براس قول کے ان پر کفر کا فتویٰ
دینا اور احکام کفر کے ان پر جاری کرنا جائز ہیں یا نہیں اور بغیر تناول آب وطعام ہمارے، ان
کی توبہ شرعاً قبول ہوتی ہے یا نہیں، اور اکثر مسلمان کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں بت
رکھتے ہیں، اور ہمیشہ ان کی پرستش کرتے ہیں اور وہ اس سے انکار کرتے ہیں، یہ انکار ان کی
توبہ ہے یا نہیں اور ان کو توبہ سے انکار نہیں توبہ کرنا قبول کرتے ہیں، دریں صورت ان پر توبہ
کا حکم کرنا یا کفر کے احکام ان پر جاری کرنا کیسا ہے اور یہ قول بعد جاری کرنے احکام کفر کے
بسبب تنگی معیشت کے بواسطہ حاصل کرنے ذبیحت بیع شراء گوشت کے حاکم وقت کے پاس

اقرار کیے کہ ہم ہندو ہیں پھر وہ اس اقرار سے نادم ہوگئے اور توبہ کا ارادہ کیا تو توبہ ان کی بے تناول آب و طعام ہمارے قبول ہے یا نہیں۔ اور یہ لوگ اپنے جانور ایک مسلمان مسافر شخص سے ذبح کروالیتے ہیں تو یہ کفر کرنے والے ذابح مسلم ڈھیر کافر خلکدوب اور ان کے گوشت کو جو پاک و حلال ہے، حرام کہتے یہ کلمہ کفر ہے یا نہیں اور کافر قصاب کی دوکان کا گوشت کہ ذابح بالیقین مسلمان معروف ہے اور مسلمان کے سوا کوئی کافر ذبح نہیں کر سکتا، اور گوشت کی حلت میں کسی ایک مسلمان کو شبہ نہیں، دریں صورت بغیر گواہی کسی ایک عدل کے خریدنا اور کھانا اس کا حلال ہے یا نہیں؟

جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کے رسالہ مالا بد منہ کے کتاب التقویٰ میں اس مسئلہ کی تشریح اس کے حاشیہ پر مرقوم ہے:۔

مسئلہ:۔ گوشت کہ از مسلمان یا کتابی خریدہ شود حلال است و آں از بت پرست خریدہ شود حرام است انتہیٰ۔

حاشیہ کی عبارت یہ ہے:۔ قولہ حرام است الخ اگر معلوم نباشد کہ ذبح کنندہ آں مسلمان است۔ اس کے محشی و مصحح چار شخص عالم متدین ہیں کہ جن کے اسماء عظام رسالہ مذکورہ کے مقدمۃ الطبع میں مرقوم ہیں، مگر انھوں نے یہ حاشیہ کس کتاب سے نقل کیا ہے سو اشارہ نہ فرمایا۔ اس جہت سے ناظرین کم علم کو شک واقع ہوتا ہے۔

جواب:۔ جواب سوال اول:۔ ہرگاہ وہ لوگ عبادات خاصہ اہل اسلام ادا کرتے ہیں، وہ لوگ اہل اسلام میں شمار کیے جاویں گے اور صرف اس امر سے کہ وہ مسلمان کے طعام وغیرہ میں شرکت نہیں کرتے، گو یہ فعل ان کا شنیع اور خلاف شرع ہے، کافر نہ سمجھے جائیں گے۔

بحر الرائق میں ہے:۔ اعلم ان الاسلام یکون بالفعل ایضا کالصلوٰۃ بجماعۃ او الاقرار بہا او الاذان فی بعض المساجد او الحج و شہود المناسک انتہیٰ۔

جواب سوال دوم:۔ ہرگاہ وہ کفر سے انکار کرتے ہیں اور کلمۂ شہادت ادا کرتے ہیں اور اپنے کو مسلم کہتے ہیں۔ یہ قول ان کا مثل رجوع و توبہ کے سمجھا جاوے گا اور حکم اسلام کا ان پر جاری ہوگا۔ رأیت فی البیری شرح الاشباہ قال کون مجرد الانکار توبۃ غیر مراد بل ذالک مقید بتلاتۃ قیود قال فی الذخیرۃ عن بشر ابن الولید اذا جحد المرتد الردۃ واقر بالتوحید وبمعرفۃ رسول اللہ و بدین الاسلام فہذا منہ توبۃ

جواب سوال سوم:۔ جب وہ اقرار سابق سے نادم ہووے اور اقرار اسلام کا انھوں نے کیا احکام اسلام کے ان پر جاری کیے جاویں گے اور توبہ ان کی باقرار دین اسلام مقبول ہوجاوے گی، گو شرکت طعام سے وہ انکار کریں۔

رد المحتار میں مسطور ہے:۔ یصیر لو ثنی مسلما بقولہ انا مسلم او علی دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم او الحنفیۃ او الاسلام انتہیٰ۔

جواب سوال چہارم:۔ ہرگاہ یہ امر یقیناً معلوم ہے کہ اس مقام پر بجز مسلمان کے کوئی ذبح نہیں کرتا ہے۔ ایسی حالت میں کافر کی دوکان سے گوشت خریدنا اور اس کا کھانا حلال ہے۔

اشباہ وغیرہ میں ہے:۔ الیقین لایزول بالشک انتہی۔ واللہ اعلم۔

خلافِ شریعت قانون کو قبول کرنا

سوال (۸۲۶) چار پانچ شخص جو سرکار انگریزی میں باعزت و وقار ہیں اور انھوں نے قانون مخالف شرع کے بنایا ہے، ایسے قانون کو قبول کرنا اہلِ اسلام کو درست ہے یا نہیں اور وہ لوگ بسبب اس قانون بنانے کے کافر ہوگئے یا نہیں اور ان کے ساتھ اہلِ اسلام مجالس شادی وغمی میں جوان کے گھر میں ہو شریک ہوں اور حق ان کا اوقافِ اسلام سے جیسے مساجد و مقابر چلے گا یا نہیں، اور ان کے جنازے پر نماز پڑھی جاوے یا نہیں؟۔

جواب:۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ کلامِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے:۔ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

اور بھی ارشاد ہے:۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون۔

اور بھی ارشاد ہے:۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظالمون

پس ایسا قانون جو مخالف شرع کے ہو قبول کرنا اس کا اہلِ اسلام پر حرام ہے اور جو اس کے موافق عمل کریگا گناہ ان کا ان مقنن قانون کی گردن پر ہوگا۔

حدیث صحیح میں وارد ہے:۔ من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا و وزر من عمل بھا۔

اور ایجاد کرنے والوں نے اگر قانونِ شرعی کو بُرا سمجھا اور اس کے ساتھ نہیں ہوئے اور اس کو خلافِ مصلحت وغیرہ کا ہی تصور کیا تو وہ کافر ہوگئے، ان کے جنازہ پر نماز پڑھنا اور مسجد و مقبرہ میں شریک رکھنا اور دعوت ان کی کرنا یا ان کی دعوت میں جانا اور ان کے یہاں شادی وغمی میں جانا اہلِ اسلام کو نہیں درست ہے، اگر انھوں نے قانونِ شریعت کو بُرا نہ سمجھا تو اگرچہ کافر نہیں ہوئے مگر بہت بڑے فاسق ہوگئے۔ اہلِ اسلام کو چاہئے کہ ان کی مجالست موقوف کردیں اور مجالس شادی وغمی میں ان کی شرکت نہ کریں تا وہ اپنے فعل سے توبہ کریں۔ واللہ اعلم۔

ملز کا بنا ہوا کپڑا پہننا

سوال (۸۲۷) ایک شخص لوگوں کو یہ فہمائش کرتا ہے چنانچہ شرذمہ قلیلا تبع بھی ہوئے کہ کل کا بنا ہوا کپڑا کہ جس کے خریدنے کی بابت تم کسی جانب سے مجبور نہیں کیے گئے ہو اس زمانہ میں مت استعمال میں لاؤ کیونکہ یہ کل قوم جولاہوں اور سوت کاتنے والوں کے حق میں فتنۂ عظیم اور بلائے جسیم ہے کیونکہ ان بے چاروں کو سوائے اس حرفہ کے بالفعل کوئی ایسا پیشہ نہیں کہ ہمارے ساتھ بھی رہیں اور اپنا پیٹ بھی بھریں پس ہمارے نزدیک جتنے لوگ کہ صرف بوجہ ارزانی یا بسبب باریکی اس کے پارچہ کے کل سے متمتع ہوتے ہیں، درحقیقت بانی کل سے بڑھ کے مرتکب فتنہ کے ہیں۔ اور فتنہ بلاشبہ قتل سے بڑھ کے

مصیبت وہ ہے. قتل تو صرف ایک لمحہ کی مصیبت ہے بخلاف فتنہ کے کہ لڑکوں بالوں کا بھوکوں مرنا دیکھنا پڑتا ہے اور اپنی جان بھی روزانہ بھوک کے باعث گھل گھل کے نکلتی ہے، بھیک مانگنا پڑتا ہے، ہزاروں مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں، خیال کرو کہ غربا کی بھوک کے دفعیہ کی بابت کس قدر تاکید اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ قال اللہ تعالیٰ وانفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین۔

اورنہ کھوج رکھنا غربا کے گھمانے کے جرم کو. اللہ ساتھ جرم کفر کے ذکر فرماتا ہے:۔ قال اللہ تعالیٰ ارأیت الذی یکذب بالدین فذلک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین۔

ایضا قال اللہ تعالیٰ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا فاسلکوہ انہ کان لا یومن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین۔

فی المشارق قال ابوھریرۃ الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ قال ابوھریرۃ واحسبہ قال کالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر

اور بلاشبہ جتنا مال خرید اشیاء میں صرف ہوتا ہے اتنا مال خیرات میں خرچ نہیں ہوتا ہے. چنانچہ اسی بناء پر حدیث شریف میں وارد ہے کہ قرض حسنہ سے غیر حسنہ قرض کا دینا زیادہ ثواب رکھتا ہے، سود کا حرام ٹھہرانا بہ سبب بخیال رعایت غربا ہے پس کپڑے کے پیچھے اپنے لوگوں اپنے مسلمان بھائیوں کو تلف کرنا تم کو کیونکر ناگوار نہیں معلوم ہوتا تفسیر فتح العزیز میں مذکور ہے اہل تحقیق گفتہ اندکہ ہر قومے را گوسالہ ایست کہ در پرستش او مشغول اند گو بظاہر خود را مسلمان و دیندار گویند چنانچہ در حدیث شریف نیز اشارہ بایں فرمودہ اند بئس عبدالدینار وعبدالدرھم وعبدالدرھم وعبدالخمیصہ ان اعطی رضی وان لم یعط سخط یعنی بدحال است کسے را کہ بندہ اشرفی یا بندہ روپیہ یا بندہ شال وجامہ بازیب است اگر او را از جانب خدا ایں چیز عطا شود وخوش می گذارد والا ناخوش می ماند وباب شکایت وا می کند انتہی۔

البتہ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ موٹا کپڑا پہنیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو امیر ہیں یہاں کا نہیں کپڑا اگر چاہیں پہنیں اور زیادہ قیمت خرچ کریں اور غرباء کو لازم ہے کہ اپنی وسعت کے موافق کا کپڑا کہ جس کی قیمت ادا کر سکیں پہنیں، اپنے تھوڑے نفع کے واسطے غرباء کا نقصان نہ کریں. امراء کو اس کا لحاظ ضرور چاہیے ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن حذیفۃ بن الیمان انہ تزوج یھودیۃ بالمدائن فکتب الیہ عمر بن الخطاب ان خل سبیلھا فکتب الیہ احرام ھی یا امیر المؤمنین فکتب الیہ اعزم علیک ان لا تضع کتابی حتی تخلی سبیلھا فانی اخاف ان یقتدی بک المسلمون فیختاروا نساء اھل الذمۃ بجمالھن وکفی بذلک فتنۃ لنساء المسلمین وقیل لعمرؓ ان ھھنا

رجل من الابناء نصرانیا له بصر بالدیوان لو اتخذته کاتبا فقال لقد اتخذت اذا بطانة من دون المؤمنین۔
ہند کے مسلمان بھی اگر کل بناویں تاہم خالی از فتنہ نہیں ہے۔ کیونکہ کل سے نفع تجارت پیشوں کا ہے نہ اہل حرفہ کا خیال کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ غربار کی پرورش کے لیئے امرار سے فرماتا ہے کہ تم اپنی جانبازی کے مال میں سے غربا کو دو۔ اگر ہم ایسا حق مقرر نہ کریں تو مال صرف امرا میں جاوے کما قال اللہ تعالیٰ کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم
پس اے لوگو! ہمارا کہا نہ مانو گے تو قطعاً بلائے عظیم میں مبتلا ہو گے جیسا کہ اگلی ظالم قومیں خراب ہوئیں۔ واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة
ہرگز یہ مت خیال کرو کہ اب ویسا حال نہ ہوگا۔ دیکھو کتب اہل سنت وجماعت کو، تمام اہل سنت متفق ہیں کہ بیچ وقت ظہور ائمہ راشدین کے بھی حجت اللہ بندوں پر قائم ہوتی ہے سو اگر آپ لوگ ضرور ہمارا کہنا مانو، اگر نہیں مانتے ہو تو ہم یہی کہتے ہیں کہ:۔ یا قوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل سوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ومن هو کاذب وارتقبوا انی معکم رقیب۔
الحاصل خلاصہ اس استفتار کا یہ ہے کہ آیا قول قائل پر بنظر غور وفکر ہر کہ ومہ کو توجہ کرنا ضروری ہے یا نہیں اس کے جواب سے مطلع فرمایئے۔

جواب: حسب قول سائل فہمائش قائل پر سے ہر کہ ومہ کو توجہ کرنا اور اپنی طبیعت کو ایک جامہ عمدہ کے خریدنے سے ناجائز جان کر روکنا شرعاً کسی طور پر جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر طرح کی آسانی رکھی ہے۔ جب کپڑا کل کا بنا ہوا پہننا جائز ٹھہرا تو بلا وجہ آدمی اپنی طبیعت کو ایک عمدہ چیز لینے سے روکے اور کسی قوم کی روزی کسی حرفہ پر موقوف نہیں، اللہ تعالیٰ رازق حقیقی ہے جس طرح اس کو روزی پہنچانا منظور ہوگا عنایت فرماویگا البتہ احتیاطاً جس شخص کو یہ منظور ہے کہ ہماری قوم ان لوگوں سے منفعت حاصل کرے، اور ہم سب اپنی قوم سے خرید وفروخت کریں، مثلاً کوئی رئیس یا بادشاہ اہل اسلام یہ چاہے کہ اپنی ریاست یا سلطنت میں اہل سلام نوکر رکھیں اور اہل اسلام سے اشیاء بنوا کر استعمال میں لاویں تو استحساناً جائز ہے واللہ اعلم وعلمه اتم۔ حررہ عبدالمسکین محمد تقی الدین عفاہ العافی عن آثم الآثمین محمد تقی الدین سے شیخ الاسلام ابن تیمیه ۱۲۹۲ھ۔ الحق لا یجاوز عن الجواب واللہ اعلم بالصواب محمد شمس الدین۔ سمی ہمام ابن القیم الجوزیه۔ اصاب من اجاب محمد بشیر السہسوانی النقوی۔
جناب من مولانا محمد عبدالحی صاحب مجیب نے دلائل مندرجہ سوال یعنی آیات واحادیث وآثار کی نسبت کچھ تعرض نہیں کیا کہ جس سے جواب مجیب کا قائل پر حجت پیش کرنے کے لائق ہو، بہر کیف آپ کے نزدیک جواب مجیب مقرون بصدق ودیانت ہے یا نہیں اور دلائل مندرجہ سوال مثبت مدعائے قائل ہیں یا نہیں اگر نہیں ہیں تو ہر آیت وحدیث واثر کی نسبت پر تحریر کرنا چاہیئے کہ فلاں آیت وفلاں حدیث اثر مدعائے قائل ہیں

قابلیت حجت کی نہیں رکھتے اور قائل کے استدلال میں بذریعہ علم میزان کے یہ یہ مغالطے واقع ہیں اور اگر آپ کے نزدیک قول قائل کا قابل التفات ہر کہ ومہ کے ہے تو ویسا تحریر فرمائیے اور مجیب نے جو نسبت رئیس یا سلطان کے استحساناً خاص کیا ہے یہ جا ہے یا بے جا۔ جمیع امور مستفسرہ بالا کا جواب مفصلاً ومشروحاً تحریر فرمائیے۔

جواب:۔ قولِ قائل پر ہر شخص کو لزوماً توجہ کرنا اور عمدہ کپڑوں کے خریدنے سے بالکلیہ باز رہنا شرعاً لازم نہیں ہے البتہ مقتضائے تورع واحتیاط یہی ہے جو قائل مذکور کہتا ہے اور دلائل جو قائل نے پیش کیے ہیں وہ مثبت لزوم نہیں ہیں اور ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ عمدہ چیزوں کے استعمال کرنے میں گناہ ہوگا یا عمدہ کپڑوں کا جو کل میں بنے جاتے ہیں خریدنا باعث فساد وفتنہ شرعیہ کا ہوگا اور یہ خیال کہ اس میں سدباب رزق حائکین ہے خیال خام ہے۔ واللہ اعلم۔

دولہا سے روپیہ لے کر بارات کو کھانا دینا

سوال (۸۲۸) اگر لڑکی کے رشتہ دار لڑکے سے روپیہ لے کر اسی شادی میں بارات کو کھانا کھلائیں تو درست ہے یا نہیں اور ولی پر روپیہ لینے سے کوئی گناہ تو نہ ہوگا۔

جواب:۔ برات کے لوگوں کو کھانا دلہن کے لوگوں کی طرف سے درست ہے بلکہ یہی طریقہ ماثورہ حضرات انبیاء وعلی نبینا وعلیہم السلام سے ہے۔ مدارج النبوۃ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور نوشہ سے روپیہ لینا اگر وہ بطیب خاطر دیتا ہو شرعاً کچھ اس میں حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔

چاندی کی خلال استعمال کرنا

سوال (۸۲۹) چاندی کی خلال اور بوتام صدف کے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ بوتام صدف کا استعمال جائز ہے۔ البتہ چاندی کی خلال درست نہیں۔

کاٹنے سے قبل غلہ کا تخمینہ کرنا

سوال (۸۳۰) سوال اول:۔ کوت یعنی تخمین کرنا غلہ جات کا کھیت میں قبل کاٹنے زراعت کے، نزدیک حنفیوں کے درست ہے یا نہیں؟

سوال دوم:۔ تقسیم کرنا غلہ کا اس طور پر کہ زمیندار نصف سے زائد اور رعیت نصف سے کم لے، مفید ملک رعیت وزمیندار ہے یا نہیں؟

جواب:۔ تخمین کرنا غلہ اور پھل وغیرہ کا قبل کاٹنے زراعت اور پھلوں کے صرف بغرض دریافت اجمالی اور اطمینان کے درست ہے باقی ثبوت ملک اور لزوم حکم شرعی اس تخمین پر مبنی کرنا نزدیک حنفیہ کے نہیں درست ہے اور احادیث میں جو تخمین وارد ہے وہ نزدیک حنفیہ کے صورت اول پر محمول ہے۔ عینی کی شرح صحیح بخاری مسمی عمدۃ القاری میں ہے:۔ قال الشعبیؒ والثوریؒ وابو حنیفہؒ ومحمدؒ وابو یوسفؒ ومحمدؒ الخرص مکروہ حتی قال الشعبی

الخرص بدعة وقال الثوری خرص الثمار لا یجوز وقال الماوردی احتج ابو حنیفة بما رواہ جابر مرفوعًا نہی عن الخرص وبانہ تخمین وقد یخطی ولو جوزنا خرص الثمار وخرص الزرع بعد حزاؤھا فانہ اقرب من خرص باعلی الاشجار فلما لم یجز فی القریب لم یجز فی البعید وقال الخطابی انکر اصحاب الرای الخرص وقال بعضھم انما کان یفعل تخویفا للمزارعین لئلا یخونوا لا لیلزم بالحکم لانہ تخمین وغرور او کان یجوز قبل تحریم الربوا والقمار انتہی۔

اور بھی اس میں ہے :- انھم فعلوا ذلک ای الخرص لیعلم مقدارھا فی ایدی الناس من الثمار فیوخذ مثلہ فی ایام الصرام لا انھم یملکون انتہی۔

اور بھی اس میں ہے :- کان یفعل ذلک تخویفا لئلا یخونوا وان یعرفوا مقدار ما فی النخل واما انہ یلزم بہ حکم شرعی فلا انتہی۔

اور تقسیم غلہ کی اس طور پر کہ زمیندار نصف سے زائد لے اور رعیت نصف سے کم بتراضی طرفین درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انگریزوں کی ملازمت کرنا

سوال (۸۳۱) انگریزوں کی نوکریاں مثل منصفی وڈپٹی وغیرہ سب حرام ہیں یا نہیں، اگر کل حرام نہیں تو کس کس قسم کی حلال ہیں اور کس قسم کی حرام۔ اور خلافِ شرع نوکری کرنے والا کافر ہے یا فاسق اور برایں تقدیر ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون کی کیا تاویل ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: جس نوکری میں پابندی اجرائے احکام غیر شرعیہ کی اور اجرائے احکام ظلم وغیرہ کی نہ ہو درست ہے اور جن میں یہ امور ہوں وہ حرام ہیں اور جو ان کی اطاعت کریں اور خلاف شرع احکام جاری کریں وہ فاسق ہیں نہ کافر کما قال اللہ تعالیٰ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون۔

وقال اللہ تعالیٰ :- ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون۔

اور آیہ فاولئک ھم الکافرون یہود وغیرہ کے حق میں ہے، نہ اہلِ اسلام کے حق میں، یا مراد اس سے کفر عملی ہے یا محمول ہے مستحل وغیرہ پر۔ تفسیر جامع البیان میں ہے :- نزلت فی اھل الکتاب [illegible] من ھذہ الامۃ عمدا واجازہ وھو یعلم فھو من الکافرین اولیس بکفر ینقل عن الملۃ ولکن کفر دون کفر [illegible]

اور رسالہ احکام الاراضی میں ہے :- من یطعھم عن ضرورۃ فھو علی صحۃ الاسلام وان کان اطاعھم لا عن ضرورۃ فکذلک لکنھم فساق انتہی۔ واللہ اعلم۔

ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا

سوال (۸۳۲) اولاً احادیث صحیح میں وارد ہے کہ حقوقِ اسلام سے ہے کہ جب باہم دو مسلمان ملاقات کریں تو مصافحہ کریں، بعض جو اس سنت کو ادا نہ کریں تو تارک سنت ہیں یا نہیں؟

ثانیاً۔ بعد نمازِ جمعہ کے مصلیانِ مسجد جو باہم مصافحہ کرتے ہیں یہ طریق سنت ہے یا نہیں، بعض کتب مثل شرح مشکوٰۃ شریف شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ۔ اور غایۃ الاوطار شرح درمختار میں مرتبانی کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ اور بعض لوگ جو شئے اول کے مصداق ہیں وہ اس کو سنت بتلاتے ہیں، پس کیا ہے حق درمیان ہر دو اقوال کے۔

ثالثاً۔ وقت نمازِ جمعہ کا بعد دوپہر کے کتنے منٹ بعد شروع ہو کر کس قدر عرصہ تک رہتا ہے کہ جس میں نمازِ جمعہ ہو اور تنگ وقت نہ گنا جاوے؟۔

جواب:۔ عند الملاقات مصافحہ کرنا امر متوارث، وسنتِ قدیمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا طریقہ مستمرہ تھا، تارک اس کا تارک سنت ہے۔ بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اور طبرانیؒ وغیرہ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔ ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاھما کما تناثر ورق الشجر۔

اور سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی وغیرہ سے مرفوعاً مروی ہے:۔ ما من مسلمین یلقیان فیتصافحان الا غفر لہما قبل ان یفترقا۔

اور سنن ابوداؤد میں ابوذرؓ سے روایت ہے:۔ ما لقیتہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا صافحنی اور ترمذیؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمام التحیۃ الاخذ بالید۔

اور صحیح بخاری میں قتادہؓ سے مروی ہے:۔ قلت لانس رضی اللہ عنہ کان المصافحۃ فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم۔

اور بعد نماز جمعہ کے یا بعد نماز صبح یا عصر کے مصافحہ کرنا بعض فقہاء نے اس کو بدعت مباحہ لکھا ہے۔ اور بعضوں نے بدعت مکروہہ لکھا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ خلاف طریقہ سلف صالح ہے پس اس کو ترک کرنا اور طریقہ مسنونہ کو اختیار کرنا لازم ہے۔

رد المحتار میں مذکور ہے:۔ قد یقال ان المواظبۃ علیہا بعد الصلوٰۃ خاصۃ قد یودی الی اعتقاد سنیتھا فی خصوص ھذہ المواضع وان لھا خصوصیۃ زائدۃ علی غیرھا مع ان ظاھر کلامھم انہ لم یفعلھا احد من السلف فی ھذہ المواضع ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانھا من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انھا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لھا فی الشرع عن ابن الحاج من المالکیۃ ان موضع المصافحۃ فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لا فی ادبار الصلوٰت انتہیٰ۔

اور وقت نماز جمعہ عین وقتِ ظہر ہے بمجرد زوال آفتاب شروع ہوتا ہے اور تا وقت عصر باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

شراب غیر مسکر کا حکم

سوال (۸۳۳) جو شراب کہ مطلقاً نشہ آور ہو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- ایسی شراب جس کی کثیر مقدار مسکر ہو وہ حرام ہے مطلقاً جیسے سیندھی اور تاڑی کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے:- ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ کذا فی الدر المختار وحواشیہ۔

اور جس شراب کی قلیل وکثیر مقدار میں نشہ نہیں وہ حلال ہے۔

کون سے بحری جانور حلال ہیں؟

سوال (۸۳۴) بحری جانوروں میں سے کون کون سے حلال ہیں؟ اور سمک کی علامت کیا ہے، جریث کی صورت کیسی ہوتی ہے۔ نیز جریث اور مارماہی سمک ہیں یا نہیں، کوسج جس کے مونڈ ہوتی ہے اور قرش جس سے تمام سمندری جانور بھاگتے ہیں اور ایک گول سا جانور جس کی دم لمبی کوڑے کی طرح اور کنارے پر کانٹے ہوتے ہیں اور اس کو اللحم تھی کہا جاتا ہے آیا یہ تمام اقسام سمک میں داخل ہیں یا نہیں

جواب:- حنفیہ کے یہاں بحری جانوروں میں صرف سمک (مچھلی) حلال ہے، یا پانی میں رہنے والے پرندے فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:- ولا یوکل ما فی البحر سوی السمک وطیر الماء عندنا وقال الشافعی لا بأس باکل ما فی البحر ولہ فی الضفدع قولان انتہی۔

سمک کی علامات اگرچہ آج تک نظر سے نہیں گذریں۔ مگر سمک کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تین ہیں۔
(۱) بدن پر چھلکے ہونا۔ (۲) جبڑوں کا کھلا ہوا ہونا۔ (۳) کانٹے دار پر ہونا اور ایسی ہی دم۔
اور یہ تینوں علامتیں بعض میں پائی جاتی ہیں اور بعض میں نہیں جیسا کہ مشاہدہ سے معلوم ہے۔

اور مفتی فصیح الدین نے رسالہ احکام الحیوان میں لکھا ہے:- کہ مچھلی کی علامات میں سے ہے کہ اس کے زبان نہ ہو، بدن پر فلوس یعنی پیسہ کی طرح چھلکے ہوں، اور حلق میں شگاف ہو، اور اگر پانی سے نکل آئے تو تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ انتہیٰ کلامہ

جریث اور ماہی سمک کی اقسام ہیں۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:- ولا باس بسائر انواع السمک نحو الجریث والمار ماھی انتہی۔

اور جریث سیاہ رنگ کی مچھلی ہوتی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے ھو نوع من السمک مدور کالترس انتہی۔

اس کا چہرہ چھوٹا اور دم بہت ہی چھوٹی اور بیچ میں سے مشقوق ہوتی ہے۔ نیز سمکین مذکورین کے بدن پر بھی چھوٹے چھوٹے چھلکے ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے درمختار میں کہا گیا وافردھما بالذکر للخفاء انتہی۔

اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:- الخفاء کونھما من جنس السمک انتہی۔

پس معلوم ہوا کہ انواع مدور میں سے جریث کے علاوہ کوئی بھی جنس سمک میں داخل نہیں جیسا کہ اس کو مستقلاً علیحدہ ذکر کرنا بتلا رہا ہے اور اسی طرح کوسج و قرش بھی جنسِ سمک میں داخل نہیں، کیونکہ یہ مختلف فیہا ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حالانکہ ان کے یہاں تو تمام بحری جانور حلال ہیں، پس حنفیہ کے یہاں کیسے حلال ہو سکتی ہیں۔ نیز ان میں سمک کی علامت بھی کوئی نہیں پائی جاتی۔

اور رسالہ احکام الحیوان میں مذکور ہے: قرش اتنا بڑا جانور ہے کہ کشتی اور جہازوں کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کو میر الدواب کہتے ہیں اور بلادِ مغرب کے ساحلی علاقوں میں اس کو تبرار حور کہتے ہیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حرام اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حلال ہے۔

محمود شاہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:۔ السمك ماله شق و شوك وقال فيه ايضا والسمك ماله فلوس وما يبيض في الماء وماله شقاق ويكون مولده ومعاشه في الماء وليس لها لسان اصلا انتهى۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن پر فلوس کا ہونا ایک مشہور علامت ہے اور اسی وجہ سے جریث اور مار ماہی کو سمک کہا گیا ہے، حالانکہ ان میں شقاق نہیں ہوتا، اور کوسج و قرش میں نہ فلوس ہوتے ہیں، اور نہ دوسری علامات اس لئے ان کو سمک نہیں کہا گیا۔ بلکہ یہ تو انسان کو کاٹ کھاتی ہیں۔

افعالِ کفار کی تحسین اور ان میں شرکت

سوال (۵۳۴) ایک شخص برہمن ہندو بت پرست کہ رام کنہیا کو خالق مانتا ہے دینِ اسلام و مسلمانوں کو برا کہتا ہے بلکہ ان کے سایہ کو نجس جانتا ہے۔ صاحب دولت دام لگے مشہور ہے زید، بکر، خالد و عمرو یہ چار شخص صاحب ریش کلاں، شریف صورت ہیں۔ اگر دس، پندرہ، پچیس، تیس روپیہ کی نوکری نزد برہمن مذکور قبول کریں اور بعدہٗ امورِ ذیل کے مرتکب ہوں:۔

اول:۔ جب کہ برہمن مذکور اپنی نشست گاہ پر بیٹھا ہو اور زید و بکر وغیرہ بھی حسبِ دستور دربار عام نام بردہ میں حاضرِ خدمت بیٹھے ہوں اور بت موسوم ٹھاکر کو جسے وہ برہمن اپنا خالق جانتا ہے، ایک برہمن پوجیری چاندی کی طشت میں رکھے ہوئے بڑے تزک سے سامنے لاوے تو برہمن مذکور صرف قد اٹھ کر تعظیم اس بت کی کرے، اور زید و بکر بھی بخوف ناخوشی و سوء ادبی و برخاستگی خود و بخیال اس کے کہ گستاخی ہوگی اور بے ادب کہلاؤں گا۔ مشاہرہ بند ہو جائے گا ساتھ ہی کیا، بلکہ فی الفور بنظر تعظیم بت مذکور اٹھ کھڑا ہو۔

دوم:۔ برہمن مذکور بروز تولید جنان خود مجلس جشن برقص زنانِ بدکار بحضورِ بت قائم کرتا ہے تو یہ حکم دیتا ہے کہ ہر ایک نوکران ہمارے اگر شریک مجلس نور وز ہوں اور اگرچہ ہم زیب انجمن نہ ہوں، مگر ہر ایک نوکران و حاضرانِ مجلس پر ہمارا حکم ہے کہ حسبِ دستور بت پرستی جب بت سامنے آوے یا بت کی پوجا ہو تو سب حسب حاضران اٹھ کر کھڑے ہو کر بت کی تعظیم کریں۔ چنانچہ

یہ دستورِ بُت پرستی برہمن مذکور و تعظیم و تکریم ہمیشہ سے جاری ہے، پس زید، بکر اکثر بہ تعمیلِ حکم زینت بخش مجلس مذموم رہتے ہیں باوجودیکہ برہمن مذکور نہیں رہتا ہے، زید، بکر خود بخود بہ تعمیلِ دستور العمل بت پرستی نام بردہ یک بارگی فی الفور سب کے سب حضارِ مجلس بُت کو اُٹھ کر تعظیم کرتے ہیں اور جب بُت کی پوجا ہونے لگتی ہے تو باُدب پیشِ بت جشنِ مذکور میں تعظیماً کھڑے رہتے ہیں بخوفِ برخاستگی رو گرداں ہو کر علیحدہ ہو نہیں سکتے، بطمعِ زر کھڑے رہتے ہیں۔

سوم۔ جب کہ بتِ مذکور ایک بت کدہ سے دوسرے بت خانہ میں پہنچایا جاتا ہے تو بڑی تیاری سے مثلِ بارات اقوامِ ہنود و برہمن مذکور بت کے پیچھے پیچھے پیادہ جاتا ہے اور تمامی زید، بکر وغیرہ کو یہ حکمِ عام رہتا ہے کہ اس وقت خوش پوش ہو کر جلوس میں پیچھے پیچھے بُت کے تا درِ بتخانہ چلیں۔ چنانچہ زید، بکر وغیرہ بطمعِ زرِ مشاہرہ خود بلفرا موشی وعدہ فی السماء رزقکم اور وما من دابۃ الخ بخوشی اس فعل کو بجالاتے ہیں۔

چہارم۔ برہمنِ مذکور کی تعمیلِ حکم مقدم جان کر روز مرہ اذان سن کر جماعت میں نہیں آتے اور جمعہ کے روز جان بوجھ کر کہ آج جمعہ ہے حکم یا ایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ سے روگرداں ہو کر تارکِ جمعہ ہو کر یہ عذر کرتے ہیں کہ رزق کا معاملہ ہے حکم حاکم مرگِ مفاجات، بوجہ مجبوری انجامِ امورِ اسلام نہیں کر سکتے پس بہ ظہورِ امور موجباتِ کفر متذکرہ صدر جب کہ زید، بکر استعمال کلماتِ رد و کفر سے غافل و سالہا سال موجباتِ کفریہ پر مصر ہیں تو ان سب کو تجدیدِ ایمان و نکاح لازم ہے یا نہیں و بطمع زر زید، بکر جان بوجھ کر باز نہ آدیں تو کافر و رلبی ان کی نکاح سے باہر ہوئیں یا نہیں اور بہ نسبت اولاد ان کی کے شرع کیا حکم کرتی ہے۔ بہ تصریح و تشریح بحوالہ و مسند و دستخط علمائے مشاہیر سے مزید فرما کر زینت بخش اسلام ہو۔

جواب:۔ فقہا کتبِ فقہ میں ایسی صورت کا اس میں تحسینِ اعمالِ کفار اور شرکت افعالِ کفار اور موافقت ان کی عبادت کے ہو حکم کفر کا لکھتے ہیں، اور جو شخص مرتکب ایسے امر کا ہووے جس کا ذکر سوالات میں ہے، اس پر حکم لزوم تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح کا دیتے ہیں۔

خزانۃ الروایات میں ہے:۔ فی الفصول قال الشیخ ابوبکر الطرخانی من خرج الی السدۃ فقد کفر لان فیہ اعلان الکفر وعلی قیاس مسئلۃ السدۃ الخروج الی نیروز المجوس والموافقۃ معھم فیما یفعلونہ فی ذلک الیوم من المسلمین کفر انتہی۔

اور بھی اس میں ہے:۔ وکذا الخروج فی اللیلۃ التی یلعب فیھا کفرۃ الھند بالنیران والموافقۃ معھم فیما یفعلون تلک اللیلۃ فیلزم ان یکون کفرا وکذا الخروج الی لعب کفرۃ الھند فی الیوم الذی یلعب کفرۃ بسرتھی والموافقۃ معھم فیہ یفعلون من تزیین القبور والافراس والذھاب الی دور

الاغنیاء یلزم ان یکون کفرا انتہی۔

اور بھی اس میں ہے:- فی الفصول قال فی الجامع الاصغر رجل اشتری یوم النیروز شیئًا لم یکن یشتریہ قبل ذلک ان اراد بہ تعظیم النیروز کما یعظمہ المشرکون کفرا انتہی۔

اور بھی اس میں ہے:- فی نوادر الفتاوی ہر کہ رسوم ہنود را تحسین کند کافر گردد انتہی۔ واللہ اعلم۔

اولیاء منکوحہ کا مشروط طور پر نکاح سے کھانے پینے کے لیے کوئی چیز لینا

سوال (۸۳۶) اگر لڑکی کے اولیاء اہل محلہ اور رشتہ داروں کو دینے اور ان کی دعوت کرنے کے لیے بوقتِ نکاح لڑکے سے یہ کہیں، اگر تم زیور اور مہر مصرح و مسکوت عنہ کے علاوہ اس قدر نقدی یا فلاں چیز دو گے تو نکاح ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اگر وہ لڑکا دے دے تو لڑکی کے اولیاء کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اس قسم کی چیزیں لینا جائز نہیں۔ الوسیلۃ الاحمدیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ میں ہے:- ولعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی ومن الرشوۃ ما اخذ ولی المرأۃ قبل النکاح اذا کان بالسوال او کان اعطاء الزوج بناء علی عدم رضائہ علی تقدیر عدمہ اما اذا کان بلا سوال ولا عن علم رضائہ فیکون ھدیۃ فیجوز کما فی حاشیۃ لخواجہ زادہ انتہی۔

اور ردالمحتار میں ہے:- من السحت ما یاخذہ الصھر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتی لو کان بطلبہ یرجع الختن بہ انتہی۔

اور المعدن میں ہے:- لا یجوز لاب البنت ان یاخذ من الخاطب شیئًا لانہ رشوۃ وقال فی العالمگیریۃ خطب امرأۃ فی بیت اخیہا فابی ان یدفعہا حتی یدفع الیہ دراھم فدفع وتزوجہا یرجع بما دفع لانہ رشوۃ کذا فی القنیۃ۔

قاضی خاں میں ہے:- رجل خطب امرأۃ وھی تسکن فی بیت اختہا وزوج اختہا لا یرضی بنکاح ھذا الرجل الا ان یدفع الیہ دراھم فدفع الخاطب الیہ دراھم کان لہ ان یستردما دفع الیہ لانہ رشوۃ۔

ہاں اگر بغیر طلب و سوال کے کچھ دے دیا جائے تو جائز اور درست ہے کیونکہ یہ تحفہ شمار کیا جائے گا۔ جیسا کہ وسیلہ احمدیہ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد اشرف علی۔

صح الجواب ویوافقہ ما فی البحر الرائق لو اخذ اھل المرأۃ شیئًا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ انتہی۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

جوان عورتوں کا ولیمہ میں جانا

سوال (۸۳۷) اگر دعوتِ ولیمہ میں کوئی خلافِ شرع کام نہ ہو اور پردے کا بھی معقول انتظام ہو تو اس وقت جوان عورتوں کا دعوت میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ۔ کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مجالس کی شرکت سے صرف اس وجہ سے روکا جاتا ہے کہ مجالس میں اجتماع کی وجہ سے فتنہ کا خوف ہوتا ہے۔ چنانچہ درمختار کے قول:۔ ویمنعھا من زیارۃ الاجانب وعیادتھم والولیمۃ الخ کے تحت ردالمحتار میں تحریر ہے:۔ ظاھرہ ولو کان عند المحارم لانھا تشتمل علی جمع فلا یخلوا من الفساد عادۃ انتھی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ اذن شوہر ضروری ہوگا۔

بخاری میں حضرت انس رض سے روایت ہے:۔ ابصر النبی صلے اللہ علیہ وسلم نساء وصبیانا مقبلین من عرس فقام ممتنا فقال اللھم انتم من احب الناس الی۔

قسطلانی[2] اس حدیث کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:۔ فیہ شھود النساء والصبیان لولیمۃ العرس فلو دعت امرأۃ لولیمۃ او دعت رجلا وجب او استحب لامع خلوۃ محرمۃ انتھی۔

بسکٹ اور انگریزی دواؤں کا استعمال کرنا

سوال (۸۳۸) اکثر ادویہ انگریزی از قبیل عرق جو ولایت سے تیار ہوکر آتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا بعضے اقسام بسکٹ کے جو بکس ٹین میں بند ہوکر فروخت کے۔ لئے آیا کرتے ہیں اس میں خلط وامتزاج شراب کا شبہ بیشتر بوجہ سرعت نفوذ سرعت تاثیر کے باوصف قلت مقدار کے جو خصائص شراب سے ہے۔ اور بھی باوریں وجہ کہ اہل یورپ اکثر خوگر استعمال شراب کے دوائیں اور اس شراب کے بہرطور عادی ہوتے ہیں، ہوتا ہے اور بعضے ڈاکٹروں سے بعض عرقیات وبسکٹ میں اختلاط شراب کا سناجاتا ہے ایسے حال میں استعمال، وتناول ان ادویہ وبسکٹ کا شرعاً از روئے فتویٰ کے بھی منع ہے یا تا وقت ثبوت یقینی جواز استعمال وتناول فتویٰ اور تحرز واجتناب تقویٰ ہوگا۔

جواب: ۔ جب یقین یا ظن اختلاط شراب وغیرہ کا ہووے اس وقت استعمال ان چیزوں کا ممنوع ہوگا ورنہ نفس جواز بطور فتوے کے اور اجتناب بطور تقویٰ۔ کے ہوگا۔ واللہ اعلم

تاڑی کے خمیر والے بسکٹ استعمال کرنا

سوال (۸۳۹) جو نان یا بسکٹ مخمر بخمیر تاڑی ہو جو منجملہ مسکرات سے ہے اس کا کھانا جائز ہے یا حرام؟ علمائے کلکتہ نے فتویٰ اس کے جواز اکل کا دیا ہے لہٰذا اکثر عوام بے تکلف اس کو کھاتے ہیں اور نہیں کھانے والے پر عجب کرتے ہیں، لہٰذا جواب اس مسئلہ کا مفصلاً بتقریر عام فہم مستند بسند کتب معتبرہ حنفیہ درکار ہے۔

جواب: ۔ بمذہب مفتی بہ جتنے اشربہ اور اشیاء سیال مسکر ہیں وہ سب نجس ہیں اور ایک قطرہ بھی ان کا حرام ہے اگرچہ نشہ نہ پیدا کرے۔ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ اخرجہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ وغیرھم

رمز الحقائق شرح کنز الدقائق میں شیخ الاسلام بدر الدین محمود عینی لکھتے ہیں:۔ قال محمدؒ والائمة الثلاثة کل ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام من ای نوع کان لقوله صلی الله علیه وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواہ مسلم وعن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام رواہ احمدؒ وابن ماجہؒ والدارقطنی وصححه والفتوی علی قول محمدؒ انتہیٰ۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ قال محمدؒ ما اسکر قلیله فکثیرہ حرام قالوا وبقول محمدؒ ناخذ ومذهب محمد انه حرام ونجس انتہیٰ۔

اور سراج منیر میں ہے: جملة انواع النجاسات خمسة وعشرون الخمر وما عداہ من الاشربة المحرمة انتہیٰ

اور شرح جامع صغیر حسامی میں ہے:۔ هل هی ای الاشربة وراء الخمر مثل الخمر فی النجاسة عن اصحابنا فیہ روایتان فی احدی الروایتین نجاسة غلیظة تمنع اذا زاد علی قدر الدرهم وفی روایة اخریٰ خفیفة مقدرة بالکثیر الفاحش انتہیٰ

ہرگاہ ان عبارات سے حرمت اور نجاست تاڑی کی ثابت ہوئی، پس ثابت ہوگیا کہ بسکٹ و نان پاؤ وغیرہ جس کے خمیر میں تاڑی مخلوط ہو، کھانا اس کا ناجائز ہوگا مثل خمیر خمر کے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:۔ بخلاف الدقیق اذا عجن بالخمر وخبز فانه یکون نجسا وتطهر انتہیٰ۔

اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:۔ اذا عجن الدقیق بالخمر لا یوکل انتہیٰ۔

اس وجہ سے کہ جب تاڑی اور خمر دونوں نجس ہیں، پس اس کے خلط سے وہ مخلوط بھی نجس ہوگا اور کھانا اس کا حرام ہوگا اور قیاس اس کا سرکہ تاڑی یا شراب پر باطل ہے اس وجہ سے کہ سرکہ میں انقلاب حقیقت ہو جاتا ہے، اس وجہ سے حکم طہارت و حلت کا دیا جاتا ہے۔ بخلاف خمیر تاڑی اور شراب کے کہ اس میں انقلاب ماہیت نہیں ہوتا بلکہ بسبب خلط اور طبخ کے کمال التصاق ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

انگریزی پڑھنا

سوال (۸۳۰) الف۔ اگر کوئی انگریزی پڑھے، خاص واسطے زبان دانی حاصل کرنے کے، اکثر وقت ضرورت پڑتی ہے تو جائز ہے یا نہیں اور اس نیت سے نہ پڑھے۔ بلکہ اس کی نیت کچھ بھی نہ ہو تو جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر بغرض حصول روزگار کے پڑھا تو کیا حکم شرع ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ سرکار انگریزی میں روزگار بجز اس کے نہیں مل سکتا تو ان تینوں صورتوں میں کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ انگریزی پڑھنا اور زبان سیکھنا بشرطیکہ دین میں مخل نہ ہو جائز ہے۔

انگریزی لکھنا

سوال (۸۳۰) ب۔ علم انگریزی سیکھنا کیسا ہے؟

جواب:۔ اگر انگریزی زبان پڑھنا اور اس کی خط و کتابت سیکھنا انگریزوں کے ساتھ محبت اور مشابہت

کی وجہ سے ہو تو ناجائز ہے ورنہ ان کے مضامین اور کتابوں سے مطلع ہونے اور ان کی تحریرات پڑھنے کی غرض سے ہو تو حرج نہیں۔ اور مشکوۃ شریف میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خط یہود سیکھنے کا حکم فرمایا تھا اور انھوں نے بہت جلدی اس کو سیکھ لیا۔

استنجاء کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا

سوال (۱۸۳۱) اگر کوئی شخص استنجا کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے تو وضو مکروہ ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ مکروہ نہ ہوگا، مگر نہ کرنا اولیٰ ہے۔

تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ قرآن پر اجرت لینا

سوال (۱۸۳۲) مولوی اور ملا لوگوں کی دعوت کرکے قبل طعام یا بعد طعام اجرت پر قبروں کی زیارت کراتے ہیں۔ اگرچہ وہ مقدار معین نہیں کرتے مگر ان کو دینا فرض سمجھا جاتا ہے اور پیسوں کے لالچ میں ملاجی خود بھی جاتے ہیں اور اگر پیسہ نہ دو تو نہیں جائیں گے۔ صورتِ مذکورہ میں کھانا کھلانے اور زیارتِ قبور کرانے کی شرعی حیثیت کیا ہے اور مُردوں کے لیے ایصالِ ثواب ہو جائے گا یا نہیں اور بصورتِ ایصالِ ثواب اجرت لینا کیسا ہے اور حدیث میں زیارتِ قبور کرنے کی تو تاکید ہے مگر زیارت کرانے کی کسی جگہ نہیں، تو زیارت کرانا بھی جائز ہے یا نہیں اور تسبیح و تہلیل کے ختم پر اجرت مقرر کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ تسبیح و تہلیل، تلاوتِ قرآن اور زیارتِ قبور وغیرہ پر اجرت لینا اور دینا دونوں صحیح نہیں۔ تنقیح فتاوی حامدیہ میں ہے:۔ اعلموا ان کتب المذھب من متونھا وشروحھا وفتاویھا کلھا متفقۃ علی ان الاستیجار علی الطاعات لایجوز عندنا واستثنی المتاخرون من مشائخنا تعلیم القرآن فجوزوا الاستیجار علیہ انتھی۔

اسی میں یہ بھی مذکور ہے:۔ التلاوۃ المجردۃ عن التعلیم من اعظم الطاعات التی یطلب بھا الثواب فلا یصح الاستیجار علیھا انتھی۔

نیز مذکور ہے:۔ وشرط الثواب الاخلاص للہ فی العمل والقاری بالاجرۃ انما یقرء لاجل الدنیا لالوجہ اللہ بدلیل انہ لو علم ان المستاجر لا یدفع الیہ شیئا لا یقرء حرفا واحدا خصوصا من جعل ذلک حرفتہ ولذا قال تاج الشریعۃ فی شرح الھدایۃ ان قاری القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری انتھی۔

اور فتاوی ولوالجیہ میں مکتوب ہے:۔ لو زار قبر صدیق او صدیق فقرء عندہ شیئا من القرآن فھو حسن اما الوصیۃ بذلک فلا معنی لھا ولا معنی ایضا بصلۃ القاری لانہ یشبہ استیجارہ علی قراءۃ القرآن وذلک باطل انتھی۔

اور تاتارخانیہ میں ہے:۔ ولا یجوز اخذ الاجرۃ علی طاعۃ اللہ انتھی۔

ان تمام عبارات سے واضح ہو گیا کہ جس طرح زیارتِ قبور اور تسبیح و تہلیل وغیرہ میں کہ جس سے مقصود تحصیل دنیا ہوتی ہے کوئی ثواب نہیں ہوتا، نہ میت کو اور نہ اس کام کے کرنے والے کو اسی طرح عبادات میں اجرت دینا

اور لینا ممنوع ہے۔

شادی پر نقارہ بجانا

سوال(۴۴۳) بوقتِ شادی و نکاح باجہ، تاشہ، نقارہ، دف، مزمار بجانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ احادیثِ صحیحہ سے حرمت جملہ آلاتِ غناء و مزامیر کی صاف صاف ثابت ہے مگر دف کہ اس کی اباحت میں مجالس نکاح وغیرہ میں حدیثیں وارد ہوئی ہیں، صحیح بخاری میں بطور تعلیق کے مذکور ہے:۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لتکونن من امتی قوم یستحلون الحریر والخمر والمعازف۔

ابنِ ماجہ میں مروی ہے:۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونہا بغیر اسمہا یعزف علی رؤسہم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بہم الارض ویجعل منہم القردۃ والخنازیر

اور جامع ترمذی میں مروی ہے:۔ تکون فی امتی خسف ومسخ اذا ظہرت القینات والمعازف۔

اور مسند احمد میں مروی ہے:۔ ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ۔

اور مسند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے:۔ یمسخ قوم من ہذہ الامۃ فی اخر الزمان قردۃ وخنازیر قالوا یارسول اللہ الیس یشہدون ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ قال ویصومون ویحجون ویصلون قیل فما بالہم قال اتخذ والمعازف والقینات۔

اور مسند احمد میں مروی ہے:۔ ان اللہ بعثنی رحمۃ للعالمین وامرنی ان امحق المزامیر والکفارات

اور ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے:۔ لیستحلن من امتی الحریر والخمر والمعازف

اور سنن ابو داؤد وغیرہ میں مروی ہے:۔ عن نافع قال سمع ابن عمر رضی اللہ عنہ مزمارا فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ونای عن الطریق وقال یا نافع ہل تسمع شیئاً فقلت لا فرفع اصبعیہ عن اذنیہ وقال کنت مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم فسمع مثل ہذا فصنع مثل ہذا۔

اور جامع الترمذی میں ہے:۔ اعلنوا ہذا النکاح واضربوا علیہ بالغربال۔

ان اخبار سے اور ایسی اور اخبار سے کہ ماہر فن حدیث پر مخفی نہیں صاف ثابت ہے کہ جملہ آلاتِ غناء کہ مسمی بمعازف و مزامیر ہیں شرعاً حرام ہیں سوائے دف کے، اور کتبِ حنفیہ کو دیکھیے تو بہت حنفیہ دف کو بھی منع کرتے ہیں اور بہت حنفیہ مطلق غناء کو بھی حرام کہتے ہیں۔

تاتارخانیہ میں ہے:۔ ان کان السماع غناء فہو حرام لان التغنی واستماع الغناء حرام انتہی۔

اور مبسوط میں ہے:۔ استماع الملاہی والتغنی کلہا حرام انتہی۔

اور محیط میں ہے:۔ التغنی والتصفیق بہا واستماعہا کلہا حرام انتہی۔

اور ہدایہ میں ہے:۔ دلت المسئلۃ علی ان الملاہی کلہا حرام حتی التغنی بضرب وتصفیق انتہی۔

اور نہایہ میں ہے:۔ التغنی والتصفیق والطنبور والبربط والدف وما اشبہ ذلک حرام انتہی۔

قول فیصل۔ اس باب میں جو مؤکد بالاحادیث ہے یہی ہے کہ نفس غنا عموماً ممنوع نہیں بلکہ اس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجیہ کے عارض ہوتی ہے اور مزامیر سب ممنوع ہیں بجز دف کے کہ اس کی رخصت، نکاح وغیرہ میں وارد ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

جزار کی امامت جائز ہے

سوال (۴۴۴) بکری وغیرہ کو اُجرت پر ذبح کرنے والا قصائی اگر امام بن جائے تو اس کی امامت صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب:۔ بالکل صحیح ہے اور ذبح شاۃ وغیرہ پر اجرت لینا شرعاً ممنوع نہیں

کارِ خیر کی خوشی میں دعوت کرنا

سوال (۴۴۵) کسی کارِ خیر کے انجام کی خوشی میں دعوت کرنا یا شیرینی تقسیم کرنا مثلاً کسی کا لڑکا کلام مجید ختم یا شروع کرے یا محراب سناوے، یا کوئی حج کرکے واپس آوے یا کسی قسم کی ترقی ہو تو خوشی میں بنظر شکریہ اپنے رب کے دوستوں و عزیزوں و حاضرین و مساکین کو کھانا کھلاوے یا کچھ تقسیم کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ اصل اس کی حدیث صحیح بخاری میں ہے جو باب الطعام عند القدوم میں مروی ہے:۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لما قدم المدینۃ نحر جزوراً او بقرۃ انتہی۔

اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں قصۂ قبولِ توبۂ کعب بن مالک میں مروی ہے:۔ فلما جاءنی الذی سمعت صوتہ یبشرنی نزعت لہ ثوبی فکسوتھا ایاہ ببشارتہ۔

اور بھی اس میں ہے:۔ قلت یا رسول اللہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ قال امسک بعض مالک قلت انی امسک سہمی الذی بخیبر انتہی۔ واللہ اعلم۔

خوشی کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنا

سوال (۴۴۶) کسی دوست، آشنا، اُستاد بزرگ کی قدوم کی خوشی میں ضیافت کی نیت سے جانور ذبح کرے یا شیرینی تقسیم کرے یا بلا قدوم کسی اور خوشی میں ذبح کرنا یا شیرینی بانٹنا درست ہے یا نہیں اور اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ درست ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ ذبح شاۃ بضیف ذاکرا علیھا اسم اللہ یحل اکلہ لانہ سنۃ الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام ومن ظن انہ لایحل لعلۃ انہ ذبح لاکرام بنی آدم فیکون کانہ اہل لغیر اللہ فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فان ان القصاب یذبح للذبح ولو علم انہ یخسر لا یذبح فیلزم علی ھذا الجاھل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب ولا ما ذبح للولایم والاعراس والعقیقۃ ولو ذبح لقدوم الامیر او لقدوم واحد من العظماء لایحل اکلہ وان ذکر اسم اللہ علیہ لانہ ذبح لتعظیم خلق اللہ ولھذا

لا یضعہ بین یدیہ بخلاف الاولیٰ لانہ یقدمہ بین یدیہ وھوا لفارق انتہیٰ۔

اور اصل اس باب میں قصہ کعب بن مالکؓ کا ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ جب توبہ ان کی قبول ہوئی انھوں نے اس کی خوشی میں اپنا سب مال صدقہ کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کسی قدر اپنے مال سے رہنے دو۔ تب انھوں نے اپنا حصہ جو غزوہ خیبر میں ملا تھا رہنے دیا، باقی صدقہ کردیا اور بھی باصل اس بحث میں شریعت ولیمہ ہے کہ بعد شب زفاف کے مسنون کیا گیا ہے اور اس کے فضائل میں احادیث صحاح میں مروی ہیں اور وہ حدیثیں جن میں بعد نکاح کے خرما لٹانا مروی ہے سنن بیہقی اور معجم طبرانی وشرح معانی الآثار طحاوی وغیرہ میں مروی ہیں مگر اسانید میں ان کے ضعف ہے اور اسی قسم سے اطعام اہل بارات ہے غرض احادیث متکثرہ سے جو وقائع مختلفہ میں وارد ہیں یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ خوشی کے وقت کھانا کھلانا یا تقسیم طعام کرنا اور کوئی چیز تقسیم کرنا جائز ہے اور اس کا کھانا ہر امیر وفقیر کو مباح ہے واللہ اعلم۔

حقہ کی عدم حرمت کے قائل کو کافر کہنا۔

سوال (۷۴۴) زید استعمال ناس کرتا تھا اور حقہ نوشی کو حرام نہیں کہتا تھا۔ اور بکر کہتا ہے کہ زید کافر تھا، اور اس کے مریدین بھی کافر ہیں اور حقہ پینے والے کی نماز جنازہ نہ ہونی چاہیئے تو کیا بکر کا قول صحیح ہے؟

جواب:۔ بکر کا قول محض لغو اور ناقابل اعتبار ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ بکر کو ایسے فتویٰ دینے سے منع کریں۔ واضح رہے کہ حقہ نوشی کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک اس کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال جواز وحرمت اور کراہت تحریمی وتنزیہی ہر قسم کے موجود ہیں، جن کی تفصیل میرے رسالہ ترویح الجنان بتشریح شراب الدخان میں موجود ہے۔ اور در مختار میں ہے:۔ اضطربت آراء العلماء فیہ بعضھم قال بکراھتہ وبعضھم قال بحرمتہ وبعضھم باباحتہ وافردوہ بالتالیف۔

اور شرح الوہبانیہ میں ہے:۔

یمنع من بیع الدخان وشربہ   وشاربہ فی الصوم لا شک یفطر

علامہ شیخ علی الاجہوریؒ اپنے رسالہ میں نقل کرتے ہیں:۔ انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمۃ المذاھب الاربعۃ قلت والف فی حلہ سیدی العارف عبد الغنی النابلسی الحنفی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان واقامۃ الطامۃ الکبریٰ علی القائل بالحرمۃ والکراھۃ فانھما حکمان شرعیان لابد لھما من دلیل ولا دلیل علی ذلک فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ واضرارہ وان فرض اضرارہ للبعض لا یلزم منہ تحریمہ علی کل احد انتہیٰ۔

اور شیخ عبدالغنیؒ شرح طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں:۔ من البدع العادیۃ استعمال التتن والقھوۃ انتہیٰ۔

اور شیخ عبدالخالقؒ مزجاجی حنفی اپنے بعض فتاویٰ میں تحریر کرتے ہیں:۔ قد تکلم العلماء والمتاخرون فی

ذلك لانه لم يكن في القرون السابقة فمن مفرط في ذمه حتى جزم بالحرمة ومن مفرط في مدحه ومنهم من توسط وقال انه مكروه تحريما وهذا عندي احسن الاقوال واعدلها اذلا قاطع بتحريمه وليس كل موذ ومنتن حراما والا لكان اكل الثوم والبصل والكراث حراما هذا كله في شرب دخانه واما اكله وشمه فهو مكروه تنزيها عندي لانها دون شرب دخانه انتهى ملخصا۔

طرفین کے دلائل معلوم ہونے کے بعد واضح ہوگیا کہ قولِ حرمت تو غیر معتبر ہے کیونکہ اس کے لیے دلیلِ قطعیہ کا ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے۔ اور قولِ جواز بلاکراہت بھی مخدوش ہے۔ البتہ قولِ کراہت قابلِ اعتبار ہے لیکن تمباکو کھانا یا ناک میں استعمال کرنا بلاکراہت جائز ہے۔ لہٰذا استعمالِ ناس اور حقہ نوشی کی بناء پر کسی کی تکفیر کرنا اور جنازہ کی نماز نہ پڑھنا کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا، اور ایک عالم کی شان سے اتنی بڑی جرأت بہت بعید ہے۔ اور اگر بفرضِ محال حرمت بھی ثابت ہو جائے تو مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جاسکتی شرح عقائد نسفی میں ہے کہ حرام کا ثبوت اگر دلیلِ قطعی سے ہو اور کسی کا اختلاف نہ ہو تو پھر اس کو حلال سمجھنے والے کی تکفیر کی جاسکتی ہے لیکن مختلف فیہ ہونے کی صورت میں کافر نہیں کہا جاسکتا۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں بھی یہی مذکور ہے۔

غیر اسلامی طریقوں کو پسند کرنا

سوال (۸۴۸) طریقِ کفر کی ترجیح دینے والا مولوی اور مدد دینے والا اور راضی ہونے والا عوام وخواص ان لوگوں کا شریعت میں کیا حکم ہے، اور جو شخص مسلمان ہوکر دینِ اسلام کے طریق اور صورت اور لباس کو ناپسند کرکے برہما کے طریق کے موافق عورت اور لباس کو پسند کرکے اور بال لمبے بڑھا کر عورتوں کے موافق جوڑا باندھتے ہیں اور لباس برہما کا پہنتے ہیں اور پسند لیے کرتے ہیں، ان کے لیے شریعت کی رُو سے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ایسا شخص فاسق وفاجر ہے، بلکہ طریقۂ کفار کو پسند کرنے میں خوفِ کفر ہے۔

برہمن لوگوں کے تہوار میں شریک ہونا

سوال (۸۴۹) چونکہ اس ملک میں برہما لوگ شروع سال جیت کے مہینے میں تین روز تک اپنے برہما طریق کے موافق دریا میں قریب ہزار تک آدمی جمع ہوکر پانی سے کھیلتے ہیں اور اس پرب کو بیشو پرب کہتے ہیں اور اسی بیشو پرب میں جو برہما لوگوں کا مبارک اور خوشی کا دن ہوتا ہے اور ان کا بڑا پرب اور میلہ ہوتا ہے جیسا کہ مجوسی کا نوروز اور ہندی لوگوں کی دیوالی اور بارنی افغان دو چار کشتی لے کر بازی لگا کر ہار اور جیت کی کشتی دوڑاتے ہیں اور کھیلتے ہیں اور کشتی میں لال اور کالے رنگ کا جھنڈا اُڑاتے ہیں اور ناچ اور ڈھول بجاتے ہیں۔ شعر اور اشعار پڑھتے ہیں اور ایک گھڑے میں لال رنگ لگا کر پانی بھر کر اور ایک چھوٹی انگی اس میں رکھتے ہیں اور کشتی دوڑانے وقت

جو آدمی کشتی دوڑانے کے لیئے موجود رہتے ہیں ان لوگوں کے بدن میں واسطے شگون کے کالا یا لال ایک ایک مرغی کا بچہ دیوتا کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں، اس نیت پر کہ وہ کھیل کی کشتی دریا میں غرق نہ ہو اسی طرح سے اس ملک کے مسلمان لوگ بھی اسی برہما طریق کے موافق ان دنوں میں اس فعل کو اچھا سمجھ کر ذوق اور شوق اور خوشی اور خرمی سے کشتیاں لے کر برہما لوگوں کے ساتھ بازی لگا کر پانی سے کھیلتے ہیں اور برہما کے ساتھ موافقت کرکے برہما لوگوں کے افعال اور امورات سابق الذکر کو خوشی اور خرمی سے کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کی عورتیں بھی خوشی اور ذوق سے اچھی پوشاک اور لباس فاخرہ اور زیورات سونا اور چاندی وغیرہ پہن کر عطر اور خوشبو لگا کر خوانچہ میں بھات اور پکوان وغیرہ رکھ کر جہاں کشتی کا تماشا ہوتا ہے اسی کشتی دوڑانے والے لوگوں کے کھانے کے لیئے لے جاتی ہیں، پردہ وغیرہ ندارد مثل عورات برہما کے، اس افعال کے کرنے والے مرد اور عورتوں پر از روئے شریعت شریف کیا حکم ہوتا ہے؟۔

جواب:۔ ایسے لہو ولعب کفار میں اہلِ اسلام کو شریک ہونا حرام ہے، بلکہ ان کی موافقت و رضا موجب کفر ہوتی ہے، حدیث میں وارد ہے:۔ من کثر سواد قوم فهو منهم۔

اور خزانۃ الروایات میں ہے:۔ فی الفصول قال الشیخ ابو بکر الطرخانی من خرج الی السدة فقد کفر لان فیه اعلان الکفر وعلی قیاس مسئلة السدة الخروج الی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه فی ذلك الیوم من المسلمین کفر وکذا الخروج الی لعب کفرة الهند فی الیوم الذی یدعونه بسرتهی والموافقة معهم فیما یفعلونه من تزئین البقور والافراس والذهاب الی دور الاغنیاء یلزم ان یکون کفرا وکذا الخروج فی لیلة تلعب فیها کفرة الهند بالنیران والموافقة معهم فیما یفعلونه فی ذلك الیوم من المسلمین کفرانتهی۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ الخروج الی نیروز المجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه فی ذلك الیوم کفر واکثر ما یفعل ذلك من کان اسلم منهم فیخرج فی ذلك الیوم ویوافق معهم فیما یفعلونه فی ذلك الیوم فیصیر بذلك کافرا ولا یشعر به اجتمع المجوس یوم النیروز فقال مسلم خوب سیرت نہادند یکفر انتہی۔

اور بھی اس میں ہے:۔ وما جرت الحادثة بسمرقند بنصب امیر نیروز واجتماع الناس وخروجهم الی باب رحمهم واجتماعهم فیه ثلاثة ایام فلاشك انهم ان ارادوا به تعظیم الیوم لذلك کفروا وان ارادوا به غیره فالاصواب ترکه وکذا اجتماع المسلمین یوم فصح النصاری انتہی۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ

ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے بکرے کو ذبح کرنا

سوال (۵۰۸) ہنود اس دیار کے ہر سال برسم پرستش گنگا دریا میں غسل کرتے ہیں اور منّت

لڑکوں کی آتارتے ہیں اور ان کا سر منڈاتے ہیں اور ایک راس بزغالہ گوسفند مادہ کو سیندور لگا کر ہار گلے میں پہنا کر دریا میں ڈالتے ہیں۔ چنانچہ اس پاٹھے کو ملاحان یا مسلمان نکال لاتے ہیں بعض اس کو ذبح ڈالتے ہیں، بعض اپنے مصرف میں لاتے ہیں پس آیا اس کو ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز نہیں، کیونکہ وہ جانور مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوا۔ اگرچہ مَا اُحِلَّ لِغَیرِ اللّٰہِ میں داخل نہیں۔

خنزیر کے دودھ سے پروردہ اونٹ کا گوشت کھانا

سوال (۸۵۱) اگر کوئی اونٹ خنزیر کا دودھ پلا کر پالا گیا تو اس اونٹ کا گوشت حلال ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ ذبح کرنے کے بعد کھانا جائز ہے کیونکہ اس کے گوشت میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور وہ دودھ جو غذا بن کر اس کے پیٹ میں گیا وہ ہلاک ہوگیا جس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ جیسا کہ تمرتاشی نے اپنی کتاب منح الغفار کی شرح میں اس کو صراحۃً بیان کیا۔

رسول اللہ صلی نے چہلم کیا؟

سوال (۸۵۲) ہدیۃ الحرمین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد سوم۔ دسویں۔ بیسویں اور چہلم میں چھوہارے پر فاتحہ دی اور صحابہؓ کو کھلایا۔ اور موجودہ زمانہ کے علماء، پھول، پان وغیرہ اور دسویں۔ بیسویں چہلم سے منع کرتے ہیں تو ان کا منع کرنا صحیح ہے یا غلط؟۔

جواب:۔ ہدیۃ الحرمین میں لکھا ہوا قصہ بالکل غلط ہے۔ کتب معتبرہ میں اس کا نشان تک نہیں۔

غیر مسلمہ دائی کو عقیقہ کا گوشت دینا

سوال (۸۵۳) اگر دائی ریداس (چمار) قوم سے ہو تو بچہ کے عقیقہ کا گوشت اس کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ایک ران بکری کی دائی کو دینا بہتر ہے۔ جیسا کہ زاد المعاد میں ہے، خواہ وہ دائی قوم چمار سے ہو

میت کے گھر میں حسب معمول کھانا پکانا

سوال (۸۵۴) میت کے مکان میں مرنے کے دن متعینہ جگہ پر حسب معمول کھانا پکانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔

نرد اور شطرنج کا عادی فاسق ہے۔

سوال (۸۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:۔

اول۔ بموجب مذہب حنفی میں شطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں، اگر نا جائز ہے تو اس کے کھیلنے والا فاسق ہے یا کیا؟

دوم۔ عادتِ دائمی اور اعلان کے ساتھ کھیلنے والا شطرنج کا، فاسق معلن بموجب مذہب حنفی قرار پاسکتا ہے یا نہیں؟

سوم۔ عادت دائمی اور اعلان کے ساتھ شطرنج کھیلنے والے کے پیچھے جب کہ باوجود ممانعت مسلمانوں کے وہ اس عادت کو ترک نہ کرے، بموجب مذہب حنفی نماز بلاکراہت ہوجاتی ہے یا نہیں؟۔ اگر کراہت ہے تو کس قسم کی؟

چہارم:۔ ایک مسجد میں جو امام مسلمانوں کی طرف سے مقرر ہے وہ اوقاتِ نماز میں شطرنج کھیلتا ہو اور نمازی جمع ہوکر بعدِ انتظار کسی اور شخص لائقِ امامت کو امام بناکر نماز پڑھ لیں تو ایسی صورت میں کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

جواب:۔ درمختار میں مرقوم ہے:۔ وکرہ تحریما اللعب بالنرد کذا الشطرنج واباحہ الشافعی وابو یوسف فی روایۃ وھذا اذا لم یقامر ولم یداوم ولم یخل بواجب والا فحرام بالاجماع انتہی ملخصًا۔

اور ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:۔ قولہ الشطرنج معرب شدرنج وانما کرہ لان من اشتغل بہ ذھب عناؤہ الدنیوی وجاء عناؤہ الاخروی فھو حرام وکبیرۃ عندنا وفی اباحتہ اعانۃ الشیطان علی الاسلام والمسلمین کما فی الکافی انتہی۔

اور بھی اس میں ہے:۔ قولہ وھذا الخ وکذا ان لم یکثر الحلف علیہ وبدون ھذہ المعانی لاتسقط عدالتہ للاختلاف فی حرمتہ انتہی۔

اور مجمع البرکات میں ہے:۔ یکرہ اللعب بالشطرنج والنرد وثلثۃ عشر واربعۃ عشر وکل لھو ما سوے الشطرنج حرام بالاجماع واما الشطرنج فاللعب بہ حرام عندنا واختلفوا فی اللعب بالشطرنج فرخص فیہ بعضھم ولکن بثلث شرائط ان لایقامر ولا یوخر الصلوۃ عن وقتھا وان یحفظ لسانہ عن الجفاء و الفحش فاذا فعل شیئًا منھا فھو مردود الشھادۃ وکرہ الشافعی کراھۃ تنزیہ لاتحریم کالنرد کذا فی مطالب المؤمنین۔ وذکر الغزالی فی خلاصتہ انہ مکروہ عند الشافعی ایضا فلعل ما وقع فی کتبنا ھو قولہ الاول کذا فی نصاب الاحتساب۔ وذکر الغزالی فی الاحیاء فی باب السماع اللعب بالشطرنج مباح ولکن المواظبۃ علیہ مکروہ کراھۃ شدیدۃ کذا فی مطالب المؤمنین انتہی۔

ان عبارات سے یہ امر ثابت ہوا کہ شطرنج کھیلنے والا بطور عادت دائمی کے باتفاقِ حنفیہؒ وشافعیہؒ وغیرہم فاسق ہے اور اس کے فاسق ومعلن ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔ اور نماز فاسق کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے۔ پس اہلِ اسلام پر واجب ہے کہ ایسے شخص کو امام نہ بنادیں اور اگر امام کسی مسجد کا مرتکب اس فعل کا ہو تو اس کو امامت سے معزول کردیں۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔

تمباکو کھانا

سوال (۸۵۶) تمباکو کھانا از روئے اتقا کیسا ہے، ترک اس کا اولیٰ ہے یا نہیں اور جن وجوہ ثلاثہ کی بنار پر حقہ پینا نزدیک بعض علمار کے مکروہ تحریمی ہے۔ اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، اس میں سے ایک وجہ یعنی بد بو تمباکو کی کھانے والوں سے پائی جاتی ہے پس اس صورت میں ترک اس کا اولیٰ ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ عمدہ وجہ کراہت حقہ پینے کی تشبہ بالکفار و استعمال ما بہ العذاب ہے، تمباکو کے کھانے میں نہیں ہے اور فی نفسہ تمباکو بد بو دار نہیں ہے، البتہ کھانے والے کی بد احتیاطی سے اس کے منہ سے بدبو آتی ہے اگر احتیاط سے ازالۂ بدبو نہ ہو سکے تو ترک اولیٰ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

شبہ زنا پر اپنی عورت کو طلاق دینا

سوال (۸۵۷) زید نے مسماۃ ہندہ بالغہ ناکتخدا سے نکاح کیا۔ زید حتی الوسع خود خبر گیری نان ونفقہ ہندہ کی کرتا ہے اور ہندہ سب طرح سے اطاعت زید مذکور کی کرتی ہے۔ لیکن زید کو ہندہ کی طرف سے ہمیشہ شبہ زنا کا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بعد بہت استفسار کے ہندہ نے خود زید سے اقرار کیا کہ میں بکر سے مرتکب فعل شنیعہ کی ہوئی ہوں، باوجود پردہ داری کے سعی زید کو اپنی زوجہ کی طرف سے شبہ مردان مختلف سے و دیگر امور خلاف شرعی یعنی رو برو ہونا مردان نامحرم کا رہتا ہے، اس صورت میں زید کا طلاق دینا عورت مذکور کو واجب ہے یا نہیں۔ اور اگر طلاق نہ دے تو زید کو ساتھ ہندہ کے کس طرح سے پیش آنا چاہیئے، اور اگر زید ہندہ کو طلاق نہ دے گا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر زید اپنے نفس پر قادر ہو کہ بعد طلاق دینے کے اس کی طرف التفات نہ کرے تو طلاق دینا اسکو بہتر ہے اور اگر نہیں تو نکاح میں رکھے اور حتی الوسع نصیحت و زجر و توبیخ کرتا رہے۔ واللہ اعلم۔

خشخاش کی کاشت کرنا

سوال (۸۵۸) خشخاش کی کاشت کرنا اور انگریزوں یا دوسرے لوگوں کے ہاتھوں اس کی نکلی ہوئی افیون فروخت کرنا کیسا ہے اور اس سے انتفاع حلال ہے یا حرام، اور بچوں کو افیون دینا یا دواییں ملانا کیسا ہے؟۔

جواب:۔ خشخاش کی کاشت جائز ہے، مگر اس سے افیون نکالنا اور فروخت کرنا یا دواییں ملانا اور لڑکوں کو کھلانا حرام ہے۔

مستورات کے لئے آواز بلند کرنا

سوال (۸۵۹) زید اور اس کے جملہ اہل خانہ آپس میں بآواز بلند باتیں کرتے ہیں کہ باہر والے بلا تکلف سن لیتے ہیں، اور یہ زید کو اس طرح بولنے سے منع بھی کرتے ہیں تو کیا اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی

شریعت ان کو بآوازِ بلند کرنے سے روکتی ہے؟

جواب:۔ عورتوں کے لیئے تو لازم وضروری ہے کہ بلا ضرورت شرعیہ اپنی آواز کسی غیر کو نہ سنائیں۔ اور بآوازِ بلند کلام کرنا ان کے لیئے گناہ ہے اور زید کو بھی احتیاط کرنا چاہیئے کہ عورتوں سے اس طرح کلام نہ کرے کہ آواز باہر پہنچے۔

کسی چیز میں شرعاً نحوست نہیں

سوال (۸۶۰) حدیث شریف میں کسی چیز کی نحوست، کا ذکر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شرعاً کسی چیز میں نحوست نہیں، بلکہ کسی چیز میں نحوست، کا اعتقاد رکھنے اور فالِ بد لینے کی حدیث میں ممانعت کی گئی ہے۔

حرام مغز کی کراہت

سوال (۸۶۱) حرام مغز مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ اور بصورت کراہت تحریمی اس کا مغز نکالنا صرف بڑے جانوروں سے ضروری ہے یا ہر چھوٹے بڑے جانوروں سے۔

جواب:۔ نصاب الاحتساب اور مطالب المؤمنین میں اس کو مکروہ لکھا ہے اور ظواہر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہتِ تنزیہی ہے۔ لہٰذا اگر کسی جانور کا مغز نکالنے میں دشواری ہو تو ضروری نہیں، ورنہ نکال لیا جائے۔

راگ گانا

سوال (۸۶۲) گانا راگ کا عموماً ومعرفت کا خصوصاً جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ اگر بغیر کسی مجلس اور بغیر مزامیر ودیگر محرمات کے ہو تو حرج نہیں ورنہ حرام ہے۔

موت کو خدا گنج گیا سے تعبیر کرنا

سوال (۸۶۳) ایک شخص کہتا ہے کہ زید خدا گنج گیا، اور مقصد اس کی وفات کو بیان کرنا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو شرک کہا تو اس کہنے والے کا حکم شرعی کیا ہے؟

جواب:۔ چونکہ یہ لفظ خبر وفات کے لیئے مشہور ہے، اس جملہ سے خدا کے لیئے کوئی گنج یا مکان کا ثبوت نہیں کیا جاتا، اس لیئے اس میں شرک نہ ہوگا، البتہ بے ادبی ضرور ہے۔

سودخوار کے وکیل کا حج کرنا

سوال (۸۶۴) زید نے حج کے واسطے جو روپیہ جمع کیا وہ کسی مہاجن سودخوار کا وکیل بن کر حاصل کیا تھا تو اس مال سے حج کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ جائز نہیں۔

توبہ کے بعد سابقہ مالِ حرام سے فعل خیر کرنا

سوال (۸۶۵) ایک عورت طوائف تائب ہوئی ہے اس کے پاس مال اپنے پیشے کا اندوختہ

سابق جمع ہے اس میں سے کارِ خیر مثلاً میلاد شریف، زکوٰۃ اور جمیع کارِ خیر وغیرہ مثل ذالک و خیرات بمحتاجان وتنخواہ تعلیم کنندہ قرآن کہ خود اور ایک لڑکی پڑھتی ہے اور بسا ئلان قرآن قرآن دیتی ہے اور اس طرح ارادہ کرتی ... ہے کہ ہمیشہ یہ امور جاری رہیں۔ ہر گاہ کہ یہ سب امور اس مال سے ناجائز و نادرست ہوں۔ اس صورت میں اس کو عذر چند طرح کے پیش ہیں اولیٰ یہ کہ کھانا اسی مال سے واسطے طاقت پڑھنے نماز کے کھاتی ہے، اور کپڑا واسطے ستر عورت کے پہنتی ہے کہ نماز درست ہووے۔

دوسرے یہ کہ روزہ رکھتی ہے اور اسی مال سے وقت افطار کے کھاتی اور کھلاتی ہے تاکہ دوسرے روز روزہ رکھنے کی قوت حاصل ہووے۔

تیسرے بروز عید اضحیٰ قربانی کرتی ہے اور مساکین کو گوشت دیتی ہے۔

چوتھے یہ کہ ارادہ حج بیت اللہ کا رکھتی ہے۔ سو یہ سب کام احکام فرض اور خیر کے ہیں، یہ سب بھی ناجائز ہو جاویں گے یعنی نماز اور روزہ اور قربانی اور حج درست نہ ہوں گے تو سب کو چھوڑ اور دست بردار ہو جاوے، اس پر بھی فکر رہی کہ اس مالِ اندوختہ کو کس کام میں خرچ کرے آیا شراب خواری اور عیاشی وقمار بازی کرے اور شراب خواروں یا اوباشوں اور قمار بازوں کو دے ڈالے کہ وہ سب اپنے فعلِ شنیعہ میں خرچ کریں۔ یا یہ کہ انگریزوں کو دے دیوے یا قرض، پس جو معقول صورت اس مال کے متعلق ہو تحریر فرمائیے۔

جواب:۔ مالِ حرام سے امورِ خیر کرنا اور کھانا پینا اور اس کو تصرف میں لانا سب حرام ہے اور اگر اس مال کو امورِ حرام میں صرف کرے گی تو اور زیادہ گنہگار ہوگی۔ اس طوائف کو لازم ہے کہ کسی سے روپیہ قرض لے کر اس مال سے ادا کرے، اور جس قدر اس کے پاس مالِ حرام ہے اس قدر قرض لے کر سب امورِ خیر کرے اور اس قرض کا ادا اسی مالِ حرام سے کر دے۔ واللہ اعلم۔

بجنے والا زیور پہننا

سوال (۸۶۶) عورتوں کو اس قسم کا زیور نقرئی پہننا جو خود بجنے والا نہ ہو، مگر ایک دوسرے سے لگ کر بجے جیسے کڑے چھڑے، حسبِ معمول اس دیار کے کہ تین عدد پیروں میں پہنتے ہیں اور بر وقت رفتار لگ کر بجتے ہیں یا گھنگرو اس قسم کے کہ جن کے اندر بجانے والا دانہ ہو، مگر وہ بھی آپس میں لگ کر بجتے ہوں جائز و درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ عورتوں کو ایسا زیور پہننا جو حرکت پاکر خود آواز کرے یا ایک دوسرے کو لگ کر بجے جس کی آواز سے اظہار مخفی زینت کا ہو اور جانا جاوے کہ عورت فلانی زیور والی ہے منع ہے، اس واسطے کہ علم با آواز زیور مورث میل و خواہش کا ہوتا ہے مردوں کو۔ کما فی البیضاوی ولا یضربن بارجلھن لیعلم

مایخفین من زینتھن لتقعقع خلخالھا فیعلم انھا ذات خلخال فان ذلک یورث میلا فی الرجال وھوابلغ من النھی عن اظھار الزینۃ واول علی المنع من رفع الصوت انتہیٰ۔

اور یہ معلوم ہے کہ جس مرد پر غلبۂ شہوت عورتوں کا ہوتا ہے جب ان کے زیور کی آواز سنتا ہے، ہوجاتا ہے یہ سبب زیادتی خواہش کا ان کے دیکھنے میں۔ کما فی التفسیر الکبیر اما قولہ تعالیٰ ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن فقال ابن عباس و قتادۃ کانت المرأۃ تمر بالناس وتضرب برجلھا لیسمع قعقعۃ خلخالھا ومعلوم ان الرجل الذی یغلب علیہ شھوۃ النساء اذا سمع صوت الخلخال یصیر ذلک داعیۃ زائدۃ فی مشاھدتہن وقد علل تعالیٰ ذلک بان قال لیعلم مایخفین من زینتھن من الحلی وغیرہ انتہیٰ۔

اور حدیثوں سے ایسا ظاہر ہے کہ لڑکیوں کو بھی ایسا زیور پہننا منع ہے۔ کما فی المشکوٰۃ وعن ابن الزبیر ان مولاۃ لھم ذھب بابنۃ الزبیر الی عمر بن الخطاب وفی رجلھا اجراس فقطعھا عمر وقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مع کل جرس شیطان رواہ ابوداؤد وعن بنانۃ مولاۃ عبدالرحمن بن حبان الانصاری کانت عند عائشۃ اذ دخلت علیھا بجاریۃ وعلیھا جلاجل یصوتن فقالت لا تدخلنھا علی الا ان تقطعن جلاجلھا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ جرس رواہ ابوداؤد انتہیٰ واللہ اعلم۔ رقمہٗ شجاعت علی عفی عنہ

فی الواقع ایسا زیور پہننا کہ آواز دیتا ہے نہیں جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی۔

بغیر استاد کے قرآن مجید پڑھنا

سوال (۸۶۷) رواج ہے کہ بچپن میں چند سپارے استاد سے پڑھ کر چھوڑ دیئے۔ دوسرے علوم سے فارغ ہو کر خود اس کی تکمیل کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا اور بغیر استاد کے پڑھنا جائز ہے۔

جواب:- جائز ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ اتقان میں تحریر فرماتے ہیں:- ادعی ابن خیر الاجماع علی انہ لیس لاحد ان ینقل حدیثا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم یکن لہ بہ روایۃ ولو بالاجازۃ فھل یکون حکم القرآن کذلک فلیس لاحد ان ینقل آیۃ او یقرأھا مالم یقرأھا علی الشیخ لم ار فی ذلک نقلا ولذلک وجہ من حیث ان الاحتیاط فی اداء الفاظ القرآن اشد منہ فی الفاظ الحدیث ولعدم اشتراطہ وجہ من حیث ان اشتراط ذلک فی الحدیث انما ھو بخوف ان یدخل فی الحدیث مالیس منہ او یتقوا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم یقلہ والقرآن محفوظ منہ وھذا ھو الظاھر انتہیٰ۔

اور اسی میں مکتوب ہے:- الاجازۃ من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للقراءۃ والافادۃ فمن علم من نفسہ الاھلیۃ جاز لہ ذلک وان لم یجزہ احد وعلی ذلک السلف الاولون والصدر

الصالحون وکذالک فی کل علم و فی الاقرار والا فتاء انتہی۔

انگریزی زبان کی تعلیم

سوال (۸۶۸) تعلیم زبانِ انگریزی آیا وہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز اور آیا اس کے عدمِ جواز پر من تشبہ بقوم فھو منھم سے استدلال ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اور بعض احادیث میں جو وارد کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابۂ کرام کو توریت یا انجیل پڑھتے دیکھ کر ان کو اس کے پڑھنے سے منع فرمایا۔ اس روایت سے تعلیم زبانِ انگریزی کا شرعاً ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: نفس تعلیم زبان انگریزی شرعاً جائز ہے۔ کیونکہ موافق علم اصول کے اصل حلّت ہے پس تاوقتیکہ منع شرعی ثابت نہ ہو ہر شے شرعاً جائز سمجھی جاوے گی۔ من تشبہ بقوم الخ اور دوسری روایت سے انگریزی سیکھنا ممنوع نہیں ثابت ہوتا۔ کیونکہ اس میں تشبہ بالنصاریٰ نہیں ہے۔ اور نہ انگریزی زبان میں توریت وانجیل ہے۔ اشرف علی عفا اللہ عنہ۔

فی الواقع نفس تعلیم زبان انگریزی شرعاً ممنوع نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو زبان یہودی سیکھنے کا حکم کیا جیسا کہ جامع ترمذی وغیرہ میں مروی ہے۔ اور ملا علی قاری مکی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے:۔ لایعرف فی الشرع تحریم علم لغۃ من اللغات سریانیۃ کانت او عبرانیۃ هندیۃ کانت او ترکیۃ او فارسیۃ کانت او غیرھا انتہی۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منع کرنا قراءتِ توریت سے اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ زبانِ کفار میں ہے۔ بلکہ اس غرض سے تھا کہ ایسا نہ ہو، اس امت کے لوگ قرآن کو واگذاشت کرکے اور کتبِ سابقہ کی طرف متوجہ ہوجاویں اور اپنے دین کو غارت کردیں۔ تفصیل اس کی شرح کتب حدیث میں موجود ہے اور حدیث میں تشبہ کو تعلیم زبان سے کچھ واسطہ نہیں، اور اوضاع خاصہ واطوارِ خاصہ کفار کو طعام وشراب ولباس ومشی وغیرہ میں اختیار کرنا داخل تشبہ ہے نہ کسی زبان کو سیکھنا۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی

مختلف زبانوں کی تعلیم حاصل کرنا

سوال (۸۶۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین درباب جواز تعلیم زبان انگریزی بشمول دیگر السنہ جن کی تعلیم کی غرض سے نواب صاحب بہادر والیٔ سورٹھ نے ایک مدرسہ خاص مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے جاری فرمایا ہے۔ ہرچند کہ خاص شہر جوناگڈھ میں مکتب گجراتی اردو زبان کے ہیں اور ہائی اسکول بھی جس میں انگریزی تعلیم عموماً ہندو ومسلمان کو ہوتی ہے موجود ہے۔ مگر خاص بغرض تحفظ دین وعقائد اہل اسلام حضور نواب صاحب بہادر دام اقبالہ نے یہ مدرسہ مسلمانوں ہی کے واسطے قائم فرمایا اور ایک عالم متقی اور پرہیزگار کو اس کا پرنسپل مقرر

کیا ہے کہ تعلیم علوم دینی و دنیاوی باحسن وجوہ ہو۔ اس صورت میں علمائے دین اس طور کی تعلیم انگریزی کو جس میں خیالِ دین مقدم ہے جائز فرماتے ہیں یا نہیں؟۔

جواب:۔ اس طور سے تعلیم زبان انگریزی کہ جس میں خیالِ دین مقدم ہو درست ہے۔ شرعاً کسی زبان کے سیکھنے کی اگرچہ وہ زبان کفار کی ہو ممانعت نہیں وارد ہے بلکہ جب منجر کسی مفسدہ کی طرف ہو اور اس سے انسان کے اطوارِ شرعیہ و عقائدِ دینیہ میں خلل واقع ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بعض صحابہؓ کو زبانِ یہودی سیکھنے کی اجازت دی ہے۔ جامع ترمذی میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔ امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتعلم السریانیۃ وفی روایۃ امرنی ان اتعلم کتاب یہود وقال انی ما آمن یہود علی کتاب قال فما مر بی نصف شہر حتی تعلمتہ فکان اذا کتب الی یہود کتبت واذا کتبوا الیہ قرأت لہ کتابہم انتہیٰ۔

ملا علی قاری مکی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔ قیل فیہ دلیل علی تعلم ما ہو حرام فی شرعنا للتوقی عن الوقوع فی الشر کذا ذکرہ الطیبی فی ذیل کلام المظہر وہو غیر ظاہر اذ لا یعرف فی الشرع تحریم علم لغۃ من اللغات سریانیۃ کانت او عبرانیۃ ہندیۃ او ترکیۃ فارسیۃ او غیرہا نعم یعد من اللغو ما لا یعنی وہو مذموم عند ارباب الکمال الا اذا ترتبت علیہ فائدۃ فحینئذ یستحب کما یستفاد من الحدیث انتہیٰ۔

عورتوں کو کتابت سکھانا

سوال (۸۷۰) عورتوں کو کتابت سکھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے۔ روایاتِ حدیث اور عبارتِ فقہاء اس پر شاہد ہیں اور اکابر علماء کا عمل جواز کا مؤید ہے۔ حیوٰۃ الحیوان میں ذکر نمل کے تحت لکھا ہے:۔ اخرج ابو داؤد والحاکم وصححہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لشفا بنت عبد اللہ علمی حفصۃ رقیۃ النملۃ کما علمتہا الکتابۃ والنملۃ قروح یخرج فی الجنب من البدن ورقیتہا شیٔ کانت تستعملہ النساء انتہیٰ۔ اس روایتِ صحیح سے واضح ہو گیا کہ حضرت شفاء کتابت جانتی تھیں۔

حضرت معاویہؓ کی ہجو میں اشعار پڑھنا

سوال (۸۷۱) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ دریں اشعار ؎

داستانِ پسرِ ہندہ مگر نشنیدی — کہ ازو و زسہ تن او بہ پیمبر چہ رسید
پدرِ او دُرِ دندانِ پیمبر بشکست — مادرِ او جگرِ عمِ پیمبر بمکید
او بناحق حقِ دامادِ پیمبر بگرفت — پسرِ او سرِ فرزندِ پیمبر ببرید
بر چنیں قوم تو لعنت نکنی شرمت باد — لعن اللہ یزیدا و علیٰ قوم یزید

امور تنقیح طلب (۱) پسر ہندہ کس صحابیؓ سے مراد ہے، ان کا اسم شریف کیا تھا؟۔

(۲) صحابی موصوف سے کیا سوء ادبی جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں واقع ہوئی تھی؟
(۳) صحابی موصوف کے سہ تن ان کے کون کون اعزاء سے مراد ہے اور ان کے کیا نام ہیں؟۔
(۴) صحابی موصوف کے والد نے دندانِ مبارک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کیا تھا یا نہیں اور ان کا نام کیا تھا؟۔
(۵) صحابی موصوف کی والدہ نے عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کیا تھا اور ان کا نام کیا تھا؟
(۶) صحابی موصوف نے حقِ داماد پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا کیونکر غصب کیا تھا اور یہ معاملہ کس طور پر واقع ہوا تھا؟
(۷) صحابی موصوف کا بیٹا جس نے قرۃ العین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کیا تھا، ان کا کیا نام تھا، یزید سے مراد ہے یا اور کسی سے، لفظِ جنیں قوم سے کون قوم مراد ہے سنی یا خارجی؟
(۸) قوم یزید سے کون قوم مراد ہے سنی یا خارجی، اہلِ سنت وجماعت کو ان اشعار کا پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ اگر اہلِ سنت کو اس کا پڑھنا درست نہیں، اور اتفاقاً نظر اس جگہ پر جہاں یہ اشعار لکھے ہوں، جا پہنچے اور دیکھ لیا تو کچھ کفارہ ادا کرنا چاہیئے یا نہیں، اور اگر ادا کرنا چاہیئے تو اس کی تصریح معلوم ہونا چاہیئے۔

جواب: اہلِ سنت کو اس شعر کا کہ ہمہ تن مشتمل ہے ہجو صحابہ پر پڑھنا نہیں درست ہے اور اگر اتفاقاً بوجہ نا معلوم ہونے اس کے مطلب کے پڑھ لیا یا دیکھ لیا تو کچھ ہرج نہ ہوگا اور کچھ گناہ یا کفارہ لازم نہ ہوگا مگر بعد معلوم ہونے مطلب کے کہ اس کو پڑھنا حرام ہے۔ پسرِ ہندہ سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی والدہ کا نام ہندہ بنتِ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھا، تا زمانہ فتح مکہ وہ ان کے شوہر ابوسفیان والدِ معاویہؓ کافر تھے، سن ہجری آٹھ تھا، جب کہ فتح مکہ ہوئی اور اسی سال دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے، اور معاویہؓ بھی اسی وقت اسلام لائے ہنگام غزوۂ احد کہ سنہ تین ہجری میں ہوا تھا، ابوسفیان اور ان کی بی بی کفار کے لشکر میں آئے تھے، اسی غزوہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے، بعض لکھتے ہیں کہ ابوسفیان نے شہید کیا تھا اور بعض عتبہ بن ابی وقاص کا نام لیتے ہیں، جن کو سعادتِ اسلام نصیب نہیں ہوئی اور صحیح یہی ہے۔ اور جس نے ابوسفیان کو لکھا اس کو شبہ پڑا کہ عتبہ کی والدہ کا نام ہندہ بنتِ وہب بن الحارث بن زہرہ تھا پس چونکہ ابوسفیان کی بی بی اور عتبہ کی والدہ کا نام ایک ہی تھا۔ اس وجہ سے اس نے اس حرکت کو ابوسفیان کی طرف منسوب کر دیا، یہی مراد ہے اس شاعر خبیث کی ع پدر او دُرِ دندانِ پیمبرؐ بشکست۔ سے۔

اور جس وقت غزوۂ احد میں چچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ابوسفیان کی بی بی ہندہ نے بہ سبب شدتِ عداوت ان کے جسدِ مقدس کو چاک کر کے ان کا جگر نکال کر

چوس لیا۔ یہی مراد ہے خبیث کی جملہ ع مادرِ اُو جگرِ عمِ پیمبر بمکید۔ سے۔
اور معاویہؓ نے باب خلافت میں جو حضرت علیؓ سے مقابلے کیے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعد شہادت حضرت علیؓ کے امام حسینؓ نے مصالحہ کرلیا اور خلافت حضرت معاویہؓ کو سپرد کردی، اس کی طرف خبیث نے جملہ ع او بناحق حقِ داماد پیمبر بگرفت۔ سے اشارہ کیا۔
اور یزید بن معاویہؓ نے امام حسینؓ کی شہادت میں جو کچھ قبائح کیے اس کی طرف اس مصرع ع پسرِ او سرِ فرزند پیمبر ببرید۔ میں اشارہ ہے۔
اور مراد چنیں قوم ہے یزید اور اس کے مادر و پدر و پدر پدر ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک قبائح یزید تو البتہ قابلِ ملامت ہیں، باقی قبائح ابوسفیان اور ہندہ کے، ان کے اسلام سے سب محو ہو گئے اور معاویہؓ کے مقاتلے بھی خطائی الاجتہاد پر محمول ہیں، ان تینوں حضرات صحابہؓ کو برا کہنا نہیں درست ہے۔ تفصیل ان سب امور کی کتب علم کلام میں اور کتب اخبار صحابہ میں مسطور ہے۔

بالغ کی ختنہ کا حکم

سوال (۸۷۲) مسلمان بچہ بالغ بغیر ختنہ کے ہو یا کافر مسلمان ہوا ہو، جوان یا بوڑھا تو اس کی ختنہ کرانا ضروری ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ بمذہب اصح ختنہ سنتِ مؤکدہ ہے فرض نہیں، اور سترِ عورت فرض ہے۔ لہٰذا بالغ کے لیے ختنہ ضروری نہیں۔ ہاں اگر وہ خود اپنی ختنہ کرلے یا ختنہ کرنے والی عورت خریدے یا نکاح کرے اور اس سے ختنہ کرالے تو کوئی حرج نہیں۔ اور نو مسلم کے لیے ختنہ کرانا ضروری ہے۔ خزانۃ الروایات میں ہے:۔ فی الذخیرۃ ان المسلم یختن مالم یبلغ فاذا بلغ لم یختن لان ستر عورت البالغ فرض والختان سنۃ فلا یترک الفرض للسنۃ والکافر اذا اسلم یختن بالاتفاق لمخالفۃ دین الاسلام وھو بالغ انتھی۔
اور مجمع البرکات میں ہے:۔ وقیل فی ختان الکبیر اذا امکن ان یختن نفسہ فعل والالم یفعل الا ان یمکنہ ان یتزوج او یشتری ختانۃ انتھی۔

سات زمین اور سات پیغمبر

سوال (۸۷۳) زید نے بہ تبع ایک عالم کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی در بارۂ قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو درمنثور وغیرہ میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وموسیٰ کموسکم وعیسیٰ کعیسکم ونبی کنبیکم کے یہ عبارت تحریر کی کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیثِ مذکور کہ صحیح اور معتبر ہے اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں۔ اور ہر طبقے میں مخلوق الٰہی ہے اور حدیثِ مذکور سے ہر طبقے میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک خاتم کا ہونا طبقاتِ باقیہ میں ثابت ہوتا ہے

مگر اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ وہ خاتم مماثل آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوں۔ اس لیئے کہ اولادِ آدم جس کا ذکر ولقد کرمنا بنی آدم میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے، وہ اسی طبقہ کی آدم کی اولاد ہے بالاجماع اور ہمارے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب اولادِ آدم سے افضل ہیں تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے، پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے مماثل کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ انتہیٰ

اور باوجود اس تحریر کے زید کہتا ہے اگر شرع سے اس کے خلاف ثابت ہوگا تو میں اسی کو مان لوں گا، میرا اصرار اس تحریر پر نہیں، پس علماء شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث اس معنوں کو محتمل ہیں یا نہیں اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہل سنت وجماعت سے ہوگا یا نہیں؟

جواب: مخفی نہ رہے کہ حدیث مذکور محققین محدثین کے نزدیک معتمد ہے، حاکم نے اس کے حق میں صحیح الاسناد کہا اور ذہبی نے حسن الاسناد کا حکم دیا، اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علت قادحہ معتمدہ نہیں ہے۔ اور زمین کے طبقات جداگانہ ہونا بہت احادیث سے ثابت ہے۔ اور اس حدیثِ مذکورسے ہونا انبیاء کا طبقاتِ باقیہ میں ثابت ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سلسلہ نبوت اس طبقے میں واسطے ہدایت سکان کے تیار ہوا اسی طرح سے ہر طبقے میں سلسلہ نبوت کا واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا اور چونکہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ لا متناہی سلسلے باطل ہے۔ لاجرم ہر طبقے میں ایک مبدا سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ مشابہ کیا گیا اور ایک آخر سلسلہ ہوگا کہ وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا۔ پس بناء علیہ اواخرانبیاء طبقات تحتانیہ پر اطلاق خواتم کا درست ہے۔ اب یہاں تین احتمال ہیں:۔

ایک یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ بعد عصر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے ہوں۔ دوسرے یہ کہ مقدم ہوئے ہوں، تیسرے یہ کہ ہمعصر ہوں۔ احتمال اول بحدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وغیرہ باطل ہے اور بر تقدیر احتمال ثانی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم انبیاء ہر طبقات کے ہوں گے۔ اور بر تقدیر ثالث دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص ساتھ اسی طبقے کے ہو اور آپ کی خاتمیت بہ نسبت انبیاء اسی طبقے کے ہو اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کے خاتم کی رسالت ہو اور ہر ایک ان میں صاحب شرع جدید وخاتم انبیاء کے لیئے طبقات کا ہو۔ دوسرے یہ کہ خواتم طبقاتِ تحتانیہ متبع شریعت محمدیہ ہوں اور کوئی ان میں کا صاحب شرع جدید نہ ہو اور دعوت ہمارے حضرت کی عام اور ختم آپ کا بہ نسبت جملہ انبیاء طبقات کے حقیقی ہو اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کا بہ نسبت اپنے اپنے سلسلے اضافی ہو، احتمال اول بہ نسبت عموم نصوص بعثتِ نبویہ کے کہ جس سے صاف آں حضرتؐ کا مبعوث ہونا تمام عالم پر معلوم ہوتا ہے باطل ہے

اور علمائے اہلِ سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آں حضرت کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا، اور نبوت آپ کی عام ہے اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہو گا تبع شریعت محمدیہ کا ہوگا۔ چنانچہ تقی الدین سبکی سے جلال الدین سیوطی رسالۃ الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام میں نقل کرتے ہیں:۔

قال السبکی فی تفسیرہ ما من نبی الا اخذ اللہ علیہ المیثاق انہ ان بعث محمد فی زمانہ لیومنن بہ ولینصرنہ ویوصی امتہ بذلک وفیہ من النبوۃ وتعظیم قدرہ ما لا یخفی وفیہ مع ذلک انہ علی تقدیر مجیئہ فی زمانہم یکون مرسلا الیہم ویکون نبوتہ و رسالتہ عامۃ لجمیع الخلق من زمن ادم الی یوم القیامۃ ویکون الانبیاء وامہم کلہم من امۃ فالنبی صلے اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ولو اتفق بعثۃ فی زمن ادم ونوح وابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ وجب علیہم وعلی امہم الایمان بہ ونصرتہ ولہذا یاتی عیسیٰ فی آخر الزمان علی شریعتہ ولو بعث النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی زمان موسیٰ وابراہیم ونوح وادم کانوا مستمرین علی نبوتہم ورسالتہم الی امہم والنبی صلے اللہ علیہ وسلم نبی علیہم ورسول الی جمیعہم انتہی۔

اور بحر العلوم مولانا عبد العلی اپنے رسالہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں:۔

مقتضی ختم رسالت دو چیز است یکے آنکہ بعد وے رسول نباشد و دیگر آنکہ شرع وے عام باشد وہر کسے کہ موجود باشد وقت نزول شرع وے اتباع شرع وے بر و واجب وفرض ست وسر خش اینکہ ہمہ رسل در اخذ شرع مستمد از خاتم الرسالۃ اند وچونکہ شرع او عام باشد پس دیگرے صاحب شرع نباشد۔ انتہی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث ابن عباس صحیح و معتبر ہے اور اس سے طبقات تحتانیہ میں وجودِ انبیاء ثابت ہے اور یہ بہ نسبت بطلان تناہی سلسلے کے ہر ایک طبقے میں ایک آخر انبیاء بہ نسبت اس طبقے کے ہونا ضروری ہے لیکن مطابق عقائد اہلِ سنت یہ امر ہے کہ دعوت ہمارے حضرت کی عام ہے۔ تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیے کہ خواتم طبقات باقیہ بعد عصر نبویہ نہیں ہوئے یا قبل ہوئے یا ہمعصر اور بر تقدیر اتحاد عصر تبع شریعت محمدیہ ہوں گے اور ختم ان کا بہ نسبت اپنے طبقے کے اضافی ہوگا اور ختم ہمارے حضرت کا عام ہوگا اور تفصیل ان سب امور کی میں نے کما حقہ اپنے دو رسالوں میں ایک مسمی بالآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات، دوسری مسمی بدافع الوسواس فی اثر ابن عباس کی ہے۔ ہر گاہ یہ امر ممہد ہو چکا پس سمجھنا چاہیے کہ زید کو جس نے عبارت جو سوال میں مرقوم ہے لکھی ہے ہر گاہ مماثلت سے انکار ہے اور صحتِ حدیث وثبوت تعدد خواتم طبقات تحتانیہ کا قائل ہے۔ مخالف اہلِ سنت کے نہیں ہے، نہ کافر نہ فاسق بلکہ متبع سنت مگر ہاں اگر نبوتِ محمدیہ کو ساتھ اسی طبقے کے خاص کرتا ہو، اور ہر ایک خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھا ہو تو البتہ قابلِ مواخذہ کے ہے۔ کیونکہ یہ امر خلاف نصوص و خلاف کلمات علماء کے معلوم ہوتا ہے اور اگر مجرد تعدد خواتم

کا قائل ہو اور ختم ہمارے رسول کو حقیقی بہ نسبت جملہ انبیا رجملہ طبقات کے سمجھتا ہے اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کو اضافی کہتا ہے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔

نوشہ کو گھوڑے پر سوار کرنا

سوال (۸۷۴) صرف نوشہ کے لیئے عمدہ فرش بچھانا اور پیچھے اس کے پردہ کپڑے کا کہ اس ملک میں اس کو سہری بولتے ہیں کھڑا کرنا اور خاص نوشہ کو سواری پر جانا گو ہمیشہ پیدل جاتا ہو اور سر پر چاندنی کھڑی کرنا اور جو متعلق نوشہ یعنی باپ، بھائی، بھتیجا وغیرہ ہوں، ان کو عمدہ کھانا کھلانا یہ امور مذکورہ بدعت ہیں یا نہیں، اور اگر بدعت ہیں تو کون سی بدعت ہیں اور یہ امور مثل ناچ باجہ اور فاتحہ جو کہ کھانے کے سامنے ہاتھ اٹھا کر پڑھتے ہیں برابر ہے یا کم؟

جواب:۔ یہ امور مثل ناچ باجہ کے کہ جن کی حرمت منصوص ہے نہیں بلکہ قبیل بدعات مباحہ سے ہیں۔ مگر چونکہ اس قسم کے امور میں اکثر ریا وسمعہ وتفاخر منظور ہوتا ہے اس وجہ سے بعض فقہاء حکم کراہت کا دیتے ہیں۔ نصاب الاحتساب میں بحث مفاسد مجالس نکاح میں مذکور ہے:۔ الاول احضار المغنیین واظہار الغناء فانہ حرام والثانی احضار المعازف والملاهی وانہ حرام والثالث اظہار لعب اللعابین وانہ حرام والرابع ستر حیطان البیت بالثیاب الجمیلۃ تزیینا وانہ مکروہ عندنا والخامس رکوب الخیول والطواف بالطبل من غیر حاجۃ فی جمیع الناس انتہی۔

ہاتھی کی سواری

سوال (۸۷۵) ہاتھی پر سواری کرنا کیسا ہے؟۔

جواب:۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور منح الغفار میں ہے:۔ والفیل کالخنزیر عند محمد فیکون حکمہ حکمہ وعندھما کسائر السباع نجس السور واللحم لا العین فیجوز بیع عظمہ والانتفاع بہ فی الحمل والمقاتلۃ انتہی۔

اور مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں شیخین کے قول کی تائید کی گئی ہے۔ مذکور ہے والمختار قولھما انتہی

ہاتھی کا پہلا سوار

سوال (۸۷۶) ہاتھی پر سب سے پہلے کون شخص سوار ہوا؟

جواب:۔ باوجود تلاش کے معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ حیوۃ الحیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی کا وجود ذوالقرنین کے زمانہ میں تھا۔

کھٹمل کو گرم پانی سے مارنا

سوال (۸۷۷) چارپائی سے کھٹمل نکالنے کے لیئے گرم پانی ڈالنا یا ان کو پانی میں ڈالنا کیسا ہے؟

جواب: مکروہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے احراق القمل والعقرب وغیرھما بالنار مکروہ لان

فی الحدیث لایعذب بالنار الاخالقھا واکرہ القاؤہ فی الماء انتھی۔

سانپ کے کاٹے پر منتر پڑھنا

سوال (۸۷۸) سانپ یا بچھو کے کاٹے پر منتر پڑھنا کیسا ہے اور اس کا کوئی منتر حدیث میں مذکور ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جائز ہے بشرطیکہ قرآن وحدیث کی بیان کردہ دعاء کے ساتھ ہو، لیکن زبانِ فارسی یا ایسی چیز کے ساتھ منتر پڑھنا جس کے معنی معلوم نہ ہوں، جائز نہیں، کیونکہ اس میں احتمالِ کفر ہے۔ امام مالکؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص قبیلہ بنی سلیم کا آکر کہتا ہے، شب خواب کردم۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت فرمائی، وہ جواب دیتا ہے یارسول اللہ! میرے بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ یہ سن کر آپ فرماتے ہیں۔ اگر تو بوقتِ شب اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق کہہ لیتا تو کچھ اثر نہ ہوتا۔

نیز حدیث میں مذکور ہے۔ اگر کوئی شخص اول شب میں یہ دعاء عقدت ذنب العقرب ولسان الحیۃ وید السارق بقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ پڑھ لے تو سانپ وبچھو اور چور کے شر سے محفوظ رہے۔

اور ایک مجرب دعا اور ہے کہ بچھو کے کاٹنے کی وجہ سے درد جس جگہ تک پہنچ گیا ہو، اس جگہ ایک لوہا رکھ کر یہ دعاء پڑھی جائے سلام علی نوح فی العالمین وعلی محمد فی المرسلین من حاملات السم اجمعین لادابۃ بین السماء والارض الاربی اخذ بنا صیتھا اجمعین کذلک یجزی عبادۃ المحسنین ان ربی علی صراط المستقیم نوح نوح قال لکم نوح من ذکر فلانا کلوہ ان ربی بکل شئی علیم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

علماء کی جوتیاں سیدھی کرنا

سوال (۸۷۹) علماء وصلحاء کی جوتیاں اٹھانا اور سیدھی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اگر بہ نیتِ خالص خدمت مقصود ہے تو صرف جائز ہی نہیں بلکہ امرِ مستحسن ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نوری ہونا

سوال (۸۸۰) اللہ کی ذات، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے اصل اور مادہ ہے یا نہیں؟ اور جو مشہور ہے ان رسول اللہ من نور اللہ تعالیٰ۔ اس کا کیا مطلب ہے اور حضورؐ کی ذات قدیم ہے یا حادث؟

جواب:۔ اللہ کی ذات کسی کے لیے بھی مادہ اور اصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو قدیم ہے جو کسی حادث کے واسطے مادہ نہیں بن سکتی۔ اور قدیم کہا جاتا ہے ایسے فردِ واحد کو جس میں تقسیم اور اجزاء نہ ہو سکیں۔ اور

انفصال اجزا کے بغیر کسی شئے کی اصل بننا ناممکن ہے۔ جیسا کہ کتب عقائد میں مذکور ہے۔
اور زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں انہ من نور اللہ کی تشریح کرتے ہیں کہ من نور سے مراد ذاتِ باری ہے جس کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ وہ نور کوئی مادہ ہے جس کے بعض اجزاء سے رسول کا نور بنایا گیا بلکہ بنانا صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا تعلق آپ کے وجود کے ساتھ بلا واسطہ ہے۔ انتہیٰ کلامہ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیم یا حادث ہونا معنیٰ قدیم معلوم ہونے پر موقوف ہے۔ قدیم کے دو معنیٰ ہیں:-
(۱) ایسا موجود جس کی کوئی ابتداء ہی نہ ہو جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اور یہ قدیم کے حقیقی معنیٰ ہیں۔
(۲) وہ موجود جس کی ابتداء تو ہو مگر وہ تمام موجودات میں اصل اور طویل ہو تو اس کو قدیم مجازاً کہدیا جاتا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔
اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معنیٰ اول کے اعتبار سے قدیم نہیں البتہ معنیٰ ثانی کے اعتبار سے قدیم کہا جا سکتا ہے۔
زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:- الازلی القدیم لیس لہ ابتدأ ویطلق مجازاً علی ماطال عمرہ والوجود ثلاثۃ ازلی وابدی وھوالحق سبحانہ وتعالیٰ ولاازلی ولاابدی وھوالدنیا وابدی غیرازلی وھوالآخرۃ۔
البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا خاص تعلق ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ شیخ یوسف بن قادر احمد۔
مااحسن ھذا الجواب: یہی عقیدہ جمیع اہلِ اسلام کا ہے اور اس کا مخالف کافر مجاہر یا ملحد وزندیق ہے واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبد الحیٔ تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

تمت ھذہ المسائل

انتخاب صحاحِ ستّہ

مترجم عربی مع اردو۔ مع فوائد و تشریحات

سائز ۲۶×۲۰ ÷ ۸ ❋ صفحات ۲۵۶

ترتیب، تحسین و تزئین:۔ مولانا امجد العلی

۸۰۰ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا گراں قدر مجموعہ۔ بخاری، مسلم، ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی کا بے نظیر خلاصہ نہایت کوشش اور اہتمام کے ساتھ ان چھ ضخیم کتابوں سے جو عطر کھینچ کر اس انتخاب میں سمو دیا گیا ہے، اسے حقیقت میں احادیث نبویؐ کی روح کہا جا سکتا ہے۔

ایک کالم میں عربی عبارت مع اعراب، اور اس کے مقابل کالم میں سلیس اردو ترجمہ ہے۔ احادیث پر سلسلہ وار نمبر دیئے گئے ہیں۔

قیمت مجلد

ناشر: مِلّت پبلشرز دیوبند یو، پی

مسند امامِ اعظم ابو حنیفہؒ

مترجم عربی مع اردو۔ مع فوائد وتشریحات

تالیف:۔ امام ابو حنیفہؒ ٭ ترجمہ:۔ مولانا سعد حسن یوسفی ٭ مقدمہ:۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

۵۲۳ احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل اور ایمان افروز خزانہ جس کو فقہ حنفی کے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیتِ تابعی بڑی کاوش وجستجو اور صحت کے ساتھ مرتب فرمایا تھا۔

ایک کالم میں عربی عبارت اور اس کے مقابل کالم میں سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ ہے، نیز ضروری فوائد وتشریحات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ احادیث کے سلسلہ وار نمبر دیئے گئے ہیں۔ شروع میں فہرست مضامین۔ حالاتِ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور مقدمہ کتاب شامل ہے

سائز ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۴۳۲ قیمت مجلد

ناشر:۔ ملک پبلشرز دیوبند یوپی